

مسلم اسپین

آئی ایچ برنی

ریڈل پبلشرز

مسلم اسپین

ایک سیاسی و ثقافتی تاریخ

پروفیسر آئی، ایچ برنی
صدر شعبۂ تاریخ اسلام
جامعہ ملّیہ کالج۔ ملیر

ریڈ پبلشرز اردو بازار کراچی

پہلی اشاعت : نومبر 1969ء
انیسویں ترمیم و نظر ثانی شدہ اشاعت : اپریل 1997ء
تعداد : دو ہزار
مطبع : احمد برادرز پرنٹرز، ناظم آباد
ناشرز : ریڈرز پبلشرز۔ نیو اردو بازار۔ کراچی
فون : 2628484 - 2628383
فیکس : 2634646
قیمت ... روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

انتساب

حضرت مستطاب اعلیٰ حضرت سیّد نظام الدّین احمد قادری سروری کے نام

تمنّا دردِ دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں
نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی، ارادت ہو تو دیکھ انکو
یدِ بیضا لئے بیٹھے ہیں، اپنی آستینوں میں

(علامہ اقبالؔ)

بو ز نج

عرضِ مؤلّف

اس کتاب کی علمی و درسی افادیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۹۶۹ء سے ۱۹۹۱ء تک ہر سال مسلسل شائع ہو رہی ہے۔ ۱۹۹۲ء کا سال اس کی اشاعتِ نو کی صورت گری کے تکلفات کی نذر ہو گیا۔ پیشِ نظر اشاعت اس کی اٹھارہویں اشاعت ہے جو بہت سی صوری تبدیلیوں کے ساتھ ریڈر پبلشرز کے توسط سے آپ تک پہنچی ہے۔ امید ہے آپ کو اس کی نئی صورت گری پسند آئے گی۔

اسے تحریر و تالیف کرتے میرے پیشِ نظر قارئینِ کرام کو مسلم اسپین کے تاریخی کھنڈروں کی سیر کرانا نہیں تھا بلکہ خود شناسی اور خود احتسابی کی کسک سے روشناس کرانا بھی تھا اس لیے میں نے حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی بجائے انھیں جوں کا توں بیان کر دیا ہے کیونکہ مؤرخانہ دیانت داری کا تقاضا یہی ہے۔

میں ان اساتذہ کرام کا ممنون ہوں جنہوں نے اپنے طلباء کی تدریسی ضرورتوں اور راہنمائی کے لیے اسے ایک معیاری درسی کتاب کے طور پر پسند فرمایا۔ ان کی یہ حوصلہ افزائی اور پذیرائی ہی میرا سرمایۂ فخر ہے

احقر العباد

برنی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ابتدائیہ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی سَیِّدِ الۡمُرۡسَلِیۡنَ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ

برصغیر پاک و ہند میں مسلم اسپین کے مطالعہ کو ابتداً عام تاریخی مطالعے سے زیادہ کوئی اہمیت نہ دی جاتی تھی۔ تاریخی مطالعے کا شوق رکھنے والے بھی اسپین سے آسان گذر جاتے تھے مگر وہ چشم بینا جس نے مسلمانانِ برصغیر کے دلوں کو گرما کر روح میں ایک تڑپ پیدا کی تھی اسپین سے طائرانہ نہ گذر سکی وہ درد بھری آواز جس نے حجازی لے میں ہندی نغموں کی سحرکاری سے سننے اور پڑھنے والوں کے دل جیت لئے تھے۔ جب یوں نغمہ سرائی ہوئی ؎

اے حرم قرطبہ! عشق سے تیرا وجود
عشق سراپا دوام جس میں نہیں رفت و بود

تو برصغیر کی فضاؤں میں یہ صدائیں گونجنے لگیں ؎

اے گلستان اندلس! وہ دن ہیں یاد تجھ کو
تھا تیری ڈالیوں میں جب آشیاں ہمارا

یہی وہ فکری موڑ ہے جہاں سے برصغیر کے مسلمانوں میں مسلم اسپین کی تاریخ کے مطالعے کا شوق پیدا ہوا اور اُسی کے بعد مسلم اسپین پر انگریزی کتب کے وہ اردو تراجم جو بیسویں صدی کے اوائل میں کئے گئے تھے مقبول عام ہوتے اور بہت سی مختصر کتابیں اسپین پر تحریر کی گئیں جن کے ذریعے اس اہم مسلم دور کی سیاسی تاریخ کا تو پتہ چلا مگر مسلمانوں کے کارنامے ہنوز پوشیدہ رہے۔ بلاشبہ اسپین کے مسلم دور پر عربی، انگریزی، اردو اور فرانسیسی میں آج بے شمار کتابیں ملتی ہیں لیکن عجب اتفاق ہے کہ بجز چند کے ان میں سے ہر کتاب میں مسلم اسپین کے کسی نہ کسی

شعبۂ حیات کی کمی محسوس ہوتی ہے مثلاً ڈوزی کی مشہور تصنیف حالات و واقعات کی تحقیق سے تو پُر ہے مگر اس میں دو خامیاں ہیں اوّل یہ کہ اس میں جا بجا تعصب کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ دوئم یہ کہ جزئیات کی تفصیل کے باوجود اسے مسلم اسپین کی مکمل تاریخ نہیں کہا جا سکتا۔ اس لئے کہ اس میں مسلم تہذیب و ثقافت کے کسی پہلو پر قلم اُٹھانے کی کوشش نہیں کی گئی دوسری مشہور کتاب کونڈے کی ہے۔ اس کتاب کو خود ڈوزی نا قابلِ اعتبار ٹھہراتا ہے۔ تیسری کتاب جو مشہور بھی ہے اور خاصی ضخیم بھی اور مسلم اسپین کے تمام شعبہ ہائے تہذیب و ثقافت کا احاطہ بھی کرتی ہے وہ اسکاٹ کی "اخبار الاندلس" ہے۔ اس کتاب میں تاریخ نگاری کے نکتۂ نظر سے یہ خامی تمام علمائے تاریخ نے تسلیم کی ہے کہ اسکاٹ نے بزعم خود واقعات و حالات کو کسی ماخذ کے حوالے کے بغیر اس قدر تفصیل سے بیان کیا ہے کہ یہ کتاب تاریخ کے بجائے طویل داستانوں کا ایک مجموعہ بن گئی جس کو پڑھ کر مسلمانوں کے کارناموں سے واقفیت تو حاصل کی جا سکتی ہے مگر ان پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

البتہ یہ ضرور ہے کہ اگر قدیم کتب کی مدد سے اسکاٹ کی کتاب کا مطالعہ کیا جائے تو یہ ایک قیمتی سرمایہ فراہم کرتی ہے مگر اس کے لئے ایک محقق کی نظر درکار ہے ان کتب کے علاوہ بھی اور بہت سی کتب مغرب کے علمی مراکز سے شائع ہو کر ہم تک پہنچی ہیں مگر ان کے مطالعے کے بعد بھی تشنگی کا احساس باقی رہ جاتا ہے۔ اس ضمن میں ایلین اور شاہ چارلس لی برٹرنڈ۔ لین پول اور ایڈون ہول خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان سب کتب میں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے یہ مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت کی تواریخ نہیں ہیں بلکہ ایک تبصرہ ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ ان سب میں ایک مشترک کمی یہ پائی جاتی ہے کہ ان سب مصنفین نے اسپین کے عربی مورخین کو نذرِ طاقِ نسیاں کر دیا ہے اور ڈوزی اسکاٹ اور کونڈے کی تحریروں کو بنیاد بنایا ہے۔

مسلم اسپین کی تاریخ نویسی میں عربی ماخذین سے بے نیاز ہو جانا حق تاریخ نویسی سے روگردانی کے مترادف ہے۔ ہر چند کہ عربی تواریخ بھی مکمل اور جامع نہیں ہیں اور ہر کتاب مؤرخ کے اپنے اپنے دور تک محدود ہے لیکن پھر بھی یہ سب بحیثیت مجموعی مسلم اسپین کی سیاست، تہذیب اور ثقافت کو بھرپور انداز میں پیش کرتی ہیں۔

اردو میں مسلم اسپین کی مکمل اور جامع تاریخ کی تصنیف وتالیف کا سہرا ندوۃ المصنفین اعظم گڑھ کے سر ہے۔ سید ریاست علی ندوی نے جس کاوش اور تندہی سے اس کام کی تکمیل کی ہے اس کا اجر اللہ رب العزت ہی کے پاس ہوسکتا ہے لیکن افسوس کہ ان کی محنت اور جانفشانی کا یہ مرقع ہم تک صرف ایک جلد کی شکل میں پہنچ سکا ہے۔ باقی تین جلدوں کی اشاعت خدا جانے کب ہو سکے گی۔ اعظم گڑھ سے شائع ہونیوالی اس کتاب کے بعد مسلم اسپین پر قلم اُٹھانے کی کوئی گنجائش نہیں تھی اس لئے کہ اس کتاب کے سامنے انگریزی اور عربی کتابیں بھی حقیر نظر آتی ہیں۔ مگر باقی تین جلدوں کی کمی ایک مختصر نئی تصنیف کے لئے البتہ جواز فراہم کرتی ہے۔

زیر نظر کتاب اسی کمی کو پورا کرنے کی ایک حقیر کوشش ہے اس کتاب کا اسلوب بڑی حد تک ریاست علی ندوی کے اسلوب کی مانند ہے۔ واقعات کی تفصیل عربی اور انگریزی کے مستند حوالے دونوں میں قدر مشترک ہیں۔ زیر نظر کتاب میں اردو تراجم کے اکثر حوالے بھی موجود ہیں۔ یہ حوالے علمائے تاریخ کے نزدیک درجۂ استناد سے گرتے ہوئے تو ہونگے لیکن موجودہ حالات میں طلبا و قارئین کی رسائی اور ذوق کے پیش نظر ان حوالوں کی اپنی جگہ خود ایک افادیت ہے۔ اردو تراجم کے حوالوں میں یہ احتیاط بہرحال ملحوظ رکھی گئی ہے کہ وہ اصل عربی یا انگریزی سے متضاد نہ ہونے پائیں۔ تراجم میں جہاں اصل سے اختلاف نظر آیا ہے۔ وہاں اصل عربی اور انگریزی ماخذ کے حوالے دیکر نشاندہی کر دی گئی ہے۔

امید ہے کہ علمائے تاریخ میری "اُردو پسندی اور تراجم برادری کی جرأت کو گوارا فرمائیں گے"، اس کتاب کے بعض ابواب اور ابواب کے بعض اجزا میری اپنی طرزِ فکر کا نتیجہ ہیں جو علم تاریخ اور تاریخ نویسی کے مزاج میں شاید ایک اضافے کی حیثیت رکھتے ہوں۔ اس جسارت پر میں نقد و نظر کو تیار ہوں۔ مجھے اس بات کا پورا احساس ہے کہ غرناطہ کی دو سو سالہ بادشاہت کی تہذیبی اور ثقافتی ترقیاں پوری طرح نہ پیش کی جاسکیں۔ صرف جھلکیوں پر ہی اکتفا کرنا پڑا ہے۔ اس کوتاہی کا سبب سعئ بسیار کے باوجود مواد کا خاطر خواہ دستیاب نہ ہونا ہے تاہم بطور مجموعی کوشش کی گئی ہے کہ مسلم اسپین کی تہذیب و ثقافت کو مختصر اور جامع انداز میں پوری طرح اجاگر کرکے پڑھنے والوں کو

اس عہد سے روشناس کرایا جاسکے۔ میری کوششوں کا حاصل آپکے سامنے ہے۔ میں صاحبانِ علم کا ممنون ہوں گا اگر وہ اپنا قیمتی وقت صرف کرکے مجھے کتاب کی خامیوں اور کوتاہیوں سے آگاہ کریں۔

اس کتاب کی ترتیب وتجویب میں جناب محمد ظہیر خاں صاحب ایم۔اے (تاریخ اسلام) اور ایم۔اے (تاریخ عام) نے وقت کی کمی کے باوجود جوسعی ومحنت کی ہے۔ میں اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

جناب مرتضیٰ شفیع صاحب (یکے از بانیان علامہ اقبال کالج) اور جناب محمد فائق صاحب اردو کالج کا اس کتاب کی طباعت میں نمایاں کردار ہے۔ جناب محمد حسین صاحب صدیقی علامہ اقبال کالج نے کتابوں کی فراہمی اور مفید مشوروں سے میری مدد فرمائی ہے اور جناب عاصم صدیقی نے مسودے کی صفائی کے سلسلے میں میری معاونت کی ہے۔ میں ان تمام مخلصین کا تہ دل سے مشکور ہوں۔

احقر العباد

برنی

فہرست

حصہ اوّل

وفات۔ عہدِ حکومت۔

۴۔ عبدالرحمٰن الاوسط بن حکم اوّل۔ تخت نشینی۔ بغاوتیں اور ہنگامے۔ عیسائی ریاستوں سے تعلقات۔ عیسائیوں کی جنونی تحریک۔ کردار اور وفات۔ داخلہ پالیسی۔ خارجہ پالیسی۔

باب ۶ ——— امارت بنوامیہ زوال کے دروازے پر ———

۱۔ محمد بن عبدالرحمٰن الاوسط۔ تخت نشینی۔ بغاوتیں اور ہنگامے۔ قرطبہ کے جنونی عیسائی۔ بنو قسی کی آزاد حکومت۔ بنو مروان کا اعلانِ آزادی۔ نارمنوں کا حملہ۔ عیسائی حکومتوں سے تعلقات۔ کردار اور وفات۔ عمر ابن حفصون۔

۲۔ منذر بن محمد۔ کردار اور کارنامے۔

۳۔ عبداللہ بن محمد۔ تخت نشینی۔ البیرہ میں اسپینیوں کا خروج۔ اشبیلیہ میں بغاوت۔ عمر ابن حفصون۔ جنگ حصن بلائی۔ آخری نو برس۔ کردار اور بغاوت۔

۴۔ محمد سے عبداللہ تک۔ جائزہ۔

باب ۷ ——— خلافت بنوامیہ اسپین ———

۱۔ خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر بن محمد۔ تخت نشینی۔ ملک کی حالت۔ بغاوتوں کا خاتمہ۔ بنو حجاج کی اطاعت۔ عمر ابن حفصون کا خاتمہ۔ بنو حفصون کا انجام۔ علاقہ تدمیر کی اطاعت۔ طلیطلہ پر قبضہ۔ عیسائی ریاستوں سے تعلقات۔ ریاست لیون اور نبرہ کی اطاعت۔ خلافت کا قیام۔ عیسائی ریاستوں کی سرزنش۔ شانجہ دربارِ خلافت میں۔ جنگ۔ فاطمینِ مصر سے تعلقات۔ کردار اور وفات۔ کارنامے۔ طرزِ حکومت۔ اقتصادی اور مالی حالت۔ زراعت۔ تجارت و صنعت۔

حصّہ دوئم

حصّہ سوئم

حصّہ چہارم

حِصّہ اوّل

باب ا

جزیرہ نما اسپین

(ا) جغرافیائی حالت

حدود اربعہ : اگر ہم یورپ کا نقشہ دیکھیں تو ہمیں یورپ کے ایک حصے کی نوک افریقہ کے شمالی حصے کی ایک نوک سے ملتی نظر آئے گی جن کے درمیان ایک مختصر سی پانی کی لکیر قطع کرتی دکھائی دے گی۔ یورپ کی یہ نوک جبل الطارق ہے جسے آج کل جبرالٹر کہتے ہیں اور وہ جزیرہ نما اسپین کا جنوبی حصہ ہے۔ اس ملک کو جزیرہ نما اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کے تین طرف سمندر اور ایک طرف خشکی ہے۔ اس کے مشرق میں بحر روم (Mediteranian Sea) ہے جسے بحر متوسط، بحر شام اور بحر مشرق کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ مغرب کی طرف بحر اوقیانوس (Atlantic Ocean) ہے جسے بحر محیط اور بحر ظلمات کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ جنوب میں آبنائے جبرالٹر ہے جسے بحر زقاق کے نام سے پکارتے ہیں۔ یہی آبنائے ہے جو یورپ کو افریقہ سے الگ کرتی ہے۔ اس ملک کے شمال میں خلیج بسکے (Bay Of Biscay) ہے۔ شمال مشرقی حصے میں یہ ملک خشکی سے ملا ہوا ہے جس کے سبب اس کا شمار یورپ کے ممالک میں کیا جاتا ہے۔ کوہ البرانس (Pyranees Mountains) کی قدرتی سرحد اس کو یورپ کے ملک فرانس سے جدا کرتی ہے۔ آج کل اس جزیرہ نما میں اسپین اور پرتگال دو آزاد ملک ہیں۔ لیکن مسلم دور میں یہ ایک ملک اسپین ہی تھا اور اس کے قریب ہی بحر روم میں جزائر بلیارک (جزائر شرق الاندلس) اسی ملک کا ایک حصہ تھے۔

رقبہ : اسپین موجودہ نقشوں میں شمالاً و جنوباً ۳۶ درجہ دقیقہ اور ۴۳ درجہ ۴۵ دقیقہ کے درمیان اور شرقاً و غرباً ۳ درجہ ۲۰ دقیقہ اور ۹ درجہ ۳۰ دقیقہ کے درمیان واقع ہے۔ شریف ادریسی نے اس کی لمبائی ۱۱ سو میل اور چوڑائی ٦ سو میل لکھی ہے۔ موجودہ جغرافیہ کے لحاظ سے مشرق سے مغرب کی جانب زیادہ سے زیادہ لمبائی ۶۳۵ میل اور شمال سے جنوب میں زیادہ سے زیادہ لمبائی ۵۱۰ میل ہے۔ اس میں پرتگال کا علاقہ شامل نہیں ہے اگر اس کو شامل کرلیا جائے تو ادریسی کا قول صحیح ثابت ہوتا ہے۔ جزیرہ نما اسپین کا کل رقبہ (مع پرتگال) تقریباً ۳ لاکھ مربع میل ہوتا ہے۔

طبعی خصوصیات

جزیرہ نما اسپین کا بڑا حصہ ایک پہاڑی سطح مرتفع (پلیٹو) سے گھرا ہوا ہے جس کی انتہائی بلندی ۲٬۲۰۰ فٹ بتائی جاتی ہے۔ اس پلیٹو کو آج کل میسٹا (میز) کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہ پلیٹو بتدریج مشرق سے مغرب کی جانب بلندی میں کم ہوتا چلا گیا ہے۔ یہاں تک کہ پرتگال کے نشیبی علاقہ سے مل گیا ہے۔ اس سطح مرتفع میں جزیرہ نما کے مندرجہ ذیل پہاڑی سلسلے ہیں جو مشرق سے مغرب کی جانب پھیلے ہوئے ہیں۔

(ا) جبل البرانس (Pyranees Mountains) شمالی اسپین میں پہاڑوں کا ایک طویل سلسلہ ہے جو جلیقیہ (Galicia) تک چلا گیا ہے۔ بہت سے مقامات پر اس کے کئی نام بھی ہوگئے ہیں۔ جیسے جبل البرتات، جبل الابواب، جبل الفاصل وغیرہ۔ پہاڑوں کا یہ سلسلہ اسپین کو یورپی ملک فرانس سے الگ کرتا ہے۔ البتہ اس میں بہت سے درّے اور پہاڑی راستے تھے جن کے ذریعہ فرانس میں آمدورفت تھی، چند کے نام عرب جغرافیہ نویسوں نے لکھے ہیں۔ مثلاً برت اشمرہ، برت جافہ، برت شاذر، برت بیونہ وغیرہ۔ یہی وہ راستے تھے جن کے ذریعہ مسلمانوں نے فرانس پر حملے کئے اور اس کے کئی مقامات فتح کئے۔

(ب) مرکزی الشارات (Central Sierras) یہ پہاڑی سلسلہ جبل البرانس کے جنوب اور سرقسطہ کے جنوب مشرق سے شروع ہوتا ہے اور پرتگال کے مشہور شہر قلمریہ کے قریب تک چلا گیا ہے۔

(ج) جبل طلیطلہ (Montes-De-Toledo) مرکزی الشارات کے جنوب میں مشرق سے مغرب تک چلا گیا ہے اس کے ایک حصے کا نام شارت وادی اللب (Sierra-de-quadaljae) ہے۔

(د) شارات مورینہ (Sierra Morena) جبل طلیطلہ کے جنوب میں اسپین کے وسطی پلیٹو کے بالکل جنوبی سرے پر ہے۔ عربوں نے اس کو جبال قرطبہ کے نام سے پکارا ہے اس لئے کہ اس کی ایک شاخ قرطبہ تک آئی ہے۔ اسی پہاڑ سے مسلمانوں نے بہت سی نہریں کاٹ کر قرطبہ میں پانی پہنچایا تھا۔ اسی پہاڑی سلسلہ کا مشرقی حصہ آگے جنوب تک بڑھ گیا ہے جسے جبل شقورہ کا نام دیا گیا اس سے دو دریا شقورہ اور وادی الکبیر نکلے ہیں۔

(ہ) جبل الشلج یا جبل الشلیر (Monts-Solorious) اسپین کے جنوب مشرقی حصہ میں واقع ہے اس کے ایک حصہ کا نام شارات نوادہ (Sierra Nevada) ہے اس کی سب سے اونچی چوٹی ۱۱۴۲۱ فٹ اونچی ہے جس کا نام ایک عرب فرمانروا مولیٰ علی ابوالحسن کے نام پر (Mt Mulhacen) کہلاتی ہے۔ آج کل صوبہ غرناطہ میں واقع ہے۔

(و) **البشارات** (Al Pruxarras) یہ ایک چھوٹا سا سلسلہ کوہ ہے جو صوبہ غرناطہ میں جبل الشلیر کے جنوب میں ساحل کے قریب شرقاً غرباً پھیلا ہوا ہے۔

(ز) یہ تمام سلسلے مشرق سے مغرب کی طرف جاتے ہیں۔ کہیں کہیں پر شمال اور جنوب کی طرف جھکے ہوئے ہیں۔ چند پہاڑیاں مشرق اور مغربی اسپین میں شمال سے جنوب کی طرف پھیلی ہوئی ہیں۔ جیسے جبل قاعون، جبل الغور، جبل عنیف وغیرہ۔ بہت سی پہاڑیاں مشہور شہروں اور آدمیوں کے نام سے منسوب ہیں۔ جیسے شست مریہ، دروقہ، کونکہ، جبل ابن حفصون، جبل عاصم، جبل سلیمان وغیرہ۔

(ح) ایک چھوٹا سا سلسلہ کوہ جس کی شمالاً جنوباً لمبائی ۳ میل اور شرقاً غرباً چوڑائی ایک میل ہے جبل الطارق کے نام سے موسوم ہے۔ یہ جنوبی اسپین کے صوبہ قادس کے جنوب مشرق میں ایک تکونی شکل میں پھیلا ہوا ہے اس کے مغرب میں خلیج جبرالٹر واقع ہے۔

مندرجہ بالا پہاڑوں سے بہت سے دریا نکلتے ہیں جنہوں نے اسپین کی زمین کو پانی سے مالا مال کر دیا ہے۔ ان دریاؤں کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک وہ دریا جو بحر روم میں گرتے ہیں۔ دوسرے وہ جو دریا جو بحر محیط (Atlantic) میں اور بحر زقاق (آبنائے جبرالٹر) میں گرتے ہیں۔

بحر روم میں گرنے والے بڑے بڑے دریا حسب ذیل ہیں۔

وادی النساء ——— نہر المریہ

وادی آرد ——— وادی شقورہ

وادی القرشی ——— وادی شقر

وادی بلش ——— وادی الابیض

وادی ابرہ

بحر محیط اور آبنائے جبرالٹر میں گرنے والے دریا

برباط ——— مندیق

وادی لکہ یا لطہ ______ وادی دویرہ
وادی الکبیر ______ وادی ملینہ
وادی آنہ ______ وادی یکہ
تاجہ

ان کے علاوہ بہت سے چھوٹے چھوٹے دریا اور بھی ہیں جو کسی نہ کسی بڑے دریا کی شاخ ہیں جن کا تذکرہ حسب موقعہ آئے گا۔

علامہ مقری نے ابن الانظام کے حوالے سے اسپین کی طبعی خصوصیات کے بارے میں لکھا ہے "علما کے نزدیک یہ ملک طبعی حیثیت سے دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک شرقی حصہ جس کے دریا بحر روم میں گرتے ہیں۔ یہ حصہ نشیبی زمین سے مشرق تک چلا گیا ہے اور اس کی حدود شہر تدمیر سے سرقسطہ تک ہیں۔ دوسرا حصہ غربی ہے جس کے دریا بحر محیط (اٹلانٹک) میں گرتے ہیں۔ یہ حصہ مشرقی نشیب سے مغرب کے ساحل تک پھیلا ہوا ہے۔ شرقی حصہ میں مغربی ہوا سے بارش ہوتی ہے اور مغربی حصہ میں شرقی ہوا سے۔ اس ملک کے پہاڑ سلسلہ در سلسلہ مغرب تک اترتے چلے جاتے ہیں۔ غربی حصہ کے پہاڑ کوہ بکوہ ہو کر مشرق کی طرف پھیلتے ہیں اور سامنے کی زمین قطع کرتے ہیں۔ اس کے دریا مشرق سے مغرب کی طرف پہاڑوں میں ہو کر بہتے ہیں۔ جوف اسپین بلاد جلیقیہ کہلاتا ہے۔[1] اسپین کے بیشتر دریاؤں کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ پہاڑوں کے درمیان بہتے ہیں۔ جس کی بنا پر ان کی ساحلی زمین قابل کاشت نہیں ہوتی البتہ خود رو جنگلات بہت ہیں۔ اس ملک کے بہت کم دریا میدانی علاقہ میں بہتے ہیں۔

آب و ہوا کے لحاظ سے موجودہ جغرافیہ دانوں نے اسپین کو دو حصوں میں منقسم کیا گیا ہے۔ ایک حصہ وہ جہاں کثرت سے بارش ہوتی ہے اس کو بارانی (Pluviose) کہتے ہیں۔ دوسرا حصہ جہاں یا تو بارش ہوتی ہی نہیں یا اگر ہوتی ہے تو بہت ہی کم اس کو خشک یا بنجر (Arid) کہتے ہیں۔ پہلے حصہ میں ۲۴ انچ سے زیادہ بارش ہوتی ہے اس میں شمالی مغربی اور شمال مغربی علاقے یعنی جلیقیہ، شنت بریہ، لشکنس، کوہ البرانس، قطلونیہ اور موجودہ پرتگال کا شمالی حصہ شامل ہیں۔ اس علاقہ میں گرمی کا درجہ حرارت دوسرے حصے (Arid) سے بہت کم ہوتا ہے۔ بارش کے تسلسل اور کثرت سے خودرو جنگلات بہت ہیں جس کی وجہ سے جانوروں کو کثرت سے پالا جاتا ہے۔ وہ تمام پھل جو بحر روم کی آب

---

[1] نفح الطیب ج ۱ ص ۱۴۳

وہوا میں ہوتے ہیں یہاں پر پائے جاتے ہیں۔ البتہ زیتون اس علاقہ میں نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کی مناسبت سے گرمی زیادہ نہیں ہوتی ہے۔ انگور کثرت سے ہوتا ہے اور گیہوں اور مکئی بھی کاشت کی جاتی ہے۔ الغرض ضرورت کے مطابق پیداوار ہوجاتی ہے لیکن زیادہ تر ذریعہ معاش پالتو جانور ہی ہیں۔

تمام بنجر یا خشک(Arid) علاقہ کو بحر روم کی آب وہوا میں شمار کیا جاتا ہے گو اس کے بہت سے علاقے اس آب وہوا کے زمرے میں نہیں آتے لیکن بحیثیت مجموعی ان کو شمار کرلیا گیا ہے۔ اس تمام علاقہ میں بارش کم ہوتی ہے آسمان عموماً صاف رہتا ہے۔ موسم گرما گرد آلود اور سخت ہوتا ہے۔ جاڑوں میں سخت سردی پڑتی ہے۔ ہر روز خواہ گرمی ہو یا سردی غروب آفتاب کے بعد درجہ حرارت میں کمی واقع ہوجاتی ہے اور خنک ہوا چلنے لگتی ہے۔ چنانچہ اکثر زمین پر گھاس کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ بجز ان علاقوں کے جہاں پانی کی بہتات ہے اور آب پاشی کا طریقہ رائج ہے۔ مرکزی شارات میں جنگلات پائے جاتے ہیں۔ گو وہ زیادہ گھنے نہیں ہیں لیکن انسان ان میں آباد نہیں ہو سکتا۔ البتہ بھیڑ بکریاں ضرور پالی جاتی ہیں۔ اس حصے کا شمالی علاقہ جنوبی علاقہ سے بلند ہے۔ اور وہاں کا درجہ حرارت بھی کم ہے لیکن آب وہوا کے لحاظ سے دونوں میں بہت کم فرق ہے۔ شمالی علاقہ میں زیتون کی کاشت جنوبی علاقہ سے کم ہوتی ہے لیکن گیہوں اور جو دونوں علاقوں میں کثرت سے پیدا کیا جاتا ہے۔ بشرطیکہ زمین کو اچھی کھاد بھی ملی ہو۔ وادی ابرہ میں بڑا علاقہ آبپاشی کے ذریعہ کام میں لایا جاتا ہے۔ اس علاقہ میں پانی میں نمک کی مقدار زیادہ ہوتی ہے۔ جس سے فصلوں کو کافی فائدہ ہوتا ہے۔

بڑے بڑے گھاس کے میدان ہیں جو چراگاہوں کے طور پر کام آتے ہیں جن کی وجہ سے بھیڑوں اور بکریوں کی افزائش نسل بہت ہوتی ہے۔ میدانی علاقے یا تو ساحل بحر روم اور بحر محیط پر ہیں یا پھر چراگاہوں سے ملے ہوئے ہیں جہاں پر آبپاشی کے ذریعہ اچھی فصلیں تیار کی جاتی ہیں۔ بعض علاقے آج تک بہترین کاشت کے علاقے شمار کئے جاتے ہیں۔ جیسے بلسیہ' المریہ' مرسیہ' مالقہ وغیرہ۔ دریاؤں کی گذرگاہوں میں سوائے وادی الکبیر کے کاشت کرنا ممکن نہیں۔ اس لئے کہ دریا عموماً اونچی اونچی پہاڑیوں کے درمیان سے گزرتے ہیں۔ البتہ مختلف طریقوں سے ان سے پانی حاصل کیا جاتا تھا اور نہریں بھی نکالی گئی تھیں۔ مسلم دور کی بہت سی نہریں آج بھی پائی جاتی ہیں۔ آبپاشی اور کاشتکاری کے سلسلہ میں جو طریقے مسلمانوں نے اختیار کئے تھے ان کا تذکرہ آگے آئے گا۔ معدنیات ونباتات کا تذکرہ بھی آگے چل کر کیا گیا ہے۔ مسلم زمانے کی معدنیات آج بھی پائی جاتی ہیں۔

شہرو آبادی

باوجود اس کے کہ مسلم دور کا اسپین ایک بڑا ملک تھا اور کافی تہذیب یافتہ تھا پھر بھی اس میں بہت کم بڑے شہر تھے جن کی آبادی زیادہ تھی۔ مثلاً قرطبہ 'اشبیلیہ 'طلیطلہ وغیرہ۔ لیکن عام طور پر شہروں کی آبادی زیادہ نہ تھی۔ اسپین کے پہاڑی حصے میں تو دور دور تک آبادی کے نشانات نہیں ملتے تھے۔ البتہ جنوبی اور وسطی اسپین میں آبادیاں کثرت سے تھیں۔ مسلمانوں نے بہت سے نئے علاقے آباد بھی کئے تھے جن کے آثار آج تک پائے جاتے ہیں۔ عرب جغرافیہ دانوں نے مسلم دور کے اسپین کو بہت سی اقالیم (صوبوں) میں منقسم کردیا ہے۔ کیونکہ عربوں نے پرتگال اور اسپین کو ایک ہی علاقہ قرار دیا ہے۔ اس لئے ان کی قائم کردہ تقسیم موجودہ تقسیم سے بہت مختلف ہے۔ چنانچہ ہم نے بھی مسلم دور کے اسپین کی سیاسی تقسیم کے لئے عرب جغرافیہ دانوں کی تحریر پر اکتفا کیا ہے۔ مختلف جغرافیہ نویسوں نے ملک اسپین کی تقسیم کئی طریقوں سے بیان کی ہے۔ احمد بن محمد رازی نے اندلس (اسپین) کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا اندلس غربی دوسرا اندلس شرقی۔ اندلس غربی ملک کا وہ حصہ تھا جس کے دریا بحر محیط (اٹلانٹک) میں گرتے ہیں۔ اور اندلس شرقی وہ حصہ تھا جس کے دریا بحر روم میں گرتے ہیں۔ علامہ مقری نے اسپین کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اندلس مشرقی 'مغربی اور وسطی۔ پھر ہر حصے کو مختلف کوروں (صوبوں) میں تقسیم کردیا ہے۔ سب سے زیادہ صحیح اور تاریخی تقسیم مشہور جغرافیہ دان شریف ادریسی کی ہے جس نے اس ملک کو دو حصوں میں منقسم کیا ہے۔

(ا) مرکزی شارات (Central Sierras) کا شمالی حصہ جس کو قشتالہ کہا ہے۔

(۲) مرکزی شارات کا جنوبی حصہ جس کو اشبانیہ کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اگر اس تقسیم کو گہری نظر دیکھا جائے تو یہ تقسیم جغرافیائی سے زیادہ تاریخی معلوم ہوتی ہے۔ شمالی حصہ جو قشتالہ کہلاتا تھا۔ جغرافیائی نقطہ نظر سے پورا پہاڑی علاقہ ہے۔ اور تاریخی نظر سے عیسائیوں کا علاقہ تھا جس پر ہمیشہ مسلمانوں کے حملے ہوتے رہے اور وہ زیادہ تر با جگذار رہا' لیکن کبھی مستقلاً مسلمانوں کے قبضہ میں نہ رہا۔ دوسرا حصہ اشبانیہ مسلمانوں کا اندلس تھا جو پوری طرح مسلمانوں کا علاقہ تھا اور ۸ صدی تک مسلمانوں کا وطن رہا۔ یہ تقسیم ہی اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ مسلم دور میں شمال اور جنوب کی کشمکش رہی ہوگی۔ بہرحال اس تقسیم کو ہم نے بھی تسلیم کیا ہے اور اسی کی بنیاد پر ایک گوشوارہ تیار کیا گیا ہے۔ جس میں نہ صرف صوبوں (اقالیم) کا تذکرہ کیا ہے بلکہ ان صوبوں کے مشہور شہر قلعے اور ان کی موجودہ جائے وقوع بھی بیان کی گئی ہے۔ تاکہ اقلیم کی تفصیل سے پوری طرح آگاہی ہوسکے۔

(اس گوشوارہ کو کتاب کے آخر میں شامل کیا گیا ہے)

باشندے: موجودہ اسپین میں تو صرف عیسائی یہودی اور پرتگالی قومیں آباد ہیں۔ لیکن مسلم دور میں اس ملک میں بہت سی اقوام کا پتہ چلتا ہے جن میں عیسائی، یہودی، گاتھی، رومی، یونانی، فرینک اور مسلمان سب شامل تھے۔ بعض علاقوں میں یہ قومیں علیحدہ علیحدہ آباد تھیں اور بعض میں کئی قومیں مل جل کر رہتی تھیں۔ قدیم تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مسلم دور سے قبل اسپین میں آنے والی قوموں میں ای بیری، کلٹ، فیتقی، یونانی، رومی، شیوانی، الانی، واندال، فرینک اور قوطی (گاتھ) شامل تھے۔ ان قوموں نے اسپین میں اپنی اپنی آبادیاں بھی قائم کی تھیں۔ بہت سی اقوام مستقل طور پر اس ملک میں بس گئی تھیں۔ اور بہت سی اس علاقہ کو چھوڑ کر دوسرے ملکوں میں چلی گئی تھیں۔ ان قوموں میں صرف فیتقی مشرقی قوم تھے۔ باقی تمام اقوام یورپ کے وسطی علاقے سے تعلق رکھتی تھیں۔

مسلمان جس وقت اسپین میں داخل ہوئے تو یہاں پر قوط قوم حاکم تھی۔ اس قوم کا رہائشی علاقہ بحر اسود کے شمال میں دریائے نیسٹر کے قریب تھا۔ اس نے چوتھی صدی عیسوی میں یورپ کو اپنے قبضہ اقتدار میں لینا شروع کیا۔ یہاں تک کہ یونان، اٹلی اور فرانس تک ان کے قبضہ میں آگئے۔ ۴۱۴ء میں وہ اسپین میں داخل ہوئے۔ اس کے پانچ برس بعد انہوں نے شیوانی (Suevi) اور الانی (Illene) اقوام کی حکومت ختم کر کے اپنی حکومت قائم کرلی۔ ان کی حکومت کی حدود اسپین سے لے کر فرانس کے دریا لوئر (Loir) تک تھیں۔ کچھ عرصہ بعد وسطی یورپ کی ایک وحشی قوم وندال (Vandal) نے ان پر حملہ کیا اور ملک کے کچھ حصے پر اپنی حکومت قائم کرلی۔ لیکن ۲۰ برس کے اندر ہی اندر قوطیوں نے ان کو افریقہ کی طرف دھکیل دیا۔ قوطیوں نے تقریباً ۳ صدی تک اس ملک پر حکمرانی کی اور اپنے آپ کو پوری طرح اسپینی تہذیب و ثقافت میں سمولیا۔ انہوں نے اپنے آپ کو مقامی باشندوں میں شامل کرلیا۔ اور اسپینی قوم میں شمار ہونے لگے۔ گو ان کے درمیان طبقہ واری اختلافات موجود تھے لیکن جب مسلمان اسپین میں داخل ہوئے تو انہوں نے اپنے سب اختلافات ختم کر کے عیسائی ہونے کے رشتہ سے مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔

مسلمانوں سے قبل اسپین کے باشندوں کے درمیان تین مذاہب رائج تھے۔

(۱) عیسائیت

(۲) یہودیت

(۳) بت پرستی

تینوں مذاہب کی آپس کی کشمکش بھی جاری تھی۔ لیکن باشندے طبعاً مذہب پرست تھے۔ قوطی مذہباً بت پرست تھے لیکن چوتھی صدی عیسوی کے ختم ہوتے ہوتے وہ سب کے سب عیسائی ہوگئے تھے۔ مسلمانوں کو اسپین اور فرانس میں آباد جرمن قوم فرینک سے بھی سابقہ پڑا۔ یہ بھی بت پرست تھے۔ لیکن ۴۹۶ء میں اس کے سردار آئی کلووس نے عیسائیت قبول کرلی تھی۔ جس کے ساتھ ہی تمام قوم بھی عیسائی ہوگئی تھی۔ البتہ جنوبی فرانس کے بیشتر علاقے بت پرستی پر قائم تھے۔

(ب) قدیم تاریخ

عربی تاریخ کی رو سے اس ملک میں سب سے پہلے آباد ہونے والی قوم وندلس تھی لیکن مغربی مورخین نے اس کا نام سلٹ بتایا ہے جو فرانس سے آئی تھی[۱]۔ پھر آئی بیری اور لگوری اقوام نے اس کو اپنا مسکن بنایا۔ اس کے بعد افریقہ سے آئے ہوئے فینقیوں نے مسیحؑ کی ولادت سے کئی صدی قبل اسپین کے ساحلی علاقے پر اپنی بستیاں قائم کیں۔ ۲۴۷ء ق م میں قرطاجنی جنوبی اسپین میں آئے اور انہوں نے قادس میں اپنی کالونی بنائی۔ اسی زمانہ میں یونانیوں نے بھی مشرقی ساحل پر اپنی آبادیاں قائم کیں۔ ان کا صدر مقام اشبیلیہ تھا۔ بہت سی اقوام کے آنے سے کشمکش کا آغاز ہوا اور مختلف حکومتیں قائم ہونے لگیں۔ اس کشمکش میں قرطاجنہ کو ہزیمت ہوئی اور ۲ ق م میں وہ اس ملک کو چھوڑ کر چلے گئے۔ اس کے بعد رومیوں کا دور شروع ہوا اور کئی صدی تک وہ شان و شوکت سے حکومت کرتے رہے۔ رومیوں کا شاندار دور آگسٹس کا دور تھا۔ جس نے اسپین کو تین صوبوں میں تقسیم کردیا تھا۔ اور رومی قانون کو نافذ کرکے ہمیشہ کے لئے اس علاقے کو رومی سلطنت کا حصہ بنالیا تھا۔ اس نے بہت سی اصلاحات بھی کیں اور شہری نظم و نسق کو بہتر بنایا۔ بلاشبہ رومی دور قدیم اسپین کا شاندار دور تھا۔ جس میں کافی تہذیبی و ثقافتی ترقی ہوئی۔ عظیم رومی سلطنت کے زوال کے ساتھ ہی ساتھ اسپین میں بھی ان کا زوال شروع ہوگیا۔ قیصر ہنوریان کے زمانہ میں جرمن وحشی اقوام الین (Illene) وندال (Vandal) اور سوئی وی (Suevi) نے دریائے رائن کو عبور کرکے فرانس اور دیگر رومی مقبوضات کو برباد کرنا شروع کردیا۔ قیصر ہنوریان نے ایک دوسری وحشی قوم ہنوری کو ان سے لڑنے

---

[۱] تمدن عرب بلگرامی ص ۳۰۷

کے لئے بھیجا چونکہ وہ بھی وحشی تھے اس لئے خود بھی لوٹ مار اور غارت گری میں لگ گئے۔ جب ان کو اس بات کا احساس ہوا کہ انہوں نے قیصر کے احکامات کی خلاف ورزی کی ہے۔ جس کی ان کو ضرور سزا ملے گی تو انہوں نے کسی نہ کسی طرح سوئی وی اور الین اقوام کو فرانس سے اسپین کی طرف دھکیل دیا۔ اسپین میں ان کا مقابلہ کرنے والا کون تھا؟ چنانچہ مختلف شہر یکے بعد دیگرے ان کی ہوس کا نشانہ بنتے گئے۔ ٹیوٹن کی ان وحشی قوموں نے لوٹ مار، قتل و غارت گری اور وحشت کا مظاہرہ کرنے میں اچھے برے کی تمیز نہ کی اور تمام ملک پر تباہی و بربادی کی فضا قائم کر دی[1]۔ عرب مورخین نے ایک شخص اشبان بن ٹیطش کا نام لکھا ہے۔ جو مغربی مورخین کے مطابق سوئی وی قوم کا سردار تھا۔ جس نے اس ملک پر اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ جس کا دارالحکومت اشبیلہ کے قریب اشپانیہ بتایا جاتا ہے۔ جس کی مناسبت سے اسپین سے بھی پکارتے ہیں۔

اشبان نے ایک بڑی فوج کے ساتھ یروشلم پر بھی حملہ کیا تھا اور وہاں سے مائدہ سلیمان لایا تھا جو بعد میں طلیطلہ کے خزانے سے طارق بن زیاد کو ملا۔ اس بادشاہ کے خاندان سے ۵۵۰ بادشاہوں نے حکومت کی جن کے نام تک ابن القوطیہ اور ابن حیان وغیرہ نے لکھے ہیں۔ دوسری قوم " یشتولیات یاالین" (Illene) تھی جس کا پہلا فرمانروا طویلش بن نبط بتایا جاتا ہے۔ اس خاندان کے ۲۷ بادشاہ گزرے ہیں۔ ۶۰ برس تک تو ان دونوں قوموں نے خوب خوب قتل و غارت گری کی۔ لیکن جلد ہی یہ اسپین کی دیگر لاطینی اقوام میں گھل مل گئیں۔ زبان بھی لاطینی اختیار کر لی اور آہستہ آہستہ بت پرستی کو چھوڑ کر عیسائیت قبول کرتی گئیں۔

۵ ویں صدی عیسوی میں ایک نئی وحشی قوم نے بحراسود کے شمال سے سر ابھارا۔ اور بہت تیزی کے ساتھ یورپ کی متمدن حکومتوں کو تہ و بالا کر ڈالا۔ اس قوم کو عربوں نے قوط اور مغربی مورخین نے گاتھ (Goth) کے نام سے پکارا ہے۔ گاتھ ایک ایشیائی قوم تھی[2] جن میں اسٹروگاتھ (مشرقی گاتھ) نے تو اطالیہ پر قبضہ کر لیا اور وزی گاتھ (مغربی گاتھ) نے سوئی وی اور دیگر وحشی جرمن اقوام کو مغلوب کر کے ۵ ویں صدی کے شروع میں رومی صوبہ آئی بیریا (اسپین) پر اپنی حکومت قائم کر لی جس وقت مسلمانوں کی عقابی نگاہیں اسپین پر پڑ رہی تھیں اس وقت تک وزی گاتھ کو حکومت کرتے ہوئے دو سو برس سے زیادہ عرصہ گذر چکا تھا۔ اس دوران گو وہ مہذب اور مذہب پرست بن چکے تھے لیکن پھر بھی رومیوں کے زمانہ کی برائیوں کو ختم نہ کر سکے۔ بلکہ یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا کہ برائیاں

---

۲ علامہ مقری

ان کے زمانہ میں کچھ زیادہ ہی بڑھ گئی تھیں۔

(ج)۔ مسلمانوں سے قبل کا اسپین

اسپین کا پورا معاشرہ مختلف خود ساختہ طبقوں میں منقسم تھا۔ مثلاً بادشاہ اور شہزادے، کلیسا کے پادری اور اسقف، امراء جاگیردار، برگر (تجارت پیشہ لوگ) سرف اور غلام۔ ان سب کو دو اہم طبقوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(ا) لتی فندی یعنی حکمراں طبقہ۔ عہدیداران کلیسا، امراء و جاگیردار وغیرہ۔

(۲) عام رعایا یعنی برگر۔ سرف غلام اور یہودی)

دولت مند وسیع علاقوں کے جاگیردار خطاب یافتہ، رئیس اور سرکاری حکام کو عیش و آرام اور تن آسانی کے دوسرا کام نہ تھا۔ بڑے بڑے پر تکلف محلات جو انہوں نے دریاؤں کے کنارے پر بنا رکھے تھے ان کے عیش و عشرت کا مرکز تھے۔ ان عشرت کدوں میں ان امراء کے دن و رات قمار بازی، شناوری، شہسواری اور ضیافتوں میں گزرتے۔ غلاموں کا ایک انبوہ ان کی ہمہ وقت خدمت کے لئے حاضر رہتا۔ نہ ان کو عوام سے محبت تھی اور نہ وطن سے۔ مذہب ان کے نزدیک کوئی حقیقت نہیں رکھتا تھا۔ ایک پادری سلویانوس [1] ان کی مذہبی حالت پر غضبناک ہو کر لکھتا ہے۔ "کہ یہ بے دین گھوڑ دوڑ کے میدان کو کلیسا سے بہتر جانتے ہیں۔ گرجاؤں سے نفرت اور تماشا گاہوں سے الفت رکھتے ہیں۔ ہر مخلوق کی قدر و قیمت ان کے دل میں ہے مگر نہیں ہے تو خالق کی جسے وہ حقیر و ذلیل جانتے ہیں اور مذہب کا مذاق اڑاتے ہیں۔" غرض ان امراء و جاگیرداروں کا کام عوام کا خون چوسنا اور اپنے اقتدار کی خاطر سازشیں کرنا تھا۔ لین پول [2] لکھتا ہے کہ یہی طبقہ امراء و جاگیردار تھا جس نے ناجائز اغراض کو حاصل کرنے کے لئے عہدیداران کلیسا کو رشوتیں دے دے کر رشوت خوری کا عادی بنا دیا تھا۔

عام رعایا کو تین طبقوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(ا) متوسط الحال طبقہ جس میں اہل کوریا (ارکان مجلس انتظامی) یا برگر (تجارت پیشہ لوگ) شامل تھے۔ شہروں کا انتظام ان کے سپرد تھا۔ شہروں میں بلدیات قائم تھے لیکن یہ بلدیات خود زیادتیاں کرتے

---

[1]۔ عبرت نامہ اندلس جلد ۲ ص ۳۹۵ [2]۔ Moors In Spain- P.6

کرتے ظالم یا ظلم سہتے سہتے مظلوم ہو چکے تھے۔ کوریا کا ہر رکن جسے اگرچہ شاہی مراعات حاصل نہ تھیں لیکن اگر وہ ۲۰ ایکڑ سے زیادہ اراضی رکھتا تھا۔ اس کا یہ فرض ہوتا تھا کہ جب کبھی بھی ملکی آمدنی میں قحط یا فصل کی خرابی سے کمی واقع ہو جائے تو اس خسارے کو اپنی جیب سے ادا کرے۔ اس وجہ سے وہ ۲۵ ایکڑ سے زیادہ اراضی اپنے پاس نہ رکھتے تھے۔ کوریا کی رکنیت موروثی تھی۔ اس کے ارکان اپنی زمینوں اور جائیدادوں سے پوری طرح وابستہ تھے۔ بغیر حکومت کی مرضی کے وہ اپنی جائیداد کو نہ رہن رکھ سکتے تھے۔ اور نہ ہی بیچ سکتے تھے۔ بھاری بھاری ٹیکسوں کی ادائیگی سے وہ لوگ اس قدر تنگ آ گئے تھے کہ اپنی جائیدادیں چھوڑ کر یا تو فوجی ملازمت اختیار کر لیتے یا کوئی ادنیٰ سی ملازمت کر لیتے تھے۔ ان کا اگر سراغ مل جاتا تو پکڑ کر پھر کوریا میں شامل کر دیا جاتا یا پھر ان کی جگہ مبتدی اور غیر صحیح النسب لوگ بدعتی عیسائی، یہودی سزا یافتہ بدمعاش بلدیات کے رکن بنا دیئے جاتے جو لوگوں کو ذلیل و خوار کرتے اور سزائیں دیا کرتے تھے۔

اسپین کے معاشرے میں سب سے زیادہ مظلوم طبقہ سرف اور غلام تھا۔ سرف کاشتکار تھے اور کوریا اور غلاموں کے درمیان ایک درجہ رکھتے تھے۔ جب زراعت پیشہ رعایا جو آزاد تھی تباہ ہو چکی تو سرف کی جماعت کو رفتہ رفتہ ترقی دی گئی۔ ان کی کاشتکاری کے قواعد پہلے تو رواج یا معاہدے پر مبنی تھے لیکن سلطنت کے امن اور حفاظت کے خیال سے ان کو اہم مسائل میں شمار کر کے ان پر خاص توجہ دی جانے لگی تاکہ وہ کاشتکاری بھی کریں اور ضرورت ہو تو انہیں فوج میں بھی بھرتی کیا جا سکے۔ ان کا نظام بالکل جدا کر دیا گیا تھا۔ ان کا قانون اور پولیس بھی علیحدہ علیحدہ تھی[1]۔ بعض صورتوں میں ان کی حالت غلاموں سے قدرے بہتر تھی۔ مثلاً غلام قانونی طور پر شادی نہ کر سکتے تھے لیکن سرف کر سکتے تھے۔ غلام زمین کے مالک نہ ہو سکتے تھے لیکن سرف مالک ہو سکتے تھے۔ سرف کے آقا ان سے پیداوار کا ایک خاص حصہ تو لے سکتے تھے لیکن ان کی جائیداد پر قبضہ نہیں کر سکتے تھے۔ البتہ آقا کی مرضی کے بغیر وہ اپنی جائیداد منتقل نہیں کر سکتے تھے۔ وہ محصول حکومت کو براہ راست ادا کرتے تھے۔ لڑائی کے زمانے میں فوج میں بھرتی کیئے جاتے تھے۔ ان کو سیاسی حقوق یا انفرادی آزادی حاصل نہ تھی جسمانی سزائیں غلاموں کی طرح انہیں بھی دی جاتی تھیں۔ سرف دراصل کسی شخص کے نہیں بلکہ ان زمینوں کے غلام ہوتے تھے جنہیں وہ کاشت کرتے تھے۔ وہ زمین کو کسی صورت میں نہیں

---

[1] علاقہ مقری

چھوڑ سکتے تھے۔ اور زمین ان کی موروثی تھی زمین کی فروخت معہ اس کے سرفوں کے ہوتی تھی۔ وزی گاتھ کے زمانے میں سرف کی حالت اور خراب ہوگئی تھی۔ ان سے زبردستی بیگار لی جاتی تھی۔ کوئی سرف اپنے آقا کی مرضی کے بغیر شادی نہیں کر سکتا تھا۔ اگر وہ ایسا کرلیتا تو جبرا شوہر اور بیوی کو جدا کردیا جاتا۔ جب کسی غلام یا سرف کی شادی کسی دوسرے مالک کی سرف عورت یا لونڈی سے ہوتی تو جس قدر اولاد ان سے ہوتی وہ دونوں مالکوں میں تقسیم ہوجاتی۔ سرف سے زیادہ خستہ حالت غلاموں کی تھی۔ یہ مویشیوں اور خانہ داری کے اسباب کی طرح بلا تکلف خرید و فروخت کئے جاسکتے تھے۔ انکی تعداد ان کے آقاؤں سے کہیں زیادہ تھی۔ حکیم سینکا لکھتا ہے[۴۲] کہ "ایک دفعہ مجلس سینیات میں اس بات کی تحریک ہوئی کہ جس قدر غلام ہیں وہ ایک ہی قسم کا لباس پہنا کریں تاکہ ان میں اور دوسروں میں تمیز ہوسکے۔ لیکن یہ تحریک اس بناء پر منظور نہ ہوئی کہ اگر ایسا کیا گیا تو کہیں غلاموں کو آقاؤں کی قلت تعداد کا اندازہ نہ ہوجائے۔" غلاموں پر سختیاں بڑی بے رحمی سے کی جاتی تھیں۔ آقاؤں کے ہاتھ سے تو ظلم ہوتے ہی تھے لیکن غلاموں کے کاموں پر ان کے افسر اور نگران کار جو بے رحمی کرتے تھے وہ بیان سے باہر ہے۔ یہ افسر خود بھی غلام ہوتے تھے۔ غلاموں کے خاندان میں ہر خاندان کے ذمہ آقا کے خاندان کی ایک خاص خدمت پشت ہا پشت سے مخصوص ہوگئی تھی۔ مثلاً غلاموں کے کسی خاندان کو ماہی گیر' کسی کو چرواہے' کسی کو لوہار کسی کو کچھ اور کسی کو کچھ اپنے آقا کے خاندان کو پیش کرنے ہوتے تھے۔ کوئی غلام اپنے آقا کی مرضی کے بغیر شادی نہیں کرسکتا تھا۔ رومن کیتھولک برسراقتدار سے پہلے اپنے وعظوں میں غلاموں اور سرفوں کو نجات دلانے اور ان کو آزادی کے سبز باغ دکھاتے تھے۔ لیکن جب وہ برسراقتدار آگئے تو اپنے اصولوں اور وعدوں سے منحرف ہوگئے اور کہنے لگے کہ "انسداد غلامی کے اصول ہم نے قبل ازوقت رائج کرنے چاہے تھے' حقیقت میں ابھی ان کی آزادی کا وقت نہیں آیا ہے۔ اور شاید ابھی صدیوں تک ایسا وقت نہ آئے۔" غرض سوداگر ہوں یا تاجر' سرف ہوں یا غلام' حکومت کے جور' آقاؤں کے تشدد اور مالکان اراضی کے ظلم سے بچنے کے لئے آخری علاج یہی کرتے کہ گھر بار چھوڑ کر جنگل یا پہاڑوں میں چلے جاتے اور وہاں رہزنی کا پیشہ اختیار کرلیتے۔ بعض دفعہ گروہ بندی کرلیتے اور پھر بہت سے گروہ مل کر لوٹ مار کرنے کا ایک پورا لشکر بن جاتے

---

[۴۲] عبرت نامہ اندلس ج ۱ ص ۳۸۷

جس کے اثرات لازمی طور پر حکومت کی اقتصادی پر پڑ رہے تھے۔

جس وقت وزی گاتھ اسپین میں آئے تھے تو اہل اسپین برائے نام مسیحی مذہب رکھتے تھے۔ گو قسطنطین نے مسیحی مذہب کو سرکاری قرار دے دیا تھا اور اس کو پھیلانے کی کوشش بھی کی تھی لیکن پھر بھی مغربی صوبوں میں اس کے اثرات زیادہ نہ تھے۔ اول تو یہ کہ پادریوں کو سوائے کلیسا کے نفع نقصان کے اور کسی چیز سے سروکار نہ تھا۔ چنانچہ اس بناء پر وہ جاہل بت پرستوں کو مطمئن نہ کرسکے۔ دوسرے یہ کہ رومی شرفاء پر پادریوں کا قابو نہ چل سکا۔ گو یہ شرفاء عیسائی تو ہوگئے تھے اس لئے کہ عیسائیت سرکاری مذہب بن گیا تھا مگر ان میں بدکاریاں اس قدر سرایت کرچکی تھیں کہ وہ عیسائیت کے قوانین اخلاق کے متحمل نہ ہوسکتے تھے۔ ان کی طبیعتیں اس قدر شکی ہوچکی تھیں کہ اصول نصرانیت کا معتقد ہونا ان کے لئے ممکن نہ رہا تھا۔ جس کے نتیجے میں عیسائیت کو زیادہ فروغ حاصل نہ ہوسکا۔ جب روما پر زوال آیا تو ان پادریوں نے کہنا شروع کیا کہ یہ زوال عیسائیت سے روگردانی کا نتیجہ ہے۔ اسپین میں وحشی قوموں کے حملے شروع ہوئے تو چاہئے یہ تھا کہ کلیسا کے پادری ان کے خلاف زہر اگلتے لیکن اس کے برخلاف انہوں نے ان فاتحین کے ظلم و تشدد کو کم کرکے دکھایا اور دنیا کے سامنے ان کی تعریف کرنے لگے۔ اور ان کی حکومتوں کو رومیوں کی حکومتوں سے بہتر سمجھتے رہے۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ ان کی دل میں انسانی ہمدردی اور مروت کا کوئی خیال ایسا نہ تھا جو ان کو ایسی باتوں سے روکتا۔ ان کے لئے قوم کی محبت ایک بے معنی چیز تھی۔ دنیا میں ملک کی محبت ان پر کوئی اثر نہ رکھتی تھی۔ کیونکہ ان کا آبائی ملک آسمان تھا۔ رحم ان کے دلوں سے زائل ہوچکا تھا۔ لوٹ مار بلکہ قتل عام بھی ان کے دلوں پر کوئی اثر نہ کرتا تھا۔[ل] ”پادری اس بات کے معترف تھے کہ وزی گاتھ بھی رومیوں کی طرح انصاف کا خون کرنے والے، طامع، فریبی اور غاصب ہیں۔ ان وحشی اقوام میں گو نیکی کا کوئی تصور نہ تھا لیکن پھر بھی پادری جو کچھ ان کو سکھاتے اور بتاتے تھے اس کا یقین کرلیتے تھے۔ وہ فطری طور پر مذہب پرست تھے۔ جب کوئی خطرہ ہوتا تو یہ لوگ سوائے خدا کے کسی دوسرے سے دعا نہ مانگتے تھے۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے ان کے بادشاہ ٹاٹ کا جبہ پہن کر خدا کے سامنے جھکتے تھے۔ لڑائی میں فتح ہوتی تو وہ خدا کی مدد کو شامل حال سمجھتے تھے۔ اس کے علاوہ پادریوں کی دل سے عزت کرتے تھے۔ گو وہ ابریوسی فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن رومن لیکن کیتھولک پادریوں کی بھی عزت کرتے تھے۔ رومن کیتھولک پادری بھی ان کی اس رواداری سے بے بہرہ نہ تھے۔ اس لئے ان کو

ل عبرت نامہ اندلس جلد ۲ ص ۳۸۸

کیتھولک بنانے کی کوششیں کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ ان کی یہ امیدیں ۵۸۷ء میں پوری ہوئیں۔ اور شاہ ریکارڈ (Recared) اس لئے اس کے ہمراہی اس مذہب میں شامل ہو گئے۔ ۲ اس کے بعد ان پادریوں نے نہ صرف بادشاہوں کے دل و دماغ پر تصرف کیا بلکہ ملکی قوانین کی تشکیل اور انتظامی اختیارات پر بھی قبضہ کر لیا۔ اور کلیسا کی دستاویز میں اپنی عظمت اور وقار کے سلسلے میں تحریر کیا کہ "ہم یسوع مسیح کے حکم سے قوم کے محافظ مقرر ہوئے ہیں۔" پروفیسر ڈوزی نے ان کے اقتدار کے بارے میں لکھا ہے کہ جس وقت یہ پادری طلیطلہ کی کونسل کے اجلاس میں شریک ہوتے تو بادشاہ مع اپنے درباریوں کے ان کے سامنے گھٹنے زمین پر ٹیک کر کھڑا ہوتا اور آہ وزاری کے بعد ان سے درخواست کرتا کہ بزرگان دین! خدا کی جناب میں اس کی سفارش کریں اور ملک کی بہتری کے لئے عمدہ قوانین وضع کریں۔ جس وقت پادری ان بادشاہوں کو ہدایت کرتے کہ پرہیزگاری و عبادت ان کے لئے سب سے بڑی نعمت ہے تو یہ بادشاہ اس بات کو خوب سمجھتے تھے کہ ساری پرہیزگاری اسی میں ہے کہ پادریوں کی اطاعت کی جائے چنانچہ عیاش سے عیاش بادشاہ بھی سر جھکا کر اس بات کا اقرار کرتا کہ ملکی معاملات میں کلیسا کی ہدایت پر ہمیشہ عمل کرتا رہے گا۔ امید یہ کی جاتی تھی کہ اب جبکہ مذہب اور اخلاق کے علمبرداروں کی یہ جماعت برسر اقتدار آچکی ہے اور تمام قوتیں کلیسا کی ذات میں مجتمع ہو چکی ہیں تو یقیناً اخلاق اور حکومت کے آئین کو زندہ کیا جائے گا۔ اقتدار میں آنے سے قبل رومن کیتھولک پادری جس زور و شور سے انسانیت کی فلاح و بہبود اور غلام و سرف کی نجات دہندگی کی باتیں کرتے تھے اس سے یہ خیال پیدا ہوتا یقینی تھا کہ قوت حاصل کرنے کے بعد وہ اپنے قول پر عمل کریں گے لیکن جب وہ خود بڑے علاقوں کے مالک بنے جن میں ہزارہا سرف کاشتکار آباد تھے اور عالیشان محلات رہنے کو ملے جن میں کثرت سے غلام خدمت کے لئے تھے تو ان کی آنکھوں پر عیش و نشاط کے پردے پڑ گئے۔ نہ صرف یہ کہ انہوں نے اپنے قول پر عمل نہ کیا بلکہ بعض اوقات مظالم میں بھی دیگر امراء اور جاگیرداروں سے کم حصہ نہ لیا۔ انہوں نے قدیم حکماء ارسطا طالیس اور سسرو کے اقوال کو اپنا راہ نما بنا لیا اور عیاشی کے نت نئے طریقے ایجاد کر لئے یہاں تک کہ گرجا بھی ان کی بدکاریوں سے محفوظ نہ رہ سکے۔

ان پادریوں سے جو مسیح کی طرف سے اپنے آپ کو رعایا کا پاسبان سمجھتے تھے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ جو حالت پہلے تھی اس کو قائم رہنے دیتے۔ اقتدار کیا آیا تعصب اور انسانیت سوزی کا دور شروع

ہوگیا۔ اسپین میں کثرت سے یہودی آباد تھے ان پر پادریوں نے مظالم توڑنا شروع کیے۔ مچلٹ نے لکھا ہے کہ "عہد وسطیٰ میں جب لوگوں نے پوچھنا شروع کیا کہ کلیسا کی ربانی حکومت میں جس جنت کا وعدہ ہوا ہے وہ اس دنیا میں دوزخ کی شکل میں کیوں نمودار ہو رہی ہے؟ تو یہ پادری لوگوں کی زبان بند کرنے کے لئے جواب دیتے تھے کہ قہر خدا ہے جو یہودیوں کے گناہوں کی وجہ سے نازل ہوا ہے۔ خدا اور مسیحؑ کے قاتل ابھی اپنی سزا کو نہیں پہنچے۔"[1] ۶۱۲ء میں قوطی بادشاہ سیسی بوت (Sesebat) کے زمانے سے ان کی داستان مظالم شروع ہوتی ہے۔ پہلا فرمان جاری ہوا کہ جس قدر یہودی آباد ہیں وہ سال ختم ہونے سے پہلے عیسائی ہو جائیں ورنہ ان کو سو سو کوڑے لگا کر جلاوطن کر دیا جائے گا اور ان کی جائیدادیں ضبط کر لی جائیں گی۔ کہا جاتا ہے کہ اس خوف سے تقریباً ۹۰ ہزار یہودی عیسائی ہو گئے۔ ظاہر میں وہ عیسائی تھے مگر پوشیدہ طور پر شریعت موسوی پر قائم رہے۔ چنانچہ دوسرا فرمان جاری ہوا کہ یہودی اپنے مذہب پر قائم رہیں لیکن ان کے بچے ان سے چھین لئے جائیں اور ان کو عیسائیت کی تعلیم دی جائے اور جو یہودی اپنے بچے نہ دے اس کو کوڑوں کی سزا دی جائے اور اس کا سر منڈوا دیا جائے۔ جب یہ حربہ بھی کار آمد ثابت نہ ہوسکا تو پھر تیسرا فرمان طلیطلہ کی چھٹی مجلس مسیحی کی طرف سے جاری ہوا کہ ہر بادشاہ اس وقت تک بادشاہ نہ بنایا جائے جب تک کہ وہ یہود کے خلاف جاری شدہ فرمانوں پر سختی سے عملدر آمد کرنے کا حلفیہ عہد نہ لے۔ لیکن ان سب کے باوجود یہودی آبادی اکثریت میں رہی جس سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ حکم جس شدت سے جاری کیا جاتا اس شدت سے اس پر عمل نہیں کیا جاتا تھا۔ اسی (۸۰) برس تک یہودی ان مظالم کو برداشت کرتے رہے۔ لیکن آخر صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ مسلمانوں کے فتح اسپین سے ۱۷ برس قبل انہوں نے افریقہ کے یہودی بربر قبائل کے ساتھ مل کر ایک عام بغاوت کی سازش کی مگر اس سازش کا علم حکومت کو کسی طرح ہوگیا۔ تمام یہودیوں کو گرفتار کرلیا گیا اور ان کی املاک ضبط کرلی گئیں۔ عیسائی غلام یہودیوں کے آقا بنادیئے گئے ان کی بچے زبردستی عیسائی بنائے گئے۔ یہودی کو یہودی سے شادی کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ جس وقت یہودی یہ دعا مانگ رہے تھے کہ خدا ان ظالموں کے پنجے سے ان کو رہائی دے مسلمان اس وقت شمالی افریقہ کی فتح مکمل کر چکے تھے۔

---

[1] عبرت نامہ اندلس جلد ۲ ص ۹۹ — Indalus - Hole - P:501

معاشرے کی اس تباہی نے ملک کی اقتصادی حالت تباہ کردی تھی۔ امراء، جاگیردار اور صاحب مراعات یافتہ لوگ محاصل کی ادائیگی سے مستثنیٰ تھے۔ متوسط طبقے پر محاصل کی ادائیگی کا بار تھا جس سے متوسط طبقہ روز بروز تباہ حال ہو تا گیا۔ ان میں سے اکثر اپنے کاروبار اور جائیدادیں چھوڑ کر جنگل میں بھاگ جاتے اور رہزنی اختیار کرلیتے۔ امیر علی کے الفاظ میں "صنعتیں بھاری ٹیکسوں کی وجہ سے تباہ ہوگئی تھیں اور خوفناک قسم کی بیروزگاری ملک میں پھیل چکی تھی۔" نہ سرف کے پاس کوئی جائیداد تھی اور نہ غلام کے پاس۔ لیکن جب برگر سرف یا غلام میں سے کوئی بھی اپنے جاگیردار آقا یا حکومت کو ٹیکس ادا نہ کرتا تو اس کو عبرتناک سزائیں دی جاتیں جس کے نتیجہ وہ شہر چھوڑ چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے۔ تمام کارخانے آہستہ آہستہ بند ہوتے جارہے تھے۔ زراعت تقریباً ختم ہوچکی تھی اور زمینیں ویران پڑی تھیں، سڑکیں تباہ حال اور غیر محفوظ تھیں۔ رہزنوں اور ڈاکوؤں کے خطرات روز بروز بڑھتے جارہے تھے جس کے نتیجے میں سفر کرنا آسان نہ رہا تھا۔ چیزوں کی قیمتیں عوام کی برداشت سے باہر ہوتی جارہی تھیں۔ نچلے طبقے کے پادری دونوں ہاتھوں سے عوام کو لوٹ رہے تھے۔ رومیوں کے زمانے میں بیرونی تجارت بھی بندرگاہوں سے ہوتی تھی لیکن وزی گاتھ کی بداعمالیوں نے اس کو بھی بند کرادیا تھا۔ عموماً یہودی تجارت کیا کرتے تھے لیکن جب سے ان پر مظالم شروع ہوئے تو وہ بھی تجارت کے میدان سے نکل گئے۔ ان کے جانے سے تجارت میں وہ خلاء پیدا ہوا جس کو صرف مسلمان ہی فتح اسپین کے بعد پورا کرسکے۔

باب۲

فاتح اور مفتوح

فاتح کا تاریخی پس منظر

طوفان نوحؑ نے اس وقت کی آباد دنیا کو پوری طرح برباد کر دیا تھا لیکن کچھ عرصہ کے اندر اندر تیزی کے ساتھ اولاد نوحؑ سے نسل انسانی کی افزائش شروع ہو گئی۔ ان کی تعداد میں اس قدر تیز رفتاری سے اضافہ ہوا کہ میسوپوٹیمیا کا سطح مرتفع ان کی گذر بسر کے لئے ناکافی ہو گیا۔ وہ سب گروہ در گروہ اس سطح مرتفع سے باہر نکلے اور جس کا جدھر دل چاہا ادھر چلا گیا۔ کچھ دور دراز کی زمینوں پر آباد ہو گئے اور کچھ نے خانہ بدوشی اختیار کر لی۔ سام بن نوح کی نسل نے مشرق اور مشرق وسطیٰ کو اپنا ٹھکانا بنایا اور پھر بتدریج تہذیب کی طرف بڑھنے لگے۔ تہذیب کی ارتقاء نے ان کی اعلیٰ قدریں مثلاً ان کی سادگی، انکساری، میل و محبت کو آہستہ آہستہ ختم کر دیا اور اس کی جگہ نام و نمود کی خواہش، تکبر و نخوت، عیاری و مکاری اور رشک و حسد نے لے لی۔ جس کا یہ انجام ہوا کہ چند موقعہ پرست اور عیار انسانوں نے اپنی عیاری سے حاصل کردہ طاقت کے بل بوتے پر دوسروں سے اپنی طاقت کا لوہا منوالیا اور اس طرح بادشاہتیں معرض وجود میں آئیں اور ظلم و ستم کا وہ دور دورہ ہوا کہ جس کی مثال شاذ ہی ملتی ہے۔ مظلوم انسانی گروہوں نے ان جبر پسند اور ظالموں کی حدود سے نکل جانے ہی میں اپنی بقا سمجھی اور وہ یکے بعد دیگرے جبر و استبداد کی حدود سے باہر نکل گئے۔ ان ہجرت کرنے والے انسانی گروہوں میں ایک نے عرب کے صحرا میں پناہ لی۔ گو صحرا کی بود و باش نے ان پر خانہ بدوشی کی شکل متعین کر دی لیکن ان میں سے بیشتر تہذیب سے کچھ نہ کچھ پہلے سے آشنا تھے۔ اس لئے ان میں سے اکثر نے شہروں کو آباد کر کے شہری زندگی اختیار کر لی۔ آہستہ آہستہ عرب میں داخل ہونے والے بھی کمزور اور زبردست کی تقسیم میں بٹ گئے اور چھوٹی بڑی بہت سی حکومتیں قائم ہو گئیں مثلاً معینی، سبائی، حمیری وغیرہ خانہ بدوش عرب قبیلوں نے جن کو بدو کہا گیا، تہذیب کے اثرات قبول نہ کئے البتہ جغرافیائی محل وقوع اور ضروریات زندگی کے اعتبار سے بہت سے قبائل میں تقسیم ہو گئے۔ پانی اور کھجور کی ضرورت نے ان کو ایک دوسرے سے بہت دور کر دیا۔ جس کے نتیجے میں ان کی انفرادی زندگی کا خاتمہ ہو گیا اور ہر فرد کی ہمہ اقسام کی وفاداریاں اپنے ہی قبیلہ سے منسلک ہو کر رہ

گئیں۔ آہستہ آہستہ ایک فرد کی قبیلہ سے یہ وابستگی مجنونانہ شیفتگی میں تبدیل ہو گئی اور ایک دن یہ آیا کہ قبیلہ افراد سے نہیں بلکہ افراد قبیلہ سے ہو گئے۔ قبیلہ سے فرد واحد کی مجنونانہ شیفتگی عصبیت کہلائی۔ جس نے اتنا عروج حاصل کر لیا کہ انسانیت کی قدریں تک اس کے سامنے ماند پڑ گئیں۔ ان کے پاس اگر کچھ باقی رہا تو صرف یہی کہ تہذیب و اخلاق کتنا ہی مردہ کیوں نہ ہو جائے ایک قبیلہ کی عظمت دوسروں کے مقابلہ میں ہمیشہ ارفع و اعلیٰ رہے۔ یہی تصور تھا جس نے عربوں کو انسانی عظمتوں سے بے گانہ کر دیا تھا۔ کوئی اچھا اصول خواہ وہ الہامی ہو یا غیر الہامی ان کے نزدیک قبیلے کی فرسودہ روایات کے آگے ختم تھا۔ ہر قبیلہ جدا جدا روایات کا مالک تھا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ مرکزیت کا تصور ان کے لئے قابل فہم نہ رہا اور وہ انہی روایات کی خاطر جنگ و جدال کرتے اور ایک دوسرے کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی پیہم کوششیں کرتے رہتے تھے۔ اس طرح عصبیت دن بدن شدید سے شدید تر ہوتی رہی، اور انسانیت زوال پذیر۔

شہری زندگی اختیار کرنے والوں نے برسا برس کے بعد اپنی تہذیب کو جنم دیا اور ساتھ ہی ساتھ مرکزیت کی خاطر بادشاہتیں بھی قائم کیں۔ جو زیادہ تر ان علاقوں میں تھیں جو صحرا کے اثر سے باہر تھے۔ مثلاً شمالی عرب، حجاز اور یمن وغیرہ اور اس طرح وہ اپنے بدو عربوں کے بھائی ہوتے ہوئے بھی ان سے دور ہوتے گئے۔ انہوں نے اپنی عصبیت بھی جدا قائم کی اور بدو عربوں کے مدمقابل بن گئے۔ یہاں تک کہ بدو اور حضری دو جدا تہذیبیں ہو کر رہ گئیں اور شمالی اور جنوبی عرب کی تفریق کے ساتھ کبھی قحطانی اور عدنانی کبھی قیسی و کلبی، کبھی مضری اور یمنی کے مختلف ناموں کے ساتھ مختلف ادوار میں پکاری گئیں۔ البتہ ان دونوں میں ایک قدر پھر بھی مشترک رہی اور وہ تھی انسانیت کی بے قدری اور قبیلوں سے مجنونانہ شیفتگی۔

یہ سنتِ اللہ رہی ہے کہ وہ اپنی مخلوق کو راہ راست پر رکھنے کے لئے سمجھانے والے، ڈرانے والے، خوف دلانے والے بھیجتا رہا اور جب مخلوق اس پر بھی باز نہ آتی تو ان کو عذاب کا نشانہ بنا ڈالتا۔ یہ سنت جاریہ عربوں کے ساتھ بھی رہی۔ ان عربوں کو مہلت دی گئی۔ سمجھانے والے بھیجے گئے۔ خوف دلانے والے اتارے گئے اور جب اس پر بھی عرب باز نہ آئے تو جدیس، طسم، کندہ، عاد و ثمود پر عذاب نازل کر کے ان کو ڈرایا۔ عذاب کے خوف نے عربوں کو کچھ عرصہ تک تو خوفزدہ رکھا لیکن طغیان و سرکشی نے ان میں پھر جڑ پکڑلی۔ اس مرتبہ جباریت اور قہاریت کے بجائے رحمت حق جوش میں آئی اور انسانیت کو ظلم کے ہاتھوں سے نجات دلانے کے لئے.... وادی مکہ میں ایک، نجات

دہندہ کو پیدا فرمایا جس نے انسانیت کی بقاء اور قبائل کی فرسودہ روایات سے نجات دلانے کے لئے تمام انسانوں کو ایک کلمہ **لا الہ الا اللہ** کے مرکز پر مجتمع کر کے ایک پیغام ابدی سنایا۔ عربوں کے لئے یہ پیغام ایک تازیانہ بن گیا تھا۔ ان کی انانیت مجروح اور ان کی عصبیت مفلوج ہو رہی تھی۔ ۳۶۰ پتھر اور لکڑی کے خداؤں کی خود ساختہ خدائی کا صنم چکنا چور ہو رہا تھا۔ بے راہ روی اور ضلالت و گمراہی کے سیلاب عظیم پر جس میں نہ صرف سارا عرب بلکہ ساری دنیا تنکے کی طرح بہی جا رہی تھی بندھ باندھا جا رہا تھا۔ الغرض فاران کی چوٹی سے بلند ہونے والی یہ الہامی صدائے **لا الہ الا اللہ** غرور و تمکنت اور ہوس و اقتدار کے نشے میں چور عربوں کے سینہ کو چھیدتی ہوئی نکل گئی۔ حق والوں نے اس صدا پر لبیک کہا اور باطل پسندوں نے باوجود اس کے کہ وہ اس صدا سے خوفزدہ اور لرزاں تھے پھر بھی باطل ہی کو پسند کیا۔ نہ صرف باطل پر قائم رہے بلکہ اپنے ہر قسم کے ہتھیاروں سے آراستہ ہو کر حق کے مقابلے پر اتر آئے۔ یہ مقابلہ جنگ و جدل نہ تھا بلکہ مرکزیت اور لامرکزیت کا تھا۔ ایک طرف یہ اصرار کہ مرکز پر جمع ہو جاؤ اور عدم مساوات کو چھوڑ کر سب کے ساتھ مل جاؤ۔ دوسری طرف یہ شور و غوغا کہ اقتدار گیا۔ ماضی کی روایات ختم ہو رہی ہیں۔ غلام چھن جائیں گے۔ عورتیں آزاد ہو جائیں گی۔ اور صرف ایک مرکز پر جمع ہونے سے ہمارے قبائل کی عظمت اور تاریخ دونوں ختم ہو جائے گی۔ ان عربوں نے جو سینکڑوں خداؤں کے رکھوالے تھے۔ ایک خدا کی غلامی کو منظور نہ کیا اور حق کی آواز کو دبانے کے لئے ایذائیں، تکالیف، لالچ اور طاقت کے استعمال سے بھی باز نہ آئے۔ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ ۲۳ برس کے قلیل عرصہ میں عرب کے ہر قبیلہ میں امن و سلامتی اور توحید کی یہ آواز پہنچ کر رہی۔ ربانی سیلاب باطل کی ہزار کوششوں کے باوجود آگے بڑھتا رہا اور باطل پرستوں کے منہ پر خاک اڑتی رہی۔ بالاخر بنی اسرائیل کے اس عمل بد کو کہ جس کو قرآن پاک نے ان الفاظ میں لکھا ہے۔ **یقتلون النبیین بغیر الحق** "قتل کر دیتے تھے نبیوں کو بغیر کسی وجہ کے" دہرانے کی سازش کی گئی تاکہ امن و سلامتی کے پیغامبرؐ کی صدائے حق کو ختم کیا جا سکے۔ باطل پرستوں کے نزدیک یہ ایک عمدہ سازش تھی لیکن ان کو یہ نہ معلوم تھا کہ یہ انتہائی قدم کفر و ضلالت کی شکست خوردگی کی نمایاں علامت تھی۔ اگر یہ سازشی اقدام نہ ہوتا تو اسلامی طاقت کا ظہور جلد ممکن نہ تھا اور ممکن تھا کہ مسلمانوں کے حوصلے پوری طرح نکلنے نہ پاتے۔ جہاں اس سازش سے اسلام کی تاریخ کی ابتداء ہوتی ہے وہاں عربوں کی مرکزیت کی تاریخ بھی شروع ہوتی ہے۔ انہوں نے مرکزیت کا وہ الہامی سبق سیکھا

کہ جس سے یہ حقیقت واشگاف ہو گئی کہ اسلام ہی صرف وہ طاقت ہو سکتا ہے جو ظلم و تشدد، مجنونانہ عصبیت، کفر و ضلالت اور لامرکزیت کو ختم کر کے تمام انسانیت کو ایک مرکز پر جمع کر سکتا ہے۔

الغرض اسلام نے مدینہ میں قیام کیا۔ اللہ نے اپنی حکمت کے خزانوں کے منہ کھول دیئے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم جو اپنی ۵۳ برس کی مکی زندگی میں ایک بے ضرر مبلغ اور مصلح بن کر ابھرے تھے اب ایک ایسی اثر انداز، پر معنی اور فعال شخصیت بن کر سامنے آئے کہ آج تک سارا عالم آپؐ کے کارہائے نمایاں پر سخت حیران ہے۔ آپؐ نے اپنے ماننے والوں کو انسانیت کی اس معراج تک پہنچا دیا جہاں پر بقاء انسانیت کے لئے خود انسان کا لہو درکار ہوتا ہے۔

اسلام میں پوری طرح داخل ہونے والے بجا طور پر فخر سے یہ کہہ سکتے تھے کہ ہم ہی وہ ہیں جن کو خالق کائنات نے اس امر پر معمور کیا ہے کہ باطل کو ملیامیٹ کر دیں۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ان کا حق تھا۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنے صاحبؐ کی پوری اطاعت کی تھی اور اپنے آپ کو پوری طرح اسلام میں داخل کیا تھا اور اپنے رب کے مخصوص بندے ہو گئے تھے۔ ان کے صاحبؐ ان کے ہادیؐ ان کے رہبرؐ نے ان کو یہ بتایا کہ تاریخ کیسے بنتی ہے۔ زمانہ کبھی برا نہیں ہوتا۔ زمانے والے برے ہوتے ہیں۔ جو لوگ مثالی بن جاتے ہیں ان کا زمانہ بھی مثالی ہوتا ہے۔ باطل کو مٹانا اتنا بڑا کام نہیں کہ اس میں صدیاں بیت جائیں اس کے لئے تو صرف ۲۳ برس کافی ہوتے ہیں۔ حکومت کرنا اور اس کا نظام قائم کرنا کوئی ایسا مسئلہ نہیں کہ اس کے لئے ۵۰ سالہ و سو سالہ منصوبے بنائے جائیں۔ اس کے لئے صرف ۲۳ برس بھی کافی ہو سکتے ہیں۔ ایسے نظام زندگی کی بنیاد ڈالی جا سکتی ہے جو مثالی ابدی اور قابل تقلید ہو۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہے جبکہ مرکزیت اللہ اور اس کے رسولؐ کے پاس ہو۔ بدنظمی، انتشار، فرقہ پرستی اور جماعت بندی کے سہارے چلنے والے بیساکھیوں پر چلنے والوں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔

مسلمان عربوں نے حق تعالیٰ کی کبریائی کے دامن میں پناہ لے کر اور اپنے ہادی اعظم اور رہبرؐ کی سرپرستی میں اچھائیوں کو قائم کرنے اور برائیوں کو روکنے کا بیڑا اٹھایا۔ نہ صرف یہ کہ خود آگے بڑھے بلکہ صحرائے عرب کے بادیہ نشینوں میں بھی وہ روح پھونک دی کہ یہ اونٹ اور بھیڑ بکریاں چرانے والے اپنی "چھوٹی چھوٹی مگر تیز دھار والی تلواروں" اور چمکتی انیوں والے نیزے لے کر اس زمانے کی طاقت ور ترین حکومتوں سے ٹکرا گئے۔ انہوں نے تاریخ کا رخ موڑ دیا۔ خود اپنی تاریخ بنائی۔ اس

طرح کہ وہ قبیلوں کے مجنونانہ عشق کی آگ میں جلنے کے بجائے اسلام کے والہانہ عشق کی بھٹی میں تپ رہے تھے۔ ان کی انا (میں) **نحن** (ہم) میں تبدیل ہو چکی تھی۔ ان کی فکر انفرادی سے اجتماعی بن چکی تھی۔ یہاں تک کہ ان کی موت و زندگی تک کے احوال و کوائف ان کے اپنے نہ رہے تھے۔ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے جب اسلام کے یہ جیالے حدود عرب سے باہر نکلے اور باطل کو للکارا تو ایک طرف کسریٰ کے ایوانوں میں زلزلہ پڑا اور وہ عرش سے فرش پر آرہے۔ اور عرب کے بادیہ نشینوں کے گھوڑوں نے اسفندیار و بہمن، رستم و سہراب، نوشیرواں اور پرویز کی تخیلاتی جنت کو اپنی ٹاپوں سے روند کر رکھ دیا اور انسان کو انسان کی قید سے رہائی دلوائی تو دوسری طرف عظمت روما کے وارث قیصر کے عیش و طرب کی محفلیں اجاڑ دیں۔ انسانیت کے خون کے پیاسے رومیوں اور عیسائیوں کو بقول ان کے "عرب کے غیر متمدن اور غیر مہذب چرواہوں نے وہ درس زندگی دیا کہ آج تک ان کے پہلو میں خار کی طرح کھٹکتا ہے۔ الغرض ایران و خراسان، شام و فلسطین، مصر و افریقہ اور ہر ممکن جگہ امن و سلامتی کے ان علمبرداروں نے باطل کو مٹا کر حق کا بول بالا کیا۔ انسان کو اس کا پیدائشی حق دلایا۔ کمزور کو غالب اور ظالم کو کمزور کر کے عظمت والے کی عظمت کو اس طرح مسلط کیا کہ جس کی کوئی مثال نہیں دی جاسکتی۔ یہ ان مسلمان عربوں نے کیا جو مسلمان بھی تھے اور معراج انسانیت پر فائز بھی، جن کی ذات اپنی ہی نہ تھی بلکہ تمام انسانوں کی تھی۔ جو اپنی فکر سے بے نیاز تمام تر عالم انسانیت کی فکر میں گم تھے۔ وہ اس دنیا کو صرف اپنی ہی دنیا نہیں بلکہ تمام مخلوق کی دنیا جانتے تھے اور اس وقت بجا طور پر وہ یہ کہنے کے حقدار تھے کہ جب تک اس طرح سوچو گے کہ جیسا کہ ہم نے سوچا ہے تو شکست و ریخت کا تصور بھی نہ ہوگا اور نہ فتح و کامرانی خواب پریشاں سے کچھ زیادہ نہیں ہوگی۔

کچھ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا اور فتح و کامرانی کا سرور ابھی باقی تھا کہ عربی جاہلیت کے تصورات نے انگڑائی لی۔ قیصر و کسریٰ کی بے شمار دولت نے ان کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا اور نفسانی خواہشات کی آگ بھڑکا دی۔ باطل کی تہذیبوں نے ان کی صاف ستھری اسلامی تہذیب کو گندا کر دیا۔ جو کل تک حق پرست تھے وہ زر پرست بن گئے۔ جو کل تک حریت فکر کے مالک تھے وہ نفس کے غلام بن گئے جو مثالی تاریخ انہوں نے خود بنائی تھی اس کو وہ غیروں کے بہکاوے میں آکر خود مٹانے پر آمادہ نظر آنے لگے۔ جو تلواریں حق کی حمایت اور باطل کی سرکوبی کے لئے بلند ہوئی تھیں آپس میں ٹکرانے لگیں انانیت

و عصبیت کی گندی روح جو مذہبی شیفتگی اور حبِّ انسانیت میں بدل چکی تھی ایک بار پھر منظرِ عام پر آئی۔ اسلام اور بانیٔ اسلامؐ نے مسلمان عربوں کو جو درس دیا تھا وہ ان کے ذہنوں سے نکل گیا کہ وہ کیا تھے؟ ان کو کیا بنایا گیا تھا؟ اور اب وہ کیا بن رہے ہیں؟ ان باتوں کی طرف انہوں نے دھیان دینا چھوڑ دیا۔ قیصر و کسریٰ کی مملکتوں کو گو انہوں نے ہی ختم کیا تھا۔ لیکن آج وہی قیصر و کسریٰ انہیں اچھے معلوم ہو رہے تھے۔ ان کی فکریں مفلوج ان کے تصورات کی پرواز مفقود ہو کر رہ گئی تھی۔ ان کی زندگیاں عیش و طرب کی خواہش میں ڈوب کر رہ گئیں۔ جس انسانیت کا درس دینے کے لئے ان کے آباؤ اجداد نے اپنا خون بہایا تھا آج وہی درس خود ان کو دینے کی ضرورت پیش آنے لگی۔ مسلمان وہ پہلے بھی تھے اور آج بھی لیکن پہلے والے مسلمان اپنے رسولؐ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت سمجھتے تھے۔ لیکن یہ مسلمان اپنی خواہشات کی تکمیل کی خاطر اپنے بادشاہ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت سمجھنے لگے۔ کل تک وہ اپنے بجائے دوسروں کے لئے تھے۔ آج وہ دوسروں کو بھی اپنے لئے سمجھتے تھے اور خود تو کسی کے نہ تھے۔ مختصراً یہ کہ پہلے مسلمان تھے پھر عرب لیکن اب عرب پہلے تھے اور پھر مسلمان۔ جس کا لازمی تاریخی نتیجہ یہی ہونا تھا کہ قیصریت و کسرائیت دوبارہ زندہ ہو جائے اور وہ ہو کر رہی۔ حکومت مسلمان عربوں کے ہاتھوں سے نکل کر عرب مسلمانوں کے ہاتھوں میں چلی گئی۔ بنو امیہ کے ہوشمندوں نے ان عرب مسلمانوں کو عصبیت کے گرداب میں پھنسا کر اپنا مطیع کر لیا۔ اب انسانیت کی بقاء کی خاطر جنگ و جدال کا سوال نہ تھا۔ بلکہ حدود حکمرانی کو وسعت دینا، خزانوں کو زیادہ سے زیادہ بھرنا، مالِ غنیمت کے ڈھیر اور غلاموں کے انبوہ کثیر دارالخلافہ میں نمائش کے لئے لانا اور اپنی ذاتوں اور شخصیتوں کا لوہا عوام سے منوانا ان کا مطمح نظر تھا۔ حق و ناحق کا اس میں کوئی سوال نہ تھا۔ زبردستی و زیردستی، ہوشیاری، موقع پرستی اور چابکدستی معیار بن گئی تھی اور کوئی حق اس وقت تک حق نہ رہا تھا جب تک کہ کوئی خاص فردِ واحد (بادشاہ) بزور طاقت اس کو حق تسلیم نہ کرا لے۔ سندھ، اسپین، افریقہ اور ترکستان وغیرہ کی فتوحات بلاشبہ بنوامیہ اور عرب مسلمانوں کا کارنامہ ہیں لیکن اس سے اسلام اور مسلمانوں کو کیا فائدہ ہوا؟ تاریخ کے اوراق اس کے گواہ ہیں۔ یہ تھا تاریخی پس منظر ان عرب مسلمانوں کا جو اسپین میں اپنی فتح کا جھنڈا لہرانے آئے تھے۔

سیاسی پس منظر

اب تک ہم نے یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ عرب قوم کا تاریخی پس منظر کیا تھا اور

وہ کس طرح عروج کی ان منازل تک پہنچ گئی جہاں تخت و تاج ان کی ٹھوکروں میں آگرے۔ اب اس کے ساتھ ساتھ اگر ان کا سیاسی پس منظر بھی مختصراً دے دیا جائے تو یقیناً ان کی بربادی و تباہی کے اسباب کی تلاش میں دشواری نہ ہوگی۔ اس لئے کہ کلیہ یہی ہے کہ قوموں کے عروج و زوال میں ان کی ابتدائی نشوونما بھی اسی طرح حصہ لیتی ہے جس طرح دوسرے عوامل۔

یہ بتایا جاچکا ہے کہ کس طرح عربوں نے اپنے آپ کو بدّو اور حضری قبائل میں منقسم کردیا تھا اور تہذیب کے ارتقاء نے ان میں کیا کیا تبدیلیاں پیدا کردی تھیں۔ اگر ان دونوں کے درمیان کوئی قدرِ مشترک تھی تو وہ عصبیت تھی یعنی قبیلوں سے مجنونانہ شیفتگی اور اسی عصبیت نے ان کے درمیان ایک آزاد سیاست کو جنم دیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انفرادی اور قبائلی بقاء کی خاطر ان کو بہرحال کوئی نہ کوئی طریقہ تو اختیار کرنا ہی تھا۔ اور یہی طریقہ ان کا سیاسی نظام بن گیا تھا۔ حضریوں نے تو جگہ جگہ اپنی حکومتیں اور بادشاہتیں قائم کرلی تھیں لیکن بدوؤں کے لئے صرف اپنے قبیلہ کی تنظیم ہی حکومت کا درجہ رکھتی تھی' ایک تو یہ کہ وہ فطرتاً آزاد منش اور حریت پسند تھے۔ دوسرے یہ کہ صحرا کی زندگی نے انہیں اور حریت پسند بنادیا تھا۔ ایک بدو کو اگر زندہ رہنے کے ذرائع مل جاتے تھے تو اس کے نزدیک اچھی اور بری اقدار کا فرق کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ البتہ زندہ رہنے کے لئے ان کو بڑی کاوش کرنا پڑتی تھی اور اس کے لئے وہ جائز و ناجائز اور انسانی اور غیر انسانی طریق کار تک کی تمیز اٹھا دیتے تھے۔ چنانچہ لوٹ مار' قتل و غارت گری' خونریزی اور جنگ و جدل ان کی فطرت ثانیہ بن چکے تھے۔ اکثر ایسے واقعات بھی سامنے آئے ہیں کہ اگر کسی نے قتل و غارت گری سے بچنا چاہا تو اس کو قبیلے والے اپنی بے عزتی خیال کرتے اور اس سے قطع تعلق کرلیا کرتے تھے۔ وہ جاہل تھے نہ لکھنا جانتے تھے' نہ پڑھنا لیکن اپنی زبان دانی میں بے مثل تھے اور فصاحت و بلاغت میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ باوجود اس خوبی کے وہ مذہب سے پھر بھی بیگانہ اور اللہ کے رسولوں کے پیغامات کو بالکل فراموش کرچکے تھے ان کا مذہب فرسودہ روایات کا ایک مجموعہ اضداد تھا لیکن پھر بھی اللہ کی عزت ان کے ذہنوں میں موجود تھی اور وہ اللہ کے تصور سے بیگانہ نہ تھے۔ ان کے قبیلہ کا ایک شیخ ہوتا تھا اور اسے وہ اپنی مرضی سے منتخب کرتے تھے۔ ہر قبیلہ چند خاندانوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ خاندان کے بزرگ قبیلہ کی ضرورت کو بحسن و خوبی پورا کرنے کے لئے ایک مجلس مشاورت بنالیتے تھے جو قبیلہ کے مسائل میں مشورہ دینے کی حقدار ہوتی تھی۔ شیخ بھی ان کے مشورے کے بغیر کوئی اقدام نہیں کرسکتا تھا۔

لیکن جمہوریت پسندی کے یہ کارنامے اس وقت تک رہے جب تک کہ وہ آزادی پسند رہے۔ جوں جوں برائیاں ان میں بڑھتی گئیں۔ اُن کی خوبیاں ختم ہوتی گئیں۔ آہستہ آہستہ ان کی قبائلی سیاست نے رنگ بدلا اور شیخ کی جگہ موروثی ہوگئی اور رانتخاب کا طریقہ اور مشاورت کی روایت ایک خواب بن کر رہ گئی۔ تاریخ عرب میں اسی دور کو جاہلیت کا زمانہ کہا جاتا ہے۔

اسلام آیا اور اپنے جلو میں انقلاب عظیم لے کر آیا۔ جس نے عربوں کی روحانی و مادی اصلاح کے ساتھ ساتھ انہیں مزید ترقی کی راہیں دکھائیں۔ ان میں ایک عظیم سیاسی انقلاب پیدا کر دیا ان کی انفرادی عصبیت اور قبائلی اجتماعیت کو ختم کر کے انہیں ربانی مرکزیت پر مجتمع کر دیا۔ عربی و عجمی کا تصور ختم کیا اور انسان کی عظمت و وقار کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی۔ غلام و آقا کی تفریق ختم کر کے انہیں ایک ہی صف میں کھڑا کر دیا گیا۔ معاشرہ کی فلاح و بہبود کو برقرار رکھنے کے لئے انفرادی صلاحیتوں کو اجاگر کیا۔ مذہبی عصبیت نے قبائلی عصبیت کی جگہ لے لی اور سب سے اہم ترین نکتہ یہ کہ ایک فردواحد کی اطاعت اسلام کے واسطے سے فرض قرار دی۔ عربوں کی شورائیت کو **امرھم شوریٰ بینھم** کہہ کر دوبارہ زندہ کیا اور مستقل طور سے انہیں ایک ایسا جاوداں دستور دیا جس میں انہیں حکماً مذہب اور اس کے احکامات پر بے چون و چرا عمل کرنے کے لئے کہا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی شہری مملکت قائم کر کے سیاسی زندگی کا آغاز کیا جس سے مرکزیت قائم ہوگئی۔ انہوں نے جو کچھ فرمایا اس پر عمل کر کے یہ ثابت کر دیا کہ قرآن پاک اور رسولؐ کی اسوہ حسنہ ہی ایک مثالی حکومت کے لئے کافی ہیں اور یہ کلیہ بتادیا کہ حکومت مسلمانوں کی، مسلمانوں کے لئے اور مسلمانوں کے ذریعہ سے ہو قوانین کا اجراء قرآنی ہو جس میں کسی قسم کا بنیادی تغیر ممکن نہیں۔ مذہب کی حفاظت اور انسانیت کی بقاء کی خاطر خونریزی بھی کی جاسکتی ہے۔ لیکن محض ظلم و ستم کے لئے نہیں معاہدوں اور صلح کے ذریعہ امن بھی پھیلایا جاسکتا ہے۔ لیکن اچھائیوں کی خاطر، بزدلی کی وجہ سے نہیں۔ الغرض اسلام نے عربوں کی قبائلی عصبیت اور فرسودہ نظام کا خاتمہ کر کے ان میں نہ صرف مذہبی اور ثقافتی انقلاب پیدا کیا بلکہ ان کو تاریخی انقلاب سے بھی روشناس کرایا اور سیاست کو اخلاق کے دائرہ میں محدود کر کے ایک بہترین اور کارآمد عمل قرار دیا۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی تربیت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی۔ انہوں نے پوری طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا حق ادا کیا۔ گو دونوں خلفاءؓ کے ادوار میں عربوں

کی پرانی قبائلی عصبیت پھر ابھری اور اس بات کی کوشش ہوئی کہ قبائلی نظام کے فرسودہ طریقوں کو اپنایا جائے لیکن دونوں اصحابؓ نے ذہانت اور تندہی سے اس کوشش کو کچل دیا اور بادیہ نشینوں کو اسلام کی راہ پر چلنے کے لئے مجبور کردیا۔ اسلامی سیاست کا دوسرا رخ یہ تھا کہ اس نے لوٹ مار اور غارت گری کے عادی صحرانوردوں سے یہ توقع نہ رکھی کہ وہ اعلیٰ صلاحیتوں اور قابلیتوں کے ساتھ تنظیم مملکت کرسکتے ہیں بلکہ ان کے لئے میدان کارزار ہی بہتر جگہ قرار دی گئی۔ اسلام نے جس ثقافت کا دعویٰ کیا وہ عرب ثقافت کی ایک تبدیل شدہ شکل تو کہی جاسکتی تھی لیکن عملی طور سے بالکل مختلف تھی جس میں ہر فردواحد کی صلاحیتوں کی قدر موجود تھی۔ چنانچہ جب اس نئے ثقافتی اور مذہبی انقلاب نے صحرانوردوں کے ذہنوں کو متاثر کیا تو اس کے تین بہترین نتیجے نکلے۔ اول یہ کہ معاشرے کے ہر فرد کو اس کی اپنی صلاحیتوں کے مطابق کام ملا۔ دوئم صحرانوردوں کو اس زمانے کی دنیا کی بہترین تہذیبوں سے روشناس ہونے کا موقع ملا اور اس طرح صحرانوردوں کی برائیاں اور اچھائیاں سامنے آئیں اور خالص عرب تہذیب کو پنپنے میں آسانی ہوگئی۔ سوئم یہ کہ عرب تہذیب کی پرورش کے ساتھ ساتھ اسلام کی ترقی و ترویج کی وجہ سے اسلامی تہذیب نے بھی جنم لیا۔ دراصل مسلسل جنگوں اور فتوحات کا عین مقصد یہ بھی تھا کہ عرب تہذیب کو بتدریج اسلامی تہذیب میں تبدیل کردیا جائے تاکہ ان تعلیمات کو عملی شکل دے دی جائے جو قرآن اور رسولؐ اللہ نے پیش کی تھیں (اس میں کس حد تک کامیابی ہوئی یہ ہم آئندہ اوراق بتائیں گے) حضرت عمرؓ کا دور ایک مثالی دور تھا۔ یہ خلیفہ دوم ہی تھے جنہوں نے سیاست و حکومت کے اصول متعین کرکے اسلامی سیاست کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس طرح عدل و مساوات کے الہامی قوانین کی ترویج کی گئی۔ معاشرتی اخلاقی و معاشیاتی اور سیاسی نظریات کی اساس ایسے نہج پر رکھی گئی جو ناقابل شکست تھا۔ اول عرب پھر عجم کے مسلمانوں کو اسلامی سیاست و ثقافت سے بتدریج آگاہ کیا گیا۔ دونوں خلفاء کو اس بات کا اچھی طرح اندازہ تھا کہ زروجواہر کی چمک عربوں کی نظرہوس کو خیرہ کردے گی جس کی روشنی میں وہ ایک بار پھر اپنی ان فرسودہ روایات کو زندہ کرنے کی کوشش کریں گے جن کی بیخ کنی کے لئے رسولؐ اللہ تشریف لائے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اس بات کی امکانی کوشش کی کہ دولت فردواحد کے پاس جمع نہ ہونے پائے لیکن اس بات کے مواقع فراہم نہ ہوسکے کہ وہ دولت کے جمع ہونے کے امکانات کو ہی ختم کردیتے۔

خلافت راشدہ کا دوسرا دور ارتکاز دولت کا نتیجہ ہے جس میں عربی تہذیب اپنے دور جاہلیت کی روایات کے ساتھ زندہ ہونے لگی اور اسلامی تہذیب بتدریج مذہبی عقیدوں کے بندھنوں میں جکڑتی چلی گئی۔ جاگیردارانہ نظام پھر بحال ہوا اور خلیفہ راشد سوم کی فطری رحمدلی' حیا اور انکساری نے عربوں کی نئی نسل کے نوجوانوں کی خواہشات کو ابھرنے کا موقع دیا۔ روم و ایران کی غیرمذہبی تہذیبوں کے اثرات نے مذہب پرست عربوں کے ذہنوں کو بتدریج زہر آلود کرنا شروع کردیا۔ مذہب پسند جنگجو بادیہ نشین جو دور دراز علاقوں میں مصروف تھے اور فتوحات ملکی پر متعین تھے جب فتوحات کے یک لخت رک جانے سے اپنے گھروں کو واپس آئے تو قیصرو کسریٰ کے من گھڑت افسانے اور ان کی نمائشی اور کھوکھلی تہذیبوں کے اثرات بھی اپنے ساتھ لائے۔ خواہشات اور امنگوں کا دریا ان کے سینوں میں موجزن تھا اور دولت کے انبار ان کے ساتھ تھے۔ یہ تصور بھی ان کو بے چین کرنے کے لئے کافی تھا کہ انہوں نے اور ان کے آباؤ اجداد نے اسلامی حکومتوں کی بنیادوں کو اپنے لہو سے سینچا ہے۔ چنانچہ خلافت و حکومت ان کا بھی حق ہے لیکن جب انہیں اس کو حاصل کرنے کے مواقع نہ ملے تو ان کے سینوں میں غم و غصہ کی آگ بھڑکنے لگی۔ الغرض بہت سے عوامل تھے (جن کی تفصیل خارج از بحث ہے) جنہوں نے آگے چل کر مذہب اسلام اور سیاست اسلام کو دو حصوں میں تقسیم کردیا۔ یہی دو حصے تھے جنہوں نے آگے چل کر اسلامی تہذیب اور عربی تہذیب کو جدا جدا کرکے پیش کیا۔ عربی تہذیب نے دو قدم آگے بڑھ کر اپنے آپ کو مسلم تہذیب کہلوایا۔ اس تہذیبی ٹکراؤ اور مخالفت کا فائدہ دشمنان اسلام نے اٹھایا جس کے نتیجہ میں خلیفہ راشدؓ سوم کی شہادت کا المناک واقعہ ظہور پذیر ہوا۔ اس المناک واقعہ نے اسلامی معاشرتی اور سیاسی زندگی میں انتشار پیدا کردیا۔ خلیفہ چہارم (حضرت علیؓ) نے اس پراگندگی اور انتشار کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ یہاں تک کہ انہیں تلوار بھی اٹھانی پڑی لیکن حالات اتنے خراب ہوچکے تھے کہ ان پر قابو پانا ممکن نہ تھا۔ عرب تہذیب جاہلیت کی روایات کے ساتھ زندہ ہوچکی تھی۔ جو لوگ اس فتنہ کو ختم کرسکتے تھے خود آپس میں دست گریباں ہورہے تھے اور جن میں تڑپ تھی وہ گوشہ نشین ہوکر دعاؤں میں مشغول ہوچکے تھے۔ گروہ بندیاں' فرقہ بندیاں' سیاسی چالبازیاں اور اقتدار کی ہوس نے وہ گل کھلائے کہ اسلامی تہذیب و روایات کے پرخچے اڑ گئے۔

خلیفہ راشد چہارم اپنی انتھک کوششوں میں مصروف تھے کہ جام شہادت نوش فرمایا اور خلافت

رسول اللہ ؐ کا دروازہ بھی اس کے ساتھ بند ہوگیا۔ اس کے نتیجے میں اسلامی تہذیب کی عمارت جس حد تک بن پائی تھی وہیں رہ گئی۔ اسلامی سیاست کے جو اصول وضع کرکے انہیں عملی شکل دی جارہی تھی وہ صرف اصول ہی رہ گئے۔ ان کا رائج کرنے والا کوئی نہ رہا۔ ملت اسلامیہ مختلف گروہوں میں منقسم ہوگئی۔ قیصریت اور کسرائیت کی کھوکھلی تہذیبوں کے اثر نے عربوں میں ایک بار پھر جاہلیت کی فرسودہ روایات کو زندہ کردیا اور عرب اس قابل نہ رہے کہ خود کو ایک جگہ اکٹھا کرلیتے۔ چنانچہ عربی تہذیب اپنے پرانے فخر و غرور کے بتوں کو زندہ کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ اور چونکہ اسلامی تہذیب ان کی ان امنگوں اور خواہشات کی تکمیل میں حارج تھی اس لئے اس سے کنارہ کشی ہی بہتر سمجھی جانے لگی۔ مذہبی فرائض تو ایک طرف رہے اسلامی سیاست کے فرائض کو بھی فراموش کردیا گیا اور شخصی اقتدار کی خواہش ہر صاحب اقتدار کے دل میں پیدا ہونے لگی۔ الغرض اسلامی اور عربی تہذیب کے مابین اس ٹکراؤ نے مسلمانوں کے درمیان ایک نہ ختم ہونے والی کشمکش کا آغاز کردیا جس سے بنو امیہ کے ہوش مندوں نے پورا پورا فائدہ اٹھایا وہ عربوں کی قبائلی عصبیت کو ہوا دے کر تخت حکومت پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگئے اور عربی تہذیب اسلامی تہذیب پر حاوی ہوگئی۔

امیر معاویہؓ سے لے کر ولید بن عبدالملک بن مروان کے دور حکومت تک ہم کتنا ہی غور و فکر کریں اسلامی سیاست کا ایک بھی عنصر نظر نہیں آئے گا۔ وجہ یہ نہیں کہ وہ اسلامی سیاست کے اہل نہ تھے۔ یقیناً وہ تمام اہلیتوں اور صلاحیتوں کے مالک تھے۔ چاہتے تو خلافت راشدہ کو جاری و ساری رکھا جاسکتا تھا لیکن انہوں نے ایسا نہ چاہا۔ اس سے ایک طرف تو ان کی حسب و نسب کے فخر نسبی اور خواہشات پر ضرب کاری پڑتی تھی اور دوسری طرف قبائلی عصبیت ان کو ایسا کرنے پر مجبور کررہی تھی۔ اسلامی سیاست کے وجود میں آنے کے معنی یہ ہوتے تھے کہ تمام عالم اسلام بلا تفریق نسل و قوم اسلامی سیاست میں برابر کا شریک تھا۔ عربوں کی قبائلی فطرت و عصبیت نے یہ گوارہ نہ کیا کہ ایک نومسلم ایرانی و حبشی مصری و سوڈانی کو اپنے برابر کا شریک کرلیں۔ گو عربوں کی یہ خواہش اسلام کے منافی تھی لیکن نوجوان عرب نسل کے نزدیک قبائلی عصبیت اسلامی رواداری کے اصول سے زیادہ قیمتی تھی۔ بنو امیہ عہد جاہلیت ہی سے بدترین عصبیت کا شکار تھے اور کسی بھی صورت میں اقتدار و امارت کو ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہتے تھے۔ یہ ان کی سیاست کا ادنیٰ کرشمہ تھا کہ وہ بااثر عرب قبائل کو اپنے لئے مخصوص کرلیا کرتے تھے۔ جس کے نتیجہ میں کمزور قبائل پر ظلم ہونا اور اکثر قتل و غارت

گری کا بازار گرم رہتا تھا اسی لئے کافی عرصے تک عربوں کی تلواریں خود عربوں کے گلے پر چلتی رہیں اور عصبیتیں ایک دوسرے سے ٹکراتی رہیں۔ بنو امیہ اطمینان سے "لڑاؤ اور حکومت کرو" کی پالیسی پر عمل کرتے رہے۔ بنو امیہ دمشق کا دور عربوں کی فتوحات کا عظیم الشان دور تھا۔ ان فتوحات کی وجہ صرف یہ نہ تھی کہ عربوں کو اسلام کے پھیلانے کی خواہش تھی بلکہ ان فتوحات کی کئی اور بھی وجوہات تھی جن کا تذکرہ بے جانہ ہو گا۔

۱۔ عربوں میں قیصریت و کسرائیت اپنے پورے شباب پر آچکی تھی جس کے اظہار کا یہ ایک بہترین ذریعہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ علاقے پر اقتدار قائم کیا جائے۔

۲۔ قبائلی عصبیتیں کچھ اس طرح سے پرورش پارہی تھیں کہ اگر ان کو ڈھیل دی جاتی تو یقیناً بنو امیہ کا اقتدار خطرے میں پڑجاتا (جیسا کہ آخری خلیفہ مروان بن محمد کے زمانہ میں ہوا) چنانچہ بہترین سیاست یہی تھی کہ جنگجو قبائل کو جنگوں ہی میں الجھادیا جائے اور ان کو منتشر کر کے مرکز سے ان کی توجہ ہٹادی جائے۔

۳۔ بنو امیہ کے خلفاء کی ہوس نفسانی بڑھ چکی تھی جو صرف مال و دولت، لونڈی اور غلاموں کی کثرت سے پوری کی جاسکتی تھی جن کے حصول کے لئے غیر ممالک کی فتوحات بہترین ذریعہ بن سکتی تھیں۔

۴۔ ظلم و تشدد اور بربریت کے خلاف آواز کو زرومال سے دبانے کا تصور پوری طرح چھا گیا تھا۔

۵۔ خلافت راشدہؓ کے مقابلے پر اپنی حدود سلطنت بڑھا کر عوام کے روبرو خود کو عظیم کہلوایا جائے تاکہ ایک طبقہ کا اسلامی سیاست کا مطالبہ کمزور پڑجائے اور بنو امیہ کا اقتدار ناقابل شکست بن جائے۔

۶۔ فتوحات کے ذریعے اسلامی رواداری کا ظاہری مظاہرہ کر کے زیادہ سے زیادہ غیر عرب عوام کو اپنے اثر میں لایا جائے تاکہ عربی عصبیت کے غضب ناک دیو سے نجات حاصل ہو۔ جو نہ ہو سکی اور یہی دیو ایک دن بنو امیہ کو نگل گیا۔

غرض یہ تھا عرب مسلمانوں کا سیاسی پس منظر جس کی بناء پر ان کی ہوسناک نظریں اسپین کے چمن زاروں کو تک رہی تھیں۔ کسی تاریخ سے یہ بات ثابت نہیں کی جاسکتی کہ وہ اسپین میں اسلام کی عظمت کا ڈنکا بجانا چاہتے تھے یا اسلام کی محبت ان کو وہاں لے گئی تھی۔ یہ مغربی مورخین کی متعصب ذہنیت اور کم نظری کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے مسلمان بادشاہوں کی فتوحات کو اسلامی فتوحات ہی شمار کیا تاکہ اسلام اور اس کے اصولوں کا مذاق اڑایا جاسکے۔

عربوں کی اسپین میں آمد

ولید بن عبدالملک کا دور بنو امیہ کی فتوحات کا عظیم الشان زمانہ ہے۔ ایک طرف ترکستان میں قتیبہ بن مسلم فتح و کامرانی کے پرچم اڑاتا خاقان چین کو جنگ کی دعوت دے رہا تھا تو دوسری طرف محمد بن قاسم سندھ اور ملتان کے ہندوؤں سے اپنی کامیاب قیادت کا لوہا منوا چکا تھا۔ اگر ایک طرف مسلمانوں کا بحری بیڑہ بحیرہ روم کے عیسائی بیڑے کو تخت و تاراج کر کے جزائر بحر روم پر قابض ہو رہا تھا۔ تو دوسری طرف موسیٰ بن نصیر والی افریقہ بربر جیسی سرکش قوم کو اپنے قابو میں کر چکا تھا۔ غرض مہذب دنیا کے ایک بڑے حصے پر عرب مسلمانوں کی فتوحات کے پرچم لہرا رہے تھے اور کوئی طاقت ان کے مدمقابل آنے کا خیال تک نہ کر سکتی تھی۔ ایسی حالت میں اسپین جو کہ سیاسی بدنظمی (سیاسی بدنظمی کا تذکرہ اسی باب کے اگلے حصے "مفتوح" میں تفصیل سے دیا گیا ہے) کا بری طرح شکار ہو رہا تھا۔ عربوں کی عقابی نظروں سے کیسے پوشیدہ رہ سکتا تھا۔

اسپین پر مسلمانوں کے حملہ کی ابتداء ۲۷ھ میں حضرت عثمانؓ کے زمانے میں ہوئی۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت عبداللہ بن نافع بن حصین اور حضرت عبداللہ بن نافع بن عبدالقیس کو افریقہ کے راستہ اسپین پر حملہ کرنے کی غرض سے سے بھیجا تاکہ قسطنطنیہ اندلس کی راہ سے آسانی سے فتح ہو جائے اور یہ لوگ بشارت رسول اللہؐ کے مستحق ہو جائیں جو قسطنطنیہ فتح کرنے والوں کو آپؐ نے دی تھی[1]۔ یہ مجاہدین اسپین پر حملہ آور ہوئے اور اس کے بعض شہروں پر قبضہ بھی کر لیا جس کا ثبوت مغربی مورخ گبن کی کتاب Decline amd Fall Of Roman Empire سے ملتا ہے۔ "عثمانؓ ہی کے زمانے میں ان غارت گروں کی جماعت نے اندلسیہ کے ساحل کو تاراج کیا تھا۔"

اسپین پر دوسرا حملہ حضرت معاویہؓ کے زمانے میں اس وقت کیا گیا جبکہ معاویہ بن خدیج افریقہ کے والی تھے۔ اس حملے کی تفصیلات کا پتہ نہ چل سکا۔ تاہم یہ حملے کسی بھی صورت میں بااثر اور پائیدار نہ تھے۔ حقیقی فوج کشی جو اسپین کی فتح کی نیت سے کی گئی تھی وہ طارق بن زیاد کی سرکردگی میں کی گئی تھی۔

طارق بن زیاد کے اسپین پر حملہ آور ہونے کے حقیقی اسباب کا مطالعہ تو ہم اس باب کے

---

[1] طبری جلد ۵ ص۱۸۷ و ابن اثیر جلد ۳ ص۴۷

دوسرے حصے "مفتوح" میں کریں گے۔ البتہ اس خاص واقعہ کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے جس کی وجہ سے عربوں کو اسپین میں داخل ہونے کا موقع ملا۔ اسپین میں یہ دستور تھا کہ امراء سلطنت اور گورنر اپنے بچوں کو شاہی آداب سیکھنے کے لئے شاہی محل میں بھیجا کرتے تھے۔ یہ بچے ضمانت کے طور پر بادشاہ اسپین کے قبضہ میں رہتے تھے اور سن بلوغ کو پہنچتے ہی گھروں کو واپس بھیج دیئے جاتے تھے۔ گو شمالی افریقہ پر پوری طرح مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا لیکن ساحلی علاقے کے کچھ اضلاع ابھی تک حکومت اسپین کے قبضہ میں تھے۔ ان اضلاع کا دارالحکومت سبتہ (Ceuta) تھا جس کا گورنر کاؤنٹ جولین تھا۔ جسے عربی میں یلیان بولا جاتا ہے۔ یہ شخص اسپین کے سابق شاہ وٹیزا کا داماد تھا۔ رسم کے مطابق اس نے بھی اپنی لڑکی فلورنڈا کو طلیطلہ (Toledo) میں شاہ راڈرک کے محل میں تعلیم و تربیت کے لئے بھیج دیا۔ جب وہ جوان ہوئی تو راڈرک اس کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو گیا اور بادشاہت کے غرور اور طاقت کے نشے میں چور ہو کر لڑکی کے دامن عصمت کو تار تار کر دیا۔ لڑکی نے بڑی مشکل سے یہ اطلاع اپنے باپ جولین کو بھیجی۔ جولین اس شرمناک واقعہ سے سخت غضبناک ہوا اور غم و غصہ سے پاگل ہو کر اس نے مذہب کو بھی ایک طرف رکھ دیا۔ شاہ راڈرک سے انتقام لینے کی خاطر اس نے مسلمانوں سے رابطہ شروع کر دیا۔ سب سے پہلے وہ اپنی لڑکی فلورنڈا کو حیلے بہانے سے طلیطلہ سے واپس لے آیا اور راڈرک کی اس درخواست پر کہ "سنا ہے کہ افریقہ کے باز اچھے ہوتے ہیں چند باز بھیج دینا" اس نے یہ جواب دیا کہ "اگر میں زندہ رہا تو ایسے باز بھیجوں گا جن کو آپ نے کبھی نہ دیکھا ہو گا" اشارتاً اس کو کہہ دیا کہ وہ کن بازوں کو بھیجے گا۔

یہ زمانہ دولت بنو امیہ دمشق کی سیاست کا دور عروج تھا۔ موسیٰ بن نصیر جیسا ہوشمند اور بیدار مغز شمالی افریقہ کا والی تھا۔ وہ اتنا زبردست مدبر اور فاتح تھا کہ چند برسوں ہی میں شمالی افریقہ کے سرکش اور باغی بربروں کو دوبارہ مطیع کر لیا اور حکومت دمشق کی ایسی دھاک بٹھائی کہ کسی نے بغاوت و سرکشی کا نام تک نہ لیا۔ شمالی ساحل افریقہ کو بحری قزاقوں اور عیسائی لٹیروں سے محفوظ رکھنے کے لئے وہ اسلامی فوجی دستوں کو بحر روم کے مختلف جزیروں میں چھاپے مارنے کے لئے بھیجتا رہتا تھا۔ طنجہ کا علاقہ بھی اس نے کاؤنٹ جولین سے چھین کر اسلامی حکومت میں شامل کر لیا تھا اور طارق بن زیاد کو وہاں کا والی بنایا تھا۔ گو سبتہ کا علاقہ جولین ہی کے قبضے میں تھا لیکن اس پر بھی دو بار فوج کشی کی جا چکی تھی صرف جولین کی اپنی مدافعت تھی جو اس علاقے کو مسلمانوں سے ابھی تک محفوظ رکھے ہوئے تھی۔ جولین نے اسپین سے واپس آتے ہی طارق بن زیاد والی طنجہ سے دوستی کے مراسم پیدا کر لئے۔

خود اس نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کرلی اور ان کو اسپین پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ طارق نے جولین کی اس پیش کش کو موسیٰ بن نصیر تک پہنچادیا اور جولین اور موسیٰ بن نصیر میں براہ راست خط وکتابت ہوئی۔ چنانچہ جب جولین نے موسیٰ بن نصیر کو اپنی اطاعت قبول کرنے کی اطلاع دی اور سبتہ آنے کی دعوت دی تو موسیٰ نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور وہ بقول ابن اثیر ۹۰ھ میں قیروان سے سبتہ آیا (علامہ مقری صاحب نفخ الطیب کا بیان ہے کہ جولین خود سبتہ سے قیروان گیا تھا) جولین نے موسیٰ کا زبردست خیرمقدم کیا اور اس کو اسپین کے سیاسی' معاشی اور دیگر بگڑے ہوئے حالات بتائے اور اسپین پر حملہ کرنے پر اکسایا۔ مزید یہ کہ اپنی مدد اور اعانت کا بھی پورا پورا یقین دلایا۔

موسیٰ بن نصیر جہاندیدہ آدمی تھے۔ انہوں نے جولین کی باتوں کو غور سے سنا اور اس جیسے بہادر دشمن کی باتوں کا بغیر آزمائے ہوئے یقین کرلینا انہوں نے عقلمندی نہ سمجھا۔ دوسرا یہ کہ اسپین کی حکومت اور جولین کے تعلقات خراب ہونے کا کوئی واضح اور اعلانیہ ثبوت اب تک بہم نہ پہنچا تھا۔ چنانچہ انہوں نے کھلے الفاظ میں جولین سے کہا کہ وہ حکومت اسپین سے کھلے طور پر تعلقات خراب کرنے کے لئے خود لشکر لے کر چھیڑ چھاڑ کرے۔ تاکہ آئندہ سبتہ کی حکومت کو مسلمانوں کا ساتھ چھوڑنے کا موقع نہ ملے۔ جولین نے موسیٰ کی اس بات کو تسلیم کرلیا اور ایک مختصر لشکر کو دو جہازوں میں سوار کرکے اسپین کے ساحلی شہر جزیرہ خضرا کی طرف بھیجا۔ جو معمولی چھیڑ چھاڑ اور لوٹ مار کرکے سبتہ واپس آگیا۔ موسیٰ کو اس حملے کی اطلاع ملی تو ان کو جولین کی سچائی میں کوئی شبہ باقی نہ رہا۔ چنانچہ انہوں نے ولید بن عبدالملک خلیفہ دمشق کو پورے حالات سے مطلع کرکے اسپین پر حملے کی اجازت چاہی۔ دربار دمشق میں موسیٰ بن نصیر کے دوست دشمن دونوں موجود تھے۔ دشمنوں کو موسیٰ کی کامیابیاں ایک آنکھ نہ بھاتی تھیں جیسے ہی ان کو موسیٰ کی اس درخواست کی خبر ہوئی انہوں نے ولید بن عبدالملک کو بحر روم کے درمیان میں حائل ہونے اور بہت زیادہ اخراجات کے خوف سے ڈرایا تاکہ موسیٰ کی شہرت میں اضافہ نہ ہوسکے۔ ولید کنجوس تو نہ تھا لیکن اپنی دولت کو بے جا خرچ ہوتے بھی نہ دیکھ سکتا تھا۔ اس کے لئے اس نے نہایت ہوشیاری سے موسیٰ کو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ "مسلمانوں کو اس گہرے سمندر کی ہلاکت آفرینیوں میں نہ ڈالا جائے۔" موسیٰ کو جواب ملا تو وہ بات کی تہہ تک پہنچ گئے۔ فوراً ہی دوسرا خط تحریر کیا جس میں اسپین کی دولت مندی' سرسبزی و شادابی کی اس قدر تعریف کی کہ خلیفہ ولید راضی ہوگیا۔ مسعودی نے لکھا کہ ولید کو زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرنے کا لالچ تھا۔

چنانچہ اس نے موسیٰ بن نصیر کو اسپین پر فوج کشی کی اجازت دے دی۔ لیکن اس شرط پر کہ ایک دستہ کو آزمائش کے لئے پہلے بھیجا جائے تاکہ بربادی وتباہی کے تمام اندیشے ختم ہو جائیں۔

موسیٰ بن نصیر نے خلیفہ کی اجازت ملتے ہی ایک مختصر فوجی دستہ اپنے مولیٰ (آزاد کردہ غلام طریف بن مالک کی سرکردگی میں اسپین پر حملہ کے لئے روانہ کیا۔ جس میں چار سو مجاہدین شامل تھے۔ یہ لوگ چار کشتیوں میں سوار ہو کر جنوب مغربی اسپین کے ساحل پر اترے اور ساحلی شہر جزیرہ خضراء میں داخل ہو گئے وہاں حملہ کر کے بہت سا مال غنیمت اور قیدی ساتھ لے کر بخیر و خوبی واپس آ گئے۔ طریف کی مہم کی کامیابی اسپین کی فتح کا پیشہ خیمہ ثابت ہوئی۔ موسیٰ نے اسپین پر ایک بڑے حملے کا اعلان کر دیا۔ جوق در جوق لوگ اس مہم میں شامل ہونے کے لئے آنے لگے۔ یہاں تک کہ ایک عظیم الشان لشکر تیار ہو گیا۔ موسیٰ نے اپنے قابل اعتماد اور لائق مولیٰ طارق بن زیادہ کو اس لشکر کا سپہ سالار بنایا جس نے آگے چل کر فاتح اندلس کا لقب پایا۔ اس دوران میں کہ یہ عظیم لشکر اسپین روانہ کیا جاتا آزاد نو مسلم بربر قبیلے کے کچھ افراد نے ابوزرعہ نامی ایک سردار کی ماتحتی میں مال غنیمت کے لالچ میں چپکے سے جزیرہ خضراء پر حملہ کر کے وہاں لوٹ مار بھی کی اور وحشت و بربریت کا مظاہرہ بھی کیا جس کو عام طور پر مورخین نے طریف بن مالک اور طارق بن زیاد کی طرف منسوب کر دیا ہے جو صحیح نہیں ہے[1]

طارق بن زیاد نسلاً بربر اور افریقہ کا باشندہ تھا۔ موسیٰ بن نصیر کے آزاد کردہ غلاموں میں سے تھا۔ زبردست فوجی خدمات پر مامور رہا اور اپنے آقا کے ساتھ بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ موسیٰ نے اس کو صوبہ طنجہ کا والی بنا دیا تھا۔ کاؤنٹ جولین سے اس کے مراسم پہلے سے قائم تھے۔ چنانچہ فتح اسپین کی ابتدائی گفتگو میں شریک رہا کیونکہ بڑے حملے کے لئے لشکر کی تیاری میں بربروں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا جس سے ان کی اتنی کثرت ہو گئی کہ سپہ سالاری کے لئے بلاشبہ طارق بن زیاد سے بہتر کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ جولین نے حسب وعدہ اپنے چار جہاز مسلمانوں کے لشکر کو اسپین تک پہنچانے کے لئے دیئے اور طارق سات ہزار کا لشکر لے کر اسپین کی طرف روانہ ہوا۔ جن میں صرف تین سو عرب اور باقی سب بربر تھے۔ جتنا لشکر ان چار جہازوں میں سوار ہو سکتا تھا سوار ہوا اور کاؤنٹ جولین کی رہنمائی میں اسپین کی طرف روانہ ہوا۔ یہ اسلامی لشکر پیر کے روز ۵ رجب ۹۲ھ کو اسپین کی ایک ساحل پہاڑی پر اترا جو بعد میں طارق سے منسوب ہو کر جبل الطارق کہلائی۔ یہ جہاز سب کو اتار کر

---

[1] علامہ مقری۔ نفخ الطیب جلد ۱ ص ۱۱۸-۱۱۹

واپس روانہ ہوگئے تاکہ باقی ماندہ فوج کو لے کر آئیں۔ اس سے پہلے جب یہ لوگ ابھی جبل الطارق نہ پہنچے تھے کہ طارق بن زیاد نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مع مہاجر و انصار کے حالت جنگ میں دیکھا کہ تلواریں لٹکائے اور کمانیں چڑھائے ہوئے ہیں آپؐ طارق سے فرمارہے ہیں "طارق اسی شان سے قدم بڑھائے جاؤ۔" پھر آپؐ نے اس کو مسلمانوں کے ساتھ نرمی سے پیش آنے اور اپنے وعدوں کو پورا کرنے کی ہدایت کی۔ اس کے بعد طارق نے دیکھا کہ حضورؐ مع تمام صحابہؓ اسپین کی سرزمین میں داخل ہوگئے ہیں اور طارق ان کے پیچھے ہیں۔ اس مقدس خواب سے طارق کی ہمت بلند ہوگئی اور اس نے فتح و کامرانی کی یہ خوشخبری اپنے ساتھیوں کو بھی سنائی جس کو سن کر تمام لشکریوں کی ہمتیں بلند ہوگئیں اور ان کو اپنی فتح و کامرانی کا پورا پورا یقین ہوگیا۔

طارق چند دنوں تک اس پہاڑی پر مقیم رہا۔ یہاں تک کہ باقی لشکر بھی افریقہ سے اس کے ساتھ آملا۔ سب انتظامات مکمل کرنے کے بعد فوجی نقل و حرکت شروع کی اور سب سے پہلے عبدالملک المعافری کو قدیم ساحلی شہر کارتیہ کو فتح کرنے کے لئے بھیجا جس نے بلا مزاحمت اس شہر پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد جزیرہ خضراء پر طریف بن مالک ہی کو قبضہ کرنے کے لئے بھیجا جس نے اس پر آسانی سے قبضہ کرلیا۔ طارق نے ان علاقوں کو اپنا مسکن بنایا اور خود کو پوری طرح مضبوط اور مستحکم کرلیا۔ طارق کی آمد اور تیاریوں کی اطلاع اس علاقہ کے اسپینی گورنر تھیوڈومر (Theodmir) کو ہوئی چنانچہ اس نے ان اجنبیوں سے مقابلہ کرنے کی نیت سے پیش قدمی کی ہی تھی کہ پہلے ہی حملے میں پسپا ہوکر پیچھے ہٹ گیا۔ راڈرک اس وقت شمالی اسپین کے علاقہ میں باغیوں سے جنگ میں مشغول تھا۔ تھیوڈومر نے تیز رفتاری سے اس اطلاع کے ساتھ ایک قاصد روانہ کیا کہ "ہماری زمین پر ایک قوم اتر پڑی ہے ہم نہیں جانتے کہ یہ آسمان سے نازل ہوئی ہے یا زمین سے نکل پڑی ہے اور کاؤنٹ جولین ان کی راہنمائی کررہا ہے[1]"

راڈرک اس اچانک مصیبت سے گھبرا کر دارالحکومت واپس لوٹ آیا اور ملک میں عام فوجی بھرتی کا اعلان کردیا۔ لوگوں سے حملہ آوروں کو ملک سے نکالنے کی عام اپیل کی جس سے جوق در جوق لوگ فوج میں شرکت کرنے کے لئے آنے لگے۔ راڈرک اور پادریوں نے مذہب، وطن اور قوم کے نام پر اپنے مخالفین کو بھی بلایا جس سے متاثر ہوکر خاندان گاتھ کے ناراض تین شہزادے بھی ایک بڑی فوج لے کر قرطبہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ قرطبہ کے باہر وادی الکبیر کے پاس مقام شقندہ فوجی

---

[1] تاریخ اندلس ج ۱ ص ۶۰

چھاؤنی بن گیا وہاں ایک لاکھ فوج جمع ہو گئی۔ طارق بن زیاد کو بھی راڈرک کی ان تیاریوں کی اطلاع ملتی رہتی تھی چنانچہ اس نے دشمن کی تمام تیاریوں کی اطلاع موسیٰ بن نصیر کو دی اور مزید کمک کا مطالبہ کیا۔ موسیٰ خود ایک تجربہ کار فوجی تھے اور حالات سے پوری طرح باخبر تھے۔ انہوں نے پہلے ہی بہت سی کشتیاں فوج بھیجنے کے لئے تیار کرالی تھیں۔ جیسے ہی طارق نے کمک طلب کی فوراً ہی پانچ ہزار سپاہ روانہ کردی گئی جس سے اسلامی لشکر کی تعداد بارہ ہزار ہو گئی۔ راڈرک قرطبہ سے جنوبی اسپین کی طرف چلا۔ طارق نے بھی اسلامی لشکر کو آگے بڑھایا۔ دونوں فوجوں کا سامنا دریائے گواڈلیٹ کے دائیں کنارے پر بحر محیط کے ساحل سے تقریباً ۲ میل کے فاصلہ پر مقام سریش (Jarez) میں ہوا۔ دونوں ہی جنگ کی تیاریوں میں مشغول ہو گئے۔ (اس جنگ میں مسلمانوں کی کامیابی کے اسباب آگے "مفتوح" حصے میں بیان کئے جائیں گے) مسلمان دشمن کی کثرت تعداد اور زبردست سامان جنگ سے مرعوب نظر آتے تھے۔ طارق ان کے اس احساس سے بے خبر نہ تھا۔ اس نے اسی رات جس کی صبح کو جنگ ہونے والی تھی مسلمانوں میں جوش و ولولہ اور عزم و استقامت کی روح پھونکنے کے لئے ان کے سامنے ایک پرزور تقریر کی جس نے مسلمانوں کے ڈوبتے ہوئے دلوں کو سنبھال لیا اور وہ پرعزم ہو کر لڑنے اور فتح مندی سے ہمکنار ہونے کے لئے تیار ہو گئے۔ یہ ۲۷ رمضان ۹۲ھ مطابق ۱۹ جولائی ۷۱۱ء کی یادگار تاریخی صبح تھی۔ راڈرک نے میدان جنگ میں فوج کی صفیں تو درست کر لیں لیکن اس وقت تک وہ فوج کے اندرونی حالات سے بے خبر تھا کہ کس طرح تینوں گاتھ شہزادوں نے اس کے خلاف مسلمانوں سے عہد و پیمان کر لئے ہیں۔ اس نے میمنہ، میسرہ پر انہی شہزادوں کو متعین کیا اور خود قلب لشکر میں رہا۔ ادھر طارق نے اپنے لشکر کی صفیں درست کی ہی تھیں کہ راڈرک کی طرف سے جنگ کا آغاز کر دیا گیا۔ جلد ہی راڈرک کو غداروں کا پتہ چل گیا۔ تینوں گاتھ شہزادے میدان جنگ ہی میں اس سے علیحدہ ہو گئے لیکن یہ علیحدگی راڈرک پر زیادہ اثر انداز نہ ہو سکی۔ لڑائی نے طول کھینچا اور ۲۷ رمضان المبارک سے ۵ شوال تک جاری رہی یہاں تک کہ راڈرک کو شکست ہوئی اور وہ دریائے گواڈلیٹ میں ڈوب کر مر گیا۔ تاریخ آج تک اس کے غائب ہونے کی صحیح وجہ نہ بتا سکی لیکن آثار سے پتہ چلا کہ وہ دریا ہی میں ڈوب کر مرا تھا۔ اہل اسپین کی شکست سے مسلمانوں کے ہاتھ کثیر مال غنیمت آیا اور بے شمار قیدی بھی جو مسلمان فوجیوں میں تقسیم کر دیئے گئے۔ راڈرک کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی

کہ اس نے اس جنگ میں اپنی پوری طاقت جھونک دی تھی جس کے نتیجے میں اس کی شکست کے بعد دور دور تک مسلمانوں کا راستہ روکنے والا کوئی نہ تھا۔ طارق نے اسپین کے جنوب مغربی علاقے کا رخ کیا۔ سب سے پہلے صوبہ قادس کے شہر شذونہ (Sadonia) پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد قرطبہ کے مغرب میں ایک شہر حصن المدور (Almadouer) پر قابض ہوگیا اور پھر اشبیلیہ سے ۲۵ میل دور مشرق میں شہر قرمونہ (Carmona) پر قبضہ کر لیا اور مسلمان جلد ہی تاریخی شہر اشبیلیہ کی فصیلوں تک پہنچ گئے۔ اہل شہر نے خاموشی سے جزیہ ادا کرنے پر معاہدہ کرلیا اور شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ اس اثناء میں اطلاع ملی کی راڈرک کے بہت سے سردار شہر استجہ (Ecija) میں جمع ہو رہے ہیں چنانچہ طارق نے ادھر کا رخ کیا۔ یہاں پر گواڈلیٹ کی جنگ کے بعد ایک دوسری خونریز لڑائی لڑی گئی۔ اتفاق سے قلعہ کا عیسائی گورنر قلعہ کے باہر طارق کے قبضہ میں آگیا اور طارق نے اس کو چند شرائط پر راضی ہونے کے سبب شہر پر قبضہ ہونے کے بعد بھی وہاں کا حاکم رہنے دیا۔ گورنر نے بھی اپنی شرائط کی پوری پابندی کی۔ استجہ کی شکست کے بعد اسپینی عوام اپنے مستقبل سے بالکل مایوس ہوگئے۔ عوام شہروں کو چھوڑ کر پہاڑوں کی طرف بھاگنے لگے۔ امراء' جاگیردار اپنے خزانوں کے ساتھ طلیطلہ فرار ہوگئے جو اپنی مضبوطی و استحکام کی وجہ سے ان کی آخری پناہ گاہ تھا۔

کاؤنٹ جولین شروع ہی سے طارق کو مفید مشورے دیتا رہا تھا چنانچہ اس موقع پر بھی اس نے مشورہ دیا کہ اس سے پیشتر کہ اسپینی راڈرک کے بعد اس کا کوئی جانشین چن لیں اور اپنی شیرازہ بندی کرلیں مسلمانوں کی فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے مختلف علاقوں کی طرف روانہ کردیئے جائیں اور پورے اسپین پر ایک ہی وقت میں قبضہ کرلیا جائے۔ اس سے قبل کہ عیسائیوں کا خوف و ہراس دور ہو اور وہ مسلمانوں کے سامنے آنے کی ہمت کریں ان کی پوری طرح سرکوبی کردی جائے۔ طارق نے اس مشورے کو قبول کرلیا اس نے ایک طرف تو تمام حالات کی اطلاع موسیٰ بن نصیر کو بھیجی اور دوسری طرف فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے تیار کر کے اہم شہروں قرطبہ' غرناطہ' مالقہ' تدمیر کی طرف بھیجے اور خود فوج لے کر طلیطلہ کی طرف بڑھا۔ موسیٰ نے طارق کو آگے پیش قدمی کرنے سے روک دیا اور لکھا کہ وہ اس کے پہنچنے کا انتظار کرے۔ مگر طارق کو ایک طرف تو اسپین کے حالات سے فائدہ اٹھانے

لہ نفح الطیب ج ا ص۱۲۲ - ابن اثیر ج ۴ ص۲۴۵

کی جلدی تھی اور دوسری طرف اس کو اس بات پر بھی ناز تھا کہ وہ موسیٰ کو سمجھا کر راضی کر لے گا۔ چنانچہ اس نے پیش قدمی جاری رکھی۔ فوجی نقطہ نظر سے طارق کی کارروائی اس کی فراست و سوجھ بوجھ پر مبنی تھی لیکن سیاسی طور پر ایک سخت غلطی تھی جس نے موسیٰ بن نصیر کو طارق سے ناراض کر دیا جو آگے چل کر طارق کی سیاسی زندگی کے خاتمے کا باعث بنی۔

طارق نے ولید بن عبدالملک کے غلام مغیث کی سرکردگی میں سات سو سواروں کا ایک دستہ قرطبہ کی فتح کے لیے روانہ کیا۔ مغیث نے جاسوسوں کے ذریعہ قرطبہ کے اندر کے حالات معلوم کر کے ایک تاریک رات میں شہر پر حملہ کرکے اس پر قبضہ کرلیا۔ حاکم شہر اور بہت سے عیسائی سینٹ جارج کلیسا میں قلعہ بند ہوگئے جو شہر کے مغربی حصے میں واقع تھا۔ مسلمانوں نے اس کا محاصرہ کر لیا اور سب سے پہلے اس نہر کو بند کر دیا جس سے کلیسا میں پانی جاتا تھا۔ پھر بھی عیسائیوں نے ہتھیار نہ ڈالے۔ آخر کار مغیث نے کلیسا کو جلانے کے لئے اس کے گرد آگ جلوا دی۔ مجبوراً عیسائیوں نے اطاعت قبول کر لی۔ قرطبہ پر مسلمانوں کا حملہ ماہ شوال ۹۲ھ مطابق ماہ اگست ۷۱۱ء میں ہوا اور محرم ۹۳ھ مطابق اکتوبر نومبر ۷۱۱ء میں یہ شہر مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔

ادھر فوج کا جو دستہ مالقہ کی طرف روانہ کیا گیا تھا۔ اس نے نہایت آسانی سے اس شہر پر بلا مزاحمت قبضہ کر لیا۔ شہر البیرہ بھی فتح ہو گیا یہ شہر وہی ہے جہاں ایک عرصہ کے بعد شہر غرناطہ کی بنیاد پڑی۔ بعد ازیں شہر ریہ فتح ہوا اور فاتح دستہ مقام اریولہ تک جا پہنچا۔ یہ شہر اس طرف کی فتوحات کے سلسلہ کی آخری کڑی تھا۔ کیونکہ یہیں پہنچ کر اس علاقے کے عیسائی حاکم تھیوڈومر سے صلح کی بات چیت شروع ہوئی۔ تھیوڈومر راڈرک کے زمانے میں جنوبی اسپین کا والی تھا۔ مسلمانوں کی فتوحات نے اس کو مرسیہ کی طرف جانے پر مجبور کر دیا تھا اور وہ وہاں پہنچ کر لڑائی کی تیاریاں کر رہا تھا کہ ریہ کے مقام پر اس نے شکست کھائی اور وہ اریولہ میں محصور ہو گیا۔ اس مقام پر اس نے مسلمانوں کو اپنی فوج کی نمائشی کثرت دکھا کر مرعوب کر دیا اور وہ اس سے آسان شرائط پر صلح پر آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ یہ پورا علاقہ تھیوڈومر کے قبضہ اقتدار میں رہا اور طارق نے بھی اسے صوبہ مرسیہ کا حاکم تسلیم کرلیا۔ اس پورے علاقے کو اسی کے نام کی وجہ سے تدمیر کہا جانے لگا۔

طلیطلہ شاہان گاتھ کا پایہ تخت تھا۔ طارق خود اس پر حملہ آور ہوا تھا۔ اسے خیال تھا کہ شاید

یہاں پر اسے ایک بڑی جنگ لڑنی پڑے گی لیکن عیسائیوں کے پیر یہاں بھی نہ جم سکے۔ امراء اور عوام کثرت سے شہر چھوڑ گئے۔ طلیطلہ کے بڑے کلیسا کا اسقف اعظم جو مطران کہلاتا تھا روم بھاگ گیا اور طارق بغیر جنگ کئے شہر پر قابض ہو گیا۔ یہاں زر و مال کا اتنا بڑا ذخیرہ ہاتھ آیا جو اس سے پہلے اس ملک میں نہیں دیکھا گیا تھا۔ شاہان اسپین کے ۲۴ زریں تاج بھی شہر کے ایک کلیسا سے ملے جو قیمت و خوبصورتی میں بے مثال تھے۔ طارق نے مسلمانوں اور یہودیوں کو اس شہر میں آباد کیا اور ایک گاتھی شہزادہ اوپاس کو یہاں کا حاکم مقرر کیا اور خود فرار ہونے والے عیسائیوں کے تعاقب میں جبل طلیطلہ اور جبل الشارات تک کو عبور کر گیا۔ ایک دوسرے قائد محمد بن الیاس کو دوسری سمت بھیجا جس نے وادی الحجارۃ پر قبضہ کر کے بے شمار مال غنیمت حاصل کیا۔ طارق ۵۵ میل آگے نکل کر مقام قلعتہ النہر کے قریب ایک ایسی آبادی میں پہنچا جہاں طلیطلہ کے سب سے زیادہ بیش قیمت خزانے چھپا کر رکھے گئے تھے۔ جس پر طارق نے آسانی سے قبضہ کر کے تمام مال و دولت حاصل کر لیا۔ یہیں پر وہ تاریخی مائدہ (کھانے کی میز) ہاتھ لگی جس کے متعلق مشہور تھا کہ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی میز ہے۔ یہ مائدہ ٹھوس سونے کی تھی۔ جس کے ۳۶۵ پائے تھے اور وہ بیش قیمت جواہرات 'یاقوت' زمرد اور موتیوں سے مزین تھی۔ مسلمان اس میز کی مناسبت سے اس شہر کو مدینتہ المائدہ کہنے لگے۔
اس کے بعد طارق نے اسپین کے شمالی علاقے کا رخ کیا اور صوبہ لیون کے شہر اشتورقہ پر قبضہ کر لیا۔ پھر شمال مغربی گوشہ میں صوبہ جلیقیہ پر حملے کئے اور کثیر مال و دولت حاصل کیا۔ یہ ہمیں کوئی مستقل قبضہ کے لئے نہیں بھیجی گئی تھیں بلکہ ان کا مقصد صرف اتنا تھا کہ عیسائیوں کے اجتماع کو منتشر رکھیں اور ان سے طلیطلہ کے خزانے چھین لیں۔ چنانچہ طارق اس مقصد میں کامیاب رہا۔

موسیٰ بن نصیر کو طارق کی حکم عدولی کی اطلاع مل چکی تھی۔ چنانچہ وہ طارق کو حکم عدولی کی سزا دینے اور اس کے ہاتھوں سے اسپین کی باگ ڈور چھیننے کے لئے خود اسپین کے سفر پر روانہ ہوا۔ اس نے افریقہ میں اپنے لڑکے کو نائب بنایا اور خود اٹھارہ ہزار فوج لے کر جس میں عرب اور بربر کے ممتاز قائدین بھی شامل تھے ماہ رمضان ۹۳ھ مطابق ماہ جون ۷۱۲ء میں جزیرہ خضراء کے پاس ایک پہاڑی پر اسپین کی سرزمین پر اترا۔ کاؤنٹ جولین پہلے ہی موسیٰ سے آن کر مل چکا تھا اور حسب معمول اس کا بھی مشیر خاص تھا۔ موسیٰ بن نصیر نے عمداً اپنے سفر میں اس راستہ کو اختیار نہ کیا جسے طارق نے اختیار کیا تھا۔ اس کی وجہ اول تو یہ تھی کہ خود اس کی فوج کے لئے جو ہر دکھانے کے مواقع موجود تھے۔

لہ مقری۔ ج ۱ ص ۱۱۲، ۱۱۳، ابن اثیر۔ ج ۴ ص ۲۴۶

دوسرے یہ کہ وہ طارق سے کسی صورت پیچھے رہنا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے ان علاقوں کا رخ کیا جو غیر مفتوحہ تھے۔ یا پھر مسلمانوں کی غیر موجودگی میں سرکشی پر آمادہ ہوگئے تھے۔ سب سے پہلے اس نے شہر شنزونہ کی بغاوت کو ختم کیا اور اس کو مستقلاً مسلمانوں کی عملداری میں لے لیا۔ اس کے بعد قرمونہ کی باری آئی۔ یہاں کے عیسائیوں نے بڑی طاقت جمع کر رکھی تھی لیکن کاؤنٹ جولین کی تدبیر سے یہ شہر بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔ اس کے بعد موسیٰ نے مشہور شہر اشبیلہ کا رخ کیا۔ اشبیلہ کے باشندوں نے طارق سے جزیہ کی شرط پر نجات حاصل کر لی تھی لیکن کلی طور پر مسلمانوں کی اطاعت قبول نہ کی تھی۔ موسیٰ کے پہنچتے ہی شہر والے محصور ہوگئے۔ چند ماہ تک محاصرہ جاری رہا لیکن پھر ہتھیار ڈال دیئے۔ شہر کی دولت و املاک مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں۔ عیسائی سردار اور امراء اپنے گھربار چھوڑ کر باجہ چلے گئے۔ موسیٰ نے مسلمانوں اور یہودیوں کو یہاں آباد کیا۔

موسیٰ نے اب غیر مفتوحہ علاقہ کی طرف توجہ کی اور مغربی اسپین کے مشہور شہر ماردہ پر حملہ آور ہوا۔ اہل ماردہ نے محصور ہو کر جم کر مقابلہ کیا اور جب کافی عرصہ تک شہر فتح نہ ہوا تو موسیٰ نے نقب زنی کا ہتھیار دبابہ استعمال کیا۔ مسلمانوں کے استقلال کے آگے اہل شہر نے ہتھیار ڈال دیئے۔ چند شرائط پر معاہدہ ہوگیا۔ مسلمان ۹۴ھ میں عید کے دن (۳۰ جون ۷۱۳ء) شہر میں داخل ہوگئے۔ اسی اثناء میں موسیٰ کو شہر اشبیلہ کے مسلمانوں پر ظلم و تشدد کی اطلاع ملی۔ انہوں نے اپنے لڑکے عبدالعزیز کو ایک لشکر کے ساتھ بھیجا جس نے عیسائیوں کو پوری سزا دی اور خود اشبیلہ ہی میں قیام کیا۔ اس کے بعد لبلہ اور باجہ کو جو اشبیلہ کے نواح میں تھے اپنے قبضہ میں کر کے عیسائی سردار اور امراء کو وہاں سے نکال دیا۔ نیز ماردہ کے پورے علاقے[1] کو مطیع کرنے کے لئے دستے بھیجے گئے۔

موسیٰ اور طارق کی ملاقات ابھی تک نہ ہوئی تھی۔ موسیٰ نے ماہ شوال ۹۴ھ کے خاتمے پر ماردہ سے نکل کر طلیطلہ کا رخ کیا۔ طارق نے طلیطلہ سے نکل کر طلیرہ میں اس کا استقبال کیا۔ موسیٰ اپنے غصہ کو برداشت نہ کر سکا اور فوراً ہی طارق پر برس پڑا۔ کہا جاتا ہے کہ نافرمانی کی پاداش میں کوڑے بھی لگائے[2]۔ گو ان کی یہ پہلی ملاقات ناخوشگوار رہی لیکن موسیٰ نے برا بھلا کہہ کر معاملہ ختم کردیا اور طارق کو اس کے اپنے منصب پر قائم رکھتے ہوئے ہراول دستوں کا قائد بنا دیا۔ موسیٰ نے فوج اور مال

لہ تاریخ اندلس ج ۱ ص۱۰۱   کہ ڈوزی ص۲۳۲

غنیمت کا جائزہ لیا تا کہ نئی مہمات میں دقت نہ ہو۔ اس کے بعد نئے سرے سے مہمات کا آغاز کردیا۔ طارق ہراول دستے میں تھا۔ وہ متعین مقامات پر پہلے سے فوج لے کر جاتا۔ موسیٰ پورا لشکر لے کر اس کے پیچھے پیچھے آجاتا۔ اس طرح شہر پر شہر فتح ہوتے چلے گئے۔ مسلمانوں کے لشکر نے طلیطلہ سے قدم نکالے اور شمال مغربی اسپین کا رخ کیا۔ کسی مقام پر بھی عیسائیوں نے کوئی قابل ذکر مقابلہ نہیں کیا یہاں تک کہ صدر مقام سر قسطہ بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔ جس سے پورے شمالی اسپین پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔ یہاں سے چھوٹے دستے علاقے میں پھیلائے گئے اور پورا علاقہ مطیع ہوگیا۔ اس کے بعد شمال مشرقی حصے کی طرف مہم بھیجی گئی۔ چنانچہ جلد ہی اس علاقے کے مشہور شہر برشلونہ، طرکونہ اور جرندہ اسلامی حکومت میں شامل کر لئے گئے۔ شمال مشرقی حصے کے بعد فوجی نقطہ نظر سے مسلمانوں کی نظریں جنوبی فرانس کی سرحدوں پر پڑنے لگیں۔ چنانچہ موسیٰ نے جنوبی فرانس کی طرف اپنی پیش قدمی جاری رکھی یہاں تک کہ اس علاقے کے تین مشہور شہر اربونہ، حسن، لوزون، ادینون پر مسلمانوں کا اقتدار قائم ہوگیا۔ گو بعد میں اس علاقے کے لے عیسائیوں سے کافی جنگیں ہوئیں اور مسلمانوں کو بہت نقصان اٹھانا پڑا لیکن پھر بھی یہ علاقہ مسلمانوں کے ہاتھ سے نہ نکل سکا۔ جنوبی فرانس کے اس علاقے میں مسلمانوں کو عربی زبان میں نصب شدہ ایک کتبہ ملا جس پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی۔ "بنو اسماعیل یہ تمہاری آخری حد ہے اس سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرنا۔" اس کتبہ نے کمزور عقیدے کے لوگوں کو ڈرا دیا۔ موسیٰ نے بھی حالات کا اندازہ کرکے اپنے لشکر کا رخ اسپین کے غیر مفتوحہ علاقے صوبہ جلیقیہ کی طرف موڑ دیا۔ موسیٰ کی پیش قدمی جلیقیہ کی طرف جاری تھی کہ راہ میں خلیفہ ولید کا قاصد مغیث پہنچا اور موسیٰ کا خلیفہ کا یہ پیغام دیا کہ فوراً اپنی کارروائیوں کو روک کر دمشق روانہ ہوجائے۔ موسیٰ نے مغیث کو سمجھا کر کچھ مہلت لے لی اور جلیقیہ کی مہم کے خاتمے کی کوشش میں مصروف ہوگیا۔ موسیٰ فرانس سے سیدھا مغرب میں چلا تھا۔ سب سے پہلے سرزمین بشکنس میں صوبہ اشتورا میں پہنچا۔ پھر صوبہ جلیقیہ میں داخل ہوا۔ شہر لک پر قبضہ کر لیا اور یہاں سے مختلف علاقوں میں دستے روانہ کئے۔ چنانچہ عرب مورخین کے بیان کے مطابق لک کے شمال میں خلیج بسکے کے کنارے صخرہ بلائی اور اس کے جنوبی گوشہ پر پرتگال کے مشہور شہر بیزویا بازو پر

قبضہ کر لیا۔ کچھ ہی عرصے میں اسپین کے شمال مغربی علاقے کا ایک بہت بڑا حصہ فتح ہو گیا۔

ابھی اس علاقے کی فتوحات پایہ تکمیل تک نہ پہنچی تھیں کہ دربار خلافت سے ایک دوسرا قاصد ابو نصر آیا اور اس نے خلیفہ کا فوری واپسی کا پیغام سنایا۔ اب تاخیر کا کوئی موقع نہ رہا تھا۔ موسیٰ نے لشکر کو واپسی کا حکم دیا اور شمال مغربی اسپین کی مہم کو ناتمام چھوڑ کر جنوب کی سمت روانہ ہوئے۔ طارق کو شمال مشرقی اسپین کی مہم سے واپس بلا لیا گیا اور دونوں طلیطلہ واپس آئے۔ مال غنیمت کا انبار یکجا کیا اور اشبیلیہ کی سمت روانہ ہوئے اور واپسی کے انتظامات کرنے لگے۔

دونوں فاتحین اسپین ماہ ذی الحجہ ۹۵ھ میں اسپین سے واپس ہوئے۔ طارق بن زیاد اس ملک میں تین سال ۴ ماہ اور موسیٰ بن نصیر دو سال چار ماہ رہے۔ اس مختصر مدت میں اس وسیع رقبہ پر مسلمانوں کی سلطنت قائم ہو گئی جس کے والی بعد میں حسب ضرورت کبھی افریقہ اور کبھی دمشق سے نامزد ہو کر آتے رہے۔ ۴۰، ۴۲، ۴۴ سال تک یہی سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ بنو امیہ کے شہزادے عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک نے وہاں آزاد اموی حکومت کی بناء ڈالی۔

مفتوح

سیاسی بد نظمی

جیسا کہ اوپر واضح کیا جاچکا ہے کہ گاتھک حکومت کا آغاز سلطنت روم کے زوال سے شروع ہوتا ہے۔ سلطنت روم سے ان کی لڑائی تیسری اور چوتھی صدی عیسوی میں ہوئی۔ پانچویں صدی عیسوی میں تھیوڈرک اعظم مشرقی گاتھک حکومت کا بانی ہوا جس کا پایہ تخت اٹلی تھا۔ مغربی گاتھ پانچویں صدی عیسوی میں اسپین میں اپنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ ان کی حکومت کا نظام ایک شاہی کونسل اور قوانین کی ایک کتاب پر مشتمل تھا۔ شاہی کونسل کے ارکان معزز پادری اور صدر بادشاہ ہوتا تھا۔ ایک طرف بادشاہ پادریوں کی تنزلی اور ترقی کے اختیار رکھتا تھا تو دوسری طرف بادشاہ کی تخت نشینی پادریوں کی منظوری کے بغیر ممکن نہ تھی۔ رفتہ رفتہ پادریوں نے اپنی طاقت اس قدر بڑھالی کہ حکومت کی باگ ڈور پورے طور پر ان کے ہاتھوں میں آگئی جس میں وہ کسی حد تک کامیاب رہے۔ چھٹی صدی عیسوی میں رومن کیتھولک مذہب کا دور دورہ ہوا۔ جس سے پادریوں کے اقتدار میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔ وہ پوری طرح حکومت کے سیاہ وسفید کے مالک بن گئے۔ یہاں تک کہ شاہ اسپین بھی ان کا محتاج بن کر رہ گیا۔ جس سے بادشاہ اور پادریوں کی کشمکش میں اضافہ ہوگیا لیکن پادریوں کا زور پھر بھی کم نہ ہوا۔ یہی وہ زمانہ ہے جبکہ یہودیوں پر مظالم کی انتہا ہوئی۔

آٹھویں صدی عیسوی میں پادریوں میں جاہ طلبی، عیش پرستی، عیاشی، رشوت ستانی انتہا کو پہنچ گئی۔ اسقف اعظم کا محل فتنہ وفساد کا گھر بن گیا۔ سلطنت کے کام گو پھر بھی چلتے رہے۔ لیکن پادریوں کی عیاشیوں نے امراء اور اراکین دربار کو بھی بے راہ روی میں مبتلا کردیا اور وہ جاہ ومنصب اور دولت و اقتدار کے حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی کوشش میں سرگرم رہنے لگے۔ ذاتی اغراض کی بنا پر عوام کو بری طرح تنگ کیا جاتا تھا۔ خصوصا سرف اور غلاموں سے ان کا سلوک بہت بدتر ہوگیا تھا۔ اس صورتحال نے عوام کو غضبناک کردیا اور بغاوتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ و۔ مبا (Wamba) شاہ اسپین نے ہوشمندی اختیار کی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ اسپین پر مسلمانوں کے ابتدائی حملے شروع ہوچکے تھے۔ و۔ مبا نے مسلمانوں کا مقابلہ کیا اور ساتھ ہی ایک فوجی حکم کے تحت پادریوں کے اختیارات کو بھی ایک حد تک چھین لیا۔ پادریوں نے اس کے خلاف ایک عام بغاوت کردی جس میں عوام اور درباری دونوں شامل تھے۔ جس کے نتیجے میں اسے تخت چھوڑنا

پڑا۔ اس کے جانشینوں نے وقتی طور پر پادریوں کے اقتدار کو مان لیا لیکن اس کے بعد پادریوں کے زوال کا ایک دور پھر آیا جس میں فرمانروائے اسپین کو کامیابی ہوئی اور اسپین کا اسقف اعظم اپنے عہدے سے معزول کردیا گیا۔ پادریوں کے زوال کے ساتھ ہی یہودیوں نے ہاتھ پاؤں نکالنے چاہے اور ملک پر قبضہ کرنا چاہا لیکن ان کی اس تحریک کو کچل دیا گیا اور سینکڑوں کی تعداد میں یہودیوں کو ملک بدر کردیا گیا۔ جو کچھ بچ گئے ان پر زندگی تنگ کردی گئی لیکن کچھ عرصے بعد اس ظلم کی شدت میں کمی واقع ہوگئی۔ تخت اسپین پر ایک بار پھر وٹیزہ (Vetza) کا ایک باہوش اور سمجھ دار حکمراں وٹیزا غیطشہ برسراقتدار آیا۔ اس نے اپنے حسن سلوک اور عمدہ انتظام حکومت کی وجہ سے عوام میں ہردلعزیزی حاصل کرلی۔ یہودیوں کے ساتھ بھی اس نے رعایت و نرمی سے کام لیا۔ اس کی یہ ہردلعزیزی زیادہ عرصے قائم نہ رہی اور جلد ہی وہ عیش و عشرت میں مشغول ہوگیا۔ جس سے پادریوں کو قوت حاصل کرنے کے مواقع فراہم ہوئے اور ایک بار پھر طاقت و اقتدار کلیسا کے پادریوں کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ وٹیزا نے ان پادریوں کی کوئی پرواہ نہ کی کیونکہ پادریوں کا اثر مذہبی لحاظ سے عوام پر زیادہ تھا اور درباری بھی ان کے زیر اثر تھے۔ اس لئے وٹیزا کا حشر بھی و۔ مبا (Wamba) کی طرح ہوا اور عمر رسیدہ غیر ملکی راڈرک اس کا جانشین مقرر ہوا اور اس طرح وٹیزا پر گاتھ خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ راڈرک گاتھ نسل سے نہ تھا۔ وہ اصفہان کے کسی خاندان سے تعلق رکھتا تھا[1]۔ وہ ۸۲ سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ جلیقیہ اور بسکے کی جنگوں میں اس نے بے حد شہرت حاصل کی تھی وہ وٹیزا کی فوج کا سپہ سالار اعظم تھا اور عوام میں ہردلعزیزی حاصل کر چکا تھا ابتداء میں وہ حکومت چلانے میں بے حد کامیاب رہا۔ لیکن جلد ہی اقتدار کے نشے نے اسے لاپرواہ کر دیا جس کی وجہ سے عوام اس سے نفرت کرنے لگے۔ دوسری طرف گاتھک شہزادوں کے دلوں میں اپنی حکومت کی واپسی کا خیال پیدا ہوا کیونکہ اسپین کے عوام کے ایک طبقہ میں ابھی تک گاتھ شہزادوں سے ہمدردی کے جذبات پائے جاتے تھے۔ چنانچہ ایک جماعت ایسی پیدا ہوگئی جو راڈرک کو ہٹا کر قدیم گاتھک خاندان کو برسراقتدار لانا چاہتی تھی۔

بحیثیت مجموعی شاہ اسپین ومبا (Wamba) کی معزولی کے بعد سے مسلمانوں کی آمد تک کا زمانہ سیاسی انتشار و بدنظمی کا زمانہ ہے۔ شاہی خاندان اور امراء کے مابین اقتدار کی کشمکش نے دور دراز

---

[1] تاریخ اندلس ج ا ص۵۹

کے عاملوں کو اپنے اپنے علاقوں میں خود مختار ہونے کا موقع دیا۔ مرکز کی کمزوری اور فوج کو کئی ماہ کی تنخواہ نہ دینے کی وجہ سے حکومت میں اتنی سکت باقی نہ رہی تھی کہ وہ کسی بھی بغاوت کو کچل سکتی۔ افریقہ کے مقبوضات کا گورنر کاؤنٹ جو ابھی تک تخت اسپین کا وفادار تھا اور محنت و جانفشانی سے مسلمانوں کے حملوں سے سبتہ (Ceuta) کو بچائے ہوئے تھا۔ راڈرک کی ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے اسپین کے خلاف مسلمانوں کا حلیف ہوگیا۔ اس نے موسیٰ بن نصیر کو ملک کے اندرونی سیاسی حالات کی پوری تفصیل بہم پہنچائی اور اسے مجبور کیا کہ وہ اسپین پر حملہ کرے۔ جہاں اندرونی طور پر یہ حالت تھی وہاں ساتھ ہی ساتھ گاتھ شہزادے بھی اپنی ریشہ دوانیوں میں مشغول تھے راڈارک کی نالائقی اور عیاشی کی وجہ سے رائے عامہ گاتھ شہزادوں کی طرفدار ہوتی جارہی تھی جس کی وجہ سے ملک میں بدانتظامی کا دور دورہ تھا۔ "یہودی سرف، مفلس برگر سب ہی حکومت کے خلاف تھے اور اہل اسپین کو ایک متزلزل اور پادر رکاب معاشرت اپنی آغوش میں پال رہی تھی۔ رومی سرف کاشتکاروں کو اپنی فوج میں بھرتی کرنے ہی لگے تھے۔ گاتھ عہد میں بھی یہ طریقہ رائج رہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سرف کی تعداد آزاد اور باصلاحیت سپاہیوں کی بہ نسبت زیادہ ہوگئی اور ملک کی حفاظت کا بار ایسے سپاہیوں پر پڑا جو دشمن سے سازش کرلینے کو اپنے ظالم آقاؤں کی خدمت بجالانے سے بہتر سمجھتے تھے۔[1]" بہر حال نہ تو ملک میں انتظامیہ رہی تھی اور نہ ہی کسی کو انصاف بہم پہنچتا تھا۔ جگہ جگہ بغاوتیں ہونے لگی تھیں۔ ایسی ہی ایک بغاوت شمالی اسپین میں ہوئی جسے راڈرک خود ختم کرنے گیا ہوا تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب اس کو مسلمانوں کے حملہ آور ہونے کی اطلاع تھیوڈومر نے دی تھی۔

ناکامی کے اسباب

جیسا کہ اوپر اسپین کی سیاسی بدحالی کا ذکر ہوچکا ہے یہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مفتوح یعنی اہل اسپین اور راڈرک کی ناکامی کے اسباب معلوم کرلئے جائیں۔ گوان اسباب کی تفصیل اوپر بیان کی جاچکی ہے پھر بھی آسانی کے لئے اجمالاً ان کا ذکر کردیں تاکہ ایک نظر میں سمجھا جاسکے ان اسباب کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ (۱) سیاسی اسباب (۲) معاشی و اقتصادی اسباب اور (۳) معاشرتی اور مذہبی اسباب

سیاسی اسباب

(ا) راڈرک غاصب تھا اور گاتھ خاندان سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ گاتھ خاندان کے خلاف جب

---

[1] عبرت نامہ اندلس ج ۱ ص ۴۰۲

پادریوں اور عوام کا اشتعال کم ہو گیا تو ان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ انہوں نے ۸۲ سالہ بوڑھے شخص کو بادشاہ بنا کر کوئی فائدہ نہ اٹھایا بلکہ زبردست غلطی کی ہے اس پر یہ کہ راڈرک عیاش نکلا جس کی وجہ سے اکثریت اس کے خلاف ہو گئی۔ گاتھ خاندان کو دوبارہ برسراقتدار لانے کی سازشیں ہونے لگیں اور ملک سازشوں کے جال میں پھنس کر رہ گیا۔ اس طرح ملک سیاسی لحاظ سے پوری طرح زوال پذیر تھا۔

(۲) شاہ وٹیزا نے جس کو راڈرک نے قتل کرایا تھا اس بات کی کوشش کی تھی کہ عیسائی پادریوں کا زور توڑ ڈالے۔ اپنی کوششوں کو بروئے کار لانے کے لئے اس نے یہودیوں کو آگے بڑھانے کی کوشش کی لیکن یہ کوشش ناکام ہوئی۔ اور وٹیزا مارا گیا۔ یہودیوں پر زندگی تنگ ہو گئی۔ یہاں تک کہ وہ بغاوت پر آمادہ ہو گئے اور سازشیں کرنے لگے۔ اسی قسم کی ایک سازش کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ ملکی انتشار اور ملکی سیاست سے یہودیوں کی علیحدگی کی وجہ سے ملک علم و فضل اور سیاسی سوجھ بوجھ رکھنے والے ایک بڑے طبقہ سے محروم ہو گیا۔ ملک میں تعلیم یافتہ طبقہ یہودیوں کا تھا جن کی علیحدگی نے ملک کو ایک بہتر طبقے کی خدمات سے محروم کر دیا۔

(۳) جیسا کہ لکھا جا چکا ہے کہ حکومت کے انتظام اور انصرام میں عیسائی پادری برابر کے شریک تھے جس سے شاہ اسپین اور ان کے درمیان رسہ کشی رہتی تھی چونکہ پادریوں کے اثرات مذہبی طور پر عوام الناس پر تھے اس وجہ سے وہ جب کبھی اپنی کمزوری محسوس کرتے عوام کو حکومت کے خلاف کر دیتے اور شاہ کو مجبور کرتے کہ وہ تخت سے دستبردار ہو جائے جیسا کہ شاہ و۔مبا اور شاہ وٹیزا کے ساتھ ہوا اس سے حکومت کے استحکام کو شدید صدمہ پہنچا اور ملک سیاسی طور پر انتشار اور بدنظمی میں پھنس کر رہ گیا۔

(۴) راڈرک نے بھی اپنی عیش کوشی کے لئے اقتدار پوری طرح ان عیسائی پادریوں کو سونپ دیا تھا۔ یہ پادری خود غرض عیاش اور بے ایمان تھے۔ ان کو نہ مذہب سے لگاؤ تھا اور نہ حکومت سے ہمدردی۔ اپنے محلات بناتے اور اپنے خزانے معمور کرنے کی فکر میں ہر جائز و ناجائز طریقہ اختیار کر لیتے۔ امراء جاگیردار اور روٴسا نے جب شاہ اسپین کو ان پادریوں کے ہاتھوں میں بے بس دیکھا تو ان پادریوں کو بڑی بڑی رشوتیں دے کر زیادہ سے زیادہ سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی دوڑ میں لگ گئے لاقانونیت اور بے انصافی کا دور دورہ ہو گیا۔ اور غریب عوام شہروں کو چھوڑ کر پہاڑوں کا رخ کرنے لگے۔ ملک کی سیاسی وحدت پارہ پارہ ہو گئی اور بقول ڈوزی "جو جہاں تھا خود مختار یا نیم خود مختار بن کر

بیٹھ گیا۔"

(۵) سب سے اہم سبب فوج کی تنظیم تھی۔ جو سیاسی خلفشار کی نذر ہو رہی تھی۔ باصلاحیت اور تجربہ کار سپاہیوں کا فقدان تھا۔ وقتی طور سے سرف یا غلاموں کو پکڑ کر فوج میں بھرتی کر لیا جاتا تھا جن کو اکثر و بیشتر تنخواہیں بھی نہ ملتی تھیں۔ جس کے نتیجے میں وہ دل سے حکومت کے طرفدار نہ تھے۔ زبردستی میدان جنگ میں بھیجے جاتے اور ناکامی کا منہ دیکھتے تھے۔ راڈرک پادریوں اور امراء کی عیاشیوں نے خزانہ خالی کر دیا تھا اور عوام پر ٹیکسوں کا اس قدر بوجھ تھا کہ مزید ٹیکس ادا کرنے کی سکت نہ رہی تھی۔ ایسی حالت میں وہ بارہ ہزار جاں فروشوں کے مقابلے میں کس طرح ٹھہر سکتے تھے۔

معاشی اور اقتصادی اسباب

طبقاتی نظام نے اسپین کے معاشرہ میں ایسے بدکردار افراد کو جنم دے دیا تھا جو باوجود قلیل التعداد ہونے کے اکثریت پر حکمرانی کر رہے تھے۔ سرف یا تو کاشتکار تھے یا غلام جن کی دن رات کی کمائی ان کے آقاؤں کے خزانوں میں جاتی، جو رات دن عیش پرستی میں مصروف رہتے تھے۔ اگر ان غلاموں کی طرف سے کسی قسم کی کوتاہی ہوتی تو وہ مظالم ڈھائے جاتے تھے کہ انسانیت شرمسار ہو جاتی۔ ایسی صورت میں ان غلاموں کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ راہ فرار اختیار کریں اور پہاڑوں میں روپوش ہو جائیں اور گھاس پھوس سے اپنا پیٹ بھریں۔ شہر اجڑنے لگے کھیتیاں سوکھ گئیں اور بازار میں غلہ ناپید ہو گیا۔ یہاں تک کہ قحط پڑنے لگا حکومت کے قوانین میں اتنی سکت نہ تھی کہ وہ جاگیرداروں، پادریوں اور روؤسا کو کسی بات پر مجبور کر سکتی۔ چنانچہ عوام کی معاشرتی و اقتصادی حالت بگڑتی چلی گئی۔ جن کے پاس دولت تھی وہ بڑی بڑی قیمتوں پر اپنا آذوقہ مہیا کر لیتے۔ جو غریب تھے وہ پستے۔ اس پر یہ کہ ٹیکس بھی عوام ہی سے وصول کیا جاتا تھا۔ خاص طور پر برگر (تجارت پیشہ) ان کا شکار تھے۔ ان تجارت پیشہ لوگوں میں بڑی تعداد یہودیوں کی تھی۔ جو صاحب مال بھی تھے اور صاحب علم و ہنر بھی۔ لیکن جب ان پر مظالم توڑے گئے اور انہیں مذہبی تعصب کی چکی میں پیسا گیا تو ان میں سے اکثر نے راہ فرار اختیار کرنے ہی میں عافیت جانی۔ جس کی وجہ سے تجارتی منڈیوں پر زبردست بار پڑا اور گرانی اپنے پورے شباب پر پہنچ گئی۔ چنانچہ صنعت و حرفت کے کارخانے بند ہو گئے وادی الکبیر کے خوبصورت باغات ویران ہو گئے۔ عیسائی تاجروں میں اتنی ہمت نہ تھی کہ بھاری ٹیکسوں کا بوجھ اٹھاتے۔ چنانچہ انہوں نے کاروبار بند کر کے دوکانوں میں تالا لگا دیا۔ تجارتی

زبوں حالی نے اقتصادی زندگی کو بری طرح متاثر کیا اور حکومت کو اس سے نمٹنے کے لئے سختی کرنی پڑی یہاں تک کہ خود فوج کے سپاہی تاجروں کو ان کے گھروں سے پکڑ کر لاتے اور زبردستی دوکانیں کھلواتے تھے۔ اقتصادی بدحالی نے ملک کے خزانے پر اثر ڈالا۔ بادشاہ کو عیاشی کے لئے اور حکومت کی ضروریات کے لئے دولت کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اس معاشی بدحالی نے چاروں طرف لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ خود حکومت بھی اس ظلم و ستم میں شریک تھی۔ جس سے عوام الناس کے دلوں میں شدید نفرت پیدا ہو گئی۔

معاشرتی اور مذہبی اسباب

یہ بات باب اول میں بیان کی جا چکی ہے کہ خود ساختہ طبقاتی تقسیم نے اپینی معاشرہ کو تباہ کر دیا تھا اور بقول ڈوزی معاشرے کی اس تباہی نے حکومت کی بنیادیں ہلا دی تھیں۔ اقلیتی طبقہ جس میں امراء پادری اور جاگیردار شامل تھے عیش و عشرت میں مصروف تھا اور اکثریت جس میں برگر' سرف اور غلام شامل تھے بد سے بدتر حالات سے گزر رہے تھے۔ بادشاہ کی عیش پرستانہ زندگی کا اثر چونکہ امراء و جاگیردار اور پادریوں پر بھی تھا اس لئے یہ لوگ بھی اس رنگ میں رنگے ہوئے تھے ان سے سر دربار ایسی حرکتیں سرزد ہو جاتی تھیں جو اخلاق و انسانیت کے منافی تھیں۔ راڈرک کا فلورنڈا کے ساتھ ملوث ہونا اس بات کا کھلا ثبوت تھا کہ اسپین سے اخلاقی اقدار کا جنازہ بالکل نکل چکا تھا۔ تباہی اپنے پر پھیلائے اس بات کی منتظر تھی کہ کوئی ضرب کاری لگے اخلاق سوز حرکات' معاشرتی بے راہ روی اور معاشی بدحالی اس درجہ بڑھ چکی تھی کہ عیسائیت کے مذہبی قوانین تک اس کو بہتر صورت نہیں دے سکتے تھے۔ عیسائی پادری عوام الناس میں اخلاقیات کا درس دیتے پھرتے تھے لیکن خود اخلاق سوز حرکتوں کو جائز سمجھتے تھے۔ مذہب کا پرچار محض دھوکہ اور فریب تھا عیسائی مورخین نے ان عیسائی پادریوں کی نجی زندگی کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ عیسائیت کو شرمسار کرنے کے لئے کافی ہے۔ اسکاٹ کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ مذہب عیسائی پادریوں کی بدفعلیاں چھپانے کا ایک اچھا ذریعہ بن چکا تھا۔ وہ دن کو لمبے لمبے چغے پہنے ہاتھوں میں انجیلیں لئے عوام الناس کو انسانیت کا درس دیتے پھرتے اور شب کی تنہائیوں میں کلیساؤں میں عیاشیاں اور بدفعلیاں کرتے تھے۔ کنواری مریم کے نام پر کنواری لڑکیوں کی عزت و آبرو ان عیاش پادریوں کے رحم و کرم پر تھی۔ اور یہ حقیقت بھی ہے کہ اسپین کا کوئی کلیسا ایسا نہ تھا۔ جہاں یہ لڑکیاں ان پادریوں کی ہوس کا نشانہ نہ بنتی ہوں۔ یہ پادری بڑی

بڑی جاگیروں کے مالک تھے۔ غلاموں کا انبوہ کثیر ان کی خدمات میں حاضر رہتا تھا۔ اور مذہب کی لاٹھی ان کے پاس تھی جس سے وہ کسی بھی وقت بادشاہ، وزراء، امراء جاگیرداروں کو دبا سکتے تھے۔ عوام الناس ویسے ہی ان کے بس میں تھے یہودیوں پر ظلم و تشدد محض ان پادریوں کے تعصب کی وجہ سے ہوا تھا۔

غرض اس معاشرتی اور مذہبی بدحالی نے عوام کو اس حال پر پہنچا دیا کہ ان کی اکثریت کسی نجات دہندہ کی منتظر رہنے لگی کہ کوئی آئے اور انہیں ان ظالموں کے پنجے سے نجات دلائے چنانچہ جس وقت انہیں مسلمانوں کی آمد کی اطلاع ملی اور مسلمانوں کی فوجیں ان کے شہروں کی طرف آئیں تو بیشتر شہر ایسے تھے جہاں پر کوئی مقابلہ نہ ہوا بلکہ خود عوام نے ان حملہ آوروں کا خوشی سے استقبال کیا اور شہر کے دروازے ان پر کھول دیئے۔

مسلمانوں کی رواداری

مسلمانوں نے اسپین میں جہاں پر اپنی مملکت کو وسیع کیا اور اپنی حکومت کے خزانوں کو معمور کیا وہاں انسانیت کی خدمت بھی کی اور حقیقتاً یہ بات ثابت کردی کہ وہ اسپین کے عوام کے نجات دہندہ ہیں۔ مسلمانوں کی فتح اسپین سے زندگی کے ہر شعبہ میں اہم تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ شروع شروع میں یہ خیال کیا جاتا تھا کہ مسلمان صرف مال غنیمت کے لالچ میں حملہ آور ہوئے ہیں لیکن جب انہوں نے اپنی بستیاں بسانا شروع کیں اور مساجد تعمیر کرنے لگے تب گاتھ کو اس بات کا یقین ہوا کہ ان کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زوال ہو گیا ہے۔ مسلمانوں نے اپنی روایتی رواداری کا پورا پورا ثبوت دیا۔ نئے حکمرانوں نے خراج کی ادائیگی اور اطاعت کے یقین کر لینے کے بعد سرف، غلام اور کسانوں کی پوری حفاظت کی اور ان کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا۔ عیسائیوں اور یہودیوں کو پوری مذہبی آزادی حاصل رہی اور ان کے مذہبی معاملات میں کسی قسم کی دخل اندازی نہ کی گئی البتہ بعض اوقات کسی خاص وجہ سے ان باتوں پر عمل نہ کیا جاتا تھا۔ جیسا کہ ڈوزی کا کہنا ہے کہ "مسلمانوں کی حکومت شروع میں عدل و انصاف پر قائم رہی لیکن رفتہ رفتہ ناانصافی نارواداری اور زبردستی ان میں رواج پا گئی۔" جیسا کہ قرطبہ کے گرجا، سٹ ونسنٹ کے ساتھ ہوا کہ اس کو چھوڑ کر تمام گرجے مسمار کر دیئے گئے کچھ عرصے کے بعد اس بڑے گرجا کا آدھا حصہ مسلمانوں نے اپنے قبضہ میں کر لیا اور مسجد بنالی اس قسم کے واقعات فتح اسپین کے بہت بعد کے ہیں جن کی ذمہ داری فاتح پر نہیں بلکہ اس فرد

واحد (والی) پر ہے جو بعد کے آمرانہ دور کی پیداوار ہے۔ شروع میں مسلمانوں نے رواداری کا بہترین مظاہرہ کیا۔ جو معاہدے اور شرائط طے پاجاتی تھیں وہ مسلمانوں کے لئے بہر طور قابل احترام تھیں۔ ہول (Hole) کے کہنے کے بموجب "مسلمانوں کی حکمرانی کا طریقہ نرم تھا اور ان کے عائد کردہ ٹیکس گاتھ کے مقابلے میں کم تکلیف دہ تھے"[1]

بعض مورخین نے مسلمانوں کی معمولی معمولی زیادتیوں کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جنگ کے زمانے میں اہل اسپین کو اس وقت سخت زیادتیوں کا سامنا کرنا پڑا جب انہوں نے مسلمانوں کا مقابلہ کیا اور مسلمانوں نے ان گرجاؤں اور قلعوں کو ضرور تباہ کر دیا جن میں ان عیسائیوں نے پناہ لی تھی جیسا کہ قرطبہ میں مغیث نے کیا لیکن اگر اہل اسپین نے اطاعت و فرمانبرداری دکھائی تو ان کو انفرادی اور مذہبی آزادی کے ساتھ ساتھ ان کی جائیدادوں اور املاک کو بھی واگذاشت کر دیا گیا مسلمانوں کے اس عمل کو اہل اسپین نے اس قدر پسند کیا کہ بقول ڈوزی " کثرت سے عیسائی دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے"[2] اسلامی شرعی قوانین کے نفاذ نے انسانوں کو آزادی و حریت کا پروانہ دیا اور ان کی جائیدادوں، زمینوں اور املاک کو جاگیرداروں کے پنجوں سے نکال دیا۔ اہل اسپین کو اس بات کی اجازت دے دی گئی کہ وہ اپنے فیصلے اپنے ہی قانون اور اپنے ہی ججوں کے ذریعہ کر سکتے ہیں۔ فوجی خدمات کے ادا نہ کرنے والوں پر ۱۲ سے ۴۸ درہم تک سالانہ جزیہ عاید کیا گیا اور وہ بھی ان لوگوں سے لیا جاتا جو برسرروزگار ہوں۔ ہول (Hole) نے لکھا ہے کہ "جو لوگ ابھی تک عیسائیت پر قائم تھے۔ ان کو تباہ و برباد نہیں کیا گیا بلکہ وہ آزاد تھے۔ انہیں صرف جزیہ ادا کرنا پڑتا تھا۔ ٹیکس جمع کرنے والے اہل کاروں کو اہل اسپین ہی میں سے نامزد کیا جاتا تھا۔ ملک کے وہ حصے جو مسلمانوں نے بزور شمشیر حاصل کئے تھے اور ایسے علاقے جو کلیسا کی ملکیت تھے یا ایسے امراء کی جائدادیں جو دوسرے ملکوں میں بھاگ گئے تھے فاتحوں نے باہم تقسیم کر لی تھیں لیکن تمام علاقوں سے جو سرف کاشتکاروں سے متعلق تھے ان کو مسلمانوں نے مطلقاً نہ چھیڑا اور اسی حکمت عملی پر وہ ہمیشہ کاربند رہے۔ ملک کے اصلی باشندے زراعت کا کام خوب جانتے تھے چنانچہ ان سرف کاشتکاروں کو حکم دیا گیا کہ جس طرح وہ زراعت کا کام کرتے رہے ہیں اسی طرح اپنا کام جاری رکھیں اور جو فصل پیدا کریں اس کے پانچ حصے کریں۔ چار حصے حکومت کے حوالے کریں اور پانچواں

---

[1] اندلس صفحہ ۲۱۔ لندن ۱۹۵۸ء۔ [2] اندلس ۲۵

خود رکھیں۔ شاہی زمینوں پر سرف کثرت سے آباد تھے۔ یہ زمینیں ضبط شدہ جائداد کا پانچواں حصہ تھیں۔ اس لئے انہیں پیداوار کا ایک تہائی حصہ ادا کرنا پڑتا تھا۔ ان احکامات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عیسائی اپنی جائداد کے بڑے حصہ پر قابض رہے۔ اس کے علاوہ عیسائیوں کو اپنی جائداد کی خرید و فروخت کا بھی اختیار تھا۔ حالانکہ گاتھ کے زمانے میں ان کو یہ اختیار نہ تھا[1]۔" بہر حال مسلمانوں کی آمد سے معاشرے میں انقلاب رونما ہوا۔ کاشتکاروں کو مالکانہ حقوق ملے اور صاحب مراعات جماعتوں کا اقتدار تقریباً ختم ہو گیا۔ غلاموں کی حالت بہتر ہو گئی اور ان کے اوپر جو ظالمانہ حد بندیاں تھیں وہ بھی ختم کر دی گئیں۔ تمام انسانوں کو مساویانہ معاشرتی حقوق ملے اور کسی قوم، ذات یا فرقہ کی تخصیص نہ کی گئی۔ مسلمانوں کی آمد کے بعد سب سے بہتر نتیجہ یہ نکلا کہ اہل اسپین کو ان عیاش پادریوں سے نجات مل گئی جنھوں نے ملک کی معاشرتی حالت کو خراب کر رکھا تھا۔ تمام کلیسا حکومت کی تحویل میں آگئے اور اساقفہ کا عزل و نصب پادریوں کی ایک کمیٹی کے ہاتھ میں دے دیا گیا۔ جس پر حکومت کی منظوری لے لی جاتی تھی۔ ڈوزی نے عیسائی کلیسا کی اس حالت پر افسوس کا اظہار کیا ہے اور اس کو مسلمانوں کی رواداری کے منافی قرار دینے کی کوشش کی ہے لیکن خود اس کے بیانات کا تضاد اس کے خیالات کی عکاسی کے لئے کافی ہے۔

مسلمانوں کی کامیابی کے اسباب

اسپین میں مسلمانوں کی کامیابی کے اسباب کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

(۱) عیسائیوں کے ساتھ جنگوں میں مسلمانوں کی کامیابی کے اسباب کیا تھے؟

(۲) اور وہ اسباب جن کی بنا پر مسلمان اپنی حکومت کو برقرار رکھنے میں کامیاب رہے جہاں تک جنگوں میں عیسائیوں پر کامیابی کے اسباب کا تعلق ہے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اسپین کے حالات دراصل مسلمانوں کے لئے مدد معاون ثابت ہوئے۔ عیسائیوں کی ناکامی اور شکست کے اسباب میں بتایا جا چکا ہے کہ اسپین کی سیاسی حالت ناگفتہ بہ تھی اور تقریباً تمام ہی ملک لاقانونیت اور سرکشی میں مبتلا ہو چکا تھا۔ ایسی صورت میں ملک کی افواج کے اخلاق و کردار کا بہتر رہنا کس طرح ممکن تھا؟ رومیوں کے زمانے سے اسپین میں یہ عام قاعدہ تھا کہ سرف و غلاموں کی ایک بڑی تعداد کو معمولی فوجی تربیت دے کر لشکر میں شامل کیا جاتا۔ امراء و جاگیردار اپنی طرف سے ان سرف اور غلاموں کو میدان جنگ میں لڑنے کے لئے بھیج دیتے تھے لیکن خود میدان جنگ سے دور رہتے اور اکثر و بیشتر غائب رہتے تھے۔ اس تعیش آمیز زندگی نے ان کی عسکری قوت کو معدوم کر دیا تھا۔ یہی چیز انہیں

---

[1] عبرت نامہ اندلس ص ۱۱۳

میدان جنگ میں آنے سے باز رکھتی تھی۔ اگر وہ میدان میں آ بھی جاتے تو عیاشی کے باعث ان کے قواء جسمانی اس قابل نہ تھے کہ جنگ کی مشکلات برداشت کرسکتے اور وہ گھوڑے پر سوار دور کھڑے صرف لڑائی دیکھنے میں مشغول رہتے تھے۔ سپہ سالار فوج بھی گو قلب لشکر میں ہوتا تھا لیکن عموماً پیچھے ہی رہتا اور آگے بڑھ کر حملہ کرنے کی کوشش نہ کرتا تھا جس کے نتیجے میں تمام لشکریوں کی یہی کوشش رہتی کہ غنیم سپہ سالار یا بادشاہ تک نہ پہنچ پائے۔ ایسی صورت میں سپاہ پیش قدمی کرنے کے بجائے ایک ہی جگہ مجتمع رہتی۔ اس کے برخلاف مسلمانوں کی حربی تنظیم تندہی اور فوجی کارکردگی پر مبنی ہوتی تھیں ہر شخص انفرادی طور سے جنگ جیتنے کے لئے مستعد نظر آتا تھا۔ فوجیوں کو زبردستی میدان جنگ میں نہیں لایا جاتا تھا بلکہ جذبۂ شہادت سے سرشار، ذوق جہاد اور مال غنیمت کے حصول کے لئے وہ خود خوشی خوشی جنگ میں شرکت کرتے تھے۔ امراء کے طبقے اور جاگیردارانہ تنظیم مسلمانوں میں نہ تھی بلکہ ہر قبیلہ کا اپنا شیخ ہوتا تھا، جو اپنے قبیلے کے آگے آگے ہوتا تھا اور میدان جنگ میں اپنے قبیلے کے افراد کی ہمت افزائی کرتا تھا۔ سپہ سالار قلب لشکر کا قائد ہوتا اور ہمیشہ اس بات کی کوشش کرتا تھا کہ تمام مسلمان سپاہیوں سے کچھ زیادہ ہی بہادری اور شجاعت کے جوہر دکھائے تاکہ عام سپاہ اس کی تقلید کرسکے۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ عام سپاہ اس کے ساتھ آگے بڑھتی رہتی تھی۔

مسلمان چست و چالاک اور تیز ہوتے تھے اور ان کو میدان جنگ میں لانے سے پہلے بہترین فوجی تربیت دی جاتی تھی۔ جو صبح و شام ہوتی تھی اور جس کی وجہ سے ان کے اعضائے جسمانی پھرتیلے رہتے تھے۔ حربی آلات جنگ سے بھی ان کو خوب واقف کرادیا جاتا تھا۔ سب سے عمدہ بات یہ تھی کہ فوجیوں کو صرف فوج ہی کے لئے مخصوص کرلیا جاتا تھا اس کے علاوہ ان کو کوئی دوسرا پیشہ اختیار نہ کرنے دیا جاتا تھا۔ اگر وہ امن کی حالت میں کوئی دوسرا پیشہ اختیار کرلیتے تھے تو انہیں باقاعدہ فوج سے الگ کردیا جاتا تھا اگر وہ چاہتے تو مجاہدین کے ساتھ شرکت کرسکتے تھے لیکن عیسائیوں کے ساتھ ایسا نہ تھا۔ جیسا کہ واضح کیا جاچکا ہے کہ سرف، کاشتکاروں اور غلاموں کی فوج میں کثرت ہوتی جن کو ان کے آقا زبردستی جنگوں میں بھیج دیا کرتے تھے۔ آلات حرب سے وہ ضرور واقف کرادیئے جاتے تھے لیکن چونکہ ان کے اعضائے جسمانی پہلے ہی سے دوسری مشقتوں سے تھکے ہوتے تھے اس لئے جلد ہی میدان جنگ میں ان کی ہمتیں پست ہوجاتی تھیں۔ جنگ کے بعد دوبارہ اپنے پرانے پیشے پر واپس لوٹ جانے کا خوف بھی ان کی ہمت کو پست کردینے کے لئے کافی تھا۔ ان سرف اور غلاموں کی معاشرتی و اقتصادی زندگی اس قدر ابتر ہوچکی تھی کہ وہ یا تو میدان جنگ میں قتل ہوجاتے یا پھر

پہاڑوں میں روپوش۔ غلام و سرف اس فرار کو اپنے آقاؤں کے لئے جنگ کرنے سے بہتر سمجھتے تھے۔ کیونکہ جنگ کی کامیابی ان کی تقدیر کو نہ پلٹ سکتی تھی۔

مسلمانوں کی فوج کا بیشتر حصہ ان بربر قبائل پر مشتمل تھا جن کی فطرت میں جنگجوئی ازل سے لکھ دی تھی اور ان کے ساتھ جو عرب تھے وہ بھی نسلاً بعد نسلاً لڑائیاں لڑتے لڑتے۔ جنگ کے ماہر ہو چکے تھے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ مسلمان بربر اور عرب دونوں میں قبائلی عصبیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ مزید برآں یہ کہ مذہبی عصبیت نے ان کو ایک جھنڈے کے نیچے لا کر کھڑا کر دیا تھا۔ ان دو عصبیتوں کے ساتھ جب وہ میدان جنگ میں آتے تو ہوش و حواس کھو بیٹھتے اور غنیم کو تباہ کر دینے کی پوری کوشش کرتے۔ مذہب کے ان پروانوں کو جہاں اپنے قبیلہ کی عصبیت کا پاس تھا وہاں جہاد فی سبیل اللہ کا جوش بھی ان کے رگ و ریشے میں دوڑ رہا تھا اور وہ کفن بردوش موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے میدان جنگ میں پھرا کرتے تھے۔ شوق شہادت ان کو موت سے بے خوف کر دیتا تھا۔ تعلیمات اسلام کی روح ان میں رواں تھی اور وہ بقول ایک مورخ "موت کو میدان جنگ میں تلاش کرتے تھے اور موت ان سے بھاگتی تھی" ایسی حالت میں ان کے مقابلے پر ایسا دشمن آ جائے جس کے دل میں نہ تو مذہب کی عزت و توقیر ہو نہ وطن کی محبت کا جذبہ جو زندگی سے محبت کرتے ہوں اور موت سے خوف کھاتے ہوں تو نتیجہ ظاہر ہے۔ یہی حالت عیسائیوں کی تھی، مذہب کے رکھوالے پادریوں سے وہ نالاں تھے انجیل انہوں نے پڑھی ہی نہ تھی تو اس کی تعلیمات سے کیا واقف ہوتے۔ اندرونی طور پر بدحال اور پریشان تھے۔ آپس کی چپقلش، خلفشار اور سازش نے اس بات کی مہلت ہی نہ دی تھی کہ وہ خونریز جنگوں کا تجربہ حاصل کرتے۔ ملک کی آب و ہوا اور قدرتی دولت کی فراوانی نے ان کو مزید عیش کوش و آرام طلب بنا دیا تھا۔ ان کے پاس جنگی حکمت عملی کا کوئی تصور نہ تھا۔ ایسی صورت میں مسلمانوں کے مقابلے میں ان کا جم کر لڑنا کسی طرح ممکن ہی نہ تھا۔

جاگیردارانہ نظام نے کسی باقاعدہ مرکزی فوج کا تصور ہی ختم کر دیا تھا۔ بوقت ضرورت بادشاہ ان جاگیرداروں سے فوج طلب کر لیتا۔ خود بادشاہ کے خزانوں میں اتنی وسعت نہ تھی کہ کسی باقاعدہ فوجی تنظیم کو چلایا جا سکتا۔ جاگیرداروں کو اپنی عیاشیوں کی وجہ سے زیادہ سے مال و زر جمع کرنے کی فکر رہتی۔ جس کی بناء پر ان کے پاس بھی باقاعدہ فوج نہ تھی۔ بلکہ بوقت ضرورت پیشہ ور سپاہیوں کی فوج بنا کر روانہ کر دیتے۔ ان سپاہیوں کو لڑنے سے زیادہ اپنے اہل و عیال کی فکر دامن گیر رہتی۔ اس لئے

وہ کسی بھی جذبہ کے تحت لڑنے سے معذور تھے۔ برخلاف اس کے مسلمانوں کو اپنے اہل و عیال کی کوئی فکر نہ تھی۔ جانتے تھے کہ حکومت ان کے اہل و عیال کی ذمہ دار ہے۔ اور ان کے مرنے کے بعد بھی حکومت اور ان کا قبیلہ ان کی نگرانی کرے گا۔ غازی ہونے کی صورت میں مال غنیمت کا وافر حصہ ملنے کی بھی امید ہوتی تھی۔ جس کے وہ حقدار بنائے گئے تھے۔ غرض ان فوجی اسباب کو پیش نظر رکھتے ہوئے اگر جنگ گواڈلیٹ میں مسلمانوں کی کامیابی کے اسباب کا پتہ چلایا جائے تو کافی ہو گا۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ یہ ایک فیصلہ کن جنگ تھی۔ جس میں دونوں فریقوں نے اپنی طاقت' سیاست اور تدبر کا پورا پورا مظاہرہ کیا تھا۔ جس میں کامیابی کے بعد مسلمانوں کا پرچم مستقلاً اسپین کی سرزمین پر لہرانے لگا تھا۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ مسلمان اس سرزمین پر محض کاؤنٹ جولین کے اکسانے پر نہ آئے تھے بلکہ وہ ایک عرصے سے اس پر نظریں جمائے بیٹھے تھے۔ کاؤنٹ جولین تو ایک بہانہ بن گیا تھا۔ اسپین پر حملے کا مقصد اگر لوٹ مار کرنا ہی ہوتا تو عرب مسلمان واپس چلے جاتے لیکن ان کے پاس ایک واضح تصور حکومت موجود تھا۔ اور اسی تصور کو عملی جامہ پہنانے کے لئے وہ گواڈلیٹ کے میدان میں اترے تھے۔

مسلمانوں کے پاس غنیم کے مقابلے میں گو ایک مختصر فوج تھی لیکن یہ وہ لوگ تھے جن کی فطرت میں جنگ و جدال رچ بس گیا تھا۔ جن کے چھوٹے چھوٹے بچوں کا ابتدائی کھیل تیر کمان چلانا اور نیزہ بازی کرنا تھا۔ وہ موت کو کھیل سمجھتے تھے اور شوق شہادت انہیں دنیا کی ہر طاقت کے مقابلے میں لا کھڑا کرتا تھا۔

یہ لوگ گو کہ صحابہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے تو نہ تھے لیکن ان کے اندر اسلامی روح تازہ تھی۔ طارق کے خواب نے بھی (جو اوپر بیان کیا گیا ہے) ان کی روح میں ایک نیا ولولہ اور جوش پیدا کر دیا تھا اور وہ اس خواب کی تعبیر کو پورا کرنے کے لئے مستعد ہو گئے تھے۔

طارق بن زیاد کی ولولہ انگیز تقریر نے ان کے دلوں میں عزم' ہمت' جوش اور فتح و ظفر کی امیدوں کو بھر دیا تھا۔ مسلمان چست چالاک اور تیز و طرار تھے۔ چونکہ گرم ملک کے رہنے والے تھے اس لئے ہلکے پھلکے جسموں کے ساتھ گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو کر جہاں چاہتے آسانی سے چلے جاتے۔ آلات حرب کو بڑی چستی کے ساتھ استعمال کرتے سامان ضرورت بھی زیادہ نہ تھا کہ جس کے لٹ جانے کا خطرہ ہوتا۔ بقول علامہ مقری "انہوں نے اپنے جہازوں کو جلا دیا تھا' تاکہ واپسی کے خیال سے

بیگانہ ہو کر یا تو کامیاب ہو جائیں یا شہادت حاصل کرلیں اور اسی لئے بے خوفی سے وہ گواڈلیٹ کے میدان میں اترے۔[1]"

برخلاف اس کے عیسائیوں کی کوئی خاص فوجی تنظیم نہ تھی، جو کچھ فوج تھی وہ بشکنس قوم کی بغاوت کو فرو کرنے میں تھک چکی تھی۔ گوراڈرک نے کسی نہ کسی طرح ایک لاکھ کی فوج اکٹھی کرلی تھی مگر یہ فوج پیشہ ور سپاہیوں اور بے ترتیب لشکر پر مشتمل تھی۔

ملک میں سازشوں کا دور دورہ تھا اور حکومت انتشار میں مبتلا تھی۔ گو افواج میں وطن اور مذہب کی مدافعت کی روح پھونک دی گئی تھی لیکن غداروں کے لئے یہ بہترین موقع تھا۔ کاؤنٹ جولین اور طارق بن زیاد نے گاتھ شہزادوں کو کافی مراعات دینے کا وعدہ کر کے خفیہ طور پر اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ یہ گاتھ شہزادے پہلے ہی سے راڈرک کے خلاف سازشوں میں مبتلا تھے۔ چنانچہ عین میدان جنگ میں انہوں نے مسلمانوں کی حمایت میں لشکر کو چھوڑ دیا۔ یہ خیال عیسائیوں میں عام طور پر پایا جاتا تھا کہ یہ اجنبی خانہ بدوش ہیں اور لوٹ مار کر کے واپس چلے جائیں گے۔ مگر ان کی وجہ سے راڈرک سے جان بچ جائے گی، اس خیال کی وجہ سے امراء و رؤسا میں جنگ جیتنے کی کوئی خاص آرزو نہ تھی۔ بلکہ ایک صورت میں یہ جنگ ان کے خفیہ ارادوں کو پورا کرنے کا بہترین ذریعہ تھی۔

عیسائی فوج اس قدر ساز و سامان اپنے ساتھ لائی تھی کہ جس کا شمار ممکن نہیں۔ ایسی صورت میں ان کا چستی اور تیزی سے جنگ کرنا کسی طور پر ممکن نہ تھا۔ ان کے آلات حرب ہلکے پھلکے نہ تھے، بلکہ بھاری تھے جو تیزی سے استعمال نہ کئے جاسکتے تھے۔ جوش و ولولہ کا ان میں پہلے ہی فقدان تھا، جان بچا کر اپنے اہل و عیال میں واپس چلے جانے کی آرزو پہلے ہی موجود تھی۔ اتحاد و یگانگت ناپید تھی۔ فوج کی تعداد گو زیادہ تھی لیکن وہ اپنی اخلاقی اور روحانی طاقت سے تہی دامن ہو چکی تھی۔

الغرض اس جنگ نے دونوں تہذیبوں اور معاشروں کا فرق واضح کر دیا اور بتا دیا کہ فتح و کامرانی حاصل کرنے کے کیا ذرائع ہو سکتے ہیں۔ اب دوسری طرف یہ سوال ہے کہ اسپین میں مسلمان کن اسباب کی بناء پر اپنی مستقل حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے؟ کیا واقعی وہ عارضی حیثیت سے وارد ہوئے تھے یا ان کے پاس کوئی واضح تصور موجود تھا؟ ان اسباب کی تلاش میں ہمیں موسیٰ بن نصیر کی سیاست و تدبر کو دیکھنا پڑے گا کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ موسیٰ کے پاس ایک واضح نظریہ موجود تھا اور اسی وجہ سے وہ کاؤنٹ جولین کی درخواست سننے پر آمادہ ہوئے تھے۔ صرف کاؤنٹ جولین کے کہنے

---

[1] نفح الطیب ج ۱ ص ۱۲۱

اور بقول اسکاٹ "اکسانے" پر اسپین جیسی شان و شوکت والی حکومت پر حملہ کر دینا تو سیاست و تدبر نہیں کہا جاسکتا۔ ظاہر ہے کہ کسی واضح تصور کے ساتھ اور عواقب و نتائج کو سوچ کر ہی حملہ کیا گیا ہوگا۔ موسیٰ بن نصیر اپنے وقت کی زبردست شخصیت تھے۔ یہاں تک کہ ولہا وزن کے کہنے کے مطابق "ولید کے دور کو سنہرا دور بنانے والوں میں حجاج بن یوسف اور موسیٰ بن نصیر صف اول میں نظر آتے ہیں۔ یہ موسیٰ ہی کی تجربہ کار شخصیت تھی جس نے افریقہ میں بربروں کی زبردست بغاوت کو ختم کر کے ان کو حکومت دمشق کا وفادار بنایا تھا۔ موسیٰ بربروں کی فطرت کا گہرا مطالعہ کر چکے تھے۔ اگرچہ وہ اور طارق بن زیادہ بربروں کو اپنے قابو میں کئے رہے لیکن وہ یہ ضرور جانتے تھے کہ جنگجو بربر قبائل کو صرف جنگ میں مشغول رکھ کر ہی قابو میں کیا جاسکتا ہے۔ امن کی حالت میں ان بربروں سے جو عربوں سے دلی نفرت رکھتے تھے یہ توقع کرنا کہ وہ بغاوت نہ کریں گے ایک خام خیال تھا۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ عرب فاتح ہونے کے بعد مفتوح کے اوپر کس طرح اپنا رعب جماتے ہیں اور اس کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس لئے وہ دونوں ہی کو ایسے مسائل میں الجھا کر رکھنا چاہتے تھے' جہاں ایک طرف تو ان کی مال و دولت کی لازوال خواہش پوری ہوتی رہے اور دوسری طرف ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقع مل سکے اور وہ ایک دوسرے کے زیادہ قریب آسکیں۔ چنانچہ طنجہ کا ساحلی علاقہ جب تک فتح نہ ہوا تھا' اس وقت تک موسیٰ کی چھیڑ چھاڑ کا مرکز بنا رہا جب وہ فتح ہوگیا تو طارق کو وہاں کا گورنر بنادیا گیا۔ پھر سبتہ سے چھیڑ چھاڑ جاری رہی۔ اکثر جہازوں میں فوج بھر کر عیسائی علاقوں پر حملے کرواتے رہے تاکہ عیسائی حکمرانوں کی سرگرمیاں بھی رکی رہیں اور افریقہ کے علاقوں میں شورشیں بھی سر نہ اٹھا سکیں بہرحال یہ موسیٰ کی ذہانت و تدبر ہی تھا جس نے ان کے زمانے تک بربروں کو بغاوت سے روکے رکھا جس وقت کاؤنٹ جولین نے موسیٰ کو اسپین پر حملہ کرنے کی دعوت دی اس وقت موسیٰ بھی ایک نئے جنگی محاذ کی فکر میں تھے اور بقول ابن حیان اسپین کی طرف ان کی نظریں بار بار اٹھ رہی تھیں۔ موسیٰ بن نصیر کے آباؤ اجداد بنوامیہ کے خیرخواہ اور وفادار تھے۔ خلیفہ وقت ان پر بڑا اعتماد کرتا تھا اور وہ بھی دن رات خلافت دمشق کی مضبوطی اور برتری کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ وہ خود بھی فطرتاً نام و نمود کے خواہاں تھے۔ چنانچہ سندھ میں حجاج بن یوسف کی کامیابی اور ترکستان میں قتیبہ بن مسلم کی فتوحات نے ان میں رشک پیدا کر دیا تھا اور ایسے نادر موقع کی تلاش میں تھے جس سے خلیفہ کی نظروں میں ان کا وقار اور بلند ہوجائے اور خلافت کی حدود بھی وسیع تر ہوجائیں۔ خلیفہ ولید کو خوش کرنے کا بہترین طریقہ وسعت حدود نہ تھی بلکہ کثیر زر و مال اور لونڈی

غلاموں کی بڑی تعداد تھی۔ جولین نے جس وقت اسپین کی دولت کا نقشہ کھینچا تو موسیٰ کو اس میں بہت سے فائدے نظر آئے ایک تو یہ کہ بے شمار مال و دولت ان کو حاصل ہونے کی توقع تھی دوسرے یہ کہ عربوں اور بربروں کو متحدہ طور سے ایسے کاموں میں مشغول رکھا جا سکتا تھا جو لا متناہی تھا تاکہ افریقہ ان کی شورشوں اور بغاوتوں سے محفوظ رہ سکے۔ تیسرے یہ کہ خلافت دمشق میں ان کے کارناموں کی دھوم مچ جائے۔ چوتھا اور سب سے اہم فائدہ ان کے نزدیک یہ تھا کہ اسپین کی فتح کے بعد وہ مشرق کی طرف یورپ کے جنوبی ساحلی مقامات فرانس، اطالیہ، یوگوسلاویہ اور بلغاریہ سے گذر کر قسطنطنیہ میں داخل ہوں۔ پھر یہاں سے اناطولیہ کو طے کر کے شام تک آجائیں۔ یہ وہ واضح تصور تھا جس کو لے کر وہ اسپین میں داخل ہونا چاہتے تھے۔ مولانا ریاست علی ندوی صاحب اپنی تالیف "تاریخ اندلس" میں لکھتے ہیں "موسیٰ کا حوصلہ بلند تھا ان کی بڑی تمنا تھی کہ وہ اپنی فتوحات کو اس طرح وسعت دیں کہ اندلس سے قسطنطنیہ ہو کر ارض شام میں داخل ہو سکیں۔ اور دار الخلافہ دمشق کو اندلس سے خشکی کے راستے سے ملا دیں اس لئے وہ اسپین کے عیسائیوں کو آسان شرائط پر مطیع کر کے یہاں امن و امان قائم کرنا اور انہیں اپنا ہمنوا بنا کر فتوحات کے دائرے کو اس طرح آگے بڑھانا چاہتے تھے کہ مفتوحہ ممالک میں جا بجا آبادیاں بھی قائم ہو جائیں اور اندلس سے دمشق تک کا علاقہ نصف دائرہ کی شکل اختیار کر لے۔ ظاہر ہے کہ اس اہم تجویز کو عملی شکل دینے کے لئے خلیفۂ وقت کی منظوری ضروری تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنی مفصل تجویز دار الخلافہ دمشق بھیج دی اور جواب کا انتظار کرنے لگے۔[1]

علامہ مقری نے نفح الطیب میں لکھا ہے "اور اس نے قصد کیا کہ قسطنطنیہ کی طرف سے مشرق میں آئے اور دروب شام اور دروب اندلس کی طرف بڑھے اور ان دونوں دروب کے درمیان جو عجمی اور نصرانی قومیں ہیں ان میں گھس کر ان سے جہاد کرے۔ یہاں تک کہ پیش قدمی کرتا ہوا دار الخلافہ تک پہنچ جائے۔" ایک دوسری جگہ لکھا ہے "اور وہ یہ امید رکھتا تھا کہ فرنگیوں کے جو شہر باقی رہ گئے ہیں ان کو فتح کرتا ہوا ارض کبیرہ میں گھستا ہوا شام تک پہنچ جائے۔ اس کا یہ ارادہ تھا کہ اس سرزمین میں اس نے جو شگاف پیدا کر دیا ہے وہ اسلامی لشکر کی آمد و رفت کے لئے خشکی کا ایک وسیع راستہ بن جائے اور سمندر میں سے نہ گزرنا پڑے" موسیٰ نے یہ مہم اپنے مطمح نظر کے مطابق شروع کی تھی اس لئے وہ مفتوحہ علاقے کے لوگوں سے غیر معمولی نرمی اور حسن سلوک سے پیش آنا چاہتے تھے تاکہ

---

[1] تاریخ اندلس، ج ا ص ۱۰۱

رعایا کے دلوں میں مسلمانوں کی طرف سے نفرت پیدا نہ ہو اور حسن معاملات سے ان کا ایسا اعتماد حاصل ہو کہ ان کے لئے اسلامی قبضہ واقتدار بار نہ ہو جائے۔ تاکہ مفتوحہ ممالک میں امن وامان قائم رہے اور اسپین سے شام تک کے علاقے کے ایک سلسلے میں منسلک ہو جانے سے غیر معمولی تمدنی اقتصادی اور رفاہی فوائد حاصل ہو سکیں۔ چنانچہ اس نے مہم پر روانہ ہونے سے پہلے فوج کو خاص طور پر جن امور کی تلقین کی اور جن کی خلاف ورزی کرنے پر سنگین سزا مقرر کی، وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ کسی علاقے کو تخت و تاراج نہ کیا جائے۔
۲۔ حملے کے وقت فوجی اخلاق کا خیال رکھا جائے۔
۳۔ رعایا کے مذہبی جذبات کا پورا احترام کیا جائے۔
۴۔ لوٹ مار اور ظلم وجور سے گریز کیا جائے۔
۵۔ مسلمان سپاہیوں کو حکم عدولی کی صورت میں موت کی سزا دی جائے۔[1]

موسیٰ بن نصیر کے نظریے کی وضاحت اور ان کے احکامات کی روشنی میں یہ بات اب صاف نظر آتی ہے کہ اسپین میں مستقل حکومت کے قیام کے اسباب میں موسیٰ کا یہ نظریہ بہت اہمیت رکھتا تھا اسی بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اگر دیکھا جائے تو موسیٰ کو طارق کی بے ترتیب فوج کشی ضرور گراں گزری ہوگی۔ جس کی وجہ سے وہ اس سے ناراض ہوگئے۔ یہی چیز تھی جسے مغربی مورخین نے موسیٰ کا طارق سے رشک و حسد قرار دیا۔ اس کے بعد جو مراعات باشندگان اسپین کو مسلمانوں کی طرف سے دی گئیں وہ بھی ایک مستقل مسلم حکومت کے قیام کا بڑا سبب بنیں اور یہ سب موسیٰ کے نظریہ کے مطابق ہوا۔ مثلاً کاؤنٹ جولین کو اس کی خدمات کے صلے میں بستہ کا پورا علاقہ نسل در نسل کے لئے دے دیا گیا۔ گاتھ شہزادوں کو ان کی امداد و اعانت کے صلے میں دربار خلافت سے وہ تمام جاگیریں دے دی گئیں جو شاہان اسپین کی ذاتی جائدادیں تھیں۔ نیز ان کی قدیم شاہانہ عظمت کو برقرار رکھنے کا حکم دے دیا گیا اور آداب شاہی بجا لانے سے مستثنیٰ قرار دیئے گئے۔ دربار خلافت سے رخصت کے وقت ان کو شاہانہ نوازشوں اور تحائف سے سرفراز کیا گیا۔ یہ جاگیریں جو ان کو ملی تھیں ان کی تعداد تین ہزار تھی۔[2] ان تمام باتوں کا اثر عام رعایا پر اچھا پڑا۔ وہ

---

[1] تاریخ اندلس۔ ریاست علی ندوی۔ ج ا ص ۱۱۲ تا ۱۱۱ [2] ابن القوطیہ ص ۲ تا ۵

صرف مطیع و فرمانبردار ہوگئی بلکہ ان کی اکثریت نے اسلام قبول کر لیا۔ یہودی، جن کی صلاحیتوں سے قدیم شاہان اسپین نے کما حقہ فائدہ نہ اٹھایا تھا چونکہ وہ مسلمانوں کے مددگار ثابت ہوئے تھے اس لئے ان کو بھی نوازا گیا اور بڑی بڑی مراعات دی گئیں۔ جن سے وہ مسلمانوں کے دوست بن گئے۔ عام رعایا میں سرف کاشتکاروں اور غلاموں کی کثرت تھی جب ان کو مراعات اور سہولتیں ملیں اور آرام نصیب ہوا تو وہ مسلمانوں کے دل سے خیر خواہ بن گئے۔ غرض یہ کہ ایک طرف تو موسیٰ کا نظریہ سیاست اسپین میں کام کر رہا تھا۔ (گو اس کی منظوری دربار خلافت سے نہ مل سکی تھی لیکن موسیٰ پھر بھی ناامید نہ تھے) اور وہ اپنے اس نظریہ کے مطابق عوام کے دلوں کو زیادہ سے زیادہ اپنے ہاتھ میں لے لینا چاہتے تھے اور دوسری طرف مسلمانوں کی رواداری اور انتظام و انصرام حکومت میں مقامی باشندوں کو شریک کرنے کی وجہ سے عوام الناس ان کے گرویدہ ہوگئے تھے اور یہ خیال کہ "یہ خانہ بدوش لوٹ مار کرکے چلے جائیں گے" دلوں سے نکل گیا تھا اور ان کو اپنا حاکم، مربی اور محسن تسلیم کر لیا گیا تھا۔ ایسی صورت میں مسلمانوں کی حکومت کو کیونکر استقلال نہ ہوتا۔ چنانچہ ان سب اسباب نے مل کر مسلمانوں کو اسپین میں ایک مستقل حکومت قائم کرنے میں بڑی مدد دی جو بہرحال اس وقت پریشان حال باشندگان اسپین کے لئے خدا کی رحمت تھی۔

باب ۳

اسپین کا دورِ ولایت

موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد کو دمشق واپس ہونے کے احکامات مل چکے تھے۔ دونوں تمام مال غنیمت جمع کر کے دمشق کی طرف روانہ ہوئے۔ خلیفہ ولید اپنی بیماری سے تنگ تھا اور بستر مرگ پر اپنی زندگی کے دن پورے کر رہا تھا۔ اسپین کے مال غنیمت کی اطلاع اس کے کانوں تک پہنچ چکی تھی اور وہ اس کو دیکھنے اور حاصل کرنے کے لئے بے چین تھا۔ چنانچہ اس نے اس کا بھی خیال نہ کیا کہ ان کی واپسی کے اثرات کس قدر نقصان دہ ہوں گے۔ موسیٰ ایک تجربہ کار منتظم تھے۔ انہوں نے اسپین کو ایک خاص مقصد اور نظریہ کے تحت فتح کیا تھا چنانچہ واپسی کے وقت اپنے قابل تعریف لڑکے عبد العزیز کو اسپین مین اپنا قائم مقام بنایا تاکہ وہاں کے نظم و نسق میں ابتری نہ پھیل سکے۔ یہ نو مفتوحہ صوبہ افریقہ کی ولایت کے ماتحت رکھا گیا اور اشبیلہ کو اس صوبہ کا دار الحکومت بنایا گیا۔ اس نے اپنے دوسرے لڑکے عبداللہ کو مغرب اقصیٰ کا والی بنایا اور اپنے چھوٹے لڑکے عبد الملک کو مراکش کا نگران بنایا۔ اپنے ایک اور لڑکے عبد الصالح کو ساحلی علاقہ کی کمان دے دی اور جہازوں کا بیڑا بھی اس کے سپرد کیا جس کا مرکز طنجیر بنایا گیا۔ غرض موسیٰ اپنی دانست میں بہترین لوگوں کو اپنا قائم مقام بنا کر گئے تھے۔ انہوں نے اسپین کے باشندوں کے ذہن سے اس تصور کو مٹا دیا تھا کہ مسلمان صرف لوٹ مار کر کے واپس چلے جائیں گے۔

اسپین کا دور ولایت تقریباً ۴۴ سال رہا۔ یہ دمشق کی خلافت کا ایک صوبہ بن گیا اور یہاں کے انتظام و بندوبست کے لئے امیر یا والی مقرر کئے گئے۔ یہ امیر بڑی حد تک آزادی سے حکمرانی کرتے لیکن آئینی طور پر یہ گورنر افریقہ کے ماتحت ہوتے جس کا مرکز قیروان تھا۔ بعض اوقات امیر کا تقرر دمشق کی حکومت کی طرف سے براہ راست کیا جاتا تھا جس کے نتیجے میں افریقہ اور اسپین کے درمیان رسہ کشی ہوتی اور جس کے نتائج اچھے نہ ہوتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ اسپین کے عرب باشندے کسی امیر کو زبردستی معزول کر کے کسی دوسرے کو اپنا امیر بنا لیتے اور اس کی منظوری والی افریقہ سے حاصل کر لیتے۔ اس مختصر سے عرصے میں اسپین کے کئی امیر یکے بعد دیگرے آئے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ عبدالعزیز بن موسیٰ ۹۵ھ سے ۹۷ھ ۷۱۳ء سے ۷۱۵ء سلیمان خلیفہ دمشق کے حکم سے قتل کردیئے گئے۔

۲۔ ایوب بن حبیب لخمی ۹۷ھ مطابق اگست ۷۱۶ء[لہ] عبدالعزیز کے قتل کے بعد کئی ماہ تک کوئی والی نہ ہوا مسلمانان اندلس نے ان کو اپنا امیر بنالیا

۳۔ حر بن عبدالرحمٰن ثقفی ۹۸ھ، ۷۱۶ء تا ۱۰۰ھ ۷۱۲ء۔ عمر بن عبدالعزیز نے معزول کردیا۔

۴۔ سمح بن مالک خولانی ۱۰۰ھ ۷۱۸ء۔ ۱۰۲ھ ۷۲۱ء۔ جون ۷۲۱ء میں میدان طلوشہ میں عیسائیوں سے مقابلہ میں شہید ہوئے۔

۵۔ عبدالرحمٰن بن عبداللہ غافقی ۷۲۱ء۔ چھ ماہ کے لئے مسلمانوں نے متفقہ طور پر امیر مقرر کرلیا تھا۔

۶۔ عنبسہ بن سحیم کلبی ۱۰۳ھ ۷۲۱ء تا ۱۰۷ھ تا ۷۲۵ء سرزمین فرانس میں شہادت پائی۔

۷۔ عذرہ بن عبداللہ فہری۔ ۷۲۵ء۔ دوسرے امیر کے نامزد ہونے تک مسلمانوں نے امیر بنالیا تھا۔ چند ماہ تک امیر رہے۔

۸۔ یحییٰ بن سلمہ کلبی ۱۰۷ھ، ۷۲۵ء۔ معزول کردیا گیا۔

۹۔ عثمان بن علی عبیدہ ۱۰۹ھ ۷۲۶ء۔ صرف پانچ ماہ کے لئے سپاہ نے امیر چن لیا تھا۔

۱۰۔ عثمان بن ابی نسعہ خثعمی ۱۱۰ھ، ۷۲۷ء۔ معزول کردیا گیا۔

۱۱۔ خدیفہ بن احوص قیسی ۱۱۱ھ، ۷۲۸ء۔ معزول کردیا گیا۔

۱۲۔ ہیثم بن عبید کلابی ۱۱۱ھ ۷۲۹ء ماہ ذیقعدہ، ۷۳۰ء۔ بنو کلب نے قتل کردیا۔

۱۳۔ محمد بن عبداللہ اشجعی ۱۱۱ھ، ۷۲۹ء چند ماہ کے لئے عارضی طور پر امیر رہا۔

۱۴۔ عبدالرحمٰن بن عبداللہ غافقی ۱۱۲ھ، ۷۳۰ء، ۱۱۴ھ تا ۷۳۲ء خلیفہ نے بذات خود مقرر کیا تھا۔ ٹورس (طلوشہ) کی جنگ میں شہید ہوئے۔

۱۵۔ عبدالملک بن قطن الفہری ۱۱۴ھ ۷۳۲ء تا ۱۱۶ھ ۷۳۴ء معزول کردیئے گئے۔

۱۶۔ عقبہ بن حجاج سلولی ۱۱۶ھ ۷۳۴ء تا ۱۲۱ھ ۷۳۹ء۔ معزول کر کے افریقہ طلب کر لئے گئے۔

۱۷۔ عبدالملک بن قطن فہری ۱۲۱ھ ۷۳۹ء تا ۱۲۳ھ ۷۴۲ء۔ بربروں نے ان کو امیر بنایا تھا۔ شامیوں نے زبردستی ہٹادیا۔

۱۸۔ بلخ بن بشر قسری ۱۲۳ھ ۷۴۱ء تا ۱۲۴ھ ۷۴۲ء۔ عربوں کی آپس کی کشمکش میں مارا گیا۔

[لہ] مجموعہ اخبار الاندلس صفحہ ۲۴

۱۹۔ ثعلبہ بن سلامہ عجلی ۱۲۴ھ ۷۴۲ء تا ۱۲۵ھ ۷۴۳ء۔ سپاہ نے منتخب کیا تھا دس ماہ کے قریب امیر رہا۔

۲۰۔ ابوالخطار[1] حسام بن ضرار کلبی ۱۲۵ھ ۷۴۳ء تا ۱۲۸ھ ۷۴۶ء عرب سپاہ نے معزول کر کے قید میں ڈال دیا۔

۲۱۔ ثوابہ بن سلمہ حدانی ۱۲۸ھ '۷۴۶ء تا ۱۲۹ھ ۷۴۷ء۔ سپاہ عرب نے اس کو چنا تھا۔ افریقہ سے امارت کی توثیق ہو گئی۔ قدرتی موت واقع ہوئی۔

۲۲۔ یوسف بن عبدالرحمٰن الفہری ۱۲۹ھ '۷۴۷ء تا ۱۳۹ھ ۷۵۶ء۔ عبدالرحمٰن الداخل نے معزول کیا اور قتل کیا گیا۔

اب ہم مختصراً مندرجہ بالا والیوں کا تذکرہ جدا جدا کریں گے تاکہ ان کے کارناموں پر بھی روشنی پڑ سکے۔

عبدالعزیز بن موسیٰ بن نصیر

عبدالعزیز کو ان کے باپ موسیٰ بن نصیر نے دمشق واپس ہوتے وقت اسپین کا امیر بنا دیا تھا۔ عبدالعزیز کو بھی اپنے باپ کے نظریہ حکومت سے پورا اتفاق تھا۔ اس لئے اسی کے نقش قدم پر نظام حکومت کی بنیاد ڈالی۔ ملک سے لڑائیوں کے اثرات کو دور کر کے امن و امان اور اطمینان و سکون کا ماحول پیدا کیا۔ عیسائی' یہودی اور مسلمان سب کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا۔ اور ان کے دل پسند نظام حکومت کو درست کیا۔ محصول وصول کرنے کے لئے محصل نامزد کئے۔ عدالت میں قاضیوں کا تقرر کیا جو دیوانی اور فوجداری مقدمات طے کرنے کے مجاز تھے۔ عیسائیوں کو ان کے مذہبی قانون کی رو سے انصاف دیا گیا۔ کاشتکاروں کو مراعات دیں تاکہ وہ زراعت میں دلچسپی لیں اور ترقی کی کوشش کریں۔ جگہ جگہ فوجی چوکیاں قائم کیں۔ قلعے تعمیر کئے اور راستوں کو پر امن بنایا جس سے تجارت میں بھی ترقی ہوئی اور کاروان تجارت بے خوف و خطر ایک شہر سے دوسرے شہر آنے جانے لگے۔

اس نے انتظام حکومت کے لئے مفتوحہ علاقے کو الگ الگ صوبوں میں منقسم کر دیا۔ ان کے والی مقرر کئے اور شہروں کے عاملوں کو ان کی جگہ برقرار رکھا۔ صوبوں کی حد بندی میں تھیوڈومر کا معاملہ بھی سامنے آیا۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ تدمیر کی فتح کے موقع پر اس نے مسلم لشکر سے آسان شرائط پر صلح کر لی تھی اور طارق نے اس کو اسی علاقے تدمیر کا والی بنا دیا تھا۔ عبدالعزیز نے اس معاہدہ کی پوری

---

[1] ابن خلدون نے ابوالخطاب لکھا ہے۔

پابندی کی اور اس موقع پر طرفین میں تحریری معاہدہ عمل میں آیا جس کی رو سے صوبہ مرسیہ کو مسلم حکومت کی تحویل میں رکھ کر تھیوڈومر کی حکمرانی میں دے دیا گیا۔[1]

اس نے بہت سے غیر مفتوحہ علاقوں میں پیش قدمی جاری رکھی۔ موجودہ پرتگال کا وسطی اور جنوبی علاقہ لوسی ٹینیا اور شمالی و مشرقی علاقہ میں ارض بشکنس اور نبرہ (نوارا) مسلم حکومت کی حدود میں داخل کر لئے گئے۔ مورخین لکھتے ہیں۔ "اس کے دور حکومت میں اندلس کے بہت سے شہر فتح ہوئے اور اس کے حسن تدبیر سے اندلس میں مسلمانوں کی شوکت و عظمت کا سکہ جم گیا۔[2]"

خلیفہ سلیمان بن عبدالملک قبائلی عصبیت کی بناء پر موسیٰ اور موسیٰ کی اولاد کا دشمن ہو گیا تھا۔ عبدالعزیز بھی موسیٰ بن نصیر کا بڑا لڑکا تھا۔ چنانچہ سلیمان اس کا بھی دشمن تھا۔ لیکن اسپین جیسے دور دراز علاقوں کے والیوں کو جو پہنچ سے بھی باہر ہوں بغیر کسی وجہ کے معزول کرنا بھی آسان نہ تھا۔ اس لئے اس نے افریقہ اور اسپین کے ممتاز سرداروں سے سازش کر کے موسیٰ بن نصیر کے لڑکوں کو قتل کروانے کا فیصلہ کر لیا۔ سب جگہ اس کو کامیابی ہوئی۔ عبدالعزیز کے لئے پانچ سرداروں کو تیار کیا جن میں حبیب بن ابی عبیدہ فہری اور زیاد بن نابغہ تمیمی کے نام تاریخ نے محفوظ رکھے۔ ان پانچ عرب سرداروں نے عبدالعزیز کے خلاف مسلم اسپین میں عوام الناس کو بھڑکانا کرنا شروع کر دیا اور بہانہ یہ بنایا کہ عبدالعزیز اپنی عیسائی بیوی ایجیلونہ کی وجہ سے عیسائیت اختیار کر چکا ہے۔ واقعہ اس طرح بتایا جاتا ہے کہ عبدالعزیز نے راڈرک کی جواں سال بیوی ایجیلونہ سے شادی کر لی تھی۔ وجہ صرف یہ تھی کہ عیسائیوں کی دلجوئی ہو سکے۔ کیونکہ وہ عیسائی مذہب پر تھی اس لئے اہل کتاب ہونے کی وجہ اس اس کا اسلام لانا بھی ضروری نہ تھا۔ چنانچہ وہ عیسائی رہی۔ اس کے بطن سے ایک لڑکا عاصم پیدا ہوا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایجیلونہ بہت حسین و جمیل تھی اور عبدالعزیز اس سے بہت متاثر تھا۔ چنانچہ اس کی اس فریفتگی کو افواہوں کے ذریعے دوسرا رنگ دے کر عبدالعزیز کے عیسائی ہونے کا یقین عوام الناس کو دلایا جانے لگا۔ ان افواہوں میں دو افواہیں خاص طور پر پھیلائی گئیں۔ ایجیلونہ نے عبدالعزیز کے لئے ایک تاج تیار کروایا تھا۔ جسے وہ اس کو برسرعام پہنانا چاہتی تھی لیکن عبدالعزیز راضی نہ ہوا تو ایک دن تنہائی میں ایجیلونہ نے عبدالعزیز کو تاج پہنا کر اپنی خواہش پوری کر لی۔ زیاد بن نابغہ تمیمی کی بیوی نے عبدالعزیز کو تاج پہنے ہوئے دیکھ لیا۔ چنانچہ اس کے شوہر نے یہ افواہ فوج

---

[1] اخبار الاندلس ج ۱ ص ۲۱-۲ [2] نفح الطیب المقری ج ۱ ص ۲۳۲

افسروں میں بڑھا چڑھا کر بیان کی۔ دوسرا واقعہ اسی طرح افواہاً پھیلایا گیا کہ ایجیلونہ نے عبدالعزیز کو اس بات پر مجبور کیا کہ حکومت کے امراء اور عہدہ داروں کو دربار میں سجدہ کرنے پر مجبور کرے۔ عبدالعزیز نے اس کو اسلامی اصول بتائے اور ایسا کرنے سے انکار کر دیا لیکن اس کی دلجوئی کے لئے اپنے محل کے دروازے کو اتنا چھوٹا کر دیا کہ لوگوں کو گردن جھکا کر داخل ہونا پڑتا تھا۔[۱] ان واقعات کی صحت کا علم تو ثابت نہ ہو سکا لیکن ان کے ذریعے عوام کو اس قدر بھڑکایا گیا کہ ایک دن جب وہ نماز پڑھ رہا تھا سازشیوں نے اس پر حملہ کیا اور سر تن سے جدا کر دیا۔ یہ حادثہ ماہ رجب ۹۷ھ مطابق مارچ ۷۱۶ء میں ہوا۔ عبدالعزیز کا سر سلیمان کے پاس دمشق بھیج دیا گیا۔ سلیمان نے موسیٰ بن نصیر کو یہ سر دکھایا۔ موسیٰ پر قیامت گزر گئی لیکن ضبط سے کام لیا اور آنسو روکتے ہوئے کہا "اس کو جام شہادت نوش کرنا مبارک ہو۔ خدا کی قسم یہ رات کو نمازیں پڑھتا اور دن کو روزے رکھتا تھا۔

ابن اثیر کہتا ہے۔ "عبدالعزیز کے قتل کے واقعہ کو سلیمان کی لغزشوں میں سے ایک لغزش شمار کیا جاتا ہے"[۲]

ایوب بن حبیب لخمی

امیر عبدالعزیز کے قتل کے بعد اسپین کی ولایت چند دن خالی رہی۔ پھر مسلمانوں نے اتفاق رائے سے موسیٰ کے بھانجے ایوب بن حبیب لخمی کو ماہ ذی الحجہ ۹۷ھ مطابق اگست ۷۱۶ء[۳] میں اسپین کا حاکم مقرر کر لیا۔ یہ ایک دیندار صالح شخص تھے۔ ان کے دور کا اہم واقعہ پایہ تخت اشبیلہ سے قرطبہ منتقل ہونا ہے[۴] یہ کام انہوں نے عام مسلمانوں کے مشورے سے کیا تھا۔

ایوب ایک ہوش مند با عمل حاکم تھے۔ نظم و نسق کو قائم کرنے اور اقتدار کو مضبوط کرنے کے لئے انہوں نے سارے ملک کا دورہ کیا۔ بدعنوان حاکموں کو معزول کیا یا ان میں حسب ضرورت ردوبدل کیا۔ انصاف کا بول بالا کیا۔ کاشتکاروں کی دلجوئی کی۔ مسلمانوں کو عیسائیوں اور یہودیوں کے درمیان بسایا۔ تاکہ عیسائیوں کا زور توڑا جا سکے۔ سرحدی قلعوں کو مضبوط کر کے ان میں کافی فوج متعین کی۔

---

[۱] تاریخ اندلس۔ ج ۱ ص ۱۲۹ [۲] ابن اثیر۔ ج ۵ ص ۱۲ [۳] مجموعہ ص ۲۴۰ [۴] تاریخ اندلس۔ ج ۱ ص ۱۳۴

چھ ماہ بھی نہیں گزرے تھے کہ یہ امیر بھی موسیٰ کی رشتہ داری کی وجہ سے معزول کر دیئے گئے۔ اور افریقہ کے والی نے حر بن عبدالرحمٰن ثقفی کو اس کی جگہ نامزد کر دیا۔

حر بن عبدالرحمٰن ثقفی

۹۸ھ مطابق ۷۱۶ء میں حر بن عبدالرحمٰن ثقفی اسپین میں بحیثیت والی کے آیا۔ یہ بد قماش اور سخت گیر حاکم تھا۔ جس کی وجہ سے جلد ہی حکومت کے عمال، عیسائی اور مسلم عوام اس سے بددل ہو گئے اور اس سے گلوخلاصی کے خواہشمند نظر آنے لگے۔

اس امیر کے دور کا اہم واقعہ جو اس کی غفلت ولاپرواہی کا مظہر ہے۔ حکومت اشتوراس کا قائم ہونا ہے جو عیسائیوں کی پہلی ریاست تھی۔ اصل وجہ حر بن عبدالرحمٰن کی سخت گیری بتائی جاتی ہے جس سے حکومت کے نظم ونسق میں ابتری پھیلنے لگی۔ ملک کے شکست خوردہ عیسائیوں کو موقع مل گیا کہ وہ اپنی تنظیم کر لیں۔ اسپین کے صوبہ اشتوراس کا ایک حصہ موسیٰ بن نصیر نے فتح کر لیا تھا لیکن ان کی واپسی کی وجہ سے اس فتح کی تکمیل نہ ہو سکی۔ اور نہ ہی مسلمانوں کو یہاں آباد کیا جا سکا تھا۔ عبدالعزیز کے قتل اور حر کے دور حکومت میں انتشار سے فائدہ اٹھا کر کچھ عیسائی اس علاقہ میں چلے گئے اور یہاں کے قدرتی پہاڑی قلعوں اور بڑے بڑے غاروں سے فائدہ اٹھا کر خفیہ تنظیم شروع کر دی۔ راڈرک کی فوج کا ایک گاتھک افسر پلایو (Pelayo) مسلمانوں کے علاقے سے بھاگ کر یہاں چلا آیا۔ صرف تین سو عیسائیوں کی ایک جماعت تیار کی اور ایک پہاڑی غار جس کا نام کوادونگا (Couadonga) تھا رہنے لگا۔ (جس کو عرب صخرہ پلائی کے نام سے منسوب کرتے ہیں) اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں اور عیسائیوں کی مستحکم تنظیم میں مصروف ہو گیا۔ جب یہ خبر عام ہو گئی تو عیسائی مذہبی جوش و خروش سے سرشار ہو کر اس علاقے کی طرف آنے لگے۔ کلیسا کے پادری بھی کلیسائی تبرکات کے ساتھ آ گئے اور یہ علاقہ اسپین میں عیسائیت کا ایک گڑھ بن گیا۔ مسلمانوں کو بھی اس اجتماع کی خبر لگ چکی تھی اور حکومت کا فرض تھا کہ اس کے خلاف کارروائی کرتی لیکن انہوں نے اس غیر آباد علاقے پر وقت صرف کرنے کو کوئی اہمیت نہ دی۔ جب ان کی تعداد زیادہ ہونے لگی تو اس علاقے کے والی نے ان کو منتشر کرنے کے لئے ایک فوج بھیجی جو پلایو کے ہاتھوں بری طرح شکست کھا کر واپس آئی۔ عیسائی مورخین اس لڑائی کو اشتوراسس کے قیام کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔ اسی کے بعد پلایو کی تخت نشینی ہوئی اور وہ اسپین کی نوزائیدہ عیسائی سلطنت کا پہلا فرمانروا قرار پایا۔ جس نے آگے چل کر ترقی کرتے ہوئے اسپین سے مسلمانوں کی حکومت کا خاتمہ کیا۔ عیسائی مورخین کی متعصبانہ

مبالغہ آرائی چھوڑ کر اگر دیکھا جائے تو علامہ مقری کے الفاظ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔

"ایک سے زیادہ مورخین نے بیان کیا ہے کہ جس شخص نے سب سے پہلے منتشر عیسائیوں کو عربوں کے غلبہ کے بعد جمع کیا تھا وہ ایک نابکار پلائی نامی تھا جو استوریش کا رہنے والا تھا۔ وہ اپنے شہر والوں کی طرف سے وہاں امن و امان قائم رکھنے کی ضمانت میں بطور یرغمال قرطبہ آیا تھا۔ وہ حربن عبدالرحمٰن ثقفی کے زمانے میں قرطبہ سے بھاگ گیا تھا اور سال فتح کے چھٹے سال ۹۸ھ میں عیسائیوں نے اس کے ساتھ مل کر حربن عبدالرحمٰن کے نائب علقمہ کے خلاف بغاوت کرکے اسے وہاں سے نکال دیا اور شہروں پر قبضہ کرلیا اور وہ شہر اسی کے قبضے میں رہے[1]۔ اس واقعہ سے صرف یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ اس زمانے میں حکومت اسٹریاس کی بنیاد قائم ہوئی جس کی حدود حکومت بقول اسکاٹ کے ابتداءً پانچ میل لمبے اور تین میل چوڑے قطعہ زمین میں محدود تھیں[2]۔

حربن عبدالرحمٰن کی سخت گیری اور اس کے طرز حکومت سے اسپین کے عام باشندے نالاں تھے۔ چنانچہ انہوں نے اس کو معزول کیے جانے کی درخواست دربار خلاف دمشق بھیجی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ مسند خلافت پر بیٹھ چکے تھے۔ انہوں نے یہ درخواست منظور کرلی۔ حر کو معزول کرکے سمح بن مالک خولانی کو امیر اسپین نامزد کرکے بھیجا۔

سمح بن مالک خولانی

یہ ایک تجربہ کار اور دین دار شخص تھے۔ افریقہ میں سپہ سالار رہ چکے تھے۔ ۱۰۰ھ مطابق ۷۱۸ء میں اسپین پہنچے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان کو چند ہدایتیں دیں کہ وہ اندلس پہنچ کر اپنی تحقیقات سے مرکزی حکومت کو مطلع کریں۔

۱۔ اندلس کے علاقے جس طریقہ سے فتح ہوئے تھے ان کی تفصیلات مہیا کی جائیں تاکہ ان زمینوں کی ملکیت اور عشر و خراج کا فیصلہ شرع کے مطابق کیا جاسکے۔

۲۔ اسپین اسلامی کی سلطنت کی حدود سے بہت دور واقع ہے۔ اس لئے یہاں کے مسلمانوں کی اجتماعی طاقت اور استحکام پر نظر ڈالی جائے اور اگر سازگار نہ ہو تو مسلمانوں کو وہاں کی سکونت ترک کرکے ملک اس کے قدیم باشندوں کے سپرد کردینا چاہیے۔

سمح نے ان ہدایات کی روشنی میں سب سے پہلے زمینوں پر قبضے کی نوعیت معلوم کی جس کے مطابق اُن پر شرعی محصول لگایا گیا۔ پھر یہاں کے حالات کی تحقیق کی اور مطمئن ہونے کے بعد حضرت

---

[1] نفح الطیب۔ ج ۲ ص۱۲ [2] اخبارالاندلس ص۲۴۵

عمر بن عبد العزیز کو مسلمانوں کی اجتماعی طاقت اور استحکام کی تفصیلات لکھ کر مشورہ دیا کہ مسلمانوں کو سکونت ترک نہ کرائی جائے۔ جس سے حضرت عمر بن عبد العزیز مطمئن ہو گئے۔ ان کے انتقال کے ساتھ ہی نظام شرعی درہم برہم ہو گیا۔ چنانچہ سمح بن مالک نے جو رقم دمشق بھیجنے کے لئے نکالی تھی نہ بھیجی اور رفاہ عام پر خرچ کر دی۔

سمح نے سب سے پہلے قرطبہ کے اس پل کی تعمیر نو کرائی جو رومی قیصر بادشاہ آگسٹس کے زمانے میں تعمیر ہوا تھا اور ناقابل استعمال ہو چکا تھا اس کے ساتھ قرطبہ کی فصیل کی بھی مرمت کرائی[1]

سمح نے زبردست اصلاحی کام بھی کئے اور نظم و نسق کو بہتر بنایا۔ مالیات کا بہتر انتظام کیا۔ غیر آباد علاقوں میں بربروں کو آباد کیا۔ زمینوں کی تحقیقات کے سلسلے میں مختلف شہروں کے حالات، ساحلی شہروں کے مکانات کی تعداد، پیداوار کی تفصیل، تجارت کے وسائل، سامان تجارت کی فہرست، بندرگاہوں، کانوں اور زراعت کی تمام تفصیلات قلم بند کرائیں۔ جب یہ انتظامات مکمل ہو گئے تو مزید فتوحات کے لئے لشکر لے کر فرانس کی طرف روانہ ہو گئے۔

امیر سمح بن مالک خولانی دور ولایت کے پہلے امیر ہیں۔ جنہوں نے موسیٰ بن نصیر کے بعد فرانس پر فوج کشی کی۔ وہ جنوبی فرانس میں داخل ہوئے اور سپٹیمینیا کے پایہ تخت اربونہ پہنچے۔ یہ شہر موسیٰ بن نصیر کے زمانہ میں چند دنوں کے لئے مسلمانوں کے قبضے میں رہ چکا تھا۔ اس مرتبہ بھی آسانی سے فتح ہو گیا اور مجاہدین کو یہاں کے کلیساؤں کی بہت سی دولت ہاتھ آئی۔ پھر آس پاس کے چند قلعوں پر قبضہ کیا اور شہر کی فصیل اور قلعوں کی مرمت کر کے ان میں مسلمانوں کو مستقل طور پر آباد کیا۔ سمح نے اب اپنا رخ صوبہ اکوتانیہ (ایکوٹین) کی طرف کیا اور اس کے پایہ تخت طلوشہ (Toulousa) کا محاصرہ کر لیا۔ حسن اتفاق سے ڈیوک آف ایکوٹین اپنے لشکر کے ساتھ باہر گیا ہوا تھا۔ وہ بے خبری میں اپنے لشکر کے ساتھ مسلمانوں کی پشت پر آ گیا۔ جس کی وجہ سے سخت مقابلہ ہوا اور امیر سمح بن مالک اس معرکہ میں شہید ہو گئے۔ مسلمان سپاہ نے عبد الرحمٰن بن عبد اللہ غافقی کو امیر بنا کر ابتر حالات میں پسپائی اختیار کی۔

عبد الرحمٰن بن عبد اللہ غافقی

سمح بن مالک خولانی کی شہادت کے بعد سپاہ نے عبد الرحمٰن کے علم، حلم اور تدبر کو دیکھ کر اپنا امیر و قائد بنا لیا۔ اس نے طلوشہ کے میدان میں گھری ہوئی فوج کو اپنے تدبر اور دانائی سے تباہی سے بچا لیا اور صاف میدان سے نکل آیا۔ اس شکست سے اربونہ کے آس پاس کے قلعوں نے خود سری

---

[1] ابن خلدون ج ۴ صفحہ ۱۱۸، ابن اثیر ج ۵ صفحہ ۲۰، تاریخ مغرب، ابن عذاری صفحہ ۵۵

اختیار کرلی تھی اور سرکش ہوگئے تھے لیکن عبد الرحمٰن نے خود سرباغیوں کی سرزنش کی اور ان سے خراج وصول کیا۔ پھر قرطبہ آکر اسپین کی ولایت سنبھالی۔

عبد الرحمٰن غافقی کا انتخاب چونکہ فوج نے کیا تھا۔ اس لئے قدرتی طور پر اس کی دلچسپیاں فوج کے ساتھ تھیں۔ چنانچہ فوج کو ہی انعام و کرام سے نوازا۔ ہر معاملہ میں مراعات دیں اور عام شہریوں سے زیادہ ان کو آسانیاں بہم پہنچائیں اس کی وجہ سے عام شہریوں میں اس کے خلاف بددلی پھیل گئی۔ یہاں تک کہ اس کی شکایتیں حکومت افریقہ تک پہنچ گئیں۔ جس کی وجہ سے عبد الرحمٰن کی ولایت کی نہ صرف تصدیق نہ ہو سکی بلکہ ولایت ایک دوسرے شخص عنبسہ بن سحیم کلبی کو اس کی جگہ پر نامزد کردیا گیا۔

امیر عنبسہ بن سحیم کلبی

۱۰۳ھ مطابق ۷۲۱ء میں عنبسہ نے اسپین کی ولایت کا منصب سنبھالا۔ اپنے حسن تدبر اور خوش انتظامی سے حکومت کے فرائض انجام دینے شروع کئے۔ عبد الرحمٰن غافقی کو اس کے اپنے پرانے عہدے مشرقی اسپین کی ولایت پر بھیج دیا۔ عبد الرحمٰن کی طرف سے تمام ناراضگی جاتی رہی۔ عنبسہ نے اسپین کی حکومت کی تمام بدنظمیوں پر سے خصوصی توجہ سے دور کرکے نئی اصلاحات رائج کیں۔ عیسائیوں اور رومیوں کا خاص خیال رکھا۔ افریقہ سے آنے والے نئے بربر قبائل کی آبادکاری کی جانب توجہ کی۔ ملک میں اندرونی خلفشار اور بے چینی کو ختم کرنے کے بعد وہ عیسائی علاقوں کی طرف متوجہ ہوا۔

اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ پلایو نامی ایک گاتھک سردار نے جلیقیہ کے علاقے میں عیسائیوں کو منظم کرنا شروع کردیا تھا اور آس پاس کے علاقوں پر چالاکی کے ساتھ قبضہ کرلیا تھا۔ عنبسہ نے اس طرف توجہ کی اور اس پر پے در پے اس قدر شدید حملے کئے کہ اس کی طاقت منتشر ہو کر رہ گئی۔ اس کا یہ حشر ہوا کہ اس کے ساتھ کل تیس (۳۰) مرد اور دس عورتیں باقی رہ گئے۔ وہ ایک بڑے غار میں جا چھپے اور شہد کی مکھیوں کے چھتوں سے جو چٹانوں پر لگے ہوئے تھے اپنا پیٹ بھرنے لگے۔ اس کے بعد عنبسہ نے اس پر توجہ نہ دی اور کچھ عرصے بعد پلایو بھی مرگیا۔

اس کے بعد عنبسہ نے جنگ طلوشہ کا بدلہ لینے کے لئے فرانس پر چڑھائی کی۔ پہلے تو چھوٹے چھوٹے فوجی دستے روانہ کئے اور پھر اپنی سرکردگی میں فوج لے کر جنوبی فرانس کی صوبے سپٹیمانیہ پر

لہ تاریخ اندلس ج ا ص۱۵۱

حملہ آور ہوا۔ گوار بونہ پر مسلمانوں کا پہلے ہی قبضہ تھا لیکن آس پاس کے شہروں پر اقتدار باقی نہ تھا۔ عنبسہ اس علاقے کے دوسرے شہر قرقشونہ (Carcassomine) پر حملہ آور ہوا۔ یہ شہر اربونہ سے پچاس میل مغرب کی طرف تھا۔ اہل شہر نے جنگ نہ کی اور صلح کر کے شہر مسلمانوں کے حوالے کردیا۔ صلح کی شرائط حسب ذیل تھیں[1]

۱۔ ضلع قرقشونہ کا نصف رقبہ مسلمانوں یعنی حکومت اربونہ کے تحت دے دیا جائے گا۔

۲۔ باقی نصف قرقشونہ عیسائی حکومت کے پاس بدستور رہے گا۔

۳۔ قرقشونہ کی عیسائی حکومت اربونہ کی حکومت کی اور نگرانی میں رہے گی۔

۴۔ جزیہ کی مقررہ رقم سال بہ سال ادا کی جائے گی۔

۵۔ قرقشونہ کی عیسائی حکومت مسلم حکومت کی حلیف رہے گی۔ اس کے دشمنوں کی دشمن اور دوستوں کی دوست ہوگی۔ جنگ و صلح میں بھی وہ مسلمانوں کا ساتھ نہ چھوڑیں گے۔

۶۔ قرقشونہ کے پاس جس قدر مسلمان قیدی ہیں وہ فوراً رہا کردیئے جائیں گے۔ اس کے بعد جب تک اربونہ کی مسلم حکومت قائم رہی (یعنی ۱۸۰ھ '۷۹۷ء تک) قرقشونہ کی حکومت اس کی مطیع رہی اور ان شرائط کی پابندی بھی کی۔ قرقشونہ فتح کرنے کے بعد صوبہ سپٹیمانیہ کے کسی بھی علاقہ میں مسلمانوں کو پیش قدمی کرنے میں کسی قسم کی کوئی مزاحمت نہ ہوئی اور پورا صوبہ مسلمانوں کے قبضے میں آگیا۔

عنبسہ کی جہاد کی خواہش کم نہ ہوئی تھی۔ اب انہوں نے مشرقی فرانس کے شہر (لیانس) یالوذون کو لوٹا اور شمال مغرب کی طرف گھوم کر صوبہ برگنڈی میں داخل ہوئے اور ستمبر ۷۲۵ء میں شہر اوٹن فتح کیا۔ یہاں سے مال غنیمت لے کر جا رہے تھے کہ عقب سے عیسائی لشکر نے حملہ کردیا۔ عنبسہ خود مقابلے کے لئے نکل پڑے اور جام شہادت نوش کیا۔ لیکن امام الدین صاحب نے اپنی کتاب میں عنبسہ کے مشرقی فرانس اور برگنڈی کے حملے کی کوئی تفصیل نہیں لکھی جبکہ انہوں نے جنوبی فرانس سے مال غنیمت کے ساتھ واپسی میں عنبسہ کی شہادت کا تذکرہ کیا[2] عنبسہ کی شہادت عرب مورخین کے نزدیک ماہ شعبان ۱۰۷ھ مطابق جنوری ۷۲۶ء میں ہوئی۔ مسلمانوں نے عارضی طور پر عذرہ بن عبداللہ فہری کو قائم مقام امیر بنالیا اور اسپین واپس لوٹ آئے۔ عنبسہ نے چار سال اور چار ماہ حکومت کی۔

---

[1] تاریخ اندلس۔ ج ۱ ص ۱۵۷ [2] Political History of Muslim Spain - P.21

یحییٰ بن سلمہ کلبی

عذرہ بن عبداللہ چند ماہ ہی امیر رہے تھے کہ افریقہ سے یحییٰ بن سلمہ کلبی ماہ شوال ۱۰۷ھ ۷۲۶ء میں امیر اندلس نامزد ہوا لیکن یہ نااہل ثابت ہوا۔ اس نے فوجی مہموں میں کوئی دلچسپی نہ لی۔ والی افریقہ کے پاس اس کی شکایات پہنچیں تو انہوں نے اس کو معزول کردیا۔ وہ تقریباً ایک سال چھ ماہ ولایت پر فائز رہا اس کی جگہ عثمان بن ابی نسعہ کو نامزد کیا گیا۔

عثمان بن ابی نسعہ خثعمی

اس کو ابھی آئے ہوئے چند ماہ بھی نہ گزرے تھے کہ اس کو معزول کردیا گیا اور مشرقی اسپین کی ولایت پر بھیج دیا گیا۔

حذیفہ بن احوص قیسی

اس نے آتے ہی فوجی نقل و حرکت شروع کی اور ایک نئے شہر مقوقشہ کو فتح کیا لیکن چند ماہ بعد ہی اس کو بھی معزول کردیا گیا۔

ہیثم بن عبید کلابی

یہ تقریباً ایک سال امیر رہا لیکن اس نے عرب قبیلہ بنو کلب پر بڑی سختیاں کیں اور ان کے سردار سعد بن جواس کو قتل کرادیا اور بہت سے رئیسوں کو قید کردیا۔ جس کے نتیجہ میں بنو کلب نے خفیہ طور پر اس کو قتل کردیا۔ ماہ ذیقعدہ ۱۱۱ھ ۷۲۹ء میں یہ واقعہ ہوا۔

محمد بن عبداللہ اشجعی

ہیثم کے قتل کے بعد عارضی طور پر حکومت کی باگ محمد بن عبداللہ اشجعی نے لے لی۔ لیکن چونکہ حالات بگڑ چکے تھے اور والی افریقہ کی ناکامی اور اندلس کے حالات سے خلیفہ ہشام بن عبدالملک کو اطلاع ہو چکی تھی اس لئے خلیفہ نے اسپین کی حالت کو درست کرنے کے لئے والی افریقہ کا تقرر اپنے ہاتھ میں لے لیا اور عبدالرحمٰن بن عبداللہ کو یہاں کا امیر مقرر کیا۔

عبدالرحمٰن بن عبداللہ غافقی

عبدالرحمٰن بن عبداللہ پہلے بھی امیر بنایا گیا تھا اور افواج میں اپنی عادات واخلاق کی وجہ سے ہر دلعزیز تھا لیکن امیران اسپین کی پالیسیوں سے گھبرا کر روپوش ہوگیا تھا۔ خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے

---

[1] تاریخ اندلس جلد ا صفحہ ۱۶۹ [2] تفصیل کے لیے دیکھئے آگے " دور ولایت کا جائزہ "

قاصد نے اس کو تلاش کر کے پروانہ تقرری دیا۔ جن مخالفین نے اس کو پہلے معزول کروایا تھا وہ اب بھی موجود تھے لیکن چونکہ عبدالرحمٰن کو خلیفہ کی حمایت حاصل تھی اس لئے اب اس نے ان کی پروا نہ کی اور بلاخوف وخطر اپنے فرائض ادا کرنے لگا۔

اس نے پورے ملک کا دورہ کیا۔ بہت سی اصلاحات کیں۔ انتظامی خرابیوں کو دور کیا۔ پچھلے امیروں کی بدعنوانیوں کو ختم کیا۔ عیسائیوں کے ساتھ جو معاہدے ہوئے تھے اور ان پر عمل کرایا جو نئے گرجے بنائے گئے تھے ان کو مسمار کردیا اور جہاں پرانے گرجاؤں کو بند کر کے ان کی جائدادیں ضبط کرلی گئی تھیں ان کو کھلوایا اور جائدادیں بحال کیں۔ رشوت ستانی اور تحفہ تحائف قبول کرنے کی رسم کو سختی سے روکا اور چاروں طرف امن وامان قائم کیا۔

عبدالرحمٰن ایک زبردست مجاہد اور تجربہ کار سپہ سالار تھا۔ وہ یہ جانتا تھا کہ ملک میں امن وامان قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ جہاد کو ایک بار پھر جاری کیا جائے۔ چنانچہ اس نے پورے فرانس کی تسخیر کا ارادہ عوام کے سامنے پیش کیا۔ عوام نے اس ارادے کی تائید کی۔ اس کے لئے زبردست فوج اور سرمایہ جمع کرنے کی مہم چلائی گئی۔ ابھی وہ اسی میں مشغول تھا کہ مشرقی صوبہ کے والی عثمان ابی نسعہ نے جو پہلے اسپین کی ولایت پر رہ چکا تھا بغاوت کردی۔ یہ بغاوت ایک طرف تو عثمان کا عبدالرحمٰن سے حسد کا نتیجہ تھی۔ دوسری طرف عیسائیوں نے اس کو بہکا دیا تھا۔ اس نے شمالی اسپین میں اپنی خود مختار حکومت کا اعلان کردیا۔ عیسائی حکمران ڈیوک آف ایکوٹین نے اس سے دوستی کرلی اور اپنی لڑکی کا عقد بھی اس سے کردیا۔ عبدالرحمٰن نے ایک لشکر اس کے خاتمے کے لئے بھیجا۔ عثمان جلیقیہ کی طرف بھاگا لیکن تعاقب میں مارا گیا اور اس کی بیوی گرفتار کر کے قرطبہ لائی گئی۔

عثمان کی بغاوت نے عبدالرحمٰن کی فرانس پر فوج کشی کی اہمیت اور واضح کردی۔ اس نے ایک لاکھ کا لشکر فراہم کر کے کوہ البرانس کے مغربی درہ سے فرانس میں داخل ہو کر مشرقی حصے میں سابقہ مفتوحہ شہر ارل کو دوبارہ فتح کیا کیونکہ عثمان کی بغاوت میں اس شہر نے بھی جزیہ ادا کرنے سے انکار کردیا تھا دوسرے شہر لوزون نے فوراً اطاعت قبول کرلی۔

اسلامی لشکر نے دریائے دوردون (Dordoone) کے کنارے ڈیوک آف ایکوٹین کو زبردست شکست دی اور کوچ کرتے ہوئے مشہور فرانسیسی بندرگاہ بورڈو Bordeauxe پر حملہ آور ہوئے۔ شہر والوں نے مزاحمت کی لیکن فتح مسلمانوں کے حصے میں تھی۔ یہاں ڈیوک آف ایکوٹین کے خزانے کا بہت بڑا حصہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن نے شمالی حصے کی طرف پیش قدمی

کی۔ دریائے دوردون پر پھر ڈیوک نے مزاحمت کی لیکن بری طرح شکست کھائی اور اس کا پورا لشکر تباہ ہو گیا۔ مسلمان دریا عبور کر کے پائٹریس (Poitiers) پہنچے اور اس کے مضافات کو تخت و تاراج کیا اور سینٹ پلاوی کے گرجا کو لوٹ لیا۔ اس مہم میں عبدالرحمٰن نے شمال مشرقی اور جنوبی فرانس کے بڑے حصے کو تاراج کیا اور مال غنیمت کا انبار لے کر قرطبہ واپس ہوا۔

جنگ طلوشہ (ٹورس)

چند دن قرطبہ میں ٹھہر کر اور انتظام و بندوبست درست کر کے عبدالرحمٰن غافقی دوبارہ فرانس کی طرف روانہ ہوا۔ اب کے ڈیوک آف ایکوٹین تنہا اس کے مقابلے پر نہ تھا بلکہ ڈیوک نے اپنے پرانے دشمن فرانس کے بادشاہ چارلس کو بھی جنگ پر آمادہ کر لیا تھا۔ چارلس نے مسلمانوں کے حملے کو مذہبی رنگ دے کر جرمنی، فرانسیسی اور برگانی باشندوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا اور جنگ کی زبردست تیاری کر کے غافقی کا انتظار کرنے لگا۔ عبدالرحمٰن پائٹرس سے طلوشہ (ٹورس) کی طرف بڑھا۔ ٹورس کے کلیسا مارٹن میں دولت کے انبار تھے جس پر مسلمان قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ لیکن چارلس بھی ان کو بچانے کے لئے سینٹ مارٹن کے میدان میں مورچہ بند ہو گیا۔ دونوں فوجیں ایک ہفتہ تک آمنے سامنے خاموش کھڑی رہیں۔ مسلمانوں نے پہل کی۔ کئی روز تک جنگ جاری رہی۔ یہاں تک کہ عیسائیوں نے عقب سے مال غنیمت پر حملہ کر دیا۔ مسلمان اس کو بچانے کے لئے مڑے۔ عبدالرحمٰن نے مورچہ سنبھالنا چاہا لیکن وقت آچکا تھا ایک تیر سے زخمی ہو کر گھوڑے سے گرا اور جام شہادت نوش کیا۔ مسلمانوں کی ہمت پست ہو گئی اور وہ شب کی تاریکی میں میدان سے فرار ہو گئے۔ عیسائیوں نے اسے مسلمانوں کی ایک جنگی چال سمجھی اور تعاقب نہ کیا۔ چنانچہ شکست خوردہ لشکر سلامتی کے ساتھ اسپین پہنچ گیا۔ یہ جنگ ماہ رمضان ۱۱۴ھ مطابق اکتوبر ۷۳۲ء میں ہوئی اور اس میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد شہید ہوئی۔

عبدالملک بن قطن فہری

عبدالرحمٰن غافقی کی شہادت کے فوراً بعد عبدالملک بن قطن کو امیر بنا دیا گیا۔ یہ سن رسیدہ اور جہاندیدہ امیروں میں سے تھا اور کم و بیش سب ہی فوجی مہمات میں شرکت کر چکا تھا۔ ۱۱۴ھ مطابق ۷۳۲ء میں حکومت اس کے سپرد کی گئی۔ والی افریقہ نے ہدایت کی کہ جنگ طلوشہ (ٹورس) کا انتقام لیا جائے تاکہ اس جنگ کی وجہ سے فرانس میں دیگر مفتوحہ علاقے جو بغاوت پر آمادہ ہیں۔ مسلمانوں کے

ہاتھوں سے نہ نکلنے پائیں۔ لیکن اس معاملے میں عبدالملک نے دوراندیشی اور تدبر کا ثبوت نہ دیا اور برسات کے موسم میں فرانس پر چڑھائی کر دی جس کی وجہ سے وہ کوئی کامیاب یلغار نہ کر سکا اور قرطبہ واپس آگیا۔ والی افریقہ اس کی اس ناکام مہم سے ناراض ہو گیا اور اس کو معزول کر کے عقبہ بن حجاج سلولی کو اسپین کا امیر مقرر کیا۔

عقبہ بن حجاج سلولی

ماہ شوال ۱۱۶ھ ۷۳۴ء میں عقبہ اسپین آئے۔ وہ خوش مزاج اور نیک اخلاق والے تھے۔ انتظامی صلاحیتیں بھی ان میں بہت زیادہ تھیں۔ انہوں نے سب سے پہلے حکومت کے شعبوں میں ردوبدل کر کے ان کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا۔ تعلیم اور محکمہ عدالت پر خاص توجہ دی اور حکومت کی انتظامی بنیادوں کو پہلے سے زیادہ مستحکم کیا[1]

استحکام حکومت کے بعد عقبہ نے اپنی فوجی سرگرمیاں شروع کیں۔ سب سے پہلے اس نے جنوبی فرانس کے مفتوحہ علاقے پر اپنے اثرات کو مضبوط کرنے کے لئے دریائے ادینوں کے کنارے کنارے مسلم فوج کی نئی چھاؤنیاں بسائیں اور والنس (Volenvce) ،سینٹ پال تروی شاتو (Troischateauxe) اور دون زری (Donzre) جیسے اہم شہروں پر قبضہ بھی کر لیا۔ دوسری طرف اشتورقہ (اسٹریاس) اور جلیقیہ (گلیشیا) پر توجہ کی جو بغاوت پر آمادہ تھے۔ ان دونوں صوبوں پر دوبارہ اقتدار حاصل کر کے جابجا مسلمانوں کو آباد کیا۔ چارلس مارٹل ان دنوں فرانس کے علاقے کو تباہ و برباد کر رہا تھا۔ چارلس نے مارسیلز پر حملہ کیا۔ ڈیوک آف مارسیلز نے مسلمانوں سے مدد طلب کی۔ یوسف بن عبدالرحمٰن صوبہ ناربون کا بیدار مغز والی تھا۔ ڈیوک آف مارسیلز سے اس نے ایک تحریری معاہدہ کیا جس کی رو سے مارسیلز مسلم حکومت کا باجگزار بن گیا اور اس کے آس پاس کے تمام علاقے بھی زیر اثر آگئے۔ چنانچہ یوسف نے اس علاقے کی حفاظت کے لئے ایک بڑی فوج شمالی سرحد پر تعینات کر دی جس کا یہ تاثر ہوا کہ کچھ عرصے کے لئے چارلس مارٹل کے حملے رک گئے۔

یوسف اور عقبہ فرانس میں مزید پیش قدمی کی فکر کر رہے تھے کہ خود اندرون ملک ایک زبردست ہنگامہ عرب اور بربروں میں شروع ہو گیا جس نے کشت و خون اور غارت گری کی شکل اختیار کر لی۔ عرب بربر کشمکش کا آغاز تو افریقہ سے ہوا تھا لیکن اس کے اثرات اسپین پر پڑنا لازمی تھے[2] یہ سارا فتنہ دراصل اسی پرانے تصور کا پرتو تھا جس نے اسلامی تہذیب کو عربی تہذیب کے آگے

---

[1] تاریخ اندلس جلد ۱ صہ ۱۶۹ [2] تفصیل کے لیئے دیکھئے آگے "دورِ ولایت جائزہ"

جھکنے پر مجبور کردیا تھا۔ عرب اقتدار کے نشے میں اتنے مست ہوگئے تھے کہ دیگر نو مسلم اقوام کو اپنے مقابلے میں حقیر جانتے تھے۔ بربر طبعاً آزادی پسند تھے۔ بدویت کے تمام خصائص ان میں موجود تھے اور جابرانہ حکومت کو کسی حال میں برداشت نہیں کرسکتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ طاقت کے بل پر ان کو جھکایا نہ جاسکا۔ صرف اسلام نے ان کے دلوں کو موم کردیا تھا۔ اسلام لانے کے بعد وہ بحیثیت مسلمان کے مساویانہ سلوک کے طلبگار تھے لیکن جب ان پر ظلم و تشدد کیا گیا اور عام غیر مسلم رعایا کی طرح ان سے بھی برتاؤ کیا جانے لگا تو وہ مشتعل ہوگئے اور سرکشی پر آمادہ ہوگئے اور اس عرب بربر مخالفت نے ایک خونریز تصادم کی شکل اختیار کرلی جس کی خون آشامی سے پورا افریقہ رنگین ہوگیا۔ عربوں کو اس ہنگامہ آرائی میں ہزیمت اٹھانی پڑی اور پورے شمالی افریقہ سے عربوں کا اقتدار ختم ہوگیا۔ افریقہ کے اس ہنگامے کا اثر اسپین پر بھی پڑا اور یہاں بھی خون کی ندیاں بہنے لگیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود عرب قبائل بھی اقتدار کی جنگ میں الجھ کر رہ گے۔ جس کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ عبدالرحمٰن الداخل کے اسپین میں آنے کے بعد ختم ہوا۔ اقتدار کی کشمکش اور قبائلی منافرت کی مسلسل جنگوں نے مسلم ریاست کو اسپین میں ناقابل تلافی نقصان پہنچایا اور عیسائیوں نے اس سیاسی انتشار سے بے حد فائدہ اٹھایا۔ ۷۳۷ء میں چارلس مارٹل نے پرونیس کی باجگذار ریاست پر حملہ کیا۔ یوسف بن عبدالرحمٰن نے مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی اور یہ پورا علاقہ مسلم اثر سے نکل گیا اور ساتھ ہی ساتھ لوزون اور پرووینس کے مشہور شہر اوینیون (Ayonnis) سے بھی مسلمانوں کا اقتدار ختم ہوگیا۔ مارٹل نے براہ راست ناربون (اربونہ) پر حملہ کیا لیکن مسلمانوں کو بروقت کمک پہنچنے کی وجہ سے اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ چارلس مارٹل کی اس مہم سے پرووینس (Provence) لینگوڈاک (Languadoc) ایکڈے (Acde) بیرس (Bayiers) نیمس (Nimes) میگولون (Maguelone) کا شدید نقصان ہوا جو ناربون کی مسلم حکومت کے دوست تھے۔ چارلس کے بعد ڈیوک آف مارسیلز نے اوینون کو چارلس سے چھین لیا۔ اگلے سال پھر چارلس نے حملہ کرکے اس پر قبضہ کرلیا۔ ڈیوک آف مارسیلز نے مسلمانوں سے مدد مانگی لیکن مسلمانوں کی طرف سے اس وقت کسی بھی قسم کی مدد نہ دی جاسکی۔

ابھی عرب بربر کشمکش کا خاتمہ نہ ہوا تھا کہ والی افریقہ نے افریقہ میں بغاوت ختم کرنے کے لئے عقبہ کو اسپین بلایا۔ یہ اس کی دانشمندی اور سیاسی سوجھ بوجھ کی کمی کا نتیجہ تھا۔ بربروں نے اس سے فائدہ اٹھایا اور عبدالملک بن قطن فہری کو اپنا امیر بنا کر اسپین کی آزاد حکومت کا اعلان کردیا اور۔

حکومت افریقہ سے اپنے تعلقات منقطع کر لئے۔ عقبہ کو اسپین دوبارہ آنے کی مہلت نہ ملی اور وہ ماہ صفر ۱۲۳ھ مطابق ۷۴۱ء میں انتقال کر گئے[1]

عبدالملک بن قطن فہری (مستولی)

عبدالملک اس سے قبل ۷۳۲ء سے ۷۳۴ء تقریباً دو سال تک اسپین کے والی رہ چکے تھے اور ان کے خیال میں ان کو بے انصافی سے معزول کیا گیا تھا۔ اس وقت ان کی عمر ۹۰ برس تھی۔ وہ واقعہ حرہ میں شریک تھے جو یزید بن معاویہ کے زمانے میں مدینہ منورہ میں پیش آیا تھا جس میں اہل مدینہ کا قتل عام اور بے حرمتی کی گئی تھی۔ چنانچہ اس واقعہ سے عبدالملک کے دل میں شامیوں کے خلاف غم و غصہ بھرا ہوا تھا۔ بربر چونکہ شامیوں کے خلاف تھے اس لئے انہوں نے عبدالملک ہی کو امیر بنانا پسند کیا۔ عبدالملک نے دارالحکومت پر زبردستی قبضہ کر کے حجازی عربوں اور بربروں کی مدد سے حکومت کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

آپس کی خانہ جنگی سے مسلمانوں کو پہلا نقصان تو سرزمین فرانس میں چارلس مارٹل کے ہاتھوں اٹھانا پڑا۔ دوسری طرف پلایو (صخرہ پلائی) کے جانشینوں نے موقع سے فائدہ اٹھایا۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ امیر عنبسہ کے زمانے میں پلایو کی قوت کو بالکل منتشر کر کے ختم کر دیا گیا تھا اور پلایو خود گمنامی کے عالم میں مر چکا تھا۔ عیسائیوں نے پلایو کے بعد اس کے بیٹے فاویلا (Favila) کو اپنا لیڈر بنایا۔ لیکن وہ شکار کھیلتے ہوئے مارا گیا۔ اس کے لڑکے ابھی کم سن تھے اس لئے عیسائیوں نے پلایو کے داماد الفانسو کو اپنا لیڈر بنایا۔ جس وقت امیر عقبہ بن حجاج افریقہ بلائے گئے اور مسلم اسپین میں انتشار پھیلا، الفانسو نے اسی انتشار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پورے صوبہ جلیقیہ پر قبضہ کے ساتھ ساتھ موجودہ پرتگال کے کچھ علاقے بھی ہتھیا لئے اور اپنے لئے بادشاہ کا لقب اختیار کر لیا۔ مسلم ریاست کے پہلو بہ پہلو عیسائیوں نے اپنی حکومت قائم کر لی جو روز بروز بڑھتی اور طاقتور ہوتی گئی۔ بالاخر پورے اسپین پر چھا گئی۔ مسلمانوں کو خود اپنی خانہ جنگیوں سے فرصت نہیں تھی کہ اس کے خلاف کارروائی کر سکتے۔

افریقہ کی بربر بغاوت کو طاقت کے زور سے دبانے کے لئے خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے ۳۰ ہزار فوج افریقہ روانہ کی اور اس کا سردار کلثوم بن عیاض کو مقرر کیا اور ہدایت کی کہ اس کے مارے جانے کے بعد بلج بن بشر قسیری اور اس کے بعد علبہ بن سلامہ عجلی کو سپہ سالار بنایا جائے۔ یہ لشکر ۱۲۳ھ مطابق ۷۴۱ء میں افریقہ میں داخل ہوا۔ یہ موقع تھا کہ عربوں کو اپنی قبائلی عصبیت کو ختم کر کے

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۳۲۔ مجموعہ اخبار صفحہ ۲۸۔ ڈوزی جلد ا صفحہ ۲۰۳

متحدہ طور پر بربروں کی بغاوت کو کچل ڈالنا چاہیئے تھا لیکن شامی افواج کو اپنی کثرت تعداد اور فن سپاہ گری پر ناز تھا اس لئے انہوں نے افریقہ کے قدیم عرب باشندوں کو جن میں بڑی تعداد مدنیوں اور حجازیوں کی تھی منہ نہ لگایا جس سے یہ لوگ شامیوں سے بدظن ہو گئے۔ چنانچہ بقدورہ کے میدان میں ایک غلط حکمت عملی کے سبب سات ہزار عرب سپاہ نے بربروں کے ہاتھوں شکست کھائی اور کلثوم بن عیاض مارے گئے۔ بلج بن بشر نے کمان سنبھالی اور باقی ماندہ شکست خوردہ فوج لے کر سبتہ میں قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا۔ بربروں نے اس کا تعاقب کیا اور سبتہ کے آس پاس کے تمام علاقے کو تباہ و برباد کر کے واپس آگئے تاکہ بلج کو غذا میسر نہ آسکے۔ اور وہ اور اس کے ساتھی بھوکوں مر جائیں اور ایسا ہی ہوا۔ بلج اور شامی سپاہی بھوکوں مرنے لگے مجبوراً انہوں نے نہ صرف اسپین سے غلہ کی امداد چاہی بلکہ اس بات کی اجازت بھی مانگی کہ ان کو اسپین آنے دیا جائے۔ عبدالملک بن قطن ایک تو خود شامیوں سے بدظن تھا پھر ان شامیوں کے دشمن بربر اس کے دوست تھے اس لئے اس نے نہ تو بلج کی کوئی مدد کی اور نہ ان کو اسپین آنے کی اجازت دی۔ بلج بن بشر اور شامی لشکر کی مصیبتیں روز بروز بڑھتی چلی گئیں۔ جن عربوں نے اسپین سے ان کی امداد کرنی چاہی عبدالملک نے ان کو سزا دی۔ جس کی بناء پر دوسروں کو ان کی مدد کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ چنانچہ بلج کے لئے اس کے سوائے اب کوئی دوسرا راستہ نہ تھا کہ وہ زبردستی اسپین میں داخل ہو جائے۔

اسپین کی اندرونی سیاست میں ایک اور انقلاب رونما ہوا۔ افریقہ میں بربروں کی کامیابی نے اسپین کے بربروں کے دماغ آسمان پر چڑھا دیئے اور وہ اس بات کی کوشش کرنے لگے کہ جزیرہ نما اسپین سے عربوں کو فنا کر کے اپنا ہی امیر مقرر کریں۔ چنانچہ جہاں جہاں بربروں کی تعداد زیادہ تھی مثلاً اشتورقہ اور جلیقیہ وہاں سے پوری عرب آبادی کو مجبور کر کے نکال باہر کیا۔ عرب آبادی سمٹ کر یکجا ہو گئی۔ اس طرح پورا وسطی اسپین عربوں سے خالی ہو گیا۔ عبدالملک بن قطن نے پہلے تو بربروں کو دوست بنانا چاہا لیکن جب وہ نہ مانے تو ان کے خلاف لشکر کشی کی جس میں عربوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اپنی شکست اور عربوں کے قتل عام کو دیکھتے ہوئے عبدالملک کے پاس کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ بلج بن بشر اور اس کی سپاہ کو اسپین میں بلالے لیکن ان کی طرف سے اطمینان نہ تھا اس لئے ایک طرف تو اس نے غلہ اور کپڑوں سے لدے ہوئے جہاز سبتہ بھیجے اور دوسری طرف مندرجہ ذیل دو شرائط پر انہیں اسپین آنے کی دعوت دی۔

ا۔ ملک میں امن و امان رکھنے اور حکومت کے فرمانبردار رہنے کی ضمانت میں ہر قبیلہ سے دس دس

آدمی بطور یرغمال بھیجے جائیں۔
۲۔ شامی ایک سال تک اسپین میں رہیں گے اور حکومت کی مدد کریں گے پھر مع اپنے سازو سامان کے اس ملک سے واپس چلے جائیں گے اور اپنے یرغمال بھی ساتھ لے جائیں گے۔ اس کے ساتھ ہی شامیوں نے یہ شرط رکھی کہ ان کی اسپین سے واپسی ایک ساتھ ہوگی ایسا نہ ہو کہ وہ واپسی کے وقت بربروں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیئے جائیں۔[۵۹]

ان شرائط کے ساتھ بلج بن بشر دس ہزار شامیوں کے ساتھ اسپین میں داخل ہوا۔ چند ہی دن میں وہ سب خوشحال ہوگئے۔ بربروں نے بھی اپنی تجویز کے مطابق ابن بدین نامی ایک سردار کی سرکردگی میں طاقت فراہم کرلی تھی۔ بربروں اور شامیوں کی پہلی لڑائی مدینہ شذونہ پر ہوئی جس میں بربروں کو شکست ہوئی دوسرا لشکر قرطبہ پر چڑھائی کے لئے آیا تھا اس کو بھی پسپا ہونا پڑا۔ سب سے بڑا اور اہم تیسرا لشکر تھا جس نے طلیطلہ کے قریب وادی سلیط میں عربوں اور شامیوں سے بری طرح شکست کھائی اور پورا لشکر برباد ہوگیا۔ شامیوں نے بربروں کے ہتھیاروں پر قبضہ کرکے اپنی طاقت کو مستحکم کرلیا۔ اس کے بعد عبد الملک بن قطن نے تمام بربروں کا قتل عام کیا اور ان کی جمعیت کو منتشر کردیا۔

ایک سال گزرنے پر عبد الملک نے شامیوں کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ بلج نے اپنی شرائط پر واپسی منظور کرلی۔ لیکن جزیرہ الخضراء جو اس وقت بحری جہازوں کا اڈہ تھا بربروں کی زبردست آماجگاہ تھا۔ جہاں سے شامیوں نے جانے سے انکار کردیا۔ اگر جہازوں کو الخضراء سے ہٹا کر کسی اور بندرگاہ پر لے جایا جاتا تو بربر بستہ پر قبضہ کرلیتے۔ بہرحال نہ شامیوں کو جانا تھا نہ عبد الملک ان کو نکال سکا۔ اختلافات بڑھتے گئے یہاں تک کہ شامی ایک دن اس کے محل پر ٹوٹ پڑے۔ عبد الملک کو معزول کرکے اس کو اس کے اپنے مکان دار ابی ایوب میں بند کردیا اور بلج بن بشر کو اس کی جگہ امیر اسپین بنالیا۔

بلج بن بشر قُشیری (مستولی)

بلج نے زبردستی ولایت پر قبضہ کیا تھا گو عبد الملک بھی مستولی تھا لیکن اس کو عوام کی ہردلعزیزی حاصل تھی۔ بلج کے لئے بھی ضروری تھا کہ وہ عوام میں ہردلعزیزی حاصل کرلے۔ لیکن شامیوں کے زور پر وہ حکمرانی کرنے لگا۔ اس نے سب سے پہلے جزیرہ ام حکیم سے جو جزیرہ الخضراء کے والی کے ماتحت تھا۔ اپنے یرغمالوں کو آزاد کیا جو وہاں پر مصائب میں مبتلا تھے اور ایک غسانی رئیس ان

---

[۵۹] ریاست علی ندوی۔ تاریخ اندلس جلد ۱ صہ ۱۸۱

مصائب کی وجہ سے مر بھی گیا تھا۔ اسپین آتے ہی ان پر غمالیوں نے دیگر شامیوں سے مل کر عبد الملک کے قتل کے لئے شور مچانا شروع کیا۔ بلج نے ان کو بہت سمجھایا لیکن وہ نہ مانے اور ایک دن نہایت توہین آمیز طریقے سے عبد الملک کو سولی پر چڑھادیا۔ عبد الملک کے مارے جانے سے قبائلی دشمنی کی وہ آگ بھڑکی کہ جس نے آئندہ چند سالوں تک اسپین کی سرزمین کو انسانی خون سے لالہ زار کیا۔

عبد الملک کے لڑکے امیہ اور قطن نے بلج کے خلاف بغاوت کا نعرہ بلند کیا۔ بلج کا ایک سپہ سالار عبد الرحمٰن بن حبیب مع غیر شامی عربوں کے لشکر کے ان کے ساتھ ان میں مل گیا۔ بربروں نے بھی شامیوں کے خلاف موقع غنیمت سمجھا اور امیہ اور قطن کے ساتھ مل گئے۔ صوبہ ناربون میں عبد الملک کا متعین کردہ والی عبد الرحمٰن بن علقمہ بھی مع ۴۰ ہزار فوج کے ان کے ساتھ شامل ہوگیا اور اس طرح ایک لاکھ کا لشکر ۱۰ ہزار شامیوں کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوگیا۔ قرطبہ کے قریب دلبہ میں دونوں فوجیں آمنے سامنے آگئیں۔ بلج میدان جنگ میں ابن علقمہ کے ہاتھوں زخمی ہو کر ۱۲۴ھ مطابق ۷۴۲ء میں مرگیا۔ شامیوں نے ثعلبہ کو اپنی فوج کا امیر منتخب کرلیا۔[1]

ثعلبہ بن سلامہ عجلی

۱۲۴ھ مطابق ۷۴۲ء میں ثعلبہ کو اس بناء پر امیر مقرر کیا گیا کہ خلیفہ ہشام بن عبد الملک نے کلثوم کے بعد بلج کو اور اس کا جانشین ثعلبہ بن سلامہ کو مقرر کیا تھا۔ لیکن شامیوں کے علاوہ مسلم اسپین کے باشندوں نے اس کو والی تسلیم نہیں کیا۔

دلبہ کے میدان میں بلج کے مارے جانے کے بعد شامیوں کو پسپا ہونا پڑا۔ چنانچہ انہوں نے مع ثعلبہ کے ماردہ میں پناہ لی۔ امیہ اور قطن بھی اپنی فوج لے کر ماردہ پہنچ گئے اور شہر کا محاصرہ کرلیا۔ ثعلبہ سخت پریشانیوں میں گھر گیا۔ اسے اپنی تباہی نظر آنے لگی۔ اتفاق سے عید کا دن آگیا اور عرب اور بربر عید منانے میں مشغول ہوگئے۔ ثعلبہ نے موقع غنیمت جانا اور دفعتاً شہر سے نکل کر بے خبری کی حالت میں عربوں اور بربروں پر ٹوٹ پڑا اور زبردست قتل عام کیا۔ عرب اور بربر خوف و پریشانی میں ادھر ادھر بھاگنے لگے اور بہت سے گرفتار ہوگئے۔ ثعلبہ قیدیوں کو قرطبہ لایا اور ان کو سرعام نیلام کیا۔ جن میں مختلف قبائل کے شیوخ بھی تھے۔ جو نیلام سے بچ گئے قید خانے میں ڈال دیئے گئے۔ ثعلبہ نے گو مخالفین کی قوت ختم کردی تھی۔ لیکن خود اس کی حکومت کی حدود قرطبہ اور ماردہ سے آگے نہ بڑھ سکیں۔ اہل اسپین اس خانہ جنگی اور خونریزی سے عاجز آگئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے والی افریقہ حنظلہ

---

[1] یہ سب حالات ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۴، ۱۹۵

بن صفوان کلبی سے کسی ایسے شخص کو امیر مقرر کرنے کی درخواست کی جو ملک میں ہر دلعزیزی پیدا کر کے امن و امان قائم کر سکے۔ حنظلہ نے ابوالخطار حسام بن ضرار کلبی کو امیر مقرر کیا۔ جو ماہ رجب ۱۲۵ھ/۷۴۳ء میں اسپین میں داخل ہوا۔ ثعلبہ بن سلامہ صرف دس ماہ حکومت کر سکا۔[1]

ابوالخطار حسام بن ضرار کلبی

درحقیقت والی افریقہ نے ایک ایسے شخص کو بھیجا تھا جو صاحب الرائے، ہوشمند، بہادر اور نیک تھا اور دمشق کے ممتاز روساء میں سے تھا۔ جس وقت اس نے اسپین میں قدم رکھا۔ عرب بربر اور شامی قرطبہ کے مغرب میں مصارہ کے میدان میں جنگ کی تیاریاں کر رہے تھے۔ ابوالخطار نے عین میدان جنگ میں اپنا علم گاڑ دیا دونوں طرف کے سردار اس کی پیشوائی کے لئے آگے بڑھے ابوالخطار نے ان سے خطاب کیا۔

"تم سنو گے؟......... اطاعت کرو گے؟" سب نے گردنیں جھکا دیں۔ قدیم عرب باشندوں نے بلند آواز سے کہا۔ "ہم اطاعت کرتے ہیں لیکن ان شامیوں کے لئے ہمارے پاس کوئی جگہ نہیں۔"

ابوالخطار نے انہیں تسلی دی اور قرطبہ روانہ ہو گیا۔ تمام حریف سردار اس کے ساتھ تھے۔ اس نے قرطبہ پہنچ کر پہلا کام یہ کیا کہ تمام بربر قیدیوں کو جن کو ثعلبہ موت کی سزا سنا چکا تھا، رہا کر دیا۔ جس سے بربر بھی اس کے ہمنوا ہو گئے۔ اس کے بعد اسپین میں دس شامی عمائدین کو اپنے محل بلا کر اتنی دانشمندی اور تدبر سے ان کو سمجھایا کہ وہ اسپین سے جلاوطن ہونے پر رضامند ہو گئے اور ان کو افریقہ بھیج دیا گیا۔ عبدالملک کے لڑکے امیہ اور قطن کو اچھی طرح سمجھا کر اسپین میں پرامن شہری کی زندگی گزارنے کی اجازت دے دی۔ عبدالرحمٰن بن حبیب جو حکومت افریقہ کا باغی تھا اور اسپین میں روپوش تھا وہ ان حالات سے پریشان ہو گیا اور تیونس کی طرف راہ فرار اختیار کی یہی بعد میں افریقہ کا والی بنا۔

ابوالخطار کے سامنے نو وارد شامیوں کا مسئلہ تھا۔ وہ ان کو ملک سے باہر بھیجنا نہ چاہتا تھا کیونکہ وہ حکومت کی طاقت کا بڑا حصہ تھے۔ اس نے اسپین کے سرکردہ لوگوں کی ایک مجلس مشاورت بلائی اور یہ سوال پیش کیا۔ گاتھ شہزادہ ارطباش بھی ان میں موجود تھا۔ اس نے یہ رائے دی کہ ان شامیوں کو ملک کے ان مختلف علاقوں میں آباد کر دیا جائے جہاں کی آب و ہوا ان کے مزاج کے موافق ہو۔[2] خود

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۹۴-۱۹۵ [2] تاریخ اندلس جلد ۱ صفحہ ۱۹۳

ابوالخطار بھی یہی چاہتا تھا۔ چنانچہ اس منصوبے کے مطابق حسب ذیل شہروں میں شامیوں کو آباد کیا۔ اور ان کو اس بات کی اجازت بھی دے دی کہ وہ ان شہروں کے نام بھی شامی شہروں پر رکھ سکتے ہیں۔

اہل دمشق کو ——— البیرہ میں

اہل اردن کو ——— الرّیہ میں

اہل قنسرین کو ——— جیان میں

اہل حمص کو ——— اشبیلہ میں

اہل فلسطین کو ——— شذونہ میں

اہل مصر کو ——— باجہ، تدمیر اور اخشنبہ میں

شامی ان علاقوں میں خوب پھلے پھولے اور آئندہ چل کر اسپین کے ممتاز باشندوں میں ان کا شمار ہوا۔[1] ابوالخطار کی اس مدبرانہ کارروائی سے ملک میں تقریباً چار سال امن و امان رہا اور معاشی و اقتصادی و تجارتی ترقی بھی ہوئی۔

لیکن ابوالخطار کے چار ایسے دشمن پیدا ہو گئے جو ایک طرف تو عمائدین میں شمار ہوتے تھے اور دوسری طرف قبائلی عصبیت کے بدترین شکار تھے۔ ان میں سے ایک تو حضرت حسینؓ کے قاتل شمر کا پوتا صمیل بن حاتم تھا جو اہل قنسرین کے ساتھ جیان میں آباد ہو گیا تھا اور قبیلہ قیس اس کا گرویدہ تھا۔ ابوالخطار قبائلی حیثیت سے کلبی تھا اس لئے صمیل قیسی ہونے کی وجہ سے اس سے درپردہ دشمنی رکھتا تھا۔ دوسرا ابوالعطاء قیسی تھا جو ابوالخطار اور صمیل دونوں کے خلاف بغض رکھتا تھا۔ تیسرے عبدالملک بن قطن کے دونوں لڑکے امیہ اور قطن تھے جو اپنے سابقہ اقتدار کے چھن جانے سے خوش نہ تھے۔ چوتھا ثوابہ بن سلمہ حدانی تھا جس کو ابوالخطار نے اشبیلہ کا والی بنا دیا تھا۔ لیکن جب وہ اپنے فرائض صحیح انجام نہ دے سکا تو اس کو معزول کر دیا تھا۔ یہ لوگ ابھی تک درپردہ مخالف تھے۔ اسی دوران ابوالخطار اور صمیل کے درمیان ایک کنانی کے ساتھ کنانی ہونے پر سخت کلامی ہو گئی۔ ابوالخطار نے غصہ میں صمیل کو دھکے دے کر اپنے کمرے سے باہر نکلوا دیا۔ صمیل قبیلہ مضر میں آیا اور ان کو ابوالخطار کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر کے خود جنگی تیاریوں کے لئے قرطبہ سے باہر چلا گیا۔ صمیل نے تدبر اور ذہانت پائی تھی۔ چنانچہ اس نے ابوالخطار کے دشمنوں کو یکجا کرنے کی کوشش کی اور وہ اس کوشش میں کامیاب ہو گیا۔ ابوالعطاء قیسی کے پاس وہ خود گیا اور اس کو مع لشکر کے لے کر مورود

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۲۲۴۔ ابن عذاری صفحہ ۱۴۳ (اردو) مجموعہ اخبار الاندلس صفحہ ۴۵

روانہ ہوا۔ مورور میں ثوابہ بن سلمہ حدانی موجود تھا۔ صمیل نے اس کو اسپین کی مسند امارت پر بٹھانے کا وعدہ کرکے اپنے ساتھ ملالیا۔ ابوالخطار کو صمیل کی ان تیاریوں کی اطلاع ہوئی اور علم ہوا کہ باغیوں نے ثوابہ بن سلمہ کو اپنا امیر نامزد کرلیا ہے چنانچہ وہ تیزی کے ساتھ قرطبہ میں اپنا قائم مقام مقرر کرکے صمیل کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا۔ قرطبہ خالی ہوتے ہی امیہ بن عبدالملک بن قطن نے قرطبہ پر حملہ کردیا اور اسے لوٹ لیا۔ ادھر شذونہ میں دریا کے کنارے دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ ابوالخطار نے شکست کھائی اور بھاگا مگر پکڑا گیا اور قرطبہ کے قید خانے میں بند کردیا گیا۔ صمیل اور ثوابہ قرطبہ میں داخل ہوئے۔ معاہدہ کے مطابق ثوابہ کو اسپین کا امیر مقرر کیا گیا۔ ابوالخطار چار سال چار ماہ حاکم رہا۔ ماہ رجب ۱۲۸ھ مطابق ۷۴۶ء میں اس کی حکومت کو زوال آگیا۔

ثوابہ بن سلمہ حدّانی

۱۲۸ھ مطابق ۷۴۶ء بزور شمشیر حاکم بنا۔ والی افریقہ عبدالرحمٰن ابن حبیب نے اس کی امارت کی توثیق کردی لیکن قبیلہ بنوکلب نے اس کی اطاعت نہ کی۔ بنوخزاعہ بھی بنوکلب کے ساتھ ہوگئے۔ پرتگال کے شہر باجہ کو انہوں نے اپنا مرکز بنایا۔ بنوخزاعہ کے ۲۴۰ سوار عبدالرحمٰن بن حسان کلبی کی ماتحتی میں ایک رات قرطبہ پر چڑھ آئے اور ابوالخطار کو چھڑا کرلے گئے۔ جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں لیکن صمیل کی حکمت عملی اس موقع پر کام آئی۔ اس نے ابوالخطار کے لشکر میں ایک منادی کرنے والے کو بھیجا جس نے پکار کر فوجیوں کو بتایا کہ وہ جنگ 'ثوابہ کے خلاف نہیں کررہے ہیں بلکہ خود اپنے آپ سے دشمنی کررہے ہیں کیونکہ ثوابہ بھی ان ہی کے قبیلے کا آدمی ہے۔ غرض ابوالخطار کے فوجیوں کی عصبیت کو ابھارا گیا اور انہوں نے جنگ سے ہاتھ کھینچ لیا۔ ابوالخطار باجہ میں پناہ گزیں ہوا۔

ثوابہ ایک سال تک حکمرانی کرتا رہا۔ ماہ شعبان ۱۲۹ھ/ ۷۴۷ء میں اس کی وفات ہوگئی اور منصب امارت خالی ہوگیا۔ صمیل کے لئے جانشینی کا مسئلہ کھڑا ہوگیا۔ صمیل بذات خود کچھ وجوہات کی بناء پر امیر بننا نہ چاہتا تھا لیکن اپنے مطلب کے آدمی کو مسند امارت پر دیکھنا چاہتا تھا۔ ثوابہ کے لڑکے عمرو نے اور ایک دوسرے شخص یحییٰ بن حریث جذامی نے اپنے آپ کو امارت کا مستحق قرار دیا۔ ایک جماعت نے ابوالخطار کو دوبارہ امیر بنانے کی مہم شروع کردی۔ اس سوچ وبچار میں کچھ دن گزر گئے۔ لوگوں نے ایک عالم فقیہہ عبدالرحمٰن بن کثیر کو چار ماہ کے لئے احکام و قضایا کے لئے عارضی طور پر امیر مقرر کرلیا۔ صمیل کی نظرانتخاب سرحدی حکومت اربونہ کے سابق والی اور مشہور

قائد یوسف بن عبدالرحمٰن پر ٹھہری۔ اس کا باپ اس وقت افریقہ کا والی تھا۔ اس لئے قوی امید تھی کہ صمیل کو اس سے زیادہ فائدہ پہنچے گا۔ یوسف ایک نیک اور صلح جو شخص تھا۔ خانہ جنگی کے دوران البیرہ میں خانہ نشین ہو گیا تھا۔ قرطبہ کے معززین کا ایک وفد اس کو سمجھا بجھا کر اور ملک کی امن و سلامتی کا واسطہ دے کر قرطبہ لے کر آیا۔

یوسف بن عبدالرحمٰن الفہری

۱۲۹ھ/ ۷۴۷ء میں یوسف نے اسپین کی امارت سنبھالی۔ وہ فاتح افریقہ عقبہ بن نافع کے خاندان سے تھا اور اس وقت اس کا باپ افریقہ کا والی تھا۔ اس کا خاندان افریقہ اور اسپین کا معزز ترین خاندان شمار کیا جاتا تھا اور لوگ اس کی بڑی عزت کیا کرتے تھے۔ خود یوسف بھی بڑی قابلیتوں کا مالک تھا۔ برشلونہ اور اربونہ (ناربون) کا والی بھی رہا تھا۔ اس نے فتنہ و فساد کو ختم کرنے کے لئے امارت کے ایک دعویدار جزامی بن حریث کو صوبہ ریہ کا والی بنا دیا لیکن وہ اس منصب کی ذمہ داریاں نہ سنبھال سکا جس کی بناء پر یوسف نے اس کو معزول کر دیا۔ اس کا معزول کرنا تھا کہ اسپین میں قبائلی جنگ کی ایسی آگ بھڑکی جو اس سے پہلے کبھی نہ دیکھی گئی تھی۔ یحییٰ نے بغاوت کی اور ابوالخطار بھی اس کے ساتھ مل گیا اور اس بغاوت کو یمانی تحریک کا نام دیا گیا۔ یوسف اور صمیل نے مضریوں کو اکٹھا کیا اور قریب تھا کہ یہ جنگ چھڑ جاتی کہ چند اکابرین قبائل نے بیچ میں پڑ کر اس بات پر صلح کرا دی کہ ایک ایک سال کے لئے فریقین کا امیر مقرر کیا جائے اور اس سال یوسف کو متفقہ طور پر امیر تسلیم کر لیا گیا۔ اس معاہدے کی رو سے ایک سال بعد یمانی امیر کو زمام حکومت ملنی چاہئے تھی۔ جب انہوں نے اس کا مطالبہ کیا تو صمیل حسب عادت معاہدے سے پھر گیا۔ یوسف نے معاہدے سے پھرنے کی مخالفت کی اور احتجاج کے طور پر امارت سے دست کش ہو کر اپنے وطن البیرہ چلا گیا۔ شقندہ کے میدان میں ایک بار پھر مضریوں و یمانیوں کا زبردست جنگی اجتماع ہوا۔ اس قبائلی اجتماع کو دیکھ کر یوسف پھر البیرہ سے آکر صمیل کے ساتھ مل گیا۔ یہ لڑائی ایک ہفتہ تک جاری رہی۔ لڑنے والوں کے ہتھیاروں اور گھوڑوں نے جواب دے دیا تو وہ لاتوں، گھونسوں اور مکوں پر اتر آئے۔ ایک دوسرے پر خاک اٹھا اٹھا کر ڈالنے لگے۔ مورخین کا کہنا ہے کہ اسلامی تاریخ کی یہ پہلی لڑائی تھی جو قبیلہ کے نام پر اس طرح لڑی گئی جس طرح عرب جاہلیت کے دور میں لڑی جاتی تھی۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ یوسف نے صمیل کے مشورے پر قرطبہ کے بازار والوں کو بھی اس لڑائی میں طلب کر لیا اور انہی بازار والوں نے جنگ کا فیصلہ کر دیا۔ یمانیوں نے شکست کھائی۔ ابوالخطار اور یحییٰ بن حریث میدان جنگ سے

بھاگے مگر پکڑے گئے اور صمیل کے کہنے پر قتل کردیئے گئے۔ یوسف پھر البیرہ میں خانہ نشین ہوگیا۔

لڑائی کے بعد صمیل البیرہ پہنچا اور یوسف بن عبدالرحمٰن کو راضی کرکے دوبارہ قرطبہ لے آیا۔ اب چاروں طرف صمیل ہی صمیل تھا۔ یوسف کنارہ کش ہونے کی وجہ سے بڑی حد تک اپنی ہر دلعزیزی کھوچکا تھا۔ لیکن اس کے باوجود چند قبائلی مصلحتوں کی بناء پر صمیل اپنی امارت کا اعلان نہ کرسکا۔ اب بقول ابن اثیر امارت یوسف کی تھی اور حکم صمیل کا۔ یہ صورتحال زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکی۔ یوسف کو صمیل کے احکامات کی بجا آوری گراں گزر رہی تھی۔ وہ اقتدار اعلیٰ اپنے ہاتھ میں لینے کی فکر کرنے لگا۔ گو قبائلی جنگ ختم ہوچکی تھی لیکن بعض علاقوں سے ابھی السلاح السلاح کی آوازیں بلند ہورہی تھیں۔ سرقسطہ میں بھی یمانیوں کے خروج کی خبریں آرہی تھیں۔ یوسف نے موقع غنیمت جان کر صمیل کو ولایت سرقسطہ پر بھیج دیا۔ صمیل بھی معاملے کی تہہ تک پہنچ گیا اس لئے اس نے کوئی مخالفت نہ کی اس کے سرقسطہ پہنچتے ہی بغاوت فرو ہوگئی۔

۷۴۹ء مطابق ۱۳۲ھ میں پورے اسپین میں شدید قحط سالی کی بلا نازل ہوئی۔ بہت سے لوگ اسپین کو چھوڑ کر افریقہ چلے گئے۔ صمیل کی ولایت صوبہ سرقسطہ میں قحط کا بڑا زور تھا۔ صمیل نے بھی ایسی ہمدردی سے دوست دو دشمن کی مدد کی کہ سب اس کا کلمہ پڑھنے لگے۔ اس طرح قحط و خشک سالی بھی صمیل بن حاتم کی سیاسی برتری کی موجب بنی۔

اسپین میں مسلمانوں کی خانہ جنگی جاری تھی تو عیسائیوں کو اپنے آپ کو منظم کرنے اور مسلمانوں کے شہروں پر قبضہ کرنے کا موقع مل گیا۔ جلیقیہ کے الفانسو نے مشرق و جنوب کے بہت سے علاقے پر قبضہ کرلیا جن میں لیون، سمورہ، اشتورقہ اور قستالیہ شامل تھے۔ ان شہروں کے مسلمانوں نے گو سخت مقابلہ کیا لیکن کچھ نہ کرسکے۔ بہت سے ہجرت کرگئے اور جو نومسلم تھے انہوں نے دوبارہ عیسائیت قبول کرلی۔ فرانس کا پورا علاقہ سوائے ناربون (اربونہ) کے مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ الفانسو نے چوتھائی اسپین مسلمانوں سے چھین لیا۔ مسلمانوں کو غلام بنایا اور مسلمان عورتوں کو اپنے محل میں داخل کیا۔ قحط و خشک سالی نے اس کے بڑھتے ہوئے قدموں کو روک دیا ورنہ وہ تمام اسپین کو آزاد کرانے کا خواب دیکھ رہا تھا۔ ۱۴۰ھ مطابق ۷۵۷ء میں الفانسو مرگیا اور اس کا بیٹا تخت پر بیٹھ گیا۔ یہ وہ زمانہ ہے جبکہ اموی شہزادہ عبدالرحمٰن الداخل اسپین میں داخل ہوا اور ایک نئی اموی حکومت کی بنیاد ڈالی۔

مشرق میں خلافت بنو امیہ کو زوال آچکا تھا اور عباسی پرچم لہرا رہا تھا۔ عباسیوں کی کامیابی کی

خبریں افریقہ سے اسپین پہنچ چکی تھیں۔ یوسف اور صمیل بنو امیہ سے خاص تعلق رکھتے تھے۔ اس لئے عباسیوں کی طرف داری کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔ البتہ جو لوگ ان دونوں کے مخالف تھے ان کو اس بات کا موقع مل گیا کہ عباسیوں کی طرفداری کا بہانہ بنا کر ان دونوں کے خلاف کارروائی کریں۔ یمانی قدرتاً عباسیوں کے طرف دار تھے۔ ان ہی کے ایک قائد حباب زہری نے اسپین میں سب سے پہلے عباسی علم لہرایا اور یمانیوں کی مدد حاصل کرنے کے لئے سر قسطہ کی طرف چل پڑا۔ دوسری طرف قرطبہ میں حضرت مصعب بن عمیرؓ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے ایک فرد عامر عبدری نے خاموشی سے عباسی خلیفہ المنصور کو خط لکھ کر اپنے لئے اسپین کی ولایت کا حکم اور عباسی علم منگوالیا۔ اس کے بعد اس نے قرطبہ کے مغربی حصے میں بتدریج ایک مستحکم قلعہ کی تعمیر کی تاکہ قلعہ بند ہو کر عباسی علم بلند کرے۔ یوسف کی فوجی طاقت اس وقت نہ ہونے کے برابر تھی۔ صمیل نے اس کو مشورہ دیا کہ عامر کو فوراً قتل کروا دے۔ عامر کو جب یہ اطلاع ہوئی تو وہ بھاگ کر سر قسطہ چلا گیا تاکہ یمانیوں کی مدد حاصل کرے۔ حباب زہری اور عامر ایک دوسرے سے مل گئے اور عباسی خلافت کی دعوت دینا شروع کی۔ ان کے گرد لوگوں کی ایک کثیر تعداد جمع ہو گئی۔ صمیل نے انہیں ایک دفعہ منتشر کر دیا لیکن دوبارہ عامر اور حباب نے شہر سر قسطہ کا محاصرہ کر لیا صمیل نے کمک کے لئے یوسف کو لکھا وہ خود ہی مجبور بیٹھا تھا۔ صمیل نے بنو قیس کو مدد کے لئے بلایا۔ بنو قیس کے سردار عبداللہ بن علی کلابی کی انتہائی کوششوں سے بہت سے قبائل عامر عبدری یعنی خلافت بنو عباس کے داعی کے خلاف ہو گئے۔ اس زمانے میں اموی شہزادہ عبدالرحمٰن کا قاصد بدر بھی آیا ہوا تھا اور بنو امیہ کے خیر خواہوں سے امداد و اعانت کا وعدہ لے رہا تھا۔ بنو امیہ کے اکابر ابو عثمان عبیداللہ بن عثمان عبداللہ بن خالد اور یوسف بن بخت تھے۔ چونکہ یہ لوگ بنو امیہ کی حکومت کے قیام کے خواہش مند تھے اور شہزادہ عبدالرحمٰن کو بلانے کی راہ ہموار کر رہے تھے۔ چنانچہ ان کا ان عباسی علمبرداروں کو ختم کرنے میں ساتھ دینا ضروری تھا۔ تاکہ بنو امیہ کی حکومت کے قیام میں کوئی رکاوٹ نہ رہے۔ انہوں نے یوسف اور صمیل کا ساتھ دیا اور ایک بڑا لشکر صمیل کی مدد کے لئے سر قسطہ کی طرف چلا۔ عامر کو جب اس لشکر کی خبر ہوئی تو وہ محاصرہ اٹھا کر چلا گیا۔ اس طرح صمیل کو محاصرین سے نجات ملی۔ اس اثناء میں یوسف نے صمیل کو ولایت طلیطلہ پر روانہ کر دیا۔ جیسے ہی صمیل سر قسطہ سے ہٹا عامر اور حباب نے شہر پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور عباسی پرچم سر قسطہ پر لہرانے لگا۔

جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام کا قاصد بدر اس وقت بنوامیہ کے اکابرین کے پاس آیا ہوا تھا تاکہ شہزادے کے لئے راہ ہموار کرے۔ علاوہ ازیں بنوامیہ کے موالی بھی شہزادے کو بلانے کے خواہشمند تھے لیکن ان کو یوسف کی طرف سے ڈر تھا کہ وہ ایسا نہ ہونے دے گا۔ البتہ صمیل چونکہ بنوامیہ کا قدیم جانثار تھا اس لئے اس پر اعتماد تھا کہ وہ اول تو شہزادے کو بلانے میں مدد دے گا اور اگر مدد نہ بھی دے تو کم از کم یہ راز افشا نہ کرے گا۔ چنانچہ صمیل سے تخلیہ میں ان سرداروں نے بات کی اور صمیل نے جواب دیا کہ معاملہ اہم ہے غور کرکے جواب دے گا۔ اسی اثناء میں یوسف نے اپنی فوجی طاقت بہتر کرلی اور وہ سرقسطہ کو بنوعباس کے علمبرداروں سے نجات دلانے کے لئے روانہ ہوا۔ اس نے بنوامیہ کے اکابرین ابوعثمان اور عبداللہ بن خالد کو بھی اس لڑائی میں شامل ہونے کے لئے طلب کیا اس وقت تک اموی شہزادہ کو اسپین میں تخت نشین کرنے کی تحریک منظم ہو چکی تھی لیکن یوسف اس سے ناآشنا تھا۔ ابوعثمان اور عبداللہ بن خالد نے بہانہ بنایا کہ ان کی حالت صمیل کی مدد کرنے کی وجہ سے بہت ابتر ہو چکی ہے اور ان پر فاقہ کشی کی نوبت ہے اس لئے وہ کسی مہم کے لئے تیار نہیں۔ یوسف نے دس ہزار دینار دیئے تاکہ وہ اپنی حالت درست کرکے لڑائی میں شریک ہوں۔ یہ لوگ رقم لے کر اور لڑائی میں شرکت کا وعدہ کرکے چلے گئے۔ یوسف قرطبہ سے چلا اور حسب وعدہ جیان میں اموی سپاہ کا انتظار کیا۔ ابوعثمان اور ابن خالد تنہا حاضر ہوئے اور فوج کے دیر سے آنے کا بہانہ بنایا۔ یوسف نے سادگی سے ان کو واپس کردیا اور فوج کے ساتھ آنے کی ہدایت کی۔ پھر یہ لوگ صمیل سے ملنے گئے اور اس سے عبدالرحمٰن بن معاویہ کے معاملے پر رازدارانہ گفتگو کی۔ پہلے تو صمیل راضی ہو گیا پھر انکار کردیا۔ صمیل کی اس متذبذب کیفیت نے اس تحریک کو پھلنے پھولنے کا خاصا مواقع فراہم کیا۔[1]

یوسف نے طلیطلہ پہنچ کر پھر بنوامیہ کا انتظار کیا۔ صمیل کو ہر چیز کا علم تھا لیکن رازداری کا وعدہ کر چکا تھا اور یوسف سے ناراض تھا اس لئے خاموش رہا اور یوسف کو وقت کی کمی کا احساس دلا کر سرقسطہ کی طرف چلا۔ یوسف جیسے ہی سرقسطہ پہنچا سرقسطہ والوں نے اطاعت پر آمادگی ظاہر کی۔ یوسف نے باغی سرداروں عامرؓ اس کے بیٹے وہب اور حباب زہری کو اہل سرقسطہ سے طلب کیا۔ اہل سرقسطہ نے ایسا ہی کیا۔ یوسف نے ان قریشی سرداروں کو قتل کرنا چاہا لیکن بنوقیس کے سرداروں نے ان کے قتل کی مخالفت کی جس کی بناء پر ان کو صرف قید کردیا گیا۔ (یوسف اور صمیل کی بقیہ تفصیل عبدالرحمٰن الداخل کے باب میں ملاحظہ کیجئے)

---

[1] تاریخ اندلس۔ جلد ا صـ ۲۱۵

دورِ ولایت کا جائزہ

سیاسی نوعیت

ولایت اسپین کی حیثیت حکومت افریقہ کے ایک صوبے کی سی تھی کیونکہ افریقہ ہی سے اسے فتح کیا گیا تھا اور افریقہ کے قریب بھی تھا اس لئے خلافت دمشق نے اس کو والی افریقہ کے تحت کر دیا تھا یہاں کے گورنر کو امیر کہتے تھے۔ امیروں کا تقرر افریقہ ہی سے ہوتا تھا لیکن تنازعہ کی صورت میں خلافت دمشق سے بھی امیر مقرر کر دیا جاتا تھا جس طرح عبدالرحمان بن عبداللہ غافقی کا تقرر ہوا تھا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ اسپین کے مسلمان کسی شخص کو اپنا امیر بنا لیتے تو اس کی امارت کی توثیق افریقہ سے ہو جاتی ورنہ کوئی دوسرا امیر مقرر کر کے بھیج دیا جاتا۔ بعض اشخاص طاقت کے بل بوتے پر مستولی (زبردستی قبضہ کرنا) ہو جاتے۔ عموماً ان کی توثیق بھی افریقہ سے ہو جاتی۔ امیر اپنے صوبے کا آزاد حکمران ہوتا تھا لیکن اس کو اقتدار اعلیٰ حاصل نہ ہوتا تھا۔ اکثر امیر حکومت چلانے کے لئے مجلس مشاورت بھی قائم کر لیتے لیکن وہ اس کے فیصلوں کے پابند نہ ہوتے تھے۔ افریقہ کی حکومت کو اسپین پر آمرانہ حقوق حاصل تھے۔ اس طرح سے اسپین خلافت اور ولایت افریقہ دونوں کے ماتحت تھا۔ چنانچہ امیر اسپین کو آزاد سیاست کا موقع نہ ملتا تھا جس کی وجہ سے ملکی ترقی کے منصوبے پایہ تکمیل تک نہ پہنچ پاتے۔

قبائلی کشمکش

بنو امیہ نے اپنی ابتداء قبائلی عصبیت سے کی تھی اور انہوں نے عربی تہذیب کو پورے عروج پر پہنچایا تھا۔ عربی دور جاہلیت کی روایات بھی از سر نو زندہ ہو چکی تھیں۔ سارے خلفائے بنو امیہ کا یہ دستور رہا تھا کہ مختلف قبائل کو آپس میں متحد نہ ہونے دیتے تھے۔ کسی ایک قبیلے کو سہارا دے کر دوسرے قبیلے کے خلاف بھڑکا دیتے۔ خود بنو امیہ بھی قبائلی عصبیت سے پاک نہ تھے۔ یہاں پر عربی عصبیت کا جائزہ لینا ضروری ہو گا۔ تاکہ اسپین کی قبائلی کشمکش کی وضاحت ہو سکے۔ ہزاروں سال سے شمالی عرب اور جنوبی عرب کے درمیان رقابت چلی آتی تھی۔ اس کی کیا وجوہات تھیں؟ اس کا تذکرہ مختصراً بیان کیا جا چکا ہے۔ البتہ ابن خلدون کے قول کے مطابق عربوں کی قبائلی عصبیت کے یہ سارے کرشمے تھے۔ یہ قبائلی اور طبقہ واری عصبیت مختلف زمانوں میں مختلف نام اختیار کرتی گئی۔ ابتدا میں اس کا نام قحطانی (جنوبی عرب کے قبائل) اور عدنانی (شمالی عرب کے قبائل) تھا۔ عہد

جاہلیت تک یہ اسی نام سے موسوم رہے۔ ان دونوں قبیلوں کی عصبیت کی وجہ سے آپس میں اس قدر خون آشام جنگیں ہوئیں کہ بہت سے چھوٹے چھوٹے قبیلوں کا نام و نشان تک مٹ گیا اور بہت سی چھوٹی چھوٹی حکومتیں فنا ہو گئیں۔ قبائلی عصبیت میں کچھ عجیب قسم کا سرور تھا کہ عاقل سے عاقل اور ہوشمند سے ہوشمند شخص بھی اس سے اپنے آپ کو نہ بچا سکتا اور وہ تمام اخلاق' انسانیت اور اعلیٰ خوبیوں کو ایک طرف رکھ کر قبائلی آن بان اور عزت و حرمت پر اپنا سب کچھ قربان کرنے پر آمادہ ہو جاتا۔ یہی حال قبائل کا ہوتا۔ اگر کسی قبیلے کے کسی فرد پر کوئی آنچ آتی تو سارے قبیلے کی عزت کا سوال بن جاتا اور پورا قبیلہ اس فرد کی طرفداری میں اٹھ کھڑا ہوتا۔ اسلام نے قبائل کی عصبیت کو مذہب کی عصبیت کا رنگ دے دیا۔ لیکن یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ عرب کے سارے قبائل اپنی عصبیتوں کو چھوڑ کر مذہبی عصبیت اختیار کر چکے تھے۔ اس کا ثبوت خلیفہ راشد اول کے زمانہ خلافت میں عرب کی عام بغاوت تھی۔ البتہ یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اسلام کی یہ اصلاحی کوشش بڑی دور رس اثرات کی حامل تھی جس پر عمل پیرا ہو کر خلیفہ راشد دوم نے اپنے عہد میں عظیم فتوحات کر کے یہ ثابت کر دیا کہ مذہبی عصبیت کو قابل عمل بنایا جا سکتا ہے۔ اس عہد کی عظیم فتوحات نے جہاں اسلام کو ساری دنیا میں پھیلا دیا وہاں عربی تہذیب کو بھی جنم دیا لیکن یہ عربی تہذیب ابھی نوزائیدہ تھی اور اس میں عربی برتری کا بڑا ہاتھ تھا۔ اس وقت تک دور جاہلیت کی روایات اور عصبیت سے اس کا کوئی خاص تعلق نہ تھا۔ لیکن دشمنان اسلام' منافقین اور وہ افراد جو نوزائیدہ عربی تہذیب کے شکار تھے اس فکر میں تھے کہ عربوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کر کے ان کی روز افزوں ترقی کو روک دیں۔ انہوں نے اپنی مکروہ اور گندی سیاست کے ذریعے اس نوزائیدہ عربی تہذیب میں دور جاہلیت کا رنگ بھرنا شروع کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عربوں کے ذہنوں سے دولت' عصبیت اور عربی قومیت کے تصور نے اس بات کو نکال دیا کہ وہ اسلامی تہذیب کے علمبردار ہیں۔ اس قبائلی عصبیت کی شدت خلیفہ راشد سوم کی شہادت کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ اس کے بعد اس قبائلی عصبیت نے اس قدر رنگ بدلے کہ جس کی مثال مشکل سے ملتی ہے۔ قحطانی اور عدنانی سے اب وہ کلبی اور قیسی بن گئے اور مسلمانوں کی تلواریں خود مسلمانوں کی گردنوں پر چلنے لگیں۔ یہاں تک کہ خلافت راشدہ ختم ہوئی اور بنو امیہ کے سیاستدانوں نے مسلمانوں کی سیاسی باگ ڈور سنبھالی۔ یہ خود بری طرح عصبیت کا شکار اور عربی تہذیب کے دلدادہ تھے۔ عہد جاہلیت میں بھی یہ کسی سے پیچھے نہ تھے اس لئے عربوں نے خصوصاً قریش نے شروع ہی سے انہی کو سرداری سونپی تھی۔ بنو امیہ خوب جانتے تھے کہ خلافت راشدہ کو قائم رکھنا ان کے بس

میں نہیں۔ کیونکہ اس سے ان کی دنیاوی خواہشات پوری نہ ہوتیں۔ صرف یہ ایک راستہ انہیں اپنی امارت کو قائم رکھنے کا ملا تھا کہ وہ قحطانی اور عدنانی میں سے کسی ایک کو وقتاً فوقتاً دھت رکھیں۔ اس سے دو فائدے تھے ایک تو دونوں قبیلوں کے درمیان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اختلافات قائم رہیں گے جو بادشاہت کے لئے ہمیشہ فائدہ مند ثابت ہوں گے۔ دوسرے یہ کہ حلیف قبیلے کی افرادی طاقت سے فائدہ اٹھانے کا موقع مل جائے گا اور ہر آنے والے خطرے پر اور دیگر ممالک کی فتوحات میں ان سے فائدہ اٹھایا جاسکے گا۔ غرض اس طرح بنو امیہ نے سیاست کو قبائلی عصبیت کے سہارے چلایا۔ انہوں نے عربی تہذیب کی پوری نشوونما کی یہاں تک کہ غیر عربوں کا خون تک اس کی بنیادوں میں ڈالنے سے دریغ نہ کیا۔ اس طرح بقول ولہاوزن "بنو امیہ کی حکومت نہ تو اسلامی رہی اور نہ مسلمانوں کی بلکہ عربوں کی ہو کر رہ گئی جس میں غیر عرب مسلم کا کوئی حصہ نہ تھا۔" یہی وجہ تھی کہ جب کہیں اور جہاں کہیں بھی غیر عرب مسلم، نومسلم یا غیر مسلم کو موقع ملا انہوں نے صرف بنو امیہ کے خلاف ہی نہیں بلکہ عربوں کے خلاف بھی بغاوت کرنے میں جھجک محسوس نہ کی۔ بنوامیہ کی داستان زوال کا سبب بھی یہی قبائلی منافرت اور کشمکش تھی۔

جس طرح ایران، خراسان، سندھ، عراق اور دیگر اسلامی حکومت کے صوبے عہد بنو امیہ کے بڑے حصے میں قبائلی جنگ کی آماجگاہ بنے رہے۔ اسی طرح نو مفتوحہ صوبہ اسپین بھی اس سے الگ نہ رہ سکا۔ اسپین کے ساتھ ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس ملک کو فتح کرنے والوں میں عرب اتنے آگے نہ تھے جتنے کہ افریقہ کے بربر۔ یہ بربر عربوں سے آزادی و حریت میں کسی طرح پیچھے نہ تھے۔ البتہ بربروں میں قبائلی عصبیت اس قدر وحشیانہ انداز میں موجود نہ تھی جس قدر کہ عربوں میں تھی۔ اس کی دو وجوہ ہو سکتی ہیں یا تو یہ کہ وہ فطرتاً اتحاد پسند تھے اور اسلام سے قبل بھی ایک بادشاہ کے تحت متحد ہو جاتے تھے یا پھر یہ کہ عربوں کے تحقیر آمیز رویئے نے ان کی عصبیت کو وقتی طور پر دبا کر ان کو اتحاد پر مجبور کر دیا تھا۔ اسی اتحاد کی بدولت بربروں نے عرصہ دراز تک عربوں کے خلاف بغاوتوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ لیکن جب حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ان کو اسلام کی طرف بلایا تو حق تو یہ ہے کہ ان کا اسلام بھی اس وقت کے عربوں سے کہیں زیادہ پختہ تھا۔ بہر حال اسپین کی فتح انہی کے ہاتھوں ہوئی تھی اور طارق بن زیاد بھی انہی میں سے تھا۔ اس لئے وہ مساویانہ حقوق کے صحیح معنوں میں حقدار تھے۔ برخلاف اس کے ان کو عربوں کی طرف سے نفرت اور ذلت کے سوا کچھ نہ ملا۔ جس کی وجہ سے انہوں نے اکثر عربوں کے خلاف تلوار اٹھانے سے دریغ نہ کیا۔ اگر عرب بربروں کو مساویانہ

حقوق دے دیتے اور ان سے تحقیر آمیز سلوک نہ کرتے تو یورپ کی تاریخ کچھ اور ہوتی۔ عربوں نے ایسا کیوں نہ کیا؟ کیا وہ اتنی معمولی بات نہ سمجھتے تھے؟ اس کی وجوہات اوپر بیان کی گئی ہیں کہ:

۱۔ وہ خود آپس میں قبائلی منافرت اور کشمکش کا شکار تھے۔

۲۔ حکومت کی پالیسی قبائلی عصبیت کی بنیاد پر تھی۔

۳۔ کچھ ایسے واقعات بھی ہو چکے تھے جن کے سبب عربوں میں گروہ بندیاں شروع ہو گئیں۔ مثلاً واقعہ کربلا' واقعہ حرّہ وغیرہ۔ ان واقعات نے ان گروہوں کو بھی عربی عصبیت کے سہارے پروان چڑھنے میں مدد دی۔ الغرض عرب کے قبائل کا اتحاد مفقود تھا۔ قیسی و کلبی تو الگ رہے۔ اسپین میں آتے ہی وہ یمانی' مضری' مدنی یا حجازی و شامی اور نہ جانے کیا کیا بن گئے۔ حکومت افریقہ چونکہ براہ راست اسپین کے معاملات کی مالک تھی اس لئے اسپین پر اس کے اثرات کا پڑنا لازمی تھا چنانچہ ہم نے دیکھا کہ کس طرح امراء اسپین کی تقرری اور معزولی افریقہ کے والیوں کے ہاتھوں ہوتی رہی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کسی ایک امیر کو اس قدر موقع نہ مل سکا کہ ملک کی ترقی اور استحکام میں انہماک سے کام کرتا۔ سلیمان بن عبدالملک کے ہاتھوں موسیٰ بن نصیر' طارق بن زیادہ اور عبدالعزیز بن موسیٰ کے عبرتناک انجام نے باصلاحیت افراد کو میدان عمل سے دور کر دیا۔ چنانچہ ۲۱ کے قریب اسپین کے امیروں میں چند گنتی کے امیر ایسے نظر آتے ہیں جو باصلاحیت کہے جاسکتے ہیں لیکن وہ بھی قبائلی عصبیت کا شکار ہوئے بغیر نہ رہے۔

اس عرب قبائلی کشمکش اور منافرت نے جہاں اسپین کی ولایت کی ترقی و تنزلی پر اثر ڈالا۔ وہاں آگے چل کر ایسی خوفناک قبائلی دشمنی قائم ہوئی کہ جس کی مثال عرب جاہلیت کے سوا اسلام میں نہیں ملتی۔ اس قبائلی دشمنی کے دوہرے نتائج نکلے ایک تو بربروں کی بغاوت اور ان کا حلقہ اطاعت سے نکل جانا تھا جس کے نتیجے میں بڑی خونریز لڑائیاں ہوئیں اور اسپین کو فتح کرنے والے یہ بہادر بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کر دیئے گئے۔ جس سے اسپین کی فوجی طاقت میں ایک زبردست خلاء پیدا ہو گیا اور ایک وقت تو ایسا بھی آیا کہ امیر یوسف بن عبدالرحمٰن کو اپنے حفاظتی دستے کے لئے پچاس سپاہی بھی ملنا مشکل ہو گئے۔ دوسرے یہ کہ اس کشمکش کے دوران عیسائیوں کو اپنی تنظیم کا موقع مل گیا اور وہ پلایو کی قیادت میں متحد ہو گئے۔ گو ابتداء میں ان کی طاقت کو منتشر کر دیا گیا تھا لیکن جب مسلمانوں کی خانہ جنگیاں عروج پر پہنچیں تو حکومت جلیقیہ کے بانی پلایو کے جانشین الفانسو نے اسپین کے چوتھائی حصہ تک قبضہ کر لیا جس کے اثرات آئندہ ہونے والی دولت امویہ پر بھی قائم رہے اور شمالی

اسپین کا پہاڑی حصہ عیسائیوں کے قبضے میں اور جنوبی اسپین مسلمانوں کے پاس رہا۔ جب بھی مسلم حکومت کمزور ہوتی عیسائی جنوب کے علاقے کو تخت و تاراج کرنے لگتے۔ جب کوئی طاقتور حکمراں تخت اسپین پر آجاتا تو عیسائیوں کو پیچھے ہٹا دیتا۔ اس طرح دو متوازی حکومتیں اسپین میں قائم رہیں۔ آخر کار جیت عیسائیوں کی ہوئی اور انھوں نے جنوبی اسپین سے مسلمانوں کو نکال باہر کیا۔

نظم و نسق

اسپین میں مقرر کردہ امیر سیاسی اور فوجی دونوں شعبوں کا مقتدر اعلیٰ ہوتا تھا۔ انتظام حکومت اس طور پر قائم کیا گیا تھا جس طرح کہ دیگر خلافت دمشق کے صوبوں کا تھا۔ یہ سارا نظام امیر کے ماتحت ہوتا تھا۔ ملک کو مختلف صوبوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ہر صوبے میں ایک حاکم اور نائب حاکم مقرر کیا جاتا اور اس کا کام آمدنی وصول کرنا، امن و امان قائم رکھنا اور بوقت ضرورت مرکز کو فوج فراہم کرنا تھا۔ علماء و فضلاء کا تقرر کتابت کے محکمے سے کیا جاتا تھا۔ خراج وصول کرنے کے لئے عام طور پر مقامی لوگوں کو ہی مقرر کیا جاتا تھا۔ جس کو قومش کہتے تھے[1] شہروں میں پولیس کا بھی خاصا انتظام تھا اور شہر کوتوال کا بھی عہدہ موجود تھا۔ البتہ محتسب کے عہدے کا پتہ نہیں چلتا کہ آیا قائم تھا یا نہیں۔ قیاس یہی کہتا ہے کہ موجود نہ تھا اس لئے کہ مذہبی معاملات سے امیران اسپین کا کوئی تعلق نہ تھا۔ بڑے شہروں میں عدالتیں قائم تھیں، جن میں دیوانی و فوجی مقدمات کے فیصلے ہوتے تھے۔ عدالت میں مسلمان جج کے ساتھ ایک عیسائی پادری کو بھی بٹھایا جاتا جو مسیحی قانون کے مطابق جج کو مشورہ دیتا تھا۔ البتہ بہت سے شہر ایسے تھے جہاں عیسائیوں کی عدالتیں بھی جدا ہوتی تھیں۔ امیر اندلس خود بھی مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے۔ اپیل کرنے کے لئے افریقہ کے والی کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔

ولایت کا مالیاتی نظام مکمل طور سے مرکزی نظام کا چربہ تھا۔ آمدنی کے ذرائع حسب ذیل تھے۔

۱۔ خمس (مال غنیمت کا پانچواں حصہ) زکوٰۃ، عشر، خراج، جزیہ، فے اور دیگر محاصل جیسے کہ بندرگاہ پر محاصل یا کلیسائی اوقاف کے محاصل وغیرہ سب سے بڑی آمدنی خمس کی تھی لیکن جب جہاد رک گیا تو یہ آمدنی تقریباً نہ ہونے کے برابر ہوگئی۔ زکوٰۃ صاحب مال مسلمانوں پر فرض تھی اور انہیں سالانہ ادا کرنی پڑتی تھی۔ عشر مسلمانوں کی زراعت شدہ زمینوں پر وصول کیا جاتا تھا۔ یہ ان کی کل پیداوار کا ۱/۱۵ حصہ ہوتا تھا لیکن یہ بہت کم تھا اس لئے کہ مسلمان زراعت کی طرف بہت کم توجہ دیتے تھے۔

---

[1] عبرت نامہ اندلس۔ جلد ۱ صفحہ ۱۴

البتہ مسلمانوں کی حکومت نے سرف کاشتکاروں کے حق کاشت کو محفوظ رکھا۔ یہ بتایا جاچکا ہے کہ سرف اور غلاموں کو مسلمانوں کی حکومت سے جس قدر فائدہ پہنچا وہ کسی دوسرے کو نہیں پہنچا۔ وہ زمینوں کے موروثی مالک قرار پائے۔ بقول ڈوزی "سرف کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ جس طرح زراعت کرتے آئے ہیں اسی طرح اپنا کام جاری رکھیں اور جو فصل پیدا کریں اس کے پانچ حصے کرکے ۴ حصے مسلمانوں کو دیں اور ایک حصہ اپنے صرف میں لائیں[1]" لیکن شاہی زمینوں پر جو سرف آباد تھے ان کے لئے یہ اصول نہ تھا بلکہ وہ پیداوار کا ایک تہائی ادا کرتے تھے۔ پہلے تو یہ رقم بیت المال میں جمع ہوجاتی تھی لیکن بعد میں یہ طریقہ بدل دیا گیا کیونکہ بہت سی شاہی زمین بطور جاگیر ان عربوں میں تقسیم کردی گئی تھی جو بعد میں اسپین میں آکر آباد ہوئے تھے۔ مثلاً وہ عرب جو امیر اسپین سمح ابن مالک خولانی کے ساتھ آئے تھے یا وہ شامی جو بلج بن بشر کے ساتھ آئے تھے۔ چنانچہ یہ تہائی حصہ ان جاگیرداروں کو ادا کیا جانے لگا۔ یہ محصول صرف فصلوں پر تھا۔ باغات اس سے مستثنیٰ تھے۔ خراج ہر علاقے میں زمین کی حیثیت کے مطابق لگایا گیا تھا۔ جو عیسائی مسلمان ہوجاتے ان پر جزیہ معاف ہوجاتا لیکن خراج وہ بدستور دیتے تھے[2]۔ فوجی خدمات کے معاوضے میں عیسائیوں کو جزیہ ادا کرنا پڑتا تھا۔ جس کی شرح امیروں کے لئے ۴۸ درہم سالانہ، متوسط الحال لوگوں کے لیے ۲۴ درہم سالانہ اور مزدوروں اور پیشہ وروں کے لئے ۱۲ درہم سالانہ تھی۔ عورتیں، بچے، عیسائی راہب، اپاہج اس سے مستثنیٰ تھے۔ جو عیسائی مسلمان ہوجاتے ان سے جزیہ کی رقم نہیں لی جاتی تھی لیکن ایسا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ آیا وہ یہودی جو فوجی خدمات ادا نہیں کرتے تھے ان سے بھی جزیہ لیا جاتا تھا یا نہیں کیونکہ یہودیوں نے عیسائیوں کے خلاف مسلمانوں کی مدد کی تھی اور مکمل اطاعت کا اظہار کیا تھا۔ اس لئے ممکن ہے ان کو جزیہ سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا ہو۔ البتہ ان سے خراج لیا جاتا تھا۔

بیت المال صرف قرطبہ میں قائم تھا جہاں ساری وصول شدہ رقم جمع کی جاتی تھی۔ دیگر شہروں میں بیت المال کا پتہ نہیں چلتا۔ البتہ زکوٰۃ اور خراج وصول کرنے والوں کی نامزدگی کا پتہ چلتا ہے۔ یہاں تک کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے کہنے پر جب سمح بن مالک خولانی نے مالیات کو شرعی حدود میں رکھا تب بھی بیت المال صرف قرطبہ ہی میں تھا۔ جہاں تک اخراجات کا تعلق تھا ملک کے کسی صوبے کے حاکم کو اس کے اختیارات نہ تھے کہ وسیع پیمانے پر اخراجات کرے۔ اس کو وسیع اخراجات کے لئے امیر اسپین سے اجازت لینی ضروری تھی۔ البتہ امیر اسپین حسب ضرورت رقم

[1] عبرت نامہ اندلس۔ جلد اص۱۰۴ [2] عبرت نامہ اندلس جلد اص۱۱۲

تعمیرات، فوجی اخراجات اور کارکنوں کی تنخواہوں وغیرہ میں خرچ کر سکتا تھا۔ موسیٰ بن نصیر کے بعد کوئی رقم اسپین سے نہ تو افریقہ بھیجی گئی اور نہ دمشق البتہ سمح بن مالک نے بہت بڑی رقم دمشق بھیجنے کے لئے جمع کی تھی لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز کے انتقال کی خبر سن کر وہ بھی روک دی گئی اور تعمیرات وغیرہ پر خرچ کردی گئی۔ اس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اسپین کی آمدنی اسپین پر خرچ کردی جاتی تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ حسب ضرورت والی افریقہ رقم طلب کرلے جیسا کہ افریقہ میں بربروں کی بغاوت کے وقت والی افریقہ نے عقبہ بن حجاج سلولی کو بھاری رقم کے ساتھ طلب کیا تھا تاکہ بغاوت فرو کی جاسکے۔ ملک کی زرخیزی کے لئے عبدالعزیز بن موسیٰ کے زمانہ سے ہی ایسے طریقے اختیار کئے گئے تھے کہ جن سے زراعت میں ترقی ہو اور کاشتکار محنت سے کام کریں۔ اسپین چونکہ ایک زرعی ملک تھا اس لئے اس کی آمدنی کا دارومدار زراعت پر ہی تھا۔ سرف کاشتکاروں کو وہ زمینیں جن پر وہ پہلے ہی کاشت کرتے تھے موروثی طور پر دے دی گئی تھیں۔ البتہ جس کی جاگیر میں وہ زمینیں ہوتی تھیں وہ ان سے خراج وصول کرتا تھا لیکن ان کو برطرف نہیں کر سکتا تھا۔ قحط یا خشک سالی کے دور میں حکومت کی طرف سے امدادی رقم اور نقد امداد بھی دی جاتی تھی۔ حکومت کے کارندے خود جاکر ان سے لگان وصول کرتے تھے۔ پیداوار کو شہروں تک لانے کے لئے ذرائع نقل و حمل کی ذمہ داری حکومت کی تھی جس کے لئے سڑکیں، پل حکومت کی طرف سے تعمیر کئے گے تھے۔ شہروں میں بڑی بڑی منڈیاں بنوائی گئیں تھیں جن میں کاشتکارں کے ٹھہرنے کا انتظام بھی کیا گیا تھا۔ اس سے تجارت کو بھی فروغ ہوا اور اندرون ملک تجارت ترقی کرتی گئی۔ ملک میں صنعتی ترقی کی بنیاد ڈالی گئی۔ اسلحہ خانے، کپڑا بنانے کے کارخانے، سوت بنانے کے کارخانے اور برتن وغیرہ بنانے کے کارخانے بھی کھولے گئے۔ ساحلی علاقوں پر جو شہر تھے ان میں خاص طور پر مختلف قسم کے کارخانے کھولے گئے۔ بحری تجارت بھی ہوتی تھی اور الخضراء کی بندرگاہ سے جہازوں پر سامان لادا جاتا تھا۔ اس بات کا پتہ نہ چل سکا کہ الخضراء کے علاوہ بھی کوئی ایسی بندرگاہ تھی جہاں سے بحری تجارت ہوتی تھی لیکن الخضراء اور افریقہ کے شہر تبخیر کے درمیان بحری تجارتی کا پتہ ملتا ہے[1]

عسکری تنظیم

دور ولایت میں اسپین بڑی حد تک فوجی صوبہ تھا اس لئے نظم و نسق میں فوج کا خاص طور پر

[1] تجارت اور زراعت کی تفصیل کے لیے دیکھیے "اندلس کا تاریخی جغرافیہ" از عنایت اللہ

خیال رکھا جاتا تھا۔ فوج کا پورا نظام قبائلی طرز پر تھا اس لئے حسب ضرورت قبائل کے سردار اپنی فوج لے کر آجاتے تھے۔ اسپین کے صوبوں کے حاکم بھی اپنی فوج رکھتے تھے جو طلب کرنے پر امیر اسپین کے پاس بھیجی جا سکتی تھی۔ فوج دو حصوں میں منقسم تھی ایک پیدل اور دوسری سوار۔ دونوں میں عرب اور بربر شامل ہوتے تھے۔ البتہ بعد میں مولدین (نومسلم عیسائی) بھی فوج میں شامل کئے جانے لگے تھے۔ ہر قبیلہ میں ایک صاحب الرجالہ الخیل ایک صاحب اور ایک علمبردار بھی ہوتا تھا۔ صوبہ کا حاکم اکثر ان ہی افراد کو بنایا جاتا تھا جن کا قبیلہ اس صوبے میں آباد ہوتا اور وہ ہی سپہ سالار بھی ہوتے تھے۔ البتہ مشترکہ فوجی مہم میں سپہ سالار امیر اسپین ہوتا تھا یا وہ اپنی جگہ کسی ممتاز شخصیت کو نامزد کر دیتا۔ عربی اور بربر عصبیت کا خاص طور پر لحاظ رکھا جاتا تھا تاکہ سپاہ بگڑنے نہ پائے۔ جنگ کرنے کا طریقہ پرانا ہی تھا۔ مقدمتہ الجیش، میمنہ، میسرہ، قلب اور ساقہ کی تراکیب استعمال کی جاتی تھیں۔ سردار کے شہید ہوتے ہی عموماً فوج پسپا ہو جاتی تھی۔ سپاہ میں جہاد کا شوق کم اور مال غنیمت کا شوق زیادہ تھا۔ یہ مال غنیمت ہی کا لالچ تھا کہ بعض مواقع پر مسلمان جیتی ہوئی جنگ بھی ہار گئے تھے۔ باقاعدہ فوج کم تھی جو عموماً قرطبہ ہی میں رہتی تھی۔ عام طور پر فوج کو تنخواہیں نہ دی جاتی تھیں بلکہ مال غنیمت ہی ان کو ملتا تھا۔ البتہ باقاعدہ فوج کو تنخواہ دی جاتی تھی۔ مرنے کے بعد سپاہی کے ورثاء کو پنشن وغیرہ دینے کا دستور نہ تھا۔ جس قبیلے کا وہ فرد ہوتا وہ قبیلہ اس کے ورثاء کا کفیل ہوتا تھا کیونکہ عرب و بربر پیدائشی جنگجو ہوتے تھے اس لئے کسی قسم کی فوجی مشقوں یا پریڈ کا کوئی طریقہ نہ تھا۔ البتہ سرحدی قلعوں میں جو فوج متعین کی جاتی تھی اس کی تربیت کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ جگہ جگہ قلعے تعمیر کئے گئے تھے اور مسلمانوں کو ان قلعوں میں آباد کیا گیا تھا۔ سرحدی قلعے کے حاکم کو وسیع اختیارات اور مراعات دی جاتی تھیں تاکہ دشمن سے نمٹ سکے۔

موسیٰ بن نصیر نے کچھ فوجی قوانین بھی وضع کئے تھے۔ مثلاً ملک کو تباہ و برباد نہ کیا جائے۔ حملے فوجی طریقے کے مطابق صرف ملک گیری کے لئے ہوں۔ رعایا کے مذہبی جذبات کا پورا احترام کیا جائے۔ لوٹ مار اور ظلم و تشدد کے طریقوں سے باز رہا جائے۔ مسلمان سپاہیوں کو حکم عدولی کی صورت میں موت کی سزا دی جائے۔ ان قوانین پر کچھ عرصے تک عمل بھی ہوتا رہا لیکن بعد میں جب عرب بربر خانہ جنگی شروع ہوئی تو سارے قوانین ایک طرف رکھ دیئے گئے۔ البتہ سمح بن مالک خولانی اور عبدالرحمٰن الغافقی نے جہاد کو وسیع کرنے کی خاطر کچھ نظم و ضبط قائم کرنے کی کوشش کی جو انہی تک محدود ہو کر رہ گئی۔ چنانچہ اس فوجی بدنظمی سے عیسائیوں نے ہمیشہ فائدہ اٹھایا۔

رعایا میں مسلم، نومسلم اور غیر مسلم تھے۔ مسلم حکومت میں مسلمانوں کو تو ظاہر ہے کہ فائدہ پہنچا تھا۔ مسلم معاشرے کی تنظیم میں بلاشبہ ولایت اندلس نے بڑا حصہ لیا تھا اور اس امر کی کوشش کی تھی کہ مسلمان اسپین کو اپنا وطن بنالیں۔ عربوں اور بربروں کی بہت سی نئی بستیاں بسائی گئی تھیں۔ شہروں میں ان کے محلے جدا کر دیئے گئے تھے اور اس بات کا لحاظ رکھا گیا تھا کہ ہر بستی اور ہر محلہ میں ایک ہی قبیلے کے افراد آباد کئے جائیں یہاں تک کہ عربوں نے شام و عرب کے شہروں کے ناموں پر ان بستیوں کے نام رکھ لئے۔ جگہ جگہ مساجد تعمیر کرائی گئیں اور ہر مسجد کے ساتھ ایک مدرسہ تعمیر کیا گیا۔ ان مدرسوں اور مسجدوں کو بڑے بڑے اوقاف دیئے گئے اور حکومت کی طرف سے اس امر کا اہتمام کیا گیا کہ مسلمانوں کی دینی تعلیم میں رخنہ نہ پڑنے پائے۔ البتہ کسی بڑے مدرسے یا جامعہ کا پتہ نہیں چلتا۔ سمح بن مالک خولانی اپنے ساتھ بڑے بڑے علماء کو بھی لائے تھے جن کو مسلمانوں کی دینی تعلیم و تربیت پر مقرر کیا گیا تھا۔ اس سب کے باوجود کسی اسلامی معاشرے کی نشاندہی نہیں ہوتی بلکہ عرب معاشرہ اور بربر معاشرہ ضرور نشو و نما پاتا نظر آتا ہے۔ مسلمانوں میں قبائلی عصبیت نے اپنی جڑیں اس قدر مضبوط کر رکھی تھیں کہ اسلامی معاشرے کے گذر کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ عربوں کی مساجد اور مدارس میں بربر علماء حفاظ یا قاریوں کا داخلہ ناممکن تھا۔ بلکہ اس بات تک کا اہتمام کیا گیا تھا کہ عربوں اور بربروں کی مساجد و مدارس بھی جدا جدا ہوں۔

البتہ غیر مسلموں کے ساتھ رواداری میں مثال قائم کردی گئی تھی۔ یہودیوں کو مسلمانوں کی اعانت کے سلسلے میں کافی مراعات دی گئیں اور حکومت کی طرف سے ان کو مختلف شہروں میں آباد کیا گیا۔ ان کے مذہبی معاملات میں دخل اندازی نہ کی گئی اور ان کو مکمل طور پر تجارتی شہری اور مالیاتی مراعات حاصل رہیں۔ عیسائیوں پر گو ابتدائی دور میں تو جنگ کی وجہ سے مظالم ہوئے اور وہ بھی ان پر جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگ میں حصہ لیا تھا۔ جنہوں نے جنگ نہ کی تھی اور مصالحت یا معاہدہ کرلیا تھا ان سے کوئی تعرض نہ کیا گیا۔ ہمیشہ معاہدوں کا احترام کیا گیا اور والیوں نے بھی مسلم اور غیر مسلم میں تمیز نہ ہونے دی۔ شہری سہولتیں جو ایک مسلم کو حاصل تھیں وہ ان کو بھی دی گئیں کلیساؤں کا احترام مذہبی روایات کا تقدس، پادریوں اور اسقفوں کی عزت کو ہمیشہ پیش نظر رکھا گیا۔ عام مسلمان بھی عیسائیوں سے میل ملاپ رکھتے اور ان کی لڑکیوں سے نکاح بھی کرتے تھے البتہ مسلمان لڑکی از روئے قانون شرع اسلامی عیسائی کے نکاح میں نہیں جاسکتی تھی۔ کلیساؤں کے نظم و ضبط کے قواعد بھی بنے اور طلیطلہ کے اسقف اعظم کو عیسائیوں کے مذہبی معاملات کا نگران اعلیٰ بنایا

گیا۔ پادریوں کی بد قماشی اور بد اعمالیوں کو ختم کر دیا گیا۔ مسیحی مجالس کے انعقاد کی عام اجازت دے دی گئی۔ البتہ مذہب کی تبلیغ ممنوع تھی ان کی مذہبی عدالتیں بھی تھیں۔ جن شرائط پر معاہدہ ہوتا ان کا احترام ہر قیمت پر کیا جاتا۔ مثلاً گاتھ شہزادوں سے شرائط کا احترام اور تھیوڈومر سے شرائط کا احترام وغیرہ۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کی خانہ جنگی کے دوران بھی کوئی واقعہ ایسا رونما نہ ہوا جس سے عیسائیوں پر ظلم و تشدد ظاہر ہوتا ہو۔ برخلاف اس کے عیسائیوں نے اس رواداری کا غلط فائدہ اٹھایا اور مسلمانوں کے خلاف منظم ہونے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ پلایو اور الفانسو کے واقعات اس بات کا ثبوت ہیں۔ البتہ معاشرت کے اعتبار سے نو مسلموں کا حال اچھا نہ تھا۔ گو مسلمان ہونے کے بعد ان کو اسلامی حقوق تو مل گئے تھے لیکن عرب اور بربر ان کو کبھی اپنے میں شامل ہونے کا موقع نہ دیتے تھے۔ ڈوزی کے کہنے کے بموجب "عرب ان کو ایسے سرکاری عہدوں سے جن کی تنخواہیں زیادہ ہوتی تھیں عام طور پر محروم رکھتے تھے اور ان کی طرف سے بدگمان رہتے تھے کہ وہ دل سے مسلمان نہیں ہوئے ہیں اس لئے ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے کیونکہ ان نو مسلموں میں بہت سے لوگ ایسے تھے جن پر عیسائی حکومت کے زمانے میں غلامی کی مہر لگائی گئی تھی اور اب تک ان کی پیشانیوں پر موجود تھی۔ اس لئے عرب ان کو غلام یا ابن غلام کہا کرتے تھے۔ بعد میں ان نو مسلموں کو بھی شامل کر لیا گیا جو غلام نہ تھے..... پس نو مسلموں کو گوارہ نہ ہوا کہ وہ زیادہ دن ذلت کی حالت میں رہیں..... نو مسلموں یعنی مولدوں کی بغاوتیں جن میں عیسائی بھی شامل ہوتے بہت سی شکلیں اختیار کرتی رہیں۔ ہر ایک صوبہ اور بڑے شہروں نے مختلف وقتوں میں عربوں سے بغاوت اختیار کی۔[1]" ڈوزی کے اس تبصرے میں اس کا تعصب بھی شامل ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس دور ولایت میں آپس کی خانہ جنگیوں نے اور قبائلی تعصب نے اس قابل نہ چھوڑا تھا کہ وہ خود متحد ہو جاتے۔ اس لئے اگر انہوں نے نو مسلموں سے روادارانہ سلوک تو کیا مگر ان کو فاتح کے برابری کے حقوق نہ دے سکے۔ تو اس امتیاز پر تعجب نہیں کرنا چاہئے۔ رومیوں اور گاتھ نے اسپین کے باشندوں کے ساتھ برسہا برس کیا سلوک روا رکھا تھا؟ باوجود اس کے کہ وہ ان کے ہم مذہب تھے۔ لہٰذا اگر اس ۴۵ سالہ دور میں عصبیت کے مارے مسلمانوں نے کچھ زیادتیاں بھی کیں تو قابل معافی ہیں۔ البتہ کسی امیر اسپین اور اس کی حکومت کی طرف سے ان پر کسی قسم کی زیادتی یا ظلم کا پتہ نہیں چلتا۔ حکومت کی طرف سے ان کے لئے علیحدہ مساجد و مدارس کھولے گئے جن میں اشبیلیہ کی مثال دی جا سکتی ہے۔ ان

---

[1] عبرت نامہ اندلس۔ جلد ا صفحہ ۲۱

کو تجارتی، زراعتی اور اقتصادی مراعات میں مساویانہ حصہ دیا گیا۔ اس کا ثبوت یہ کافی ہوگا کہ دور ولایت میں نومسلموں کی کوئی بغاوت نہیں ملتی بجز اس کے جہاں وہ عیسائیوں کے بہکاوے میں آ گئے ہوں۔ جیسا کہ پلایو (عمرہ پلائی) کے معاملے میں ہوا۔ اگر یہ کہہ کہ اچھی ملازمتیں ان کو نہ دی گئیں اور عربوں نے ان کے حق کو غصب کیا حکومت کی زیادتی کو ثابت کرنا ہے تو یہ بات ذہن نشیں رکھنی چاہئے کہ عرب فاتح تھے اور فاتح کبھی اہم عہدے غیروں کے قبضے میں نہیں جانے دیتے۔ دوسرے یہ کہ اسپین کا نظم و نسق فوجی اور قبائلی تھا جس میں نومسلموں سے پہلے بربروں کا کھپانا ہی مشکل ہو رہا تھا اور آئے دن ان کی شکایات بڑھتی چلی جا رہی تھیں۔

باب ۴

بنو امیہ دمشق کا زوال

زوال کے اسباب

اسپین کی تاریخ کا سنہری دور بنو امیہ دمشق کے زوال سے شروع ہوتا ہے کیونکہ بنو امیہ دمشق کے زوال کے اسباب کا خاکہ ہمیں اسپین میں بھی نظر آتا ہے۔ چنانچہ اسپین میں مسلمانوں کے عروج و زوال کو سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ بنو امیہ کے زوال کی وجوہات کا غور سے مطالعہ کیا جائے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زوال کیوں ہوا؟ ابن خلدون نے تو اس کا جواب صرف ایک جملے میں دے دیا ہے کہ "جو قومیں اپنی عصبیت کھو دیتی ہیں ان کا زوال ضروری ہے" اور عصبیت کھو جانے کے زمانے کا اندازہ اس نے ۲۵ سے ۴۰ سال تک لگایا ہے۔ یہ علامہ ابن خلدون کا نظریہ ہے۔ اس کے صحیح یا غلط ہونے سے ہمیں یہاں کوئی سروکار نہیں۔ البتہ ان اسباب کی تلاش ضروری ہے جن کی بناء پر بنو امیہ میں عصبیت کا فقدان ہوتا چلا گیا اور وہ زوال پذیر ہوئے۔

مشرق میں بنو امیہ کے زوال کی ابتداء ہم ان کی اس غلط ذہنی سوچ کو قرار دے سکتے ہیں جس کے تحت انہوں نے شروع ہی سے اسلامی تہذیب کو مساجد و مدارس میں محدود کر کے عربی تہذیب کو پروان چڑھایا۔ یہ اوپر لکھا جا چکا ہے کہ سسکتی ہوئی عربی تہذیب نے ایک بار پھر خلافت راشدہ کی عظیم فتوحات کے زمانے میں سنبھالا لیا اور عربوں نے دیگر مفتوح اقوام پر اپنے تفوق و برتری کو برقرار رکھنے کے لئے اس تہذیب کو پروان چڑھایا حالانکہ عظیم اسلامی فتوحات کا یہ مقصد ہرگز نہ تھا کہ قبائلی عصبیت کسی تہذیب کی شکل اختیار کر لے بلکہ یہ تھا کہ اسلامی تہذیب کو اتنا عام کر دیا جائے کہ تمام قومیں اور ملتیں اپنے آپ کو اسلامی معاشرے کے سانچے میں ڈھال لیں اور اسلام کی بنیادی تعلیمات کی رو سے عربی اور عجمی کا فرق مٹ جائے لیکن دولت کی فراوانی کی وجہ سے خلیفہ راشد سوئم جاگیرداری نظام کے احیاء کو نہ روک سکے۔ جس سے گروہ بندیاں شروع ہو گئیں اور ہر گروہ زیادہ سے زیادہ حلیف و دوست بنانے کی فکر میں مشغول ہو گیا۔ اسی اثناء میں مسلمانوں میں آپس میں خانہ جنگی شروع ہو گئی جس سے ان گروہوں کو مضبوط سے مضبوط تر ہونے کا موقع مل گیا۔ عرب جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کا جو طبقہ تھا اس نے قبائلی عصبیت کی بناء پر اپنے دوستوں کو اکٹھا کرنا

شروع کیا۔ جس سے عہد جاہلیت کی عصبیت کی آگ ایک بار پھر بھڑک اٹھی۔ اس مرتبہ یہ ایسی بھڑکی کہ بجھ نہ سکی۔ ادھر سیاسی کشمکش شروع ہوئی۔ ادھر قبائلی عصبیّت ایک فیصلہ کن مرحلہ میں داخل ہوئی۔ بنوامیہ کے ہوش مند سیاستدان اس بات کو خوب جانتے تھے کہ عصبیت کو بنیاد بنانے اور اس کو ہوا دینے ہی میں حکومت کو مستحکم کرنے اور کامیابی کے ساتھ حکومت کرنے کا راز مضمر ہے۔ اس کو اتفاق کہیے یا تاریخ کا المیہ کہ یزید کی تخت نشینی اور کربلا کے المناک واقعہ نے بنوامیہ کو پھر اس بات پر مجبور کردیا کہ وہ عصبیت کی بنیاد پر قبائل کو لڑاتے اور حکومت کرتے رہیں۔ اور خود کو حجازیوں اور عراقیوں کی زیادتیوں سے محفوظ رکھیں۔ بنوامیہ عصبیت کے خود بھی بری طرح شکار تھے۔ خصوصاً حکومت کے معاملے میں کسی غیر عرب کا مخل ہونا عربی شان کے خلاف سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک طرف تو وہ اپنی حکومت کی بقاء کا انحصار عربوں پر رکھتے تھے جس کے لئے وہ کسی نہ کسی قبیلے کی ہمدردیاں ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے اور دوسری طرف وہ عربوں کو اپنے خلاف متحد بھی نہ ہونے دینا چاہتے تھے۔ قحطانیوں اور عدنانیوں کی دشمنی ایک عرصہ دراز سے چلی آتی تھی۔ گو جزوی طور پر اسلامی اقدار نے اسے دبادیا تھا لیکن جوں جوں اسلامی اقدار کے شیدائی اس جہان سے رخصت ہوتے گئے یہ دشمنی پھر ابھرتی گئی اور نئے نئے چولے بدل کر سامنے آتی رہی۔ بنوامیہ کے پورے دور میں کلبی اور قیسی کے نام سے بہت سی خونریز جنگیں ہوئیں۔ البتہ دور دراز کے علاقوں میں جو دارالخلافہ دمشق سے کافی فاصلے پر تھے ان کے نام بدلتے رہتے۔ کہیں پر مضری اور یمانی کہلائی۔ کہیں پر ربیعہ اور مضر کہلائی۔ کہیں پر حجازی اور شامی۔ غرض اس عصبیت کی بلا نے بنوامیہ کے پورے دور میں مختلف ناموں سے زبردست خونریزیاں کیں۔ واقعہ کربلا' واقعہ حرہ مدینہ ہوا۔ زیاد و حجاج جیسے ظالم اور سفاک پیدا کئے۔ محمد بن قاسم' موسیٰ بن نصیر' طارق بن زیاد' قتیبہ بن مسلم کو ختم کیا۔ زید بن علی بن حسین' یحیٰی بن زید بن علی' ابوہاشم عبداللہ' سعید بن مسیب جیسی قابل احترام ہستیوں تک کو نہ چھوڑا۔ لیکن جس وقت یہ عصبیت خود بنوامیہ کے لئے دردِ سر بن گئی تو انہوں نے نہایت چالاکی سے اس کو فتوحات میں مصروف کردیا۔ لیکن انجام یہی ہوا کہ بنوامیہ کا زوال پھر بھی نہ رک سکا۔ یہاں تک کہ خراسان میں تحریک بنوعباس کی کامیابی کا بڑا سبب یہی قبائلی عصبیت بن گئی اور مروان ثانی باوجود اپنی پوری کوشش کے اس زوال کو نہ روک سکا۔

عربی تہذیب کی برتری کے جذبے نے ایک طرف تو غیر عربوں کو ناراض کردیا۔ دوسری طرف وہ تمام افراد بھی اس سے بری طرح بدظن ہوگئے جو کسی نہ کسی طرح اسلامی تہذیب کی علمبرداری اور

اسلامی سیاست کو دوبارہ قائم کرنے کے خواہش مند تھے۔ ان میں خوارج، شیعہ (شیعہ اس وقت تک مذہبی فرقہ نہ تھا) ایرانی، بربری، غرض تمام عرب اور عربی تہذیب کی مخالف طاقتوں نے کہیں متحد ہو کر اور کہیں انفرادی طور پر عربی عوام اور حکومت دونوں کا مقابلہ کیا۔ اکثر جگہ وقتی طور پر کامیابی بھی ہوئی جیسے افریقہ کے بربروں کی کامیابی۔ لیکن حکومت کے ذرائع نے پھر ان کو دبا دیا۔ بنوامیہ کو سب سے زیادہ نقصان خارجیوں نے دیا اور بنوامیہ کی فوجی طاقت کو اپنی گوریلا جنگوں سے ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ یہاں خارجیوں کے عقیدے اور نظریات سے بحث نہیں لیکن یہ امر مسلمہ ہے کہ یہ لوگ شیخینؓ کے طرز کی حکومت چاہتے تھے۔ اور عوام کو خلیفہ منتخب کرنے کا حق دلانے کے خواہش مند تھے تاکہ اسلامی تہذیب کا بول بالا ہو۔ یہ بات بنوامیہ کی عرب حکومت کسی طرح برداشت نہ کر سکتی تھی۔ دوسرا نقصان شیعان اہل بیت سے پہنچا۔ امیر معاویہؓ کے مخالف اور حضرت علیؓ کے طرف داروں کو شیعان علیؓ کے نام سے موسوم کیا گیا۔ ان لوگوں کا مقصد حضرت علیؓ اور ان کے گھرانے کو بر سر اقتدار دیکھنا تھا۔ لیکن بار بار کوششوں کے بعد بھی جب ایسا نہ ہو سکا تو انہوں نے حضرت حسینؓ کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ حکومت وقت کے خلاف خروج کر کے اپنے دوستوں کی مدد سے سیاست کو پھر اہل بیت کے گھرانے میں لے لیں۔ حضرت حسینؓ تو کلمہ حق کو بلند کرنے کی خاطر ایسا کرنے پر تیار ہو گئے لیکن شیعان اہل بیت ہونے کا دعویٰ کرنے والے کوفی اور عراقی خود اس قدر بزدل اور نکمے ثابت ہوئے کہ شامیوں کی ایک ذرا سی دھمکی اور لالچ نے ان کے ارادوں کو متزلزل کر دیا اور اپنے خون سے عہد نامہ لکھنے والے نام نہاد شیعان اہل بیت شمشیر و سناں سے لیس ہو کر اہل بیت سے جنگ کرنے کربلا کے میدان میں نکل آئے۔ اور حضرت حسینؓ کی شہادت کے ساتھ ہی ایک بار پھر تاریخ اسلام کا خونیں باب لکھا گیا۔ جس نے ایک طرف تو اسلامی تہذیب کو پست اور خوار کیا تو دوسری طرف عربی تہذیب کو بالائے بام پہنچا دیا۔ اس واقعہ کے بعد اہل بیت کے مددگاروں کی جدوجہد نے ایک تحریک کی شکل اختیار کر لی جس نے کبھی فرقہ کیسانیہ کی شکل میں مختار بن عبید ثقفی کو جنم دیا تو کبھی تحریک ہاشمیہ کی شکل میں ابھر کر ابو ہاشم عبداللہ کو اپنا سردار بنایا۔ کبھی زید بن علی بن حسینؓ نے خروج کیا اور شہید ہوئے۔ یحییٰ بن زید نے میدان عمل میں قدم رکھا یہاں تک کہ اس کی آخری شکل تحریک عباسیہ ہوئی جس نے بنوامیہ کی عربی حکومت اور عربی تہذیب دونوں پر اتنی کاری ضرب لگائی کہ ایک طرف تو عربی حکومت کو نیست و نابود کیا اور دوسری طرف عربی

تہذیب کو مشرق وسطیٰ سے نکال کر بحر روم کے پار اسپین میں دھکیل دیا۔ اس کے بعد ایشیائے وسطیٰ اور افریقہ میں عربی تہذیب کو احیاء کا موقع نہ مل سکا۔ البتہ اسپین میں اس نے بڑے گل کھلائے۔ جس کے نتیجے میں بربروں نے اس بری طرح عربی تہذیب کے ٹکڑے کئے کہ حکومت کے آثار تک باقی نہ چھوڑے۔ (جس کا تذکرہ آگے آئے گا)

بنوامیہ کے زوال کے سلسلے میں بنوامیہ کی داخلی بے راہ روی کو دخل تھا' مثلاً وراثتی تخت نشینی کے ذریعے ایک ہی نسل میں خلافت کو محدود کر دینا۔ ناکارہ اور نااہل افراد کا تخت پر آنا۔ حدود سلطنت کا وسیع اور مرکز سے دور ہونا۔ انتظام حکومت کا کمزور ہو جانا۔ صوبوں کے عاملوں کا وسیع اختیارات کا ہونا وغیرہ۔ وہاں پر زوال کا سب سے اہم اور تاریک پہلو یہ بھی تھا کہ اس حکومت نے اسلامی اصولوں سے پہلوتہی کر کے نومسلموں اور آزاد شدہ غلاموں سے ناروا اور ناجائز سلوک کیا' جس کے وہ کسی طور پر مستحق نہ تھے۔ عربی تہذیب کے جنون میں قبائلی عصبیت کے بل بوتے پر مفتوحہ علاقوں کے باشندوں سے ایسا سلوک کرنا جس کے وہ مستحق نہ ہوں' اسلامی اصولوں کے قطعاً منافی تھا۔ یہ ناروا سلوک اس وقت تو قطعی بے انصافی اور انسانیت سوزی ہی تھی جب مفتوحہ اقوام کی اکثریت اسلام قبول کر رہی تھی اور اس بات کی امید کر رہی تھی کہ ان سے دیگر مسلمانوں کی طرح سلوک کیا جائے گا۔ مفتوحہ اقوام میں صرف شامی ایسے تھے جن سے روادارانہ سلوک کیا گیا کیونکہ مرکز حکومت خود ان کے درمیان تھا اور انہوں نے اس حکومت کی بنیادوں کو سینچا تھا۔ ورنہ ایرانی و خراسانی' ترکستانی' افریقی غرض کوئی بھی ایسا نہ تھا جس کو دائرہ اسلام میں آنے کے بعد سکون و اطمینان میسر آیا ہو۔ افریقہ میں مسلسل بغاوتیں اسی احساس کمتری کا نتیجہ تھیں جو عربی تہذیب کے علمبرداروں نے ان میں پیدا کیا تھا۔ چونکہ افریقہ کے بربر بھی بڑی حد تک عصبیت کے پروردہ تھے۔ اس لئے انہوں نے حکومت کے خلاف تلواریں اٹھائیں۔ ایرانی و خراسانی تہذیب یافتہ تھے اور ان کی تہذیب عربی تہذیب سے کہیں زیادہ اعلیٰ اقدار کی حامل تھی۔ اگر کوئی ان کو تہذیبی شکست دے بھی سکتا تھا تو وہ اسلامی تہذیب تھی کیونکہ اسلامی تہذیب ان اقدار کی حامل تھی جو فارس کی تہذیب میں مفقود ہو چکی تھیں مگر عربی تہذیب طاقت کے ذریعہ اپنا لوہا منوانا چاہتی تھی۔ کبھی زیاد بن ابوسفیان کے ذریعے ان کو دبایا جا رہا تھا تو کبھی حجاج بن یوسف کے مظالم اور تشدد ان کا سر جھکا رہے تھے۔ کبھی یزید بن مہلب ان کو تباہ کرنے پر آمادہ تھا تو کبھی یوسف ان کو لوٹ کھسوٹ رہا تھا۔ وہ اسلام لائے تھے اور

مساوات اور عدل کے متلاشی تھے لیکن ان سے خراج اور جزیہ بھی وصول کیا جارہا تھا تاکہ حکومت کے خزانے میں کمی نہ آنے پائے۔ ان کی جاگیریں اور جائیدادیں عربوں کو دے دی گئی تھیں تاکہ وہ بغاوت کا خیال تک نہ لاسکیں۔ اہم سرکاری عہدوں سے ان کو الگ رکھا گیا تاکہ وہ فاتح کے برابر نہ ہو جائیں۔ کس قدر ناانصافی تھی کہ ان کی تہذیب مٹ رہی ہو اور ان سے کہا جائے کہ بس تماشہ دیکھو۔ سرکاری زبان عربی کو بنا کر فارسی کو ایک طرف کردیا گیا۔ عربی سکے ڈھالے گئے اور روم وایران کے رائج سکوں کو منسوخ کردیا گیا۔ غرض اقتصادی، ثقافتی و سماجی زندگی کا کوئی شعبہ ان کے لئے باقی نہ رکھا جس سے وہ اپنی تہذیبی انفرادیت کو فنا ہونے سے بچاسکتے۔ موالیوں کو غلامی سے آزادی ملی تو ان پر اس سے بدتر پابندیاں عائد کردی گئیں۔ جس نے ان کی زندگی کو ذلت کے گڑھے میں گرادیا۔ وہ گھوڑے پر سوار نہیں ہوسکتے تھے۔ ان علاقوں میں نہ رہ سکتے تھے جن میں عرب شرفاء کی سکونت تھی۔ انہیں خاص قسم کی ٹوپی پہننی پڑتی تھی تاکہ آسانی کے ساتھ پہچانے جاسکیں۔ وہ عربوں کا لباس استعمال نہیں کرسکتے تھے نہ اونچے مکان بناسکتے تھے اور نہ جانے کتنی پابندیاں تھیں جو ان پر ٹھونسی گئیں وہ سب کے سب کوئی نسلاً غلام تو نہ تھے جو ان پابندیوں کو برداشت کرلیتے۔ مال غنیمت میں آئے ہوئے اور جنگ میں ہارے ہوئے تھے۔ جن میں شرفاء بھی تھے اور امراء بھی۔ شروع میں شکایات کا سلسلہ جاری رہا اور خلافت سے انصاف کے طلبگار رہے۔ اس کے بعد بغاوت کرنے والوں کو بھی امداد پہنچائی تاکہ جابر اور ظالم حکمرانوں سے نجات مل سکے۔ جیسے عبدالرحمٰن ابن اشعث، مختار ثقفی وغیرہ کی بغاوتیں۔ لیکن ایک قوم کی حیثیت سے وہ کوئی ایسی بغاوت نہ کرسکے جو ان کو نجات دلادیتی۔ بقول ابن خلدون ”جس قوم کی تہذیب عروج پر پہنچ جاتی ہے تو اس کی برائیاں عود کر آتی ہیں اور وہ بزدل اور نکمی ہوجاتی ہے۔“ یہی ایرانیوں اور موالیوں کے ساتھ بھی تھا۔ آخر میں انہوں نے اسلامی تہذیب کا ہی دامن تھاما اور جو اسلامی تہذیب کی برتری کے خواہش مند نظر آتے ان کی خفیہ اور اعلانیہ امداد بھی کرتے خواہ وہ کوئی فرد واحد ہوتا یا اجتماعی تحریک۔ یہی وجہ تھی کہ اہل بیت کی ہر تحریک نے ایران میں نشوونما پائی۔ تحریک عباسیہ بھی انہی تحریکوں میں سے ایک تھی۔ ابو مسلم خراسانی کا یہ کارنامہ تھا کہ اس نے اس انتہائی مہذّب، بزدل اور نکمی قوم کو اپنے حقوق کے لئے تلوار اٹھانا سکھادیا۔ الغرض بنوامیہ کی عربی حکومت نے عربیت کے جنون میں مفتوحہ اقوام کے ساتھ جو ناانصافیاں اور مظالم کئے تھے وہ ان کی تباہی کا سبب بنے لیکن عربوں نے اس سے پھر بھی کوئی سبق

حاصل نہ کیا اور اسپین میں اس کا اعادہ کرنے سے باز نہ آئے جس کا انجام تاریخ میں ایک مثال چھوڑ گیا۔

تحریک عباسیہ

تاریخ اس تحریک کے حق میں خواہ کتنے ہی جواز پیش کرے پھر بھی یہ حقیقت ہے کہ یہ تحریک اپنے آغاز سے محروم ہے۔ اچانک عرب و شام کی سرحد کے ایک گاؤں حمیمہ سے اس تحریک کے حق میں آواز بلند ہوئی۔ یہ کہاں سے آئی؟ کس طرح ابھری اور اس کا لائحہ عمل کیا تھا؟ یہ سب اس وقت معلوم ہوا بلکہ ترتیب دیا گیا جبکہ عباسیوں کو اپنی کامیابی کا یقین ہو گیا۔ تاریخ کے مطالعہ سے اس کا آغاز محمد بن حنفیہ کے صاحبزادے ابو ہاشم عبداللہ کے حمیمہ پہنچنے سے ہوتا ہے۔ ابو ہاشم عبداللہ نے اس بات کا صحیح انداہ کر لیا تھا کہ اہل بیت یا بنو ہاشم کے حق میں جو بھی آواز اٹھے گی وہ ہمیشہ کے لئے دبا دی جائے گی۔ جابر حکمرانوں کو صرف اس وقت ہٹایا جا سکتا ہے جبکہ قوت کا توازن فریقین کے مابین یکساں ہو۔ چنانچہ قوت حاصل کرنے کے لئے ایک خفیہ تحریک چلائی جائے جو خاص ان علاقوں میں ہو جو عربی ذہنیت کے خلاف ہوں۔ ایسے علاقوں میں قریب ترین ایران و خراسان تھے جن کی سرزمین ایسی تحریکوں کی نشوونما کے لئے بہت زرخیز تھی۔ ابو ہاشم نے اپنے داعی ان علاقوں میں بھیجے جو ایک عرصے تک ایرانیوں کے دلوں کو اہل بیت کے حق میں مسخر کرتے رہے۔ اسی اثناء میں سلیمان بن عبدالملک نے ابو ہاشم عبداللہ کو دمشق سے بلوا کر دھوکے سے زہر دلوا دیا۔ واپسی پر ابو ہاشم کو جب زہر کا احساس ہوا تو وہ اس قریب ترین مقام کی طرف چلے جس میں بنو ہاشم کا خاندان آل عباس مقیم تھا۔ ایک عرصہ ہوا کہ بنو عباس یمن سے یہاں آکر آباد ہو گئے تھے اور علم و حکمت کے حصول میں مصروف تھے۔ گو سیاست سے بظاہرہ کنارہ کش معلوم ہوتے تھے لیکن حمیمہ کے تجارتی مرکز ہونے کی وجہ سے ملکی سیاست سے بے خبر نہ تھے۔ ابو ہاشم جب حمیمہ پہنچے تو اس وقت محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب اس خاندان کا سرخیل تھا۔ وہ ایک زیرک' دانا' عالم زاہد اور بڑی حد تک شہرت یافتہ شخصیت تھا۔ ابو ہاشم نے موت کو قریب دیکھ کر محمد ہی کو اپنی تحریک ہاشمیہ کا ورثہ سونپا اور تمام رازوں سے آگاہ کر کے فوت ہو گئے۔ اس طرح تحریک بنو عباس کا آغاز بتایا جاتا ہے۔ لیکن اب بھی یہ تحریک بنو عباس نہ تھی بلکہ تحریک اہل بیت تھی۔ تا کہ اہل بیت کی مظلومیت کے گرد عربی حکومت کے تمام مظلوموں کو اکٹھا کیا جا سکے۔ بہر حال محمد نے اس تحریک کی قیادت سنبھالتے ہی اس

میں نئی جان ڈال دی اور خفیہ طریقے پر اسے ایسے طریقے پر چلایا کہ جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ یہ تحریک اسلامی تہذیب کی علمبردار ہے اور عربی تہذیب کے جنون آمیز رویہ کے خلاف چلائی جارہی ہے۔ محمد کے بعد ان کے لڑکے ابراہیم نے قیادت سنبھالی۔ چونکہ یہ زمانہ عربی تہذیب کے بحران کا زمانہ تھا اور عربی عصبیت شدت اختیار کر چکی تھی۔ افریقہ کے بربروں نے عربی برتری کے خلاف وہ عظیم بغاوت کی تھی کہ عربی قیادت بھی لرز کر رہ گئی تھی۔ ایسے وقت میں ابراہیم کو کچھ ایسے ہمدرد اور اطاعت گزار رفقاء مل گئے جو ایک طرف تو عرب ذہنیت کے ستائے ہوئے تھے تو دوسری طرف اسلامی تہذیب اور اہل بیت کی سیاسی برتری کو تسلیم کرتے تھے ان رفقاء میں ابو مسلم خراسانی سرفہرست تھا۔ ابو مسلم ذہین و مدبر شخص تھا۔ اس نے ہر وہ طریقہ اختیار کیا جس سے عربی تہذیب اور عربی حکومت پر ضرب لگ سکے۔ اس نے عربی عصبیت کو ہوا دے کر عرب قبائل کو آپس میں لڑایا۔ عربوں کے مظالم کی لرزہ خیز داستانیں گھڑی گئیں۔ تاکہ اہل ایران و خراسان میں ان کی طرف سے شدید نفرت پیدا ہو۔ اہل بیت کے مرثیے سینوں کو گداز کرنے کے لئے پر درد لہجہ میں پڑھوائے گئے۔ مظلوم طبقہ میں سے ایک فوج بنائی گئی تاکہ وہ جان کی پرواہ نہ کر سکیں۔ پہلے لوٹ مار کی پھر گاؤں اور شہروں پر قبضہ کیا اور اس طرح ایک بڑا علاقہ اپنے زیر اثر کر لیا۔ عربوں کی خانہ جنگی نے اس کے ارادوں کو اور تقویت پہنچائی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بنو عباس کے ہر رفیق و مددگار نے جان توڑ کوشش کی۔ لیکن ابو مسلم نے ایک نرالا ہی طریقہ اختیار کیا۔ یہ اس کا کارنامہ ہے کہ "اس نے اہل بیت اور اسلامی تہذیب کی آڑ لے کر نہ صرف یہ کہ مخالفین بنوامیہ کو یکجا کر دیا بلکہ صحیح معنوں میں اہل ایران و خراسان کو اپنے حق کے لئے تلوار اٹھانا سکھایا۔" صرف یہ کہنا کہ وہ ایرانی تہذیب کو دوبارہ برسر اقتدار لانا چاہتا تھا اس کے ساتھ بے انصافی ہوگی۔ ابراہیم عباسی تو عرب تھے ان میں بھی عصبیت موجود تھی لیکن ان کا وہ خط جس کی بناء پر وہ مارے گئے تھے تاریخ نے محفوظ رکھا ہے جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ "خراسان میں ایک بھی عربی بولنے والا باقی نہ رہے۔" حالانکہ خود اس تحریک میں بہت سے عرب سرداروں کا نام آتا ہے خصوصاً ابو سلمہ خلال کا جس کا حکومت عباسیہ کے قیام میں بڑا ہاتھ تھا۔ ظاہر ہے ایسے میں ہر عرب کو مار ڈالنا مقصود نہ تھا۔ بلکہ اسی خط سے صاف پتہ چلتا تھا کہ ابراہیم صرف ان عربوں سے نجات حاصل کرنا چاہتے تھے جو اسلامی تہذیب کے بجائے عربی تہذیب و عربی حکومت کی برتری کے نشہ میں چور تھے۔ ابو مسلم نے ایسا ہی کیا۔ ابراہیم بن محمد آخری اموی

خلیفہ مروان ثانی کے ہاتھوں مارے گئے۔ بنو عباس کے لئے اب سوائے اس کے کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ بغاوت کر کے حکومت پر قبضہ کر لیں۔ ابو مسلم پہلے ہی ایران و خراسان پر قابض ہو چکا تھا۔ ابو سلمہ خلال عراق کے قلب کوفہ اور اس کے نواح پر قابض ہو گیا۔ خلیفہ مروان ثانی خارجیوں سے جنگ میں اس قدر مشغول تھا کہ عباسیوں کی حرکات سے مطلع ہونے کے باوجود کچھ نہ کر سکا۔ مروان کی اس مجبوری کی سب سے بڑی وجہ یہی تھی کہ قبائل عرب عصبیت کے سیلاب میں بری طرح بہہ چکے تھے۔ قریہ قریہ، شہر شہر قحطانیوں اور عدنانیوں کی تلواریں آپس میں ٹکرا رہی تھیں۔ عباسیوں نے حالات سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ عربی تفاخر و برتری کے بت کو ۱۳۲ھ مطابق ۷۴۹ء میں زاب کے میدان میں پارہ پارہ کر دیا۔ مروان ثانی کے قتل نے عربی حکومت کے چراغ کو ہمیشہ کے لئے گل کر دیا۔ اس کے بعد تمام اموی شہزادوں کو تلاش کر کے تہ تیغ کیا گیا۔ تاکہ ان میں کوئی شخص نہ تو کبھی حریف سلطنت بن سکے نہ عرب اس کو بہکا کر بغاوت پر آمادہ کر سکیں اس پکڑ دھکڑ میں بنو امیہ کے جس فرد کو جہاں سر چھپانے کا موقع ملا وہ وہاں روپوش ہو گیا۔ انہی میں اسپین کی حکومت بنو امیہ کا بانی عبدالرحمٰن بھی تھا۔

عبدالرحمٰن کا فرار

عبدالرحمٰن مشہور اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کا پوتا اور اس کے لڑکے معاویہ کا بیٹا تھا۔ ۱۱۳ھ میں دمشق کے نواحی مقام علیا میں پیدا ہوا تھا۔ اس کی کنیت ابو المطرف، ابو سلیمان اور ابو زید بیان کی جاتی ہے۔ خلیفہ ہشام کی زیر نگرانی اس کی تعلیم و تربیت شاہی محل میں ہوئی تھی جس وقت یہ ہنگامہ شروع ہوا اس کی عمر ۱۸ یا ۱۹ برس کی بیان کی جاتی ہے۔ وہ اپنے بھائی یحییٰ بن معاویہ کے ساتھ ایک گاؤں میں روپوش ہو گیا تھا۔ مروان کے مارے جانے کے بعد عباسیوں نے دھوکہ دینے کے لئے پورے شام میں بنو امیہ کو امان دینے کا اعلان کر دیا جس سے مطمئن ہو کر چھپے ہوئے اموی خاندان کے افراد باہر نکل آئے اور رملہ سے ۱۲ میل کے فاصلے پر مقام نہرابی فطرس میں جہاں عباسیوں کا پہلا خلیفہ ابو العباس السفاح ٹھہرا ہوا تھا وہاں پر جمع ہو گئے۔ السفاح نے اپنے عہد کو توڑ دیا اور ستر سے زیادہ امویوں کو بیدردی سے قتل کرا دیا گیا۔ قسرین کے ایک گاؤں میں عبدالرحمٰن اور یحییٰ چھپے ہوئے تھے۔ انہوں نے باہر نکلنے میں جلدی نہ کی اور حقیقت حال جاننے کے لئے ایک قاصد بھیجا۔ یہ قاصد عین اس وقت پہنچا جب بنو امیہ قتل کئے جا رہے تھے وہ دوڑ کر واپس آیا لیکن عباسیوں کا ایک

دستہ بھی اس کے عقب میں آگیا اور قبل اس کے یحییٰ فرار ہوتا پکڑا گیا اور قتل کر دیا گیا۔ عبدالرحمٰن اس وقت شکار کھیلنے گیا ہوا تھا۔ اس کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو وہ غلاموں سے یہ کہتا ہوا فرار ہو گیا کہ اس کے اہل و عیال کو بھیج دیا جائے۔ بنو امیہ کے جو افراد باقی بچ گئے تھے خاموشی سے افریقہ کی طرف جانے لگے۔ کیونکہ عبدالرحمٰن بن حبیب فہری والیٔ افریقہ نے ان کو پناہ دینے کا وعدہ کر لیا تھا۔ عبدالرحمٰن بن معاویہ بھی افریقہ کے ارادے سے نکل پڑا اور دریائے فرات کے کنارے ایک گاؤں میں جو گھنے جنگلوں میں آباد تھا چھپ گیا اور یہیں اس کے اہل و عیال بھی آ گئے۔ ایک دن عبدالرحمٰن کا بڑا لڑکا سلیمان گاؤں کے باہر کھیل رہا تھا اور عبدالرحمٰن گھر میں آنکھ کی تکلیف میں مبتلا تھا کہ سلیمان دہشت زدہ گھر میں آیا۔ عبدالرحمٰن نے بہت تسلی دی لیکن اس کی دہشت نہ گئی تو عبدالرحمٰن خود حقیقت حال کی دریافت کے لئے مکان سے باہر آیا۔ اس کا ایک ۱۳ سالہ بھائی بھاگا ہوا آیا اور عباسی فوج کے آنے کی اطلاع دی۔ عبدالرحمٰن نے اپنے اہل و عیال کو اپنے غلام بدر کے سپرد کیا اور اپنے تیرہ سالہ بھائی کے ساتھ بھاگا۔ دونوں دریائے فرات میں کود گئے۔ عباسیوں نے کنارے سے ان کو امان امان کا شور مچا کر واپس بلانا چاہا۔ عبدالرحمٰن کا بھائی تیرتے تیرتے تھک گیا تھا۔ اس نے واپس جانا چاہا عبدالرحمٰن نے لاکھ سمجھایا اور اس کا دل بڑھایا لیکن وہ واپس چلا گیا اور عباسی سواروں نے اس کے ٹکڑے کر دیئے۔ عبدالرحمٰن نے دوسرے کنارے سے اس خونی منظر کو دیکھا۔ یہاں سے وہ فلسطین کے ایک گاؤں میں چھپ گیا جب اس کو یقین ہو گیا کہ اس کا تعاقب نہیں کیا جا رہا ہے تو وہ افریقہ کی طرف چلا آیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے دم لیا یہیں پر بدر اور ابوالشجاع سالم غلام بھی اس کے اہل و عیال اور کچھ زر و مال کے ساتھ اس سے آملے۔

افریقہ میں عبدالرحمٰن کے مصائب کا دوسرا دور شروع ہوا۔ عبدالرحمٰن بن حبیب والی افریقہ نے اس وقت تک دعوت عباسی کو قبول نہ کیا تھا اور اس فکر میں تھا کہ اپنی آزاد حکومت قائم کرے۔ اس زمانے میں نجوم و رمل کی پیشین گوئیوں پر کافی بھروسہ کیا جاتا تھا۔ ویسے بھی پر آشوب دور میں ذرا ذرا سی باتوں سے بڑی بڑی باتیں اخذ کر لی جاتی ہیں۔ اسی طرح والی افریقہ بھی رمل و نجوم پر کافی بھروسہ کرتا تھا۔ عبدالرحمٰن بن معاویہ کو بظاہر یہاں پر کوئی خطرہ نظر نہ آتا تھا۔ مگر اس کے بچپن میں ایک واقعہ ایسا ہوا تھا جو اس کے دل میں امید کی شمع روشن کئے ہوئے تھا۔ وہ ایک دن اپنے دادا ہشام بن عبدالملک کے دربار خلافت میں بیٹھا ہوا تھا کہ ہشام کے بھائی مسلمہ بن عبدالملک نے جو ایک

زبردست عالم و فاضل تھے اس کو دیکھا اور اس کی پیشانی کا بوسہ لے کر ہشام سے کہا کہ میں اس لڑکے میں بادشاہ بننے کی نشانیاں پا رہا ہوں۔ عبدالرحمٰن کو یہ واقعہ یاد تھا۔ افریقہ پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ ایک یہودی عالم نے یہاں کے والی عبدالرحمٰن الفہری کو یہ بتا رکھا ہے کہ ایک شہزادہ جس کی دو لٹیں ہوں گی اور اس کا نام عبدالرحمٰن ہو گا اندلس کا بادشاہ بنے گا۔ جس کی وجہ سے والی افریقہ کے دل میں اس کی طرف سے کھٹک موجود تھی۔ چنانچہ عبدالرحمٰن نے والی افریقہ کی نظریں تاڑلیں اور وہ وہاں سے نکلنا چاہتا تھا کہ اسی اثناء میں والی افریقہ اور بنوامیہ کے حامیوں کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے۔ اور والی افریقہ نے بہت سے بنوامیہ کو قتل اور بہت سوں کو قید کر دیا۔ اس نے عبدالرحمٰن کو بھی تلاش کرایا لیکن وہ پہلے ہی وہاں سے نکل گیا تھا۔ والی افریقہ نے اس کی تلاش میں جاسوس مقرر کر دیئے۔ عبدالرحمٰن سب سے پہلے مقام باری میں بربر قبیلے مکناسہ کے پاس جا چھپا۔ پھر وہاں سے نکل کر مختلف بربر قبائل میں پناہ لیتا ہوا قبیلہ نفزادہ میں پہنچا۔ یہ قبیلہ اس کی ماں کا تھا۔ اس لئے اس قبیلے نے اس کی مخلصانہ حمایت کی لیکن ابن حبیب کے آدمی یہاں بھی پہنچ گئے۔ عبدالرحمٰن یہاں سے بھی بھاگا اور قبائل مغیلہ اور زناتہ میں چھپتا پھرا۔ اس طرح علاقہ برقہ میں پانچ سال گزر گئے۔ وہ گھومتے پھرتے ساحل سمندر تک پہنچ گیا اور ایک مقام سیرہ میں مقیم ہوا جہاں اس کے نانہالی قبائل نفزہ یا نفزادہ مقیم تھے۔ اس طرح عباسیوں اور والی افریقہ ابن حبیب کی تمام کوششیں بے کار گئیں اور وہ عبدالرحمٰن کو گرفتار نہ کر سکے۔

یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ دوران سفر کی پیشین گوئیوں اور معجزانہ طریقہ سے اپنی جان بچتی رہنے کی وجہ سے عبدالرحمٰن کے دل میں اسپین میں دولت امویہ قائم کرنے کا خیال جڑ پکڑ تا گیا تھا۔ چونکہ ابن حبیب والی افریقہ کی مستحکم حکومت کی وجہ سے افریقہ میں اس نے اپنے قدم جمتے نہ دیکھے۔ دوسرے یہ کہ افریقہ عباسیوں کی زد سے باہر نہ تھا۔ چنانچہ جب وہ ساحل سمندر پر پہنچا تو اس نے اسی خیال کے تحت اسپین میں حامیان بنوامیہ سے خفیہ خط و کتابت کرنا شروع کر دی۔ پہلے ان کو اپنے آنے کی اطلاع دی پھر ان کو اپنی طرف آنے کی دعوت دی۔ جب کچھ آثار مناسب دکھائی دیئے تو اپنے معتمد غلام بدر کو فضا ہموار کرنے کے لئے اسپین بھیج دیا۔[1]

---

[1] ابن اثیر۔ جلد ۵ صـ ۳۷۶

اسپین میں عبدالرحمٰن کی آمد

اسپین میں بنوامیہ کے مددگاروں اور موالیوں کی تعداد چار پانچ سو کے درمیان تھی۔ ابو عثمان، عبیداللہ بن عثمان اور عبداللہ بن خالد بن آبان جو حضرت عثمانؓ کے موالیوں میں تھے اور معزز سردار تھے۔ یہ سب شامی آبادی البیرہ میں آباد تھے۔ عبدالرحمٰن بن معاویہ نے ابو عثمان ہی کے نام بدر کو ایک خط دے کر بھیجا تھا اور اپنی انگشتری بھی دی تھی۔ خط میں اس نے خاندان بنوامیہ کے مصائب و آلام بیان کر کے والی افریقہ عبدالرحمٰن بن حبیب الفہری کی سرد مہری اور برتاؤ کا ذکر کیا۔ کہا کہ اس کے لڑکے یوسف سے جو اسپین کا والی ہے کسی اچھے برتاؤ کی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔ اس کے بعد خلیفہ ہشام بن عبدالملک کی عظمت و بزرگی بیان کر کے بتایا کہ وہ اسی کا پوتا ہے اور اسپین میں اپنی سلطنت قائم کرنے کا آرزو مند ہے اور یہ بھی لکھا کہ تمام حامیوں اور موالیوں سے رائے لے لی جائے اور انہیں ہمنوا بنا کر قبائل یمانیہ کو اپنا طرفدار بنایا جائے کیونکہ وہ آسانی سے دعوت قبول کرلیں گے۔ بدر یہ خط لے کر ابو عثمان کے پاس مقام طرش پہنچا۔ ابو عثمان نے معاملہ کی اہمیت محسوس کر کے عبداللہ بن خالد سے مشورہ کیا اور ایک دوسرے مشہور اموی بہی خواہ یوسف بن بخت کو بھی اس مشورہ میں شریک کرلیا اور طے پایا کہ صمیل بن حاتم بن شمر سے مشورہ کئے بغیر بدر کو جواب نہ دیا جائے۔

صمیل اس زمانے میں یوسف بن عبدالرحمٰن والی اسپین کی ناک کا بال اور مسلم اسپین کے سیاہ و سفید کا مالک تھا۔ ابو عثمان سے گہری دوستی تھی۔ بیان کیا جا چکا ہے کہ صمیل نے سرقسطہ سے ابو عثمان کی مدد طلب کی تھی اور ابو عثمان اسی موقع سے فائدہ اٹھا کر بدر کو سرقسطہ لے کر پہنچا تھا۔ تعلقات کی نوعیت سے ابو عثمان اور عبداللہ بن خالد کو یقین تھا کہ صمیل ان کی ہمنوائی کرے گا اور ہمنوائی نہ بھی کی تو اس راز کو کسی سے نہ کہے گا لیکن احتیاط کا تقاضا یہی سمجھا کہ اس کو صرف یہی بتایا جائے کہ عبدالرحمٰن اسپین میں پناہ لینا چاہتا ہے اور اس کو امان دی جائے اور آمدنی کا کچھ حصہ اس کے گزارے کے لئے وقف کردیا جائے۔ ایسا اس لئے کیا گیا کہ صمیل اور والی اسپین یوسف میں گہرے تعلقات تھے جس سے یہ بھی شبہ تھا کہ کہیں وہ اس سے تذکرہ نہ کردے لیکن جب گفتگو ہوئی تو ان لوگوں کو اندازہ ہوگیا کہ صمیل اور یوسف کے تعلقات کشیدہ ہوگئے ہیں جس سے ان کو موقع ملا کہ بات صاف طور پر کرلیں۔ صمیل نے اس معاملے پر غور کرنے کے لئے وقت مانگا اور قرطبہ کی طرف چلا گیا

اور یہ لوگ اپنے مقام پر واپس آ گئے۔ دوسری ملاقات صمیل اور بنو امیہ کے حامیوں کی طلیطلہ میں ہوئی۔ انہوں نے صمیل کی رائے معلوم کی۔ صمیل نے کہا کہ میں نے خوب غور کر لیا ہے میں نے یہی محسوس کیا کہ ابن معاویہ بلاشبہ ہماری امداد کے مستحق ہیں اور حکومت کے اہل بھی۔ اس کو یہاں بلوالو اور پھر یوسف سے اس کی ملاقات کرا دیں گے اور یوسف کو مجبور کر دیں گے کہ اس کو قرطبہ میں اپنے پہلو میں جگہ دے اور اپنی لڑکی بھی اس کی زوجیت میں دیدے۔ اگر اس نے ان باتوں کو مان لیا تو ٹھیک ہے ورنہ عبدالرحمٰن کی حمایت میں ہماری تلواریں اس کے سر پر ہوں گی۔ ابو عثمان اور ابن خالد اس کا تہ دل سے شکریہ ادا کر کے طلیطلہ سے واپس چل دیئے۔ لیکن ابھی کچھ ہی دور پہنچے ہوں گے کہ صمیل کے قاصد نے آلیا اور کہا ابوالجوشن آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ یہ دونوں شک و شبہ میں مبتلا طلیطلہ واپس ہوئے۔ صمیل سے ملے تو اس نے کہا کہ میں نے تمہارے جانے کے بعد مزید غور کیا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ ابن معاویہ کہ بلانا قرین قیاس نہیں۔ اس لئے کہ یوسف پر ہم حکومت کرتے ہیں اور جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ ابن معاویہ ایسی قوم سے تعلق رکھتا ہے کہ اگر اس کا کوئی فرد بھی جزیرہ میں آ کر پیشاب بھی کر دے تو ہم اور تم سب اس میں ڈوب جائیں گے۔ چنانچہ میں تمہیں آگاہ کر دیتا ہوں کہ سب سے پہلی تلوار جو اس نوجوان پر اٹھے گی وہ میری ہوگی۔ ابو عثمان اور ابن خالد دونوں حیران رہ گئے انہوں نے موقع کی نزاکت محسوس کر کے یہ ہی بہتر سمجھا کہ صمیل پر یہ ظاہر کر دیں کہ آپ کی رائے سے ہمیں اتفاق ہے اور اب ہم بھی اس معاملے سے دست کش ہوتے ہیں۔

یہ لوگ صمیل سے مایوس ہو کر البیرہ واپس ہو گئے لیکن اپنے مقصد کو نہ چھوڑا۔ پہلے البیرہ کے ممتاز افسروں کو عبدالرحمٰن کی حمایت پر آمادہ کیا۔ اس علاقے کے شامیوں کو ہمنوا بنا کر دوسرے مقامات کے شامیوں اور دوسرے قبائل سے باری باری ملنے گئے اور اس طرح رفتہ رفتہ فضا ہموار کی جانے لگی۔ اس کے بعد یہ یمانیوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ یمانیوں اور مضریوں کے اختلافات موجود تھے جس کو نہایت ہوشیاری کے ساتھ ایک سازش کے ذریعے بھڑکا دیا گیا۔ یمانیوں کا سردار یا ابوالصباح بن یحییٰ تھا۔ اشبیلہ سے کچھ فاصلے پر قریہ مورہ میں سکونت پذیر تھا۔ اس کو ہمنوا بنانے کے لئے ابو عبیدہ حسان بن مالک کو بھیجا۔ ابوالصباح پر ہشام بن عبدالملک کے بڑے احسانات تھے۔ ابو عبیدہ نے انہی کو یاد دلا کر ہشام کے پوتے کی امداد پر اس کو تیار کر لیا اور وہ اس تحریک میں شریک ہو گیا۔ اس کے بعد شذونہ کے ممتاز رؤساء کو اپنا بنایا گیا۔ یہاں تک کہ بنو قحطان اور بنو عدنان میں بیشتر قبیلے ہمنوا ہو گئے۔ چنانچہ بدر کو عبدالرحمٰن بن معاویہ کے پاس بھیجا کہ وہ اس کو لے کر جلد اسپین

واپس آئے لیکن عبدالرحمٰن کو مصائب و آلام نے جہاندیدہ بنادیا تھا۔ اس نے بدر کو یہ کہہ کر واپس کردیا کہ جب تک اس کے مددگاروں میں کوئی ساتھ نہ ہوگا اسپین میں داخل ہونے کی اس کو مسرت نہ ہوگی۔ بدر دوبارہ اسپین واپس چلا آیا۔ اور عبدالرحمٰن کا یہ پیغام حامیان و موالیان بنوامیہ کو سنایا۔[1]

ابوعثمان نے یہ پیغام سن کر ایک جہاز خریدا اور اس میں گیارہ معززین کو بدر کے ساتھ عبدالرحمٰن کو لانے کے لئے بھیجا۔ ان میں تمام بن علقمہ ثقفی، وہب بن اصفر، شاکر بن ابوالا سمطا اور ابوافریعہ وغیرہ شامل تھے۔ اور ضروری مصارف کے لئے کچھ رقم تمام کے حوالے کی۔ مغرب کے وقت یہ جہاز ساحل پر لگا۔ لوگ پیشوائی کو دوڑے لیکن عبدالرحمٰن نماز پڑھتا رہا کہ بدر نے ان کو کامیابی کی خوش خبری سنائی۔ وفد کے لوگ بھی آگئے جن کا عبدالرحمٰن نے خندہ پیشانی سے استقبال کیا۔ سب سے پہلے اس نے تمام سے نام اور کنیت پوچھی۔ یہ بتایا جاچکا ہے کہ عبدالرحمٰن قیافہ، پیشین گوئی اور فال و رمل کا قائل تھا۔ چنانچہ تمام نے جواب دیا: "ابوغالب تمام"۔ عبدالرحمٰن بہت خوش ہوا اور کہا "انشاءاللہ ہم ضرور غالب ہوں گے۔" دوسرے سے پوچھا اس نے جواب دیا کہ "ابو افریعہ" عبدالرحمٰن نے کہا "ابوافریعہ نے ملک کو ہمارے لئے فتح کیا" عبدالرحمٰن جہاز پر سوار ہوا۔ تمام نے جمع ہونے والے بربر قبائل کو کافی رقم دی اور ان سے پیچھا چھڑا کر جہاز کو روانہ کردیا۔ اسپین پہنچ کر جہاز کو البیرہ کے ساحلی شہر المنکب پر کھڑا کیا گیا۔ اور ماہ ربیع الاول یا آخر ۱۳۸ھ مطابق ۷۵۵ء میں شہزادہ عبدالرحمٰن بن معاویہ اسپین کی سرزمین پر اترا تو عثمان اور عبداللہ بن خالد نے دیگر حامیان بنوامیہ کے ساتھ اس کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا۔ اور ابن خالد کی قیام گاہ پر ٹھہرا۔ پھر یہاں سے ابوعثمان کے وطن طرش روانہ ہوئے۔ یہاں پر سب سے پہلے ابوالحجاج یوسف بن بخت اس سے آکر ملا۔ پھر سارے ملک کے خاندان بنوامیہ کے افراد یہاں پہنچنے لگے۔ مختلف شہروں سے وفود کے آنے کا سلسلہ جاری ہوا اور لوگ آکر بیعت کرنے لگے۔ اس طرح اس کی طاقت میں بقول مقری روزبروز کیا لحہ بہ لحہ ترقی ہوتی گئی۔ اور قیام حکومت کی عملی کوششیں شروع ہوگئیں۔[2] ان بیعت کرنے والوں میں عمائدین اور بہت سے صوبوں کے والی بھی تھے۔ جیسے اشبیلہ اور مغربی اندلس وغیرہ کے ولاۃ۔

یوسف اس زمانے میں سرقسطہ اور آسٹریاس کی مہموں میں مشغول تھا۔ ملک میں قحط و خشک

---

[1] نفح الطیب ج ۲ ص ۶۱ و ابن القوطیہ ص ۲۳/۲۲ [2] نفح الطیب ج ۲ ص ۶۴-۶۵

سالی تھی۔ عامر اور حباب زہری کے قتل کی وجہ سے یمانی اس کے سخت خلاف ہو چکے تھے۔ اس اثناء میں یوسف کی بیوی ام عثمان کا قاصد قرطبہ سے ایک خاص پیغام لے کر پہنچا۔ جس میں یہ تشویشناک خبر درج تھی۔

"خلیفہ ہشام کا پوتا عبدالرحمٰن بن معاویہ اندلس میں داخل ہو چکا ہے اور قریہ طرش کے فاسق و فاجر ابو عثمان عبیداللہ کے پاس مقیم ہے۔ بنو امیہ کے موالی اور بہت سے قبائل اس کے گرد جمع ہو چکے ہیں۔ البیرہ کے نائب حاکم نے اس کا مقابلہ کیا مگر شکست کھائی۔ اس کے تدارک کے لئے جو کارروائی مناسب ہو عمل میں لائی جائے۔"

یوسف نے صمیل سے مشورہ کیا اور طے پایا کہ ابھی ابن معاویہ کی جماعت تھوڑی ہے۔ اس کے خلاف فوراً کارروائی کی جائے اور قرطبہ جانے کے بجائے عبدالرحمٰن کے مقابلے پر چلا جائے۔ یوسف کی فوج میں عبدالرحمٰن کی دعوت کی خبر آناً فاناً پھیل گئی اور لوگ جوق در جوق یوسف کو چھوڑ کر عبدالرحمٰن کے گرد اکٹھا ہونے لگے۔ یوسف دل برداشتہ ہو کر قرطبہ واپس چلا آیا کیونکہ برسات کے موسم کے شروع ہو جانے کی وجہ سے کسی فوج کشی کا موقع نہ رہا تھا۔ قرطبہ میں یوسف کے خیر خواہوں نے عبدالرحمٰن سے مصالحانہ خط و کتابت کرنے کا مشورہ دیا۔ یوسف فطرتاً صلح جو تھا اور ہنگاموں سے بچنا ہی چاہتا تھا۔ وہ اس کے لئے بخوشی تیار ہو گیا اور تین آدمیوں کا ایک وفد تحفہ و تحائف اور اس پیغام کے ساتھ روانہ کیا کہ وہ قرطبہ میں آرام کی زندگی بسر کرے۔ عبدالرحمٰن نے اس پیغام کو سنا کچھ لوگوں نے یوسف کی اس مصالحانہ پیشکش کو قبول کرنے کی رائے دی لیکن عبدالرحمٰن نے وہ خط ابو عثمان کے حوالے کر دیا کہ وہ جیسا چاہے جواب دے دے۔ ابو عثمان اس خط کا جواب مصالحانہ تحریر کر رہا تھا لیکن وفد کے ایک رکن نے اس پر طنز کیا۔ جس سے وہ آگ بگولہ ہو گیا اور اس رکن کو قید کر لیا باقی دو ارکان وفد اپنی جان بچا کر قرطبہ پہنچے اور ساری کیفیت بیان کی لیکن اب جاڑے شروع ہو چکے تھے اور برسات نے تمام راستے بند کر دیئے تھے۔ چنانچہ فوری کارروائی کا موقع نہ تھا۔ عبدالرحمٰن نے اس فرصت کو غنیمت جان کر اپنی دعوت کی اشاعت میں سارا وقت صرف کر دیا۔ اور بہت سے یمانی و قیسی قبائل کو اپنا ہمنوا بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ موسم کی سازگاری کے ساتھ ساتھ یوسف بھی البیرہ پر فوج کشی کی تیاریوں میں مشغول ہو گیا۔

عبدالرحمٰن کی بیعت

یوسف کی تیاریوں کی خبروں پر عبدالرحمٰن نے بھی فوج اکٹھا کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ کوہ ریہ سے اس کا آغاز ہوا جہاں اہل اردن آباد تھے۔ وہاں کے عرب قائد جدار بن عمر مذحجی کو اپنا شریک بنالیا۔ جدار ابن عمر کی ہمت کی بدولت یکم شوال ۱۳۸ھ مطابق ۷۵۵ء کو عید گاہ میں عبدالرحمٰن کی بیعت ہوئی اور اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ اقلیم ریہ کا والی عیسیٰ بن مساور بھی بیعت میں شریک تھا۔ الریہ کے تمام قبائل یمن و قضاعہ نے بیعت کرلی۔

باب ۵

امارت بنو امیہ اسپین

عبدالرحمٰن الداخل ابن معاویہ

۱۳۸ھ / ۷۵۵ء.........۱۷۱ھ / ۷۸۷ء

یہ بیان کیا جاچکا ہے کہ کس طرح اچانک عبدالرحمٰن الداخل کی توقع کے برخلاف کوہ ریّہ کے مقام پر عین عید کے روز اس کی امارت کا اعلان کرکے اس کی بیعت کی گئی تھی۔ امیر بن جانے کے بعد عبدالرحمٰن کو جن مسائل کا سامنا تھا ان میں سب سے اہم یوسف کا مسئلہ تھا۔ چنانچہ اس نے فوج جمع کرنے کے لئے کوہ ریّہ کی طرف پیش قدمی کی جہاں کا حاکم عیسیٰ بن مساور اس کی بیعت کرچکا تھا۔ چنانچہ یہ صوبہ بغیر کشت و خون کے اس کا مطیع ہوگیا۔ چند دن عبدالرحمٰن اس صوبے کے صدر مقام جذونہ میں جدار بن عمرو مذحجی کا مہمان رہا۔ یہیں پر رندہ یا تاکرنا میں بسنے والے خلیفہ یزید بن عبدالملک کے موالی جنکی تعداد چار سو سوار تھی اس کے ساتھ آملے۔ اب وہ رندہ ہوتا ہوا اقلیم شذونہ میں داخل ہوا جہاں پر اہل فلسطین آباد تھے۔ پھر ایک قریہ کنانہ میں جہاں بنو کنانہ آباد تھے' چند دن مقیم ہوا۔ اس صوبے کے والی غیاث بن علقمہ لخمی اور بہت سے ممتاز رؤسا نے اس کی بیعت کرلی۔ بنو کنانہ کے کچھ لوگ یوسف کے ساتھ مل گئے تھے۔ ان کو چھوڑ کر تمام عربوں نے اس کی اطاعت کی اور وہ اشبیلیہ کی سمت روانہ ہوا جہاں اہل حمص آباد تھے۔ یہاں داخل ہوتے ہی عربوں نے بلا امتیاز مضری و شامی اس کی بیعت کرلی۔ اس طرح خونریزی کے بغیر ہی جنوب مغربی اسپین کے وسیع علاقے محض دعوت و تبلیغ سے اس کے حلقہ اطاعت میں آگئے اور عبدالرحمٰن کے گرد ایک زبردست فوج اکٹھا ہوگئی۔

میدان مصارہ میں

عبدالرحمٰن کی تیاریوں اور روانگی کی اطلاع یوسف کو ملی تو وہ طلیطلہ کی طرف روانہ ہوا اور یہاں سے تازہ دم فوج لے کر اشبیلیہ کا رخ کیا۔ ابھی وہ حصن یا بسہ تک پہنچا تھا کہ عبدالرحمٰن نے قرطبہ کا رخ کیا۔ یوسف نے بھی قرطبہ کی طرف رخ موڑ دیا۔ اب وادیٔ الکبیر کے ایک کنارے پر عبدالرحمٰن

کی فوج اور دوسرے کنارے پر یوسف کی فوج ساتھ ساتھ چل رہی تھیں۔ دونوں فوجیں سامان رسد سے محروم تھیں اور قحط سالی سے پریشان حال ہوگئی تھیں۔ چنانچہ کنارے کے کھیتوں پر گزر ہو رہی تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ ایک اپنے اقتدار کو بچانے کے لئے لوگوں کو جمع کر لایا تھا اور دوسرے کے ساتھ وہ لوگ تھے جو نئے جذبات اور نئی امنگوں سے سرشار تھے اور ایسے خاندان کے فرد کے لئے کوشاں تھے جس کے اباء و اجداد سو برس تک دبدبہ و شان کے ساتھ حکومت کرتے رہے تھے۔ ان لوگوں کو یہ بھی امید تھی کہ قرطبہ پہنچنے کے بعد وافر مال غنیمت کے مالک بن جائیں گے۔ یوسف قرطبہ کے مغرب میں مصارہ کے میدان میں اترا۔ عبدالرحمٰن قرطبہ سے ابھی ۴۵ میل دور تھا۔ اس جگہ امیر اسپین کا پرچم ایک عابد و زاہد فقیہہ فرقد سر قسطی نے اپنے ہاتھوں سے بنا کر زیتون کے درخت پر نصب کیا اور شب کی تاریکی میں یہ لشکر چل کر قرطبہ کے قریب اور مصارہ کے مقام بالیش پر پہنچا۔ دونوں لشکروں کے درمیان وادی الکبیر حائل تھی۔ عبدالرحمٰن کی فوج اس امید کے ساتھ چلی تھی کہ قرطبہ پہنچ جائے گی لیکن جب اسے بالیش کے میدان میں اترنا پڑا تو اس میں پست ہمتی کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ اسی اثناء میں قرطبہ کے یمانی اور اموی بھی میدان بالیش میں لشکر سے آملے جس سے فوج کی ہمتیں ایک بار پھر بڑھ گئیں۔ دونوں سرداروں نے لشکر کی صف بندی کی اور اپنی اپنی فوج کی بہادر شخصیتوں کو سامنے رکھا۔ یوسف نے فوج کی صف بندی کی مگر خود قرطبہ آگیا۔ لڑائی سے پہلے اس نے کوشش کی کہ صلح جوئی سے معاملہ ٹل جائے۔ عبدالرحمٰن چونکہ دریا کے دوسری طرف تھا اور وہ مصارہ کے میدان میں پہنچنا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے بظاہر صلح پر آمادگی کا اظہار کیا۔ یہ عرفہ کا دن تھا۔ دونوں طرف کے لوگ سکون و اطمینان سے عید منا رہے تھے کہ اسی اثناء میں عبدالرحمٰن کے پاس جیان والبیرہ سے تازہ دم کمک آگئی جس سے اس کی بڑی حوصلہ افزائی ہوئی اور وہ دریا عبور کرنے کے لئے بڑھا۔ یوسف کی افواج صلح کی آس میں مگن تھیں اس لئے کسی نے اس کی مزاحمت نہ کی اور عبدالرحمٰن آسانی سے میدان مصارہ میں اتر گیا۔ عبدالرحمٰن نے یہ فیصلہ حیلہ جوئی سے کیا تھا۔ سب لوگ عید منانے میں مصروف تھے اور یوسف کو صلح کی اس قدر امید تھی کہ دونوں لشکروں کا کھانا اپنے باورچی خانے میں تیار کروالیا تھا اور مہمانوں کے خیر مقدم کا منتظر تھا کہ خبر پہنچی کہ عبدالرحمٰن نے حملہ کر دیا۔ پہلے ہی حلہ میں عبدالرحمٰن کے سواروں نے یوسف کے میمنہ اور قلب کو شکست دے کر پیچھے دھکیل دیا۔ اس حملے میں یوسف کا لڑکا عبداللہ اور صمیل کا لڑکا جوش کام آئے اور یوسف اور صمیل دونوں جان بچانے کے لئے میدان چھوڑ کر بھاگے۔ جنگ جیتی جا چکی تھی۔ عبدالرحمٰن الداخل

فاتحانہ انداز میں قرطبہ میں داخل ہو کر قصر حکومت میں گیا جو خالی پڑا ہوا تھا۔ اس کا لشکر بھی قرطبہ میں داخل ہو گیا اور سپاہی یوسف کے محل پر ٹوٹ پڑے جو جس کے ہاتھ لگا لے گیا۔ لیکن عبدالرحمٰن نے تمام لوٹا ہوا مال واپس کروا دیا اور یوسف کی لڑکی اور بیوی کو "صاحب الصلاۃ" کے سپرد کیا کہ ان کی حفاظت کرے۔ جس کے شکریئے میں یوسف کی لڑکی نے ایک باندی حلل نامی عبدالرحمٰن کو پیش کی جو بعد میں ولی عہد ہشام کی ماں بنی۔

یمانیوں کو یوسف کے اہل و عیال کے ساتھ عبدالرحمٰن کا یہ نرم رویہ ناگوار گزرا۔ ان میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ یہاں تک کہ ان کے جذبات امیر کے خلاف بھی ابھر آئے۔ چنانچہ ابوالصباح نے یہاں تک کہا کہ کیوں نہ ہم ایک فتح سے دو فتحیں حاصل کریں۔ یوسف کا قصہ تو ختم ہوا۔ عبدالرحمٰن کو بھی راہ سے ہٹادیں۔ لیکن بنو قضاعہ کی مخالفت کی بنا پر یہ تحریک دب گئی۔ عبدالرحمٰن کو جب یہ اطلاع ملی تو اس نے پیش بندی کے طور پر اپنے موالیوں کو یکجا کر کے عبدالرحمٰن بن نعیم کو ان کا افسر مقرر کیا اور قرطبہ کے خالی محلات میں آباد کیا۔ یہ عبدالرحمٰن کے خاص محافظ بن گئے۔ یہ سب کام امیر نے رازداری سے کیا۔ جمعہ کے دن ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۸ھ کو قرطبہ فتح ہوا۔ خود عبدالرحمٰن نے جمعہ کی نماز پڑھائی اور خطبہ میں قرطبہ والوں سے حسن سلوک کا وعدہ کیا۔

یوسف میدان عمل میں

یوسف قرطبہ سے نکلا تو تھوڑے فاصلے پر اس کا لڑکا عبدالرحمٰن پانچ سو سواروں کے ساتھ اس سے مل گیا جو سرحدی علاقے سے کمک لے کر آ رہا تھا۔ لیکن وہ ایک روز کی تاخیر سے پہنچا تھا۔ یوسف اس کو ساتھ لے کر ماردہ پہنچا اور وہاں سے طلیطلہ روانہ ہوا۔ طلیطلہ ہی میں باقی ماندہ فوج اس سے آملی۔ صمیل بھی وہیں آگیا۔ جس کے ساتھ قبیلہ مضر کے کچھ لوگ تھے۔ امیر عبدالرحمٰن صوبوں کے انتظام سے غافل نہ تھا۔ اس نے طلیطلہ کے لئے ابن دجن کو والی بنا کر بھیجا تاکہ فوج اکٹھی کر کے اس علاقے پر اپنا تسلط قائم کرلے۔ دیگر صوبوں کے لئے دیگر امراء کو بھی مختلف علاقوں میں نامزد کیا اور یہ لوگ اپنے اپنے علاقوں پر قبضہ کرنے کے ذمہ دار قرار دیئے گئے۔ یوسف اور صمیل معہ لشکر جیان پہنچے اور قلعہ منتیشہ کو مرکز بنا کر البیرہ پر قبضہ کر لیا۔ امیر عبدالرحمٰن کا والی جابر بن علا جان بچا کر پہاڑوں میں روپوش ہو گیا۔ امیر عبدالرحمٰن البیرہ کے ہاتھ سے جانے کی خبر سن کر فوج جمع کر کے یوسف کے مقابلے کے لئے قرطبہ سے روانہ ہوا۔ ابو عثمان کو قرطبہ میں اپنا نائب مقرر کیا۔ یوسف کو جب قرطبہ

سے عبدالرحمٰن کی روانگی کی اطلاع ملی تو اس نے اپنے لڑکے ابو زید عبدالرحمٰن کو ایک فوج دے کر قرطبہ پر قبضہ کرنے کے لئے ایک دوسرے راستے سے روانہ کیا اور خود قلعہ منتیشہ میں قلعہ بند ہو گیا۔

ابو زید عبدالرحمٰن ایک دوسرے راستے سے قرطبہ پہنچا۔ ابو عثمان اس کا مقابلہ نہ کر سکا اور جامع مسجد کے حجرے میں محصور ہو گیا۔ ابو زید نے اسے جان کی امان دے کر اطاعت کرنے کی دعوت دی۔ ابو عثمان نے خود کو ابو زید کے حوالے کر دیا لیکن ابو زید کے پاس اتنی طاقت نہ تھی کہ مستقل طور پر قرطبہ پر قابض رہتا۔ چنانچہ وہ اپنے اہل و عیال اور ابو عثمان کو لے کر البیرہ چلا گیا۔ امیر عبدالرحمٰن کو جب اس کی اطلاع ملی تو بنو فہر کے جد اعلیٰ عامر بن علی کو اپنا نائب بنا کر قرطبہ روانہ کیا۔ عامر قرطبہ پہنچ کر قصر امارت میں فروکش ہوا اور قرطبہ کا انتظام سنبھال لیا۔

امیر عبدالرحمٰن کو ابو عثمان کی زیادہ فکر تھی چنانچہ وہ خود البیرہ روانہ ہوا اور شہر سے دور ایک قریہ ارمنہ پہنچا۔ لیکن ابو عثمان کے سبب سے وہ فوج کشی سے باز رہا اور یوسف سے سلسلہ معاونت و مراسلت شروع کیا جس میں مندرجہ ذیل شرائط پیش کی گئیں۔ اور انہی شرائط پر یوسف سے ایک بار پھر حکومت عبدالرحمٰن کے حوالے کر دینے کے لئے کہا گیا۔

(۱) یوسف اور صمیل کی جاگیریں، جائیدادیں اور دولت کو کسی قسم کا نقصان نہ ہو گا۔
(۲) سب لوگوں کو بلا امتیاز امان دی جائے گی اور بطریق احسن حکومت چلائی جائے گی۔
(۳) جب تک اعتماد بحال نہیں ہو تا یوسف کے دونوں لڑکے ابو زید عبدالرحمٰن اور ابو الاسود محمد بطور یرغمال قرطبہ میں نظر بند رہیں گے۔ حالات سدھر جانے پر دونوں کو آزاد کر دیا جائے گا۔
(۴) یوسف قرطبہ کے مشرقی حصے میں قیام کرے گا اور روزانہ دربار میں حاضری دے گا۔

یوسف اور صمیل نے ان شرطوں کو قبول کر لینا مناسب سمجھا اور معاہدہ صلح لکھا گیا۔ یہ معاہدہ ۱۳۹ھ کو عمل میں آیا جس میں ایک فریق یوسف اور صمیل تھے اور دوسرا فریق امیر عبدالرحمٰن خود تھا۔ خالد بن زید اور ابو عثمان رہا کر دیئے گئے اس کے بعد یہ سب لوگ اس طرح قرطبہ میں داخل ہوئے کہ دائیں بائیں یوسف اور صمیل اور درمیان میں امیر عبدالرحمٰن تھا۔ اس کے بعد شان و شوکت سے قرطبہ میں امیر عبدالرحمٰن کی تاجداری کا بالاتفاق اعلان کیا گیا۔[۱]

---

[۱] ابن اثیر۔ ج ۵ ص ۲۷۶، ابن قوطیہ ص ۲۱۔۱۰۔ مقری۔ ج ۱ ص ۱۵۲

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ عالم اسلام کے ہر امیر و سلطان کے لئے یہ ضروری خیال کیا جاتا تھا کہ کم از کم نظریاتی طور پر ہی خلیفتہ المسلمین کی حکومت کو ضرور قبول کرے اور خلیفتہ المسلمین وہی تسلیم کیا جاتا تھا جو مکہ اور مدینہ پر قابض ہو۔ بنو عباس کی خلافت چونکہ مکہ و مدینہ دونوں شہروں میں تھی اس لئے عامتہ المسلمین کا خیال رکھتے ہوئے امیر عبدالرحمٰن نے نہایت دانش مندی سے خلیفتہ المنصور عباسی کی خلافت تسلیم کر لی اور مسجد قرطبہ میں خود اس کے نام کا خطبہ پڑھا اور تمام اسپین میں جاری کرا دیا[1]۔

امیر عبدالرحمٰن کے اسپین میں قدم جماتے ہی بنو عباس کے ہاتھوں سے بچے ہوئے بنو امیہ کے خاندان کے افراد اور حامی اور موالی اسپین کی طرف آنے لگے۔ آنے والوں میں عبدالملک بن عمر بن مروان اور خیری بن عبدالعزیز بن مروان جیسی مشہور شخصیتیں بھی شامل تھیں۔ عبدالرحمٰن نے ان سب کو قرطبہ میں ٹھہرایا۔ اور انہیں اطمینان سے زندگی گزارنے کے لئے جاگیریں اور جائیدادیں دیں اور کچھ کو صوبوں کا والی بھی بنایا۔ قرطبہ میں قریش، بنو ہاشم اور بنو فہر کے رؤسا اور عمائدین بھی آباد تھے۔ جن کے بڑے بڑے محلات تھے۔ عبدالرحمٰن نے امویوں اور اموی موالیوں کے رہنے کے لئے ان کے محلات کو خالی کروالیا۔ ان کی جاگیروں اور جائیدادوں میں کانٹ چھانٹ کی جس کو قریش کے سرداروں اور رئیسوں نے محسوس کیا اور اس طرح عبدالرحمٰن کا پہلا مخالف گروہ پیدا ہو گیا۔

یوسف نے قرطبہ میں چند دن سکون سے گزارے۔ عبدالرحمٰن گو اس سے مطمئن نہیں تھا لیکن معاہدے کی خلاف ورزی بھی نہ کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے ایسے طریقے اختیار کئے جس سے یوسف کو اسپین میں رہنا دوبھر ہو جائے۔ اس ضمن میں اس نے سب سے پہلے اس کے خلاف کئی جھوٹے دعویدار کھڑے کر دیئے۔ جس سے یوسف کی بڑی سبکی اور بے عزتی ہوئی تھی۔ یوسف عبدالرحمٰن سے شکایت کرتا تو وہ کان نہ دھرتا۔ یہی سب کچھ صمیل کے ساتھ ہوا۔ الغرض ہر طریقے سے دونوں کو پریشان کیا جانے لگا۔ یوسف نے عبدالرحمٰن کی اس روش سے اس کے ارادوں کا اندازہ کر لیا۔ ادھر ہاشم و فہر کے موالی اور قریشی جن کے عہدے ان سے چھین لئے گئے تھے اور ان کی جاگیریں امویوں اور ان کے موالیوں کو دے دی گئی تھیں یوسف کے پاس آتے اور غلط معاہدہ کرنے پر لعن طعن کرتے۔ یوسف پہلے ہی دل برداشتہ تھا ان لوگوں کے کہنے سننے پر ایک مرتبہ پھر قسمت آزمائی کرنے پر تیار ہو گیا۔ اس سلسلہ میں قرطبہ کے فوجیوں سے اس نے خط و کتابت کی لیکن ناکامی

---

[1] ابن اثیر، جلد ۵ صفحہ ۳۷۸

ہوئی۔ صمیل اور بنو قیس نے امن و امان کے زمانے میں جنگ کرنا اچھا نہ سمجھا۔ البتہ اہل ماردہ اور اہل طلیطلہ نے یوسف کی ہمت افزائی کی اور یوسف قرطبہ سے روپوش ہو کر ماردہ فرار ہو گیا جہاں اُسے بیس (۲۰) ہزار مددگاروں کی جمعیت مل گئی۔[1] عبدالرحمٰن نے اس کے تعاقب میں لشکر بھیجا مگر بے سود۔ صمیل سے پوچھ گچھ ہوئی جب اس نے کچھ نہ بتایا تو اس کو قید کر دیا گیا اور یوسف کے دونوں لڑکے بھی قید کر دیئے۔[2] یوسف ماردہ سے نبت پہنچا لیکن عبدالرحمٰن کے آنے کی اطلاع پا کر اشبیلہ کی طرف روانہ ہوا۔

اشبیلہ کا والی عبدالملک مروانی تھا۔ حمص کے نو آباد شامی اس کے طرفدار تھے۔ لیکن تمام قدیم عرب و بربر باشندے یوسف کے ساتھ مل گئے۔ مروانی ان حالات کو دیکھتے ہوئے اپنے تحفظ کی خاطر قلعہ بند ہو گیا۔ یوسف نے محاصرہ کر لیا لیکن فوجی نقطہ نظر سے اس سے ایک بڑی غلطی سرزد ہوئی اور وہ یہ تھی کہ مروانی کی طاقت کو ختم کرنے کے بجائے وہ برج اسامہ کی طرف عبدالرحمٰن سے نبرد آزما ہونے کے لئے روانہ ہو گیا۔ اسی اثناء میں مروانی کا لڑکا عمرو بن عبدالملک باپ کی مدد کے لئے مورور سے اشبیلہ آ گیا۔ اس نے باپ کو یوسف کے محاصرہ اٹھانے کی اطلاع دی۔ مروانی ایک چھوٹا سا شامی لشکر لے کر یوسف کے تعاقب میں چلا۔ امیر عبدالرحمٰن بھی برج اسامہ سے المدور آ گیا۔ یوسف کو جب مروانی کی آمد کی اطلاع ہوئی تو اس نے امیر عبدالرحمٰن سے مقابلہ کرنے کے بجائے مروانی سے مقابلہ کرنے کی ٹھانی۔ تاکہ امیر اور مروانی کے درمیان پس کر نہ رہ جائے۔ گو مروانی کی فوج یوسف کی فوج کے مقابلے میں تھوڑی تھی لیکن مقابلے کے لئے تیار تھی۔ یوسف جب مروانی کے لشکر پر حملہ آور ہوا تو اس کو اپنی فوج کی بزدلی کا احساس ہو گیا۔ چنانچہ معمولی جھڑپ کے بعد اس کی فوج بھاگ کھڑی ہوئی اور مروانی کامران و فتح مند عبدالرحمٰن کے پاس چلا گیا۔ امیر نے اس کا شاندار استقبال کر کے اس کی خدمات کو سراہا۔ دوسری طرف اس چھوٹے سے لشکر کی فتح مندی نے عبدالرحمٰن کے ساتھیوں کے حوصلے بلند کر دیئے۔

یوسف کے لئے اب کوئی جائے پناہ نہ تھی۔ وہ ادھر ادھر سر چھپاتا پھرا۔ ایک شخص عبداللہ بن عمرو انصاری نے اس کو طلیطلہ کے قریب ایک گاؤں میں دیکھا اور اس نے اس کو مار ڈالنا ہی بہتر سمجھا۔ تاکہ ملک میں امن و امان قائم ہو سکے۔ وہ چند سواروں کو لے کر اس کے تعاقب میں چلا۔ یوسف ابھی طلیطلہ میں داخل بھی نہ ہونے پایا تھا کہ عبداللہ نے اس کو قتل کر دیا۔ یہ قتل ماہ رجب

---

[1] ابن اثیر۔ جلد ۵ صفحہ ۲۷۱ [2] مجموعہ اخبار اندلس صفحہ ۷۶۔۹۴۔۹۵

۱۴۲ھ / ۷۵۹ء میں ہوا۔ عبداللہ یوسف کا سر لے کر عبدالرحمٰن کے پاس قرطبہ پہنچا۔ امیر نے یوسف کے بڑے لڑکے عبدالرحمٰن کو بھی جیل سے نکلوا کر قتل کروادیا۔ دونوں باپ بیٹوں کے سر قصر حکومت کے پھاٹک پر لٹکا دیئے گئے۔ ابوالاسود محمد بن یوسف ابھی کم عمر تھا اس لئے اس کو چھوڑ دیا گیا۔ یوسف کے ساتھ ہی صمیل کو بھی زوال آگیا۔ وہ پہلے ہی گرفتار کرلیا گیا تھا۔ عبدالرحمٰن نے یوسف کے قتل کے بعد اس کو بھی قتل کرنے کی کوشش کی لیکن جب جیل کا دروازہ کھولا گیا تو وہ کوٹھری میں مردہ پڑا تھا اور اس کے پاس ہی زہر کا پیالہ پڑا ہوا تھا۔[1]

خاندان یوسف بن فہری کا خاتمہ

ابوالاسود محمد بن یوسف ۱۸ برس تک جیل میں رہا۔ اس دوران اس نے چالاکی سے اپنے آپ کو اندھا بنائے رکھا۔ پہریداروں نے اس پر تقریباً نگرانی ختم کردی جس سے فائدہ اٹھا کر وہ ۱۶۸ھ / ۷۸۲ء میں جیل سے فرار ہوگیا۔ وہ فرار ہو کر سیدھا طلیطلہ پہنچا۔ یہاں پر فہریوں اور قیسیوں کے علاوہ وہ لوگ بھی اس کے ساتھ مل گئے جو کسی نہ کسی طور امیر عبدالرحمٰن کے مخالف تھے اور ان اٹھارہ برسوں میں مختلف علاقوں میں شورش برپا کرچکے تھے۔ ابوالاسود ایک عظیم الشان لشکر لے کر طلیطلہ سے قرطبہ کی طرف چلا۔ ابھی صوبہ جیان کے مقام قسطلونہ تک ہی پہنچا تھا کہ امیر عبدالرحمٰن آن پہنچا اور دریائے احمر پر دونوں کا مقابلہ ہوا۔ مقابلہ سخت تھا لیکن ابوالاسود کو شکست ہوئی اور وہ فرار ہوگیا۔ امیر عبدالرحمٰن نے قلعہ باجہ تک تعاقب کیا پھر واپس چلا آیا۔ دوسرے سال ۱۶۹ھ میں ابوالاسود پھر فوج جمع کرکے میدان میں آیا لیکن امیر کو دیکھتے ہی راہ فرار اختیار کی۔ شاہی لشکر نے تعاقب کیا اور سینکڑوں فراریوں کو قتل کیا جن میں ابوالاسود کے اہل و عیال بھی شامل تھے۔ اس کے بعد ابوالاسود کو سر اٹھانے کا موقعہ نہ ملا۔ وہ ۱۷۰ھ / ۷۸۶ء میں طلیطلہ میں انتقال کرگیا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کے ایک دوسرے بھائی قاسم نے جرات کی لیکن امیر کے ہاتھوں گرفتار ہوا اور قتل کردیا گیا۔ فہری خاندان کا یہ آخری فرد تھا۔ اس کے بعد اسپین میں یوسف کے خاندان کا چراغ گل ہوگیا۔ اس طرح ۲۴ برس تک یہ خاندان عبدالرحمٰن سے اقتدار کے حصول کی جنگ کرتا رہا یہاں تک کہ ختم ہوگیا۔

---

[1] ابن اثیر۔ جلد ۵ ص۳۸۱۔ نفخ الطیب جلد ۲ ص۶۶۔ مجموعہ اخبار الاندلس ص۱۰۱،۹۶

بغاوتیں اور ان کا سدباب

امیر عبدالرحمٰن نے جس جانفشانی اور محنت سے بنوامیہ سلطنت کی اسپین میں بنیاد ڈالی تھی اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ چین وسکون سے حکمرانی کرتا لیکن برخلاف اس کے وہ تمام زندگی مخالفتوں اور بغاوتوں سے نبرد آزما رہا۔ امیر کی شہرت اس کے آنے کے بعد اس تیزی سے پھیلی تھی کہ اس وقت کسی کو سوچنے اور سمجھنے کا موقع مل ہی نہ سکا۔ گو قبائلی اختلافات اس وقت بھی موجود تھے لیکن وقتی جوش اور جذبے نے کسی کو مہلت نہ دی کہ اس طرف دھیان دیتا۔ لیکن امیر عبدالرحمٰن یوسف اور صمیل کو ختم کر کے اپنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا تب قبائل کو ہوش آیا اور ان کی عصبیت نے جوش مارا۔ سب سے پہلی شورش یمنی جماعت کے سردار ابوالصباح نے پھیلائی جو اشبیلیہ کی ولایت پر معمور تھا۔ عبدالرحمٰن کو گو اس کی سرکشی کی اطلاع مل گئی تھی لیکن پھر بھی اس نے حکومت کے استحکام اور وقت کے تقاضے کی وجہ سے اس سے کوئی بازپرس نہ کی۔ جب اس کو کچھ اطمینان ہوا تو اس نے ابوالصباح کو اشبیلیہ کی ولایت سے معزول کر کے عبدالملک مروانی کو وہاں کا والی بنا دیا۔ ابوالصباح کی معزولی سے یمنی قبیلہ امیر سے برگشتہ ہو گیا۔ ادھر بنوامیہ اور ان کے موالیوں کو جو اعزاز اور جاگیریں دی جا رہی تھیں اس نے عام بربر اور عرب قبائل میں بے اطمینانی پھیلا دی تھی جس کا نتیجہ یوسف کی فوج کشی کی صورت میں نکلا تھا۔ یوسف کی شکست کے بعد یہ ملک کے گوشے گوشے میں پھیل گئے اور جب اور جہاں جہاں موقعہ ملتا گیا اپنی جمعیت فراہم کر کے بغاوتیں کرنے لگے۔ ان بغاوتوں کا سلسلہ یوسف کے قتل ہونے کے سوا سال بعد شروع ہوا۔

امیر عبدالرحمٰن الداخل بھی حالات سے غافل نہ تھا۔ اس نے بنوامیہ اور بنوامیہ کے ہمدردوں پر مشتمل ایک زبردست فوج تیار کر لی تھی۔ اس کارروائی سے وہ لوگ بھی امیر سے علیحدہ ہونے لگے جو قیام حکومت میں ان کے مددگار تھے جن میں ابوعثمان، عبداللہ بن خالد، تمام بن علقمہ اور ابوالصباح ممتاز تھے۔ چنانچہ امیر نے سب سے پہلے ابوالصباح پر چند الزامات لگا کر قتل کرا دیا۔ عبداللہ بن خالد کو بھی ولایت سے معزول کر دیا گیا اور اس نے سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ اسی طرح رفتہ رفتہ امیر کا ہر جاں نثار یا تو خود علیحدہ ہو گیا یا امیر یا اس کے ولی عہد کے ہاتھوں مارا گیا۔ امیر کے اس طرز عمل سے بغاوتوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا جو امیر کے مرنے تک ختم نہ ہو سکا۔ ان بغاوتوں کا مختصر حال درج ذیل ہے۔

یوسف کے قتل کے بعد سب سے پہلی بغاوت ۱۴۳ھ / ۷۶۰ء میں ارزق بن نعمان غسانی نے جزیرہ خضراء میں کی۔ مدینہ، شذونہ اور اشبیلہ پر قبضہ کرکے جنوبی اسپین کے بہت سے علاقے پر قابض ہوگیا۔ امیر عبدالرحمٰن خود فوج لے کر اشبیلہ پہنچا اور شہر کا شدید محاصرہ کرلیا۔ شہر والوں نے مجبور ہوکر غسانی کو امیر کے حوالے کردیا جو قتل کردیا گیا۔ شہر والوں کو امان دے کر امیر واپس ہوگیا[1]

اس کے ایک سال بعد ۱۴۴ھ / ۷۶۱ء میں ہشام بن عروہ فہری نے طلیطلہ میں بغاوت کی۔ بہت سے عمائدین بھی اس کے ساتھ مل گئے۔ امیر خود فوج لے کر گیا اور طلیطلہ کا محاصرہ کرلیا۔ جب محاصرہ کی سختیاں بڑھیں تو ہشام نے اطاعت قبول کرنا چاہی۔ امیر عبدالرحمٰن نے اس کے لڑکے کو بطور یرغمال رکھ کر اس کو امان دے دی۔ امیر کے واپس ہوتے ہی ہشام نے پھر بغاوت کی چنانچہ امیر دوبارہ واپس ہوا لیکن اس مرتبہ ہشام نے اطاعت قبول نہ کی۔ جس کے نتیجہ میں اس کے لڑکے کو امیر نے قتل کرادیا اور محاصرہ اٹھا کر واپس آگیا اور طلیطلہ چند سالوں کے لئے بغاوت کا مرکز بن گیا[2]

عباسیوں کی ناکام کوشش

جیسا کہ ابن اثیر کے حوالے سے بتایا جاچکا ہے کہ عبدالرحمٰن نے فتح قرطبہ کے بعد مسجدوں میں عباسیوں کا خطبہ جاری کردیا تھا اور روایتاً عباسیوں کی حکومت تسلیم کرلی تھی لیکن بنوامیہ کے ایک فرد عبدالملک نے اسپین میں آتے ہی اس رسم کو بند کرنے کا مشورہ دیا اور عبدالرحمٰن کو عباسیوں کے مظالم سنا کر اس کے جذبات کو بھڑکایا۔ چنانچہ عبدالرحمٰن نے المنصور عباسی کا خطبہ پڑھوانا بند کردیا۔ لیکن پھر بھی اپنے لئے خلیفہ کے بجائے "امیر" کا لقب اختیار کیا۔ المنصور عباسی کو جب اس بات کا علم ہوا تو اس کو سخت ناگوار گزرا۔ اس نے اپنے ایک معتمد علاء ابن مغیث یحصبی کو جو افریقہ کا ایک ممتاز قائد تھا۔ اس بات پر آمادہ کرلیا کہ وہ اسپین پر حملہ کرے اور اس کو فرمان ولایت خلعت اور سیاہ علم بھی دیا۔ علاء ان دنوں افریقہ میں مقیم تھا۔ ۱۴۶ھ / ۷۶۲ء میں اپنے وطن مغربی اسپین کے شہر باجہ میں آیا[3] اس شہر میں اس نے سیاہ عباسی علم بلند کیا اور سیاہ لباس اختیار کیا اور خلیفہ المنصور عباسی کی

[1] ابن اثیر ج ۵ ص ۱۷۳ [2] مجموعہ اخبار اندلس ص ۷۶، ۹۴، ۹۵

[3] ابن عذاری۔ ابن اثیر۔ ابن خلدون۔ اور مقری کا بیان ہے کہ علاء بن مغیث افریقہ سے باجہ آیا تھا اور یہیں سے بغاوت شروع کی تھی البتہ ابن القوطیہ کا بیان ہے کہ باجہ کا باشندہ تھا اور عباسی علم اور فرمان ولایت و خلعت یہیں آیا تھا۔

بیعت لینا شروع کر دی۔ یہ وہ دور تھا جبکہ اسپین میں ایک بار پھر قبائلی کشمکش شروع ہو چکی تھی اور امیر عبدالرحمٰن چاروں طرف سے بغاوتوں میں گھر چکا تھا۔ چنانچہ علاء کی آواز پر لبیک کہنے والوں کی تعداد میں بہت اضافہ ہوتا چلا گیا۔ عباسی دعوت کی تائید و حمایت کا جوش و جذبہ اسپین کے مسلمانوں میں پھیلتا چلا گیا۔ یہاں تک مسلم اسپین کی مساجد میں خلیفہ عباسی کے لئے دعائیں مانگی جانے لگیں اور عبدالرحمٰن الداخل کو خلافت کا باغی قرار دے کر اس کو مرتد اور غاصب کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر امیر عبدالرحمٰن جیسا مستقل مزاج اور عزم و ہمت والا شخص امیر اسپین نہ ہوتا تو بنوامیہ کی حکومت ختم ہو چکی ہوتی اور اسپین بھی ایک عباسی صوبہ ہو جاتا لیکن امیر موصوف میں مایوسی، گھبراہٹ، اور بدحواسی کا دور دور تک نام و نشان نہ تھا۔ نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ بنوامیہ کے موالی کے سوا تقریباً پورا مسلم اسپین عباسی جھنڈے کے نیچے جمع ہو چکا تھا اور قریب تھا کہ نہ صرف بنوامیہ کی نئی نئی قائم ہونے والی حکومت ختم ہو جائے بلکہ بنوامیہ اور ان کے مددگار بھی صفحہ ہستی سے مٹا دیئے جائیں۔ اس وقت امیر عبدالرحمٰن نے ایک بار پھر اپنے آپ کو عباسیوں کے خلاف تیار کر لیا اور اپنے جاں نثاروں کی مختصر فوج لے کر قرطبہ سے باہر نکلا۔

علاء ابن مغیث باجہ میں کامیابی کے بعد ایک لشکر کثیر لے کر اشبیلہ کی طرف بڑھا۔ اشبیلہ میں یمنیوں کا زور تھا جو امیر عبدالرحمٰن کی جان کے دشمن جاں بنے ہوئے تھے۔ انہوں نے علاء کا ساتھ دیا اور اشبیلہ کو اس کی تحویل میں دے دیا۔ امیر عبدالرحمٰن بھی اشبیلہ کی طرف بڑھا اور اس کے نواح میں قلعہ اعواق میں اترا۔ اسی اثناء میں علاء بن مغیث نے فرمونہ کا رخ کیا لیکن امیر نے رات کی تاریکی میں بدر کو بھیج کر اس پر پہلے ہی اپنا قبضہ کر لیا اور صبح تک خود بھی اس قلعہ میں داخل ہو گیا۔ علاء نے قلعہ فرمونہ کا محاصرہ کر لیا۔ قلعہ بلندی پر واقع تھا اور ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا دو ماہ تک علاء قلعہ کا محاصرہ کئے رہا۔ لیکن بے سود یہاں تک کہ خود اس کی فوج میں رسد کی کمی اور بیکاری سے بددلی پھیلنا شروع ہو گئی اور آہستہ آہستہ بڑی تعداد میں لوگ اس کی فوج سے بھاگنے لگے۔ امیر عبدالرحمٰن نے موقعہ غنیمت جانا اور اپنے ساتھ سو (۱۰۰) جاں نثاروں کو لے کر علاء کی فوج پر شب خون مارا۔ علاء اور اس کے ساتھیوں کے دل ٹوٹ چکے تھے۔ چنانچہ امیر کے زبردست حملہ کی تاب نہ لا سکے۔ سات ہزار عباسی مارے گئے۔ اور علاء بھی کام آیا۔ امیر عبدالرحمٰن کی اس کامیابی نے اموی حکومت کی بنیاد چار سو برس تک کے لئے مستحکم کر دی۔ امیر نے علاء بن مغیث اور مقتول عباسیوں کے

سروں میں نمک اور کافور بھرا اور ان کے ساتھ عباسی علم، فرمان ولایت، خلعت سب کو تھیلوں میں بند کر کے خلیفہ المنصور عباسی کے پاس مکہ معظمہ روانہ کردیا۔ المنصور ان کو دیکھ کر چلا اٹھا۔

"یہ انسان نہیں کسی شیطان کا کام ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہمارے اور ایسے دشمن کے درمیان سمندر حائل کردیا۔" اور اس کے بعد کبھی عباسیوں کی ہمت اسپین کی طرف نظریں اٹھانے کی نہ ہوئی۔[1]

عباسی بغاوت کو ختم کرنے کے بعد امیر عبدالرحمٰن نے ملک میں دیگر بغاوتوں کی طرف توجہ کی اس مہم کا آغاز اس نے طلیطلہ ہی سے شروع کیا۔ ۱۴۴ھ / ۷۶۱ء میں طلیطلہ میں بغاوت ہو چکی تھی۔ امیر اس پر دو مرتبہ فوج کشی بھی کر چکا تھا لیکن یہ فرو نہ ہوئی تھی۔ ۱۴۷ھ / ۷۶۴ء میں امیر نے بدر اور تمام بن علقمہ کو طلیطلہ کی طرف روانہ کیا۔ شاہی فوج نے شہر کا سختی سے محاصرہ کرلیا یہاں تک کہ اہل شہر مجبور ہو کر اطاعت قبول کرنے پر آمادہ ہوگئے۔ بدر نے سرکش سرداروں کو طلب کیا۔ چنانچہ ہشام بن عروہ فہری، حیات بن ولید تجیبی اور حمزہ بن عبداللہ کو بدر کے حوالے کردیا گیا۔ شہر طلیطلہ فتح ہونے کے بعد تمام بن علقمہ کو وہاں کا والی بنادیا گیا۔ اور بدر مع قیدیوں کے قرطبہ واپس ہوا ان قیدیوں کو امیر عبدالرحمٰن نے ذلت اور رسوائی کے ساتھ سولی پر لٹکادیا۔[2]

طلیطلہ کے واقعہ نے ایک بار پھر یمنیوں کو بھڑکادیا اور وہ لبلہ کے سعید تجیبی مطری کی معیت میں بغاوت پر آمادہ ہوگئے۔ سعید لبلہ سے اشبیلیہ آیا اور اس پر قابض ہوگیا۔ عبدالرحمٰن خود فوج لے کر روانہ ہوا۔ سعید مطری نے اپنے آپ کو قلعہ اعواق میں محصور کرلیا۔ ۱۴۸ھ / ۷۶۵ء میں امیر نے اس قلعہ کا سختی سے محاصرہ کرلیا اور مطری کی امداد کو آنے والے لشکروں کو روکنے کے لئے اپنے فوجی دستے علاقوں میں پھیلادیئے۔ مطری یمنیوں کا بہادر ترین فرد تھا۔ وہ ایک قلعہ سے باہر نکل کر امیر پر حملہ آور ہوا اور اسی حملے میں مارا گیا۔ قلعہ والوں نے خلیفہ بن مروان کو اپنا امیر بنالیا اور مقابلے پر ڈٹے رہے۔ جب محاصرہ کی سختیاں زیادہ ہوگئیں تو اہل قلعہ نے امان طلب کی۔ امیر عبدالرحمٰن نے ان سے خلیفہ بن مروان اور چیدہ چیدہ لوگوں کو طلب کر کے قلعہ حوالے کردینے کا مطالبہ کیا جو اہل شہر نے پورا کردیا۔ خلیفہ اور اس کے ساتھی قتل کردیئے گئے اور قلعہ حوالہ کردیا

---

[1] ابن اثیر ج ۵ ص ۲۴۰ ابن خلدون ج ۴ ص ۱۲۳ نفح الطیب ج ۲ ص ۶۷ [2] مجموعہ الاخبار الاندلس ص ۱۰۱، ۱۰۴

ابن خلدون ج ۴ ص ۱۲۴ ابن اثیر ج ۵ ص ۴۴۶

گیا۔ شذونہ کے رئیس غیاث بن علقمہ لخمی نے بھی مطری کا ساتھ دیا تھا چنانچہ امیر نے شذونہ کا محاصرہ کیا یہاں تک کہ اہل شہر نے غیاث اور دیگر سرداروں کو بھی امیر کے حوالے کیا۔ امیران کو ساتھ لے کر قرطبہ واپس ہوا۔ قرطبہ پہنچ کر کوریہ جیان کے ایک باغی عبداللہ بن خراشہ کی بغاوت کی اطلاع ملی۔ امیر نے ایک فوج اس کی سرکوبی کے لئے بھیجی۔ اس نے امان طلب کرلی۔ امیر نے اس کو امان دے دی۔ اس کے بعد ابن خراشہ نے کبھی بغاوت نہ کی۔ ۱۵۰ھ / ۷۶۷ء میں ایک یمانی سردار غیاث بن میسر اسدی نے بغاوت کی۔ لیکن باجہ کے عامل نے اس کی بغاوت ختم کردی اور اس کو قتل کر کے اس کا سر قرطبہ بھیج دیا۔[1]

بربروں کی کوشش

اب تک بربروں نے امیر عبدالرحمٰن کے خلاف کوئی ہنگامہ نہ کیا تھا۔ صرف عرب قبائل ہی امیر سے بغاوت کر رہے تھے۔ ۱۵۱ھ / ۷۶۸ء میں بربر قبیلہ مکناسہ کے ایک فرد عبداللہ یا سفیان بن عبدالواحد المعروف بہ شقنا نے آل رسولؐ ہونے کے رشتہ سے تخت اسپین کا دعویٰ کیا۔ بربر آل رسولؐ کا بڑا احترام کرتے تھے۔ چنانچہ کثرت سے اس کے ساتھ مل گئے اور اس نے مشرقی اسپین کے شہر شنت بریہ میں اپنی حکومت کا اعلان کردیا۔ شنت بریہ صوبہ طلیطلہ کا ایک شہر تھا اور چاروں طرف سے پہاڑوں سے گھرا ہوا تھا۔ عبدالرحمٰن نے اپنے لڑکے سلیمان کو جو ۱۴۷ھ / ۷۴۳ء میں شام سے آگیا تھا اپنا نائب قرطبہ میں مقرر کیا اور ایک فوج کثیر لے کر شنت بریہ روانہ ہوا۔ شقنا نے جونہی شاہی لشکر کی آمد کی خبر سنی پہاڑی دروں اور غاروں میں جا چھپا۔ ان پہاڑوں پر چڑھ کر تعاقب کرنا آسان اور خطرے سے خالی نہ تھا۔ مجبوراً امیر نے یہ معاملہ وہاں کے والی کے سپرد کیا اور خود قرطبہ چلا آیا۔ شقنا کی یہ بغاوت نو برس تک جاری رہی۔ طلیطلہ کے والی حبیب ابن عبدالملک نے سلیمان بن مروان کو فوج دے کر اس سے نبرد آزما ہونے کے لئے بھیجا۔ سلیمان کو شکست ہوئی اور قتل کردیا گیا۔ شقنا کے حوصلے بڑھ گئے اور اس نے ایک اہم شہر فوریہ پر قبضہ کرلیا۔ یہ آبادی بھی بربر قبائل پر مشتمل تھی۔ چنانچہ وہ لوگ بھی اس بغاوت میں شامل ہوگئے۔ کچھ دن بعد شقنا وہاں سے لوٹ آیا اور اموی عامل نے اس پر قبضہ کرلیا۔ ۱۵۲ھ / ۷۶۹ء میں امیر عبدالرحمٰن نے دوبارہ اس پر فوج کشی کی لیکن کامیابی نہ ہوئی ۱۵۳ھ / ۷۷۰ء میں بدر کو فوج دے کر بھیجا۔ بدر جیسے ہی شطران میں جہاں

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صـ ۴۴۹۔ ابن خلدون جلد ۴ صـ ۱۲۲

شقنا مقیم تھا پہنچا شقنا قلعہ بند ہو گیا اور بدر ناکام واپس آیا۔ اس کے بعد ۱۵۴ھ / ۷۷۱ء میں امیر عبدالرحمٰن نے پھر ناکام فوج کشی کی پھر ۱۵۵ھ / ۷۷۲ء میں ابو عثمان کو ایک لشکر دے کر بھیجا۔ ابو عثمان کو بری طرح شکست ہوئی اور وہ اپنی جان بچا کر بمشکل تمام فرار ہو سکا۔ شقنا کی ہمت بلند ہو چکی تھی اس نے اسی سال اطراف کے ایک قلعہ مدائن پر حملہ کیا اور اس کے اموی عامل کو دھوکہ سے قتل کر دیا۔ پھر ماردہ کے والی ابو زعبل پر اچانک حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔ ۱۵۶ھ / ۷۷۳ء میں امیر عبدالرحمٰن نے قلعہ شبطران کا محاصرہ کیا مگر شقنا پھر پہاڑوں میں چھپ کر فرار ہو گیا۔ ۱۵۸ھ / ۷۷۵ء میں شہر فوریہ کے لوگوں نے جو شقنا کی اطاعت کر چکے تھے اموی عامل کو گرفتار کر کے شقنا کے حوالے کر دیا۔ عبدالرحمٰن فوراً لشکر لے کر فوریہ پہنچا مگر شقنا فرار ہو چکا تھا۔ امیر نے فوریہ کے بہت سے قائدین اور سرداروں کو تہ تیغ کرا دیا۔ ۱۵۹ھ / ۷۷۶ء میں ایک بار پھر شنت بریہ پر فوج بھیجی وہ بھی ناکام رہی۔ آخری مرتبہ ۱۶۰ھ / ۷۷۷ء میں ابو عثمان اور تمام بن علقمہ فوج لے کر گئے۔ دو ماہ تک قلعہ شبطران کا محاصرہ کئے رہے لیکن پھر بھی شقنا چھپ کر نکل گیا۔ ابن عثمان نے وجیہہ غسانی کو شقنا کے سمجھانے کے لئے بھیجا۔ لیکن خود وجیہہ بھی اس کے ساتھ مل گیا۔ دونوں فوجوں میں جنگ ہوئی اور اس بار بھی شاہی فوج کو شکست ہوئی۔ اس طرح شقنا پورے نو برس تک دربار قرطبہ کے لئے مصیبت بنا رہا۔ آخر کار خود اس کے ساتھی اس خانہ بدوشی کی زندگی سے عاجز آ گئے اور اس کو قتل کر کے اس کا سر عبدالرحمٰن الداخل کے پاس بھیج دیا۔ اس طرح امیر کو اس سے نجات ملی۔ اس کے مارے جانے کے بعد وجیہہ غسانی نے ساحل البیرہ پر فوج جمع کر کے بغاوت کی۔ امیر نے شہید اور عبدوس بن عثمان کو لشکر دے کر بھیجا۔ جنہوں نے عین عید کے دن اسے گرفتار کر کے قتل کر دیا۔[1]

ابو الصباح کا قتل

یمانیوں کا سردار ابو الصباح اشبیلہ کی ولایت پر مامور تھا۔ فتح قرطبہ کے موقع پر اس نے جو کچھ امیر عبدالرحمٰن کی مخالفت میں کہا تھا اس کا علم امیر کو ہو چکا تھا۔ امیر نے اپنی حفاظت کا سامان تو کر لیا لیکن حالات کی ناسازگاری کی بنا پر ابو الصباح کو نہ چھیڑا۔ کچھ عرصہ بعد اس کو ولایت اشبیلہ سے ہٹا کر عبدالملک مروانی کو اس کی جگہ نامزد کر دیا۔ ابو الصباح خاموش رہا۔ یہاں تک کہ اس بات کا بھی

---

[1] ابن اثیر۔ جلد ۵ صفحہ ۲۶۳-۲۶۴۔ ابن خلدون جلد ۴ صفحہ ۱۲۳ نفح الطیب جلد ۲ صفحہ ۲

ثبوت نہیں ملا کہ اس نے عباسی دعوت کے سلسلے میں شرکت کی تھی۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ افواج کے قائدین سے خط و کتابت کر کے ان کو بغاوت پر آمادہ کیا تھا۔ لیکن بعض مورخین اس الزام کو غلط قرار دیتے ہیں۔ بہر حال عبدالرحمٰن اس کی طرف سے مشکوک ہو چکا تھا۔ ادھر علاء بن مغیث کی بغاوت میں یمانیوں نے چونکہ عبدالرحمٰن کے خلاف حصہ لیا تھا اس لئے اس نے یمانیوں کے سردار ابوالصباح کو راستہ سے ہٹانے کا تہیہ کر لیا تھا۔ چنانچہ اس حیلے سے اسے قرطبہ بلا کر قتل کرا دیا گیا۔ اس کے ساتھ جو یمانی آئے تھے وہ حکومت کے خوف سے اس قدر مرعوب ہو گئے تھے کہ خاموشی سے قرطبہ سے نکل گئے۔[1]

ابو الصباح کے قتل نے یمانیوں کے جذبات کو اور مشتعل کر دیا۔ عبداللہ بن خالد جو امیر کا دست راست تھا اس کے قتل سے اس قدر متاثر ہوا کہ سیاست سے کنارہ کش ہو کر گوشہ نشین ہو گیا اور پھر اسپین میں بغاوتوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ حیات بن ملابس رئیس اشبیلہ اور ابو الصباح کے دو چچا زاد بھائی عبدالغفار بن حمید یحصبی رئیس لبلہ و عمر بن طالوت رئیس باجہ اور کلثوم بن یحصب وغیرہ بغاوت پر آمادہ ہو گئے اور اشبیلہ میں جمع ہوئے۔ عبدالرحمٰن الداخل اس زمانہ میں شقنا کا محاصرہ کئے ہوئے تھا۔ سلیمان نے قرطبہ سے اس بغاوت کی اطلاع بھیجی۔ امیر فوراً قرطبہ واپس آگیا اور ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر عبدالملک مروانی کو فوج دے کر اشبیلہ بھیجا اور خود کمک کے لئے تیار رہا۔ عبدالملک نے اپنے لڑکے امیہ کو شہر کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ امیہ نے اہل اشبیلہ کو جاگتے ہوئے پایا تو خاموشی سے لوٹ آیا۔ عبدالملک نے اس کی واپسی کو بزدلی سمجھا اور غصے میں اس کی گردن اڑا دی پھر تمام فوج قبائل اور اہل خاندان کو جمع کر کے کہا۔

"ہم لوگ مشرق سے اٹھا کر مغرب میں پھینک دئے گئے ہیں مگر لوگ اس پر بھی حسد کرتے ہیں کہ یہ لقمہ بھی ہمارے ہاتھوں میں باقی نہ رہے۔ تلواروں کی نیاموں کو توڑ ڈالو بس موت ہے یا فتح و نصرت۔"[2]

دونوں فوجوں میں شدید جنگ ہوئی یمانیوں کو شکست ہوئی اور بے شمار یمانی مارے گئے لیکن قائدین لشکر جان بچانے میں کامیاب ہو گئے۔ البتہ عبدالملک مروانی شدید زخمی ہو گیا۔ عبدالرحمٰن الداخل خود اس کی عیادت کو گیا اور اس قدر متاثر ہوا کہ وفور محبت میں عبدالملک کی پیشانی چوم لی اور اس کی خدمات کے اعتراف میں کہا۔

---

[1] مجموعہ اخبار اندلس ص ۱۰۵، ۱۰۶ [2] تاریخ اندلس جلد ۱ صفحہ ۲۸۷

"میں نے اپنے لڑکے اور ولی عہد ہشام کو تمہاری لڑکی کے عقد میں دیا اور اس لڑکی کو جہیز میں یہ دیا اور وہ دیا اور تمہاری دوسری اولاد کو یہ دیا اور یہ جاگیریں دیں اور تمہیں وزارت کے عہدہ پر سرفراز کیا۔[1]

۱۵۷ھ / ۷۷۴ء میں یمانی قائدین جو اشبیلہ کی جنگ میں بچ گئے تھے دوبارہ فوجی تیاریاں کر کے قرطبہ کی طرف بڑھے۔ اس مرتبہ بربر بھی ان کے ساتھ تھے۔ امیر عبدالرحمٰن عیسائیوں کی سرکوبی کے لئے سرحد پر گیا ہوا تھا۔ شہر قرطبہ میں اس کا نائب تھا۔ اس نے باغیوں کے اس اجتماع کی خبر امیر کو دی اور امیر فوراً قرطبہ واپس آ کر بلا تاخیر اس مہم کی طرف روانہ ہو گیا۔ باغیوں نے دریائے میسر کے کنارے اسی نام کے ایک قلعے میں اپنی چھاؤنی قائم کی اور اس کے چاروں طرف خندق کھود کر اس کو مستحکم کر لیا۔ امیر عبدالرحمٰن نے اس قلعہ کے قریب ایک گاؤں بنش کے ایک حصہ میں قیام کیا۔ دونوں فوجیں صف بستہ ہوئیں۔ چند دن تک لڑائی کا سلسلہ جاری رہا۔ امیر عبدالرحمٰن نے مغربی اندلس کے بربری قبائل کے سرداروں کو جو اس کے ساتھ تھے بلایا اور ان کو باغیوں کے ساتھ جو بربر قبائل تھے ان کو سمجھانے کے لئے اور اپنی طرف ملانے کے لئے روانہ کیا تاکہ وہ ان کو سمجھائیں کہ اگر موجودہ حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور عرب جیت گئے تو ایک بھی بربر اسپین کی سرزمین میں باقی نہ رہے گا۔ چنانچہ بنو میمون نے باغی بربروں سے خط و کتابت کی۔ پھر ایک رات ان سے ملاقات بھی کی اور ان کو اپنی طرف ملانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس سازش کو کامیاب بنانے کے لئے دوسرے دن میدان جنگ کے متعلق بھی چند باتیں طے کر لی گئیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے دن بربروں نے یمانیوں کو دھوکہ دیا اور ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور باغیوں کو شکست ہو گئی۔ عرب سپاہ بڑی بے دردی سے قتل ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ ۳۰ ہزار یمانی اس میں مارے گئے۔ ابن القوطیہ کہتا ہے کہ "وادی منبس کے پیچھے وہ گڑھا جس میں ان کے سر جمع کئے گئے تھے ہمارے زمانہ تک موجود تھا۔" حیات ابن ملابس اور دیگر سردار بھی اس جنگ میں مارے گئے۔ صرف عبدالغفار جان بچانے میں کامیاب ہو گیا۔ اور اس نے ہمیشہ کے لئے اسپین کو چھوڑ کر مشرق میں سکونت اختیار کر لی۔ اس طرح ہمیشہ کے لئے یمانیوں کی طاقت ختم ہو گئی۔ امیر عبدالرحمٰن الداخل فتح مند قرطبہ واپس ہوا۔ اس جنگ کے بعد امیر کا اعتبار عربوں پر سے اٹھ گیا اور اس نے بربر قبائل موالی اور غلاموں کو مزید اپنے سے قریب کر لیا اور اپنی فوج میں ان سے چالیس ہزار کا ایک مسلح لشکر تیار کیا۔[2]

---

[1] تاریخ الاندلس جلد ۱ صہ ۲۸۷ [2] یہ تمام واقعات ابن اثیر، ابن خلدون، ابن القوطیہ اور نفح الطیب سے ماخوذ ہیں۔

چند اور باغی بھی ملک کے دوسرے حصوں میں موجود تھے۔ ان میں سے ابراہیم بن شجرہ اور برنسی مروانی نے دوسرے قبیلوں کو اپنے گرد اکٹھا کرلیا تھا۔ جس وقت وجیہہ غسانی کی سرکوبی کے لئے عبدوس کو بھیجا گیا تھا اس وقت بدر کو ابراہیم بن شجرہ کو سرکوبی کے لئے روانہ کیا گیا۔ چنانچہ بدر نے ایک لڑائی میں ابراہیم کو شکست دے کر قتل کرادیا۔[1]

رماحس بن عبدالعزیز کنانی جزیرہ خضراء کا والی تھا۔ اس کے سر میں بھی بغاوت کا سودا سمایا۔ عبدالرحمٰن خود فوج لے کر پہنچا۔ ابھی بغاوت کا اعلان ہوئے دس دن بھی نہ گزرے تھے کہ اس شورش کو ختم کردیا گیا اور رماحس اپنے اہل و عیال کو لے کر اسپین سے فرار ہوکر ابو جعفر منصور کے پاس چلا آیا اور یہیں سکونت اختیار کرلی۔

قائد سلمیٰ کو دربار قرطبہ میں ایک اچھا مقام حاصل تھا لیکن نشہ کی حالت میں اس نے باب قنطرہ کے دربان کو قتل کردیا اور پھر امیر عبدالرحمٰن سے خوفزدہ ہوکر طلیطلہ بھاگ گیا۔ طلیطلہ میں حکومت کے مخالفین موجود تھے۔ انہوں نے اس کو بہکا کر امیر سے بغاوت پر آمادہ کردیا۔ عبدالرحمٰن نے اس کی سرکوبی کے لئے حبیب بن عبدالملک کو بھیجا۔ سلمیٰ اس جنگ میں مارا گیا اور حبیب فتح مند واپس آگیا۔[2]

اموی شہزادوں کا خروج

امیر عبدالرحمٰن الداخل نے بڑی محنت اور جانفشانی سے ملک کو باغیوں سے پاک کرکے حکومت کو مستحکم کیا تھا۔ جس سے ملک میں امن و امان کی صورت کچھ کچھ پیدا ہوچکی تھی۔ خاندان بنوامیہ کے افراد گو ناز و نعم سے زندگی بسر کررہے تھے لیکن ان کو یہ زندگی بھی پسند نہ آئی۔ ان میں بعض نوجوان ایسے تھے جن کے دل میں سلطنت کی ہوس موجود تھی۔ چنانچہ انہوں نے ملک کے ممتاز لوگوں سے سازباز کرکے امیر عبدالرحمٰن کے خلاف بغاوت کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ ۱۵۶ھ / ۷۷۳ء میں عبدالرحمٰن کے چچا زاد بھائی یحییٰ بن یزید بن ہشام المعروف بہ یزیدی اور اس کے بھتیجے عبیداللہ بن آبان بن معاویہ بن ہشام نے عبدالرحمٰن الداخل کی حکومت کو ختم کرنے کے لئے سازش کی۔ ان میں سے ایک نے البیرہ میں اور دوسرے نے جیان میں بغاوت کرنے کا ارادہ کیا۔ ان کو ابو عثمان سے خاص مدد ملی۔ کیونکہ عبدالرحمٰن نے ابو عثمان پر مہربانیاں کرنا چھوڑ دی تھیں اس لئے ابو عثمان نے امیر

---

[1] مجموعہ صفحہ ۱۱۰-۱۱۱ ابن خلدون، جلد ۴ صفحہ ۱۲۳ [2] ابن خلدون جلد ۴ صفحہ ۱۲۳

کو اپنا اثر و رسوخ دکھانا چاہا۔ اس سازش میں دیگر عمائدین اور رؤسا بھی شریک تھے، لیکن عبیداللہ بن آبان کے ایک غلام نے حکومت قرطبہ کو اس صورتحال سے مطلع کردیا۔ عبدالرحمٰن الداخل اس زمانے میں وادی آش میں شکار کھیل رہا تھا اور بدر قرطبہ میں اس کا نائب تھا۔ بدر نے امیر کو فوراً اس واقعہ کی اطلاع کی۔ امیر عبدالرحمٰن نے وہیں سے سواروں کے افسر موالی سماعہ کو اور پیادہ فوج کے افسر عبدالحمید بن غانم کو دونوں دعوے داروں کو گرفتار کرنے کے لئے بھیجا۔ یہ لوگ چونکہ ابھی پوری طرح تیار نہ ہوسکے تھے اس لئے آسانی کے ساتھ گرفتار ہوگئے۔ اس کے بعد ان کے مددگاروں کو بھی پکڑلیا گیا اور سب کو ایک جگہ جمع کرکے قتل کردیا گیا۔ ان کی لاشوں کی تشہیر کی گئی اور لوگوں کی عبرت کے لئے ان کو بازاروں میں گھسیٹا گیا۔[1] لوگوں نے ابوعثمان کو بھی سزا دلانا چاہی لیکن امیر عبدالرحمٰن نے اس کو ظاہری سزا نہ دی لیکن اس کے ظاہری مراتب کو برقرار رکھ کر اس سے بے رخی برتتے ہوئے اس کو روحانی اذیت میں مبتلا رکھا۔

۱۶۷ھ / ۷۸۳ء میں امیر کے سگے بھتیجے مغیرہ بن ولید بن معاویہ کے دماغ میں بغاوت کا سودا سمایا۔ اس سازش میں صمیل کے لڑکے ہذیل کا ہاتھ تھا لیکن بغاوت شروع ہونے سے پہلے ہی امیر کو اس کی اطلاع مل گئی۔ دونوں کو مع ان کے رفقاء کے گرفتار کرکے قتل کرادیا۔

سرقسطہ کی بغاوت

امیر کے خلاف اب تک جس قدر بغاوتیں ہوئی تھیں ان کا زیادہ زور جنوبی اور مغربی اسپین میں تھا۔ ابھی شمال مشرقی حصہ ان بغاوتوں سے محفوظ تھا۔ برشلونہ، جرندہ، سرقسطہ وغیرہ میں سلیمان بن یقطان[2] اعرابی اور یحییٰ بن حسین انصاری اپنا تسلط جمائے ہوئے تھے۔ ان لوگوں کے تعلقات اموی حکومت سے ابھی اچھی طرح قائم نہ ہوسکے تھے۔ امیر عبدالرحمٰن نے جس طرح اسپین کی بغاوتوں کا خاتمہ کیا تھا اس کو دیکھتے ہوئے ان دونوں کی ہمت پست ہوگئی تھی اس لئے ان کے دل میں بیرونی امداد حاصل کرکے بغاوت کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ اس زمانہ میں فرانس میں شارلمین کا بڑا زور تھا اور اس نے ایک بڑی حکومت قائم کرنے کا سلسلہ شروع کردیا تھا۔ بیرونی ممالک سے بھی وہ اپنے تعلقات بڑھا رہا تھا۔ خلافت عباسیہ سے بھی دوستی کی پینگیں بڑھ رہی تھیں۔ اور ہارون الرشید سے اس کی خط

---

[1] مجموعہ ص ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱ [2] ابن القوطیہ نے اس کا نام مطرف بن ابی لکھا ہے ص ۳۲

وکتابت جاری تھی۔ اس وقت تک شارلمین نے امیر عبدالرحمٰن کی حکومت کو بھی تسلیم نہیں کیا تھا۔ سلیمان بن یقظان نے ۱۶۰ھ / ۷۷۷ء میں شارلمین سے سازباز کی اور اس کو اسپین کی حکومت ختم کرنے کی دعوت دی اور اس بات کا بھی وعدہ کیا کہ سرقسطہ اس کے حوالے کردیا جائے گا۔ چنانچہ شارلمین ۱۶۱ھ / ۷۷۸ء میں ایک بڑی فوج لے کر اسپین میں داخل ہوگیا۔ سلیمان نے اس کا خیرمقدم کیا اور اس کو سرقسطہ کی طرف پیش قدمی کا موقعہ دیا۔ حسین بن یحییٰ انصاری سلیمان کے اس اقدام سے خوش نہ تھا۔ چنانچہ اس نے پہلے ہی سرقسطہ پر قبضہ کرلیا اور قلعہ بند ہوکر بیٹھ گیا۔ شارلمین کو اس حرکت پر سخت طیش آیا وہ اس کو سلیمان کی سازش سمجھ کر اس کو گرفتار کرکے اپنے ساتھ فرانس واپس ہوا۔ لیکن راہ میں سلیمان کے لڑکوں نے شارلمین کی فوج پر حملہ کرکے اپنے باپ کو چھڑالیا۔ فرانس کی اس فوج پر واپسی میں پمپلونہ سے ۲۰ میل کے فاصلے پر وادی نبرہ میں قوم بشکنس اور مسلمانوں نے مل کر حملہ کردیا۔ فرانسیسی فوج کا بڑا حصہ تباہ ہوگیا اور بڑے آزمودہ کار جنرل اس لڑائی میں مارے گئے۔ ان میں عیسائیوں کا مشہور ہیرو رولینڈ بھی شامل تھا۔ اس تباہی سے شارلمین کو ایسا سبق ملا کہ اسے براہ راست اسپین پر حملہ کرنے کی پھر ہمت نہ ہوئی۔ بلکہ وہ صرف اپنی باج گزار عیسائی ریاستوں کے حکمرانوں کو اکساتا رہا۔ شارلمین کی واپسی کے بعد یحییٰ اور سلیمان پھر ایک ہوگئے اور ان لوگوں نے نئے سرے سے اموی حکومت کے خلاف اپنی تیاریاں شروع کردیں۔[1]

عباسی خلافت کے قیام کی کوشش

۱۶۱ھ / ۷۷۸ء میں عبدالرحمٰن بن حبیب فہری المعروف بہ صقلبی افریقہ سے بربروں کی ایک فوج لے کر اسپین کے جنوب مشرقی ساحل (مرسیہ) میں اترا اور بغیر مزاحمت کے اس پر قابض ہوگیا۔ اسے خلیفہ عباسی کی طرف سے عباسی علم اور اس کی ولایت کا تقرر نامہ مل چکا تھا۔ اس نے سلیمان بن یقظان کو عباسی دعوت قبول کرنے کا پیغام دیا۔ لیکن سلیمان نے اس کو قبول کرنے سے انکار کردیا۔ صقلبی اس انکار سے مشتعل ہوگیا اور وہ اموی حکومت کا خیال ترک کرکے سلیمان کی سرزنش کے لئے برشلونہ روانہ ہوا۔ سلیمان نے اس کو بری طرح شکست دی اور صقلبی تدمیر واپس چلا آیا۔ امیر عبدالرحمٰن الداخل اس کی قوت کا اندازہ کرکے تدمیر آیا۔ اور صقلبی کے جو جہاز ساحل پر کھڑے تھے ان کو آگ لگادی۔ اس کی فوج پہلے ہی سلیمان سے شکست کھاکر کمزور ہوگئی تھی۔ جہازوں کے جل

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ ص ۷ اسٹوری آف دی نیشنز (اسپین) جلد ۳۶ ص ۳۲

جانے سے اور ہراساں اور بددل ہو گئی اور شاہی لشکر کی آمد کی خبر سن کر صقلبی اور اس کا لشکر بلنسیہ کے پہاڑوں میں چھپ کر بیٹھ رہا۔ عبدالرحمٰن نے تعاقب کرنا بیکار سمجھا۔ اس نے صقلبی کے سر کی قیمت ایک ہزار دینار مقرر کردی۔ چنانچہ قبیلہ برنس کے ایک شخص نے ۱۶۲ھ / ۷۷۸ء میں اس کو قتل کردیا۔[1]

اسپین پر عباسیوں کی حمایت میں جس قدر بھی حملے اور بغاوتیں ہوئیں ان میں گو براہ راست خلافت عباسیہ نے شرکت نہ کی تھی مگر اس میں شبہ نہیں کہ یہ حملے ان کی تائید اور شہ پر ہوئے تھے۔ بلکہ بعض مورخین نے شارلمین کے حملے کو بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی بتایا ہے۔ حقیقت بھی یہ تھی کہ بنو عباس اسپین کی اس اموی حکومت کے درپے آزار تھے۔ چنانچہ امیر عبدالرحمٰن نے بھی شام پر حملہ کرکے عباسی سلطنت کو ختم کرنے کا ارادہ کرلیا۔ ۱۶۳ھ / ۷۷۹ء میں اس نے اپنے اس ارادہ کا اعلان کرکے فوجی تیاریاں بھی شروع کردیں۔ لیکن ابھی کوچ نہیں کیا تھا کہ سرقسطہ کے نواح میں حالات زیادہ خراب ہوگئے اور ملک کے گوشہ گوشہ میں بنو عباس کے حامیوں نے شورشیں مچانا شروع کردیں۔ چنانچہ امیر عبدالرحمٰن نے شام کا ارادہ ترک کرکے اپنے ملک میں امن و امان قائم کرنے کا ارادہ کرلیا۔

اسی سال یعنی ۱۶۳ھ / ۷۷۹ء میں امیر عبدالرحمٰن نے اپنے ایک سردار ثعلبہ کی سرکردگی میں ایک فوج سرقسطہ کی طرف روانہ کی۔ حسین اور سلیمان دونوں نے مل کر اس کا مقابلہ کیا اور ایک دن اچانک ثعلبہ پر چھاپہ مار کر اس کو پکڑلیا۔ اس کے بعد سلیمان کو امیر عبدالرحمٰن کے حملے کا پھر خوف ہوا اور اس نے پھر شارلمین کو مدد کے لئے بلایا اور ثعلبہ اور سرقسطہ دونوں کو اس کے حوالے کردینے کا وعدہ کیا۔ حسین نے پھر شارلمین کی آمد کی مخالفت کی اور شارلمین کا مقابلہ کیا۔ یہاں تک کہ ایک بار پھر سلیمان نے ثعلبہ کو شارلمین کے حوالے کرکے اور اس کو فرانس جانے پر آمادہ کیا۔ ان حالات کے باعث امیر عبدالرحمٰن الداخل نے شام کی مہم ترک کردی تھی۔ ادھر حسین سلیمان سے عاجز آچکا تھا۔ چنانچہ جمعہ کے دن جامع مسجد میں سلیمان پر حملہ کرواکر اسے قتل کرادیا اور سرقسطہ کی حکومت کا تنہا مالک بن بیٹھا۔ شام کی مہم کے سلسلہ میں امیر عبدالرحمٰن کے پاس کافی فوج جمع ہوگئی تھی۔ اس لئے امیر نے ملک کے گوشہ گوشہ میں فوج بھیج کر بغاوتوں کو ختم کرنے کا ارادہ کرلیا۔ فوج کے کئی حصے

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ ص ۳۶ ابن خلدون جلد ۴ ص ۱۲۳

کئے اور ان کو اپنے لڑکوں کی سرکردگی میں دے کر ہدایت کی کہ جابجا باغیوں کو قلع قمع کرتے ہوئے سرقسطہ میں اس سے آملیں اور خود ایک بڑا لشکر لے کر سرقسطہ کی طرف چلا۔ اسی نے سختی سے سرقسطہ کا محاصرہ کرلیا۔ سلیمان کا لڑکا عیسون اپنے باپ کے قاتل کی تلاش میں تھا۔ چنانچہ تلاش کرکے قتل کردیا اور خود امیر عبدالرحمٰن سے آن ملا۔ اسی اثناء میں امیر کے لڑکے ملک کے گوشہ گوشہ سے بغاوتوں کا خاتمہ کرکے اور بہت سے باغیوں کو گرفتار کرکے سرقسطہ لائے جس سے اہل سرقسطہ پر بہت رعب پڑا اور وہ خوفزدہ ہوکر صلح کے طالب ہوئے۔ حسین بن یحییٰ نے صلح کی درخواست کی جس کو امیر نے منظور کرلیا اور اس کے لڑکے سعید کو یرغمال کے طور پر اپنے پاس رکھ لیا۔

سرقسطہ سے فارغ ہوکر امیر عبدالرحمٰن لشکر کے ساتھ عیسائیوں کو سزا دینے کے لئے سرحد پار کرکے چلا گیا اور کچھ دن تک وہاں تباہی و بربادی کرکے قرطبہ واپس آگیا۔

حسین والی سرقسطہ کی اطاعت چند روزہ ثابت ہوئی۔ اس کا لڑکا سعید شاہی لشکر سے فرار ہوگیا اور سرقسطہ پہنچ گیا۔ امیر عبدالرحمٰن کے لئے اس کی یہ بغاوت خلاف توقع نہ تھی چنانچہ اس کے مقابلے کے لئے غالب بن ثمامہ کو ایک بڑی فوج کے ساتھ بھیجا۔ حسین اس کا مقابلہ نہ کرسکا اور شکست کھائی مگر پھر بھی سرقسطہ نہ چھوڑا۔ غالب اس کا محاصرہ کئے رہا۔ ۱۶۸ھ / ۷۸۲ء میں امیر عبدالرحمٰن خود سرقسطہ آیا اور قسم کھائی کہ اس کی اینٹ سے اینٹ بجادے گا۔ بہت سی منجنیقیں نصب کرکے شہر پر اس غضب کی سنگ باری کی کہ اہل شہر گھبرا اٹھے اور انہوں نے حسین کو گرفتار کرکے امیر کے حوالے کیا اور صلح کے خواہش مند ہوئے۔ امیر نے شہر والوں کو شہر سے جلاوطن کرکے فصیل شہر کو منہدم کرادیا اور حسین کو قتل کرکے قرطبہ لوٹ آیا۔

امیر عبدالرحمٰن کی زندگی میں آخری بغاوت یوسف فہری کے لڑکے ابوالاسود نے کی تھی جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اس کے خاتمہ کے بعد اسپین میں خواہ عرب ہوں یا بربر کوئی بھی ایسا نہ رہا جو امیر کی مخالفت کی ہمت کرتا۔ اسپین کی فوجی طاقت امیر کے گرد جمع ہوچکی تھی اور موالی غلاموں اور بربروں پر مشتمل ایک زبردست لشکر تیار ہوچکا تھا جو امیر کے اشارے کا منتظر رہتا تھا۔ گو امیر کی پوری زندگی ان بغاوتوں کو کچلنے میں گزر گئی لیکن اپنے جانشینوں کے لئے وہ ایک مستحکم حکومت چھوڑ گیا تاکہ وہ اطمینان و سکون کے ساتھ حکومت کرسکیں۔

عیسائی ریاستوں سے تعلقات

یہ بتایا جاچکا ہے کہ مسلمانوں کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر الفانسو اول جو صخرہ پلائی کا خاندانی جانشین تھا اپنی حکومت کے زمانہ میں چوتھائی اسپین پر قابض ہوچکا تھا۔ جب عبدالرحمٰن الداخل کا دور آیا تو ایک بار پھر مسلمان آپس میں لڑنے لگے اور دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ عبدالرحمٰن کی حکومت قائم کرنا چاہتا تھا۔ دوسرا اس کو ملک سے نکالنے یا ختم کرنے کے در پے تھا۔ اس سے فائدہ اٹھا کر حکومت اشتوراس نے اپنی حکومت کی حدود کو اور وسعت دی۔ چنانچہ ۱۴۰ھ کے واقعات میں الفانسو کے موت کے تذکرے میں ابن اثیر نے لکھا ہے کہ:

"اسی سال جلیقہ کا بادشاہ اذفنش ہلاک ہوا اور اس کے بعد اس کا لڑکا تدویلیہ بادشاہ بنا.... اس نے مسلمانوں کو سرحدی ملکوں سے نکال دیا اور شہر لک شلمنقہ، شمورہ، ایلہ، شقونیہ اور قشتالیہ پر قبضہ کرلیا۔ اور یہ شہر اندلس کے ہیں[1]۔"

ابن خلدون لکھا ہے۔

"جب مسلمان عبدالرحمٰن کے ساتھ اس کی حکومت کے ابتدائی زمانہ میں مشغول تھے تو فرویلہ بن اذفونش نے لشکر کشی کی اور سرحدی شہروں پر دھاوے کئے اور وہاں سے مسلمانوں کو شہروں سے نکال دیا اور شہر لک، برتغال، سمورہ، سلمنقہ، قشتالہ اور سقونیہ کو چھین لیا۔ یہ شہر جلالقہ کی ملکیت میں داخل ہوگئے یہاں تک کہ المنصور نے ان کو فتح کیا[2]۔"

تقریباً یہی بیان مقری نے ابن حیان کے حوالے سے نقل کیا ہے[3]۔ ان حوالوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عیسائی حکومت اشتوراس نے عبدالرحمٰن کے مشکلات کے دور میں مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ جاری رکھی اور اسپین کے بہت سے علاقے بھی دبالئے۔ پھر بھی کسی خاص وجہ یا اپنے حالات کی ناسازگاری کی بناء پر عبدالرحمٰن الداخل نے جلیقیہ پر ۱۶۷ھ / ۷۸۳ء تک کوئی حملہ نہیں کیا۔ اس درمیان جلیقیہ میں ایک سے زیادہ حکمران بدل گئے۔ امیر عبدالرحمٰن نے ۱۶۷ھ / ۷۸۳ء کے بعد ادھر توجہ کی اور فتوحات حاصل کیں دوسری طرف ایک مشہور عیسائی مورخ ایڈورڈ ڈویٹس کی تحریر سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اس پورے زمانہ میں صلح ناموں کے ذریعہ ان دونوں حکومتوں کے تعلقات خوشگوار رہے اور اس طرح سے حکومت جلیقیہ پر اموی حکومت کی سیادت قائم رہی اور

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۳۸۲ [2] ابن خلدون جلد ۴ صفحہ ۱۲۱ [3] نفح الطیب جلد ۱ صفحہ ۱۵۵ [4] تاریخ اندلس جلد ۱ صفحہ ۲۰۷، ۲۰۸

عبدالرحمٰن کو اپنے دور میں ہمسایہ عیسائی ریاست جلیقیہ سے کبھی بھی نبرد آزما ہونے کا موقع نہ آیا۔ عرب مورخین کے بیانات بھی کچھ اس طرح ہیں۔ البتہ ابن خلدون واحد شخص ہے جس نے جلیقیہ پر عبدالرحمٰن کی فوج کشی کے متعلق تحریر کیا ہے۔

"بہرحال یہ امیر عبدالرحمٰن کی خوش قسمتی تھی کہ ایسے نازک موقع پر جبکہ ملک میں اس کے قدم جمنا مشکل ہو رہے تھے ایک ہمسایہ طاقتور دشمن سے اس کے تعلقات خوشگوار رہے جس کو امیر کا حسن تدبر اور دانائی کہا جا سکتا ہے۔"

شمالی اسپین کے پہاڑی علاقوں میں عیسائیوں نے اپنے نوابوں کے ماتحت آزاد حکومتیں قائم کر رکھی تھیں جو مسلمانوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اکثر مسلم سرحدوں پر حملے کرتی رہتی تھیں۔ جب تک عبدالرحمٰن الداخل اپنے داخلی معاملات میں الجھا رہا اس وقت تک اس نے ادھر کا رخ نہ کیا لیکن ۱۶۴ھ / ۷۸۰ء میں جب سرقسطہ مطیع ہو گیا اور پورے ملک میں امن و امان قائم ہو گیا تو اس نے ان حکومتوں کی طرف توجہ کی اور قرطبہ واپس آنے کے بجائے سیدھا شمالی اسپین کی طرف بڑھا اور بڑے کارنامے انجام دیئے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شمالی اسپین کے بیشتر علاقے اس کے مطیع اور باج گذار ہو گئے اور اکثر نے جزیہ دینا قبول کیا۔[1]

وفات

امیر عبدالرحمٰن نے ۵۸ سال کی عمر میں ماہ ربیع الاول ۱۷۱ھ / ۷۸۷ء میں وفات پائی۔ اس کے لڑکے عبداللہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور قرطبہ کے قصر میں دفن کر دیا گیا۔

اولاد و جانشین

امیر عبدالرحمٰن کی بیس اولادیں تھیں جن میں گیارہ بیٹے اور نو بیٹیاں تھیں۔ لڑکوں میں سب سے بڑا سلیمان تھا جو عباسیوں کے غلبہ اور عبدالرحمٰن بن معاویہ کے فرار کے وقت ۴ سال کا تھا۔ عبدالرحمٰن اس کو چھوڑ کر مغرب چلا آیا تھا اور اسپین میں اپنی حکومت کے قیام کے بعد اس کو ۱۴۷ھ / ۷۶۴ء میں شام سے بلوا لیا تھا۔ لیکن اسے ولی عہدی سے محروم رکھا اور اپنے دوسرے لڑکے ہشام کو اپنا ولی عہد بنایا اور اپنی نیابت اور قائم مقامی کے تمام فرائض اس کے سپرد کر دیئے کیونکہ عبدالرحمٰن الداخل کی دوررس نظریں ہشام کے اندر وہ تمام صلاحیتیں اور لیاقتیں دیکھ رہی تھیں جو

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھئے ابن اثیر جلد ۶ ص ۹۳ و تاریخ اندلس جلد ۱ ص ۲۱۳

ایک حکمراں میں لازمی ہوتی ہیں۔

اسپین میں عبدالرحمٰن الداخل کی کامیابی کے اسباب

اسپین میں عبدالرحمٰن کی کامیابی کے اسباب میں جہاں اس کے عزم واستقلال، تدبر ودانائی، ذہانت وذکاوت، ہمت اور شجاعت کو دخل ہے وہاں اسے وقت زمانے اور ماحول سے بھی بڑی مدد ملی۔ اس کی کامیابی کے مندرجہ ذیل اسباب تھے۔

ا۔ قبائلی عصبیت اپنے شباب پر تھی۔ یمنی، مضری، عرب وبربر، حجازی وشامی ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے جس کی وجہ سے عبدالرحمٰن کی دعوت میں وہ تمام افراد شریک ہو گئے جو کسی نہ کسی طرح اس عصبیت کی شکار ہوئے تھے یا غیر جانبدار تھے۔

۲۔ چونکہ اسپین خلافت بنو امیہ دمشق کا ایک صوبہ تھا اور ہر طرح اس کا سیاسی تعلق اسی خلافت سے رہا تھا۔ اس لئے قدرتی طور پر عوام کی ہمدردیاں اس کے ساتھ تھیں چنانچہ مشرق میں جس وقت بنو امیہ پر زوال آیا اور ان پر مظالم کی شدت ہوئی تو اسپین کے مسلمانوں کو بھی اس کا رنج ہوا اور ان کی فطری ہمدردیاں مظلوم کے ساتھ ہو گئیں۔ عبدالرحمٰن کی دعوت پر لبیک کہنے والوں میں ہمدردان بنو امیہ کا بڑا حصہ تھا۔

۳۔ بنو امیہ دمشق کے موالی۔ غلام اور اہل خاندان بھی اسپین میں کافی موجود تھے جن کی ہمدردیاں مشکوک نہ تھیں اور بلاشبہ انہوں نے عبدالرحمٰن کا پورا ساتھ دیا۔

۴۔ اسپین میں امارت گو یوسف بن عبدالرحمٰن فہری کی تھی لیکن حکم صمیل بن حاتم کا چلتا تھا۔ اس طرح حکومت کی کارکردگی پر یوسف اور صمیل کی کشمکش کا اثر ہوا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ باوجود اس کے کہ صمیل کو عبدالرحمٰن بن معاویہ کے بلانے کی سازش کا علم تھا لیکن اس نے یوسف کو اس سے لاعلم رکھا اور اسی لاعلمی کی وجہ سے یوسف کی طاقت کو زوال آیا اور وہ مارا گیا۔

۵۔ صمیل کی وجہ سے قیسیوں کا بڑا زور تھا اور انہوں نے یمانیوں پر بڑے مظالم کئے تھے اس لئے یمانی جو اکثریت میں تھے عبدالرحمٰن کے زیر اثر آ گئے جس سے اس کی عسکری قوت میں اضافہ ہو گیا اور اسے کامیابی کے اچھے اچھے مواقع فراہم ہوئے۔

۶۔ قحط، وبا، خشک سالی، بدنظمی، شورش اور عیسائیوں کی متواتر یلغار نے اسپین کے مسلمانوں کو ایک شدید بے چینی میں مبتلا کر دیا تھا جس کے نتیجہ میں وہ حکومت کی تبدیلی کے خواہش مند تھے۔

۷۔ عبدالرحمٰن کی ماں بربری تھی اور خود اس کو بھی عباسیوں سے بچنے کے لئے بربری قبائل میں پناہ

ملی تھی۔ عبدالرحمٰن الداخل نے اسپین کی سرزمین پر جب قدم رکھا تو بہت سے بربری سردار اس کے ہمراہ تھے۔ ان کو اطمینان تھا کہ وہ ہمیشہ ان کا ہو کر رہے گا۔ اسپین کی بدانتظامی اور اقتدار کی کشمکش نے بربروں اور نومسلموں کو عربوں سے سخت متنفر کر دیا تھا اور وہ کسی بھی صورت میں عربوں کے اقتدار کو پسند نہیں کرتے تھے چنانچہ انہوں نے عبدالرحمٰن کا ساتھ دینے ہی میں اپنی بہتری خیال کی۔

۸۔ عبدالرحمٰن الداخل کی صلاحیتوں نے اس کے عزم نے اس کے حسن اخلاق نے عوام کو اس کا گردیدہ بنا دیا تھا اس میں سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ ہمیشہ لوگوں کے اچھے مشوروں کو قبول کر لیتا تھا اور عوام سے براہ راست رابطہ کی وجہ سے ان میں مقبول ہو چکا تھا۔

۹۔ حکومت کے قیام کے بعد اس نے اپنے آپ کو یمانیوں کے اثرات سے آزاد کر لیا اس لئے کہ وہ قبائلی عصبیت سے اپنا دامن الگ رکھنا چاہتا تھا اس کے بعد اس نے اپنی عسکری قوت موالی اور غلاموں کی مدد سے بڑھائی جس کے نتیجہ میں کم از کم فوج کو اس نے قبائلی عصبیت کے جنون سے دور ہی رکھا۔ اس کے علاوہ اس فوج سے عربوں کی طاقت کو ختم کرنے میں بھی مدد ملی۔

۱۰۔ زمانے اور حالات نے اس کو پختہ کار بنا دیا تھا اور سیاسی جوڑ توڑ اور مکر و فریب سے بھی بخوبی واقف کر دیا تھا۔ چنانچہ جنگ مصارہ میں اسی سیاسی مکر و فریب کی وجہ سے اسے کامیابی ہوئی اور اسی کے ساتھ ساتھ اس نے استحکام حکومت کے لئے انتظامیہ پر سختی کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا اور فوری طور پر بذات خود باغیوں کے خلاف سخت اقدامات کئے اس کی اس کارکردگی کی وجہ سے اسے کامیابی نصیب ہوئی۔ اور اس کی حکومت کو استقلال ہوا۔

نظم مملکت

امیر عبدالرحمٰن الداخل نے ملک کو چھ صوبوں میں تقسیم کر دیا تھا اور ان کو گورنروں کے ماتحت کر دیا جو سپہ سالار بھی ہوتے تھے جن کے ماتحت وزراء اور عمال ہوتے تھے۔ محکمہ پولیس، قضاۃ (عدالت) اور قید خانہ کا انتظام علیحدہ تھا اور ان سب کا تعلق براہ راست مرکز سے ہوتا تھا جہاں وہ اپنی کارگذاریوں کی رپورٹ بھیجتے رہتے تھے اور وہیں سے ان کو احکامات جاری کئے جاتے تھے۔

مرکزی حکومت چند شعبوں میں تقسیم تھی جن میں حاجب، وزیر، کاتب، قاضی، صاحب شرطہ سپہ سالار اور قاضی عساکر تھے۔ جن کا علیحدہ علیحدہ دفتر قائم کیا گیا تھا۔ حاجب کے عہدہ پر سب سے پہلے تمام بن علقمہ کو مقرر کیا گیا اس کے بعد یوسف بن بخت فارسی کو مقرر کیا اور کچھ دن تک یہ عہدہ وراثتاً اس کے خاندان میں رہا۔ پھر عبدالکریم بن مہران اس عہدہ پر آیا۔ پھر عبدالرحمٰن بن مغیث

فاتح قرطبہ مغیث رومی کا لڑکا اس عہدہ پر آیا اور بعد میں منصور خثعمی کا تقرر عمل میں آیا۔

وزراء

امیر نے وزیر کا لقب عہدہ کی حیثیت سے مقرر نہیں کیا تھا بلکہ وہ ایک قسم کی مجلس مشاورت تھی جس میں وزارت اور اہم امور کی کارکردگی کے لئے مخصوص عمائدین کا تقرر عمل میں لایا جاتا تھا۔ مورخین نے اس مجلس کی اراکین کے نام وزیر کی حیثیت سے لکھے ہیں۔ ان میں ابو عثمان، عبداللہ بن خالد، ابن عبدہ، شہید بن عیسیٰ بن شہید، عبدالسلام رومی، ثعلبہ بن عبید بن نظام جذامی اور عاصم بن مسلم ثقفی تھے۔ عبدالملک مروانی کو ان سب پر فوقیت حاصل تھی۔

کتاب

شروع میں اس عہدہ پر ابو عثمان اور عبداللہ بن خالد متعین رہے۔ جب حکومت کے دیگر شعبے اور عہدے قائم ہو گئے تو سب سے پہلا کاتب امیہ بن یزید کو مقرر کیا گیا۔ یہ یوسف فہری کے زمانہ میں بھی کاتب تھا۔ یہ امیر کے خاص مشیروں میں تھا اور اس کی رائے اکثر صحیح ثابت ہوئی۔ اور امیر اس کی رائے کا احترام کرتا تھا لیکن اپنی موت سے کچھ پہلے امیر کے باغیوں سے مل گیا تھا۔

قضاۃ

دور ولایت ہی سے اسپین میں قضاۃ کے دو منصب ہوتے تھے۔ ایک "قاضی الجماعت" اور دوسرا "قاضی العساکر" یعنی ایک عدالت شہری آبادی کے لئے تھی اور دوسری صیغہ فوج کے لئے۔ قاضی الجماعت کی عہدہ پر یوسف کے زمانہ سے یحیٰی بن یزید یحصبی مامور تھے جو اس دور کی بزرگ ترین شخصیت تھے۔ عبدالرحمٰن نے ان کو اس عہدہ پر برقرار رکھا۔[1] یحیٰی کے انتقال کے بعد مجلس مشاورت کے مشورے پر الددور کے شیخ مصعب بن عمران کو مقرر کیا گیا جو قاضی الجماعت تھے اور عبدالرحمٰن کے زمانہ میں آخر تک اس عہدہ پر مامور رہے۔ قاضی عساکر کے عہدہ پر جدار بن عمرو مامور تھے۔[2] یہ قاضی عموماً مالی معاملات کے متعلق فیصلے کرتے تھے لیکن انہیں ہر قسم کے مقدمات کی سماعت کا حق بھی حاصل تھا۔ عدالت کے اس جداگانہ انتظام کے باوجود عبدالرحمٰن الداخل چند خاص اوقات میں انصاف کے لئے خود بھی بیٹھتا تھا۔ ہر خاص و عام کو حاضری کی اجازت تھی اور لوگ براہ راست پہنچ سکتے تھے۔ وہ اپنے معاملات پیش کرتے تھے جن کا وہ فوری فیصلہ کر دیا کرتا تھا۔

---

[1] نفح الطیب جلد ا صـ۱۲ [2] ایضاً

فوج

امیر عبدالرحمٰن کو فوج کی تنظیم کی سب سے زیادہ فکر تھی۔ عربوں کی مسلسل بغاوت کے باعث عربوں پر سے اس کا اعتماد اٹھ گیا تھا اور اس نے بربروں اور غلاموں کی عظیم الشان فوج تیار کرلی تھی۔ بربروں اور غلاموں کی فوج کی تنظیم قبائلی تھی یعنی ہر قبیلہ اپنے سردار کے ماتحت امیر کے حکم پر حاضر ہوتا تھا۔ لیکن جب امیر کو عربوں کی بغاوتوں کے تلخ تجربات ہوئے تو انہوں نے اس تنظیم کو بدل کر باقاعدہ سرکاری افواج میں اضافہ کردیا چنانچہ جب وہ البیرہ کی اطاعت کے بعد روانہ ہوئے تو ان کی فوج کی تعداد صرف چھ سو سوار تھی۔ لیکن بعد میں اسی میں اس تیزی کے ساتھ اضافہ ہوا کہ ان کی تعداد ایک لاکھ تک پہنچ گئی۔ اسی مناسبت سے پیدل سپاہ بھی تھی۔[1] فوج دو حصوں میں منقسم تھی۔ پیدل سپاہ کا افسر اعلیٰ (صاحب الرجالہ) عبدالحمید بن غانم تھا اور سواروں کا افسر اعلیٰ (صاحب الخیل) ساعد تھا۔[2] سپہ سالار عموماً امیر خود ہوتے تھے یا کسی کو نامزد کردیتے تھے۔ اسپین کی مسلم حکومت کے پاس بحری بیڑا پہلے سے موجود تھا۔ امیر عبدالرحمٰن نے شام پر حملہ کی تیاری کے سلسلہ میں اسے اور مضبوط بنایا جس نے آگے چل کر غیر معمولی ترقی حاصل کی۔

فوج میں تولیت لواء (علمبرداری) ایک مستقل اعلیٰ اور اہم عہدہ تھا۔ عبدالرحمٰن الداخل کے زمانہ میں ابوسلیمان داؤد انصاری علمبرداری پر مامور تھا اس کے مرنے کے بعد یہ عہدہ اس کے خاندان میں وراثتاً ہوگیا۔ چنانچہ اس کا لڑکا امیر محمد بن عبدالرحمٰن دوم کے زمانہ تک اس عہدہ پر مامور تھا۔[3] فوج کی رسد مہیا کرنے کے لئے ایک مستقل افسر تھا جو "صاحب ارزاق الاجناد" کہلاتا تھا۔[4]

شُرطہ

یہ محکمہ مستقل طور پر قائم تھا۔ امیر عبدالرحمٰن کے زمانہ میں عبدی اس محکمہ کا افسر اعلیٰ تھا۔ اس کے وہی فرائض تھے جو موجودہ زمانے کی پولیس کے ہوتے ہیں۔

خاتم

امیر نے سرکاری کاغذوں پر مہر کرنے کے لئے ایک انگوٹھی تیار کی تھی جس کا نقش یہ تھا۔

"باللہ یثق عبدالرحمٰن وبہ یعتصم"۔

---

[1] مجموعہ اخبار الاندلس ص۱۱۰ [2] ایضاً [3] نفح الطیب جلد ۲ ص۷۵ [4] مجموعہ ص۷۰

کردار، عادات و اخلاق و مشاغل

امیر عبدالرحمٰن کا قد لمبا جسم نحیف۔ گال پچکے ہوئے اور ناک چپٹی تھی اور یک چشم واقع ہوا تھا۔ چہرہ پر ایک تل تھا۔ بال سنہرے تھے اور گندھی ہوئی دو لٹیں دائیں بائیں چھٹی رہتی تھیں[1]۔ عرب مورخین نے اس کے اخلاق و عادات، فضل و کمال، دیانت و ہوشمندی کو بہت سراہا ہے۔ ابن اثیر لکھتا ہے۔

"وہ نہایت فصیح زبان آور شاعر، بردبار عالم ہوشمند تھا۔ خروج کرنے والوں پر عجلت سے اٹھتا تھا۔ آرام نہ لیتا تھا۔ اپنے کاموں کو دوسروں پر نہ چھوڑتا تھا۔ اپنی رائے پر مصر رہتا تھا۔ بہادر، سخی اور فیاض تھا سفید لباس پسند کرتا تھا[2]۔"

علامہ مقری نے لکھا ہے کہ وہ عام لوگوں کے ساتھ بیٹھتا تھا ان کی شکایتیں سنتا تھا ان کے جھگڑے چکاتا تھا۔ کھانے کے وقت مجلس میں جتنے لوگ موجود ہوتے سب کو اپنے ساتھ شریک طعام کرتا تھا۔ پھر ابن حیان کا قول نقل کیا ہے کہ:

"عبدالرحمٰن بردبار، بہترین علم اور اعلیٰ ذہن رکھنے والا پختہ ارادے کا مالک اپنے عزم کو پورا کرنے والا، عجز سے بے نیاز، جلد کوچ کرنے والا، مستقل حرکت میں رہنے والا، راحت میں نہ پڑے رہنے والا، تکلیف سے گھبرا نہ اٹھنے والا، اپنے کاموں کو دوسروں پر نہ چھوڑنے والا، ہر کام پورا کرنے والا، شجاع، بہادر، ہر معاملہ پر غور و فکر کرنے والا، بلیغ، بلند آواز شاعر، احسان کرنے والا، فیاض اور زبان آور تھا۔ وہ سفید لباس پہنتا تھا اور سفید عمامہ باندھتا تھا اور اس لباس کو ترجیح دیتا تھا۔ اس کے دوست و دشمن سب اس سے ڈرتے تھے۔ لوگوں کے جنازوں کے ساتھ جاتا۔ جمعہ اور عید میں آتا اور امامت خود کرتا تھا۔ منبر پر اور بڑے مجمعوں میں خطبے دیتا اور میل جول رکھ کر سب کو اپنی طرف مائل رکھتا تھا[3]۔"

خود اعتمادی اس میں بلا کی پائی جاتی تھی۔ بہت سے ایسے نازک لمحات اس کی زندگی میں آئے جب کہ خود اعتمادی ہی کی بنا پر کامیابی حاصل کی۔ اس کی مزاج میں غصہ تھا لیکن غصہ میں اندھا نہ ہوتا تھا اور اکثر صبر اور برداشت سے کام لیتا جیسا کہ ابو الصباح رئیس یمانی کے ساتھ ہوا۔ لیکن جب

---

[1] تاریخ اندلس جلد ۱ ص ۳۴۴ [2] ابن اثیر جلد ۶ ص ۷۶ [3] نفح الطیب جلد ۲ ص ۶۷، ۶۷، ۷۰، ۶۸، جلد ۱ ص ۱۵۶، ۱۵۷

موقعہ ملتا قرار واقعی سزا دینے سے بھی باز نہ آتا تھا۔ اس کے نزدیک سیاسی معاملات میں تساہل یا غرور سخت ناقابل معافی تھا۔ رشتہ داری و قرابت داری کی بنا پر کوئی رعایت دینے کا قائل نہ تھا۔ جیسا کہ ابو عثمان اور عبداللہ بن خالد کے ساتھ ہوا۔ اس کے خاص موالی بدر کو یہ خیال پیدا ہو گیا کہ حصول سلطنت میں امیر اس کا احسان مند ہے اس کو اسی لمحہ اپنے سے جدا کر دیا۔ یہاں تک کہ اس کو سرحدی علاقوں میں چلے جانے کا حکم دے دیا۔ اپنے مطالب کے حصول کے کے لئے اس کے پاس کوئی رعایت نہ تھی اور ہر جائز و ناجائز فعل اس کے نزدیک روا تھا۔

امیر عبدالرحمٰن صاحب علم و فضل تھا۔ ادب و شعر کا صحیح مذاق رکھتا تھا۔ مشرق کی یاد اس کے دل سے کبھی محو نہ ہوئی تھی اور اس کی یاد میں اس نے بڑی پر اثر نظمیں لکھی تھیں۔ دربار میں شعراء و علماء کا اجتماع رہتا۔ علم و ادب کی مجلسیں گرم رہتیں۔ خلعت و خاصے عطا کئے جاتے اور شعراء منہ مانگی مرادیں پاتے تھے۔

اپنے اعزہ و اقربا سے محبت کرتا تھا اور افریقہ سے اپنے بہت سے اعزہ کو اور خاندان بنو امیہ کے دیگر افراد کو اپنے پاس بلوا لیا تھا۔ اس کی بناء پر عربوں نے اس کے خلاف بغاوت بھی کی تھی کیونکہ عبدالرحمٰن نے ان کی جاگیریں اور محلات اپنے اعزّہ میں تقسیم کر دیئے تھے۔ اس کو اپنی بہنوں سے بڑا انس تھا۔ مراسلت کا سلسلہ جاری رکھتا تھا۔ اکثر اپنے جذبات کی ترجمانی منظوم کر کے ان کو بھیجا کرتا تھا۔ وہ نظمیں شوق وطن اور درد و فراق سے معمور ہوتی تھیں اور شیریں، برجستگی اور فصاحت و بلاغت کا نمونہ سمجھی جاتی تھیں[1]

علامہ مقری نے ابن حیان کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "علماء اور فضلاء دور دور سے قرطبہ آتے اور مہمان شاہی ہوتے تھے۔ امیر کی مجلس میں بیٹھے اپنی اپنی فصاحت و بلاغت کے نمونے پیش کرتے اور موقع بہ موقع امیر سے خلعت خاصے اور عطیات حاصل کرتے تھے۔ چاروں طرف امیر کی داد و دہش، قدر دانی، خوش گفتاری کا چرچا رہتا تھا۔ لوگ کبھی نظموں اور کبھی فصیح و بلیغ مراسلوں میں عبدالرحمٰن الداخل کو خطاب کرتے تھے۔ جس کا جواب امیر ان سے زیادہ فصیح و بلیغ تحریر میں دیتا تھا۔" مہب میں ہے کہ عبدالرحمٰن الداخل کو بلاغت میں ایسا بلند درجہ حاصل تھا جو بنو مروان میں بہت کم لوگوں کو نصیب ہوا[2]

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ صـ۷۷ و مقری جلد ۲ صـ۷۶ [2] نفح الطیب جلد ۲ صـ۶۹

عبدالرحمٰن الداخل کے زمانہ میں جو ممتاز شعراء وادباء گزرے ہیں ان کا تذکرہ تو تفصیل سے آگے آئے گا۔ البتہ ابوالمحشی کا نام اس زمانہ میں شاعر اسپین کی حیثیت سے مشہور تھا۔ وہ عبدالرحمٰن الداخل کے دربار سے وابستہ تھا اور قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ عبدالرحمٰن چونکہ علماء اور شعراء کا قدردان تھا اور ان کی خدمات کو سراہتا تھا جس کی وجہ سے اس عہد کے ممتاز علماء اس کے دربار سے وابستہ ہوگئے تھے۔ جن میں شیخ غازی اور شیخ ابوموسیٰ ہواری کا نام سرفہرست تھا۔ یہ دونوں اصحاب علم دین کے ماہر اور دیگر علوم میں یکتا تھے۔ شیخ غازی ہی کی بدولت اسپین میں مالکی فقہ کا رواج ہوا تھا اور وہ فن لغت کے ماہر تھے۔ بعض مورخین نے ان کو علم نجوم کا ماہر بھی بتایا ہے۔

غرض امیر عبدالرحمٰن نے اس بات کی ہر ممکن کوشش کی کہ اس کا دور ایک بے مثال دور بن جائے اور مسلم اسپین دینی اور دنیاوی علوم میں کسی سے پیچھے نہ رہے۔

امیر عبدالرحمٰن کو تعمیرات سے بھی بڑا لگاؤ تھا اور اس نے قرطبہ کی تعمیر و ترقی پر بڑی توجہ دی۔ اس کی تزئین و آرائش کے متعلق علامہ مقری رقم طراز ہیں۔

"بعض مورخین نے عبدالرحمٰن کی سوانح حیات میں لکھا ہے کہ جب اس کی حکومت قائم ہوگئی تو اس نے قرطبہ کی عظمت بڑھانا شروع کی چنانچہ اس کی بنیادوں کو مستحکم کیا اس کی عمارتوں کی تجدید کی اس کی فصیلوں کو مضبوط کیا۔ قصر حکومت اور جامع مسجد کی تعمیر کی اس کے رقبہ کو بڑھایا۔ محلوں کی مسجدوں کو درست کیا۔ شہر رصافہ کو اپنی تفریح گاہ کے طور پر استعمال کیا۔ اس میں ایک خوبصورت قصر بنوایا اور وسیع باغ لگوایا جس میں عجیب و غریب پودے اور بہترین درخت شام اور دیگر ممالک سے منگوا کر لگوائے۔[1]

اس نے ۱۵۵ھ / ۷۷۲ء میں قرطبہ کی فصیل تعمیر کرائی جس میں حسب ضرورت آٹھ دروازے لگائے اور ان پر دربان مقرر کئے۔ قصر شاہی جو گاتھ قوم کے زمانے سے تھا اور رزریق کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ امیر نے اس کی از سر نو تعمیر و تجدید کی۔[2] قرطبہ کے قریب مغرب کی طرف اس نے ایک تفریح گاہ تعمیر کرائی اور اس کا نام رصافہ رکھا اور اس پر پُرفضا باغ لگوائے اور لذیذ پھلوں کے بیج اور پودے منگوا کر لگوائے۔[3] امیر عبدالرحمٰن کی تعمیر میں اہم ترین اور نفیس ترین تعمیر جامع قرطبہ ہے۔

---

[1] نفح الطیب جلد ۱ صـ ۲۵۵ [2] ابن اثیر جلد ۵ صـ ۳۷۹، ابن خلدون جلد ۴ صـ ۹۲

[3] تفصیل کے لیے دیکھئے نفح الطیب علامہ مقری جلد ۱ صـ ۲۱۷

مسلمانوں نے امیر سے پہلے قرطبہ کے بڑے گرجا شنت منجبت کے نصف حصہ کو جامع مسجد بنالیا تھا اور نصف حصے کو گرجا ہی رہنے دیا تھا لیکن جب قرطبہ میں مسلمانوں کی آبادی بڑھی اور جامع مسجد مسلمانوں کے لئے تنگ ہوئی تو اسپین کے والیوں نے اس پر منزلیں تعمیر کردیں لیکن پھر بھی نمازیوں کی مشکلات ختم نہ ہوئیں تو امیر نے اس کو وسیع کر کے از سرِ نو تعمیر کرانا چاہا تو اس نے گرجا کا نصف حصہ بھی عیسائیوں سے چند شرائط اور بڑی قیمت پر حاصل کرلیا۔ ۱۶۸ھ میں یہ اراضی حاصل کی گئی اور ۱۷۰ھ میں نہایت خوبصورت اور عالیشان مسجد تعمیر ہوگئی اس پر اسی ہزار دینار خرچ ہوئے اور امیر نے اس میں سب سے پہلے خود جمعہ کا خطبہ پڑھا اور خود ہی نماز پڑھائی اس مسجد کے ساتھ ایک عالیشان مدرسہ بھی تعمیر کرایا جو آگے چل کر ایک بڑے ادارے کی شکل اختیار کرگیا جس میں دنیا کے تمام علوم وفنون کی تعلیم دی جاتی تھی۔ (تفصیل آگے آئے گی) اس طرح عبدالرحمٰن اسپین میں نہ صرف ایک عظیم الشان مسلم حکومت کا بانی بنا بلکہ مغرب میں ایک ایسی تہذیب و تمدن کی بنا ڈال گیا جو قرون وسطیٰ میں دنیا کی عظیم ترین معیاری تہذیب کی حیثیت سے تسلیم کی گئی۔

الغرض امیر عبدالرحمٰن الداخل کی اس قدر خوبیاں اور صفات تھیں کہ دوست تو دوست دشمن بھی اس کے مداح تھے۔ عباسیوں سے زیادہ اس کا کون دشمن ہوگا لیکن امیر نے اپنے دشمنوں سے بھی اپنی تعریف کروائی۔ خلیفہ المنصور عباسی اس کے متعلق یہ کہا کرتا تھا۔

"اگر ہماری سلطنت سخت گیری اور تائید الٰہی سے قائم رہ جائے تو تعجب نہ کرو۔ اصلی تعریف کا مستحق تو وہ یگانہ و فرزانہ قریشی نوجوان ہے جو اہل و عیال سے جدا ہوا اور مصائب کی پرواہ نہ کی وہ اپنی دھن کا پکا تھا۔ یہاں تک کہ اپنی عزت کی گھاٹیوں پر چڑھنے کے لئے اس نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا اور ایک دور دراز جزیرہ میں جانکلا۔ جہاں صف بستہ فوجیں اس کے مقابلہ کے لئے موجود تھیں۔ مگر اس نے اپنی ہمت اور فرزانگی سے انہیں شکست دی۔ اپنے حملوں سے ان کی صفیں ایک دوسرے پر الٹ دیں اور اپنی سیاست و دانائی سے ملک کے بسنے والوں کے دل موہ لئے۔ اور ملک کے اکابر اس کے فرمان کے تابع ہوگئے اور سارے ملک پر اس کی بادشاہی قائم ہوگئی۔ وہ شخص اپنے دشمنوں کے لئے مجسم قہر ہے۔ اپنے عہد کا پکا ہے اپنی سرحد کے پاس کسی کو پھٹکنے نہیں دیتا۔ لوگ اس سے محبت بھی کرتے ہیں اور ڈرتے بھی ہیں۔ وہ جوان ہے 'جواں ہمت ہے' اگر کوئی اس کی تعریف میں قصائد پڑھے تو اسے جھوٹا نہ سمجھو۔" خود منصور پر عبدالرحمٰن کی شخصیت کا اتنا اثر تھا کہ وہ اسے "صقر قریش" (قریش کا باز) کے نام سے پکارتا تھا۔

ہشام بن عبد الرحمٰن الداخل

۱۷۱ھ / ۷۸۷ء..... ۱۸۰ھ / ۷۹۶ء

تخت نشینی

ہشام اول امیر عبد الرحمٰن کا منجھلا بیٹا تھا یوسف فہری کی بہن کی دی ہوئی کنیز حلل کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ اس کی کنیت ابوالولید تھی۔ اس کا بڑا بھائی سلیمان اور چھوٹا بھائی عبداللہ تھا۔ امیر عبد الرحمٰن نے ہشام کو اپنی زندگی ہی میں اپنا ولی عہد مقرر کر دیا تھا۔ یہ تقرر اس نے اس وقت کیا جبکہ اس نے سلیمان اور ہشام کا مختلف قسم کی آزمائشوں اور امتحانوں کے ذریعے موازنہ کر لیا اور ہر صورت میں ہشام کو حکومت کے لئے مناسب سمجھا۔ سلیمان کو ہشام کی نامزدگی سے بہت ملال ہوا اور وہ وقت کا منتظر رہا۔

امیر عبد الرحمٰن الداخل کی وفات کے وقت ہشام مارده کا اور سلیمان طلیطلہ کا والی تھا۔ قرطبہ میں چھوٹا بھائی عبداللہ موجود تھا۔ جس نے اپنے باپ کے جنازے کی نماز پڑھائی اور ہشام کی طرف سے امارت کی غائبانہ بیعت کی۔ ہشام مارده سے چھٹے دن قرطبہ پہنچا اور زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔[1]

بھائیوں میں جنگ

سلیمان طلیطلہ میں تھا اور طلیطلہ والے امیر عبد الرحمٰن الداخل کے بھی مشکوک طور پر اطاعت گزار تھے۔ چنانچہ سلیمان نے جب ان کو ہشام کے خلاف اکسایا تو وہ بخوشی تیار ہو گئے۔ عبداللہ بھی اپنے بھائی ہشام سے ناراض ہو گیا اور موقع پا کر طلیطلہ سے بھاگ گیا اور سلیمان کے پاس پہنچ کر بغاوت میں اس کے ساتھ شریک ہو گیا۔ ہشام کو جیسے ہی اس بغاوت کی اطلاع ملی فوراً فوج لے کر پہنچا اور طلیطلہ کا محاصرہ کر لیا۔ سلیمان کے پاس اتنی جمعیت نہ تھی کہ وہ امیر کا مقابلہ کرتا۔ چنانچہ شہر کی حفاظت اپنے لڑکے اور عبداللہ کے سپرد کی اور خود فوج لے کر ایک دوسرے راستہ سے قرطبہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ امیر ہشام نے پھر بھی محاصرہ نہ اٹھایا۔ صرف اپنے لڑکے عبد الملک کو فوج دے کر سلیمان کے تعاقب میں روانہ کیا تاکہ ایک طرف وہ سلیمان کو روکے اور دوسری طرف اہل قرطبہ کی مدد کر سکے۔ اہل قرطبہ نے سلیمان کو شقندہ پر ہی روک لیا۔ چنانچہ سلیمان دونوں کے درمیان گھر گیا

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۷

اور معمولی مقابلہ کے بعد پسپا ہوگیا۔ امیر ہشام دو ماہ تک طلیطلہ کا ناکام محاصرہ کرکے واپس قرطبہ آگیا۔ البتہ چھوٹا بھائی عبداللہ امیر ہشام سے مقابلہ کئے بغیر اور امان طلب کئے بغیر بلا اطلاع قرطبہ چلا آیا۔ امیر ہشام نے اس کو محبت سے سینہ سے لگایا اور حسن سلوک سے پیش آیا۔ امیر ہشام نے ۱۷۴ھ / ۷۹۰ء میں اپنے لڑکے معاویہ کو تدمیر کی طرف بھیجا جہاں سلیمان نے ایک فوج اکٹھی کرلی تھی۔ دونوں کا مقابلہ ہوا۔ سلیمان نے اس مرتبہ بھی شکست کھائی اور بلنسیہ کے علاقے میں پناہ گزیں ہوا۔ معاویہ علاقہ تدمیر کی تاخت و تاراج کے بعد واپس ہوگیا۔ سلیمان اس علاقے میں کچھ روز روپوش رہا۔ اس کے بعد امیر ہشام سے اس کی صلح ہوگئی۔ امیر نے اس کو اپنے اہل و عیال اور مال و دولت کے ساتھ اسپین سے ہجرت کرنے کی اجازت دے دی اور باپ کے ترکہ سے بھی اس کو ساٹھ ہزار دینار دیئے اور عبداللہ نے بھی بڑے بھائی کے ساتھ ہجرت کی اور دونوں بھائی اسپین کو چھوڑ کر مغرب اقصیٰ میں قبائل بربر کے درمیان سکونت پذیر ہوگئے۔ اس طرح اسپین میں بھائیوں میں جنگ کا خاتمہ ہوگیا۔[1]

عام بغاوتیں

بھائیوں میں جنگ کے دوران ملک کی فتنہ پرداز جماعتوں کو اس بات کا موقع مل گیا کہ وہ حکومت کے خلاف سر اٹھائیں۔ چنانچہ سب سے پہلے عبدالرحمٰن الداخل کے زمانہ کے مشہور باغی حسین بن یحییٰ انصاری کے لڑکے سعید نے ۱۷۲ھ / ۷۸۸ء میں صوبہ طرطوشہ کے ایک مقام شاغنت میں بغاوت کی اور اپنے ساتھ قبائل یمانی کو شریک کرلیا اور کوچ کرکے طرطوشہ پر قبضہ کرلیا اور وہاں کے اموی عامل یوسف قیسی کو شہر بدر کردیا۔ امیر ہشام نے اس طرف خاص توجہ نہ دی لیکن یمانیوں کے اس خروج نے قیسیوں اور مضریوں کو امیر ہشام کا طرف دار بنا دیا۔ مضر موسیٰ بن فرتون کی سرکردگی میں سعید کے مقابلہ پر آئے جس میں موسیٰ نے فتح پائی اور سعید قتل ہوا۔ موسیٰ طرطوشہ پر قبضہ کرکے سرقسطہ میں داخل ہوا۔ سعید کے مارے جانے کے بعد اس کے مولیٰ جدر نے علم بغاوت بلند کیا۔

دوسری طرف عبدالرحمٰن الداخل کے زمانہ کے ایک دوسرے مشہور باغی سلیمان بن یقظان کے لڑکے مطروح نے برشلونہ میں بغاوت کی۔ موسیٰ پسپا ہوکر فرار ہوگیا اور باغیوں نے طرطوشہ، برشلونہ، سرقسطہ اور وشقہ پر قبضہ کرکے اپنی حکومت قائم کرلی۔ اس طرح پورا مشرقی مسلم اسپین امیر

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ ص ۷۹، ۸۰، ۸۳، ابن خلدون جلد ۴ ص ۱۲۴

ہشام کے ہاتھوں سے جاتا رہا اور باغیوں کی ایک متوازی حکومت قائم ہو گئی۔

۱۷۵ھ/۷۹۱ء میں امیر ہشام کو جب اپنے بھائیوں کی طرف سے سکون ہوا تو اس نے ان باغیوں کی سرکوبی کی طرف توجہ کی اور ایک عظیم الشان لشکر ابو عثمان اور عبید اللہ بن عثمان کی سرکردگی میں سرقسطہ روانہ کیا۔ ابو عثمان نے سرقسطہ کا محاصرہ کیا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد قریب کے ایک قلعہ طرسونہ میں آکر مقیم ہو گیا اور فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے اہل سرقسطہ کو تنگ کرنے اور ان کی رسد کو ختم کرنے کے لئے بھیجتا رہا۔ اسی اثناء میں مطروح ابن سلیمان کو اس کے دو ساتھیوں نے قتل کر کے اس کا سر ابو عثمان کے پاس بھیج دیا۔ مجبور ہو کر اہل سرقسطہ نے ہتھیار ڈال دیئے اور پورا مشرقی اسپین دوبارہ امیر ہشام کے زیر اطاعت آگیا۔ امیر ہشام نے سرقسطہ کے ایک عالی نسب عیسائی خاندان جس نے ایک زمانہ سے اسلام قبول کر لیا تھا اور جو بنو قسی کے نام سے مشہور تھا کی خدمات حاصل کیں۔ ان کے قائد موسیٰ بن فرتون کو سرقسطہ کا صوبہ دار بنا دیا۔ اس وقت سے تقریباً سو برس سے زیادہ عرصہ تک بنو قسی اس علاقہ پر صاحب اقتدار رہے۔ کبھی یہ بنو امیہ کے خیر خواہ رہتے اور کبھی ان سے باغی اور نبرد آزما۔ یہ سلسلہ ہشام کے بعد بھی کئی امیروں کے زمانہ تک چلتا رہا۔ اہل طلیطلہ سلیمان کے جانے کے بعد اور سرقسطہ کی بغاوت ختم ہونے کے بعد مایوس اور بے سہارا ہو گئے تھے۔ انہوں نے ۱۷۵ھ میں امیر ہشام سے اطاعت قبول کرنے کی درخواست کی۔ امیر نے ان کی درخواست قبول کر لی اور ان کو امن کا پروانہ دے کر ۱۷۶ھ میں اپنے لڑکے حکم کو وہاں کا والی مقرر کیا۔ حکم نے یہاں نئے سرے سے نظم و نسق قائم کیا اور یہیں پر مقیم ہو گیا۔[1]

۱۷۸ھ میں بربروں کے سر میں بغاوت کا سودا سمایا اور انہوں نے تاکرنا میں بغاوت کر دی۔ پورے علاقہ میں سخت شورش مچائی اور لوٹ مار اور غارت گری کا بازار گرم کیا۔ امیر نے عبد القادر بن آبان کو ان کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ اس نے بغاوت کو سختی سے کچل دیا۔ بڑی تعداد میں بربری قتل یا گرفتار ہوئے اور اس پورے علاقے میں ایسی دہشت پھیل گئی کہ تقریباً سات برس تک تاکرنا اور اس کے آس پاس کا علاقہ غیر آباد پڑا رہا۔ رفتہ رفتہ لوگ یہاں آباد ہوئے اور امن و امان سے زندگی بسر کرنے لگے۔[2]

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ ص ۸۴، ۸۳، ۸۰ [2] ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۹۱-۸۴ [3] ابن اثیر ص ۹۹

عیسائیوں سے جھڑپیں

۱۷۳ھ/۷۸۸ء میں حکومت جلیقیہ کے عیسائی فرمانروا موریکاٹ نے انتقال کیا۔ اس کا جانشین برمند ہوا۔ ابن اثیر کہتا ہے کہ اس نے چند ہی دنوں میں حکومت کو خیرباد کہہ کر راہبانہ زندگی اختیار کرلی اور اپنے بھتیجے کو ۱۷۵ھ/۷۹۱ء میں الفانسو دوم کے لقب سے تخت نشیں کردیا۔ وہ ہشام اول کا ہم عصر تھا۔ اس نے کامل پچاس برس حکومت کی۔ مغربی مورخین لکھتے ہیں کہ اس کے دور حکومت میں عربوں سے کوئی لڑائی نہیں ہوئی[۱]۔ لیکن عرب مورخین کے نزدیک ہشام اول کے دور میں حکومت جلیقیہ پر ایک سے زیادہ مرتبہ فوج کشی کی گئی۔

۱۷۵ھ/۷۹۱ء میں سرقسطہ کے مطیع ہوجانے کے بعد ابوعثمان اپنے لشکر کو لے کر عیسائی ممالک کی طرف روانہ ہوا اور البہ اور قشتالیہ کی عیسائی حکومتوں کی حدود میں تاخت و تاراج کی جس میں بہت سے عیسائی مارے گئے اور وافر مال غنیمت ہاتھ آیا۔ امیر ہشام نے اسی سال یوسف بن بخت کو جلیقیہ کی طرف روانہ کیا۔ اس زمانہ میں برمند حکمران تھا۔ اس نے اسلامی لشکر کا مقابلہ کیا اور شکست کھائی۔ ۱۷۶ھ/۷۹۲ء میں دوسرا حملہ البہ پر عبدالملک بن واحد کی قیادت میں کیا گیا۔ یہ لشکر بھی کامیاب رہا اور بہت سا مال غنیمت لے کر واپس لوٹا۔ ان حملوں کا مقصد یہ تھا کہ سرقسطہ کی بغاوت کے دوران جن چند اہم سرحدی مقامات اربونہ اور جرندہ وغیرہ پر عیسائیوں نے قبضہ کرلیا تھا ان کو دوبارہ حاصل کیا جائے۔ ۱۷۷ھ/۷۹۳ء میں عبدالملک بن واحد نے شہر جرندہ پر حملہ کیا اور محاصرہ کرلیا۔ فصیل شہر پے درپے حملے کرکے اس کو گرادیا۔ اربونہ کا عیسائی حکمران بھاگ گیا اور شہر جرندہ پر ایک بار پھر اسلامی پرچم لہرانے لگا اس کے بعد یہ لشکر اربونہ پہنچا اور جلد ہی اس شہر پر بھی قابض ہوگیا۔ شہر والوں کو یہ سزا ملی کہ فصیل شہر کے ملبہ کو قرطبہ پہنچائیں۔ جس سے یادگار کے طور پر قرطبہ کے باب الجنا کے قریب ایک مسجد تعمیر کی گئی۔ اربونہ کا خمس وصول کیا گیا اور اس سے جامع مسجد قرطبہ کی تعمیر کی گئی۔ اس کے بعد بھی مسلمانوں نے کئی ماہ تک آس پاس کی عیسائی آبادیوں پر چھاپے مارنے کا سلسلہ جاری رکھا اور بہت بڑی تعداد میں عیسائی مارے گئے اور کثیر مال و دولت ہاتھ لگا۔ بہت سے قلعے مسمار کردیئے گئے۔ اس قتل و غارت گری سے اس علاقے میں ایسی دہشت پھیلی کہ انہوں نے ایک مدت تک مسلمانوں کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا[۲]۔

---

[۱] ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۸۲ اسٹوری آف دی نیشنز جلد ۳۶ صفحہ ۳۱ [۲] ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۹۲-۸۳ افتتاح الاندلس صفحہ ۳۳

۱۷۸ھ/۷۹۴ء میں امیر ہشام نے البہ کی طرف عبدالکریم کو بھیجا۔ اور عبدالملک بن واحد کو ایک بڑی فوج کے ساتھ جلیقیہ کی طرف روانہ کیا۔ عبدالکریم بن واحد یلغار کرتا ہوا فرانس کے علاقے سیپمیا میں داخل ہوا۔ جرندہ اور اربونہ پر قبضے کے بعد اس علاقے کے اہم راستے مسلمانوں پر کھل چکے تھے۔ چنانچہ وہ بڑی تیزی کے ساتھ آگے بڑھتے چلے گئے۔ ڈیوک آف ٹولوس ایک فوج کے ساتھ مزاحم ہوا مگر بری طرح شکست کھائی اور عبدالکریم کثیر مال غنیمت کے ساتھ واپس لوٹ آیا۔ پھر جلیقیہ کا رخ کیا اور اس کے دارالخلافہ تک جا پہنچا۔ شہر کو بہت نقصان پہنچایا۔ بہت سے گرجے برباد کیے اور مال غنیمت لے کر واپس لوٹا۔ واپسی پر رہنما کی غلطی سے فوج شدید مشکلات سے دوچار ہوئی اور بڑی تکلیفوں کے بعد قرطبہ تک پہنچی۔

۱۷۹ھ/۷۹۵ء میں امیر ہشام نے پھر دو لشکر تیار کیے۔ ایک کو مشرقی اسپین کی سرحد کے پار بھیجا جو کامیابی کے ساتھ اور کثیر مال و دولت لے کر واپس ہوا۔ دوسرا عبدالملک کی سرکردگی میں پھر جلیقیہ کی طرف بھیجا جو تاخت و تاراج کرتا ہوا استرقہ تک پہنچ گیا۔ الفانسو دوم دیگر عیسائی حکومتوں کی مدد سے مقابلہ پر آیا لیکن عرب مورخین کے بقول عبدالملک کا سامنا ہوتے ہی بھاگ کھڑا ہوا۔ عبدالملک نے اس کا تعاقب کیا اور اس طرح جلیقیہ کی پوری حدود حکومت پر ہشام کی فوجیں پھیل گئیں۔ شہروں کو برباد کیا گیا۔ بے شمار عیسائی قتل کیے گئے اور کثیر مال غنیمت جمع ہوا۔ اس قتل و غارت گری کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ الفانسو دوم کے حرم کی حرمت بھی قائم نہ رہ سکی[1]۔ مسلمانوں کے اس آخری حملہ کے بعد عیسائیوں کو پھر کبھی جرات نہ ہو سکی کہ وہ مسلمانوں کی سرحدوں پر حملہ کریں۔ حکومت جلیقیہ اور آس پاس کی دیگر عیسائی ریاستوں نے مسلمانوں کی حکومت کی برتری کو تسلیم کر لیا۔ امیر ہشام کے زمانہ میں مسلمانوں کا ایسا رعب چھا گیا تھا کہ عیسائی مسلمانوں کی سرحد کے پاس بھی نہ آتے تھے اور ایک بھی مسلمان دشمنوں کے قبضہ میں نہ تھا[2]۔

دنیا سے کنارہ کشی اور وفات

امیر ہشام نے خود اعتمادی اور عزم کے ساتھ ملک میں بہت جلد امن و امان قائم کر دیا لیکن خود اس کی طبیعت میں دیندارانہ زندگی کی وجہ سے دنیا سے مایوسی حد سے زیادہ بڑھ گئی تھی۔ اس کی وجہ

---

[1] ابن اثیر۔ جلد ۶ صفحہ ۱۰۰-۹۹ ابن خلدون جلد ۴ صفحہ ۱۲۵ اخبار الاندلس صفحہ ۱۴۲۳

[2] مجموعہ اخبار اندلس صفحہ ۱۲۵

ایک روایت بتائی جاتی ہے۔ مگر یہ روایت اس کی شرعی طبیعت کے خلاف معلوم ہوتی ہے لیکن اسے معتبر مورخین نے بیان کیا ہے کہ اس نے جزیرہ خضراء کے ایک نجومی ضبی کو بلا کر اپنے متعلق معلوم کیا جب ضبی کو یہ معلوم ہوا کہ امیر کسی بری خبر کے سنانے پر اس کو سزا نہ دے گا اس نے کہا کہ "سات آٹھ کے درمیان" یعنی دور حکومت سات آٹھ سال کے درمیان ہے۔ امیر کی مایوس طبیعت پر اس بات کا بڑا اثر ہوا اور وہ اپنا زیادہ وقت عبادت و ریاضت میں صرف کرنے لگا اور کسی حد تک انتظام مملکت سے بھی دل ہٹ گیا[1]۔ یہ روایت درست ہو یا غلط لیکن امیر ہشام کی حد درجہ دینداری نے اس کو دنیاوی معاملہ سے کنارہ کشی پر ضرور اکسایا تھا۔ یہاں تک کہ ماہ صفر ۱۸۰ھ/۷۹۶ء میں ۳۹ سال ۴ ماہ کی عمر میں وفات پائی۔

کردار و عہد حکومت کا جائزہ

ہشام اول کا رنگ سرخی مائل سفید تھا اور آنکھیں کجی مائل تھیں[2]۔ اپنے اخلاق و عادات سے لوگوں میں ہر دلعزیز تھا۔ اکثر مریضوں کی عیادت کرتا اور جنازوں کے ہمراہ قبرستان تک جاتا تھا[3]۔ سخاوت و فیاضی اور عفو و درگزر جیسی خوبیوں سے معمور تھا۔ ذاتی زندگی عیاشی سے خالی تھی[4] کبھی کبھی محفلوں میں رقص دیکھ لیتا۔ البتہ شعر و شاعری کا کافی ذوق تھا اور اس کی محفلیں منعقد کی جاتی تھیں۔ امیر ہشام کی زندگی کا بہر طور نمایاں پہلو اس کا شریعت کی پیروی تھا۔ وہ خود پاکباز اور تقویٰ کے ساتھ زندگی گذارتا تھا اور دوسروں سے بھی اسی زندگی کا متقاضی تھا۔ روزمرہ کے زیادہ اوقات عبادت میں صرف کرتا اور باجماعت نمازیں پڑھنے اور مسجدوں کو معمور کرنے کا اہتمام رکھتا تھا۔ مجموعہ اخبار اندلس میں ہے کہ

"ہشام درہم اور دیناروں کی تھیلیاں بھر بھر کر بارش کی اندھیری راتوں میں مسجدوں میں بھیجتا تھا اور جو لوگ مسجد میں موجود ہوتے تھے وہ ان کو دی جاتی تھیں اس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ مسجدیں آباد رہیں[5]۔"

عبدالواحد مراکشی نے لکھا ہے[6]

---

[1] افتتاح الاندلس ص ۴۱ و نفح الطیب جلد ا ص ۱۵۷۔ [2] ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۰۳

[3] افتتاح الاندلس ص ۴۳ [4] ص ۱۲۱-۱۲۰

[5] تاریخ اندلس جلد ا ص ۲۵۴

"وہ نیک سیرت تھا۔ عدل و انصاف کی جستجو میں رہتا تھا۔ مریضوں کی عیادت کرتا تھا اور جنازوں میں شرکت کرتا تھا۔ بہت زیادہ خیرات تقسیم کرتا تھا۔ کبھی کبھی اندھیری رات میں جبکہ موسلا دھار بارش ہوتی وہ درہموں کی تھیلیاں لے کر نکل جاتا اور بوڑھی اور پردہ نشین عورتوں میں تقسیم کرتا تھا اس کا یہ طریقہ اس کی وفات تک قائم رہا۔"

ابن خلدون کا قول ہے۔

"ہشام نہایت نیک مزاج، صلح پسند، دلیر، شجاع، بلند حوصلہ، صاحب الرائے اور کثرت سے جہاد کرنے والا تھا۔"[1]

امیر ہشام کے طریقہ حکومت اور سیرت و کردار کی مثال حضرت عمر بن عبد العزیز سے دی جاتی ہے اس سلسلہ میں ابن اثیر نے لکھا ہے۔

"اس کے فضائل کے بیان میں اہل اندلس نے اس حد تک کہا کہ وہ اپنی سیرت و کردار میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے مشابہ ہے۔"[2]

علامہ مقری نے بھی اپنی کتاب نفح الطیب میں اس بیان کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"ہشام اپنی سیرت و کردار میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے نقش قدم پر چلتا تھا۔"

امیر ہشام خود بھی صاحب علم و فضل تھا اور فقہ مالکی کا عالم اور اس کو پسند کرنے والا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ امام مالک بھی اس کے سیرت و کردار سے بڑے متاثر تھے اور انہوں نے اسپین کے مشہور عالم زیاد ابن عبد الرحمٰن لخمی سے ہشام کے حالات دریافت کرنے کے بعد فرمایا تھا۔

"کاش اللہ تعالیٰ ہمارے موسم "حج" کو ایسے لوگوں کے ورود سے زینت دیتا۔"[3]

یہی حال ہشام کا فقہ مالکی سے محبت کا تھا شعر و ادب کا عمدہ مذاق رکھتا تھا اور شعراء کو کافی داد و دہش سے نوازتا۔ اس کا دربار علماء و فقہاء اور شعراء سے بھرا رہتا اور اس کی مجلس علم و دانش کی مجلس کہی جاتی تھی۔ اس کے دور کے ممتاز اہل علم میں عیسیٰ بن دینار، عبد الملک بن حبیب، یحییٰ بن یحییٰ، سعید بن حسان اور ابن ابوہند وغیرہ ہیں۔ اور ہشام ان سب کی بڑی قدر کرتا اور ان کے مفید مشوروں پر عمل کرتا تھا۔ بلکہ ڈوزی کے بقول یہ علماء اس پر حاوی تھے اور حکومت پر پوری طرح اثر انداز تھے۔

---

[1] ابن خلدون (اردو) جلد ۵ ص ۲۷۷ [2] ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۰۳

[3] افتتاح اندلس ص ۴۲ و نفح الطیب جلد ۱ ص ۱۵۸

امیر ہشام کے کردار کی جھلکیاں پوری طرح نظام حکومت پر پڑ رہی تھیں۔ گو اس کا دور بہت مختصر ہے۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو اسپین کے اموی دور میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ ملک میں امن و امان کا قائم ہونا، عیسائی حکومتوں کی باجگذاری، عدل و انصاف، رعایا پروری اور احکام و اور محصولات کی وصولی میں قرآن و سنت کی پیروی اس کے عہد کی خاص خصوصیات ہیں۔ ابن اثیر لکھتا ہے۔

"وہ صاحب عمل و حزم، صاحب الرائے، شجاع، عدل پرور، مخیر، ارباب خیر و صلاح کا دوست، دشمنوں کے لئے سخت گیر اور جہاد کا شوقین تھا........ اس کے فضائل بکثرت ہیں جن کو اہل اندلس نے بیان کیا ہے۔[1]"

ابن القوطیہ نے لکھا ہے۔

"ہشام نے اپنی رعایا پر ایسی نظر توجہ رکھی جس کو کسی دیکھنے والے نے اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ وہ ان سے نرمی، عدل اور خاکساری کے ساتھ پیش آتا تھا۔ مریضوں کی عیادت کرتا تھا اور جنازوں میں شریک ہوتا تھا۔........ اپنے لباس اور سواری میں اعتدال قائم رکھتا تھا۔[2]"

مجموعہ اخبار اندلس میں ہے۔

"امیر ہشام بن عبدالملک صاحب خیر و فضل سخی و کریم اپنی رعایا کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے والا اور اپنی سرحدوں کی قلعہ بندی کرنے والا تھا۔[3]"

علامہ مقری رقم طراز ہیں۔

"وہ صاحب خیر و صلاح تھا، بکثرت غزوات و جہاد کئے۔[4]"

امیر ہشام کا نظام حکومت تقریباً وہی رہا جو عبدالرحمٰن الداخل کے زمانہ میں تھا۔ البتہ صوبوں اور شہروں کے والیوں اور عاملوں میں حسب ضرورت رد و بدل ہوتی رہتی تھی۔ اس کی نظر عمال حکومت کے طریق کار اور رعایا کے ساتھ ان کے سلوک پر رہتی تھی۔ اگر مظالم ہوئے تو ان کا تدارک فوراً کرتا اور ظالم عمال کو ہمیشہ کے لئے علیحدہ کر دیتا تھا۔ اپنے اعتماد کے لوگوں کو عمال کی نگرانی پر مقرر کر رکھا تھا۔ جو ان کی تحقیقات کرتے اور امیر کو براہ راست مطلع کرتے۔ علامہ مقری نے اس سلسلہ میں لکھا ہے۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۰۲-۱۰۱ [2] افتتاح الاندلس صفحہ ۴۴ [3] صفحہ ۱۲۶

[4] نفح الطیب جلد ۱ صفحہ ۱۵۸

"وہ معتبر لوگوں کو صوبوں (کوروں) میں بھیجتا تھا جو لوگوں سے عمال حکومت کے حالات پوچھتے تھے اور واپس آکر ہشام کو مطلع کرتے تھے اگر عامل کے متعلق کوئی نامناسب بات معلوم ہوتی تھی تو اس کو موقوف کر دیتا تھا اور اس کی زیادتی کا تدارک کرتا تھا۔ پھر اس عامل کو کسی عہدہ پر مامور نہ کرتا تھا۔[1]"

مجموعہ اخبار اندلس میں ہے۔

"اس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے ظالم عاملوں اور کارکنوں کو ظلم سے نہایت سختی سے روکتا تھا۔........ اور عاملوں کو سزا دینے سے بھی باز نہ آتا تھا۔[2]"

امیر ہشام نے سب سے زیادہ محصولات کے محکمے میں کیں اور اپنے باپ سے مختلف روش اختیار کی۔ تمام غیر شرعی محاصل معاف کر دیئے گئے۔ کتاب و سنت کے مطابق ٹیکس لگائے گئے۔ اور اسی کے مطابق صدقات و زکوٰۃ کی وصولی کا حکم دیا اس کے لئے مصدق (صدقہ اور زکوٰۃ وصول کرنے والے) خاص طور پر مقرر کئے۔ ابن القوطیہ لکھتا ہے۔

"تمام غیر شرعی محاصل اس نے معاف کر دیئے اور مصدق زکوٰۃ مقرر کئے۔[3]"

ابن اثیر نے لکھا ہے۔

"اس کے بہترین اعمال میں یہ ہے کہ اس نے ایسے مصدق مقرر کئے جو کتاب و سنت کے مطابق صدقات وصول کرتے تھے۔[4]"

علامہ مقری کے مطابق:

"اس کے محاسن میں یہ ہے کہ اس نے کتاب و سنت کے مطابق زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے مصدق مقرر کئے۔[5]"

فوج کا شعبہ عبدالرحمٰن الداخل کے قائم کردہ طریقہ پر تھا البتہ فوج سے متعلقہ تمام ہدایات و نگرانی کی خدمات ہشام خود اپنے ذمہ لئے ہوئے تھا اس لئے وہ کثیر الغزوا لجہاد سے یاد کیا گیا۔[6] عدل و انصاف کا بڑا دلدادہ تھا اور بے انصافی کو قطعاً پسند نہ کرتا تھا۔ اس کے لئے اس نے عہدہ قضاۃ پر مصعب بن عمران کو مقرر کیا تھا۔ حالانکہ مصعب الداخل کو قضا کے متعلق سخت جواب دے چکے تھے

---

1. نفح الطیب جلد صفحہ ۱۵۸ 2. صفحہ ۱۲۱ 3. افتتاح الاندلس صفحہ ۴۲
4. جلد ۶ صفحہ ۱۰۱ 5. نفح الطیب جلد ۱ صفحہ ۱۵۹ 6. نفح الطیب جلد ۱ صفحہ ۱۵۹

اور اس قضاۃ کو پسند نہ کرتے تھے لیکن ہشام کے شرعی خیالات دیکھ کر انہوں نے یہ عہدہ سنبھال لیا اور ہشام کے آخری دور حکومت تک اس عہدہ پر قائم رہے۔ محکہ قضاۃ (عدالت) کی کتابت کا عہدہ بھی بڑا اہم ہوتا تھا اور اس منصب پر قاضی اپنے معتبر آدمی کو مقرر کرتا تھا۔ چنانچہ مصعب بن عمران نے مشہور اہل علم محمد بن بشیر مغافری باجی کو اس پر نامزد کیا اور آخری وقت تک وہ اسی عہدہ پر فائز رہے۔

گو ہشام کا دور بہت مختصر تھا لیکن اس کے باوجود اس نے اسپین کی تعمیری ترقیوں میں برابر کا حصہ لیا۔ جامع مسجد قرطبہ کی تعمیر جو الداخل نے شروع کی تھی اس کے زمانہ میں اختتام پذیر ہوئی۔ علاوہ ازیں دیگر مساجد بھی تعمیر کرائیں اور کثیر رقم ان کی تزئین و آرائش پر صرف کی۔ قرطبہ کا مشہور پل جو سمح بن مالک خولانی نے تعمیر کیا تھا اس کی نئے سرے سے تعمیر کی۔

الغرض امیر ہشام کا عہد مختصر ہونے کے باوجود عوام کی فلاح و بہبود کا بے مثال دور تھا۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ امیر عبدالرحمٰن الداخل نے جس حکومت کی بنیاد رکھی اور دشمنوں سے اس کو محفوظ کیا اس کو امیر ہشام نے اپنی پاکباز سیرت و کردار سے اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی اور حکومت کو عربی یا اسپینی تہذیب کے دائرہ سے نکال کر اسلامی تہذیب کے دائرہ میں لا ڈالا۔ بلاشبہ اگر عمر وفا کرتی تو مسلم اسپین ایک اسلامی حکومت بن کر روشن ستارے کی مانند دنیا میں ہر طرف چمکتا اور کوئی تعجب نہیں کہ عمر بن عبدالعزیز کا دور واپس لوٹ آتا۔

امیر حکم اوّل بن ہشام اول

۱۸۰ھ / ۷۹۶ء تا ۲۰۶ھ / ۸۲۱

تخت نشینی

امیر ہشام نے بھی اسی غلطی کا اعادہ کیا جو عمر بن عبدالعزیزؒ سے ہوئی تھی جس کی وجہ سے ان کی تمام کوششوں پر پانی پھر گیا تھا۔ یعنی ہشام نے اپنے بعد اپنے لڑکے حکم کو جانشین بنادیا جو اس کی تمام اسلامی کوششوں پر پانی پھیرنے کا باعث بنا۔

حکم نام، ابوالعاص کنیت تھی۔ ماں کا نام ازخرف ام ولد تھا۔ عمر کا ابتدائی حصہ تعلیم و تربیت میں گزرا۔ ۱۸ برس کی عمر سے حکومت کے کاموں میں حصہ لینا شروع کردیا تھا۔ ۲۶ سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ ۱۷۶ھ / ۷۹۲ء میں سرکش صوبہ طلیطلہ کا والی بنایا گیا جہاں اس کی صلاحیتوں کے جوہر کھلے۔

حکم کو حکومت ایک ایسے شخص سے ملی تھی جو خود بھی پاکباز اور متقی تھا اور دوسروں کو بھی پاکباز اور باشرع دیکھنا پسند کرتا تھا۔ نہ صرف پسند کرتا تھا بلکہ باشرع رہنے پر سختی بھی کرتا تھا۔ امیر ہشام اپنی اولاد پر بھی شریعت کے معاملات میں بڑا سخت تھا اور تمام اولاد کو صوم و صلوٰۃ پر پابند کردیا تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں شہزادوں کو عیاشی اور رنگ رلیاں کہاں ملی ہوں گی اور ان کے ابھرتے ہوئے عیاشانہ جذبہ کو تسکین نہ مل سکی ہوگی۔ حقیقتاً ایسا ہی کچھ حکم کے ساتھ بھی ہوا تھا۔ چنانچہ جب وہ عین جوانی میں برسر حکومت آیا تو ایک طرف تو نوجوانی کی خام عقلی اور ضد دوسری طرف باپ کی مذہبی سختیوں نے مذہب سے بیزاری کے آثار اس میں نمایاں کردیئے تھے۔ چنانچہ جلد ہی وہ عیش و عشرت میں پڑ گیا اور غیر محتاط زندگی گزارنے لگا۔ اہل قرطبہ عہد ہشام کو دیکھے ہوئے تھے اور تقریباً انہوں نے امیر کی پیروی میں اپنے آپ کو دینداری کے سانچے میں ڈھال لیا تھا۔ علماء فقہاء اور صلحاء سے قرطبہ بھرا پڑا تھا اور ان کا عوام پر اور دربار پر بھی کافی اثر تھا۔ چنانچہ حکم کی اس رندی اور عیاشی کو وہ برداشت نہ کرسکتے تھے۔ ابتداء میں تو اس کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی۔ پھر رائے عامہ کا دباؤ ڈالا لیکن جب بھی وہ ضدی نوجوان نہ مانا تو اس کو معزول کرنے کی سازشیں کرنے لگے۔ انہی

حالات کی بناء پر حکم کو اپنے دور حکومت میں زبردست بغاوتوں کا سامنا کرنا پڑا اور حفاظت خود اختیاری اور طبیعت کے ضدی پن نے اس کو جابر و ظالم سلاطین کی صف میں لا کھڑا کیا۔ جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

بغاوتیں

حکم نے اپنے دور میں پہلی فوجی مہم عیسائیوں کی حدود حکومت کی طرف بھیجی۔ ۱۸۰ھ/۷۹۶ء میں یہ مہم سرہوئی لیکن اس کے بعد وہ اس کو جاری نہ رکھ سکا اور ملتوی کر کے داخلی بغاوتوں کی طرف توجہ دینا پڑی۔ یہ بغاوتیں مشرقی اسپین میں رونما ہوئیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۸۱ھ/۷۹۷ء میں ابوالحجاج بہلول بن مرزوق نے بغاوت کر کے سرقسطہ پر قبضہ کرلیا۔ عبیدہ بن حمید نے طلیطلہ میں خود سری اختیار کی۔ حکم کا جلاوطن چچا عبداللہ اسپین میں داخل ہوا اور اس نے اپنی جماعت تیار کر کے بہلول کو بھی ساتھ ملالیا اور شمالی اسپین کی شہر بلنسیہ پر قبضہ کرلیا اور آس پاس کے علاقے فتح کر کے بلنسیہ کو اس کا دارالحکومت بنایا۔ حکم نے سب سے پہلے طلیطلہ کی طرف توجہ کی اور اپنے ایک معتمد عمروس بن یوسف کی جو طلیرہ کا والی تھا طلیطلہ پر حملہ کرنے کی ہدایت کی۔ عمروس فوج لے کر طلیطلہ پہنچا اور شہر کا محاصرہ کرلیا۔ چند لڑائیاں بھی ہوئیں لیکن عمروس کو کامیابی نہ ہوئی چنانچہ اس نے طلیطلہ کے ایک با اثر خاندان بنو مخشی سے سازش کر کے عبیدہ بن حمید کو قتل کرادیا اور بغاوت ختم ہوگئی۔ عمروس نے اپنے لڑکے یوسف کو وہاں کا والی بنادیا۔ چند دنوں کے لئے یہ شورش دب گئی لیکن اس کے بعد یہ شہر فتنہ و فساد کا مرکز بن گیا۔[1]

۱۸۲ھ/۷۹۸ء میں حکم کا دوسرا چچا سلیمان بھی حکومت کا دعویدار بن کر طنجہ سے اسپین آیا۔ بربروں سے اس کے تعلقات اچھے تھے۔ چنانچہ بربروں نے اس کا ساتھ دیا۔ عربوں میں پہلے ہی سے اس کی ایک وفادار جماعت موجود تھی۔ حکم خود فوج لے کر اس کی طرف قرطبہ سے چلا۔ دونوں فوجوں میں سخت مقابلہ ہوا۔ سلیمان نے شکست کھائی اور پہاڑیوں میں چھپ گیا۔ حکم واپس لوٹ آیا۔ سلیمان نے ایک بار پھر اپنی طاقت جمع کی اور استجہ پر قبضہ کرنے کے لئے بڑھا۔ حکم اس کی تاک میں لگا ہوا تھا۔ خبر سنتے ہی فوج لے کر آیا۔ ۱۸۳ھ/۷۹۹ء میں دونوں میں پھر مقابلہ ہوا اور سلیمان اپنے لشکر کے ساتھ ایک گاؤں میں محصور ہوگیا۔ حکم نے محاصرہ کیا لیکن سلیمان بچ کر نکل گیا اور

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۰۸، ۱۰۹

صوبہ قرطبہ کے ایک مستحکم قلعہ قریہ خریش میں پناہ گزیں ہوا۔ حکم اس وقت تو واپس چلا گیا۔ لیکن ۱۸۵ھ/۸۰۱ء میں پھر فوج لے کر قریہ خریش پر حملہ آور ہوا۔ سلیمان نے پھر مقابلہ کیا اور شکست کھا کر بھاگا لیکن گرفتار ہو کر قتل ہوا۔ اس کے اہل و عیال کو حکم نے سر قسطہ بلوا کر قرطبہ میں ٹھہرا دیا۔[1] چار سال تک سلیمان اور حکم میں کشمکش جاری رہی۔

مشرقی اسپین کے باغیوں میں اتحاد نہ تھا اس لئے وہ آپس میں ہی لڑنے لگے۔ سر قسطہ بہلول کے قبضہ میں تھا۔ اس سے ۳۵ میل کے فاصلے پر ایک عرب قائد ابو عمران وشقہ پر قابض تھا۔ بلسیہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن الداخل کے قبضے میں تھا۔ ۱۸۳ھ/۷۹۹ء میں ابو عمران اور بہلول کے درمیان اختلاف ہوا اور نوبت لڑائی تک پہنچی۔ عبداللہ اموی نے ابو عمران کا ساتھ دیا اور بہلول کو شکست ہوئی۔ ۱۸۴ھ/۸۰۰ء میں بہلول نے وشقہ پر حملہ کیا اور ابو عمران کو شکست دے کر شہر پر قبضہ کر لیا۔ عبداللہ اموی بچ کر بلسیہ پہنچ گیا اور یہیں قیام پذیر ہو گیا۔[2] حکم کو سلیمان سے فرصت نہ ملی تھی کہ توجہ دیتا لیکن باغی آپس میں لڑ کر کمزور ہو چکے تھے۔ عبداللہ نے حالات کو دیکھ کر اور پھر سلیمان کا انجام سن کر امن و امان کی زندگی گذارنے کے لئے حکم سے بات چیت کی۔ مشہور اہل علم یحیٰی بن یحیٰی نے بیچ میں پڑ کو دونوں چچا بھتیجے میں صلح کرا دی اور ۱۸۷ھ/۸۰۳ء میں عبداللہ قرطبہ چلا آیا۔ اس کا سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا گیا اور اس کے لڑکوں کو حکومت کے اہم عہدوں پر مامور کیا گیا۔[3]

یوم الخندق

اس کے بعد امیر حکم نے دوبارہ طلیطلہ کی طرف توجہ کی کیونکہ یہی شہر بغاوتوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ طلیطلہ کی بغاوت فرو کرنے کا واقعہ یوم الخندق کے نام سے مشہور ہے۔ جو ۱۹۱ھ/۸۰۷ء میں پیش آیا۔ اصل وجہ بغاوتوں کی یہ تھی کہ یہ شہر عربوں بربروں، نومسلموں اور عیسائیوں کی مخلوط آبادی کا تھا۔ آئے دن فتنہ و فساد اور ہنگامہ کرنا ان کا مشغلہ بن چکا تھا۔ فتنہ پروری میں یہاں کے عیسائی اور نو مسلم پیش پیش تھے کیونکہ ان کو اپنے شہر کی قلعہ بندی اور اپنی دولت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ اس لئے وہ لوگ ہمیشہ یہ کوشش کرتے کہ یہاں کے والیوں کا اپنی مرضی کا پابند کرلیں چنانچہ ذرا ذرا سی بات پر بغاوت کرتے اور مرکزی حکومت سے ذرا بھی نہ ڈرتے۔ ان کا ایک مشہور شاعر غربیب طلیطلی تھا جس پر اہل طلیطلہ

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۰۹-۱۱۰-۱۱۱-۱۱۴ [2] ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۰۹ تا ۱۱۴

[3] ایضاً

بڑا اعتماد کرتے کیونکہ وہ ہوشیاری سے حکومت کے خلاف ان کی رہنمائی کرتا تھا۔ جب تک وہ زندہ رہا حکم کو اہل طلیطلہ پر کوئی کامیابی نہ ہوئی لیکن اس کے مرنے کے بعد اس نے طلیطلہ کو مطیع کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ حکم نے ایک اسکیم تیار کی اور عمروس بن یوسف کو اس میں شریک کرلیا۔ عمروس دشیقہ کا ایک نومسلم تھا اور بنوامیہ کا دل سے خیر خواہ تھا۔ اس نے اس مہم کو انجام دینے پر آمادگی ظاہر کردی اور باہمی مشورہ کرکے اس اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کے تیاریاں شروع ہوگئیں۔ عمروس کو طلیطلہ کا والی بنا کر اہل طلیطلہ کے نام حکم نے یہ خط بھیجا۔

"میں نے عمروس کو تمہارے لئے منتخب کیا ہے۔ جو تم ہی میں سے ہے تاکہ تمہارے دلوں کو پورا اطمینان حاصل ہوجائے۔ تم ہمارے جن عمال اور والیوں کو ناپسند کرتے ہو ان کو وہاں سے ہٹالیا ہے مجھے امید ہے کہ میرے اس عمل سے تم اپنے حق میں میرے مخلصانہ جذبات کو سمجھ سکو گے۔"

عمروس نے طلیطلہ پہنچ کر اہل شہر کو رفتہ رفتہ اپنی طرف مائل کرنا شروع کردیا اور بنوامیہ کے خلاف بھی اپنی رائے ظاہر کی جس کے نتیجہ میں اہل شہر اس کو اپنا رہنما تصور کرنے لگے۔ طلیطلہ میں حکومت کے دفاتر اور عہدہ داروں کی جگہ شہر کے سکونتی مکانوں سے گھری ہوئی تھی جس کی وجہ سے نہ تو وہاں کوئی بڑی فوج ٹھہر سکتی تھی اور نہ ہی اس کی حفاظت کا کوئی بندوبست کیا جاسکتا تھا۔ عمروس نے سب سے پہلے اہل طلیطلہ کو اس بات پر آمادہ کیا کہ سرکاری عمال کے لئے ایک جداگانہ آبادی قائم کردی جائے تاکہ شہر والے ان کی شرانگیزی سے محفوظ ہوسکیں اور کچھ اس طریقہ سے شہر والوں کو راضی کیا کہ وہ اس تجویز پر رضامند ہوگئے۔ چنانچہ شہر سے باہر ایک پہاڑی پر قلعہ تعمیر کیا گیا۔ اور جلد ہی خود بھی مع دفاتر کے اسی قلعہ میں چلا گیا۔ اس کے بعد حکم نے ایک عظیم الشان لشکر اپنے لڑکے عبدالرحمٰن کی قیادت میں بظاہر سرحدوں کی طرف روانہ کیا۔ تین وزراء بھی اس کے ساتھ شریک کردیئے۔ کیونکہ عبدالرحمٰن صرف ۱۴ برس کا لڑکا تھا۔ اور ایک خط اپنے ایک معتمد کو دیا کہ جب عمروس اور وزراء ایک جگہ جمع ہوجائیں تو یہ خط وزراء کے حوالہ کیا جائے۔ سرحدی صوبہ کا راستہ طلیطلہ ہوکر گزرتا تھا۔ جب لشکر طلیطلہ کے قریب پہنچا تو ایک دوسرے قاصد نے اطلاع دی کہ سرحد سے عیسائی بھاگ گئے ہیں فوج کی اب ضرورت نہیں۔ اس مکتوب کے ملتے ہی عبدالرحمٰن طلیطلہ کے قریب ایک مقام جیادین پر ٹھہر گیا۔ اس کے بعد اس خوفناک سازش کی تدبیریں سوچی جانے لگیں۔ عمروس نے شہر والوں کے سامنے شہزادہ کی خدمت میں باریاب ہونے کا ارادہ کیا اور شہر والوں کو بھی

سمجھایا کہ سلطنت کا ولی عہد ہمارے شہر کے پاس مقیم ہے اس کی خدمت میں جانا ضروری ہے تاکہ ہماری وفاداریاں مشکوک نہ سمجھی جائیں۔ طلیطلہ والوں نے نادانی سے اس مشورہ کو قبول کیا اور شہر کے ممتاز معززین عمروس کے ساتھ شہزادے کے پاس آئے۔ شہزادے نے بھی ان کی خوب خاطر مدارات کیں اور قدر و منزلت کی۔ عمروس اور وزراء نے مل کر مشورہ کیا اور طے پایا کہ عبدالرحمٰن کو شہر میں مدعو کرنے پر اہل شہر کو آمادہ کیا جائے اور شہزادہ ان کے اصرار کرنے پر اس کو قبول کرے۔ اور فوج کے ساتھ شہر میں داخل ہو۔

عمروس کے اس مشورے کے مطابق معززین شہر کو علیحدہ لے جاکر عبدالرحمٰن کو شہر میں داخل ہونے کی دعوت دینے کا مشورہ دیا تاکہ شہزادہ اپنی آنکھ سے شہر کی حالت دیکھ لے اور اس کی عظمت کا اندازہ لگالے۔ شہر والوں نے اس مشورہ کو قبول کیا اور عبدالرحمٰن کو شہر میں آنے کی دعوت دی۔ عبدالرحمٰن نے تجویز کے مطابق پہلے تو انکار کیا لیکن جب شہر والوں نے زیادہ اصرار کیا تو دعوت قبول کرلی اور اس طرح یہ عظیم لشکر شہر کی نئی سرکاری عمارت میں داخل ہوگیا۔

طلیطلہ واپس آنے کے بعد عمروس نے پہلے تو مہمانوں کی ضیافت کی جو تمام اہل شہر کی طرف سے تھی۔ دوسرے دن حکومت کی طرف سے اہل شہر کی دعوت کا اہتمام کیا گیا اور سرکاری عمارت کی صحن میں کھانے پکانے کا انتظام کیا گیا۔ شاہی ضیافت کے لئے شام کا وقت مقرر تھا۔ کثیر تعداد میں لوگ مدعو کئے گئے۔ انتظام یہ کیا گیا کہ گروہ در گروہ لوگ داخل ہوں اور پشت کے دروازے سے نکل جائیں۔ وسط صحن میں بڑے بڑے گڑھے کھودے گئے اور وہاں جلاد کھڑے کردیئے گئے۔ آنے والے لوگ جلادوں کے حوالے کردیئے جاتے جو ان کی گردن اڑادیتے اور جسم گڑھے میں دھکیل دیتے۔ عبدالرحمٰن مہمانوں کی پذیرائی کے لئے پاس ہی بیٹھا تھا۔ شام سے صبح تک یہی تماشا ہوتا رہا اور پانچ ہزار تین سو سے اوپر معززین شہر و دیہات مار ڈالے گئے۔ صبح کے وقت کچھ لوگوں کو شبہ ہوا کہ اندر جانے والے باہر نہیں آئے۔ چنانچہ جلد ہی لوگوں پر راز ظاہر ہوگیا۔ شہر میں کہرام مچ گیا۔ جنھوں نے "السیف السیف" پکارا وہ بھی پکڑ کر قتل کردیئے گئے۔ جلد ہی آبادی میں کوئی فرد بھی ایسا باقی نہ بچا جو مخالفت کی آواز اٹھا سکتا۔ اس کے بعد ایک عرصہ تک اہل طلیطلہ خاموشی سے زندگی گزارتے رہے۔ قتل کئے جانے والوں کی مجموعی تعداد سات ہزار بتائی جاتی ہے۔ عبدالرحمٰن چونکہ تمام رات یہ تماشا دیکھتا رہا اس لئے تلوار کی چمک سے اس کی آنکھوں میں ٹیڑھا پن پیدا ہوگیا جو تمام

عمر باقی رہا۔[1]

مشرقی اسپین کی بغاوتیں فرو ہوئی تھیں کہ مغربی شہر ماردہ بغاوتوں کا مرکز بن گیا۔ اصبغ بن عبداللہ نے ۱۹۱ھ / ۸۰۷ء میں اہل شہر کی حمایت سے شہر پر قبضہ کر کے اموی گورنر کو نکال باہر کیا۔ حکم بذات خود فوج لے کر پہنچا۔ ابھی شہر کا محاصرہ کیا تھا کہ قرطبہ میں شورش کی اطلاع ملی اور حکم فوراً واپس قرطبہ چلا آیا۔ اسی اثناء میں طلیطلہ کے قتل عام کا واقعہ پیش آیا۔ جس کا لازمی اثر اہل ماردہ پر بھی پڑا اور ان کے دل میں بھی اطاعت کا خیال پیدا ہو چلا۔ حکم بھی برابر فوجی دستے بھیجتا رہتا تھا۔ اصبغ کبھی اطاعت کر لیتا اور کبھی مقابلہ کرتا۔ بالآخر اہل شہر عاجز آ گئے اور اصبغ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اصبغ نے ۱۹۲ھ / ۸۰۸ء میں اطاعت قبول کر لی اور قرطبہ میں ہی امن سے زندگی گزارنے چلا آیا۔[2] اس کے باوجود اہل ماردہ پھر بھی کچھ نہ کچھ شورش برپا کرتے رہے۔ حکم بھی ان پر وقتاً فوقتاً فوجی دستے بھیجتا رہا۔ یہ صورتحال ۱۹۳ھ / ۸۰۹ء سے ۱۹۶ھ / ۸۱۱ء تک قائم رہی اس کے بعد اہل شہر نے اطاعت قبول کر لی۔[3]

بغاوت کا دوسرا مرکز باجہ تھا جو پرتگال کے موجودہ پایہ تخت لسبن (اشبونہ) سے جنوب مشرق میں ۹۵ میل کے فاصلہ پر تھا۔ یہاں پر حزم بن وہب ایک سردار نے خودسری اختیار کی اور اشبونہ پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا کہ اسی اثناء میں حکم کے لڑکے ہشام نے باجہ کا محاصرہ کیا اور اس شدت سے کیا کہ باغی امان کے طالب ہوئے۔ ہشام نے امان دی اور واپس چلا گیا۔[4] حکم کے آخری عہد حکومت میں ۲۰۲ھ / ۸۱۷ء میں شہر باجہ میں ولد نام ایک شخص نے دعویٰ حکومت کیا لیکن جلد ہی باغیوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور ولد کو گرفتار کر لیا گیا۔[5]

۲۰۰ھ / ۸۱۵ء میں شہر مورور میں ایک بربری نے سر اٹھایا لیکن حکم نے چالاکی اور تدبر سے ایک شخص کو بھیج کر اس کو قتل کرا دیا۔[6]

حکم کے زمانہ میں خارجیوں نے بھی سر اٹھایا۔ ۱۹۱ھ / ۸۰۷ء میں جزیرہ خضراء میں خوارج کے عقائد کی عام اشاعت ہونے لگی۔ حکم خود فوج لے کر پہنچا اور اس عقیدہ کو قبول کرنے والوں میں سے اکثر کو قتل کیا۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۳۵ تا ۱۳۷ ، افتتاح الاندلس ص ۴۵ تا ۴۹ [2] ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۳۷، ۱۳۸
[3] ایضاً [4] ایضاً [5] ایضاً [6] تفصیل دیکھئے مجموعہ اخبار الاندلس ص ۱۳۱-۱۳۲

عیسائی ریاستوں سے تعلقات

ہشام اول کی وفات کے ساتھ ہی شارلمین شاہ فرانس اور لوئی شاہ ایکوٹین نے سرحدوں پر چھیڑ چھاڑ شروع کردی تھی۔ لوئی نے تو مشہور شہر جرندہ پر قبضہ بھی کرلیا تھا۔ حکم نے فوراً عبدالکریم بن مغیث کو ایک طاقتور لشکر کے ساتھ روانہ کیا جس نے شہر جرندہ پر قبضہ کرکے عیسائی حدود میں اپنے لشکر کو پھیلادیا اور پورے علاقے کو تاخت و تاراج کیا یہاں تک کہ فوج کا ایک دستہ خلیج بسکے کو عبور کرکے فرانس میں داخل ہوا اور بے شمار دولت حاصل کرکے واپس عبدالکریم کے پاس آگیا۔ اس حملے میں کوہ البرانس کے پار کی عیسائی آبادی اور جنوبی فرانس کو اس بری طرح برباد کیا گیا کہ اگر عبداللہ اور سلیمان کی بغاوت نہ ہوتی تو عیسائیوں کو پھر کبھی بھی حملہ کرنے کی ہمت نہ ہوتی لیکن عبداللہ اور سلیمان کی بغاوت نے ان کو پھر سنبھلنے کا موقعہ دے دیا اور انھوں نے مسلمانوں کے شہروں کو تاخت و تاراج کرنا شروع کردیا۔ اس وقت حکم نے مجبوراً ان جارحانہ حملوں کا کوئی جواب نہ دیا۔[1] البتہ شاہ فرانس شارلمین نے مسلمانوں کے جارحانہ حملوں سے سبق حاصل کیا اور کبھی اسپین پر حملہ آور ہونے کا خیال تک دل میں نہ لایا لیکن اس نے فرانس کو مسلمانوں کے حملوں سے محفوظ رکھنے کی ایک ترکیب ضرور کی۔ چنانچہ ۷۹۸ء میں الفانسو دوم سے اس نے دوستی کا معاہدہ کیا اور شاہ لوئی کے مشورہ سے کوہ البرانس کے اس پار مسلم اسپین کے سرحد سے ملی ہوئی زمین پر ایک نئی ریاست بفراسٹیٹ کے طور پر قائم کی اور اس کا نام ''اسپنش مارچ'' رکھا۔ ایک فرانسیسی رئیس بوریل کو اس ریاست کا حکمراں بناکر شاہ لوئی کی سیادت میں دے دیا اور جابجا مستحکم قلعے تعمیر کئے۔ یہاں کی فوج نے مسلمانوں کے علاقے پر لوٹ مار کرنا شروع کردی۔ امیر حکم داخلی فتنوں میں پھنسا ہوا تھا اس لئے ان کا تدارک نہ کرسکا۔ چنانچہ شارلمین کے اشارے پر عیسائیوں کے ایک متحدہ لشکر نے ۱۸۵ھ/۸۰۱ء میں برشلونہ کا محاصرہ کرلیا تاکہ اس نوزائیدہ حکومت اسپش مارچ کے لئے ایک بندرگاہ فراہم ہوجائے۔ برشلونہ والوں نے قرطبہ سے امداد طلب کی لیکن کوئی امداد نہ آسکی اور محاصرے کی سختیاں شدت اختیار کرتی گئیں۔ والی برشلونہ خود چپکے سے قرطبہ جانے کے لئے برشلونہ سے نکلا لیکن اتفاق سے گرفتار ہوگیا۔ بالآخر مسلمانوں نے عیسائیوں سے صلح کا نامہ و پیام کیا اور اس شرط پر مسلمانوں نے شہر کے دروازے کھول دیئے کہ ان کو اس شہر سے ہجرت کرنے دی جائے۔ چنانچہ مسلمان برشلونہ سے اپنا سب کچھ چھوڑ کر دیگر علاقوں کی طرف ہجرت کرگئے۔ برشلونہ کے سقوط کے بعد اس نوزائیدہ فرانسیسی حکومت

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۰۲

کا پایہ تخت یہ شہر قرار پایا اور سلیمان اور عبداللہ کی بغاوت کی بدولت یہ زرخیز علاقہ مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا۔[1]

۱۸۷ھ / ۸۰۳ء میں عیسائیوں نے ایک دوسرے سرحدی شہر طلیلہ کا رخ کیا۔ یہ شہر عمروس بن یوسف کی ولایت میں تھا اور اس کا لڑکا یوسف یہاں کا والی تھا۔ صخرہ کے کچھ غداروں نے عیسائیوں سے کچھ ساز باز کر کے شہر ان کے سپرد کر دیا۔ یوسف گرفتار کر لیا گیا اور صخرہ قیس میں قید کر دیا گیا۔ عمروس کو جب اس کی اطلاع ملی تو ایک زبردست فوج بھیجی گئی، جس نے عیسائیوں کو بڑی تعداد میں قتل کیا اور طلیلہ پر قبضہ کر کے صخرہ قیس پر بھی قبضہ کر لیا اور یوسف کو آزاد کرا لیا کچھ دنوں کے لئے اس علاقہ پر عمروس کی دھاک لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گئی۔

۱۹۱ھ / ۸۰۷ء میں شاہ لوئی نے شمالی مشرقی اسپین کے شہر طرطوشہ کی طرف پیش قدمی کی۔ حکم نے عبدالرحمٰن کی سرکردگی میں ایک لشکر روانہ کیا اور عبدالرحمٰن نے راستہ ہی میں شاہ لوئی کو روک کر زبردست شکست دی اور بہت سے عیسائیوں کو قتل کیا اور کثیر مال غنیمت حاصل کیا۔[2] ان شکستوں کے باوجود سرحدی علاقوں میں عیسائیوں کی قتل و غارت گری جاری رہی اور امیر حکم داخلی بدامنیوں کی وجہ سے اس پر کوئی خاص توجہ نہ دے سکا۔[3] البتہ ۱۹۶ھ / ۸۱۱ء میں ایک ایسا اتفاقی واقعہ ہوا کہ حکم کی توجہ اس طرف مبذول ہو گئی۔ مسلمانوں کے ایک قافلہ پر وادی الحجارہ کے قریب عیسائیوں نے حملہ کر کے سب کو قتل کر دیا۔ صرف ایک عورت کو زندہ پکڑ کر لے گئے۔ اس عورت نے حکم کی دہائی دی جس کی اطلاع ایک شاعر عباس نے قصیدہ کے ذریعہ امیر تک پہنچا دی۔ حکم اس سے بہت متاثر ہوا اور فوراً جہاد کے لئے کوچ کیا اور عیسائی حکومت کی حدود میں شدید قتل و غارت گری کی اور بہت سے لوگوں کو گرفتار کر کے لایا۔ اس کے بعد قیدیوں کا تبادلہ ہوا جن میں وہ فریاد کرنے والی عورت بھی واپس آئی۔ اس طرح حکم کا غصہ ٹھنڈا ہوا۔ اس مہم کے بعد حکم نے مہمات کا ایک طویل سلسلہ شروع کر دیا اور خشکی و سمندر سے پے در پے مہمیں روانہ کرنا شروع کیں۔ ۲۰۰ھ / ۸۱۵ء میں عبدالکریم بن مغیث عظیم الشان لشکر لے کر جنوبی فرانس پر چڑھ دوڑا۔ اس نے سارے جنوبی فرانس میں اپنی فوجیں پھیلا دیں۔ جنہوں نے قتل و غارت گری کا ایک طویل سلسلہ جاری کیا اور عیسائیوں کے سر چھپانے کو جگہ نہ چھوڑی۔ یہ حال دیکھ کر تمام عیسائی حکمرانوں کا متحدہ لشکر دریائے ابرو پر جمع ہو گیا۔ اب دونوں فریقین کے درمیان دریا تھا۔ عبدالکریم نے اپنے آپ کو پیچھے ہٹا لیا۔ عیسائی سمجھے

---

[1] اخبار الاندلس جلد ۱ ص ۵۴-۴۳-۲۵ ۔ ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۰۲، ۱۱۵ [2] نفح الطیب جلد ۱ ص ۱۵۹

[3] ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۶۳

کہ وہ بھاگ رہا ہے اور دریا عبور کر کے مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے۔ مسلمانوں نے فوراً پلٹ کر اتنی بیدردی سے ان کا قتل عام کیا کہ ان میں سے چند ہی بچ سکے وہ بھی گرفتار کر لئے گئے لیکن اس کے باوجود عیسائیوں نے پھر اپنی جمعیت اکٹھی کی اور مسلمانوں کو دریا عبور کرنے سے روکے رکھا۔ یہاں تک کہ دریا میں طغیانی آ گئی۔ جس کی وجہ سے عبدالکریم اپنے لشکر کے ساتھ اس سال کے ماہ ذی الحجہ میں قرطبہ واپس لوٹ گیا[1]۔ اس کے بعد حکم کے عہد حکومت میں عیسائیوں سے کوئی لڑائی نہ ہوئی البتہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے بیان کے مطابق شارلمین اور حکم میں دوستانہ معاہدہ ہوگیا دونوں کی حالت جنگ کی کیفیت ختم ہو گئی[2]۔

قرطبہ کا ہنگامہ اور اس کا المناک انجام

یہ بتایا جا چکا ہے کہ ہشام اول کی مذہبی سخت گیری نے جہاں ایک طرف اسلامی تہذیب کو ابھارا تھا وہاں پر نوجوان شہزادوں کی امنگوں اور جذبات کو کچل کر رکھ دیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جیسے ہی حکم امیر ہوا اس نے بے راہ روی اختیار کی اور اپنی خواہشات کے احترام کو مذہبی احترام پر ترجیح دی۔ عوام ایک طرف اگر اسلامی تہذیب کے آہستہ آہستہ دلدادہ ہو رہے تھے تو دوسری طرف قرطبہ کے علماء نے ان پر اپنا سکہ جما لیا تھا اور ان کے مذہبی جذبات کو اپنی مٹھی میں لے رکھا تھا۔ حکم کی بے راہ روی پر جب کافی لے دے شروع ہوئی اور عوام نے اس کو برے ناموں سے یاد کرنا شروع کیا تو اس کی ضدی طبیعت میں جوش پیدا ہوا اس نے ایک طرف تو اپنی حفاظت کے لئے زبردست سامان کرنا شروع کئے اور دوسری طرف اعلانیہ شراب نوشی اور دیگر گناہوں کا ارتکاب کرنا شروع کیا جس سے عوام میں اس کے خلاف نفرت کے جذبات جڑ پکڑ گئے۔ علماء اور صلحاء نے خاص طور پر امام مالکؒ کے شاگرد یحییٰ بن لیثی نے حکم کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی لیکن بے سود۔ عوام کا جذبہ نفرت اس قدر بڑھا کہ ۱۸۷ھ / ۸۰۳ء میں ایک مرتبہ حکم عوام کے سامنے آیا تو لوگوں نے اس پر لعنت کی اور اس کے خلاف نعرے لگائے اور پتھر برسائے اور اس کے قصر میں گھس کر قتل کرنا چاہا لیکن محافظ دستہ کے وجہ سے مجمع پر قابو پا لیا گیا۔

اب قرطبہ کے علماء و صلحاء اور بہت سے ارکان حکومت نے حکم کی بیعت سے خلاصی حاصل کرنا ضروری سمجھا اور ایک اموی شہزادے محمد بن قاسم معروف بہ ابن الشماش کو جو منذر بن عبدالرحمٰن

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۲۲۳-۲۲۴ [2] جلد ۸ صفحہ ۸۹۳ (شارلیمن طبع یازدہم)

الداخل کی اولاد میں سے تھا امیر بنانے پر رضامند کرلیا۔ محمد نے تفصیلی معلومات کے لئے جمعرات کو سب کو اپنے محل میں بلوایا تاکہ اطمینان سے گفتگو کی جائے۔ لیکن اس اموی شہزادے نے ان علماء و صلحاء کو دھوکہ دیا تھا۔ ایک طرف تو وہ ان سے ملا ہوا تھا اور دوسری طرف اس نے حکم کو اس سازش کی اطلاع کردی تھی۔ حکم کو اس کا یقین نہ آیا اس نے محمد بن قاسم سے اس بات کا ثبوت مانگا۔ بصورت دیگر گردن مارنے کی دھمکی دی۔ اس نے جمعرات کو اپنے کسی معتمد کو بھیجنے کو کہا تاکہ ثبوت مل سکے۔ حکم نے مقررہ رات کو غلام برنت اور کاتب کو بھیج دیا جن کو محمد نے مشورہ والے کمرے کے برابر چھپادیا تاکہ آواز آسانی سے سنی جاسکے۔

مقررہ وقت پر تمام علماء و صلحاء محمد بن قاسم کے محل میں جمع ہونا شروع ہوئے۔ ابن قاسم نے ہر ایک کا نام فرداً فرداً پوچھنا شروع کیا۔ سب لوگ اپنے نام بتاتے گئے اور کاتب اندراج کو لکھتا گیا۔ جب ناموں کی تعداد غیر معمولی حد تک پہنچ گئی تو کاتب نے اتنی زور سے قلم چلایا کہ اس کی آواز باہر والوں نے سن لی اور سب کے سب ابن قاسم پر لعنت، ملامت کرتے ہوئے عجلت کے ساتھ نکل بھاگے۔ اس وقت جو فرار ہوگیا بچ گیا ورنہ دوسری صبح تک جو اپنے گھر میں رہ گیا گرفتار ہوگیا۔ فرار ہونے والوں میں عیسیٰ بن دینار اور یحییٰ بن یحییٰ لیثی بھی تھے۔ جبکہ گرفتار ہونے والوں میں یحییٰ بن نصر یحصبی موسیٰ بن سالم خولانی، ابن ابی کعب، ابو یحییٰ ذکریا، مطر غسانی تھے۔ جو اسپین میں دین کے ستون سمجھے جاتے تھے علاوہ اس کے ۷۲ علماء و فقہاء تھے جن کو شاہی محل کے سامنے سولی پر چڑھادیا گیا اور مسلمانان اسپین ان بزرگوں کے برکات و فیوض سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوگئے۔

اہل قرطبہ کے لئے یہ سانحہ عظیم تھا اور اس سے ان کے اور حکم کے درمیان اختلافات کی خلیج اور وسیع ہوگئی کیونکہ حکم نے اپنے حفاظتی دستے کی تعداد میں کافی اضافہ کرلیا تھا اور دو ہزار سوار ہر وقت محل کو گھیرے رکھتے تھے۔ اس لئے اہل قرطبہ اس بات کے منتظر رہے کہ حکم شہر سے باہر جائے اور وہ اس کے لئے شہر کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند کردیں۔ چنانچہ ۱۹۱ھ/۸۰۸ء میں حکم ماردہ کی بغاوت فرو کرنے کے لئے گیا اور بظاہر اس کے جلد واپس آنے کے امکانات نہ تھے۔ چنانچہ اہل قرطبہ نے بغاوت کی۔ حکم خلاف توقع ماردہ کی بغاوت کو ناتمام چھوڑ کر تیسرے دن قرطبہ واپس آگیا۔ بغاوت پر قابو پایا اور بہت سے باغیوں کو سولی پر چڑھا کر وقتی طور پر سکون کردیا۔ اب عوام میں اشتعال اور بڑھ گیا وہ حکم کے فوجیوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگے جس سے فوج بھی عوام کے خلاف ہوگئی۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ مسجد کے مینار سے اذان کے بعد "الصلوۃ یا مخمور" کی آواز بلند کی جانے لگی

حکم کی دشمنی بھی اہل شہر سے بڑھتی گئی اور وہ ان کو ستانے اور پریشان کرنے کے بہانے ڈھونڈھنے لگا۔ مسلح غلاموں کی فوج میں اضافہ کرتا گیا۔ قرطبہ کی قلعہ بندی اس طرح کرائی کہ مخالف گروہ کے محلے حوالئ قرطبہ بن گئے۔ انہی محفوظ حدبندیوں کے اردگرد خندقیں کھدوائیں۔ پہلے پیداوار کا عشر وصول کیا جاتا تھا۔ اس نے ہراس بورے پر جو قرطبہ میں باہر سے لایا جاتا عشر لگا دیا۔ لوگوں نے اس پر شورش کی تو کچھ لوگوں کو پکڑ کر سولی پر لٹکا دیا گیا۔ آخر کار جوالا مکھی پھٹ پڑا۔ رمضان کے مہینے ۱۹۸ھ / ۸۱۳ء میں ایک فوجی اور صیقل گر کے اختلافات میں صیقل گر قتل ہو گیا عوام مشتعل ہو گئے اور "السلاح السلاح" پکارتے ہوئے شاہی محل کی طرف دوڑ پڑے اور عوام کا ایک جم غفیر محل کی محافظ فوج پر حملہ آور ہوا۔ فوج نے کچھ دیر مقابلہ کیا پھر پیچھے ہٹتی ہوئی قصر امارت تک پہنچ گئی۔ حکم قصر کے اندر سے تماشہ دیکھ رہا تھا۔ اس نے بھی ہتھیار لگا لئے اس کے بعد مشک کی شیشی طلب کی۔ خادم حیران ہوا تو حکم نے عزم و استقلال سے بھرپور ایک تاریخی جملہ کہا: "آج موت یا دشمنوں پر ظفر مندی کا دن ہے اگر میں مارا گیا تو میرے سر کو مقتولین کے سروں میں کیسے پہچانا جائے گا۔" اس کے بعد ایک دستہ فوج لے کر میدان جنگ میں آن کودا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے چچازاد بھائی عبداللہ کے کان میں کچھ کہا۔ چنانچہ وہ شہرپناہ کی پشت سے نکل کر حملہ آوروں کی پشت پر پہنچ گیا پہلے تو حوالی قرطبہ کے محلوں میں آگ لگائی اور پھر پیچھے سے حملہ آوروں پر ٹوٹ پڑا۔ لوگوں نے جب اپنے محلوں میں آگ دیکھی تو اپنے اہل و عیال کی فکر میں بدحواس ہو کر لوٹے تھوڑی دیر میں میدان صاف ہو گیا۔ فوج درندوں کی طرح آگے بڑھی۔ اور شہر کے ان محلوں پر ٹوٹ پڑی۔ تین دن تک قتل عام، آتش زدگی اور لوٹ مار کا سلسلہ جاری رہا۔ بالآخر عبدالکریم بن معیث کے سمجھانے سے حکم نے قتل عام موقوف کرنے کا حکم دیا۔ اور تین دن کے اندر ان محلوں کو خالی کر دینے کا حکم دیا۔ اس ہنگامہ کے سلسلہ میں علماء قرطبہ نے بیچ میں پڑ کر ناحق خونریزی کو رکوانے کی ایک بار پھر کوشش کی لیکن حکم کے جذبات مشتعل تھے۔ اس نے ان سب کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا اور ایک دن ان کو قتل کروا دیا[1]۔ بہرحال قرطبہ کے ان مصیبت زدوں کو شہر چھوڑ دینے کا حکم ہوا اور تقریباً پندرہ ہزار کے قریب مہاجرین راہ کی صعوبتوں کو برداشت کرتے لٹیروں سے لڑتے اور مرتے مارتے مغرب کے شہر فارس اور مصر کی طرف چلے گئے۔ ان مہاجروں کے ساتھ کیا گزری یہ خلافت عباسیہ کے تذکروں میں

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے تاریخ اندلس جلد ا صفحہ ۳۸۴

پڑھے۔

حکم نے قرطبہ کی بربادی کے بعد اطمینان کا سانس لیا۔ جن لوگوں نے نمایاں کارکردگی دکھائی تھی انہیں انعامات دیئے گئے۔ وفور مسرت میں ایک طویل رجزیہ نظم خود اس واقعہ پر لکھی جو اس کے مفاخر میں شمار ہوتی ہے۔[1] لیکن جب اس کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو اس کو اپنے کیے پر سخت ندامت اور افسوس ہوا۔ اس کے بعد ہی اس کو بیماریوں نے آگھیرا۔ گو سات برس تک اور زندہ رہا لیکن ندامت و توبہ کے آنسو بہاتا رہا۔ ابن القوطیہ لکھتا ہے۔

"اس حادثہ کے بعد اس کو بیماریوں نے گھیر لیا اور سات برس تک اس کا پیچھا کیا۔ جو اس سے سرزد ہو چکا تھا اس پر توبہ و استغفار کرتا ہوا ساتویں سال کے آخر میں وفات پائی۔ بیماری سے اس میں رقت پیدا ہو گئی تھی۔ وہ قرآن مجید کی تلاوت میں رات گزار دیتا۔"[2]

وفات و کردار

امیر حکم نے ۲۲ ذی الحجہ ۲۰۶ھ/۸۲۱ء کو ۵۲ سال کی عمر میں حسرت و ندامت کے ساتھ وفات پائی اور ۲۶ سال حکمرانی کی۔ حکم دبلا پتلا لمبے قد اور گندمی رنگ کا تھا۔ طبیعت میں ضدی پن اور سخت گیری تھی۔ اور رعب و داب رکھنے کا شوقین تھا۔ شان و شوکت کثرت سے بڑھاتا اور لڑکوں کو خصی کر کے خواجہ سرا بنایا کرتا تھا۔ ابن خطیب کا کہنا ہے کہ

"وہ بہت دانشمند، صاحب عزم اور بڑے دبدبے کا فرماں روا تھا۔ نہایت اچھا شاعر، نجومی، فصیح و بلیغ بادشاہ تھا۔"[3]

گو سخت گیری طبیعت میں تھی لیکن نرمی بھی موجود تھی .... وہ طبعاً بہادر اور بہادری کے کاموں میں پیش پیش رہنے والا تھا۔ کبھی کبھی لوگوں کی عیادت کو جاتا، تعزیت کرتا اور جنازہ میں بھی شریک ہوتا تھا۔ لیکن علانیہ غیر شرعی حرکات کرنے سے اس کی خوبیوں پر پردہ پڑ گیا۔ اس کا دامن جلیل القدر علماء و صلحاء کے خون سے داغدار ہے۔ علامہ ابن حزم کی روایت ہے۔

"آخر میں گناہوں سے بیزار ہو گیا تھا اور توبہ کر لی تھی۔ اللہ اس کے گناہوں کو معاف کرے۔"

اس کو شعر و ادب سے بھی دلچسپی تھی۔ اچھی شاعری کرتا تھا اور اچھے اور فصیح شعراء میں اس کا شمار ہوتا تھا۔[4] اس کی کئی نظمیں تاریخ میں محفوظ ہیں۔ اگرچہ زبان میں لکنت تھی جس کی وجہ سے

---

[1] افتتاح الاندلس صفحہ ۵۱ [2] ایضاً ص ۵۲، ۵۳ [3] احاطہ اخبار غرناطہ جلد ۱ ص ۳۸۰ (اردو ترجمہ) [4] ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۲۰

اخرس (گونگا) بھی کہا جاتا تھا۔ دینی علوم سے اس کو کوئی زیادہ مناسبت نہ تھی اور علماء اسپین سے اس کا شدید اختلاف رہ چکا تھا لیکن پھر بھی علماء اور صالحین کی صحبت کو اچھا سمجھتا تھا۔ انہیں عزت و احترام سے مجلس میں جگہ دیتا اور ان کی صحبت سے فیض اٹھاتا تھا۔ حضرت زیاد بن عبدالرحمٰن سے خاص عقیدت تھی ابن اثیر لکھا ہے۔

"وہ فقہاء اور اہل علم کو قریب رکھتا تھا۔"

دور حکومت

حکم اندلس کا پہلا حکمران تھا جس نے فوج کے دستے شمار کے ساتھ بنائے' شان و شوکت بڑھائی' اپنے محل کی حفاظت کے لئے سوار مقرر کئے اور جابر بادشاہوں کی طرح شاہانہ زندگی اختیار کی لیکن ساتھ ہی ساتھ جور و ظلم کی روک تھام کی۔ ڈکیتی اور چوری کو ختم کیا اور حکومت کے معاملات پر پوری توجہ رکھی۔ ابن اثیر لکھتا ہے۔

"حکم صاحب حزم و مستقل مزاج تھا۔ وہ پہلا حکمران ہے جس نے اندلس میں غلاموں کی کثرت کی اور اپنے دروازوں پر سوار متعین کئے اور جابر بادشاہوں کی مانند ہو گیا۔ وہ کاموں پر بذات خود توجہ دیتا تھا۔[1]" ابن خلدون لکھتا ہے کہ

"اس نے غلام کثرت سے جمع کئے۔ سواروں کے دستے بنائے۔ اس کی سلطنت نے ترقی کی۔ وہ کاموں پر بذات خود توجہ رکھتا تھا......... فوجی دستے بنائے' اسلحہ جمع کئے۔ تعداد کا شمار رکھا۔ شان و شوکت بڑھائی۔ اپنے دروازے پر سوار متعین کئے......... اس کے پاس چند دیکھنے والی آنکھیں تھیں جو لوگوں کے حالات سے اس کو مطلع کرتی تھیں۔ یہ وہی ہے جس نے اندلس کو اپنے جانشینوں کے لئے اچھی حالت میں سپرد کیا۔[2]"

مجموعہ اخبار اندلس میں لکھا ہے۔

"امیر حکم بن ہشام شجاع' صاحب عزیمت اور اپنی لڑائیوں میں کامیاب ہونے والا تھا۔ اس نے اندلس سے فتنوں کی آگ بجھا دی اور نفاق کی بنیادیں اکھیڑ دیں۔ اہل کفر ہر طرف ذلیل ہوئے۔ وہ اپنی بہادری اور عزت نفس کے ساتھ حق کے سامنے جھکنے والا اور انصاف کے لئے اس کی اطاعت کرنے والا خود اپنی ذات کے لئے تھا۔ پھر اس کی اولاد و خواص کا کیا شمار تھا۔ بہترین حکام کو منتخب کرتا

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۰۲۔ [2] ابن خلدون جلد ۴ صفحہ ۱۲۵، ۱۲۷

جو پاکبازی سے حکومت کرتے تھے اور حق کے ساتھ انصاف کرتے تھے[۱]۔"[۳]

ابن القوطیہ نے اپنی رائے لکھی ہے۔

"حکم بن ہشام اپنی رعایا کے لئے نیک سیرت تھا حکام و عمال کا بہتر انتخاب کرتا۔ راستوں کو قزاقوں سے محفوظ رکھتا تھا اور پے در پے جہاد کرتا تھا[۱]۔"

وزارت کے عہدہ پر عبد الکریم مغیث سرفراز تھا اور بقول ابن القوطیہ "وہ اپنی عقل و دانش و حسن رائے اور بہادری کی وجہ سے حکم پر حاوی[۲] تھا۔" حکم صوبوں اور شہروں کے والیوں اور عمال میں حسب ضرورت رد و بدل کرتا رہتا تھا اور چھوٹے چھوٹے معاملات پر بھی نظر رکھتا تھا۔ اس نے کچھ ایسے معتمد لوگوں کو بھی رکھا تھا جو اس کو خفیہ طور پر حالات سے آگاہ کرتے رہتے تھے۔ ظلم کا تدارک کرتا، ظالم کو سزا دیتا اور مظلوم کے ساتھ انصاف کرتا تھا۔ ابن اثیر نے اس بات کی شہادت دی ہے کہ مظالم کا تدارک اور مظلوم کے ساتھ انصاف کرتا تھا[۴]۔

عساکر

امیر حکم اپنے دادا عبد الرحمٰن کی طرح عربوں پر اعتماد نہ کرتا تھا اسی بناء پر اس نے غلاموں کی فوج بڑھانے کی کوشش کی چنانچہ غلاموں کی پانچ ہزار فوج دار السلطنت میں ہمہ وقت مستعد رہتی تھی[۵]۔ اس کے علاوہ دو ہزار سوار دریا کے کنارے شاہی محل کے سامنے کھڑے رہتے تھے۔ صاحب مجموعہ نے بیان کیا ہے۔

"اس کے دو ہزار سوار تھے جو دریا کے کنارے محل کے سامنے رہتے تھے۔ یہ سوار چھاؤنیوں میں رہتے تھے اور ہر چھاؤنی میں دس دس "عریف" مقرر تھے[۶]۔"

اس کے علاوہ فوجی ساز و سامان اور فوج کے شمار و قطار کا خاص اہتمام کیا گیا۔ فوج کی سپہ سالاری خود یا شہزادہ عبد الرحمٰن یا وزیر عبد الکریم کے پاس رکھی۔ اگر حکم ان غلاموں کی فوج تیار نہ کرتا تو قرطبہ کے ہنگاموں میں زندہ بچنا مشکل ہوتا۔ بہرحال یہ بات قابل تعریف ہے کہ اس نے اپنی خشکی اور تری کی فوجی برتری سے فرانس کے شارلیمن کو شکست دے کر اس بات پر مجبور کیا کہ اسپین کی مسلم حکومت کی سیادت تسلیم کر لے اور معاہدہ امن کرے۔ اس طرح اسپین کی یہ مسلم حکومت

۱؎ ابن خلدون جلد ۴ ص۱۲۱ ۲؎ افتتاح الاندلس ص۴۵ ۳؎ ایضاً ۴؎ ابن اثیر جلد ۴ ص۲۶۸

۵؎ ابن خلدون جلد ۴ ص۱۲۷ ۶؎ مجموعہ اخبار اندلس ص۱۲۹-۱۳۰

اس زمانہ میں دنیا کی ایک زبردست حکومت بن گئی۔

محاصل کی وصولی کے سلسلہ میں اس نے اپنے باپ ہشام کے طریقے کو بدلا۔ کتاب و سنت کو ختم کردیا اور حسب ضرورت ٹیکس لگائے جس سے عوام اس کے خلاف ہوگئے اور قرطبہ کی عظیم تباہی کا ایک سبب یہ بھی ہوا۔ البتہ سب سے زیادہ حکم کی توجہ قضاء (عدالت) کی طرف تھی اور وہ اس بات کا دل سے خواہشمند رہتا تھا کہ انصاف کے معاملے میں کسی فرد و بشر سے بھی رعایت نہ برتی جائے خواہ اس میں وہ خود ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ ایسے قاضی مقرر کرتا جو کسی قیمت پر انصاف فروخت نہ کرتے۔ اس کے شروع کے دور میں قاضی مصعب بن عمران اس عہدہ پر رہے جو کسی بھی حالت میں عدل و انصاف' دیانت داری اور جرات کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ ان کے مرنے کے بعد قاضی محمد بن بشیر باجی اس عہدے پر فائز کردیئے گئے۔ جو بقول صاحب مجموعہ اخبار الاندلس اپنے عدل اور زہد سے اپنے تمام پیشروؤں پر فضیلت لے گئے۔ حکم ان پر بڑا اعتماد کرتا تھا۔ جب قاضی محمد بن بشیر نے ۱۹۴ھ / ۸۱۰ء میں وفات پائی تو ان کے بعد ان کے لڑکے سعید بن محمد بشیر کو قاضی بنادیا گیا۔ ان کا شمار بہترین قاضیوں میں ہوتا ہے۔

مختصر یہ کہ حکم بن ہشام اول کا دور پر امن دور نہ تھا وہ اپنے پورے زمانے میں بغاوتوں اور لڑائیوں میں الجھا رہا۔ صرف سات برس بیماری کی وجہ سے خاموش رہا۔ عوام کو اس سے زیادہ آرام نہ پہنچا اور اس نے ابھرتی ہوئی اسلامی تہذیب کے خاکہ کو مٹادیا۔ وہ ایک ظالم' جابر اور عیاش حکمران تھا جس کے ضدی پن اور طبیعت کی سخت گیری نے اس کو ہزاروں انسانوں کا قاتل بنادیا۔ لیکن سیاسی حیثیت سے وہ ایک کامیاب حکمران تھا۔ اس نے امن و امان قائم کیا۔ فوج کو مضبوط کیا اور غلاموں نے اس کو مزید تقویت دی اور حکومت کی بنیادوں کو اس قدر مضبوط کردیا کہ آنے والا جانشین آرام سے حکومت کرسکا۔

امیر عبدالرحمٰن الاوسط بن حکم اوّل

۲۰۶ھ/۸۲۱ء - ۲۳۸ھ/۸۵۲ء

تخت نشینی

حکم نے مرنے سے پہلے اپنے لڑکے عبدالرحمٰن کو جانشین مقرر کردیا تھا۔ اس لئے مرنے کے بعد اس کو ہی حکومت ملی۔ اس کا نام عبدالرحمٰن تھا اور ابوالمطرف کنیت تھی۔ حکم جب طلیطلہ کا گورنر تھا تو یہ وہیں ۱۷۶ھ / ۷۹۲ء میں پیدا ہوا تھا اور ۳۱ سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ اپنے زمانہ کے خوبصورت ترین جوانوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ قد لمبا، رنگ گندمی، آنکھیں بڑی اور گہری اور ڈاڑھی گھنی اور لمبی تھی۔

بغاوتیں اور ہنگامے

امیر عبدالرحمٰن دوم کو اپنے باپ سے چونکہ بہت مستحکم حکومت ملی تھی اس لئے اس کا قوی امکان تھا کہ اس کا دور بغاوتوں اور ہنگاموں سے خالی رہے گا۔ لیکن بدقسمتی سے اس کی حکومت کے آغاز سے ہی بغاوتیں اور ہنگامے شروع ہوگئے۔ لیکن یہ ہنگامے اور بغاوتیں اس نوعیت کی نہ تھیں جیسی کہ حکم کے زمانہ میں ہوئی تھیں۔ حکم کے تقریباً ۲۰ لڑکے تھے لیکن سب نے ہی سچے دل سے عبدالرحمٰن اوسط کی امارت کو تسلیم کرلیا تھا اور پورے خلوص سے اس کی رفاقت اور معاونت کی تھی اور جس بات کا ان کی طرف سے خوف تھا وہ انہوں نے نہ کی۔ عبداللہ بن عبدالرحمٰن الداخل ابھی زندہ تھا اور بلنسیہ میں اپنی جاگیر میں آرام و سکون کے دن گزار رہا تھا کہ اس کے دماغ میں ایک بار پھر امارت کا سودا سمایا اور اس نے اپنے پوتے کے مقابلے میں اپنے استحقاق کا دعویٰ کیا اور وہ باغیوں کی ایک فوج لے کر تدمیر کی طرف بڑھا کہ اس پر قبضہ کرکے قرطبہ پر قابض ہوجائے۔ عبدالرحمٰن اوسط نے اس کو روکنے کے لئے فوراً ایک زبردست فوج بھیجی جس کو دیکھ کر وہ پھر بلنسیہ کی طرف لوٹ گیا اور ابھی مزید کارروائی کے لئے سوچ رہا تھا کہ قضا آپہنچی۔ امیر عبدالرحمٰن اس کی آل اولاد کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا اور اس کے لڑکوں کو اہم عہدوں پر فائز کیا۔[1]

امیر حکم نے البیرہ کے حاکم کو اس کے مظالم کی وجہ سے سولی دے دی تھی کیونکہ وہ اہل ذمہ سے

---

[1] ابن خلدون جلد ۴ صـ۱۲۷

مال و دولت جبراً وصول کرتا تھا۔ حکم کی موت نے اس بات کا موقعہ نہ دیا کہ وہ ان ذمیوں کا مال واپس کردیتا۔ امیر عبدالرحمٰن بھی ابتداء میں بہت مصروف رہا اور اس کام کی طرف توجہ نہ کر سکا۔ اس لئے ۲۰۷ھ/۸۲۲ء میں البیرہ کے یہ مظلوم ذمی اور دیگر لوگ ایک جتھے کی شکل میں قرطبہ آئے اور اپنا مطالبہ پیش کیا۔ امیر نے کچھ لوگوں کو بھیجا کہ اس وقت تو سمجھا کر واپس کردیں جلد ہی ان کا تصفیہ کردیا جائے گا۔ لیکن یہ لوگ شاہی خدام قصر حکومت سے الجھ پڑے اور نوبت قتل و غارت گری تک آپہنچی اور بہت سے بیدردی سے قتل ہوئے۔

۲۰۷ھ/۸۲۲ء میں اسپین میں ایک بار پھر یمانیہ اور مضریہ کی سوئی ہوئی عصبیت جاگ اٹھی اور ان کا لڑائیوں کا طویل سلسلہ شروع ہوگیا۔ دونوں فریق لارقہ میں جمع ہوئے اور دل کھول کر کشت و خون کیا۔ جب کبھی شاہی لشکر پہنچتا یہ لوگ منتشر ہو جاتے اور شاہی فوج کے ہٹتے ہی پھر لڑائی شروع ہو جاتی۔ تقریباً تین سال اسی طرح گذر گئے۔ ۲۱۰ھ میں امیر نے دوبارہ اس فتنہ کو ختم کرانا چاہا اور قبائل یمانیہ کے سردار ابوا لشماخ محمد بن ابراہیم سے یرغمال طلب کئے۔ ضمانت کے باوجود بھی لڑائی نہ رکی تو پھر امیر نے تدمیر کی مرکزیت توڑ کر مرسیہ کے صوبہ کو مرکز بنایا اور تمام سرکاری دفاتر و عمال یہاں منتقل کردیئے۔ لیکن بے سود لڑائی پھر بھی جاری رہی۔ بالآخر ۲۱۳ھ/۸۲۸ء میں ایک زبردست لشکر بھیجا جس نے اس خونریزی کا خاتمہ کیا۔ ابوا لشماخ کو ایک لشکر میں عہدہ دے کر تدمیر سے باہر بھیج دیا اس طرح سات سال تک یہ خونریزی جاری رہی[1]

طلیطلہ اور ماردہ ایک عرصہ سے بغاوتوں کا مرکز بنے ہوئے تھے۔ جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ یہ علاقہ عیسائیوں کی کثرت کا تھا اور شمال کی عیسائی حکومتیں بھی ان کو بغاوت پر اکساتی رہتی تھیں۔ حکم کے زمانہ میں ان علاقوں پر زبردست مظالم کئے گئے تھے۔ لیکن یہاں کے رہنے والے اس قدر فتنہ پرور تھے کہ پھر بھی بغاوتوں سے باز نہ آئے مورور میں ایک شخص تعنب نے بغاوت کی۔ جب یہاں پر اس کی خاصی سرزنش ہوئی تو وہ ماردہ چلا آیا اور یہاں کے بربروں اور نو مسلموں میں خانہ جنگی کرادی لیکن خود اس میں مارا گیا۔ اس کے خاتمے کے بعد محمود بن عبدالجبار نے اس فتنے کی قیادت سنبھالی اور اس کا رخ حکومت کی طرف موڑ دیا۔ ۲۱۳ھ/۸۲۸ء میں باغیوں نے ماردہ کے اموی عامل کو قتل کردیا۔ امیر نے ایک فوج بھیجی جس نے شہر کا محاصرہ کرلیا اور آس پاس کے علاقے کو ویران کرنا شروع کردیا۔ اہل ماردہ نے عاجز آکر اطاعت قبول کی۔ امیر نے چند یرغمالی لینے کے بعد ان کو امان

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ ص۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳

دے دی اور آئندہ کی بغاوتوں کو ختم کرنے کے لئے فصیلِ شہر کو گرا دیا گیا۔ لشکر کے واپس ہوتے ہی اہل ماردہ نے پہلے سے زیادہ مستحکم فصیل بنالی اور دوبارہ حاکم ماردہ کو گرفتار کرکے بغاوت کردی۔ عبدالرحمٰن ۲۱۴ھ/۸۲۹ء میں خود فوج لے کر ماردہ پہنچا، لیکن ناکام واپس لوٹا البتہ اس بات کا انتظام کردیا کہ پے در پے فوجیں اہل ماردہ کو ہراساں اور خوفزدہ کرنے کے لئے آتی رہیں۔ ۲۱۸ھ/۸۳۳ء میں جبکہ ماردہ کی بغاوت کو تقریباً سات برس گزر گئے تھے عبدالرحمٰن خود فوج لے کر پہنچا اور اس مرتبہ کامیاب رہا۔ قریب تھا کہ فوج شہر میں داخل ہو کر قتل و غارت گری کرے کہ شہر کی عورتوں اور بچوں کی آہ و بکا نے امیر کے جذبہ رحم کو ابھار دیا اور اس نے اس بارے میں مشورہ کیا۔ ابھی مشورہ ہی کر رہا تھا کہ اہل شہر کی طرف سے اطاعت قبول کرنے کا پیغام لے کر قاصد پہنچا۔ امیر نے ان کو امان دی۔ شہر کے دروازے کھول دیئے گئے لیکن محمود بن عبدالجبار اور دیگر باغیان حکومت شہر سے فرار ہوگئے۔ شاہی فوجی دستہ نے ان کا تعاقب کیا لیکن وہ شہر در شہر اپنے آپ کو چھپاتا پھرا۔ یہاں تک کہ ایک قلعہ منت سالوط میں پناہ گزیں ہوا۔ ۲۲۰ھ/۸۳۵ء میں پھر ایک لشکر اس کی سرکوبی کے لئے بھیجا گیا اور محمود پھر اپنی جان بچانے کے لئے ادھر ادھر بھاگا۔ آخر کار اس نے مسلم اسپین چھوڑ دیا اور حکومت بلیقیہ کی حدود میں ایک قلعہ پر قبضہ کرلیا۔ یہاں پر اس نے پانچ سال قیام کیا۔ الفانسو دوم نے ۲۲۵ھ/۸۴۰ء میں اس پر فوج کشی کرکے اس کا خاتمہ کردیا۔[1]

طلیطلہ بھی بغاوت کرنے پر ماردہ سے پیچھے نہ رہا حالانکہ یہاں حکم کے ہاتھوں سخت خونریزی ہو چکی تھی۔ طلیطلہ کے باغیوں میں سے ایک شخص ہاشم ضراب کسی صورت سے امیر حکم کے ہاتھ سے بچ گیا تھا اس نے اپنی زندگی کے کچھ دن تو امن پسند شہری کی حیثیت سے قرطبہ میں گزارے لیکن واقعہ ربض میں باغیانہ سرگرمیوں میں حصہ لینے کی وجہ سے پھر اس کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے اور وہ طلیطلہ بھاگ آیا۔ اہل طلیطلہ کو حکومت سے دشمنی تو تھی ہی۔ ادھر سرحد کی عیسائی حکومتیں ان کو بھڑکاتی رہتی تھیں۔ ہاشم نے درپردہ حکومت کے خلاف اپنی تحریک شروع کی چنانچہ ایک بار پھر باغی عناصر نے زور پکڑا۔ طلیطلہ اور اس کے نواح کے عیسائیوں کا مذہبی تعصب بھی بڑھتا چلا گیا۔ ہاشم ضراب نسلاً عیسائی تھا اور اس نے طلیطلہ کی پہلی تباہی دیکھی تھی۔ چنانچہ اسی انتقامی جذبہ کے تحت آسانی کے ساتھ ایک باغی لشکر تیار کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ امیر اس وقت ماردہ کی بغاوت ختم کرنے

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۲۸۹، ۲۹۰ مجموعہ صفحہ ۱۳۸-۱۳۹۔ ابن خلدون جلد ۴ صفحہ ۱۲۸

میں مصروف تھا۔ چنانچہ ہاشم نے ۲۱۴ھ/۸۲۹ء میں بعض حکومت کے وفادار قبائل پر حملہ کیا۔ طلیطلہ کے آس پاس کے علاقوں کو لوٹا ابتدائی کامیابی نے اس کی شہرت کو دوچند کر دیا اور اس کی طاقت بڑھتی گئی۔ اس نے شنت بریہ پر بھی حملہ کر کے بربروں سے کئی لڑائیاں کیں۔ عبدالرحمٰن دوم نے ایک فوج اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کی لیکن کوئی خاص نتیجہ برآمد نہ ہوا اور ہاشم نے موقعہ پاکر کئی اور علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ امیر عبدالرحمٰن دوم ۲۱۶/۸۳۱ء میں ایک عظیم الشان لشکر لے کر اس کی سرکوبی کے لئے آیا اور ہاشم نے حصن سمسطہ کے مغرب میں اس کا مقابلہ کیا ایک خونریز لڑائی کے بعد ہاشم مارا گیا اور اس کی فوج کا ایک بڑا حصہ برباد ہو گیا[1]۔ امیر نے اب اپنی توجہ طلیطلہ شہر کی طرف مبذول کی اور ۲۱۹ھ / ۸۳۴ء میں اپنے بھائی امیہ بن حکم کو اس طرف بھیجا جس نے شہر کا سختی سے محاصرہ کر لیا لیکن اہل شہر پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا چنانچہ امیہ نے قلعہ رباح میں اپنی فوج کو ٹھہرایا۔ اور ابو ایوب میسرہ کو جو نو مسلم تھا اس کا افسر مقرر کر کے خود قرطبہ چلا آیا۔ محاصرہ کے اٹھ جانے کے بعد اہل طلیطلہ نے قلعہ رباح پر حملہ کیا۔ لیکن شاہی فوج نے ان کا بری طرح قتل عام کیا۔ باقی ماندہ پھر طلیطلہ میں آکر محصور ہو گئے۔ ابن اثیر کا کہنا ہے کہ عیسائیوں کے اس قتل عام نے ابو ایوب میسرہ کے دل پر بڑا اثر کیا اور وہ اس غم میں چند دن کے اندر مر گیا[2]۔ امیر نے ایک اور فوج بھیجی لیکن ناکام ہو کر وہ بھی قلعہ رباح میں ٹھہر گئی اور اہل شہر نے بدستور اپنی سرکشی قائم رکھی۔ ۲۲۱ھ/۸۳۷ء میں طلیطلہ والوں نے دوبارہ قلعہ رباح کے شاہی لشکر پر حملہ کیا لیکن پھر ناکام واپس طلیطلہ آ گئے۔ ۲۲۲ھ/۸۳۷ء میں ولید بن حکم کی سرکردگی میں ایک اور مہم بھیجی گئی جس نے سختی سے طلیطلہ کا محاصرہ کیا۔ اہل شہر بھی اب تھک چکے تھے اور امن کے خواہاں تھے۔ چنانچہ ایک دو مقابلوں کے بعد لشکر شاہی شہر میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا اور ایک بار پھر طلیطلہ اموی حکومت کے زیر اطاعت آ گیا۔ ولید ماہ شعبان ۲۲۳ھ /۸۳۸ء تک یہاں رہا اور ایسے انتظامات کئے کہ حالات پوری طرح پرسکون ہو گئے۔

ابن اثیر نے دو ایک چھوٹی چھوٹی بغاوتوں کا تذکرہ کیا ہے جن میں باجہ اور تاکرنا کی بغاوتیں بھی شامل تھیں۔ جنہیں بالترتیب ۲۱۱ھ/۸۲۶ء میں ختم کر دیا گیا۔ ۲۳۵ھ/۸۴۹ء میں تدمیر میں محمد بن عیسیٰ کی سرکردگی میں بغاوت ہوئی جس کو عباس بن ولید نے فرو کیا۔ ۲۳۶/۸۵۰ء میں جزیرہ خضراء میں حبیبہ بربر نے بغاوت کی جس کو آسانی سے دبا دیا گیا۔ ۲۳۷ھ/۸۵۱ء میں سرحدی علاقہ میں نبوت

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ ص ۲۹۳-۲۹۴ - ابن خلدون جلد ۴ ص ۱۲۸   [2] جلد ۶ ص ۱۲-۳۱۳

کا ایک کاذب مدعی ظاہر ہوا جو قرآنی آیات سے اپنے نبی ہونے کا ثبوت پیش کرتا تھا۔ ایک جماعت اس کی معتقد ہوگئی۔ اس کی شریعت میں بالوں کا کٹوانا اور ناخن کا ترشوانا ممنوع تھا۔ اس علاقے کے حاکم نے اس کو گرفتار کرکے مرتد ہونے کے جرم میں سولی پر لٹکا دیا۔

نارمن قزاق

اس زمانہ میں شمالی یورپ میں اسکنڈے نیویا کی قوم قزاقی میں بہت مشہور تھی۔ وہ بت پرست تھے اور چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں بیٹھ کر سمندری چھاپے مارتے پھرتے تھے۔ انگلستان اور فرانس پر وہ حملہ کرچکے تھے۔ ۲۲۹ھ / ۸۴۳ء میں انہوں نے اسپین کا رخ کیا۔ پہلے جلیقیہ کو لوٹا اور پھر مسلم اسپین میں داخل ہوکر اشبونہ (لزبن) پر حملہ آور ہوئے اور ۱۳ دن تک اس کو تاخت و تاراج کیا پھر مغربی اسپین کے جزیرہ قادس میں اترے پھر شذونہ کو لوٹا۔ مسلمانوں سے دونوں جگہ لڑائیاں ہوئیں۔ پھر یہ لوگ دریائے کبیر کے دہانہ سے گزر کر اشبیلہ کے نواح میں آئے۔ مسلمانان اشبیلہ مقابلے کو نکلے لیکن شکست کھائی اور بڑی تعداد میں شہید ہوئے۔ قزاق اشبیلہ کی اندرونی اور بیرونی آبادیوں میں گھس گئے اور بڑی بے دردی سے قتل عام کیا۔ انہوں نے اشبیلہ کی جامع مسجد کو بھی آگ لگانے کی کوشش کی۔ اس خونریزی کے بعد وہ واپسی میں شاہی فوجی دستہ سے لڑتے ہوئے اپنی کشتیوں میں سوار ہونے میں کامیاب ہوگئے۔ غرض اسی غارت گری سے مغربی اور جنوبی اسپین میں تہلکہ مچ گیا۔ خاصی دہشت پھیلی اور اشبیلہ والوں نے شہر خالی کرنا شروع کردیا یہاں تک کہ حکومت نے توجہ کی اور سرحدی صوبہ کے والی موسیٰ بن قسی کو ان قزاقوں کی سرکوبی پر مامور کیا۔ اس نے قرمونہ آکر لوگوں کو حوصلہ دیا اور ان کی حفاظت کا وعدہ کیا۔ اس کے بعد موسیٰ نے اپنی فوج کے ساتھ چھوٹے چھوٹے دستے جابجا بھیجے۔ اشبیلہ کے نواح میں تقریباً ۱۶ ہزار قزاق قتل کئے گئے اور اہل اشبیلہ کو اطمینان کا سانس نصیب ہوا۔ کئی مقامات پر قزاقوں سے قیدیوں کو فدیہ دے کر آزاد کرایا گیا اس کے بعد بھی یہ لوگ مختلف ساحلی مقامات پر لوٹ مار کرتے رہے۔ چنانچہ عبدالرحمٰن دوم نے ان کا خاتمہ کرنے کے لئے ایک عظیم فوج بھیجی۔ اس فوج نے علاقوں کے مسلمانوں کے ساتھ مل کر ان قزاقوں کو بری طرح شکست دی اور ان کو قتل کیا۔ اسی اثناء میں اسپین کا بحری بیڑا بھی مسلمانوں کی مدد کو پہنچ گیا اور یہ لوگ راہ میں لوٹ مار کرتے ہوئے اسپین چھوڑ کر بھاگ گئے[1] امیر عبدالرحمٰن دوم نے لوگوں کے

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھئے تاریخ اندلس جلد ۱ صفحہ ۲۱۵-۲۱۴ نفح الطیب جلد ۱ صفحہ ۱۶۱

نقصانات کی تلافی کردی اور شہروں کے نقصانات کو پورا کردیا۔ اشبیلیہ کی فصیل کو از سرنو تعمیر کرایا اور مستحکم کیا۔

عیسائی ریاستوں سے تعلقات

امیر کی تخت نشینی کے فوراً ہی بعد عیسائی حکومتوں نے اپنی سازشیں شروع کردی تھیں۔ برشلونہ کی نوزائیدہ عیسائی حکومت "اسپنش مارچ" کے حکمران برن ہارٹ نے مسلمانوں کی حدود پر کئی جارحانہ حملے کئے اور وادی ثغر کے شہر لاردہ میں خوب لوٹ مار مچائی اور بہت سی آبادیوں کو تباہ و برباد کیا۔ یہاں مسلم حکومت کی کوئی باقاعدہ فوج نہ تھی اس لئے مقابلہ نہ ہوسکا اور عیسائی لوٹ مار کرکے واپس لوٹ گئے۔[1] امیر عبدالرحمٰن نے انہیں سزا دینے کے لئے اپنے حاجب عبدالکریم بن عبدالواحد کی سرکردگی میں ایک زبردست لشکر برشلونہ کی طرف روانہ کیا۔ یہاں عیسائیوں نے مقابلہ کیا لیکن مقابلہ کی تاب نہ رکھتے ہوئے شہر میں محصور ہوگئے۔ مسلمانوں نے برشلونہ کا محاصرہ کیا لیکن فتح نہ کرسکے۔ البتہ اس نوزائیدہ سلطنت کے پورے علاقہ میں تباہی و بربادی پھیلادی۔ بہت سے شہروں کو تباہ کیا۔ بہت سے قلعے فتح کئے۔ بہت سی عیسائی آبادی نے جزیہ دینے کی شرط پر اطاعت قبول کرلی۔ تمام مسلمان قیدیوں کو آزاد کرالیا گیا۔ عیسائیوں سے وافر مال غنیمت حاصل کرکے یہ مہم ۲۰۸ھ / ۸۲۳ء میں بخیروخوبی واپس آئی۔[2]

۲۱۰ھ / ۸۲۵ء میں امیر نے ایک بڑی فوج عبداللہ بن عبدالرحمٰن الداخل کے لڑکے عبیداللہ کی سرکردگی میں اسی مہم پر روانہ کی جس نے تباہی مچانے اور قتل و غارتگری میں کوئی کمی نہ کی۔ اسی سال ایک اور مہم بھیجی گئی جس نے بعض قلعوں پر قبضہ کیا اور ایک عیسائی لشکر کا مقابلہ کرکے اس کو شکست بھی دی۔[3] اس کے بعد ۲۱۳ھ / ۸۲۷ء میں پھر برشلونہ پر فوج کشی کی گئی اور جرندہ پر بھی حملہ کیا گیا اور عیسائیوں کو مجبور کردیا گیا کہ وہ شہر میں محصور رہیں۔ چنانچہ فوج دو ماہ تک قتل و غارت گری مچاتی رہی۔[4] ان حملوں سے یہ نوازائیدہ حکومت اپنے دارالحکومت میں محصور ہو کر رہ گئی۔ اور جن ارادوں سے شارلمین نے اس حکومت کو بنایا تھا وہ خاک میں مل کر رہ گئے۔

شمالی اسپین کے ایک دوسرے صوبہ نبرہ میں مسلمانوں کی حکومت نہ تھی۔ ابتداً یہ علاقہ

---

[1] اخبار الاندلس جلد ا صفحہ ۴۸ ۔ [2] نفح الطیب جلد ا صفحہ ۱۶۱، ابن خلدون جلد ۴ صفحہ ۱۲۶

[3] ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۲۸۲ [4] ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۲۹۸

رشلنس کے علاقہ میں شامل رہا۔ وشقہ اور سرقسطہ کے مسلم صوبوں سے اس کی سرحدیں ملتی تھیں۔ یہاں کے خود سر نواب، شاہ فرانس کے باجگذار تھے۔ امیر عبد الرحمٰن کے زمانہ میں یہاں کے حکمران نے فرانس سے سرکشی کی اور اپنی آزاد حکومت قائم کرلی۔ چونکہ اسے فرانس سے خوف تھا اس لئے عبدالرحمٰن دوم کی اطاعت میں ہی اپنی خیریت سمجھی۔ چنانچہ اس نے قرطبہ میں ایک سفارت بھیجی جس کا استقبال امیر کی طرف سے اس کے رتبے کے مطابق ہوا۔ دونوں حکومتوں نے تعلقات استوار کرنے کے لئے ایک معاہدہ کیا جس کی رو سے اگر نبرہ پر کوئی حملہ کرے گا تو حکومت مسلم اسپین حکومت نبرہ کی مدد کرے گی اور حکومت نبرہ مسلمانوں کو کوہ البرانس کے اس پار جانے کے لئے گذرگاہ کی آسانیاں بہم پہنچائے گی۔ اس معاہدہ سے طرفین کو فائدہ ہوا اور جب حکومت نبرہ پر کاؤنٹ ابلس حملہ آور ہوا تو مسلمانوں نے اور نبرہ کے عیسائیوں نے مل کر اس کی فوج کو اس طرح تباہ کیا جس طرح شارلمین کی فوج تباہ برباد کی جاچکی تھی۔[1] ایک گاتھ افرایزن (Aizon) سلطنت فرانس سے ناراض ہو کر اسپنش مارچ چلا آیا اور فرانسیسیوں اور کاؤنٹ آف برشلونہ کے خلاف مہم کا آغاز کیا اس نے اپنے بھائی کو قرطبہ بھیجا تاکہ امداد طلب کرے۔ امیر عبدالرحمٰن نے عبیداللہ اموی کو لشکر کثیر کے ساتھ اس کی مدد کو روانہ کیا۔ اس لشکر نے اسپین کے شمال مشرق کے اس حصہ کو جو فرانس کے ماتحت تھا بری طرح تاخت و تاراج کیا اور بہت سے قیدی اور وافر مال غنیمت لے کر واپس آیا۔ ۲۲۴ھ/ ۸۳۹ء میں ان ہی مقامات پر دوبارہ فوج کشی کی گئی اور لاتعداد عیسائیوں کو تہ تیغ کیا گیا۔ یہاں تک کہ کاؤنٹ آف برشلونہ کے قبضہ میں ایک بار پھر برشلونہ اور جرندہ باقی رہ گئے۔ فرانسیسی لشکر مقابلہ کے لئے چلا لیکن جب قرطبہ سے مزید امداد طلب کرلی گئی تو فرانسیسی فوج بغیر مقابلہ کے واپس چلی گئی۔

مسلمانوں کے ان حملوں اور عیسائیوں کے قتل عام نے عیسائی حکمرانوں میں حرکت پیدا کردی۔ چنانچہ ۲۲۴ھ/۸۳۹ء میں شاہ لوئی مدینہ سالم پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ سرحدی صوبہ کے گورنر فرتون بن موسیٰ نے راہ میں اس کو روک کر مقابلہ کیا۔ ایک خونریز لڑائی کے بعد عیسائی فرار ہوئے مسلمان تعاقب کرتے ہوئے عیسائی حدود میں داخل ہوگئے اور ایک جنگی قلعہ کو فتح کرکے مسمار کردیا۔[2] اس کے بعد امیر عبدالرحمٰن نے اس عیسائی فتنہ کو ختم کرنے کے لئے فرانس پر عام فوج کشی کرنے کا ارادہ کیا لیکن ملک کے داخلی معاملات کی وجہ سے یہ مہم ملتوی کردی گئی۔[3]

---

[1] اخبار الاندلس جلد ۱ صفحہ ۲۸۴ [2] ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۳۶۱ [3] اخبار الاندلس جلد ۱ صفحہ ۲۸۸

حکومت جلیقیہ اور مسلم اسپین کے درمیان جو تعلقات قائم ہوئے تھے وہ جلد ختم ہو گئے اور امیر عبدالرحمٰن نے شوق جہاد میں ۲۲۵ھ / ۸۴۰ء میں بلاد جلیقیہ کے بہت سے قلعوں پر قبضہ کر لیا اور فوجوں کو تمام حدود حکومت جلیقیہ میں پھیلا دیا جنہوں نے سخت تباہی مچادی۔ بہت سے قیدی اور مال غنیمت جمع کیا گیا۔ ایک عرصہ تک اس غارت گری کا سلسلہ قائم رہا۔ بالاخر یہ فوجیں واپس بلالی گئیں[1]۔ الفانسو دوم کی زندگی میں اس سلطنت پر یہ آخری حملہ تھا۔ اس نے ۲۲۷ھ / ۸۴۲ء میں وفات پائی اور رومیرو II (Ramiro) اس کا جانشین ہوا[2]۔

۲۲۶ھ / ۸۴۱ء یا ۲۲۷ھ / ۸۴۲ء میں سرحدی قلعہ تطیلہ کے عامل موسیٰ بن موسیٰ کو عیسائی علاقوں میں فوج کشی کی خدمت سونپ دی گئی۔ اس کی وجہ شاہ لوئی کا حملہ تھا جس کے جواب میں عبدالرحمٰن دوم نے موسیٰ بن موسیٰ کو منتخب کیا تھا۔ موسیٰ نے سرحد پار کر کے اربونہ پر قبضہ کر لیا۔ اربونہ اور شریطانیہ کے درمیان عیسائیوں کو شکست ہوئی اور وہ فرار ہو گئے۔ مسلم افواج زر کثیر اور وافر مال غنیمت کے ساتھ واپس لوٹ آئیں[3]۔ اس عرصے میں لشکر کے ایک افسر جریر بن موفق سے موسیٰ کا اختلاف ہو گیا اور جریر نے اپنے اثر و رسوخ کو استعمال کر کے موسیٰ کو دربار قرطبہ میں نیچا دکھایا۔ موسیٰ بغاوت پر آمادہ ہوا اور تطیلہ میں اپنی حکومت کا اعلان کر دیا۔ بنو قسی نے اس کا ساتھ دیا۔ دربار قرطبہ سے موسیٰ کی سرزنش کے لئے ۲۲۸ھ / ۸۴۳ء میں حارث بن بزیغ کو بھیجا گیا۔ حارث نے برجہ کے مقام پر موسیٰ کو شکست دی۔ موسیٰ نے اپنے لڑکے الب کو برجہ پر قبضہ کرنے کے لئے روانہ کیا۔ حارث دوبارہ آیا اور شہر پر قبضہ کر لیا۔ اس لڑائی میں الب مارا گیا۔ حارث تطیلہ پہنچا لیکن موسیٰ نے صلح کر لی اور تطیلہ چھوڑ کر ارنیط چلا گیا۔ چند دن کے بعد حارث نے ارنیط پر حملہ کر دیا۔ موسیٰ نے حکومت نبرہ کے بادشاہ غرسیہ سے مدد مانگی۔ دونوں نے مل کر حارث کو شکست دے کر گرفتار کر لیا اور تطیلہ پر قبضہ کر کے بنو قسی کی آزاد حکومت کا اعلان کر دیا۔ امیر عبدالرحمٰن نے اپنے لڑکے محمد کو فوج دے کر بھیجا جس نے ۲۲۹ھ / ۸۴۳ء میں تطیلہ کا محاصرہ کر لیا۔ موسیٰ نے اطاعت کر لی اور محمد نے اس کا قصور معاف کر کے اس کو دوبارہ تطیلہ کا والی بنا دیا۔ محمد نے پھر نبرہ کے شاہ غرسیہ کو معاہدہ کی خلاف ورزی کی سزا دینے کے لئے فوراً اس کے دارالحکومت بمپلونہ پر حملہ کیا۔ عیسائیوں نے جنگ کی اور غرسیہ مارا گیا۔ موسیٰ نے پھر سرکشی کی لیکن شاہی لشکر کے آتے ہی اطاعت

---

[1] ابن خلدون جلد ۳ صہ ۱۳۱ [2] ابن اثیر جلد ۶ صہ ۲۷۷ [3] نفح الطیب جلد ۱ صہ ۱۶۱

قبول کرلی اور اپنے لڑکے اسماعیل کو بطور یرغمال امیر کے پاس بھیج دیا۔ چند سال بعد اسماعیل قرطبہ سے فرار ہو کر موسیٰ سے آملا۔ اس کی آمد کے بعد ہی موسیٰ نے پھر بغاوت کردی۔ ۲۳۲ھ/۸۴۶ء میں محمد نے ایک بار پھر زبردست لشکر لے کر اس پر فوج کشی کی لیکن موسیٰ نے اطاعت قبول کرلی اور اس کے بعد اس کے ذہن میں بغاوت کا خیال تک نہ آیا۔ اسلامی سرحدات کی حفاظت ایک بار پھر اس کو سونپ دی گئی۔[1]

عیسائی حکومتوں سے دشمنی بدستور قائم رہی۔ ۲۳۱ھ/۸۴۵ء میں حکومت جلیقیہ پر حملہ کیا گیا یہاں تک کہ مسلمان شمالی اسپین کے شہر لیون تک جا پہنچے۔ شہر پر سخت تباہی آئی اور شہر والے شہر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ کثیر دولت مسلمانوں کے ہاتھ آئی اور شہر کو برباد کر کے فصیل کو جگہ جگہ سے توڑ دیا گیا۔ مسلمان کثیر مال غنیمت لے کر واپس آگئے۔ امیر عبدالرحمٰن دوم اور رو میرو دونوں کی زندگی میں جلیقیہ پر یہ آخری حملہ تھا۔ رو میرو نے ۸۴۹ء/۲۳۵ھ میں وفات پائی اور اس کا جانشین اورڈینو ہوا۔ جس نے لیون کو پھر آباد کر کے مستحکم کیا۔[2] ۲۳۵ھ سے ۲۳۸ تک یعنی امیر عبدالرحمٰن کی وفات تک مذکورہ بالا مہمات کے علاوہ دیگر مہمات بھی سر کی گئیں۔ ۲۳۵ھ/۸۴۹ء میں المنذر بن عبدالرحمٰن نے کوہ البرانس کے علاقہ اور البہ (الارہ) میں غارت گری مچائی۔[3] مسلم اسپین کے بحری بیڑے نے بھی فرانس پر فوج کشی کی۔ ساحل فرانس پر فوجوں نے اتر کر اندرونی حصہ کو خوب لوٹا اور مارسیلز کے مضافات کو بھی تاخت و تاراج کیا۔[4]

۲۳۶ھ/۸۵۰ء میں عبدالکریم نے برشلونہ پر قبضہ کرلیا اور جرندہ اور اس کے مضافات کو خوب تاخت و تاراج کیا۔ امیر عبدالرحمٰن کے زمانہ میں آخری حملہ ۲۳۷ھ/۸۵۱ء میں ہوا۔ جس میں مسلمانوں کو کامیابی ہوئی۔ برشلونہ اور اس کے نواح کا علاقہ عبدالرحمٰن کے زمانہ میں گو پوری طرح اقتدار میں آگیا تھا لیکن یہ قبضہ بھی دیرپا ثابت نہ ہو سکا اور جلد ہی یہ علاقہ مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا۔[5]

عیسائیوں کی جنوبی تحریک

کسی بھی تحریک کے بیان کرنے سے پہلے یہ بہتر ہوتا ہے کہ اس تحریک کے پس منظر پر بھی تاریخی نظر ڈالی جائے جس سے اس تحریک کے حال و مستقبل کو سمجھنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ عیسائی تحریک

---

[1] ابن اثیر جلد ۷ ص ۵-۶-۳۳ ابن خلدون جلد ۴ ص ۱۲۹ [2] ابن اثیر جلد ۷ ص ۱۶

[3] ایضاً جلد ۷ ص ۱۳ [4] اخبار الاندلس جلد ۱ ص ۲۹۲ [5] ابن خلدون جلد ۴ ص ۱۳۰

کے سلسلے میں یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ جہاں عرب مورخین نے اس کا مختصرا تذکرہ کیا ہے وہاں عیسائی مورخین نے اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اگر تاریخی لحاظ سے گہرا مطالعہ کیا جائے تو عیسائیوں کے اس جنونی موقف پر تعجب نہیں ہوتا۔ یہ ضرور ہے کہ اس تحریک میں شرکت کرنے والوں کی تعداد زیادہ نہ تھی۔ اور نہ ہی اس کو مقبولیت عام حاصل ہو سکی لیکن کیونکہ اس کا تعلق ایک خاص مذہبی فرقہ سے تھا اور اس کے اثرات بھی دور رس نکلے اس لئے اس کا بیان کرنا بے معنی نہ ہوگا۔ یہ تحریک عیسائیوں کی تحریک کہی جاتی ہے۔ یہ کیونکر ابھری؟ اس کی تفصیل اس طرح ہے جیسا کہ دوسرے باب میں بیان کیا جا چکا ہے کہ عربوں کے اسپین میں مستقل قیام اور حکومت کے استحکام کے وجہ سے وہ عیسائی جو یہ توقع کئے بیٹھے تھے کہ عرب لوٹ مار کرکے واپس لوٹ جائیں گے، سخت مایوس ہوئے لیکن بعد میں انہوں نے مسلمانوں کی رواداری اور حسن سلوک سے یہ اندازہ کرلیا کہ نئے آقا پرانے گاتھ اور رومی آقاؤں کی نسبت بہتر ہیں۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کی سیاست تسلیم کرکے حکومت کے معاملات میں پورا پورا ہاتھ بٹایا کثرت سے عیسائی مسلمان بھی ہوگئے۔ اسلام کی تعلیمات نے ان کو مسلمان تو بنادیا لیکن جب انہی تعلیمات کی روشنی میں انہوں نے عربوں سے اپنے اسلامی حقوق طلب کئے اور ان کے حصول میں ناکامی ہوئی تو انہوں نے بھی یہ طریقہ اختیار کرلیا کہ عرب مسلمانوں کو اپنے معاملات میں مخل نہ ہونے دیتے۔ وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ عرب زندگی کے ہر شعبہ میں خواہ وہ سیاست ہو یا معاشرت یا ملکی عہدے سب پر چھائے ہوئے ہیں۔ فوج میں عربی قیادت کی کثرت اور تجارت میں عربوں کی یہود نوازی سے ان نومسلموں میں عربوں کے خلاف مزید بے چینی پھیل گئی۔ ایک عرصہ تک نومسلم اور دل برداشتہ عیسائی خاموشی سے حالات کا جائزہ لیتے رہے اور جب ان کو اچھی طرح پتہ چل گیا کہ یہ عرب جو بری طرح عصبیت کا شکار ہیں۔ خود بھی کبھی امن و سکون سے نہیں رہتے تو ان کو حقوق کہاں سے دیں گے۔ چنانچہ ادھر عربوں میں خانہ جنگی شروع ہوئی ادھر انہوں نے ایک دور دراز پہاڑی علاقے میں اپنی بستی آباد کرکے اپنی حکومت قائم کرلی۔ یہ حر بن عبدالرحمٰن ثقفی کا دور ولایت تھا۔ اس نوزائیدہ کمزور حکومت پر آگے چل کر آزاد عیسائی حکومت اسٹریاس (اشتورقہ) کی بنیادیں پڑیں جس نے بعد میں جلیقیہ کا نام پایا۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اسپین میں عیسائیوں کے جذبات کی نمائندگی اس حکومت کے قیام سے ہوتی ہے۔ عربوں نے اپنی عصبیت کے گھمنڈ اور خود سری میں اس اہم مسئلہ کی طرف کبھی دھیان نہ دیا اور وہ

بدستور اس فکر میں رہے کہ عرب تہذیب کی بنیادوں کو مستحکم کردیں۔ بلاشبہ ایسا ممکن ہو جاتا لیکن وہ خود بھی شدید اختلافات میں الجھے ہوئے تھے۔ اس لئے اجتماعی طور پر ان سے کارکردگی کا اظہار ممکن نہ تھا۔ چنانچہ ایسے ملک میں جہاں رنگ و نسل اور مذہبی اختلافات کی خلیج حائل ہو اس وقت ثقافتی اور سیاسی زندگی کو یک لخت ختم کر کے ایک نئی تہذیب کا ارتقاء کوئی آسان کام نہ تھا۔ صرف اسلامی تہذیب میں ہی وہ صلاحیتیں تھیں کہ قومیت کے بجائے مذہب کی بنیادوں پر تمام مختلف النوع اقوام و ملک کو یکجا و متحد کر سکتی تھی۔ لیکن وہ بھی مسجدوں' مدرسوں یا عالموں کے گھر میں مقید تھی......
عربوں اور بربروں کی آپس کی کشمکش سے حکومت جلیقیہ کے عیسائیوں نے خوب فائدہ اٹھایا۔ اس کے متعلق ہم یوسف اور عبدالرحمٰن الداخل کے دور میں پڑھ آئے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر عبدالرحمٰن الداخل اسپین میں داخل نہ ہوتا اور حکومت بنوامیہ کی بنیادیں نہ ڈالی جاتیں تو کوئی تعجب نہ تھا کہ سو برس کے اندر اندر عیسائی مسلمانوں کو واپس افریقہ دھکیل دیتے۔

عبدالرحمٰن نے عیسائیوں کی اچھی طرح گوشمالی کی تھی اور ان کی طاقت کو تقریباً ختم کر کے رکھ دیا تھا۔ الداخل ہی نے پہلے اس بات کا اندازہ کر لیا تھا کہ عیسائیوں اور نومسلموں کی خفگی کے اسباب کیا ہیں۔ چنانچہ اس نے عربوں کے ساتھ ساتھ بربروں۔ غلاموں اور اس ملک کے قدیم رہنے والوں کو حکومت کے معاملات میں کسی طور پر شریک کر لیا تھا۔ اس وقت کسی صورت یہ میں نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اسپین کی حکومت بنوامیہ خالص عربی حکومت تھی۔ ہشام اول کے دور میں علماء و فقہاء نے مدرسوں و مسجدوں سے نکل کر ایک بار پھر یہ کوشش کی کہ اسلامی تہذیب کو بلند کیا جائے۔ جیسا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور میں ہوا تھا لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ کی غلطی کو پھر یہاں دہرایا گیا وہ یہ کہ حکومت موروثی رہی اور جمہوری طرز کے انتخابی اختیارات کو واپس نہ دلایا گیا۔ جس کا لازمی نتیجہ حکم اول کے ردعمل میں ظاہر ہوا اور اسلامی تہذیب کے علمبردار بے دردی سے قتل کئے گئے اور ان کی اہمیت کو طاقت سے ختم کرنے کی کوشش کی گئی۔ ہشام اول کے دور میں اسلام کی زبردست تبلیغ نے اور حکم اول کی شدید تادیبی کارروائیوں نے نومسلموں اور عیسائیوں دونوں کو اپنے مستقبل کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیا۔ اندرون ملک تو یہ حالات رہے بیرونی ممالک سے اندرون ملک کے عیسائیوں کی ہمدردیوں اور امداد کا سلسلہ جاری رہا۔ شمال کی عیسائی حکومتوں میں عیسائیوں کے بے دریغ قتل عام نے بھی مسلم اسپین کے عیسائیوں کو غم و غصہ سے بھر دیا تھا۔ طلیطلہ اور ماردہ عیسائیوں کے مراکز تھے۔ ان دونوں شہروں میں جو قتل و خونریزی ہوئی اس کا تذکرہ کیا جا چکا

ہے۔ غرضیکہ حکومت کی پالیسیوں اور مسلمانوں کے تشدد اور تساہل نے ان نومسلموں اور عیسائیوں کو شدید طور پر احساس کمتری میں مبتلا کر دیا۔ ان کے پاس اتنی طاقت نہ تھی کہ حکومت سے مقابلہ کرتے اس لئے غم و غصہ میں ایسی حرکتیں کرنے لگے' جو مذہبی کم اور جنونی زیادہ تھیں۔ عیسائی مورخ لین پول عیسائیوں کی اس جنونی تحریک کے سلسلے میں رقمطراز ہے کہ

"اندلس میں عیسائیوں کو اپنے مذہبی رسوم آزادی کے ساتھ انجام دینے کی جو رعایتیں حاصل تھیں اس کا نتیجہ برعکس نکلا۔ اندلس کے پادری کلیساؤں کے عہدِ رفتہ کے اقتدار کو پھر بحال کرنا چاہتے تھے کیونکہ مسلمانوں کے اقتدار نے ان کی مذہبی بے راہ روی کو ختم کر دیا تھا۔ لیکن مسلم حکومت کی رواداری سے ان کو اس بات کا موقعہ نہ مل سکا کہ وہ عام عیسائی رعایا کے جذبات کو بھڑکا سکیں۔ چنانچہ اب انہوں نے یہ رخ اختیار کیا کہ غالی عیسائیوں کی ایک جماعت میں یہ خیالات پیدا کئے کہ مذہب کی اصل روح ریاضت اور تکالیف اٹھانے سے پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے حکمرانوں کے مذہبی جذبات کو مشتعل کر کے اپنے جسم اور گوشت پوست کو تکالیف پہنچائی جائیں تاکہ روح کا تزکیہ ہو سکے اور گناہوں کی تلافی بھی ہو۔ اس تحریک کا بانی قرطبہ کا ایک خاندانی راہب یولوجیس (Euloguis) تھا۔ وہ اپنی مشقت' مجاہدہ اور راہبانہ طرز زندگی کی وجہ سے عیسائیوں میں عقیدت کی نگاہوں سے دیکھا جا رہا تھا اس نے چند نوجوان فدائی تیار کئے کہ اپنی روح کو پاک کریں اور دین اسلام اور اس کے بانی صلی اللہ علیہ وسلم کو برا کہیں۔ اسلامی قانون کی رو سے ایسا کرنے والے کی سزا قتل تھی۔ چنانچہ حکومت اس کے بدلے میں انہیں گرفتار کرلے گی جو عین سنت عیسیٰ ہے اور وہ اپنی جانوں کو قربان کر کے شہادت کا مرتبہ حاصل کرلیں گے۔ یولوجیس کی یہ تحریک کامیاب نہ ہوتی اگر قرطبہ کا ایک دولت مند نوجوان الوارو (Alvaro) اور ایک حسین دوشیزہ فلورا اس میں شریک نہ ہوتے۔ فلورا کا باپ مسلمان اور ماں عیسائی تھی۔ باپ کا انتقال ہو گیا تھا۔ ماں نے بچوں کو تعلیم و تربیت دلائی۔ فلورا کا بھائی تو اسلام پر قائم رہا لیکن ماں نے فلورا کو عیسائیت کی درپردہ تعلیم دی تھی۔ یولو جیس کی تبلیغ اور انجیل کے مطالعہ نے فلورا کے عیسائی جذبات کو بھڑکا دیا اور وہ بھاگ کر عیسائیوں کے پاس پناہ گزیں ہو گئی۔ جب اس کے فرار کی ذمہ داری عیسائی پادریوں پر ڈالی گئی اور ان پر سختی کی گئی تو فلورا واپس آگئی اور اپنے عیسائی ہونے کا برملا اعلان کر دیا۔ بھائی نے اس کو بہت سمجھایا اور ڈرایا مگر بے سود۔ چنانچہ معاملہ شرعی عدالت میں آیا اور قاضی نے اس کے درے لگوائے اور اس کو گھر واپس کیا کہ وہ اسلام کی تعلیم حاصل کرے۔ گھر واپس آنے کے کچھ دن بعد فلورا پھر بھاگ کر کسی

عیسائی کے ہاں روپوش ہو گئی۔ یہاں پہلی مرتبہ اس کی ملاقات یولوجیس سے ہوئی اور کہا جاتا ہے کہ دونوں کے دلوں میں مسیحی رشتوں کی معصوم اور پاک محبت پیدا ہو گئی' لیکن فلورا کے حسین ہونے کے بعد یہی کہا جا سکتا ہے کہ فلورا نے اس کو مسیحی رشتے کی پاک محبت سمجھا ہو تو خیر ورنہ یولوجیس در حقیقت اس کے عشق میں مبتلا ہو گیا تھا اس کے تاثرات جو پہلی ملاقات کے بعد ہوئے ان سے اس کا ثبوت مل سکتا ہے۔

"اے مقدس بہن تو نے مجھ پر یہ کرم کیا کہ تو نے مجھ کو اپنی وہ گردن دکھائی جو دروں کی چوٹ سے پاش پاش ہو چکی تھی اور وہ خوبصورت لٹیں کاٹ دی گئی تھیں جو کبھی اس پر لٹکا کر دی تھیں۔ یہ اس لئے کہ تو نے مجھے اپنا روحانی باپ سمجھا اور تو نے مجھے اپنی طرح پارسا اور مخلص یقین کیا۔ میں نے ان زخموں پر آہستہ سے اپنا ہاتھ رکھا میں نے چاہا کہ میں انہیں اپنے لبوں سے اچھا کر دوں۔ کیا میں جسارت کر سکتا تھا......جب میں تجھ سے جدا ہوا تو اس شخص کے مثل تھا جو خواب میں چہل قدمی کرتا ہو اور نہ ختم ہونے والی آہ و زاری کرتا ہو۔"

اب اس تحریک کی تعلیمات کا عملی نتیجہ شروع ہوا۔ ایک شخص پادری پرفکٹس نے عین عید کے دن مسلمانوں کے مجمع میں گھس کر اسلام اور بانیؐ اسلام کی شان میں ناروا الفاظ کہے۔ مسلمان مشتعل ہو گئے اور اس کو مار ڈالا۔ قرطبہ کا پادری اس کی لاش کو اٹھا کر لے گیا اور عیسائیوں کی طرف سے اس کو ولی کا درجہ عطا ہوا۔ اسی دن دو مسلمان دریا میں ڈوب گئے جس کو عیسائیوں نے خدائی انتقام قرار دیا۔ پھر اسی سال عبدالرحمٰن اوسط کے خاص خادم نصر کی موت ہوئی اور اسے مسلمانوں سے خدا کا دوسرا انتقام قرار دیا گیا۔

ایک دوسرے پادری اسحاق (Isaac) نے قاضی عدالت کے سامنے اسلام کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ قاضی نے طمانچہ مار کو تنبیہہ کی تو جواب دیا کہ خدا فرماتا ہے کہ مبارک ہیں وہ لوگ جو دینداری کے لئے ستائے جاتے ہیں آسمان کی بادشاہت ان ہی کے لئے ہے چنانچہ اپنے کئے کی سزا پائی اور عیسائیوں میں ایک دوسرے ولی کا اضافہ ہوا۔

اس کے بعد قصر شاہی کے ایک پہرے دار سینکو کے دماغ میں یہ سودا سمایا اور شان رسالت مآب میں گستاخیاں کیں اور قتل ہوا۔ اس کے بعد یہ سلسلہ شروع ہو گیا اور ۲۳۷ھ/۸۵۱ء کے سال میں گیارہ عیسائیوں نے اپنی گندذہنی اور بد زبانی کو نجات کا ذریعہ بنا کر اپنی جانیں ضائع کیں۔ لین پول کا یہ بیان ہے "اگرچہ گیارہ آدمیوں نے اپنی جانیں اس احمقانہ تحریک کے لئے دیں لیکن پھر بھی قرطبہ

کے عیسائیوں کی اکثریت نے اس کو ناپسند کیا۔" چنانچہ تحریک پادریوں سے نکل کر عوام میں مقبول نہ ہو سکی۔ سمجھدار عیسائیوں نے اسلامی حکومت کی رواداری اور ان کے ساتھ مسلمانوں کی شریفانہ طرز عمل کو یاد دلایا اور سمجھایا کہ مسلمان اپنی وسعت قلب کے باوجود اس بد زبانی کو برداشت نہ کریں گے۔ علاوہ ازیں ایسی خود کشی عیسائیت کے نقطہ نظر سے جائز نہیں۔ انجیل مقدس کی یہ تعلیم بھی ہے کہ "بد زبانی کرنے والے آسمانی بادشاہت میں داخل نہ ہوں گے" یولوجیس اعتراضات کے جوابات دیتا رہا۔ لیکن پھر بھی متعصب پادریوں کے علاوہ کوئی اور اس کا ہمنوا نہ بن سکا یہاں تک کہ پادریو ں نے بھی اس تحریک کی مخالفت شروع کر دی۔ اشبیلہ کے اسقف اعظم نے ایک مجلس میں اس تحریک کی مذمت کی۔ اس کے بعد اس تحریک کے سرگرم ارکان قید کر لئے گئے۔ بظاہر یہ تحریک بڑی حد تک دب گئی لیکن اتفاق سے فلورا کی ملاقات اسحاق پادری کی بہن میری سے ہوئی جس نے ایک بار پھر اس کو آسمانی بادشاہت میں جانے کے لئے تیار کر لیا۔ چنانچہ دونوں لڑکیاں قاضی کے سامنے آئیں اور شان رسالتؐ میں گستاخی کرنا شروع کی۔ قاضی نے پہلے تو بار بار منع کیا۔ پھر قید کر کے جیل خانہ بھیج دیا کہ شاید جوش ٹھنڈا ہو جانے کے بعد راہ راست پر آجائیں۔ قید خانہ میں یولوجیس بھی موجود تھا اس نے ان دونوں کو اپنے مقصد میں ثابت قدم رہنے کی تلقین کی اور فلورا کے لئے شہادت کے فضائل پر ایک رسالہ بھی لکھا۔ یہ دونوں لڑکیاں اپنے عزم پر قائم رہیں اور ۲۴ نومبر ۸۵۱ء / ۲۳۷ء میں قتل کر دی گئیں۔ اس کے بعد حالات پر سکون ہو گئے اور پھر یولوجیس وغیرہ بھی رہا کر دیئے گئے۔ اس کے دوسرے سال عبد الرحمٰن دوم نے بھی انتقال کیا۔

اس سلسلہ میں لین پول کا یہ خیال ہے کہ امیر عبد الرحمٰن نے بڑی نرم جوئی اور رواداری سے کام لیا اور اس نے باوجود پادریوں کی مذمت کے یولوجیس وغیرہ کو صرف قید کرنے پر اکتفا کیا ورنہ اسے قتل بھی کیا جا سکتا تھا جیسا کہ امیر محمد کے زمانہ میں ہوا۔ امیر عبد الرحمٰن دوم نے اس مجنونانہ حرکت پر کسی تحریک کا گمان نہ کیا اگر وہ ایسا کرتا تو یقیناً" بہت سے بے گناہ بھی مارے جاتے۔ البتہ اس تحریک کے اثرات برے نکلے اور عام عیسائی رعایا نے گو بظاہر مسلم حکومت کا ساتھ دیا اور تحریک میں عام شرکت سے بھی باز رہے لیکن پھر بھی گیارہ آدمیوں کی شہادت نے ان کو رنج و افسوس میں ضرور مبتلا کر دیا۔ جس کے نتائج بعد میں ظاہر ہوئے[1] جن کا ذکر آئندہ آئے گا۔

---

[1] یہ سارے واقعات لین پول کی کتاب "مورس ان اسپین" Moors in Spain سے ماخوذ ہیں۔

امیر عبدالرحمٰن کی وفات و کردار

امیر عبدالرحمٰن الاوسط نے ربیع الآخر ۲۳۸ھ/۸۵۲ء میں ۶۲ برس کی عمر میں وفات پائی اور ۳۱ سال حکمرانی کی۔ امیر عبدالرحمٰن طبعاً حسن پرست، نفاست پسند اور فنون لطیفہ سے رغبت رکھتا تھا۔ حسین عورتوں سے غیر معمولی دلچسپی تھی۔ طروب، مدثرہ، شفا، قلم اس کی محبوب اور حسین و جمیل کنیزیں تھیں۔ ابن اثیر لکھتا ہے "وہ ادیب اور شاعر تھا اور ان چند لوگوں میں سے تھا جنہوں نے کنیزوں سے عشق کیا اور اس کے عشق کی داستانیں مشہور ہوئیں۔"[1]

مقری لکھتا ہے کہ "اس کی طبیعت کا میلان عورتوں کی جانب بہت تھا۔ اپنی کنیز طروب کا والہ و شیدا تھا اور اس راہ میں اس نے بہت تکالیف اٹھائیں۔"

طویل سفر میں جاتا تو کنیزوں کی جدائی اس پر شاق گزرتی۔ جلیقیہ کے میدان جنگ سے اس نے طروب کو بہت سی عشقیہ نظمیں لکھ کر بھیجیں۔ اس کا حسن انتخاب ہمیشہ قابل ترین ایسی کنیزیں ہوتی تھیں جو ادیبہ، شاعرہ اور فن خطاطی میں کمال رکھتی تھیں لیکن اس کے باوجود اس نے سیاسی معاملات میں کنیزوں کی مداخلت کبھی برداشت نہ کی۔ ولی عہدی کی نامزدگی کی مثال اس کا ثبوت ہے۔ امیر عبدالرحمٰن کو فن موسیقی اور ثقافت سے کس قدر لگاؤ تھا اس کو لین پول نے ان الفاظ میں زریاب کے تذکرے میں لکھا ہے۔

"عبدالرحمٰن دوم زریاب کی لیاقت اور دانائی سے اس قدر خوش تھا کہ اکثر اپنے ساتھ کھانا کھلاتا اور گھنٹوں بڑے ذوق سے گانا سنتا تھا۔ زریاب بھی صرف گویا ہی نہ تھا۔ بسا اوقات امیر کو گزشتہ زمانے کے عجیب و غریب فسانے، دلچسپ حکایات اور حکمت آموز کلمات سنا کر خوش کرتا۔ ہزار سے زیادہ راگنیاں اس کو زبانی یاد تھیں جن میں سے ہر ایک نرالے سروں اور نئی سرتیوں میں ادا کرتا تھا۔ طنبورہ پر پانچواں تار اسی کا لگایا ہوا ہے۔ اس کے الاپ بھرنے اور گانے کا طریقہ سب سے اچھوتا اور کچھ ایسا محو اور از خود رفتہ کردینے والا تھا کہ جس نے ایک بار سن لیا پھر دوسرے گانے کبھی خاطر میں نہ لاتا تھا۔ اس کا طرز تعلیم بھی تمام استادوں سے جداگانہ تھا...... زریاب تہذیب و شائستگی و ذکاوت کی وجہ سے ہر محفل کی جان سمجھا جاتا تھا۔ وہ اس وقت کے معاشرہ میں منفرد مقام رکھتا تھا۔ اس کی چال ڈھال، طرز گفتگو، نشست و برخاست تک کا طریقہ جدا تھا۔ اس نے بال رکھنے کا عام طریقہ بدل کر اپنا طریقہ ایجاد کیا۔ اسپین میں شامی کباب اور ہر قسم کی ترکاریوں کا برمحل

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ ص ۳۶

استعمال اسی سے منسوب ہے۔ ایک قسم کی پلیٹ اسی کے نام پر "قاب الزریاب" کے نام سے مشہور تھی۔ دھات کے بجائے شیشہ کے برتن، چمڑے کے بستر، چمڑے کے دستر خوان اور بہت سی چیزوں کا استعمال اسی نے لوگوں کو سکھایا تھا۔ موسمی لباس تبدیل کرنے کا طریقہ اسی نے ایجاد کیا یعنی ہر موسم کے ساتھ لباس بھی تبدیل ہوتے رہتے تھے[1] زریاب کا نام علی بن نافع تھا وہ مشہور زمانہ مغنی تھا اور مشرق سے آیا تھا۔"

زریاب کی مندرجہ بالا کوششوں میں امیر عبدالرحمٰن دوم کی ستائش اور سرپرستی شامل تھی۔ عبدالرحمٰن کے جمالیاتی ذوق میں موسیقی کا بڑا حصہ تھا۔ وہ گانا سننے کا بڑا شوقین تھا۔ امیر کی ان دلچسپیوں کے اثرات شہری زندگی پر بھی مرتب ہوئے۔ چنانچہ عام تہذیب و معاشرت، وضع قطع، سیر و شکار، خوراک و لباس میں نئے تکلّفات اور شان و شکوہ پیدا ہوئے۔ دربار کو اہتمام کے ساتھ سجایا گیا۔ امیر کی دستار میں طرہ امتیاز بڑھایا گیا۔ غلاموں اور خواجہ سراؤں کو خوبصورت لباس دیئے گئے اور اہل دربار کے بھی لباس متعین کئے گئے۔ عرب مورخین کا کہنا ہے کہ وہ شاہانہ شان و شکوہ میں ولید بن عبدالملک کے مانند تھا[2]

امیر عبدالرحمٰن سخی اور فیاض تھا، وہ چشم پوشی اور درگذر سے بھی کام لیتا تھا۔ دوسروں کے عیبوں کو ظاہر نہ کرتا۔ حلم اور رواداری میں بے مثال تھا۔ بڑے سے بڑے حادثہ کو سن کر ہراساں نہ ہوتا تھا۔ داد و دہش میں کبھی کوتاہی نہ کرتا۔ وہ اپنے ان ہی فضائل کی وجہ سے رعایا کی نظروں میں محبوب تھا[3]

باوجود اس کے کہ وہ رنگین مزاج تھا لیکن صوم و صلواۃ کی پابندی رکھتا تھا۔ شریعت پر عمل پیرا ہوتا اور دوسروں کو بھی عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتا تھا۔ ایک مرتبہ رمضان کا ایک روزہ قضا ہوا تو یحییٰ بن یحییٰ نے ۶۰ دن کے روزے کفّارہ میں رکھوائے۔ اس کے اس عمل نے عوام میں اس کی دینداری کا چرچا کردیا۔ لوگوں نے عشق بازی کو اس کی کمزوری اور دینداری کو اس کا جوہر سمجھا اور عوام نے اس کے نقش قدم پر چل کر زہد و تقویٰ کو اپنا شعار بنایا[4]

علمی و ادبی زندگی

امیر کو علم دین، علوم عقلیہ، ادب و شعر سے کافی مناسبت تھی۔ ابن اثیر لکھتا ہے۔

"وہ ادیب و شاعر تھا، علوم شرعیہ اور ان کے علاوہ علوم فلاسفہ کا عالم تھا۔"[5]

---

[1] Moors in Spain   [2] اخبار الاندلس جلد ۱ ص ۱۳۵

[3] اخبار الاندلس ص ۱۳۵، ۱۳۶   [4] نفح الطیب جلد ۱ ص ۱۶۲   [5] جلد ۷ ص ۴۶

مجموعہ اخبار الاندلس میں ہے۔

''اس کو ادب، فقہ، حفظ قرآن اور روایت حدیث میں وافر حصہ عطا ہوا تھا۔''[1]

ابن القوطیہ نے تحریر کیا ہے۔

''اس نے اپنی حکومت میں اہل علم اور اہل ادب و شعراء کی عزت افزائی کی اور ان کی حاجت روائی کو اپنا شعار بنالیا تھا۔''[2]

اس لئے وہ اہل علم وادب و شعر کی قدر افزائی کرتا اور کثیر داد و ہش سے کام لیتا تھا۔ اس کے دور کے مشہور اہل علم شیخ ابو محمد یحیٰ ابن یحیٰ کو غیر معمولی حیثیت حاصل تھی۔ یہ وہی یحیٰ بن یحیٰ ہیں جو حکم کے زمانے کے حادثہ قرطبہ میں ملوث تھے۔ عبدالرحمٰن ان کی ہر بات پر عمل کرتا اور مسلمانوں کے معاملات بھی ان کی رائے سے طے کئے جاتے تھے۔ اسی لئے عام طور پر کہا جاتا ہے کہ اس کا عہد اسلام کے خلاف نہ تھا۔[3] اہل ادب میں عبیداللہ کو امتیاز حاصل تھا۔ یہ عبدالرحمٰن الداخل کے مولیٰ بدر کا پوتا تھا۔ عبدالرحمٰن ثانی اس کو اپنے قریب رکھتا اور وہ اسپین کے اس دور کے قادر الکلام شعراء میں شمار کیا جاتا۔ اس عہد کا دوسرا مشہور شاعر عبدالرحمٰن بن شمر تھا۔ اس کو بھی امیر کے دربار میں رسوخ حاصل تھا۔ اس قدر دانی کے علاوہ امیر عبدالرحمٰن کو عوام کی تعلیم و تدریس کی بھی بڑی فکر تھی۔ اس نے علوم و فنون کی ترقی کے لئے درسگاہوں کی سرپرستی کی اور جگہ جگہ نئے نئے مدارس قائم کرکے دینی اور عقلی علوم کے اساتذہ مقرر کئے اور ان کو بڑے بڑے وظائف دیئے گئے۔ جامع قرطبہ میں دور دور سے اساتذہ کو بلا کر متعین کیا۔ بڑے بڑے اوقاف مدارس کے ساتھ لگائے تاکہ اخراجات پورے کئے جاسکیں اس طرح عوام بھی دینی و عقلی علوم سے بہرہ ور ہونے لگے۔ مجموعی حیثیت سے اس عہد میں مختلف علوم و فنون کو غیر معمولی ترقی حاصل ہوئی۔[4]

تعمیرات

ذوق جمالیات اور حسن پرستی نے امیر عبدالرحمٰن کو ہر شعبہ حیات میں ایک نکھار اور جدت بخشی تھی۔ یہاں تک کہ تعمیرات بھی اس کی جدت طرازی، حسن پرستی اور ذوق جمالیات کا مظہر تھیں۔ اس نے تعمیرات میں بیش بہا اضافے کئے۔ عالیشان محلات، حمام، حوض، اور سیر گاہیں جن میں جابجا فوارے چلتے تھے بنوائیں۔ بڑے اہتمام سے پہاڑوں کے چشموں سے پانی مہیا کیا جس سے

---

[1] نفح الطیب، ص ۳۸ [2] افتتاح الاندلس ص ۵۸ [3] مقری جلد ا ص ۱۶۲

[4] اخبار الاندلس ص ۱۳۹-۱۴۱

بکثرت باغ لگوائے۔ تمام ملک میں کچی پکی سڑکوں کا جال بچھادیا گیا دریاؤں کے پل تعمیر کئے گئے اور شہروں کی فصیلیں تعمیر کر کے ان کو مضبوط اور مستحکم کیا گیا۔ لین پول نے لکھا ہے۔

"نئے سلطان نے قرطبہ کو رشکِ بغداد بنایا تھا..... اس نے محلات تعمیر کئے۔ باغ لگوائے اور قرطبہ کو مسجدوں اور عالیشان عمارتوں سے زینت دی اور پل تعمیر کرائے۔"[1]

امیر ہشام کی تعمیر کردہ جامع مسجد قرطبہ کے حصے میں مزید اضافہ کیا۔ یہ اضافہ قبلہ کی سمت میں ہوا تھا۔ اس لئے قبلہ کی دیوار آگے بڑھا کر بنائی گئی اور محراب مقصورہ اور بادشاہ کے داخلے کا دروازہ بھی نیا بنوایا گیا[2]

جامع قرطبہ کا یہ اضافہ امیر عبدالرحمٰن کے عہد میں تقریباً پورا ہو گیا تھا پھر بھی جو تھوڑا کام باقی تھا وہ امیر محمد نے مکمل کرایا۔ امیر نے اشبیلیہ کی فصیل کو مستحکم کیا۔ ۲۱۵ھ میں اس نے جیان میں ایک مسجد تعمیر کرائی تھی[3]

اندرون ملک پالیسی

امیر عبدالرحمٰن نے ۳۱ سال تین ماہ حکمرانی کی۔ اس کا زمانہ امن و امان اور عافیت کا دور کہا جاتا ہے۔ اس کے زمانہ میں دولت و ثروت کی بہتات تھی اور رعایا خوشحال تھی۔ ابن خلدون نے لکھا ہے "اس کا زمانہ عافیت و سکون کا تھا۔ اس کے پاس دولت کی بہتات تھی۔"[4]

ابن القوطیہ نے لکھا ہے "اس کی رعایا اس کے ساتھ خیر و صلاح کے ساتھ تھی۔" امیر عبدالرحمٰن نے سلطنت کے قوانین نئے سرے سے مرتب کئے[5] اور اس ترتیب میں اس بات کا خیال رکھا گیا کہ ملک کے مختلف الخیال لوگوں کے جذبات کی ترجمانی ہوتی رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ سلطنت کے رعب و داب اور شان و شکوہ کو بھی ملحوظ خاطر رکھا گیا۔ وزراء کے اختیارات و مناصب مقرر کئے گئے۔ معاملات میں مشورہ دینے کے لئے باقاعدہ قصر حکومت میں ایک مشاورتی کونسل بلائی جاتی تھی اور بحث و مباحثہ کے بعد ان کی رائے کو اہمیت دی جاتی تھی۔ ابن القوطیہ کا بیان ہے کہ

"عبدالرحمٰن وہ پہلا شخص ہے جس نے وزراء کے قصر میں آنے جانے اور معاملات پر گفتگو کرنے کے وہ طریقے اختیار کئے جو آج تک رائج ہیں۔ اس نے اپنے چاروں طرف ایسے ذکی اور ذہین اشخاص کو جمع کیا تھا جو اس سے پہلے جمع نہ ہوئے تھے۔ وزیر اعظم کو حاجب کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا جو انہی وزراء میں سے بنایا جاتا تھا۔ اس کے وزراء ایسی شخصیتوں پر مشتمل تھے جو اس سے پہلے اور

---

[1] موریس ان اسپین ص۸۷ [2] ابن خلدون جلد۴ صفحہ۱۲۱ [3] افتتاح الاندلس ص۹۲-۶۵

[4] ابن خلدون جلد۴ ص۱۳۵ [6] مقری جلد۱ ص۱۶۳

اس کے بعد کے حکمرانوں کے پاس جمع نہیں ہوئی تھیں۔" [1]

حجابت کے عہدہ پر شروع میں عبدالکریم بن مغیث فائز رہا۔ اس کے مرنے کے بعد دیگر وزراء کو یہ عہدہ دیا گیا۔ بعد میں ایک اور وزیر کا اضافہ ہوا اور یہ والی قرطبہ تھا جس کو وزارت کی ذمہ داریوں اور آراء میں شریک کرلیا گیا تھا[2]۔ ان وزراء کو پوری آزادی کے ساتھ امیر کے سامنے اپنی رائے پیش کرنے کا حق تھا۔ بعض اوقات امیر کے احکامات کو بھی یہ وزراء کالعدم کردیا کرتے تھے۔

حکم اول کے دور کے اہم ترین واقعات کیونکہ امیر عبدالرحمٰن دوم کے پیش نظر تھے۔ اس لئے اس نے حکومت کی پالیسیوں کا تعین اسی کے مطابق کیا۔ چنانچہ علماء و صلحاء کو مشوروں میں شریک کیا اپنے آپ کو عوام سے پوشیدہ کرلیا تاکہ رعب شاہی قائم رہے اور اہم موقعوں پر بھی ان کے سامنے نہ آتا تھا۔ سلطنت کے تمام معاملات براہ راست وزراء کے ذریعہ طے پاتے تھے۔

سلطنت کے اہم عہدوں پر تقرر براہ راست امیر کرتا تھا اور وہ کسی کا تقرر کرتے وقت اس کے احوال و کوائف کو پوری طرح اپنے سامنے رکھتا تھا۔ اس نے مالیات کا مستقل شعبہ قائم کیا اور نیک دیانتدار اور دانشمند لوگوں کو افسر خزانہ بنایا۔ افسر خزانہ کو خزان کہتے تھے۔ اس کے افسر اعلیٰ کو "شیخ الخزان" کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ یہ افسران خزانہ اپنے فرائض میں آزاد تھے۔ اس کو یہ بھی حق دیا تھا کہ امیر کے احکام کو رد کردیں۔ ایسا ہی ایک مشہور واقعہ مغنی زریاب کے ساتھ پیش آیا جبکہ شیخ الخزان موسیٰ بن حدیر نے امیر کی عطا کردہ ایک بڑی رقم کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ دینے سے انکار کردیا اور امیر کو وہ رقم اپنی جیب خاص سے دینا پڑی[3]۔ اس کے زمانے میں مسلم اسپین کا سالانہ خرچ ۶ لاکھ دینار سے ۱۵ لاکھ دینار تک پہنچ گیا تھا[4]۔ باوجود اس کے اس کے دور حکومت میں ملک پر کئی مرتبہ آفات سماوی و ارضی نازل ہوئیں لیکن حسن انتظام کی وجہ سے ان تمام آفات کے باوجود اسپین میں دولت کی ایسی بہتات رہی کہ اس کی نظیر اس سے پہلے نہیں ملتی[5]۔

فوج کے معاملات بدستور حسب سابق رہے۔ اس میں کوئی خاص تبدیلی نہ ہوئی البتہ شاہی حفاظتی دستے کی زیب و زینت میں اور اضافہ ہوگیا۔ داخلی طور پر تو حقیقتاً صرف دو مرتبہ فوج کو کام میں لگایا گیا۔ ایک ماردہ اور دوسری طلیطلہ کی بغاوت میں لیکن جہاد اور غیر ملکی مہمات بہت زیادہ ہوئیں اگرچہ وہ خود تو عوام سے پردہ میں رہتا تھا لیکن اکثر و بیشتر فوجی مہمات میں شرکت کرتا تھا۔ ابن

---

[1] افتتاح الاندلس ص۱۶۹ [2] ایضاً ص۶۹-۷۰ [3] ایضاً ص۶۹-۷۰

[4] نفح الطیب ص۱۱۲ [5] ابن اثیر جلد ۷ ص۲۶ وابن خلدون جلد ۴ ص۱۳۰

القوطیہ کہتا ہے "دارالحرب میں اس کی لڑائیاں جاری رہتی تھیں۔ ایک مرتبہ بذات خود فوج لے کر جاتا اور ایک مرتبہ اپنے کسی سپہ سالار کو روانہ کرتا تھا۔"[1]

نارمنوں کے اچانک حملے اور اس کے نقصانات سے امیر نے اپنے بحری بیڑے کی کمی کا اندازہ لگایا۔ چنانچہ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے اشبیلہ میں ایک دارالصناعت (جہاز سازی کا کارخانہ) قائم کیا اور تیزی کے ساتھ بحری قوت میں اضافہ کیا جانے لگا یہاں تک کہ چند ہی سال میں اسپین کا بحری بیڑا دنیا کی عظیم بحری بیڑوں میں شمار کیا جانے لگا۔ ابن القوطیہ نے لکھا ہے۔

"اس واقعہ کے بعد (نارمنوں کا حملہ) امیر عبدالرحمان مستعد ہو گیا اور اشبیلہ میں ایک دارالصناعت قائم کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ کشتیاں تیار کرائیں اور اندلس کے ساحلوں پر رہنے والے بحری ماہرین کو جمع کیا ان کے معاوضہ میں توسیع کی اور آلاتِ واقفیت مہیا کیے۔"[2]

چنانچہ امیر کی اس بحری تیاری سے بہت فائدہ پہنچا اور جب امیر محمد کے زمانہ میں نارمنوں نے دوبارہ ساحلی علاقوں پر حملہ کیا تو ان کو بری طرح شکست دی گئی۔ پھر وہ ایک عرصہ تک ادھر کا رخ نہ کر سکے۔

امیر عبدالرحمان دوم کو عدالت کی خاص فکر رہتی تھی تاکہ عوام کو صحیح اور بروقت انصاف مل سکے اسی لئے وہ دین دار، متقی اور عالم فاضل اشخاص کو صیغہ قضاء پر مامور کرتا تھا۔ اسی نقطہ نظر کے تحت اس نے قرطبہ کے علماء و صلحاء کو جو حکومت سے ناراض تھے راضی کر لیا تھا اور ان سے تعلقات استوار کر لئے تھے۔ خاص طور پر یحییٰ بن یحییٰ مالکی سے بڑی عقیدت رکھتا تھا اور قاضیوں کے تقرر بھی ان سے نہ صرف مشورہ کرتا بلکہ ان کے کہنے پر معزول بھی کر دیتا تھا۔ تقریباً ۱۲ قاضی اس کے دور میں عدالت کی کرسی پر فائز رہے۔ لین پول کے اس بیان سے امیر عبدالرحمان کی حکومت پر کچھ روشنی ضرور پڑ سکتی ہے۔

بڑی مدت تک حکومت کے تمام معاملات چار اشخاص کی آراء پر منحصر رہے۔ زریاب فن موسیقی کا مشہور زمانہ استاد، یحییٰ بن یحییٰ ایک مشہور عالم اور فقیہ، طروب سلطان کی دلربا ملکہ اور نصر سلطان کا خاص حبشی غلام۔ یحییٰ بن یحییٰ وہی شخص تھے جنہوں نے امیر حکم کے زمانہ میں فرقہ علماء کو سلطان کے خلاف بھڑکایا تھا لیکن اب وہ سلطان کے عزیز ترین مشیر کاروں میں سے تھے بلکہ امور سلطنت کے اعبار سے اگر ہم ان کو اندلس کی اہم ترین شخصیت کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ غلام نصر

---

[1] افتتاح الاندلس ص ۵۸ [2] ایضاً ص ۷۶

اور ملکہ طروب بھی قریب قریب اسی قدر اہم ترین تھے۔ زریاب نے اپنے حوصلوں کو عام تکلفات اور جسمانی آرائش تک محدود رکھا اور ملکی سیاست کے ذلیل قضیوں میں الجھنا پسند نہیں کیا۔"

خارجہ پالیسی

امیر عبدالرحمان الاوسط نے جس طرح ملک کی اندرونی حالت پر توجہ دی اسی طرح اس نے خارجہ پالیسی پر بھی دھیان دیا۔ کیونکہ امیر کے نزدیک یہ بڑی اہم بات تھی کہ ملک کو خارجی عناصر سے پاک رکھا جائے تاکہ ملک میں فتنہ و فساد برپا نہ ہو سکے اور سرحدیں بھی محفوظ رہیں۔ اس سلسلہ میں ان لڑائیوں کا تذکرہ اوپر آ چکا ہے جو پڑوسی عیسائی حکومتوں سے لڑی گئی تھیں جن کا مقصد صرف ملک گیری ہی نہ تھا بلکہ سرحدوں کی حفاظت اور طلیطلہ اور ماردہ کی بغاوتوں میں باغیوں کے مددگاروں کو قرار واقعی سزا بھی دینا تھا۔ یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ اس نے دارالصناعت قائم کر کے ایک زبردست بحری بیڑا تیار کرایا تھا۔ جس نے نہ صرف نارمن قزاقوں کی غارت گری سے ملک کو بچایا بلکہ جنوبی فرانس کے ان ساحلی علاقوں کو بھی تاخت و تاراج کیا جو مسلم سرحدوں پر ہمیشہ چھیڑ چھاڑ کیا کرتے تھے۔ اس بیڑے نے فرانس کے شارلمین کے ارادوں کو خاک میں ملا دیا۔ بحیثیت ایک عظیم سلطنت کے امیر ہونے کے عبدالرحمان دوم اس بات کا بھی خواہشمند تھا کہ دور دراز کی بڑی بڑی حکومتوں سے اس کے تعلقات قائم ہوں۔ اتفاق سے یہ موقعہ فرانس کے شارلمین اور عباسی حکومت کے مابین معاہدہ دوستی نے فراہم کر دیا۔ عباسی حکومت نے امیران اسپین کے خلاف جو سازشیں کی تھیں جن کا اوپر بیان ہو چکا ہے اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ خلافت عباسیہ اسپین کی حکومت کی ترقی کو حاسدانہ نظروں سے دیکھتی تھی اور اس کے پامال کرنے کے درپے تھی لیکن جب اسپین کے امیروں نے اپنی طاقت و ہوشمندی کا لوہا ایک دنیا سے منوا لیا تو خلافت عباسیہ کو اپنے افریقی مقبوضات کی فکر لاحق ہوئی چنانچہ شارلمین کی طرف خلافت عباسیہ نے دوستی کا ہاتھ بڑھایا تاکہ شارلمین حکومت اسپین کو ایسا الجھائے رکھے کہ ان کے دل میں افریقہ کی فتح کا خیال نہ آ سکے ادھر خود شارلمین کو اسپین کی مسلم حکومت سے سخت خطرہ لاحق تھا اس لئے اس نے عباسی خلافت کی دوستی کو اپنا پشت پناہ بنایا تاکہ ضرورت کے وقت اسپین کے خلاف امداد حاصل کر سکے گو امیر عبدالرحمان الاوسط کو ان دونوں کے معاہدہ دوستی کی کوئی پرواہ نہ تھی لیکن قسطنطنیہ کی بازنطینی حکومت کو عباسی خلافت سے اپنی موت نظر آ رہی تھی۔ اور شارلمین کی بڑھتی ہوئی طاقت کا بھی خوف تھا چنانچہ امیر عبدالرحمان دوم کی تخت نشینی کے دوسرے ہی سال شاہ قسطنطنیہ میکائیل دوم نے سلطنت اسپین کی طرف دوستی کا ہاتھ

بڑھایا۔ چنانچہ ۲۰۸ھ ۔ ۸۲۳ء میں بازنطینی سفارت آئی جس میں بے شمار قیمتی تحفہ تحائف کے ساتھ بہترین نسل کے گھوڑے بھی تھے۔ امیر نے اس سفارت کا پرتپاک خیر مقدم کیا کہا جاتا ہے اس سفارت کا مقصد بنوامیہ کے کھوئے ہوئے وطن شام کو واپس لینے کی ترغیب دینا تھا جس میں بازنطینی حکومت نے اپنی پوری امداد کا یقین دلایا تھا۔ لیکن حکومت اسپین خود اپنے داخلی معاملات میں اس بری طرح الجھی ہوئی تھی کہ اس سفارت کا مقصد پورا نہ ہو سکا اور وفد واپس چلا گیا۔[1]

دوسری سفارت ۲۲۵ھ / ۸۴۰ء میں حکومت بازنطینیہ کے شہنشاہ تھیوفلس کی طرف سے آئی اور اس کا بھی یہی مقصد تھا کہ عباسی قلمرو پر حملہ کیا جائے جس میں بازنطینی حکومت پوری طرح ساتھ دے گی۔ اصل وجہ اس سفارت کی یہ تھی کہ عباسی ایشیائے کوچک کو فتح کر کے قسطنطنیہ کا دروازہ کھٹکھٹا رہے تھے۔ جس سے خوفزدہ ہو کر تھیوفلس نے سلطنت اسپین کی ہمنوائی اور دوستی حاصل کرنا چاہی تاکہ عباسیوں کے خلاف مدد حاصل کر سکے۔ اس کے جواب میں امیر عبدالرحمٰن ثانی نے بھی ایک سفارت یحییٰ غزالی کی ماتحتی میں بھیجی اور یحییٰ نے دولت بنوامیہ اسپین اور حکومت بازنطینی کے مراسم کی بنیاد کو مضبوط کیا۔[2] لیکن پھر بھی ان سفارتوں کا اصل مقصد پورا نہ ہو سکا۔ باوجود اس کے کہ امیر عبدالرحمٰن ثانی عباسیوں سے بیزار تھا اور اس نے ۲۲۹ھ / ۸۴۳ء میں افریقہ کے شہر عباسیہ کو جلا ڈالنے پر ایک اباخی افلح بن عبدالوہاب اباخی کو حسن خدمت کے صلے میں ایک لاکھ درہم بھی عطا کئے تھے۔[3] لیکن پھر بھی اس میں اتنی اسلامی حمیت و غیرت ضرور موجود تھی کہ وہ غیر مسلموں کے اکسانے پر اپنے ہم مذہبوں کا قتل عام کرنا پسند نہ کرتا تھا۔ دوسرے یہ کہ حکومت اسپین اس قدر مستحکم نہ تھی کہ کسی دور دراز علاقہ پر حملہ کیا جاتا۔ چنانچہ امیر عبدالرحمٰن دوم نے حکومت بازنطینی سے دوستانہ مراسم تو ضرور قائم کر لئے لیکن عباسی خلافت کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھایا۔

شمالی اسپین کی ایک عیسائی ریاست نوار (نبرہ) کی سفارت کا تذکرہ اوپر کیا جا چکا ہے جس میں دونوں حکومتوں کے درمیان ایک معاہدہ امن و دوستی بھی طے پایا تھا لیکن چند سال بعد حکومت نبرہ کا ایک باغی کو مدد دینے کی وجہ سے یہ معاہدہ منسوخ ہو گیا اور شاہی فوجوں نے نبرہ پر حملہ کر کے قرار واقعی سزا بھی دی تھی۔

الغرض داخلی اور خارجی دونوں حیثیت سے امیر عبدالرحمٰن الاوسط کا دور حکومت شاندار اور پر امن رہا جس کے اثرات عوامی زندگی پر براہ راست پڑے اور وہ تہذیب جس کی ابتداء عبدالرحمٰن الداخل نے کی تھی اپنے دور شباب میں داخل ہوئی۔ یہ تہذیب نہ تو خالص اسلامی تھی اور نہ خالص

---

[1] اخبار الاندلس جلد ۱ ص ۲۸۲ [2] ابن خلدون جلد ۴ ص ۱۳۰ [3] ابن اثیر جلد ۶ ص ۲۶۹

عربی۔ بلکہ اگر ہم اس کو اسپینی تہذیب کا نام دیں تو بے جا نہ ہو گا۔ اس لئے کہ اسپین کی مختلف اقوام اسی تہذیب کے سانچے میں ڈھلتی جا رہی تھیں جن کو مسلمان تو کہا جا سکتا تھا لیکن کسی خاص طبقہ یا گروہ سے ان کو مناسبت نہیں دی جا سکتی تھی۔ عیسائیوں کی جنونی تحریک کا ایک بڑا سبب ابھرتی ہوئی یہ نئی تہذیب بھی تھی جس نے متعصب عیسائیوں کو بوکھلا دیا تھا اور انھوں نے عام عیسائیوں کے مذہبی جذبات کو از سر نو زندہ کرنے کے لئے اس تحریک کو چلایا تھا تاکہ یہ نئی تہذیب عیسوی مذہب کو ان کے دلوں سے محو نہ کردے۔

باب ۶

بنو امیّہ اسپین زوال کے دروازے پر

امیر محمّد بن عبدالرحمٰن الاوسط

۲۳۸ھ/ ۸۵۲ء........ ۲۷۳ھ/ ۸۸۶ء

تخت نشینی

امیر عبدالرحمٰن الاوسط نے اپنی حیات ہی میں اپنے بڑے لڑکے محمد کو اپنا جانشین مقرر کردیا تھا۔ ملکہ طروب گوکہ اس کی مخالف تھی لیکن چونکہ امیر مرحوم نے کبھی عورتوں کو سیاسی معاملات میں دخل اندازی کا موقعہ نہ دیا اس لئے وہ اپنی رائے پر اٹل رہا۔ ملکہ طروب نے غلام نصر کو اپنے ساتھ ملا کر اس بات کی سازش کی کہ محمد کو زہر دلوادیا جائے۔ امیر عبدالرحمٰن دوم کے انتقال سے دو سال قبل شہزادہ محمد بیمار پڑا۔ اس وقت نصر نے طبیب کو رشوت دے کر اس کی دوا میں زہر ملوادیا۔ مگر طبیب نے خوف کی وجہ سے امیر عبدالرحمٰن دوم کو اس امر کی اطلاع کردی۔ چنانچہ امیر مرحوم نے وہی دوا غلام نصر کو پلوادی جس سے وہ جاں بحق ہوگیا اور ملکہ طروب کی تمنائیں دل میں رہ گئیں۔ امیر عبدالرحمٰن کے مرنے کے بعد ایک بار پھر قصر شاہی کے غلاموں نے محمد کے چھوٹے بھائی عبداللہ کو تخت نشین کرنے کے لئے زور لگایا اور امیر مرحوم کی موت کو پوشیدہ رکھا۔ ڈوزی کا کہنا ہے کہ

"امیر عبدالرحمٰن دوم نے دو لڑکے چھوڑے تھے ایک کا نام محمد اور دوسرے کے نام عبداللہ تھا۔ چونکہ امیر مرحوم نے اس بات کا فیصلہ نہیں کیا تھا کہ کونسا بیٹا تخت نشین ہوگا اس لئے جانشین کا انتخاب کرنا قصر امارت کے خواجہ سراؤں پر منحصر ہوگیا..... چنانچہ امیر کی موت ہوئی تو خواجہ سراؤں نے قصر کے پھاٹک بند کرلئے اور موت کی خبر مشہور نہ ہونے دی[1]۔"

ڈوزی کا یہ بیان جو عرب مورخین کے بیان سے جدا ہے صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ تمام مسلم مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ امیر مرحوم نے محمد کو اپنا جانشین مقرر کردیا تھا۔ لیکن عبداللہ چونکہ ملکہ طروب کا لڑکا تھا اور قصر شاہی کے خواجہ سراؤں کی اکثریت ملکہ طروب کی طرفدار تھی اس لئے وہ عبداللہ کو تخت نشین کرنے کے خواہش مند تھے۔ ایسا کرنے کے لئے ان غلاموں نے یہ جواز پیش کیا تھا کہ "محمد بن عبدالرحمٰن بے شک پرہیزگار ہے۔ اس کے حسن اخلاق میں کسی کو کلام نہیں..... مگر

---

[1] عبرت نامہ اندلس جلد ۲ صفحہ ۴۹۴

وہ سخت مزاج اور بخیل ہے۔" اس لئے وہ بے راہ رو اور بد اخلاق عبداللہ کو تخت پر لا کر اپنی من مانی کرنا چاہتے تھے لیکن ابوالمفرح غلام کے سمجھانے پر وہ سب محمد کو تخت پر لانے پر راضی ہو گئے۔ دو غلام سعدون اور قاسم ملکہ طروب کی خیر خواہی میں عبداللہ کے طرفدار تھے لیکن جب پانسہ پلٹتا دیکھا تو محمد کے حامی بن گئے۔ یہاں تک کہ سعدون نے اپنی خیر خواہی دکھانے کے لئے امیر عبدالرحمٰن دوم کے انتقال کی خبر محمد کو جا سنائی اور اس کی تخت نشینی پر اس کو مبارکباد بھی پیش کی۔ اس طرح محمد بن عبدالرحمٰن کو تخت حکومت پر بیٹھنا نصیب ہوا۔

بغاوتیں اور ہنگامے

امیر محمد کا پورا دور شورشوں اور بغاوتوں کا دور رہا ہے۔ ان بغاوتوں اور سرکشیوں کے اسباب آگے بیان کئے گئے ہیں۔ یہاں صرف تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ امیر محمد کے تخت پر بیٹھتے ہی سب سے پہلی بغاوت طلیطلہ میں ہوئی۔ طلیطلہ ہمیشہ بغاوتوں اور فتنوں کا شہر تھا۔ یہاں کے عیسائی فتنہ انگیزی میں سب سے آگے تھے۔ گو ان کو کئی مرتبہ بری طرح سرزنش کی جا چکی تھی لیکن پھر بھی یہاں کے رہنے والے اپنی ناروا حرکات سے باز نہ آتے تھے۔ ادھر قرطبہ میں عیسائیوں کی جنونی تحریک نے عام عیسائیوں اور نومسلم رعایا کو خوف زدہ و ہراساں کر دیا تھا۔ گو یہ تحریک عبدالرحمٰن دوم کے دور ہی میں تقریباً ختم ہو چکی تھی لیکن اس تحریک کا سرغنہ یولوجیس ابھی زندہ تھا اور قید خانہ سے باہر تھا۔ یولوجیس قید سے رہا ہو کر نبرہ چلا گیا تھا وہاں سے واپسی میں طلیطلہ آیا اور یہاں کے عیسائیوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا۔ اس نے قرطبہ کے واقعات نمک مرچ لگا کر بیان کئے جس سے عیسائیوں کے جذبات بھڑک اٹھے اور انہوں نے اپنے ایک سردار سندولہ کی ماتحتی میں بغاوت کر دی اور قرطبہ میں اپنے یرغمالیوں کے بدلے میں طلیطلہ کے حاکم کو گرفتار کر لیا۔ جب امیر محمد نے ان کے یرغمالی واپس کر دیئے تو انہوں نے بھی طلیطلہ کے حاکم کو رہا کر دیا اور حکومت کے خلاف باقاعدہ اعلان جنگ کر دیا۔ امیر نے پہلے تو دو فوجیں ان کے مقابلے کے لئے بھیجیں جو شکست کھا گئیں اس کے بعد امیر محمد ۲۴۰ھ / ۸۵۴ء میں خود فوج لے کر سندولہ کے طرف چلا۔ سندولہ نے اندازہ کر لیا کہ اس لشکر کا مقابلہ ممکن نہیں۔ چنانچہ اس نے لیون کے بادشاہ اردون اول سے مدد مانگی۔ اردون نے بیازرو کے رئیس کے ماتحت ایک لشکر اس کی مدد کو بھیجا۔ ابن خلدون کا بیان ہے کہ شاہ جلیقیہ اور بشکنس بھی مدد کو آیا تھا۔[1]

---

[1] ابن خلدون جلد ۵ صفحہ ۲۹۳ (اردو ترجمہ)

دونوں فوجیں وادی سلیط میں مقابل ہوئیں۔ امیر موصوف نے عیسائیوں کی کثرت دیکھ کر اپنی کچھ فوج کمین گاہ میں چھپادی تاکہ وقت ضرورت کام آسکے۔ چنانچہ جب عیسائی زد پر آئے تو اس پوشیدہ فوج نے ان کو گھیرے میں لے لیا۔ عیسائیوں کا زبردست قتل عام ہوا۔ اور ڈوزی کے کہنے کے بموجب ایسا قتل عام ہوا کہ "عیسائی فوجوں کا ایک بھی فرد زندہ نہ چھوڑا[1]" امیر محمد نے اپنے لڑکے منذر کو طلیطلہ کے انتظام پر معمور کیا اور قلعہ رباح اور طلیرہ کے حاکم کو اس کا مددگار بنایا۔ طلیطلہ کے بہت سے لوگوں کو سخت سزائیں دی گئیں۔ منذر نے انتظام حکومت کو دوبارہ منظم کیا اور طلیطلہ کے سربرآوردہ لوگوں پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی جو شہر کے انتظام میں معاونت کرتی تھی لیکن کچھ عرصہ بعد اہل طلیطلہ پھر سرکش ہوگئے اور امیر محمد کی ہزار کوششوں کے باوجود نہ دب سکے۔ چنانچہ مجبور ہو کر امیر محمد نے ۲۶۰ھ / ۸۷۳ء میں ایک عہد نامہ کی رو سے ان کی جمہوری طرز حکومت کو منظور کرلیا جس سے اہل طلیطلہ کو آزاد سیاسی زندگی تو حاصل ہوگئی لیکن خراج ضرور ادا کرنا پڑتا تھا[2]۔

قرطبہ کے جنونی عیسائی

امیر محمد نے طلیطلہ سے واپس آتے ہی قرطبہ کے جنونی عیسائیوں کے خلاف سخت اقدامات کئے سب سے پہلے اس نے تبانوس کی خانقاہ کو منہدم کرادیا کیونکہ یہ خانقاہ عیسائی متعصبین کی آماجگاہ اور سازشوں کا اڈہ بن چکی تھی۔ فلورا کے واقعہ کے بعد گو یہ تحریک دب گئی تھی لیکن پھر بھی کہیں خفیہ اور کہیں علانیہ اس کا کام جاری تھا۔ عیسائی جوش و خروش سے اب بھی اپنی گردنیں کٹوا رہے تھے اور الوارو اور یولوجیس ان کی حمایت اور ان کی ان حماقتوں کی ستائش پر کمربستہ تھے۔ یہاں تک کے عیسائیوں نے باوجود امیر محمد کی مخالفت کے یولوجیس کو اپنا مطران مقرر کرلیا تھا جو سب سے بڑا مذہبی عہدہ تھا جس سے یہ بات عیاں ہوچکی تھی کہ حکومت کی مخالفت کرنا مقصود ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ جنونی عیسائی شاہ فرانس سے بھی مذہب کے نام پر امداد کے طالب ہوئے تھے۔ شاہ فرانس نے حالات کا صحیح جائزہ لینے کے لئے اپنے دو راہب اسپین میں بظاہر تبرکات لینے کے لئے بھیجے۔ یہ دو راہب اسوآرو اور لی آرو تھے۔ یہ دونوں ۸۵۸ء میں قرطبہ بھی آئے تھے اسی زمانہ میں یولوجیس کے ساتھ ایک لڑکی لکریتیا کا واقعہ بھی پیش آیا۔ اس لڑکی کے ماں باپ مسلمان تھے، چنانچہ جب قاضی کی عدالت میں یہ معاملہ پہنچا تو یولوجیس نے اس لڑکی کو کلیسائی تعلیم دینے کے جرم کا اقرار کرلیا۔ قاضی

---

[1] عبرت نامہ اندلس جلد ۲ صفحہ ۵۵ [2] ایضاً صفحہ ۵۲

نے اس کے اقرار پر اس کو تازیانے لگانے کی سزا دی۔ یولوجیس نے اس سزا میں اپنی بے عزتی محسوس کی کیونکہ وہ اس قدر شہرت پاچکا تھا کہ یہ معمولی سزا اس کی شہرت کو داغدار کرنے کا باعث بن سکتی تھی۔ چنانچہ اس نے دشنام طرازی کا پرانا طریقہ استعمال کیا۔ اس کو اس بات کا پورا یقین تھا کہ اس کے قتل ہونے کے بعد عام عیسائی رعایا بغاوت کردے گی اور اس کا کچھ نہ کچھ نتیجہ ضرور نکلے گا۔ لیکن قاضی نے ہوشمندی دکھائی اور اس کو قصر خلافت میں بھیج دیا تاکہ وزراء اور امیر محمد اس کا فیصلہ کریں۔ یولوجیس نے قصر خلافت میں بھی اپنی بدگوئی اور دشنام طرازی جاری رکھی۔ چنانچہ اس کو پھانسی کا حکم ہوا اور اس کو ۲۴۴ھ/۸۵۹ء میں پھانسی دے دی گئی۔ اس کے ساتھ ہی الوارو اور لکریتیا بھی قتل کردیئے گئے۔ جیسا کہ یولوجیس کا خیال تھا کہ قتل کے بعد کافی کہرام مچا اور عیسائی رعایا نے شدید غم و غصہ کا اظہار کیا لیکن بے سود۔ وہ کچھ بھی نہ کرسکے اور بقول ڈوزی "کچھ زمانہ گزرنے کے بعد شہادت کا یہ جنون قصہ پارینہ ہوگیا۔"[1]

بنو قسی کی آزاد حکومت

شمالی سرحد اسپین پر ایک اور آزاد ریاست علاقہ ارغون میں قائم ہوئی۔ یہ مسلم ریاست تھی اور اس کے بانی بنو قسی تھے۔ یہ خاندان قوم قوط (گاتھ) سے تعلق رکھتا تھا جو کسی زمانہ میں عیسائی تھا لیکن ایک مدت سے مسلمان ہوگیا تھا۔ نویں صدی عیسوی (تیسری صدی ہجری) میں یہ نومسلم خاندان اپنے سردار موسیٰ ثانی کی لیاقت سے ایسا صاحب اختیار ہوگیا کہ حکمرانوں کا مقابلہ کرنے لگا تھا۔ امیر محمد کے زمانہ میں موسیٰ ثانی نے سرقسطہ، تطیلہ، وشقہ اور تمام علاقہ ارغون پر قبضہ کرلیا تھا۔ طلیطلہ کے عیسائیوں نے موسیٰ سے دوستی کرلی اور اس کے لڑکے لب بن موسیٰ کو اپنے لشکر کا سپہ سالار بنالیا۔ شمالی سرحد کے تمام باشندے موسیٰ کے ماتحت ہوگئے۔ اس نے برشلونہ پر حملہ کیا اور کوہ البرانس پار کرکے فرانس کی حدود پر بھی اس قدر حملے کئے کہ شاہ فرانس کو اس سے معاہدہ کرنے اور خراج ادا کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اس کی طاقت بے انتہا بڑھ گئی اور اسپین اور فرانس کے کثیر باشندوں نے اس کی اطاعت کا دم بھرنا شروع کردیا۔ شاہ فرانس نے اس کو تحفے تحائف بھی بھیجے اور موسیٰ اپنے آپ کو اسپین کا تیسرا بادشاہ کہلوانے لگا۔[2] ۲۴۸ھ/۸۶۲ء میں موسیٰ ثانی کی اچانک موت ہوگئی۔ اس کے مرنے کے بعد امیر محمد نے سرقسطہ اور تطیلہ پر دوبارہ اپنی حکومت قائم کرلی۔ لیکن دس برس بھی

---

[1] عبرت نامہ اندلس جلد ۲ ص ۱۵۱ [2] Political History of Muslim Spain P.74

نہ گزرنے پائے تھے کہ موسیٰ ثانی کے لڑکوں نے شاہی فوج کو پھر اپنے علاقہ سے نکال باہر کیا اور اپنی آزادی کا اعلان کردیا۔ انہوں نے قرطبہ کی حکومت کے خلاف شاہ لیون الفانسو سوم سے دوستانہ تعلقات قائم کرلئے اور امیر محمد کی تمام کوششوں کو بے کار کردیا۔

ابن مروان کا اعلان آزادی

سر قسط میں بنو قسی کی حالت دیکھتے ہوئے ماردہ کے ایک نومسلم عیسائی عبدالرحمٰن بن مروان نے ۲۵۱ھ / ۸۶۵ء میں ماردہ میں اپنی آزادی کا اعلان کردیا۔ اس کا باپ مروان بن یونس عبدالرحمٰن اوسط کے زمانہ میں ماردہ کا گورنر تھا جس کی وجہ سے عوام میں عبدالرحمٰن بن مروان کو ہردلعزیزی حاصل تھی جس نے بغاوت میں اس کو بڑا فائدہ پہنچایا۔ دارالحکومت سے ایک فوج فوراً اس کی سرکوبی کو روانہ ہوئی جس نے اسکو شکست دے کر گرفتار کرلیا۔ امیر محمد نے اس کی خطاء معاف کرکے اس کو اپنے محافظ دستے کا سردار مقرر کردیا۔ لیکن ۲۶۲ھ / ۸۷۵ء میں وزیر ہاشم بن عبدالعزیز نے یہ کہہ کر "تجھ سے تو کتا بھی بہتر ہے" اس کے منہ پر طمانچہ بھی مارا۔[1] اپنی اس توہین کا بدلہ لینے کے لئے وہ قرطبہ سے بھاگ کر ماردہ کے قریب قلعہ المنت پہنچا اور اس پر قبضہ کرکے بیٹھ گیا۔ شاہی فوج نے اس کا محاصرہ کیا اور ایک عرصہ کے بعد اس کو مجبور کردیا کہ وہ صلح کرے۔ جس کی رو سے اس کو المنت سے بطلیوس جانے کی اجازت مل گئی۔ اس اجازت سے فائدہ اٹھا کر اس نے اپنے آپ کو از سرنو منظم کیا اور ایک دوسرے باغی سعدون کو بھی اپنے ساتھ ملالیا ان دونوں نے نومسلموں کو خاص طور پر اکسایا اور بقول ڈوزی "ایک نئے مذہب کا وعظ کہنا شروع کیا۔ جس میں اسلام اور عیسائیت کو خلط ملط کرنا چاہا تھا"[2] ابن مروان نے لیون کے بادشاہ الفانسو سوم سے بھی دوستی کرلی اور اس کی مدد سے عرب اور بربر علاقوں میں لوٹ مار شروع کردی۔ امیر محمد نے منذر اور ہاشم کو ایک فوج کثیر کے ساتھ بھیجا لیکن ابن مروان، سعدون اور شاہ لیون تینوں نے مل کر اس فوج کو شکست دی اور ہاشم کو گرفتار کرلیا۔ امیر محمد کی بخیل طبیعت کی وجہ سے ہاشم دو سال تک قید میں پڑا رہا۔ کیونکہ شاہ لیون نے اس کا زرفدیہ ایک لاکھ دینار لگایا تھا۔ بالآخر ۵۰ ہزار دینار امیر نے دیئے اور باقی کی ادائیگی کی ضمانت ہاشم نے خود دی تب اس کو رہا کیا گیا۔ ان دو برسوں میں ابن مروان نے بلہ اور اشبیلیہ کے علاقوں کو خوب لوٹا۔ امیر محمد کی بار بار فوج کشی کا خاطر خواہ نتیجہ یہ نکلا جس کے بعد امیر نے اس باغی سے وہ شرائط معلوم

---

[1] عبرت نامہ اندلس جلد ۲ صفحہ ۵۲۲ [2] ایضاً صفحہ ۵۲۳

کیس جزیہ کے پورا ہونے کے بعد وہ ان علاقوں کی تاخت و تاراج بند کر دے گا۔ ابن مروان نے متکبرانہ جواب دیا۔ "بطلیوس کا شہر اس کے حوالے کیا جائے۔ خراج معاف کیا جائے اور کسی قسم کی اطاعت پر اس کو مجبور نہ کیا جائے تو وہ لوٹ مار سے باز آجائے گا اور امیر محمد کے نام کا خطبہ پڑھوائے گا۔" امیر محمد نے یہ شرائط منظور کر لیں چنانچہ بطلیوس اور ماردہ کے علاقے آزاد حکومت بن گئے اور اس وقت تک حکومت قرطبہ کے پاس واپس نہ آئے جب تک کہ عبدالرحمٰن الناصر تخت پر نہ آگیا۔

نارمن قزاقوں کے حملے

۲۴۵ھ/۸۵۹ء میں نارمن بحری قزاق ایک بار پھر ساحل اسپین پر وارد ہوئے۔ وہ ستر (۷۰) کے قریب جہازوں پر سوار تھے اس سے قبل وہ عبدالرحمٰن اوسط کے زمانہ میں ساحل اسپین کے علاقوں کو لوٹ کر چلے گئے تھے لیکن اس بار جب انہوں نے مالقہ اور اشبیلیہ کے اطراف میں لوٹ مار کی تو شاہی بیڑہ حرکت میں آگیا جو پہلے حملے کے پیش نظر مستحکم اور مضبوط بنایا گیا تھا۔ چنانچہ ان نارمن قزاقوں پر شاہی بیڑے نے شدید حملے کئے اور زبردست تباہی مچائی یہاں تک کہ وہ بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔

عیسائی حکومتوں سے تعلقات

فرانس نے ۲۲۳ھ/۸۴۷ء میں عبدالرحمٰن اوسط سے امن کا معاہدہ کیا تھا لیکن جب ملک میں جگہ جگہ بغاوتوں اور بدنظمی کا زور دیکھا تو معاہدہ توڑ کر سرحدوں پر مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ اس کی دیکھا دیکھی جلیقیہ اور نبرہ کی ریاستوں نے بھی گڑبڑ مچائی اور مسلمانوں کا بہت سا علاقہ دبا لیا۔ امیر محمد اس زمانہ میں مالکی اور حنبلی مذہب کے ماننے والوں کے درمیان ہنگامے میں الجھا ہوا تھا لیکن پھر بھی اس نے ماردہ کے گورنر کو ہدایت کی کہ وہ فوج جمع کر کے سرحدوں کی حفاظت کرے اور عیسائیوں کی گوشمالی کرے۔ اس درمیان وہ خود بھی قرطبہ سے فوجیں بھیجتا رہا۔ جو جلیقیہ 'لیون اور نبرہ میں کامیابی حاصل کرتی رہیں۔ اسپنش مارچ (Spanish March) ایک بار پھر میدان کارزار بن گیا۔ مسلمانوں نے لیون' نبرہ اور دیگر عیسائی علاقوں کو خوب تاخت و تاراج کیا۔ یہاں تک کہ مبلونہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ وقتی طور پر عیسائیوں نے پسپائی اختیار کی لیکن جیسے ہی منذر فوج لے کر ان علاقوں سے واپس ہوا۔ یہ علاقہ پھر خودسری پر آمادہ ہو گیا اور عیسائیوں نے مسلمانوں کے بہت سے شہروں کو برباد کیا اور جلا ڈالا۔ اس مرتبہ امیر محمد نے جلیقیہ کی طرف پیش قدمی کی اور ماردہ کی فوجوں کو

لہ عبرت نامہ اندلس جلد ۲ صفحہ ۵۲۴

اپنے ساتھ لے لیا۔ ۲۵۱ھ/۸۶۵ء میں شاہ لیون نے ہتھیار ڈال دیئے اور غیر مشروط صلح کرلی جس سے اس علاقے میں امن وامان قائم ہوگیا۔

کردار

محمد بن عبدالرحمٰن اوسط کا پورا دور مشکلات اور مصیبتوں کا دور تھا۔ سارا ملک بغاوت اور سرکشی کی آگ میں جل رہا تھا۔ جگہ جگہ آزاد حکومتیں قائم ہو رہی تھیں۔ ان تمام حالات کی ذمہ داری بڑی حد تک اس کے کردار پر بھی عائد ہوتی ہے[1]۔ ابن اثیر نے اس کے متعلق لکھا ہے: "امیر محمد کا رنگ سفید مائل بہ سرخی تھا وہ ذکی ہوشیار اور سخی تھا[1]۔ لیکن ڈوزی کے بیان سے اس کی صریح مخالفت ہوتی ہے اس نے لکھا ہے۔ "امیر محمد تنگ خیال' سرد مہر اور خود غرض آدمی تھا۔ باپ کے مرنے تک کا اس کو رنج نہ ہوا[2]۔" اگر ڈوزی کے بیان کا یقین کرلیا جائے تو اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ امیر محمد میں بے انتہا کرداری خرابیاں تھیں جو عربی مورخین کے خلاف ہے۔ دراصل غلاموں نے اس کی تخت نشینی کے موقعہ پر جو اعتراض کئے تھے وہ غلط نہ تھے۔ وہ فطرتاً بخیل اور دولت کا حریص تھا۔ اسی وجہ سے نظام حکومت میں بدنظمی پیدا ہوئی تھی۔ مسند امارت پر آتے ہی اس نے عہدہ داروں اور فوجیوں کی تنخواہیں کم کرنا شروع کردیں پھر اپنے باپ کے دور کے وزیروں کو برطرف کرکے نوجوان وزراء کو مقرر کیا گیا جو ناتجربہ کار تھے لیکن اس شرط پر وزیر بنائے گئے تھے کہ اپنی اوپر کی آمدنی میں امیر موصوف کا حصہ مقرر کریں گے اور صرف خاص کی آمدنی میں جمع کردیں گے ان حرکات سے عام ناراضگی کا پھیلنا اور انتظام حکومت کا خلل انداز ہونا ضروری تھا۔ علاوہ اس کے محمد بڑی سختی اور گہری نظر سے تمام مالی معاملات میں دخل دیتا تھا۔ حساب کی جانچ پڑتال میں اس قدر سخت تھا کہ ایک ایک درہم پر خزانے کے عہدہ داروں سے حجت کرتا تھا۔ اس کے اس بخل اور تشدد سے تمام اہل کاران حکومت اس سے ناراض تھے۔ لیکن فقہاء اس سے بہت خوش تھے۔ اس لئے کہ اس نے عیسائیوں کے معاملے میں ان کی توقعات کو پورا کر دکھایا تھا اور عیسائی تحریک کا قلع قمع کردیا تھا۔ اس نے ان کے اصرار پر اپنی فوج اور دیگر شعبہ ہائے حکومت سے عیسائیوں کو الگ کردیا تھا۔

یہ تو اس کے کردار کا ایک تاریک پہلو تھا لیکن باقی ماندہ کرداری پہلو بہت روشن تھے۔ وہ ایک عمدہ شاعر تھا اور علم و ادب سے خاص شغف رکھتا تھا۔ علماء فضلاء اور شعراء کا احترام کرتا اور ان پر داد

---

[1] ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۱۷ [2] عبرت نامہ اندلس جلد ۲ صفحہ ۵۰۱

دہش سے بھی کام لیتا تھا۔ سلطنت کے کاموں میں علماء کی رائے لینا ضروری سمجھتا تھا۔ اس کے مشیر اعلیٰ میں قرطبہ کے قاضی کا نام سرفہرست آتا ہے۔ مذہباً آزاد منش انسان تھا لیکن پھر بھی اسلام کے مخالفین پر تشدد سے باز نہ آتا تھا۔ اس نے بقائی بن مخلد جیسے آزاد خیال محدث کو اظہار رائے کی آزادی دے رکھی تھی اور اس امر میں اس کی ہمت افزائی کرتا تھا کہ وہ ابن ابی شیبہ فقیہہ کے اصولوں پر بحث کرے۔ حالانکہ اس وقت کے علماء و فقہاء اسپین حدیث پر نکتہ چینی برداشت نہ کرتے تھے[1]

بحیثیت مجموعی چند خامیوں کے ساتھ امیر محمد ایک نیک دل، صالح اور لہو سے نفرت کرنے والا شخص تھا۔ اسکا پورا دور فتنہ و فساد ہنگاموں اور مشکلات کا دور تھا۔ امیر نے اپنے دور کو پر امن و پر سکون بنانے کی حتی المقدور کوشش کی اور تساہلی سے کام نہ لیا، جس کی بناء پر اس کا ۳۲ سالہ دور انہی کوششوں سے بھرا ہوا ہے۔ وہ بہادر شجاع اور مستقل مزاج تھا۔ ہنگاموں اور مصائب کی کبھی پرواہ نہ کی اور ڈٹ کر ان کا مقابلہ کیا۔ البتہ تدبر سے بہت کم بہرہ ور تھا۔ چنانچہ اپنے بدترین دشمنوں تک کو معاف کردیتا اور باغیوں کو ڈھیل دیتا تھا جس کی بناء پر کئی آزاد ریاستیں معرض وجود میں آچکی تھیں۔ دولت کی محبت نے اس کو بخیل بنادیا تھا۔ اگر ایک معنی میں اس کے اس فعل کو کفایت شعاری پر محمول کریں تو شاید بے جا نہ ہوگا۔ بہرحال اس کی اس کمزور پالیسی کے نتائج اچھے نہ نکلے اور خاندان بنو امیہ کو اسپین میں موت و زندگی کی کشمکش میں مبتلا ہونا پڑا۔ اس کے دور کی سب سے اہم بات عمر ابن حفصون کی بغاوت ہے جس نے ایک تحریک کی شکل میں عروج حاصل کیا اور بعد کے حکمرانوں کے لئے سخت امتحان و آزمائش کا سبب ثابت ہوئی جس کا تذکرہ ہم نے علیحدہ کیا ہے۔

عمر بن حفصون

عمر ۲۴۶ھ / ۸۶۰ء میں رونڈا کے قریب حسن اوٹی کے گاؤں میں پیدا ہوا تھا۔ اس کا باپ حفص اس علاقہ کا ایک زمیندار تھا۔ یہ نو مسلم خاندان تھا اور قوم گاتھ سے اس کا تعلق بتایا جاتا ہے۔ ابن خلدون کے مطابق عمر کا نسب اس طرح تھا۔ عمر بن حفصون بن عمر بن جعفر بن دمیان بن فرغوش بن الفانسو۔[2] ڈوزی نے لکھا ہے کہ اس خاندان کا مسلمان ہونے والا پہلا شخص جعفر تھا۔ یہی جعفر امیر حکم اول کے زمانہ میں رندہ کی سکونت چھوڑ کر حسن اوطی کے قریب بس گیا۔ حفص نے اپنی محنت اور

---

[1] نفح الطیب جلد ۲ صفحہ ۱۲ [2] جلد ۴ صفحہ ۱۳۴

مشقت سے کافی دولت جمع کرلی جس کی بناء پر اس علاقے کے لوگ اس کو حفصون کے نام سے پکارنے لگے۔ حفص بذات خود ایک نیک، شریف، امن پسند اور رحمدل شخص تھا لیکن اس کا لڑکا عمر ایک مغرور، بیہودہ اور مفسد لڑکا تھا جو ذرا ذرا سی بات پر لڑنے مرنے پر آمادہ ہوجاتا تھا۔ ایک دن اس کی انہی حرکات نے اس کو قاتل بنادیا۔ حفصون اپنے اکلوتے لڑکے کو پھانسی سے بچانے کے لئے حصن اوطی کو چھوڑ کر رندہ کے پہاڑی سلسلے کے ایک حصے کوہ ببشتر کے نیچے ایک مکان میں رہنے لگا۔ یہاں پر سوائے پہاڑوں اور جنگلات کے کچھ نہ تھا۔ عمر نے یہاں بھی اپنی حرکتیں نہ چھوڑیں اور جنگل میں رہنے والوں قزاقوں کی صحبت میں رہنے لگا اور خود بھی رہزنی کرنے لگا۔ باپ نے تنگ آکر اس کو گھر سے نکال دیا اور عمر آوارہ گردی کرتا ہوا افریقہ کے شہر تاہرت میں پہنچا اور ایک درزی کی دکان میں ملازمت کرلی۔ کچھ دن بھی نہ گزرے تھے کہ ایک عیسائی راہب نے اس کو پہچان لیا اور ایک جھوٹی پیشین گوئی بیان کرکے اس کو اس بات کے لئے آمادہ کردیا کہ وہ اسپین جائے اور بنوامیہ کے لئے قہر ثابت ہوکر حکومت حاصل کرے۔[1]

عمر بن حفصون کچھ تو اس مکار بوڑھے کی پیشین گوئی کے شوق میں اور کچھ پہچان لئے جانے پر خوف سے بھاگ کر رندہ پہنچا اور اپنے چچا مظاہر کے ہاں مقیم ہوا۔ چچا نے جب پیشین گوئی سنی تو اس کو بغاوت کی صلاح دی اور اپنی امداد کا پورا یقین دلا کر چالیس کاشتکاروں کی ایک فوج اس کے حوالے کی۔ عمر بن حفصون نے کوہ ببشتر پر ایک قلعہ کو اپنا مرکز بنایا اور آس پاس کے علاقوں کو لوٹنا شروع کیا۔ آہستہ آہستہ اس کی طاقت بڑھنے لگی اور بہت سے نومسلم اس کے ساتھ شریک ہوگئے۔ طاقت بڑھتے ہی ابن حفصون نے شاہی رسد گاہ اور فوج پر بھی حملے شروع کردیئے۔ اقلیم ریہ کے حاکم نے سختی سے اس کو دبانا چاہا لیکن ابن حفصون نے اس کو شکست دے کر اس سے کافی دولت حاصل کرلی۔ امیر محمد کو اب اس کی اطلاع ملی تو اس نے فوج پر فوج بھیجنا شروع کردی لیکن ببشتر کا یہ قلعہ فتح نہ ہوسکا۔ آخر کار وزیر سلطنت ہاشم کی سخت کارروائی نے ابن حفصون کو مجبور کردیا کہ وہ مشروط طور پر ہتھیار ڈال دے۔ ہاشم اس کو اپنے ساتھ قرطبہ لے آیا اور فوج میں افسر بنادیا اس نے بنو قسی اور شاہ لیون کے خلاف بہت کارنامے انجام دیئے۔ جس سے اس کی قدر و منزلت کافی بڑھ گئی۔ لیکن ایک جنگ سے جب وہ قرطبہ واپس آیا تو والی قرطبہ محمد بن ولید غانم سے اس کی جھڑپ ہوگئی۔ ابن غانم وزیر ہاشم سے حسد رکھتا تھا اور اس کے آدمیوں کو تنگ کیا کرتا تھا۔ اس نے ابن حفصون کو بھی خراب غلہ فراہم کرکے تنگ کرنا شروع کیا۔ جب ابن حفصون نے اس سے گفتگو کی تو ابن غانم نے

---

[1] تفصیل کے دیکھئے عبرت نامہ اندلس جلد ۲ صفحہ ۲۹

اس کو سخت وست کہا جس کی شکایت ابن حفصون نے ہاشم سے کی لیکن ہاشم نے اس معاملے میں اپنی مجبوری ظاہر کی۔ ابن حفصون دل برداشتہ ہو کر اپنے آدمیوں کے ساتھ اپنے پرانے پیشے کی طرف لوٹ جانے کے لئے قرطبہ سے بشتر کی طرف چلا گیا۔ ۲۷۱ھ / ۸۸۴ء میں اس نے ایک زبردست گروہ اکٹھا کر کے بشتر اور اس کے گرد و نواح پر قبضہ کر لیا۔ جلد ہی وہ جنوبی اسپین کے اسپینیوں اور نو مسلموں کا سردار بن گیا۔ اس نے بار بار ان الفاظ سے لوگوں کو بھڑکایا۔

"تم امیر کا زمانہ بہت برداشت کر چکے۔ اس امیر نے تمہیں بہت لوٹا اور محصولوں کی چکی میں پیس ڈالا ہے۔ عرب تمہیں غلام سمجھتے ہیں۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ وہ تمہیں پاؤں تلے روند ڈالیں؟۔ یہ نہ سمجھو کہ میں کسی ذاتی غرض یا لالچ کے خیال سے ایسا کہتا ہوں۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ جو بد سلوکیاں تمہارے ساتھ ہوتی ہیں ان کا بدلہ لوں اور تم کو غلامی سے آزاد کراؤں" [1]

طاقت بڑھنے کے ساتھ ہی ساتھ عمر ابن حفصون کی عادات و اخلاق میں بھی زبردست تبدیلی ہو گئی۔ اس نے اپنے آپ کو صحیح معنوں میں راہبر ثابت کرنے کے لئے اپنی قائدانہ صلاحیتوں سے کام لیا۔ وہ ہر ایک سے نرمی کے ساتھ پیش آنے لگا تھا۔ میدان جنگ میں سب سے آگے ہوتا تھا۔ سخت ترین خطرات میں پہلے خود آگے بڑھتا پھر دوسروں کو بڑھنے کی اجازت دیتا۔ جب تک لڑائی جیت نہ لیتا پیچھے نہ ہٹتا تھا۔ لوگوں کی بہادری کا صلہ فیاضی سے دیتا تھا۔ جو بہادر دشمن گرفتار ہوتا اس کو آزاد کر دیتا تھا۔ مجرموں کو سزا دینے میں کبھی کوتاہی نہ کی۔ اس نے انصاف کو قائم کیا۔ عرب مورخین کے بیان کے رو سے اس کے علاقہ میں امن و امان کا یہ حال تھا کہ ایک بوڑھی عورت بہت سی دولت کے ساتھ اس کے علاقہ میں گھوم پھر سکتی تھی ایسی حالت میں اس کے ساتھی بھی اس پر اپنی جانیں قربان کرنے سے دریغ نہ کرتے تھے۔ اس کا حکم مذہبی حکم کی طرح مانا جاتا تھا۔

امیر محمد نے اس کے خلاف کارروائی کرنے کے لئے زید بن قاسم کو بھیجا۔ ابن حفصون نے اس سے دوبدو مقابلہ نہیں کیا' بلکہ دھوکے سے اس پر حملہ کر کے اس کو قتل کر دیا۔ جب الحمہ کے والی عبدالملک نے ابن حفصون کی طرفداری کا اعلان کیا تو امیر محمد نے مجبور ہو کر اپنے لڑکے منذر کو ۲۷۳ھ / ۸۸٦ء میں ان دونوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ منذر نے پہلے الحمہ پر حملہ کیا۔ ابن حفصون والی الحمہ کی مدد کو آیا۔ معرکہ دو ماہ تک جاری رہا جس میں باغیوں کو شدید نقصان پہنچا۔ قریب تھا کہ عبدالملک اور ابن حفصون شکست کھا جائیں کہ منذر کو امیر محمد کے انتقال کی خبر ملی اور وہ فوراً محاصرہ اٹھا کر قرطبہ کی طرف روانہ ہوا۔

---

[1] عبرت نامہ اندلس جلد ۲ ص ۳۲۵

منذر بن محمدؒ

۲۷۳ھ/۸۸۶ء تا ۲۷۵ھ/۸۸۸ء

کردار اور کارنامے

امیر منذر اپنے باپ کی وفات کے بعد تخت پر بیٹھا۔ اس نے اپنے باپ ہی کے زمانہ میں اپنی بہادری، شجاعت اور تدبر کی دھاک بٹھادی تھی اور بہت سی جنگوں میں شرکت کر کے یہ بات ثابت کردی تھی کہ وہ صحیح معنوں میں حکومت کا اہل ترین فرد ہے۔ لیکن یہ اس کی بدقسمتی کہ جو حکومت اس کو ملی تھی اس کا انتظام کوئی آسان کام نہ تھا۔ ڈوزی کا بیان ہے۔

"منذر جفاکش اور بہادر تھا۔ مزاج میں احتیاط رکھتا تھا۔ اس زمانہ کے موالی بنو امیہ یقین کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ منذر کی عمر اگر دو سال اور وفا کرتی تو جنوبی اسپین کے تمام باغی اس کے مطیع و فرمانبردار ہو جاتے۔"[۱]

ابن اثیر نے لکھا ہے۔

"امیر منذر ۴۴ برس کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ چہرے پر چیچک کے داغ تھے۔ گھنی اور بڑی ڈاڑھی تھی۔ شعر و شاعری کا شائق تھا اور شاعروں کا قدر داں تھا۔ اس کا زمانہ حکمرانی بہت کم ہوا تاہم اسے بغاوتوں اور خود سریوں نے ایک دم کو مہلت نہ دی۔"[۲]

اس میں کوئی شک نہیں کہ منذر کی بہادری اور شجاعت اور تدبر سے یہ پوری امید تھی کہ وہ ملک کے تمام باغیوں کو ختم کردے گا لیکن اس کی عمر نے وفا نہ کی۔ پھر بھی اس نے دو سال کے اندر اندر باغیوں کو اچھی خاصی سزا دی۔ ملک کا بیشتر حصہ آزاد ہو چکا تھا۔ عوام و خواص دونوں میں حکومت سے غداری کی وبا پھوٹ چکی تھی۔ فرانس نے اسپنش مارچ (Spinish March) کی نوزائیدہ ریاست کو اپنے قبضہ میں کرلیا تھا۔ لیون، ارغون اور قشتالیہ مکمل طور پر عیسائیوں کے قبضہ میں جاچکے تھے۔ ۲۷۴ھ/۸۸۷ء میں منذر خود ایک بڑی فوج لے کر باغیوں کی سرکوبی کو نکلا۔ نبرہ، البیرہ اور جیان کے علاقوں میں باغیوں کی گوشمالی کی۔ بہت سے قلعوں کو فتح کرتا ہوا آگے بڑھا اور بشتر کے قریب باغیوں کا صفایا کیا۔ شہر ارشذونہ پر قبضہ کیا اور وہاں کے نومسلم حاکم عیشون کو صلیب پر چڑھایا۔ اس کے بعد بنی مطروح کے تین باغی رئیسوں کو جو باغہ کے علاقہ میں بغاوت کر رہے تھے

۱؎ عبرت نامہ اندلس جلد ۲ صفحہ ۵۲۵ ۲؎ ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۱۴۴

گرفتار کر کے بہت سے دیگر باغیوں کے ساتھ قتل کر دیا۔ پھر ابن حفصون کی گوشمالی کے لئے قلعہ بشتر کی طرف روانہ ہوا۔ ابن حفصون نے اندازہ کرلیا کہ اس وقت اس سے جیتنا آسان نہ ہوگا۔ چنانچہ مکروفریب سے صلح کرلی۔ جب امیر منذر واپس لوٹا تو ابن حفصون نے غفلت میں اس کے لشکر پر حملہ کیا امیر فوراً ہی سزا دینے کے لئے پلٹ پڑا لیکن اس کے بھائی عبداللہ نے سازش کر کے زہر دلوادیا۔ اس طرح یہ بہادر، مستقل مزاج اور مدبر امیر بھی اپنے کام کو پورا نہ کرسکا تھا کہ سازش کا نشانہ بنا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ منذر ایک مدبر اور دانشمند حکمراں تھا[1] جس سے بہت سی توقعات تھیں جو افسوس کہ پوری نہ ہوسکیں۔

---

[1] موریس ان اسپین ص ۹۸ تا ۱۰۱

عبداللہ بن محمد

۲۷۵ھ/۸۸۸ء تا ۳۰۰ھ/۹۱۲ء

تخت نشینی

امیر منذر کے کوئی لڑکا نہ تھا۔ اس خوف سے کہ اس کا جانشین پیدا نہ ہو جائے منذر کے بھائی عبداللہ نے اس کو زہر دلوا دیا۔ جس کے بعد تخت اس غدار اور سازشی بھائی کے حصہ میں آیا۔

عبداللہ نے غداری اور سازش سے تخت حاصل بھی کیا لیکن بے سود۔ یہ تخت وہ تخت نہ تھا کہ جس پر بیٹھ کر آسانی و سکون سے حکمرانی کی جاتی۔ اگر عبداللہ میں ذاتی صلاحیتیں ہوتیں تو کوئی تعجب نہیں کہ وہ اتنے عرصہ حکمرانی کے دوران کوئی نہ کوئی کارنامہ ضرور انجام دیتا اور امن و امان قائم کرنے کی کوشش کرتا۔ لیکن اس میں خود کوئی صلاحیت نہ تھی۔ صرف تخت پر بیٹھ کر امیر کہلانے کا شوق تھا۔ اس کو نہ صرف اسپینیوں کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا بلکہ عرب رئیسوں کی بغاوت کا بھی سامنا کرنا پڑا جنھوں نے عام انتشار سے فائدہ اٹھا کر جگہ جگہ آزادی کا اعلان کر دیا تھا۔ ملک کے تمام چھوٹے بڑے علاقوں میں بغاوت اور سرکشی پھیل چکی تھی۔ امیر کا حکم قرطبہ اور حوالی قرطبہ تک محدود ہو کر رہ گیا۔ نومسلم یا مولدین کی تحریک بھی زور پکڑ چکی تھی اور ان نومسلموں سے الویرہ اور اشبیلیہ میں عربوں کی زبردست جھڑپیں ہو رہی تھیں۔ یمانیوں اور مضریوں کا جھگڑا پھر ابھر آیا تھا۔ حجازی اور شامی ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے تھے۔ مجموعی حیثیت سے تمام ملک حکومت قرطبہ کا دشمن ہو چکا تھا۔ ایسی حالت میں کسی زبردست مدبر اور شجاع کی ضرورت تھی نہ کہ کمزور اور بزدل عبداللہ کی۔

البیرہ میں اسپینیوں کا خروج

عبداللہ کے شروع دور میں اسپینیوں اور عرب رؤسا میں سخت ہنگامہ برپا ہوا۔ عربی سرداروں نے امیر عبداللہ سے سرکشی اختیار کر لی تھی اور ایک بہادر اور شجاع عرب یحییٰ بن سخالہ کو اپنا سردار بنا لیا تھا۔ صوبہ البیرہ کے عرب زیادہ تر شامی عربوں کی اولاد تھے اور البیرہ کے تنگ گلی کوچوں سے گھبرا کر اس علاقے کے کھلے میدانوں میں آباد ہو گئے تھے۔ یہ عرب اسپینیوں کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ خواہ وہ مسلمان ہوں یا عیسائی۔ ان کی اس حقارت سے اسپینی بھی ان سے ناراض تھے اور اس فکر میں تھے کہ موقع ملتے ہی عربوں کو البیرہ کے علاقہ سے نکال باہر کریں۔ جیسے ہی عربوں نے امیر عبداللہ سے

سرکشی کی اسپینیوں نے امیر کی حمایت میں ان عربوں کو اس علاقہ سے نکال باہر کیا۔ عربوں نے ابن سخالہ کی سرکردگی میں قلعہ منت شقر میں جاکر پناہ لی جو غرناطہ کے شمال مشرق میں وادی برتونہ کے قریب واقع تھا لیکن اسپینیوں نے یہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا۔ یہاں تک کہ ۲۷۶ھ/۸۸۹ء میں ابن سخالہ مار ڈالا گیا اور عربوں میں شدید غارت گری ہوئی۔ گو مضری اور یمانی جھگڑا زندہ ہو چکا تھا لیکن پھر بھی یمانیوں نے باوجود اکثریت میں ہونے کے ابن سخالہ کے قتل کے بعد ایک مضری سوار القیسی کو خاموشی سے اپنا سردار مان لیا۔ سوار بڑا بے جگر آدمی تھا اور اپنی شجاعت و بہادری میں بے مثال تھا۔ اس کا پہلا کام ابن سخالہ کا بدلہ لینا تھا اور دوسرے، اس نے اپنے لڑکے کو منت شقر کے معرکے میں اسپینیوں کے ہاتھوں قتل ہوتے دیکھا تھا جس کا انتقام لینا بھی اس کے ذمہ تھا۔ اس نے تمام عربوں کو جمع کر کے منت شقر کے قلعے پر حملہ کیا اور نہایت بہادری اور دلیری سے قلعے کو فتح کر کے قلعے میں مقیم اسپینیوں کو جن کی تعداد ۶ ہزار بتائی جاتی ہے قتل کرا دیا۔ اس مصیبت میں اسپینیوں نے صوبہ البیرہ کے حاکم جاد سے امداد مانگی اور وعدہ کیا کہ ہم ہمیشہ تمہارے اطاعت گزار رہیں گے۔ جاد فوراً فوج لے کر مدد کو پہنچا اور سوار پر حملہ آور ہوا۔ سوار اس کا انتظار کر ہی رہا تھا۔ سخت معرکہ ہوا جس میں عربوں کو فتح ہوئی اور جاد گرفتار کر لیا گیا۔ اس فتح کے بعد سوار نے ریہ جیان اور قلعہ رباح کے عربوں سے دوستانہ تعلقات معاہدوں کے ذریعہ قائم کر لئے اور بہت سے ویران و برباد قلعوں کو دوبارہ مستحکم کیا۔ اسپینیوں کے دل ٹوٹ چکے تھے اور ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا تھا کہ امیر عبداللہ کی پناہ میں آجائیں۔ امیر گو اس وقت خود مجبور محض تھا لیکن پھر بھی ان کی درخواست کو رد نہ کیا اور ان ہنگاموں کا حل یہ تلاش کیا کہ سوار القیسی کو کہلوایا کہ "میرے مطیع ہو کر رہو گے اور اسپینیوں کو بھی امن سے رہنے دو گے تو حکومت میں تم کو بڑا درجہ دیا جائے گا۔" سوار نے امیر عبداللہ کا کہنا مان لیا اور عربوں اور اسپینیوں نے حلف لئے کہ آئندہ ہمیشہ دوستی سے رہیں گے۔ غرض اس طرح ملک میں امن و امان قائم ہو گیا۔ جو عارضی تھا کیونکہ فریقین کے دل میں غم و غصہ ابھی تک بھرا ہوا تھا۔[۱]"

سوار نے اپنا رخ ابن حفصون کی طرف موڑا ہی تھا کہ اسپینیوں نے دوبارہ اپنے ہتھیار سنبھال لئے۔ سوار کو بری طرح شکست ہوئی اور وہ قلعہ الحمہ کے کھنڈرات میں پناہ گزیں ہوا۔ تقریباً ۳۰ ہزار اسپینیوں نے اس قلعہ پر یلغار کی لیکن سوار نے تدبر و حکمت سے ان کو شکست دی اور ۱۳ ہزار کے قریب اسپینی مار ڈالے گئے۔ اس قتل عام سے اسپینیوں کی حالت نازک ہو گئی اور انہوں نے ابن حفصون کو اپنا سردار مان کر اس سے امداد طلب کی۔ ابن حفصون البیرہ میں داخل ہوا اور اس کو فوجی

---

۱ عبرت نامہ اندلس جلد ۲ ص ۵۴۷

حیثیت سے مستحکم کیا۔ سوار کو بھی ریہ اور جیان کے عربوں سے امداد مل چکی تھی۔ اس لئے ابن حفصون سے خوفزدہ نہ ہوا۔ ابن حفصون کو کئی لڑائیوں میں شکست ہوئی۔ بالاخر البیرہ والوں سے بھاری رقمیں وصول کرکے اور اپنے ایک ساتھی فوجی سردار حفص کو البیرہ کی حفاظت پر چھوڑ کر خود قلعہ ببشتر واپس چلا گیا۔ ابن حفصون اپنے ساتھ مشہور عرب شاعر سعید بن جودی کو گرفتار کر لایا تھا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد اس کو رہا کر دیا۔ سوار القیسی کو ایک جگہ اسپینیوں نے پھنسا کر قتل کر دیا۔ عربوں نے سوار القیسی کے بعد سعید بن جودی کو اپنا سردار بنا لیا جو عربوں میں عالی نسب اور بے مثال لڑنے والا تھا۔ اس کے اندر دس اوصاف بتائے جاتے تھے۔ یہی وہ عرب تھا جس کے سامنے آتے ہوئے ابن حفصون بھی ڈرتا تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ شرفاء عرب کی تمام خوبیاں سعید میں موجود تھیں۔ لیکن سوار القیسی جیسے کھرے اوصاف اس میں نہ تھے اس لئے سوار کی موت سے جو نقصان عربوں کو پہنچا تھا۔ اس کی کمی سعید پوری نہ کر سکا۔ بجز چند قلعوں کی دوبارہ مرمت کے اس نے کوئی خاص کامیابی نہ حاصل کی۔ عربوں نے جب البیرہ پر دوبارہ قبضہ کیا تو اس وقت عربوں کے دو گروہ تھے۔ ایک گروہ سعید بن جودی کو اور دوسرا گروہ محمد بن اضحیٰ صمدانی کو اپنا سردار مانتا تھا۔ نہ صرف یہ کہ دونوں سرداروں میں بلکہ دونوں گروہوں میں سخت عداوت تھی اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ سعید کی بے احتیاطی اور برے چال چلن نے اکثر رؤسا عرب کو اس کا دشمن بنا دیا تھا۔ چنانچہ ایک رئیس ابو عمر عثمان نے ۲۸۴ھ/۸۹۷ء میں سعید کو قتل کر دیا۔ محمد بن اضحیٰ نے امیر عبداللہ کی اطاعت کر لی لیکن پھر بھی ایک عرصہ تک سعید اور محمد بن اضحیٰ کے حامیوں میں خونریزی جاری رہی جو عربوں کی طاقت کو کمزور کرنے میں مددگار ثابت ہوئی۔

اشبیلیہ میں بغاوت

اشبیلیہ میں اور اس کے گرد و نواح میں رہنے والوں کے بھی کئی فریق تھے۔ ایک تو اسپینی جو بنو رنجلینو کہلاتے تھے اور دوسرے دو عرب قبائل بنی حجاج اور بنی خلدون۔ بنی حجاج گو عرب تھے لیکن ننہال کی طرف سے وہ گاتھ بادشاہ وٹیزا کی نسل سے تھے یعنی اس کی پوتی سارا کی اولاد سے تھے جو ایک عرب رئیس عمیر لخمی کے نکاح میں آئی تھی۔ بنو خلدون یمانیہ تھے اور حضرموت سے ان کا تعلق تھا اور نواح اشبیلیہ میں ان کی بڑی جائیداد تھی۔ ان دونوں قبیلوں کا شمار اشبیلیہ کے بڑے زمینداروں اور تجار میں ہوتا تھا۔ خاص طور پر بحری تجارت انہی کے قبضہ میں تھی۔ تمام صوبہ اشبیلیہ میں ان کے قلعے تھے جو برج کہلاتے تھے اور خاص اشبیلیہ تو آدھے سے زیادہ ان کے قبضہ میں تھا۔ امیر

عبداللہ کے شروع دور میں بنی خلدون کا سردار کریب تھا جو بڑا ہوشیار اور چالاک تھا۔ اس کو بنو امیہ کی مطلق العنانی سے سخت نفرت تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ یمانیوں میں سے کوئی شخص امیر اسپین ہو اور بنو امیہ کو ہٹا دیا جائے۔ شروع میں تو اس نے شہر اشبیلہ کے عربوں کو سرکشی پر ابھارا لیکن جب وہ قابو میں نہ آئے تو نواح اشبیلہ میں آکر اپنے قبیلے کو ہتھیار اٹھانے پر آمادہ کرلیا۔ اس کے بعد اس نے ایک گروہ قائم کیا جس میں بنو حجاج کو ابراہیم بن حجاج کی سرکردگی میں لبلہ اور شذونہ کے دور ئیس اور قرمونہ کے بربروں کو اس گروہ میں شامل کرلیا۔ اس گروہ کا مقصد یہ تھا کہ اشبیلہ پر قبضہ کرکے اسپینیوں کو خوب لوٹا جائے۔ کریب نے ماردہ اور مدلین کے وحشی بربروں کو یہ کہہ کرکہ "اشبیلہ سرکاری فوجوں سے خالی ہو گیا ہے۔ اگر کثرت سے مال غنیمت حاصل کرنا ہو تو اشبیلہ کو لوٹ لو۔" حملہ کرنے پر آمادہ کرلیا۔ چنانچہ ان بربروں نے حملہ کرکے طلیاطہ کی بستی کو خوب لوٹا۔ حاکم اشبیلہ نے ان کو روکنے کے لئے ایک فوجی مہم بھیجی۔ جس میں کریب نے بھی خفیہ طور پر اپنے آدمی شامل کردیئے۔ جب جنگ ہوئی تو سازش کے مطابق کریب اپنے آدمیوں کو لے کر میدان جنگ سے بھاگ نکلا۔ جس سے تمام فوج میں بھگدڑ مچ گئی اور حاکم اشبیلہ کو شکست ہوئی۔ چنانچہ طلیاطہ اور اس کے گرد و نواح کو بربروں نے خوف تاخت و تاراج کیا اور کثیر مال غنیمت لے کر واپس چلے گئے۔ اس کے فوراً ہی بعد ابن مروان بلیقی نے جو اس وقت ․طلیوس کا خود مختار حاکم تھا طلیاطہ پر حملہ کیا اور اس کو خوب لوٹا۔ اس حاکم اشبیلہ کی شکایت جب امیر عبداللہ سے ہوئی تو اس نے دوسرا حاکم امیہ ابن الغافر کو بنا کر بھیجا۔ حالانکہ یہ شخص دیندار و بہادر تھا لیکن بگڑے ہوئے حالات کو نہ سنبھال سکا اور لوٹ مار سے علاقہ کو نہ بچا سکا۔ حاکم اشبیلہ کو مجبور دیکھ کر استجہ کے ایک بہادر نو مسلم محمد بن غالب نے اس شرط پر ان قزاقوں کو ختم کرنے کا بیڑہ اٹھایا کہ اس کو اشبیلہ اور استجہ کے درمیان سرحد پر ایک قلعہ بنانے کی اجازت دی جائے۔ امیر عبداللہ نے اس کی یہ شرط منظور کرلی اور محمد بن غالب نے اس ایک سرحدی قلعہ بنا کر اس میں فوج محفوظ رکھ دی۔ اس طرح ایک عرصہ کے لئے اس علاقہ میں امن و امان قائم ہو گیا۔ بنو خلدون نے کسی بات پر ناراض ہو کر محمد بن غالب پر یورش کی جس پر ابن خلدون کا ایک آدمی مارا گیا۔ بنی خلدون نے دربار قرطبہ میں استغاثہ دائر کیا۔ جس کے تصفیہ کے لئے شہزادہ محمد کو دربار قرطبہ سے مقرر کیا گیا۔ شہزادہ نے بہت کوشش کی کہ کچھ فیصلہ کردے لیکن معاملہ الجھتا چلا گیا اور فیصلہ میں تاخیر ہو گئی۔ ایک غلط فہمی کی بنا پر کریب اور اس کے گروہ والے اشبیلہ چھوڑ کر چلے گئے اور بنی خلدون، بنی حجاج اور قبائل حضر موت بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ کریب اور عبداللہ بن حجاج

نے حصن توریہ اور قرمونہ پر قبضہ کرلیا۔ حاکم اشبیلہ فرار ہوا۔ شہزادہ محمد نے بغاوت کی اطلاع اپنے باپ کو دی اور آگے کارروائی کے لئے مزید فوج طلب کی۔ لیکن امیر عبداللہ احمق اور غلط تدابیر کا پتلا تھا بجائے اس کے کہ فوج بھیج کر اس فتنہ کو دباتا ایک وزیر کے غلط مشورے پر طے کرلیا کہ محمد بن غالب کو قتل کرکے عربوں کی حمایت حاصل کی جائے۔ امیر عبداللہ نے ناعاقبت اندیشی سے اپنے خاص آدمی جاد کو حکم دیا کہ قرمونہ پر قبضہ کرکے ابن غالب کو قتل کردے اور عربوں کو اطاعت گزار بنانے کی کوشش کرے۔ مصالحت اور نرمی سے کام لے اور عربوں کے خلاف ہتھیار اٹھانے میں جلدی نہ کرے۔

ابن غالب کو گو اس کی اطلاع مل گئی اور وہ ہوشیار ہو گیا تھا لیکن جاد نے مکاری اور فریب سے اس کو اپنے پاس بلا کر قتل کرا دیا۔ جس کے بعد عربوں نے قرمونہ خالی کردیا۔ ابن غالب کے قتل نے اسپینیوں کو سخت غیض و غضب میں مبتلا کردیا اور انہوں نے طے کرلیا کہ ابن غالب کا بدلہ جاد کے بھائی امیہ کے قتل سے لیا جائے گا۔ لیکن جاد کی بروقت امداد سے یہ ہنگامہ بڑی خونریزی اور غارت گری کے بعد ختم ہوا اور امیہ کی جان بچی۔ عمر ابن حفصون نے امیر عبداللہ سے ابن غالب کے قاتل جاد کا سر مانگا۔ جاد امیر کی حماقتوں سے واقف تھا اور جانتا تھا کہ وہ ابن حفصون کی بات رد نہ کریں گے۔ اس لئے قرطبہ سے اپنے دو بھائیوں ہاشم اور عبدالغافر کے ساتھ اشبیلہ کی طرف بھاگا لیکن راستہ میں یہ تینوں بھائی ابن غالب کے ساتھیوں کے ہاتھوں قتل کردیئے گئے۔ امیہ حاکم اشبیلہ کو جب اپنے بھائیوں کے مارے جانے کا علم ہوا تو وہ قاتلوں کو کچھ نہ کہہ سکا۔ البتہ اشبیلہ کے اسپینیوں کو قہر و غضب کا نشانہ بنایا اور شہر کو بنی حجاج اور بنی خلدون کے حوالے کرکے ان کو اجازت دے دی کہ اسپینیوں کا قتل عام کریں۔ چنانچہ خوب قتل عام ہوا۔ ۲۰ ہزار اسپینی مارے گئے۔

اشبیلہ میں اسپینیوں کی تباہی کے بعد بنی خلدون اور بنی حجاج صوبہ کے مالک بن گئے۔ امیر عبداللہ میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ ان یمانیوں سے مقابلہ کرتا۔ چنانچہ امیہ حاکم اشبیلہ نے امیر کی بجائے یہ خدمت انجام دینا چاہی اور اس بات کی کوشش کی کہ عربوں کو آپس میں لڑا دے۔ لیکن اس کی تمام کوششیں بیکار ثابت ہوئیں۔ البتہ وہ عبداللہ بن حجاج کو قرمونہ کے ایک بربر رئیس جنید سے قتل کرانے میں کامیاب ہوگیا۔ اس کا یہ حربہ بھی بے کار رہا اور بنی حجاج نے عبداللہ کے بھائی ابراہیم بن حجاج کو اپنا سردار بنالیا جو اپنے بھائی سے بھی زیادہ ہوشیار اور دانشمند تھا۔ کریب بن خلدون بھی امیہ کے دھوکے میں نہ آیا۔ اور امیہ کو منہ کی کھانا پڑی۔ عرب ہوشیار ہو چکے تھے اور امیہ کی ایک

ایک حرکت کی نگرانی کرتے تھے۔ ان دونوں کے درمیان اختلافات بڑھتے گئے یہاں تک کہ ایک دن عربوں نے قصر حکومت پر حملہ کرکے امیہ کو قتل کردیا اور امیر عبداللہ کو یہ اطلاع بھیجی کہ امیہ آپ کے خلاف بغاوت کرنا چاہتا تھا اس لئے اس کو قتل کردیا گیا۔ امیر قرطبہ میں اتنا دم کہاں تھا کہ عربوں کے خلاف تحقیقات کراتا یا ان کو سزا دیتا۔ چنانچہ اپنے چچا ہشام کو نئے حاکم اشبیلہ کے ساتھ بھیجا تاکہ حالات کو بہتر بنانے کی کوشش کریں۔ جلد ہی دونوں کو پتہ چل گیا کہ وہ کٹھ پتلی ہیں اور حکومت یمانی سرداروں کے ہاتھ میں ہے۔ اسی اثناء میں ہشام کا لڑکا مطرف کریب کے بھائی مہدی کے ہاتھوں قتل ہوا۔ حاکم اشبیلہ نے امیر عبداللہ کو حالات سے باخبر کرنے اور مزید امداد طلب کرنے کے لئے خط لکھا تاکہ مطرف کے قتل کا بدلہ لیا جاسکے۔ لیکن یہ خط بنی خلدون کے ہاتھ لگ گیا انہوں نے حاکم کو گرفتار کرکے سزا کے طور پر قید میں ڈال دیا۔

غرض امیر عبداللہ کے حکومت کے چوتھے سال میں اسپین کی یہ حالت تھی کہ اشبیلہ عربوں کے قبضہ میں تھا اور بہت سے علاقے افریقی اور اسپینی سرداروں نے دبا رکھے تھے۔ بربر، جیان اور البیرہ کے قلعوں پر قابض تھے۔ نو مسلم اسپینیوں نے شنت مریہ، شلب، باجہ، مرتلہ اور پریگو کے پہاڑی علاقہ پر اپنی طاقت مجتمع کرلی تھی اور حکومت کے قبضہ اقتدار سے باہر ہوگئے تھے۔ ۲۸۶ھ/۸۹۵ء میں امیر عبداللہ کے لڑکے مطرف نے اشبیلہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی اور دھوکے سے ابراہیم بن حجاج اور کریب کے بھائی خالد بن خلدون کو گرفتار کرکے کریب کو اطاعت پر مجبور کرنے کی کوشش کی۔ لیکن کریب نے ایک مدت تک اطاعت نہ کی۔ مطرف نے نواح اشبیلہ میں ابراہیم اور کریب کی جاگیر کو خوب لوٹا اور ان کے کئی مضبوط قلعے توڑ ڈالے اور قرطبہ واپس چلا گیا۔ امیر عبداللہ نے اپنے وزیروں کے مشورہ سے اشبیلہ کے قیدیوں میں سے ابراہیم اور خالد کو رہا کردیا۔ لیکن ابراہیم کے لڑکے عبدالرحمٰن کو بطور یرغمال قرطبہ میں ہی رکھا۔ ان رہا شدہ قیدیوں نے اشبیلہ پہنچ کر اپنی قسموں کو توڑ دیا۔ خراج دینا بند کردیا اور اعلانیہ باغی ہوگئے۔ ابراہیم بن حجاج اور کریب ابن خلدون نے اشبیلہ کو دو حصوں میں تقسیم کرلیا۔ ان کی یہ تقسیم مہلک ثابت ہوئی اور وہ دونوں آپس میں برسرپیکار ہوگئے۔ یہاں تک کہ ابراہیم، کریب اور خالد کو قتل کرکے پورے صوبہ اشبیلہ کا حاکم بن بیٹھا۔ ابراہیم نے امیر عبداللہ کو کریب و خالد کی بدعنوانیاں بیان کرکے ان کے قتل کرنے کی وجہ تحریر کی اور درخواست کی کہ اشبیلہ کی سند حکومت اس کو دی جائے تو وہ سات ہزار دینار سرخ سالانہ خراج ادا کرے گا۔ امیر قرطبہ نے قاسم کو شریک حاکم بنا کر بھیجا لیکن ابراہیم نے اس کو تنگ کرکے نکال دیا۔ ابراہیم نے بار بار

یہ کوشش کہ اپنے لڑکے عبدالرحمٰن کو امیر عبداللہ کے ہاتھوں سے نکال لے لیکن امیر نے اس کو رہا نہ کیا۔ جس پر برہم ہو کر ابراہیم نے خراج دینا بند کر دیا اور ابن حفصون سے دوستی کرلی۔ اس بناء پر قریب تھا کہ اس کے لڑکے عبدالرحمٰن کو قتل کر دیا جاتا کہ چند وزراء نے ابراہیم کو احسان مند کرنے کے لئے عبدالرحمٰن کو امیر کے ہاتھوں سے آزاد کرا دیا اور حقیقتاً ابراہیم اس فعل سے امیر عبداللہ کا احسان مند ہو گیا۔ اس نے بغاوت سے ہاتھ کھینچ لیا اور امیر کی دشمنی چھوڑ دی۔ وقت پر خراج ادا کرنے لگا اور حسب ضرورت امدادی فوج بھی بھیجنے لگا۔ اس وقت وہ امیر عبداللہ کے ماتحت ایک آزاد ریاست کا والی تھا۔ ریاست کی حدود میں اس کو مکمل اختیارات حاصل تھے۔ فوج رکھتا تھا۔ جس کے سپاہی مستقل تنخواہ دار ہوتے تھے۔ اشبیلہ میں قاضی اور صاحت الشرطہ کے عہدے سے لے کر معمولی عہدہ دار تک کا منصب اسی کے اختیار میں تھا۔ ایک مجلس شوریٰ بھی تھی اور اس کا ذاتی محافظ دستہ بھی تھا۔ وہ اپنے وقت کا آزاد حکمران ہی نہ تھا بلکہ بہت بڑا تاجر بھی تھا۔ بڑا عالم اور علم دوست تھا۔ دور سے عالم اور شاعر اس کے دربار میں جمع ہو گئے تھے۔ اس زمانہ کی مشہور مغنیہ اور شاعرہ قمر بھی اسی کے پاس تھی جو بغداد سے بلوائی گئی تھی۔ قرطبہ کے درباری شعراء کی کثیر تعداد اس کے پاس چلی گئی تھی۔ ملک الشعراء ابن عبدربہ بھی قرطبہ سے بھاگ کر اس کے پاس چلا آیا تھا۔ اس طرح عالموں اور فنکاروں کو ابراہیم کے پاس پناہ ملنے لگی۔

عمر ابنِ حفصون

ابراہیم کے علاوہ بہت سے ایسے اور حاکم بھی تھے جو اپنی آزادی کا اعلان کر چکے تھے اور اپنے پرانے قبائلی نظام کی طرف لوٹ چکے تھے۔ خواہ ان کے سردار نو مسلم اسپینی ہوں یا عرب یا بربر۔ ان سب نے اپنے اپنے علاقے تقسیم کر لئے تھے۔ البتہ کسی نہ کسی طور پر اپنے تعلقات امیر قرطبہ سے ضرور قائم کر رکھے تھے۔ کیونکہ ایک تو ان کو اپنی کمزوری کا احساس تھا۔ دوسرے امیر سے ایک نہ ایک دن مصالحت ہو جانے کا بھی خیال تھا۔ ان میں مثیشہ 'لارقہ' مدینہ شذونہ اور سر قسطہ کے عرب حاکم تھے۔ الغرب باجہ 'جیان' مرسیہ اور کئی دیگر علاقے بربروں اور نو مسلم اسپینیوں کے قبضہ میں تھے اور دربار قرطبہ کا یہ حال تھا کہ ہر امیر اور وزیر اپنے اپنے حدود اقتدار کو بڑھانے کی خاطر امیر عبداللہ کے اقتدار کو صدمہ پہنچانے سے دریغ نہ کرتا تھا۔ عبدالرحمٰن ابن مروان جلیقی نے جنوب مشرقی اسپین کو خوف و دہشت میں مبتلا کر رکھا تھا۔ اشتوراس کے عیسائی آزادی کے مزے لوٹ رہے تھے۔ لیکن ان سب میں خوفناک اور خطرناک ترین دشمن جو دربار قرطبہ کا سب سے زیادہ درپے آزار تھا

اور تحریک مولدین کا سردار سمجھا جاتا تھا اور جس سے امیر عبداللہ بھی خائف تھا وہ عمر ابن حفصون تھا۔ ابن حفصون کی بغاوت کا حال امیر محمد کے دور میں بیان کیا جاچکا ہے۔ امیر عبداللہ کے زمانہ میں اسکا عروج تھا۔ اس نے ملک کے اندرونی خلفشار سے فائدہ حاصل کیا تھا اور بہت سے علاقوں پر قبضہ کر کے اپنے حدود اقتدار کو بڑھالیا تھا۔ ۲۷۶ھ / ۸۸۹ء میں امیر عبداللہ نے اس کے خلاف کارروائی کی لیکن چالیس دن کی یہ فوج کشی بغیر کسی فائدے کے ختم ہوگئی۔ امیر جیسے ہی قرطبہ واپس ہوا۔ ابن حفصون نے پھر گڑ بڑ شروع کردی۔ امیر عبداللہ پھر اسکی سرکوبی کے لئے قرطبہ سے نکلا۔ اس مرتبہ ابن حفصون نے امیر عبداللہ سے صلح کرلی اور امیر نے اس کو تمام علاقہ پر جس پر وہ قابض تھا اپنی طرف سے والی مقرر کردیا اور سند حکومت دے دی۔ لیکن ابن حفصون کے ہمراہی قزاق اور لٹیرے تھے اور کسی صورت میں صلح وامن پسند نہ کرتے تھے۔ چنانچہ ابن حفصون کے گہرے دوستوں میں سے ایک شخص ابن مستنہ ابن حفصون سے علیحدہ ہو کر قلعہ محصب کے عرب لٹیروں کے ساتھ مل کر رعایا کو لوٹنے لگا۔ رعایا نے امیر عبداللہ سے فریاد کی تو امیر نے ایک شخص ابراہیم بن حمیر اموی کو ایک فوج دے کر اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا اور ابن حفصون کو بھی لکھا کہ وہ ابراہیم کی اس مہم میں مدد کرے اور لٹیروں کو سزا دلوائے۔ ابن حفصون نے خفیہ طور پر ابن مستنہ سے سازش کر کے ابراہیم اور اس کے بہت سے سرداروں کو قید کرلیا۔ ابن حفصون نے اب قرطبہ کے عیسائیوں کو بھی بغاوت پر آمادہ کیا۔ چنانچہ ایک شخص کاؤنٹ سراوندو (شرند) جو کبھی امیر عبداللہ کا ممدوح اور ممنون احسان تھا اور عیسائیوں میں شیطان کے نام سے مشہور تھا امیر سے باغی ہو کر قرطبہ سے نکلا اور حصن بیانہ پر قبضہ کر کے ابن حفصون کی سرداری کو تسلیم کرلیا۔ سراوندو نے سخت خونریزی اور لوٹ مار کی۔ اسی طرح کے ایک ڈاکہ میں سراوندو مارا گیا۔ ابن حفصون نے حصن بیانہ پر قبضہ کرلیا اور وادی الکبیر کے جنوب میں جس قدر بڑے قلعے تھے ان کا وہ مالک بن بیٹھا اور اس تمام علاقے کی رعایا نے اس کی حکومت تسلیم کرلی۔ حکومت قرطبہ کی طرف سے البیرہ اور جیان کے صوبوں کا حاکم مقرر ہونا بند ہوگئے۔

ابن حفصون کو اب اپنی طاقت کا غرور ہو گیا تھا اور اسپینی مسلمانوں پر ہمیشہ کے لئے اپنی حکومت قائم کرنے کا خواب دیکھنے لگا۔ حقیقت بھی یہی تھی کہ اب صرف قرطبہ اس سے باقی بچا تھا لیکن اس کے باوجود وہ خوب سمجھتا تھا کہ اسپین کے عرب اس کی سرداری کو تسلیم نہ کریں گے۔ چنانچہ عربوں کو اپنے قابو میں کرنے کے لئے اس نے ابن اغلب، والی افریقہ کے ذریعہ خلیفہ عباسی معتضد باللہ سے امارت اسپین اور عباسی علم کی درخواست کی۔ ابن غلب نے اس سے یہ وعدہ بھی کرلیا تھا کہ وہ اس کی

خواہشات پوری کرادے گا اس درخواست کے بعد ابن حفصون جواب کا انتظار کرنے لگا اور اس نے استجہ کو اپنا مستقر بنایا اور حصن بلائی کو جہاں سے قرطبہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ تھا خوب مضبوط اور مستحکم کرنا شروع کر دیا۔

جنگ حصن بلائی

بلاشبہ حکومت قرطبہ پر یہ وقت بہت سخت تھا۔ عربی مورخین لکھتے ہیں کہ "قرطبہ کی ایسی حالت ہو رہی تھی کہ جیسے کسی سرحدی شہر کی ہوتی ہے کہ معلوم نہیں کس وقت دشمن حملہ کر بیٹھے" اس دور کا ایک عربی مورخ ابن حیان لکھتا ہے۔ "سلطنت غارت ہو چکی ہے۔ مصیبت پر مصیبت آنا بند نہیں ہوتی۔ لوٹ مار اور چوری کا بازار گرم ہے۔ ہمارے اہل و عیال غلام بنائے جا رہے ہیں۔" امیر عبداللہ کی کمزوری اور پست ہمتی پر ہر طرف ملامت ہو رہی تھی۔ خزانہ خالی تھا اور سپاہیوں کو کئی ماہ سے تنخواہیں نہ ملی تھیں۔ منڈیاں اور بازار ویران پڑے تھے اور تجارت بند ہو چکی تھی۔ امیر عبداللہ گو سخت ہراساں اور پریشان تھا اور اس نے کئی بار کوشش بھی کی تھی کہ ابن حفصون سے صلح ہو جائے لیکن اس کو ہر طرف سے مایوسی ہوئی۔ آخر تنگ آکر ایک بار پھر قریشی خون جوش میں آیا اور اس نے طے کر لیا کہ میدان جنگ میں عزت کی موت مرنا زیادہ بہتر ہے۔ اس نے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ ۱۵ اپریل ۸۹۱ء مطابق ۱۲ محرم ۲۷۸ھ میں امیر عبداللہ خود ۱۴ ہزار فوج لے کر حصن بلائی کی طرف روانہ ہوا۔ ابن حفصون کے پاس ۳۰ ہزار سپاہ تھی جو فتح و کامرانی کے نشہ میں چور تھی۔ ابن حفصون فتح کی خوشی میں پاگل ہوا جا رہا تھا اور اس کو کامل یقین تھا کہ آج قرطبہ پر اس کا قبضہ ہو جائے گا۔ امیر عبداللہ اور اس کی فوج پر اداسی چھائی ہوئی تھی اور ان کو یقین تھا کہ آج بنو امیہ اسپین کی قسمت کا فیصلہ ہو جائے گا۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی خوف تھا کہ آج کے بعد کہیں پناہ نہ ملے گی۔ عبدالملک بن امیہ افواج قرطبہ کا سپہ سالار نااہل اور ناتجربہ کار تھا اور قریب تھا کہ اس کی غلط تدابیر سے قرطبہ کی فوج تباہ ہو جائے کہ مقدمۃ الجیش کے افسر عبداللہ نے آگے بڑھ کر حالات سنبھال لئے۔ ابن حفصون کو طاقت اور فوجی برتری کے باوجود شکست ہوئی اور اس نے حصن بلائی میں پناہ لی۔ جو لوگ استجہ کی طرف بھاگے تھے قرطبہ کی فوج نے ان کا تعاقب کیا اور ہزاروں کو قتل کر دیا۔ ابن حفصون نے حصن بلائی کو غیر محفوظ خیال کر کے ابن مستنہ کے ساتھ قلعہ کو چھوڑ کر ارشذونہ کا رخ کیا۔ پھر وہ دونوں وہاں سے بھی قلعہ بشتر کی طرف بھاگ نکلے۔ امیر عبداللہ نے حصن بلائی پر قبضہ کر لیا۔ جہاں سے اس کو ایک بڑا خزانہ اور لاتعداد اسلحہ ملا۔ امیر نے استجہ پر قبضہ کر لیا اور آگے بڑھ کر

قلعہ بشتر کا محاصرہ کر لیا لیکن مشورہ دینے والوں نے مشورہ دیا کہ اس تھکی ماندی فوج سے اس مضبوط قلعے کو تسخیر کرنا آسان نہ ہو گا اور واپس جانا ہی بہتر ہو گا۔ امیر عبداللہ نے یہ مشورہ قبول کر لیا اور قرطبہ واپس ہوا۔ واپسی میں البیرہ، ارشذونہ اور جیان کو دوبارہ اپنی اطاعت میں داخل کر لیا۔ اس طرح جنوبی اسپین پر پھر امیر عبداللہ کا اقتدار قائم ہو گیا۔

حصن بلائی کی جنگ نے ایک طرف بنو امیہ کے مردے میں جان ڈالی اور حکومت قرطبہ کی عزت و عظمت کو ایک بار پھر عوام کے دلوں پر بٹھا دیا تو دوسری طرف ابن حفصون کی شہرت و ناموری کو کافی صدمہ پہنچا اور اس کے خواب منتشر ہو کر رہ گئے۔ والی افریقہ ابن اغلب بھی حالات دیکھتے ہوئے ابن حفصون کے ایلچی سے سرد مہری سے پیش آیا اور معذرت کے ساتھ عباسی امداد دینے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ ابن حفصون نے امیر عبداللہ سے صلح کرنے میں ہی عافیت سمجھی تاکہ مہلت کے دوران مزید تیاریاں کر سکے۔ امیر نے بطور یرغمال ابن حفصون کے لڑکے کو طلب کیا۔ ابن حفصون نے اپنے متبنیٰ لڑکے کو بھیجا جس کو امیر عبداللہ نے قبول نہ کیا اور اس کے اپنے حقیقی لڑکے کو طلب کیا۔ ابن حفصون نے اس مطالبے کو قبول نہ کیا اور جنگ دوبارہ شروع ہو گئی۔ ابن حفصون نے حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ وہ تمام علاقے دوبارہ اپنے قبضہ میں کر لئے جن کو امیر عبداللہ نے اس سے چھینے تھے۔ البتہ حصن بلائی اور استجہ پر قبضہ نہ کر سکا اور آئندہ پانچ برس تک اس کی قوت میں کوئی کمی نہ ہوئی بجز اس کے کہ البیرہ اس کے ہاتھ سے جاتا رہا۔

عمر ابن حفصون کی طاقت اب بہت بڑھ چکی تھی جس پر وہ بڑا متکبر اور مغرور ہو گیا تھا۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ وہ عباسیوں سے امداد اور سند امارات حاصل کرنا چاہتا تھا جس میں اس کو ناکامی ہوئی تھی۔ اس ناکامی کی بنا پر وہ عیسائیوں کی طرف مائل ہو گیا اور اسپین کو دوبارہ عیسائی ریاست بنانے کے خواب دیکھنے لگا۔ شمال اور گرد و نواح کی عیسائی ریاستوں کی امداد حاصل کرنے کا اس کے پاس صرف یہی ایک ذریعہ تھا کہ وہ عیسائیت قبول کر لے۔ ۲۸۶ھ / ۸۹۹ء میں مذہب کی تبدیلی اس کے زوال کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ اسپینی مسلمان اس سے الگ ہونے لگے۔ یحییٰ بن انکہ اس کا بڑا سردار تھا الگ ہو گیا۔ اس کا عزیز دوست ابن خلیع جو بربر تھا اور القینظ کا حاکم تھا نہ صرف یہ کہ اس سے الگ ہو گیا۔ بلکہ اس سے لڑائی بھی چھیڑ دی اور امیر عبداللہ کی اطاعت کا اعلان کر دیا۔ ہول نے ابن حفصون کی اس سیاسی غلطی کے متعلق لکھا ہے "اس کا یہ عمل سخت غلطی تھا اور اس نے ایسا کر کے نہ صرف یہ کہ کچھ حاصل نہ کیا بلکہ بہت کچھ گنوا دیا"[1] ابن حفصون کے عیسائی ہوتے ہی امیر عبداللہ کے خلاف

[1] Andalus - Hole P.160 ـا

بغاوتوں اور ایک سپینی حکومت کے قیام کا تصور ختم ہوگیا اور اب جنگ براہ راست عیسائی اور مسلمانوں کے درمیان چھڑ گئی۔ چنانچہ عیسائیوں نے ابن حفصون کی حمایت کا بیڑہ اٹھایا تو مسلمانوں نے اس کے خلاف متحد ہونا بہتر سمجھا تاکہ اسپین میں عیسائی حکومت کے قیام کی کوششوں کو ناکام بنا دیا۔ جائے ابن حفصون کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہو چکا تھا۔ اس لئے جب ابراہیم بن حجاج والی اشبیلہ نے اس سے دوستی کا معاہدہ کیا تو اس نے اس معاہدہ کو اپنے حق میں غنیمت جانا لیکن پھر بھی وہ اس فکر میں رہا کہ امیر قرطبہ سے مصالحت ہو جائے کیونکہ عوام الناس اس طویل ہنگامی دور سے عاجز آ چکے تھے اور امن سلامتی کے متلاشی تھے اس لئے امیر عبداللہ نے ایک بار پھر ۲۸۹ھ / ۹۰۱ء میں ابن حفصون سے صلح کر لی۔ ابن حفصون نے بطور یرغمال اپنے چار معزز افراد قرطبہ بھیج دیئے جن میں ابن مستنہ اور خلف افسر خزانہ تھا۔ یہ معاہدہ بھی عارضی ثابت ہوا اور ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ ابن حفصون نے ابراہیم کے ساتھ مل کر حکومت قرطبہ کے خلاف جنگ چھیڑ دی اور افواج قرطبہ کے سپہ سالار ابن ابی عبدہ پر حملہ کیا لیکن زبردست شکست کھائی ادھر امیر عبداللہ نے اپنے عقلمند وزیر بدر کے کہنے پر ابراہیم بن حجاج کے لڑکے عبدالرحمان کو رہا کر کے ابراہیم کو ممنون احسان بنا لیا جس سے ابراہیم ابن حفصون کی شراکت سے نکل گیا اور امیر قرطبہ کا اطاعت گزار بن گیا اس واقعہ نے تاریخ اسپین کا رخ موڑ دیا۔ اشبیلہ کی بغاوت ختم ہوتے ہی مغربی اسپین کے باقی صوبوں نے الخضراء سے لے کر لبلہ تک امیر عبداللہ کی اطاعت کر لی اور حکومت قرطبہ کی طاقت میں اضافہ ہونے لگا۔

آخری نو برس

امیر عبداللہ کی حکومت کے آخری نو سال حکومت بنو امیہ کی حکومت کو مستحکم کرنے میں گزرے دراصل امیر عبداللہ کے چوبیس سالہ دور حکومت کے یہی نو سال بہترین سال کہے جا سکتے ہیں۔ اطاعت گزار علاقوں سے خراج وقت پر مل جاتا تھا اور خراج وصول کرنے کے لئے فوج بھیجنے کی ضرورت نہ رہی تھی جس کی وجہ سے تمام فوجی قوت ملک کے جنوبی باغی اضلاع میں روانہ کرنے میں آسانی ہو گئی یہ نتیجہ وزیر سلطنت بدر کے عاقلانہ مشورہ کا تھا۔ امیر قرطبہ اس وفادار وزیر کا بے حد ممنون تھا اور اس کے ساتھ ہمیشہ سلوک سے پیش آتا تھا۔ بدر نے بھی پوری طرح حق نمک ادا کیا۔ اس نے مغربی حصے سے مطمئن ہو کر تمام شاہی افواج کو ملک کے جنوبی حصے کی بغاوت ختم کرنے پر لگا دیا اور اس میں حکومت کو زبردست کامیابی حاصل ہوئی۔ ۲۸۹ھ / ۹۰۲ء میں جیان فتح ہوا۔ ۲۹۱ھ / ۹۰۵ء میں ابن حفصون کو وادی بلون میں شکست دی۔ ۲۹۲ھ /۹۰۶ء میں القنیط کا قلعہ ابن خلیع سے

چھین لیا۔ ۲۹۷ھ / ۹۰۷ء ارشذونہ مطیع ہوا۔ اسی سال ابن مستنہ سے نقوش کا قلعہ لے لیا۔ ۲۹۷ھ / ۹۱۰ء میں شہر بیاسہ پر قبضہ کیا۔ ۲۹۸ھ / ۹۱۱ء میں حصن اشہر کے لوگوں نے فضل بن سلامہ کو قتل کر کے امیر عبداللہ کی اطاعت کر لی بلکہ ملک کے شمالی حصہ میں بھی حکومت قرطبہ کو کافی کامیابی حاصل ہوئی۔ ابن حفصون اور خاندان بنو قسی کے سردار محمد بن لب کے درمیان حکومت قرطبہ کے خلاف ایک سازش ہوئی لیکن حاکم سر قسطہ سے لڑائی میں محمد بن لب مارا گیا۔ اس کے لڑکے لب بن محمد نے امیر عبداللہ کی اطاعت کر لی اور امیر نے اس کو تطیلہ اور طرسونہ کی حکومت اسے دے دی۔ لب بن محمد اپنے پڑوسی عیسائی ملکوں یعنی وشقہ لیون، برشلونہ اور نبرہ کے بادشاہوں سے لڑنے میں مصروف رہا اور کسی لڑائی میں مارا گیا۔ امیر عبداللہ نے اس کے بھائی عبداللہ ابن محمد کو اس کی جگہ حاکم بنا دیا۔ اور وہ بھی ان عیسائی ریاستوں سے مشغول رہا اور بنو قسی بنوامیہ کے لئے خطرناک نہ رہے۔

وفات

سیاسی مطلع آفات کے گرد و غبار سے پاک ہو چلا تھا۔ دارالحکومت قرطبہ میں مستقبل کے لئے اچھی امیدیں قائم ہونے لگی تھیں مگر سلطنت کی ترقی کی رفتار بہت سست تھی۔ معاملات نے ابھی تک کوئی اطمینان بخش صورت اختیار نہ کی تھی کہ ۱۵ اکتوبر ۹۱۲ء مطابق ۲۹ صفر ۳۰۰ھ میں امیر عبداللہ نے اپنی عمر کے ۶۸ ویں سال ۲۴ برس حکومت کر کے انتقال کیا۔

محمد بن عبدالرحمان الاوسط سے عبداللہ بن محمد تک

اسپین میں بنوامیہ کا یہ ستر سالہ دور ہنگاموں، بغاوتوں اور فتنہ سامانیوں کا دور تھا۔ اس دور کی کئی خصوصیات سامنے آتی ہیں جن کو پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ یہ دور عبدالرحمان الداخل سے عبدالرحمان الاوسط تک کے دور کا رد عمل تھا۔ جس میں ان کی پالیسیوں کے عملی نتائج سامنے آئے

۲۔ اس دور میں ایک طرف تخت بنوامیہ زوال پذیر دکھائی دیتا ہے اور دوسری طرف قریشی حمیت و شجاعت بھی جوش میں نظر آتی ہے۔

۳۔ عیسائیوں کی جنونی تحریک نے اپنا زہریلا اثر چھوڑا اور عیسائیوں نے اپنے پورے ارمان نکال لئے یہاں تک کہ نومسلم بھی عیسائیوں سے پیچھے نہ رہے اور انہوں نے حکومت پر قبضہ کرنے کی ہر امکانی کوشش کر لی جس کے بعد ان کے حوصلوں کا پست ہونا یقینی تھا

۴۔ مسلسل ۷۰ سال تک مخالفانہ کوششوں کے باوجود بنوامیہ تخت اسپین پر موجود رہے۔ جس سے ان کے استقلال اور اعلیٰ عزم کا پتہ چلتا ہے۔ یہی چیز تھی جس نے ان کے مستقبل کو تابناک بنا دیا۔

۵۔ عرب، بربر، نو مسلم اور عیسائی سب ہی بنوامیہ کے خلاف اپنی قوتوں کو آزما چکے یہاں تک کہ ان کی قوت زائل ہو گئی جس کے بعد تقریباً ایک صدی تک ان کو حکومت کے خلاف کسی زبردست کارروائی کی ہمت نہ پڑ سکی۔

۶۔ اس دور کی فتنہ انگیزی کے خصوصی نتائج یہ نکلے کہ عربی تہذیب اور اسلامی تہذیب کو زوال آگیا اور ایک نئی مسلم اسپینی تہذیب کی داغ بیل پڑی جس نے پھر کبھی بھی کسی تہذیب کو اسپین میں نہ پنپنے دیا۔ عربی تہذیب جو مشرق سے آئی تھی عربی عصبیت میں گم ہو کر محدود ہو گئی۔ اسلامی تہذیب خانقاہوں اور مدرسوں کی زیب و زینت ہو گئی۔

۷۔ اس دور کے بعد آنے والے سلاطین نے جو سبق حاصل کئے وہ اسپین کی مسلم تاریخ کا اہم باب بن گئے۔ عرب، بربر اور دیگر اقوام اسپین قابل اعتماد نہ رہیں اور "تقسیم کرو اور حکومت کرو" کا طریقہ کار اختیار کر لیا گیا اور عوام سے مشورہ کرنے کے طریقہ کو ختم کر دیا گیا

۸۔ اس دور کے ہنگاموں نے عوام کی آنکھیں کھول دیں اور وہ دل سے امن و امان کے خواہاں نظر آنے لگے۔

۹۔ اگر یہ دور ہنگامہ خیزی نہ آتا اور ستر برس تک قتل و غارتگری کا بازار گرم نہ ہوتا تو بعد میں آنے والے اسپین کے حکمرانوں کو شاید زیادہ عرصہ حکومت کرنے کا موقعہ نہ ملتا اور ملک ہمیشہ کے لئے چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم ہو جاتا جن کو ہضم کر جانا عیسائیوں کے لئے زیادہ مشکل نہ رہتا۔ اس طرح مسلمانوں کی ۸۰۰ سالہ تاریخ ۴۰۰ سال یا اس سے بھی کم پر ختم ہو جاتی۔

۱۰۔ اس دور نے بنوامیہ کو وہ سبق سکھایا جو شاید وہ امن و سکون کی زندگی میں نہ سیکھ پاتے۔ ان کے اندر، اتحاد، عزم و استقلال، شجاعت و دلیری اور ذہانت و ذکاوت کو اس قدر اجاگر کر دیا کہ بڑی سے بڑی مصیبت بھی ان کے سامنے ہیچ ہو گئی۔ تاریخ اقوام عالم کا یہ کلیہ ہے کہ "بہادر سے بہادر قوم کو امن و آشتی کا طویل دور بزدل نکما اور کمزور اور کمزور قوم کو مصائب و ابتلاء کا مختصر ترین دور بہادر اور چست و چالاک بنا دیتا ہے" یہی سب کچھ بنوامیہ کے ساتھ ہوا۔ جس کا ثبوت بعد کے آنے والے سلاطین نے پیش کر دیا۔ قوموں کے عروج و زوال کی تاریخ میں ہنگامہ خیزی کے دور بہت سے نتائج کے حامل رہے ہیں۔ اس ۷۰ سالہ دور کو بھی اگر بغور دیکھا جائے تو وہ نتائج ہمارے سامنے آئے ہیں

جو کافی نتیجہ خیز ہیں اور جن کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اس دور کے جائزے میں اگر بغاوتوں کے اسباب کا مطالعہ بھی کر لیا جائے تو بے جا نہ ہو گا کیونکہ ان بغاوتوں کے پس پردہ بھی بہت سے عوامل کار فرما تھے جو صرف سیاسی ہی نہ تھے بلکہ عوامی حیثیت بھی رکھتے تھے جن کا مطالعہ کرنا ضروری ہو گا۔

(الف) اسپین کی سرزمین کے لئے یہ ہنگامے اور بغاوتیں کوئی نئی چیز نہ تھے۔ عربوں نے جب سے اس سرزمین پر قدم رکھا تھا تب ہی سے یہ وبائیں پھوٹ پڑی تھیں۔ گو اولوالعزم امیران بنوامیہ نے اپنی انتھک محنت اور صحیح تدابیر سے ملک کے سیاسی حالات پر بڑی حد تک قابو پالیا تھا پھر بھی وہ عوام کے دلوں کو مسخر نہ کر سکے تھے۔ عوام میں عرب' بربر' عیسائی اور نو مسلم تھے۔ عربوں اور بربروں کی تعداد عیسائیوں اور نو مسلموں کے مقابلہ میں بہت کم تھی لیکن پھر بھی عرب ان پر حکمران تھے۔ اوپر تذکرہ کر دیا گیا ہے کہ عربوں کے متکبرانہ رویے اور غیر عرب اقوام سے ان کی بے رخی نے تقریباً سارے ہی ملک کے رہنے والوں کو ان سے بدظن کر دیا تھا۔ حکومت کا انداز چونکہ فوجی تھا۔ اس لئے اس کو فوج کی فراہمی کے لئے تمام قوموں سے یکساں سلوک کرنا پڑتا تھا۔ دور ولایت کے تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قرطبہ کے امیروں نے اس بات کی ضرور کوشش کی کہ عربی غرور و تکبر کو ختم کر کے عربی تہذیب کو نظرانداز کر دیا جائے تاکہ غیر عرب اقوام کے قلوب مسخر کر لیں اور عربوں کی قبائلی کشمکش سے نجات مل سکے۔ یہ نظراندازی ہمیں عبدالرحمان الاوسط کے زمانہ میں عروج پر نظر آتی ہے جس میں زریاب اپنے نت نئے فیشنوں سے ایک نئی تہذیب کو جنم دے رہا تھا۔ اس سے ایک طرف تو عرب حکومت کے خلاف ہو گئے اور موقع کی تلاش میں رہے کہ حکومت کا تخت الٹ دیں دوسری طرف اسپینی نو مسلم 'عربوں اور حکومت دونوں سے بیزار تھے کیونکہ ایک تو مسلم معاشرہ میں ان کو صحیح مقام نہ دیا گیا تھا دوسرے عربوں کی طرف سے ان کی بے عزتی و رسوائی کا سلسلہ جاری تھا۔ باوجود اس کے کہ حکومت نے عیسائیوں سے کافی روادارانہ سلوک کیا تھا لیکن پھر بھی سخت ناراض تھے کیونکہ ان کے نزدیک ان کی مذہبی جنونی تحریک کو حکومت نے تشدد کے ساتھ دبایا تھا حالانکہ یہ تشدد خود ان کی اپنی بے ہودہ حرکات اور متعصب راہبوں کی گمراہ کن باتوں کا نتیجہ تھا۔ الغرض سارے عوامی عناصر حکومت سے ناراض تھے اور کبھی جدا اور کبھی متحد ہو کر امیران قرطبہ کے خلاف کارروائی کرنے سے باز نہ آتے تھے۔

(ب) اس دور کی ہنگامہ خیزی کے پس پردہ امیران بنوامیہ اسپین کا وہ رویہ بھی کار فرما تھا جو وہ اپنے

عوام سے روا رکھتے تھے۔ بادشاہ کو یہ اختیار تو ضرور ہوتا تھا کہ وہ اپنی رعایا سے جس طرح چاہے پیش آ سکتا تھا لیکن اس کے اچھے برے اثرات کو مرتب ہونے سے نہیں روک سکتا تھا۔ عبدالرحمٰن الداخل اور اس کے لڑکے ہشام اول نے عوام سے اپنا رابطہ اچھی طرح قائم رکھا اور اسلامی تہذیب کو اس ملک میں مستحکم کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ عوامی نمائندوں کو اپنے قریب کیا لیکن حکم اول کی بے راہ روی اور عوام پر شدید ظلم و ستم نے نہ صرف یہ کہ مسلمان بلکہ نو مسلم اور غیر مسلم سب کو خاندان بنوامیہ سے ناراض کر دیا جس کا ثبوت طلیطلہ کی عظیم بغاوت اور پھر قتل عام ہے جس میں عیسائیوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ اس کے بعد عیسائیوں کی آزاد ریاست اشتور اس (ASTURIS) کا پلایو کے ہاتھوں قائم ہونا بھی اس بات کا ثبوت فراہم کرتا ہے کہ عیسائی اور نو مسلم بے اطمینانی کا شکار تھے۔ عبدالرحمان الاوسط ایک نرم طبیعت قسم کا شخص تھا اور وہ ہر ایک کو خوش رکھنا چاہتا تھا لیکن پھر بھی عیسائیوں کی مذہبی جنونی تحریک نے یہ بات ثابت کر دی کہ ملک کی غیر مسلم اکثریت حکومت کی مطیع نہیں رہی۔ سلاطین اسپین کی غلط پالیسیوں کے نتائج اس وقت تک سامنے نہ آ سکے جب تک حکومت طاقتور رہی لیکن جیسے ہی حکومت کمزور ہوئی سب دبے ہوئے فتنے ایک ایک کر کے باہر آنے لگے۔ اگر غور کیا جائے تو امیر محمد ہی ان فتنوں کے ابھرنے کا باعث بنا تھا گو وہ خود عیاش طبع نہ تھا بلکہ پرہیز گار عادل اور عفو درگزر والا تھا لیکن مدبر نہ تھا۔ اس کی طبیعت کی کفایت شعاری بخل کی شکل اختیار کر گئی تھی۔ اکثر ایسے واقعات بھی سامنے آئے کہ امیر محمد نے مال و دولت خرچ کر کے فوج کشی کرنے کی بجائے باغیوں سے صلح کر لی۔ بڑی بڑی تنخواہ پانے والے تجربہ کار عہدہ داروں کو علیحدہ کر کے کم تنخواہ پر ناتجربہ کار افراد کو مقرر کیا جس سے انتظامی ڈھانچہ کمزور ہو گیا۔ یا عیسائیوں سے فطرتاً یا مذہبی طور پر سخت نفرت کرتا تھا اور ان پر تشدد سے بھی باز نہ آتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ عیسائیوں کی جنونی تحریک کا خاتمہ اسی کے زمانے میں ہوا۔ عمر ابن حفصون کو بھی چھوٹ اس لئے دے دی کہ اس کے خلاف کارروائی کرنے میں بڑے اخراجات ہوتے تھے۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ابن حفصون مولدین کا سرغنہ بن گیا۔ منذر بن محمد ایک باصلاحیت شخص تھا ممکن تھا کہ وہ حالات کو سدھارنے میں کامیاب ہو جاتا لیکن ایک سال کے اندر ہی مار ڈالا گیا۔ عبداللہ بن محمد ایک ناکارہ اور بے صلاحیت فرد تھا۔ نہ مرد میدان تھا نہ مرد سیاست۔ عزم و استقلال سے بے بہرہ اور وزراء کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی تھا۔ ایسی صورت میں بغاوتوں کا خاتمہ کیا ہوتا چنانچہ بہت سی آزاد ریاستیں معرض وجود میں آ گئیں۔ الغرض بنوامیہ اسپین کا یہ ستر سالہ دور مرحوم سلاطین کے تشدد، بے جا رواداری،

تعصب اور بد نظمی کے رد عمل کا صحیح نقشہ تھا۔

(ج) اس ہنگامی دور کے پس پردہ وہ جذبہ بھی کار فرما تھا جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ یعنی اپنی اپنی تہذیب اور طرز معاشرت کی بقا عرب اپنی اس تہذیب کو دوبارہ بر سر اقتدار لانا چاہتے تھے جو دمشق میں تھی لیکن ان کی آپس کی قبائلی جنگوں نے حکومت قرطبہ کو اس بات پر مجبور کر دیا کہ ان کو پیس کر رکھ دے تاکہ ان کے ہر قبیلہ کی خواہش پوری نہ ہو سکے کہ اس کے ہی قبیلے کا کوئی فرد بر سر اقتدار ہو عرب قبائل کی خواہش کو دیکھتے ہوئے دیگر اقوام نے بھی اپنی خواہش کا احترام کرانا چاہا۔ جس کے نتیجہ میں طویل خانہ جنگی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ حکومت قرطبہ نے اپنے آپ کو بچانے کے لئے نئی نئی قوموں کا سہارا لینا شروع کیا۔ مثلاً حکم اول کو مقابلہ کا سہارا لینا اور عبد الرحمان الاوسط کو بربروں اور نو مسلموں کو اپنا بنانا پڑا۔ عیسائیوں کو اپنی تہذیب اور مذہب کے مٹنے کا غم کھائے جا رہا تھا جس کو بچانے کے لئے انہوں نے ہاتھ پیر مارے۔ نو مسلموں نے کچھ عرصہ تک صبر کیا اور اس بات کے منتظر رہے کہ مسلم معاشرہ میں کب ان کو مقام ملتا ہے لیکن جب کوئی مثبت نتیجہ نکلتا نہ دیکھا تو تحریک مولدین کی شکل میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ بربروں نے بھی اپنی انفرادیت کو بچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ غرض ہر قوم کو اپنی بقا کی فکر دامن گیر تھی۔ وہ اپنے اپنے دائرہ عصبیت میں گھوم رہی تھیں۔ ایسی صورت میں حکومت سے وفاداریاں ختم ہونے لگیں اور خود غرضانہ ماحول پیدا ہو گیا۔

اگر ان فتنوں اور بغاوتوں کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ ستر سالہ دور انفرادی قبائلی اور قومی تحفظ کا دور تھا جس میں عامتہ الناس نے تحفظ کی تمام تدابیر اختیار کر لی تھیں۔ ایسی حالت میں بغاوت، جنگ، دھوکہ اور چالبازی غرض ہر جائز و ناجائز کو روا کر لیا گیا تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ یہ پر فتن دور بنو امیہ اسپین کا نزاعی دور تھا اور وہ فنا و بقاء کی کشمکش میں مبتلا تھے۔ اگر عبد الرحمان الناصر تخت اسپین پر نہ آتا تو کوئی تعجب نہیں کہ بنو امیہ کا خاتمہ ہو چکا ہوتا اور پھر یہ بنو امیہ کی خوش بختی ہی تھی کہ ایک تو اس ملک کے ہوس اقتدار میں ڈوبے ہوئے افراد خود آپس ہی میں الجھ گئے دوسرے عمر ابن حفصون کے عیسائیت کے اعلان نے اس کے ارادے باطل کر دیئے ورنہ اسپین کی تاریخ کا رخ کچھ اور ہی ہوتا۔

باب ۷

خلافت بنو امیہ اسپین

خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث الناصر بن محمد

۳۰۰ھ/۹۱۲ء تا ۳۵۰ھ/۹۶۱ء

تخت نشینی

۲۲ سال کی عمر میں عبدالرحمٰن ثالث اپنے دادا عبداللہ کی وفات کے بعد تخت قرطبہ پر بیٹھا۔ یہ محمد کا لڑکا تھا۔ ڈوزی نے ابن عذاری کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''امیرزادہ محمد وہی ہے جس کو باپ کے اشارے پر اس کے بھائی مطرف نے قتل کرا دیا تھا۔'' امام الدین صاحب نے بھی یہی تحریر کیا ہے کہ ''عبداللہ نے محمد کو قتل کرا دیا تھا۔'' ابن خلدون نے اپنی رائے کا اظہار اس طرح کیا ہے کہ ''محمد کے بھائی مطرف نے اس کی شکایتیں کر کے امیر عبداللہ کے کان بھرنا شروع کئے۔ یہاں تک کہ امیر عبداللہ کے دل میں محمد کی طرف سے غبار پیدا ہو گیا۔ محمد کو جب اس کا علم ہوا تو وہ جان کے خوف سے ابن حفصون کے پاس بھاگ گیا۔ کچھ روز بعد امیر عبداللہ سے امان حاصل کر کے پھر واپس آ گیا۔ مطرف نے دوبارہ شکایتوں کا دفتر کھول دیا۔ حتیٰ کہ امیر نے محمد کو محل سراء میں قید کر دیا۔ اتفاق سے انہی دنوں امیر عبداللہ کو قرطبہ سے باہر جانا پڑا۔ چنانچہ مطرف کو نائب بنا کر چلا گیا۔ مطرف کو اپنی دلی خواہش پوری کرنے کا موقعہ مل گیا اور اس نے محمد کو کھانے میں زہر دے کر مروا ڈالا۔ امیر عبداللہ کو اپنے بیٹے محمد کے مارے جانے کا دلی صدمہ ہوا اور اس نے محمد کے لڑکے عبدالرحمٰن کو شاہی محل میں داخل کر لیا اور خاص اپنی نگرانی میں اس کی پرورش کرنے لگا۔ اس وقت عبدالرحمٰن کی عمر صرف ۲۰ دن کی تھی۔[1]'' ابن خلدون کی یہ روایت اس لئے صحیح معلوم ہوتی ہے کہ بعد میں امیر عبداللہ نے مطرف کو محمد اور وزیر السلطنت کے قتل کی سزا میں مار ڈالا اور عبدالرحمٰن کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ تعجب یہ ہے کہ اس تقرری کی مخالفت میں کوئی آواز بلند نہیں ہوئی۔

عبدالرحمٰن بن محمد نے ۱۷ سال کی عمر ہی سے حکومت کے کاموں میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ وہ جلد ہی اپنی بے مثال شجاعت اور اعمال حسنہ سے عوام کا منظور نظر ہو گیا تھا۔ چنانچہ جس وقت تخت

---

[1] ابن خلدون جلد ۵ صفحہ ۳ (اردو ترجمہ)

قرطبہ پر بیٹھا تو گمان غالب تھا کہ اس کے عزیز دار اور چچا اس کی اطاعت نہ کریں گے اور کم عمر سمجھ کر اس کو تخت سے ہٹادیں گے۔ لیکن برخلاف اس گمان کے کسی نے اس کے خلاف آواز تک نہ اٹھائی اور بخوشی اطاعت گزار بن گئے جس سے اس کی بے مثال صلاحیتوں، حسن کارکردگی اور مقبولیت عام کا پتہ چلتا ہے۔

ملک کی حالت

جس حالت میں ملک کی باگ دوڑ عبدالرحمٰن ثالث کے ہاتھوں میں آئی اس کو کسی بھی صورت میں اطمینان بخش نہیں کہا جاسکتا تھا۔ گو امیر عبداللہ کے آخری دور میں حکومت کو کچھ کچھ استحکام حاصل ہونے لگا تھا اور حالت قدرے معمول پر آنے لگی تھی لیکن ابھی تک ملک میں خود مختار آزاد حکومتیں قائم تھیں۔ صوبوں کے حاکم نیم آزاد تھے اور ایک دوسرے سے دست و گریباں تھے۔ عوام کی بے باکی اور غداری کا یہ حال تھا کہ جب بھی اور جہاں کہیں موقعہ ملتا ہتھیار سنبھال لیتے اور صوبے کے حاکم کو قتل کردیتے تھے۔ قزاقوں اور لٹیروں نے پہاڑوں کو اپنا مسکن بنالیا تھا اور عوام کو ہراساں اور پریشان کرتے رہتے تھے۔ حکومت کا رعب و دبدبہ قرطبہ اور حوالی قرطبہ میں کچھ واجبی سا رہ گیا۔ زراعت تباہ ہوچکی تھی۔ صنعت تقریباً ختم اور تجارت نہ ہونے کے برابر تھی۔ جیان کے صوبہ میں زبردست قحط پڑرہا تھا۔ جہاں کے عوام کثرت سے علاقہ چھوڑ کر افریقہ اور دیگر علاقوں میں جابسے تھے۔ ملک کی ایسی حالت میں امیر عبدالرحمٰن ثالث نے تخت قرطبہ پر قدم رکھا اور اس نے بغور اپنے دادا کے زمانہ کا مطالعہ کیا تھا اور حکومت کی کمزوریوں سے پوری طرح واقف ہوا۔ اس نے بغاوتوں اور سرکشیوں کی وجوہات کا بھی مطالعہ کیا تھا۔ جس کی بناء پر اس نے پہلے ہی سے حکومت کا ایک منصوبہ بنالیا تھا۔ چنانچہ تخت پر آتے ہی امیر عبداللہ کی پیچیدہ اور متذبذب سیاست کی جگہ ایک بے باک اور صاف طرز عمل اختیار کیا۔ جس میں عزم بھی تھا اور استقلال بھی۔ سب سے پہلے اس نے اعلان عام کرادیا کہ کسی بھی قسم کی بغاوت برداشت نہیں کی جائے گی۔ ہمیں صرف خراج ہی نہیں چاہئے بلکہ شہر اور قلعہ بھی درکار ہیں۔ جو لوگ اطاعت قبول کریں گے۔ ان کو پوری معافی دی جائے گی ورنہ دوسری صورت میں عبرتناک سزا دی جائے گی۔ اس بات کا پورا احتمال تھا کہ اس اعلان کے بعد پورا اسپین بنوامیہ کے خلاف اٹھ کھڑا ہوگا لیکن ایسا نہ ہوا۔ ایک تو اس وجہ سے کہ باغیوں کے سرغنوں کی یا تو موت ہوچکی تھی یا وہ کمزور اور بوڑھے ہوچکے تھے۔ مثلاً عرب سرداروں سعید بن جودی، کریب ابن خلدون، ابراہیم بن حجاج مرچکے تھے۔ ان کے جانشین صاحب عقل و تدبیر نہ تھے۔

ابن حفصون اور دیگر اپینی باغی اس قدر کمزور اور بوڑھے ہوچکے تھے کہ مقابلے کی ہمت نہ رکھتے تھے۔ عوام الناس طویل خانہ جنگی اور ملک کی اقتصادی حالت سے سخت پریشان تھے اور امن و سلامتی کی راہ کے متلاشی تھے۔ چنانچہ امیر عبدالرحمٰن ثالث کے اس اعلان کا رد عمل یہ ہوا کہ عوام میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور وہ زیادہ سے زیادہ امیر کی اطاعت میں داخل ہوگئے۔

بغاوتوں کا خاتمہ

امیر عبدالرحمٰن ثالث نے تقریباً تین ماہ سلطنت کے انتظام اور فوج کی ترتیب میں صرف کئے۔ پھر یہ اولوالعزم امیر بذات خود باغیوں کی سرکوبی کے لئے قرطبہ سے نکلا۔ ایک عرصہ سے عوام اور سپاہ نے اپنے امیر کو اس طرح سپہ سالاری کرتے نہ دیکھا تھا۔ جب عبدالرحمٰن ثالث کو اس طرح دیکھا تو ان کے حوصلہ بلند ہوگئے۔ ان کا حب الوطنی اور اطاعت گزاری کا جذبہ عود کر آیا اور وہ اپنی جان و مال کے ساتھ امیر کے ساتھ شریک ہوگئے۔ پہلا حملہ استجہ پر ہوا اور شہر والوں نے بغیر مزاحمت کے ہتھیار ڈال کر اطاعت قبول کرلی۔ دوسری مہم البیرہ اور جیان کے صوبوں کے لئے روانہ ہوئی۔ صوبہ جیان کے قلعہ منت لیون پر حملہ ہوا۔ گو وہاں کا حاکم سعید بن ہذیل ابن حفصون کا بڑا دوست تھا لیکن اس نے امیر سے لڑنے کے بجائے صلح کرلی اور قلعہ کو امیر کے حوالے کردیا۔ ابن شالبہ' اسحاق بن ابراہیم حاکم منت شنہ اور دیگر سرداروں نے جو بہت سے قلعوں کے مالک بن بیٹھے تھے اطاعت کا طوق اپنی گردنوں میں بخوشی ڈال لیا اور اس میں اس قدر جلدی کی کہ امیر عبدالرحمٰن ثالث کے پہنچنے کا بھی انتظار نہ کیا۔ امیر نے ان سرداروں کو مع اہل و عیال کے قرطبہ روانہ کیا اور قلعوں میں اپنی فوج متعین کردی۔ امیر صوبہ البیرہ میں داخل ہوا اور بغیر کسی خاص مزاحمت کے قلعہ فنانہ تک پہنچ گیا۔ یہ مستحکم قلعہ ابن حفصون کے ساتھیوں کے قبضہ میں تھا اور سخت لڑائی کی امید تھی لیکن معمولی جھڑپ کے بعد اہل قلعہ نے اطاعت کرلی۔ باغیوں کے علاوہ تمام شہریوں کو امان دے دی گئی۔ صوبہ البیرہ کے باغی بربر قبیلے بنو مہلب نے بھی اطاعت قبول کرلی۔ البیرہ اور جیان کی سرحد پر ایک مضبوط قلعہ منت ربیہ سرکش اور فتنہ پرداز عیسائیوں کا مسکن بنا ہوا تھا۔ امیر نے اس پر بھی قبضہ کرکے باغیوں اور سرکشوں کا پوری طرح قلع قمع کردیا۔ اس کے بعد تو یکے بعد دیگرے حصن' شیلس' اشلوبانیہ' شنت' اشیسان' اور بنو فراطہ کے قلعے قبضے میں آگئے۔ یہ تمام علاقے قزاقوں اور لٹیروں کا مسکن تھے۔ اور البیرہ اور غرناطہ کے لئے مصیبت کا باعث بنے ہوئے تھے۔ چنانچہ تمام قزاقوں اور لٹیروں کو ختم کردیا گیا۔ جو حکومت کے خلاف تھے ان کو سخت سزائیں دی گئیں۔ لیکن عام طور پر عفو و درگزر سے کام لیا گیا۔ اس تمام علاقہ میں امن قائم رکھنے کے لئے قلعوں میں تجربہ کار فوجی افسروں کو

متعین کیا گیا۔ ابھی تین ماہ بھی نہ گزرے تھے کہ یہ دونوں صوبے زیر کر لئے گئے۔[1]

اشبیلہ کے بنو حجاج کی اطاعت

قبل ازیں بتایا جا چکا ہے کہ اشبیلہ پر ابراہیم بن حجاج آزاد اور خود مختار بن گیا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کا بڑا لڑکا عبدالرحمٰن اشبیلہ پر اور چھوٹا لڑکا محمد قرمونہ پر حاکم ہوا تھا۔ ۳۰۱ھ / ۹۱۳ء میں عبدالرحمٰن کے مرنے کے بعد محمد نے چاہا کہ اشبیلہ پر بھی قبضہ کر لے لیکن اہل اشبیلہ محمد کو ناپسند کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے محمد کے چچا زاد احمد بن مسلمہ کو اپنا حاکم مقرر کر لیا۔ محمد بن ابراہیم نے اس معاملہ میں عبدالرحمٰن ثالث کی مدد مانگی۔ امیر نے اس کی درخواست منظور کر لی اور جلد ہی شاہی افواج نے اشبیلہ کا محاصرہ کر لیا۔ احمد بن مسلمہ میں شاہی فوج سے لڑنے کی طاقت نہ تھی۔ چنانچہ ابن حفصون سے مدد مانگی۔ عمر ابن حفصون فوراً کمک لے کر مدد کو پہنچا لیکن وقت بدل چکا تھا اور امیر عبدالرحمٰن ثالث کا ستارہ عروج پر تھا۔ چنانچہ ابن حفصون اور احمد بن مسلمہ نے وادی الکبیر کے داہنے کنارے پر شاہی فوجوں کا مقابلہ کیا اور دونوں نے بری طرح شکست کھائی۔ ابن حفصون بدحواس ہو کر قلعہ ببشتر کی طرف بھاگ گیا۔ احمد بن مسلمہ نے بحالت مجبوری وزیر حکومت قرطبہ بدر کی معرفت امیر سے صلح کی بات چیت کی۔ چنانچہ باعزت شرطوں پر صلح ہو گئی اور شاہی فوج اسی سال دسمبر کے مہینے میں اشبیلہ میں داخل ہوئی۔ محمد بن ابراہیم اس صلح سے سخت مایوس اور غصہ کی حالت میں قرمونہ چلا گیا اور حکومت قرطبہ کے خلاف بغاوت کا علم بلند کر دیا۔ امیر عبدالرحمٰن نے اس سے لڑائی نہ چھیڑی بلکہ اپنے قاصد قاسم بن ولید کلبی کو اس کو سمجھانے کے لئے بھیجا۔ قاسم نے نہایت ہوشیاری اور لیاقت سے ایسا شیشہ میں اتارا کہ محمد قرطبہ جانے کو تیار ہو گیا مگر اس شرط پر کہ قرمونہ میں اس کا نائب حاکم ہو گا۔ امیر نے اس کی یہ شرط قبول کر لی اور محمد بن ابراہیم قرطبہ چلا آیا۔ امیر عبدالرحمٰن ثالث نے اس کی بڑی خاطر کی اور اس کو قلمدان وزارت دے کر حاجب کبیر کا خطاب عطا کیا اور ایک نئی مہم میں اس کو شریک ہونے کا حکم دیا۔[2]

عمر بن حفصون کا خاتمہ

یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ عمر بن حفصون جنوبی اسپین کے عیسائیوں اور نومسلموں کا رہبر اور سردار بن چکا تھا اور مولدین کی تحریک آزادی کا ہیرو تصور کیا جانے لگا تھا۔ جس وقت امیر عبدالرحمٰن ثالث

---

[1] عبرت نامہ اندلس جلد ۳ ص ۶۳۵ [2] ایضاً ص ۶۳۷

تخت پر رونق افروز ہوا اور اس امیر کا کردار اور عمل جب لوگوں کے سامنے آیا۔ جس میں انصاف پسندی، رواداری اور عفو و درگزر کا پہلو نمایاں تھا تو عوام بنو امیہ کے تخت کو ختم کرنے کے جذبہ کو بھلا بیٹھے اور اس بات کے خواہشمند نظر آنے لگے کہ امن و سلامتی حاصل ہو جائے۔ متواتر خانہ جنگیوں نے ان کو تھکا دیا تھا اور ان میں وہ پہلا سا جوش و جذبہ باقی نہ رہا تھا۔ خستگی، بدحالی اور پست ہمتی کی علامات ان میں ظاہر ہونے لگی تھیں۔ ابن حفصون ایک ہوشیار آدمی تھا وہ حالات کو سمجھ گیا۔ چنانچہ اس نے پہلے تو قومی آزادی کے نام سے لوگوں کو اپنے ساتھ ملائے رکھا پھر یہ کوشش کی کہ عباسی خلافت سے مدد حاصل کرے اور اسپین کا امیر بن جائے۔ لیکن وہ ہر طرف سے ناکام و نامراد ہوا۔ اب توکوہستان ریہ کے باشندے بھی اس کی فوج میں کم داخل ہونے لگے تھے۔ جس کی وجہ ابن حفصون نے افریقہ سے بربروں کو بڑی تنخواہ پر اپنی فوج میں بھرتی کیا۔ یہ بربر حریص اور لالچی تھی۔ جان لڑا کر لڑنا نہ جانتے تھے۔ ابن حفصون نے حالات کے رخ دیکھتے ہوئے ۲۹۷ھ/۹۰۹ء میں فاطمی عبید اللہ الشیعی کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا[1] لیکن اس سے بھی اس کو خاص فائدہ نہ پہنچا۔

عمر بن حفصون نے اور اس کے دوست ابن مستنہ نے عیسائیت قبول کر لی۔ جس کے بعد اس کی تمام لڑائیاں نہ قومی پیمانے پر تھیں اور نہ ان کا تعلق آزادی اسپین سے رہ گیا تھا بلکہ ان جنگوں نے مذہبی حیثیت اختیار کر لی۔ کیونکہ اب ابن حفصون کی یہ کوشش تھی کہ اسپین میں عیسائیت کا فروغ دوبارہ ہو جائے چنانچہ اس نے اپنے علاقے میں بڑے بڑے گرجہ گھر تعمیر کئے اور فوج کے بڑے بڑے عہدوں سے نو مسلموں کو ہٹا کر عیسائیوں کو مقرر کیا۔ چنانچہ ببشتر کا علاقہ نصرانی تعصب کا مرکز بن گیا۔ اسپینی مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ عربوں سے عداوت رکھنے کے باوجود اسلام سے ان کو بے حد شغف تھا۔ دوسری طرف بقول البیان المغرب "سرف اور غلاموں کی اولادوں کو عیسائی گاتھ حکومت کے تلخ تجربات یاد تھے۔ اس لئے وہ کبھی بھی یہ پسند نہ کرتے تھے کہ عیسائی دوبارہ اسپین کے مالک ہو جائیں[2]۔ کیونکہ ایسا ہونے کی صورت میں وہ ان تمام سہولتوں سے محروم ہو جاتے جو مسلمانوں نے ان کو دی تھیں چنانچہ ایک بار پھر مذہب ایک ایسی چنگاری بن گیا جس سے ہر طرف آگ لگائی جانے لگی۔ اسپینی عیسائی اور اسپینی مسلمان ایک دوسرے کو عداوت کی نگاہ سے دیکھنے لگے اور بعض علاقوں میں تو سخت کشت و خون ہوا۔ ایسی صورت میں حفصون کے طرفدار صرف عیسائی یا افریقہ کے تنخواہ دار ہی رہ گئے اور اس کے بہت سے قریبی دوستوں نے امیر عبد الرحمن ثالث کی اطاعت کر لی۔

---

[1] عبرت نامہ اندلس جلد ۲ ص ۲۶۹ ، [2] 1. Andalus - Hole - P.164

امیر نے وادی الکبیر پر ابن حفصون کو شکست دینے کے بعد کوہستان ریہ کا رخ کیا۔ جگہ جگہ پر ابن حفصون کے عیسائی ساتھیوں نے امیر کا مقابلہ کیا لیکن پھر بھی شاہی فوجیں مقام طلوش تک پہنچ گئیں جہاں پر ابن حفصون خود موجود تھا۔ اس نے زبردست مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی اور طلوش اور دیگر قلعے اس کے ہاتھ سے نکل گئے۔ شاہی فوجیں ان پر قابض ہو گئیں۔ ان حالات میں ابن حفصون اس قدر تنگ رہنے لگا کہ کھانے پینے کی اشیاء تک اس کو افریقہ سے منگوانا پڑتی تھیں۔ شاہی بحری جہازوں نے اس کے کئی جہاز پکڑ لئے تھے جو افریقہ سے اس کے لئے رسد لا رہے تھے۔ بالآخر ابن حفصون کو جس کا عیسائی نام شموئیل تھا ۳۰۴ھ/۹۱۷ء میں موت نے آدبوچا۔ ابن عذاری نے لکھا ہے کہ "اس سال کافروں کا سردار، رئیس المنافقین، خانہ جنگیوں کو بھڑکانے والا، باغی اور سرکشوں کا پشت پناہ عمر ابن حفصون (شموئیل) مرگیا[1]"

عمر ابن حفصون بلاشبہ ایک بہادر اور مدبر شخص تھا۔ اس نے بڑی شجاعت و مردانگی سے اسپین کے چار فرمانرواؤں کا مقابلہ کیا۔ وہ دھوکہ بازی اور سیاست میں بھی کم نہ تھا۔ لیکن پھر بھی اس نے اپنی قوم کے ہیرو ہونے کا وافر ثبوت فراہم کیا۔ اس کے زوال کا سب سے بڑا سبب عیسائی ہونا تھا۔ اگر وہ مسلمان رہتا تو بلاشبہ پوری اسپینی قوم اس کی وفادار رہتی اور کوئی تعجب نہیں کہ وہ اپنی نسلی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتا اور پھر موجودہ تاریخ اسپین سے کچھ مختلف ہی تاریخ لکھی جاتی۔

بنی حفصون کا خاتمہ

عمر ابن حفصون نے چار لڑکے چھوڑے تھے۔ جعفر، سلیمان، عبدالرحمٰن اور حفص۔ جعفر اپنے باپ کا جانشین ہوا۔ لیکن جب عبدالرحمٰن نے قلعہ بشتر کے محاصرے میں اس نے براہ راست بات چیت کی تو اس نے خراج ادا کرنے پر صلح کرلی۔ (۳۰۶ھ/۹۱۹ء) میں جعفر نے اپنے باپ کے مسلمان دوستوں کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے اور ان کی ناراضگی دور کرنے کے لئے دوبارہ مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا جو ایک فاش سیاسی غلطی تھی کیونکہ اب کوئی بھی امیر کی اطاعت سے باہر نہ تھا۔ اس طرح سے نہ صرف یہ کہ جعفر اس کوشش میں ناکام رہا بلکہ ۳۰۷ھ/۹۲۰ء میں انتقاماً اپنے عیسائی سپاہیوں کے ہاتھوں قتل کر دیا گیا۔ سلیمان اس کا جانشین ہوا لیکن معاہدہ امن کو برقرار نہ رکھ سکا اور شاہی لشکر سے لڑتا ہوا ۳۱۴ھ/۹۲۷ء میں مارا گیا۔ حفص اس کا جانشین ہوا لیکن اب اس خاندان کی تباہی قریب آچکی تھی۔ ۳۱۵ھ/۹۲۸ء میں قلعہ بشتر کو امیر عبدالرحمٰن ثالث نے فتح کرلیا اور حفص

---

[1] Andalus - Hole - P.164

گرفتار کرلیا گیا۔ بعد میں اس نے شاہی فوج میں شامل ہوکر خدمات انجام دیں۔ اس طرح خاندان حفصون کا خاتمہ ہوگیا اور قلعہ بشتر بھی قبضہ میں آگیا جس نے پچاس برس تک اپنے رہنے والوں کو حکومت قرطبہ سے محفوظ رکھا تھا۔

علاقہ تدمیر کی اطاعت

جنوبی اسپین میں امن و امان قائم کرنے اور باغیوں کی سرکوبی کے بعد امیر عبدالرحمٰن ثالث نے ملک کے دوسرے حصوں کی طرف اپنی توجہ مبذول کی۔ ۳۱۶ھ / ۹۲۸ء میں ایک مہم علاقہ تدمیر کے ایک باغی شیخ اسلمی کے خلاف روانہ کی گئی۔ احمد بن اسحاق شاہی فوج کا سردار تھا۔ احمد نے جلد ہی اسلمی کے تمام قلعوں پر قبضہ کرلیا۔ شیخ نے مجبوراً اطاعت قبول کرلی اور وہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ قرطبہ بھیج دیا گیا۔ ماردہ، شنترین اور باجہ کے قلعے بھی اسی سال قبضہ میں آگئے۔ ایک اسپینی خلف بن بکر حاکم اکشنوبہ نے خراج ادا کرنے پر رضامندی ظاہر کرکے اطاعت قبول کرلی۔ امیر قرطبہ نے خلف کی عوام میں مقبولیت محسوس کرکے اس کو اس علاقہ کا حاکم برقرار رکھا۔ ابن مروان جلیقی کی اولاد بطلیوس پر حکمرانی کررہی تھی۔ امیر عبدالرحمٰن نے جب بطلیوس کا رخ کیا تو اس کو سخت مزاحمت کا سامنا ہوا۔ لیکن ایک سال کے محاصرے کے بعد یہ شہر بھی ۳۱۸ھ / ۹۳۰ء میں فتح ہوگیا۔

طلیطلہ پر قبضہ

اب امیر کے سامنے طلیطلہ کو مہم تھی۔ امیر نے پہلے تو اہل طلیطلہ کو سمجھانے کے لئے ایک وفد بھیجا کہ وہ دیگر علاقوں کی طرح امیر کی اطاعت کریں۔ لیکن طلیطلہ والے ۸۰ برس سے آزادی کے مزے اڑا رہے تھے اور وہ اس کے اس قدر عادی ہوچکے تھے کہ کسی بھی صورت میں اس کو چھوڑنا پسند نہ کرتے تھے۔ چنانچہ امیر کا یہ وفد واپس آیا اور پھر امیر عبدالرحمٰن ثالث بذات خود فوج لے کر بڑھا اور طلیطلہ کا محاصرہ کرلیا۔ اہل طلیطلہ نے کافی رسد قلعے میں محفوظ کرلی تھی جس کی وجہ سے ابتداء میں محاصرین کو کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ امیر نے محاصرہ کو سخت اور مستقل قائم رکھنے کے لئے طلیطلہ کے سامنے پہاڑی پر ایک قلعہ تعمیر کرایا جس کا نام الفتح رکھا۔ دو برس تک محاصرہ قائم رہا جس کے دوران جھڑپیں بھی ہوتی رہیں۔ لیون اور جلیقیہ کے بادشاہ رومیرو دوم نے اہل طلیطلہ کی مدد کرنا چاہی لیکن شاہی فوجوں کے ہاتھوں بری طرح شکست کھائی۔ اہل طلیطلہ پر اب قحط مسلط ہوگیا جس سے مجبور ہوکر انہوں نے شہر کے دروازے کھول دیئے۔ یہ آخری قلعہ تھا جو حکومت کے خلاف سرکشی اختیار کیئے ہوئے تھا۔ اس کی فتح کے بعد اندرون ملک کوئی طاقت قرطبہ کے مقابلے میں باقی نہ

رہی۔ چنانچہ عرب، بربر، اسپینی سب ہی نے اطاعت قبول کرلی اور امیر عبدالرحمٰن ثالث کے شان و شوکت اور دبدبہ کے سامنے سر جھکادیا اور وہ سب اس بات کے لئے مجبور کردیئے گئے کہ پہلی حکومتوں سے زیادہ آمرانہ اور مطلق العنان حیثیت رکھنے والی اس حکومت کے وفادار بن کر رہیں۔

عیسائی ریاستوں سے تعلقات

امیر عبدالرحمٰن ثالث کو صرف اندرون ملک ہی بغاوتوں کو ختم کرنا نہ تھا بلکہ ان عیسائی ریاستوں سے بھی نبرد آزما ہونا تھا جو شمالی اسپین کے پہاڑوں پر موجود تھیں اور جن کو مسلمان حکمرانوں نے اپنے ابتدائی دور حکمرانی میں کمزور اور بزدل سمجھ کر صرف خراج لے کر چھوڑدیا تھا۔ یہ مسلمانوں کی رواداری کی اگرچہ ایک مثال تھی لیکن یہی رواداری مسلمانوں کے لئے مصیبت بن گئی۔ یہ کمزور، بزدل اور ناقابل توجہ ریاستیں اسپین کے عیسائیوں کا مرکز بن گئیں۔ جن کو مذہب کے نام پر یورپ کے عیسائیوں کی امداد بھی ملتی رہی۔ جس زمانہ میں مسلمان، مسلمان کا قاتل بن گیا تھا اور بغاوتوں اور سرکشیوں نے قرطبہ کو ہلادیا تھا اس وقت ان ریاستوں کو اپنے حالات بہتر کرنے اور اپنی حدود میں توسیع کرنے کا موقعہ مل گیا۔ عمرابن حفصون نے ان ریاستوں کو مزید تقویت پہنچائی اور شمال سے نہ صرف ان ریاستوں کی بلکہ عام عیسائیوں کی بھی یلغار شروع ہوگئی۔ نشکنس، ارغون، اور قشتالیہ کے عیسائیوں نے مسلمانوں پر حملہ کردیا۔ سینکڑوں بستیاں جلا کر خاک کردیں اور بے دریغ مسلمانوں کا قتل کیا۔ یہاں تک کہ شمالی سرحدوں سے مسلمان بھاگنے لگے۔ جس وقت امیر عبدالرحمٰن ثالث کا ابتدائی دور تھا۔ لیون کے شاہ اردون ثانی نے مارده کے صوبہ میں ڈاکہ زنی اور قتل و غارت گری شروع کردی۔ یہ شخص مسلمانوں کا شدید دشمن تھا۔ جس قلعہ پر قبضہ کرتا تو لوٹ مار کرکے مرد مسلمانوں کو تہ تیغ کرتا اور عورتوں، بچوں کو غلام بنالیتا تھا۔ قلعہ الحنش میں اس نے ایسا ہی کیا۔ حلیوس کا شہر قریب تھا لیکن اہل شہر نے اردون ثانی کو بہت سا مال دے کر امان مانگ لی۔ اردون ثانی نے اب تک جن قلعوں کو لوٹا تھا گو وہ ابھی تک امیر قرطبہ سے باغی تھے۔ اگر امیر ان کی طرف توجہ نہ کرتا تو اس پر کوئی الزام عائد نہ ہو سکتا تھا۔ لیکن امیر عبدالرحمٰن ثالث نہ تنگ نظر تھا اور نہ تنگ دل۔ صوبے اور قلعے گو باغی تھے لیکن وہاں کی رعایا مسلمان تھی اور بحیثیت مسلمان بادشاہ کے امیر پر ان کی طرف توجہ کرنا لازمی تھا۔ چنانچہ ۳۰۴ھ ۹۱۶ء میں احمد بن ابی عبدہ کو کثیر فوج کے ساتھ اردون ثانی کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ جس نے اہل لیون کو زبردست شکست دی۔ اس کے ایک سال بعد لیون کے فوجیوں نے دریائے تاجہ کے کنارے علیرہ کے مضافات کو نذر آتش کردیا۔ احمد بن ابی عبدہ

پھر مقابلہ پر آیا اور اس نے قلعہ فاسطر مورش کا محاصرہ کرلیا۔ شاہ اردون ثانی بھی قلعہ والوں کی مدد کو آگیا۔ احمد کی فوج میں بربروں اور اسپینیوں کی کثرت تھی جو یا تو سازش کی بنا پر یا بزدلی کی وجہ سے میدان جنگ سے بھاگ پڑے۔ شاہی فوج کو شکست ہوئی اور ابن ابی عبدہ میدان جنگ میں مارا گیا۔ اردون ثانی نے نبرہ کے رئیس شانجہ کے ساتھ مل کر فاجرہ اور تطیلہ کے علاقہ کو خوب تاخت و تاراج کیا اور رو لطبرہ پر قبضہ بھی کرلیا۔

لیون اور نبرہ کی اطاعت

امیر عبدالرحمٰن اس حادثہ عظیم کو سن کر تڑپ اٹھا اور اس نے ایک زبردست فوج اپنے حاجب بدر کی سرکردگی میں ۳۰۵ھ / ۹۱۸ء میں روانہ کی۔ بدر نے متوینا کے مقام پر شاہ لیون کو دو مرتبہ شکست فاش دی۔ جون ۳۰۸ھ / ۹۲۰ء میں امیر بذات خود فوج لے کر قلعہ وشمہ کی طرف بڑھا اور ایک تدبیر سے قلعہ پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگر فاسطر مورش، القبیلہ، اشیسان، غرماج اور قلنہ بغیر کسی خاص مزاحمت کے قبضہ میں آگئے۔ شانجہ شاہ نبرہ اپنی جان بچاتا ہوا بھاگتا رہا۔ یہاں تک کہ ارنیسط میں پناہ گزیں ہوا اور شاہی فوج دریائے ابرہ تک کے علاقے پر قابض ہوگئی۔ لیکن امیر عبدالرحمٰن ثالث نے اس پر بس نہ کی اور دریائے ابرہ پار کرکے نبرہ کے علاقے میں داخل ہوگیا۔ شانجہ نے جب پے درپے شکستیں کھائیں تو لیون سے امداد مانگی۔ شاہ اردون ثانی بھی مع فوج کے اس کا شریک جنگ ہوگیا۔ شاہی لشکر نے وادی قصب میں دونوں کو بری طرح شکست دی اور بے دریغ عیسائیوں کو قتل کیا۔ عیسائیوں نے بھاگ کر قلعہ مویز میں پناہ لی۔ شاہی فوج نے آگے بڑھ کر اس پر بھی قبضہ کرلیا اور جس قدر عیسائی وہاں تھے سب کو قتل کردیا۔ امیر نبرہ کے علاقہ پر قابض ہوگیا۔ بہت سے قلعوں کو مسمار کرکے اور بے انتہا مال غنیمت لے کر امیر عبدالرحمٰن ثالث تین ماہ باہر رہنے کے بعد ستمبر ۹۲۰ء میں (جمادی الاول ۳۰۸ھ) میں قرطبہ واپس آگیا۔

گو عیسائیوں نے بری طرح پسپائی اختیار کی تھی جس کے بعد امید تھی کہ وہ پھر مسلمانوں کے علاقوں پر حملہ کرنے کی ہمت نہ کریں گے۔ لیکن ابھی تک شانجہ اور اردون ثانی دونوں موجود تھے اور ان کے حوصلے بھی پست نہ ہوئے تھے۔ چنانچہ ان دونوں نے ۳۱۱ھ / ۹۲۳ء میں پھر جنگ شروع کردی اور اردون ثانی نے ناجرہ پر اور شانجہ نے بقیرہ پر قبضہ کرکے مسلمانوں کا بری طرح قتل عام کیا۔ امیر عبدالرحمٰن ثالث کو ایک بار پھر ان کی طرف توجہ دینا پڑی۔ وہ سخت غصہ کی حالت میں اپریل ۳۱۱ھ / ۹۲۳ء میں قرطبہ سے چلا اور جولائی میں ریاست نبرہ میں داخل ہوگیا اور قلعہ پر قلعے فتح کرتا ہوا نبرہ کے

دارالریاست ‌پنبلونہ پر حملہ آور ہوا۔ شہر بغیر کسی لڑائی کے فتح ہوگیا۔ شانجہ اور دیگر عیسائیوں نے ملک کو بچانے کی بہت کوشش کی لیکن بے سود۔ شاہی فوج ان کو بار بار شکست دیتی رہی۔ قشتالہ نے مدد بھیجی لیکن بے کار گئی۔ چنانچہ مجبور ہوکر شانجہ والی نبرہ کو امیر عبدالرحمٰن ثالث کے سامنے گردن جھکانی پڑی اور وہ ایک مدت تک مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے قابل نہ رہا۔

اردون ثانی ۳۱۲ھ / ۹۲۴ء میں مرگیا اور اس کے بھائیوں اور بیٹوں میں خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ الفانسو نے اپنے بھائی شانجہ پر نبرہ کے شانجہ کی مدد سے فتح پائی اور لیون پر قابض ہوگیا۔ شانجہ جلیقیہ کی طرف چلا گیا اور شنت یاقب میں اپنی بادشاہت قائم کی اور پھر فوجی تیاریاں کرکے لیون پر قابض ہوگیا۔ ۹۲۸ء میں الفانسو چہارم نے پھر لیون پر قبضہ کرلیا اور شانجہ پھر جلیقیہ میں آگیا۔ شمال کی ان خانہ جنگیوں سے امیر نے کوئی تعلق نہ رکھا اور وہ دیگر بغاوتوں کے خاتمے میں مصروف ہوگیا جو ایک زبردست غلطی تھی۔ اگر ایسے وقت میں ان ریاستوں کو ختم کردیا جاتا تو آئندہ کے حالات کچھ اور ہی ہوتے۔

خلافت کا قیام

خلافت کہاں اور کس طرح قائم ہوتی ہے؟ یہ ایک بحث طلب مسئلہ ہے جس کی اس موقع پر کوئی گنجائش نہیں۔ مختصر یہ کہ جمہور مسلمانوں کے نزدیک خلافت کا مستحق اسی خاندان یا حکومت کو سمجھا جاتا تھا جو حرمین الشریفین (مکہ و مدینہ) کا محافظ ہو۔ اس وقت یہ علاقے چونکہ دولت عباسیہ کے پاس تھے اس لئے ان کو ہی خلافت کا مستحق سمجھا گیا۔ امیران اسپین نے بھی ان کو ہی خلیفہ تسلیم کرلیا تھا اور اپنے لئے وہ صرف امیر کا خطاب ہی کافی سمجھتے تھے۔ لیکن اب عباسی خلفاء اپنے وزیروں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن چکے تھے۔ ان کی حکومت اور اختیارات شہر بغداد سے باہر نہ رہے تھے۔ ہر جگہ شہروں اور صوبوں کے حاکم خود مختار بن رہے تھے اور حکومت عباسیہ میں اتنا دم نہ رہا تھا کہ حرمین الشریفین کی حفاظت کرسکے۔ دوسری طرف ایک متوازی خلافت مصر و افریقہ میں فاطمی خلافت کے نام سے وجود میں آچکی تھی جس سے اسپین کو زبردست خطرہ لاحق تھا۔ امیر عبدالرحمٰن ثالث نے اپنے کارناموں سے ایک دنیا پر اپنی سیاست کا سکہ جمالیا تھا۔ گو وہ حرمین الشریفین کا محافظ تو نہ تھا لیکن پھر بھی چند وجوہات ایسی تھی جن کی بناء پر اس کو اپنی خلافت کا اعلان کرنے میں ہی بہتری نظر آئی۔ وہ وجوہات حسب ذیل تھیں۔

(الف) امیر عبدالرحمٰن ثالث ایک زبردست حکمران ثابت ہوچکا تھا اور کافروں سے جہاد میں بڑی اور

نمایاں کامیابی حاصل کر چکا تھا جس کی بناء پر اب وہ اپنے لئے اعلیٰ سے اعلیٰ مرتبہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔

(ب) عباسی خلافت پارہ پارہ ہو چکی تھی اور خلفاء عباسی نمائشی رہ گئے تھے۔ فاطمی خلافت کے قیام نے یہ بات ثابت کردی تھی کہ عباسی حکومت میں نہ صرف یہ کہ قوت مجادلہ بلکہ قوت مدافعت بھی ختم ہو چکی ہے۔ اس بناء پر عبدالرحمٰن ثالث کو خلیفہ بن جانے میں کوئی امر مانع نہ تھا۔

(ج) جمہور مسلمانوں میں خلافت کے ادارے سے وفاداری عام تھی اور بڑے سے بڑا بادشاہ بھی خلیفہ سے منسلک ہونا بقاء حکومت کے لئے ضروری خیال کرتا تھا۔ فاطمی خلافت کے قیام کے بعد مسلمانان اسپین کو مطیع رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ اسپین میں بھی خلافت قائم ہو ورنہ بصورت دیگر مسلمانان اسپین کی اکثریت کا فاطمی خلافت کا اطاعت گزار ہو جانا لازمی تھا۔

(د) اسپین میں طاقت کا ایک عنصر بربر تھے جن کی تعداد بھی کثیر تھی۔ ڈر تھا کہ وہ افریقہ کے بربروں کی حمایت میں فاطمی خلافت کے طرفدار نہ ہو جائیں جس سے نئی نئی مشکلات پیدا ہونے کا احتمال ہو سکتا تھا۔

(ہ) خارجہ پالیسی کے عمل دخل میں فاطمیون سے جھڑپ ہونا ضروری تھا۔ خاص طور پر بحر روم کی حکومت سے ان سے جھگڑے کا امکان موجود تھا۔ چنانچہ ڈر تھا کہ لفظ "خلافت" کی وجہ سے اسپین کے مسلمان ان سے لڑنا گوارہ نہ کرتے جس سے حکومت اسپین کو کافی نقصان اٹھانا پڑتا۔

ان چند وجوہات کی موجودگی نے امیر عبدالرحمٰن کو مجبور کردیا کہ وہ اسپین میں بھی خلافت قائم کردے۔ چنانچہ ۲۳ ذیقعدہ ۳۱۶ھ (۱۲ جون ۹۲۹ء) میں جمعہ کے روز امیر نے حکم دیا کہ تمام خطبوں اور سرکاری کاغذات میں اس کا نام "امیر المومنین عبدالرحمٰن الناصر الدین اللہ" پڑھا اور لکھا جائے۔ (ہم بھی آئندہ اس کو خلیفہ کے نام سے مخاطب کریں گے)

عیسائی ریاستوں کی گوشمالی

۳۱۹ھ/۹۳۱ء میں الفانسو چہارم جو لیون کے تخت پر قابض ہو گیا تھا تخت سے دستبردار ہو کر راہب بن گیا اور اپنے بھائی رومیرو دوم کو اپنا جانشین مقرر کردیا۔ جس وقت رومیرو دوم اہل طلیطلہ کو خلیفہ ناصر کے خلاف امداد دے رہا تھا الفانسو چہارم نے پھر دنیا طلبی میں تخت لیون پر قبضہ کرلیا۔ رومیرو فوراً واپس آیا اور بھائی کو گرفتار کر کے آنکھوں میں سلائیاں پھروادیں۔ رومیرو دوم مسلمانوں کا شدید دشمن تھا اور ان کے قتل عام سے باز نہ آتا تھا۔ خلیفہ الناصر خود فوج لے کر اس کی سرکوبی کے لئے چلا اور اس کو نہ صرف یہ کہ مسلم حدود سے باہر کردیا بلکہ قشتالہ کے دارالریاست برغش پر بھی

قبضہ کرلیا اور اس کو پوری طرح مسمار کردیا۔ زیادہ عرصہ نہ گزرنے پایا تھا کہ شمالی سرحدی علاقوں میں ایک نئی صورتحال پیدا ہوگئی اور ایک سازش خلیفہ الناصر کے خلاف تیار کی گئی جس کا بانی محمد بن ہاشم تجیبی والی سرقسطہ تھا۔ بنی ہاشم کا یہ خاندان ایک عرصہ سے حکومت کا وفادار تھا اور شمالی اضلاع کی ولایت اس کو نسلاً دے دی گئی تھی۔ خلیفہ ناصر نے تمام عربی خاندانوں کو حکومت کے اہم عہدوں سے الگ کردیا تھا لیکن اس خاندان کی خدمات کو دیکھتے ہوئے ان کو مدارج اعلیٰ پر برقرار رہنے دیا گیا۔ محمد بن ہاشم تجیبی نے ۳۲۱ھ / ۹۳۴ء میں خلیفہ ناصر سے بغاوت کی اور شاہ لیون رومیرو دوم کو اپنا بادشاہ مان لیا۔ دونوں نے کوشش کرکے شاہ نبرہ غرسیہ کو بھی اپنے ساتھ شریک کرلیا۔ اس طرح پورا شمالی اسپین خلافت قرطبہ کے خلاف صف آرا ہوگیا۔ لیکن الناصر ان اشخاص میں سے نہ تھا کہ جو ہراساں اور خوفزدہ ہوکر غلط تدابیر اختیار کرلیتے ہیں۔ اس کا عزم جوان اور ہمت بلند تھی۔ بڑی سے بڑی مصیبت اور ابتلاء اس کے عزم راسخ کے آگے ہیچ تھی۔ چنانچہ یہ سازش بھی اس کے نزدیک کوئی اہمیت نہ رکھتی تھی۔ ۳۲۴ھ / ۹۳۷ء میں الناصر خود فوج لے کر اس سازش کو ختم کرنے کے لئے روانہ ہوا اور قلعہ ایوب کے حاکم مطرف اور اس کے عیسائی دوستوں کو شکست دے کر قلعہ پر قابض ہوگیا۔ اس کے بعد تقریباً ۳۰ قلعے اور فتح کئے پھر نبرہ اور سرقسطہ کی طرف متوجہ ہوا۔ جب سرقسطہ میں محمد بن ہاشم کا محاصرہ شدید ترین ہوگیا تو اس نے تنگ آکر خلیفہ الناصر سے معافی مانگ کر امان حاصل کرلی۔ چونکہ ابن ہاشم سلطنت میں بڑا صاحب اقتدار اور منظور نظر تھا اس لئے خلیفہ نے بھی اس کو معاف کرکے اس کو پھر اسی کے عہدے پر بحال کردیا۔ نبرہ کی عیسائی ملکہ طوطہ کو جو غرسیہ کی سرپرست تھی پے در پے شکست ہوئی تو اس نے بھی خلیفہ الناصر سے امن کی درخواست کی اور سالانہ خراج کی ادائیگی پر خلافت قرطبہ کی سیادت کو تسلیم کرلیا۔ اب اسپین میں صرف لیون کا علاقہ اور صوبہ قطلونیہ کا ایک حصہ فرانس کی حدود میں باقی رہ گیا ورنہ کل اسپین خلافت قرطبہ کے حلقہ اقتدار میں آچکا تھا۔

جنگ خندق

۳۲۷ھ / ۹۳۹ء میں بشکنس، جلیقیہ اور لیون کے بادشاہوں نے پھر علم بغاوت بلند کیا۔ اس مرتبہ خلیفہ الناصر نے طے کرلیا کہ عیسائیوں کے اس فتنہ کو بالکل ہی ختم کردے گا۔ چنانچہ ایک لاکھ کے قریب فوج جمع کی اور ایک صقلبی نجدہ کو اس کا سپہ سالار بنایا۔ ایک صقلبی کے سپہ سالار ہونے کی وجہ سے عرب امراء فوج سخت ناراض ہوئے اور اسی غصہ کی وجہ سے یہ طے کرلیا کہ اپنی اس توہین کا

ضرور بدلہ لیں گے۔ چاہے اس سے خلیفہ الناصر کو شکست ہی کیوں نہ اٹھانا پڑے۔ شاہی افواج جیسے ہی شت ما نکشن کے نزدیک پہنچی رومیرو دوم اور نبرہ کی فوجوں نے اس کا مقابلہ کیا۔ عرب امراء سازش کے تحت اپنی فوجوں کے ساتھ پیچھے ہٹے۔ لیون والوں نے تعاقب کیا۔ دریائے تاجہ کے کنارے سملنکہ یا نظمنکہ کے جنوب میں موضع الخندق میں شاہی فوج پھر جمع ہوئی اور دشمن کا مقابلہ کیا۔ لیکن شکست مقدر ہو چکی تھی اور تمام فوج بے ترتیبی سے بھاگ پڑی۔ جس کے نتیجہ میں تقریباً تمام فوج برباد اور قتل ہوئی۔ نجدہ مارا گیا۔ حاکم سر قسطہ محمد بن ہاشم گرفتار ہو گیا۔ مقابلہ نے مردانگی سے جنگ کی اور سارے کے سارے کھیت رہے۔ خلیفہ الناصر بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر ۴۹ آدمیوں کے ساتھ بری حالت میں قرطبہ پہنچا۔ اس لڑائی کے بعد خلیفہ نے بذات خود جنگوں میں شریک ہونا بند کر دیا۔

اس جنگ کے بعد عیسائیوں کو ایک سنہری موقعہ ملا تھا کہ مسلمانوں سے بدلہ لیں۔ لیکن خود ان کے درمیان کشمکش شروع ہو گئی۔ خلیفہ الناصر نے عیسائیوں کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر اپنا لشکر درست کیا اور پھر ۳۲۹ھ / ۹۴۰ء میں حاکم طلیوس احمد بن علی کی سرکردگی میں لیون والوں کی پیش قدمی کو روکنے کے لئے بھیجا۔ ایک دوسری مہم جلیقیہ اور شنکس کی سرکوبی کے لئے روانہ کی۔ ۹۴۴ء سے ۹۴۷ء تک شاہی فوجیں قشتالہ کے علاقوں میں اندر تک گھستی چلی گئیں۔ اسی زمانہ میں مسلمانوں نے مدینہ سالم کی شہر پناہ کو درست کیا اور اس کو مستحکم کر کے قشتالہ کے مقابلہ میں ایک مرکزی قلعہ بنالیا۔ چند سال تک مسلمان شاہ لیون رومیرو دوم کو سخت ہراساں اور پریشان کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ۳۳۹ھ / ۹۵۱ء میں رومیرو مر گیا۔ اس کے مرنے کے بعد عیسائیوں میں پھر خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ اردون سوم جو رومیرو دوم کا جانشین ہوا تھا۔ اپنے سوتیلے بھائی شانجہ کی بغاوت کے خوف سے مسلمانوں سے امن و امان چاہتا تھا اور اس نے خلیفہ سے صلح کرنا ہی بہتر سمجھا۔ چونکہ الناصر اس وقت افریقہ کے علاقے میں فاطمی خلافت کے مقابلے میں اپنی پوری قوت صرف کرنا چاہتا تھا۔ اس وجہ سے اس نے شاہ لیون سے نرم شرائط پر صلح کر لی۔

شانجہ اور ملکہ طوطہ دربار خلافت میں

اردون سوم ۳۴۴ھ / ۹۵۵ء میں مر گیا۔ جس کے بعد اس کا بھائی شانجہ تخت لیون پر آیا۔ شانجہ نے تخت پر آتے ہی خلیفہ الناصر اور اردون سوم کے درمیا معاہدہ صلح کو توڑ دیا۔ خلیفہ اس وقت افریقہ میں فوج کشی کی تیاریاں کر رہا تھا۔ لیکن شانجہ کی بدعہدی کی وجہ سے اس کو افریقہ سے اپنی توجہ ہٹانا

پڑی اور اس نے طلیطلہ کے حاکم احمد بن یعلی کو اس پر فوج کشی کا حکم دیا۔ احمد نے لیون والوں کو ۳۴۵ھ/۹۵۷ء میں زبردست شکست دی۔ عربی اور عیسائی مورخین نے متفقہ یہ بات لکھی ہے کہ شانجہ مغرور اور متکبر تھا اور روساء کا زور توڑ کر ایک مطلق العنان حکومت قائم کرنا چاہتا تھا۔ جس سے تمام عیسائی رئیس اس کے دشمن ہوگئے تھے۔ خود شانجہ اس قدر موٹا ہوگیا تھا کہ اس میں معذوری پیدا ہوگئی تھی۔ فرولند شاہ قشتالیہ نے جو شاہ ساز بننا چاہتا تھا اہل لیون کو شانجہ کے خلاف بھڑکانا شروع کردیا۔ جس کا یہ انجام ہوا کہ فوج نے شانجہ کے خلاف ۳۴۷ھ/۹۵۷ء میں بغاوت کی۔ اس کو لیون سے نکال باہر کیا اور اردون چہارم کو اپنا بادشاہ بنالیا۔ شانجہ نے بھاگ کر بنبلونہ میں ملکہ طوطہ کے پاس پناہ لی اور اس سے امداد کا طالب ہوا۔ ملکہ نے امداد کا وعدہ تو کرلیا لیکن ریاست نبرہ میں اتنا دم نہ تھا کہ لیون اور قشتالہ کی فوجوں سے جنگ کی جاتی۔ چنانچہ شانجہ کی امداد کا واحد راستہ یہ تھا کہ خلیفہ الناصر سے امداد طلب کی جائے اور شانجہ کے موٹاپے کا علاج بھی قرطبہ کے کسی حاذق حکیم سے کرایا جائے۔ چنانچہ ملکہ طوطہ نے خلیفہ سے امداد طلب کی اور حکیم بھی۔ خلیفہ الناصر نے ایک حکیم حاذق اور تدبیر مملکت میں کمال کو پہنچے ہوئے شخص حسدائی کو بھیجا۔ جس نے کمال ہوشیاری سے ملکہ اور شانجہ سے تمام شرائط بھی طے کرلیں اور دونوں کو قرطبہ چلنے پر آمادہ کرلیا۔ چنانچہ ملکہ طوطہ، شانجہ اور غرسیہ تینوں دربار قرطبہ میں آئے، جن کا پرتپاک خیر مقدم کیا گیا۔ اور دس مشہور قلعے حکومت قرطبہ کے حوالے کرنے پر خلیفہ الناصر نے ان کی امداد کرنے کا وعدہ کرلیا۔ شاہی افواج نے ۳۴۸ھ/۹۵۹ء شہر سمورہ اور کچھ عرصہ کے بعد تمام ریاست لیون پر قبضہ کرکے شانجہ کے حوالے کیا۔ شانجہ کا موٹاپا بھی ختم ہوگیا اور وہ پھر ایک چست و چالاک آدمی ہوگیا۔ اردون چہارم برغش بھاگ گیا۔ فرولند بھی ایک لڑائی میں گرفتار ہوگیا اور شانجاہ نے لیون، جلیقہ اور نبرہ پر اپنا اقتدار دوبارہ بحال کرلیا لیکن اب وہ آزاد نہ تھا بلکہ خلافت قرطبہ کا باجگزار تھا۔ اس طرح وہ عیسائی خطرات جو آئے دن مسلمانوں پر منڈلاتے رہتے تھے ختم ہوگئے اور امن و استحکام کا کام پورا ہوگیا۔ امیر عبداللہ کے زمانہ کی مختصر سی حکومت قرطبہ اب ایک زبردست سلطنت بن چکی تھی۔ جو طرکونہ سے بحر اوقیانوس تک اور دریائے ابرہ کے کنارے سے جبل الطارق تک پھیلی ہوئی تھی۔

فاطمیین مصر سے تعلقات

فاطمیین کون تھے؟ اور کس طرح برسر اقتدار آئے؟ اس کا تذکرہ ہمارے یہاں غیر ضروری ہے۔ مختصراً یہ بیان کیا جاسکتا ہے کہ خلافت عباسیہ کے زوال سے فائدہ اٹھا کر چھوٹی چھوٹی ریاستیں عالم وجود میں آچکی تھیں۔ خلیفہ بغداد کا اثر و اقتدار صرف بغداد تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ حکومت و سیاست

کے تمام معاملات خلیفہ سے چھین کر چھوٹی بڑی سلطنتوں نے آپس میں تقسیم کر لئے تھے۔ اور خلیفہ محض ایک مذہبی ادارہ باقی رہ گیا تھا۔ ہر طاقتور اقتدار کے نشہ میں میں چور تھا اور خلافت کو پارہ پارہ کرنے پر آمادہ نظر آتا تھا۔ ایسے میں اہل بیت کے طرفداروں نے بھی فائدہ اٹھانے کا ارادہ کر لیا۔ کیونکہ اس وقت تک اہل بیت کے نام پر ذاتی فائدے حاصل کرنا کچھ مشکل کام نہ تھا۔ چنانچہ چند جھوٹی اور من گھڑت روایتوں کا سہارا لے کر ایک شخص عبداللہ الشیعی نے بھی افریقہ کے بربروں کو اہل بیت کی حمایت پر تیار کر لیا۔ بربروں میں ایک عرصہ سے اہل بیت سے محبت پائی جاتی تھی اس لئے وہ جلد ہی عبداللہ کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گئے۔ افریقہ کے پرانے حاکم اغالبہ اپنی طاقت کھو چکے تھے اور ان میں اتنا دم نہ رہا تھا کہ عبداللہ الشیعی کی ابھرتی ہوئی طاقت کا مقابلہ کرتے چنانچہ جلد ہی پورا افریقہ عبداللہ الشیعی کے تحت آ گیا۔ اس نے امام جعفر صادقؒ کے لڑکے اسماعیل کی اولاد میں سے ایک شخص عبیداللہ کو مہدی کے خطاب سے تخت افریقہ پر بٹھا دیا۔ عبیداللہ مہدی ایک بیدار مغز حکمراں تھا۔ اس نے عبداللہ الشیعی کو ختم کر کے اپنی حکومت کو خلافت فاطمین کا نام دیا جس کے بعد یہ خلافت روز بروز طاقتور ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ مصر بھی ان کی حکومت میں شامل ہو گیا اور صقلیہ و شام پر بھی ان کا قبضہ ہو گیا۔ پھر معاملات براہ راست حکومت اسپین سے پیش آنے لگے۔ فاطمیوں کا ایک یہ بھی عقیدہ تھا کہ وہ ساری دنیا کی بادشاہت کے حقدار ہیں۔ اس دعویٰ نے دوسری مسلمان حکومتوں کی نظر میں ان کو خوفناک بنا دیا تھا اور اسپین کے لئے تو وہ مستقل خطرے کی شکل اختیار کر گئے تھے۔ اس لئے کہ اس خوبصورت اور زرخیز ملک پر مدت سے ان کی نظریں لگی ہوئی تھیں۔ عبیداللہ ابھی پوری طرح اپنی حکومت مستحکم نہ کر پایا تھا کہ عمر بن حفصون نے اس کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا تھا۔ گو اس کا کوئی خاص نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ لیکن بعد میں فاطمین نے اپنی سازشیں جاری رکھیں اور ان کے جاسوس تاجروں کے بھیس میں سارے اسپین میں پھرنے لگے۔ وہ اپنے اپنے سفرنامے اس طرح تحریر کرتے کہ ملک کی پوری معلومات مہیا ہو جاتی تھیں۔ اس کا ثبوت فاطمیوں کے مشہور جاسوس سیاح اور تاجر ابن حوقل کے سفرنامے سے ملتا ہے۔ خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر بھی فاطمیوں کے ان ارادوں سے پوری طرح واقف تھا اور وہ خود اس فکر میں تھا کہ ان کی بڑھتی ہوئی طاقت سے اسپین کو بچا لے۔ گو بظاہر ابھی تک ان دونوں میں جنگ نہ ہوئی تھی۔ لیکن جب فاطمین نے ماریطانیہ (ماریشس) کو فتح کرنے کا ارادہ کر لیا تو خلیفہ الناصر اس بات کو سمجھ گیا کہ ماریطانیہ کی فتح کے بعد ان کی منزل مقصود اسپین ہوگی۔ اس لئے الناصر نے ارادہ کر لیا کہ ماریطانیہ کی ریاستوں کی مدد کر کے فاطمین

کو یہ علاقہ فتح نہ کرنے دے اور یہ علاقہ فاطمین اور اسپین کے درمیان حد فاصل بن جائے۔ ۳۰۸ھ/ ۹۲۰ء میں فاطمیوں نے ماریطانیہ کی ایک ریاست نکور پر حملہ کیا۔ ریاست بہت پرانی تھی اور عربی نژاد بادشاہ سعید ثانی اس پر حاکم تھا۔ اس ریاست کے تعلقات سلاطین اسپین سے پرانے چلے آرہے تھے۔ حاکم تاہرت مصالہ نے عبید اللہ مہدی کے اشارے پر اس ریاست پر حملہ کیا اور ایک فوجی افسر کی سازش سے سعید ثانی میدان جنگ میں مارا گیا۔ سعید کے تین لڑکے تھے وہ بھاگ کر اسپین پہنچے اور ساحلی شہر مالقہ میں پناہ گزیں ہو کر دوبارہ اپنی ریاست لینے کی تیاریاں کرنے لگے۔ خلیفہ الناصر نے ان کی مہمانداری اور تواضع میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اور ان میں سے سب سے چھوٹے بھائی صالح کی فوجی مدد کر کے اس کو اس ریاست پر دوبارہ قابض کرادیا۔ صالح نے الناصر کی مہمانداری اور امداد کے شکریئے میں اس کو اپنا سرپرست اور بادشاہ تسلیم کرلیا۔ جس کے جواب میں الناصر نے بھی اس کو خوب نوازا۔ ۳۱۶ھ/ ۹۲۹ء میں بربر قبیلے مغراوہ کے سردار محمد بن خضر نے فاطمیوں کو کئی شکستیں دے کر ان کے سردار مصالہ کو قتل کردیا اور مغرب اوسط سے فاطمین کو بے دخل کردیا۔ خلیفہ الناصر نے محمد بن خضر سے دوستی کرلی اور ابن خضر نے مغرب اوسط کے باشندوں کو اس بات پر آمادہ کرلیا کہ وہ خلیفہ الناصر کو اپنا بادشاہ تسلیم کرلیں۔ الناصر نے ایک دوسرے بربر قبیلے مکناسہ کے سردار ابن ابی العافیہ کو بھی اپنے ساتھ ملالیا جو فاطمیوں کی طاقت کا ایک بڑا عنصر تھا۔ اپنی اس افریقہ کی پالیسی کو کامیاب بنانے کے لئے خلیفہ الناصر کو ساحل افریقہ کے کسی علاقہ پر اپنا قبضہ رکھنا ضروری تھا۔ چنانچہ ۳۱۹ھ/ ۹۳۱ء میں اس نے سبتہ کے قلعہ پر قبضہ کرکے ایک بڑی فوج وہاں متعین کردی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ الناصر کی افریقی پالیسی بڑی کامیاب تھی لیکن پھر بھی افریقہ میں الناصر کے زیر نگیں والیان ریاست فاطمیوں سے برابر شکست کھاتے جارہے تھے۔ الناصر نے بہت کوشش کی کہ وہ سب متحد ہو کر فاطمیوں کا مقابلہ کریں لیکن متحد ہونا تو درکنار وہ اپنی آپس کی لڑائیوں کو بھی ختم نہ کرسکے۔ بہرکیف خلیفہ الناصر اس بات میں پوری طرح کامیاب تھا کہ فاطمیوں کو اتنی مہلت نہ ملے کہ وہ اسپین کا رخ کرسکیں۔ فاطمی خلیفہ قائم کے زمانہ میں ایک خارجی ابو یزید نے بغاوت کی اور مذہبی تعصب کی بنیاد پر فاطمیوں کے خلاف سنیوں کو متحد کردیا۔ اس نے اپنی طاقت کو مستحکم کرنے کے لئے خلیفہ الناصر کی اطاعت قبول کرکے اس کو اپنا خلیفہ تسلیم کرلیا۔ ابو یزید نے افریقہ کے دارالحکومت قیروان پر بھی قبضہ کرلیا جس وقت ابو یزید یہ کامیابیاں حاصل کررہا تھا اس وقت خلیفہ الناصر اپنے افریقی خیرخواہوں کی مدد سے شمالی مغربی افریقہ پر اپنا اقتدار مضبوط کررہا تھا۔ اور قائم کے خلاف فضا سازگار کردی تھی۔ لیکن تین چار سال بھی نہ گذرے تھے کہ ابو یزید کی طاقت کو زوال آگیا

اور نئے فاطمی خلیفہ منصور نے اس کو گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈال دیا اور وہ اسی میں مرگیا۔ ابویزید کی موت اور خارجیوں کی شکست سے خلیفہ الناصر کو شدید نقصان ہوا اور آہستہ آہستہ اس کی بہی خواہ ریاستیں فاطمیوں کے قبضہ میں چلی گئیں اور ان ریاستوں کے حکمران بھاگ بھاگ کر قرطبہ پہنچنے لگے۔

۳۴۲ھ / ۹۵۲ء میں فاطمی تخت خلافت پر المعز آیا جو زبردست قوت ارادی اور تدبر کا مالک تھا۔ خلیفہ الناصر کو یقین تھا کہ ایک دن فاطمی اسپین پر ضرور حملہ آور ہوں گے۔ اس لئے اس نے ایک زبردست فوج تیار کی جس کے ذریعہ وہ فاطمی خلافت کو افریقہ میں الجھائے رکھنا چاہتا تھا۔ لیکن اتفاق سے یہ ساری تیاریاں عیسائی ریاستوں کی قوت کو توڑنے پر صرف ہو گئیں۔ المعز نے شمالی افریقہ کے تمام علاقوں سے اسپینی حکومت کے اثر و رسوخ کو مٹا دیا۔ اسی دوران خلیفہ الناصر کا ایک مال بردار بحری جہاز اسکندریہ جا رہا تھا کہ راستے میں جزائر صقلیہ سے مصر جاتے ہوئے ایک فاطمی جہاز سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ اسپینی جہاز نے فاطمی جہاز کو پکڑ لیا۔ اس کو خوب لوٹا اسی میں وہ کاغذات بھی اسپینیوں کے ہاتھ آئے جن میں اسپین پر حملہ کرنے کی تجویز تھی۔ اس کے جواب میں المعز نے صقلیہ کے گورنر کو اسپین پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ گورنر صقلیہ نے ساحل اسپین کی بندرگاہ المریہ پر حملہ کر کے اس کو خوب لوٹا۔ جہازوں میں آگ لگا دی اور بہت سے قیدی لے کر صقلیہ واپس چلا گیا۔ خلیفہ الناصر نے اپنے امیر البحر غالب کو حکم دیا کہ افریقہ کے ساحلی مقامات پر حملہ کرے لیکن یہ مہم زیادہ کامیاب نہ رہی۔ کیونکہ فاطمی اب پہلے سے زیادہ ہوشیار ہو چکے تھے۔ خلیفہ ناصر نے اب افریقہ پر باقاعدہ فوج کشی کا ارادہ کر کے تیاریاں شروع کر دیں۔ دن رات جہاز بنائے جانے لگے اور ہزاروں سپاہیوں کو بھرتی کیا گیا۔ لیکن یہ لشکر کشی بھی شمالی اسپین کے حالات بگڑنے کی وجہ سے نہ کی جاسکی۔ البتہ اتنا ضرور ہوا کہ ۷۰ جہازوں کا ایک بیڑا احمد بن علی کی کمان میں شمالی افریقہ کے ساحل کی طرف ضرور بھیجا گیا جس نے شمالی افریقہ کے کئی شہر مثلاً مرسۃ الحزیزہ، تلبریہ، سوس، طبارقیہ کو خوب لوٹا اور ان کو جلا دیا۔

وفات و کردار

خلیفہ عبدالرحمان الناصر نے ۲ رمضان ۳۵۰ھ (مطابق اکتوبر ۹۶۱ء) میں وفات پائی۔ اس وقت اس کی عمر ۷۰ سال کے قریب تھی اور اس نے ۴۹ برس حکومت کی تھی۔ خلیفہ عبدالرحمان الناصر ایک حسین اور خوبصورت انسان تھا۔ چہرے کا رنگ سرخ و سفید چمکدار تھا۔ حسین اور عظیم الجثہ تھا۔ پنڈلیاں پتلی اور چھوٹی تھیں[1] بچپن ہی سے مشکلات کا سامنا رہا۔ اس کی طبیعت میں عزم و

[1] ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۲۷۰

استقلال کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ شجاعت و بہادری میں یکتا اور تدبیر و حکمت میں بے نظیر تھا۔ ذاتی طور پر رحمدل اور منکسر المزاج تھا لیکن جب کبھی سیاست و حکمت کا مسئلہ ہوتا تو تشدد سے بھی کام لے لیتا تھا۔ گو طبیعت جمالیاتی اور فنون لطیفہ کی طرف مائل تھی لیکن سیاست کے معاملات میں اپنی اس طبیعت کی کیفیت پر جلد قابو پالیتا تھا۔ گو اس کا حرم بہت بڑا تھا اور بقول ڈوزی اس کے محل کی وسعت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اس کی محل سرا میں چھ ہزار مستورات رہتی تھیں لیکن حکومت کے معاملات میں کبھی اپنے حرم کو دخیل نہ ہونے دیا۔ مذہبی لحاظ سے ایک آزاد منش انسان تھا اور مذہبی تعصب سے بے گانہ تھا۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ اس نے ایک دفعہ ایک نو مسلم کو عہدہ قضاء پر مامور کرنا چاہا تھا[1] لیکن لوگوں کی مخالفت کی وجہ سے ایسا نہ کیا۔ لین پول کے کہنے کے مطابق

"عبدالرحمان ثالث کی طرح سلیم الطبع اور روشن دماغ دنیا میں کوئی فرمانروا نہیں ہوا۔ اس کی حلیم المزاجی، کریم النفسی اور عدل گستری زبان زد عام تھی۔ شیر رزم، زینت بزم اور حامی مذہب ہونے میں وہ اپنے اسلاف سے سبقت لے گیا تھا... اکثر روایتیں مشہور ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کھرا اور بے لاگ شخص تھا۔"

خلیفہ الناصر میں وہ تمام خوبیاں موجود تھیں جن سے رعایا کو بادشاہ سے اور بادشاہ کو رعایا سے وابستگی پیدا ہوتی ہے۔ وہ رعایا کا دل رکھنے، شاہانہ کر و فر دکھانے اور حکومت کے چلانے کے فن میں طاق تھا۔ اس قدر پر اثر شخصیت کا مالک تھا کہ حاضرین محفل کے دل اس کی حرکات و سکنات سے مسخر ہو جاتے تھے۔ جو شخص اس کی قربت میں رہتا وہ اس کی لیاقت و قابلیت، حسن و اخلاق و مروت اور رعایا پروری کی تعریف کرتا تھا۔ گفتگو کرنے کے فن میں طاق تھا۔ جس سے ایک بار گفتگو کر لیتا اس کو گرویدہ بنا لیتا تھا۔ غیض و غضب سے اندھا نہ ہو جاتا تھا بلکہ معاملات کے ہر پہلو پر خوب غور کر کے فیصلہ کرتا تھا۔ اکثر میدان جنگ میں سپہ سالار کی حیثیت سے خود جاتا تھا جس سے لشکریوں کے دل جوش و جذبہ سے معمور ہو جاتے اور وہ اپنے امیر کے جلو میں سرفروشی اور جان نثاری کو عین سعادت سمجھتے تھے۔[2]

"عہد ناصر کی تاریخ پڑھنے والوں کو جو چیز سب سے زیادہ تعریف و حیرت کی معلوم ہوتی ہے وہ حکومت کی عمارت نہیں بلکہ اس عمارت کا معمار ہے۔ کس بلا کا ہمہ گیر وہ دماغ ہوگا جو چھوٹی سے چھوٹی چیز سے اعلیٰ سے اعلیٰ منصوبوں تک کو سوچنے اور عمل کرنے پر قادر تھا۔"[3]

---

[1] عبرت نامہ اندلس جلد ۲ ص ۷۲ [2] نفح الطیب جلد ۱ ص ۲۲۶، ۲۲۷ [3] ابن اثیر جلد ۸ ص ۲۷۱

علامہ مقری نے لکھا ہے "اس کی حلیم المزاجی، فیاضانہ طبیعت اور عدل و انصاف مثال بن چکے تھے۔"[1]

مذہبی رواداری میں خلیفہ الناصر مشہور زمانہ تھا۔ اس نے ہر مذہب و ملت کو اس کی حدود میں آزادی دے رکھی تھی۔ خاص طور پر عیسائی اپنی مذہبی رسومات کی ادائیگی میں بہت آزاد تھے۔ اس نے ایک مجلس مشاورت بھی قائم کی تھی جس میں تمام مذاہب کے افراد کو شریک کیا جاتا تھا۔ عوام سے اس کو بے حد محبت تھی اور اکثر آمدنی کے ایک بڑے حصہ کو عوام کی فلاح و بہبود پر خرچ کر دیتا تھا۔ عوام کو آرام و سکون مہیا کرنے کی حتی الامکان کوشش کرتا۔

اس کی علم دوستی اور علم پروری کا اس قدر شہرہ تھا کہ دور دور سے علماء و فضلاء اس کے پاس کھنچے چلے آتے تھے۔ کیونکہ خود بھی عالم اور شاعر تھا اور شاعری کا اچھا ذوق رکھتا تھا اس لئے شعراء کی بڑی قدر و منزلت کرتا تھا اور ان کو داد و دہش سے نوازتا رہتا تھا۔ علماء و صلحاء کو اپنے قریب جگہ دیتا اور اپنے مشوروں میں شریک رکھتا تھا "عالموں کا سرپرست اور ان سے بحث و مباحثہ کرنے کا ہمیشہ آرزو مند رہتا تھا" قاضی منذر بن سعید اس کے زمانہ کے مشہور فقیہہ اور دربار سے منسلک تھے۔ مشہور مصنف مورخ اور ادیب صاحب عقد الفرید احمد بن عبد ربہ بھی ان کا ممنون کرم تھا۔ مشہور زمانہ حکیم و طبیب ابوالقاسم خلف ابن عباس الزہراوی اسی کے درباریوں میں تھا اور جامعہ قرطبہ میں درس بھی دیتا تھا۔ اسی علم پروری کی بدولت خلیفہ ناصر نے جامعہ قرطبہ کو عجب شان بخشی تھی کہ دور دراز سے مسلم اور غیر مسلم اس میں تعلیم حاصل کرنے آتے تھے۔ (تفصیل آگے آئے گی۔)

الغرض خلیفہ عبد الرحمان الناصر ایک بہترین انسان، مدبر اور بہترین سالار تھا۔ اس کا دبدبہ سطوت، اس کی عقل و دانش، اس کی دولت و عظمت کا شہرہ براعظم یورپ اور افریقہ سے نکل کر ایشیا کی مسلم حکومتوں کی آخری حدود تک پہنچ گیا تھا۔ ایسا شخص یقیناً محض معمولی خلیفہ نہیں بلکہ موجودہ زمانے کا ایک عاقل و دانشمند بادشاہ معلوم ہوتا ہے۔[1]

کارنامے

عبد الرحمان ثالث کا دور مسلم اسپین کا ایک روشن ترین دور ہے۔ بلاشبہ وہ خاندان بنو امیہ اسپین کے حکمرانوں میں سب سے زیادہ قابل اور منفرد حیثیت کا مالک تھا۔ تخت حکومت پر جس وقت وہ بیٹھا اس وقت تمام ملک بد نظمی اور خانہ جنگی کا شکار ہو رہا تھا۔ ہر طرف فتنہ و فساد برپا تھا اور سلطنت

---

[1] نفح الطیب جلد ۱ ص ۲۳۶ [2] عبرت نامہ اندلس جلد ۲ ص ۲۵ [3] ایضاً

چھوٹی چھوٹی خود ساختہ ریاستوں میں منقسم ہوتی جا رہی تھی۔ شمال کے عیسائی لوٹ مار، ڈاکہ زنی اور قتل و غارت گری میں مصروف تھے۔ انسانی جان و مال کی قدر و قیمت ختم ہو چکی تھی راستے غیر محفوظ اور تجارتیں ختم ہو چکی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ سات برس تک قرطبہ سے سر قسطہ اور دیگر علاقوں میں کوئی کاروان تجارت نہ گیا تھا"[1] یہ عبدالرحمان الناصری ہی تھا جس نے ان تمام مشکلات و مصائب پر قابو پا کر حکومت اسپین کو استحکام اور اعلیٰ مقام بخشا۔ وہ جانتا تھا کہ کس طرح باغیوں اور سرکشوں سے نمٹا جا سکتا ہے۔ اس نے اندرون ملک امن و استحکام اور بیرون ملک حکومت قرطبہ کی عزت و وقار کو بحال کیا۔ اٹھارہ برس کامل فوجی مہمات کے ذریعہ نہ صرف یہ کہ وہ اپنے اقتدار کو مکمل کرنے میں کامیاب ہوا بلکہ امن و سلامتی کے ایک نئے دور کا آغاز کیا۔ عرب امراء اور روساء کی طاقت کو کچل کر ایک مضبوط اور انصاف پر مبنی نظم مملکت شہروں اور صوبوں میں قائم کیا۔

طرز حکومت

خلیفہ عبدالرحمان الناصر پہلا اسپینی حکمران ہے جس نے حکومت کے بندوبست کو ایک نئی جلا بخشی اور ایسے اصول وضع کئے جو کسی خاص طبقہ، نسل یا قبیلے سے تعلق نہ رکھتے تھے بلکہ حکومت کی فلاح اور عوام کی بہتری کے لئے تھے۔ گو یہ اصول کوئی نئے نہ تھے بلکہ ہر دور میں مطلق العنان آمریت کی نشاندہی کرتے رہتے تھے لیکن الناصر نے ان کو زندہ و جاوید کر کے ان پر سختی سے عمل کر کے دکھایا اور ایک مضبوط حکومت اپنے بعد چھوڑ گیا اس کے چند اصول یہ تھے۔

(الف) شاہی اختیارات کا استعمال بجز خلیفہ کے کوئی دوسرا نہیں کر سکتا خواہ وہ خلیفہ کا کتنا ہی مقرب کیوں نہ ہو اگر ایسا کرتے ہوئے کوئی پایا گیا تو سخت سزا کا مستوجب ہو گا کیونکہ امراء سلطنت کا اختیارات میں وسعت کے معنی اس کے سوا کچھ نہیں ہوتے کہ ان کا غرور و تکبر بڑھ جائے اور ان کی اولاد بغاوتیں برپا کرے۔

(ب) اقتدار اعلیٰ صرف خلیفہ کو حاصل رہے گا اور اس کی مرضی کے بغیر حکومت کا کوئی بھی کام انجام پذیر نہیں ہو سکتا اس کے اس اقتدار میں اس کا کوئی شریک نہ ہو گا۔

(ج) عہدہ اور اختیارات صرف انہی افراد کو تفویض کئے جائیں گے جو اپنے عمل سے حکومت کی خیر خواہی اور اطاعت گزاری ظاہر کریں گے اس میں مذہبی یا طبقہ واری تفریق نہیں برتی جائے گی۔

(د) باغیوں اور سرکشوں کو سخت سزا دی جائے گی۔ اگر وہ اطاعت کرلیں گے تو امن میں رہیں گے۔

---

[1] Political History of Muslim Spain - P.97

سازش کرنے اور سازش میں شریک ہونے والے ناقابل برداشت ہوں گے اور عبرتناک سزا کے مستحق ہوں گے جو لوگ مذہبی اور طبقہ واری اور عصبیت کے ذریعہ ملک کے امن کو برباد کریں گے ان کو سخت ترین سزا دی جائے گی۔

(ہ) روساء عرب کو کوئی فوقیت نہ ہوگی۔ اگر انہوں نے اپنے حسب و نسب پر غرور کیا تو ان کی جاگیریں اور جائیدادیں ضبط کر لی جائیں گی اور اختیارات چھین لئے جائیں گے اور اگر حکومت کے غیر عرب عہدہ داروں سے بدسلوکی کی تو سخت سزا کے مستحق ہوں گے۔

(و) شاہی رعب و داب قائم کرنے اور بغاوتوں کا خاتمہ کرنے کے لئے ایک زبردست فوج قائم کی جائے گی جو تنخواہ دار ہوگی جس میں حسب ضرورت اضافہ ہوتا رہے گا۔ یہ فوج کسی خاص قبیلے یا نسل پر مشتمل نہ ہوگی۔

(ز) شاہی حفاظتی دستہ کو منظم اور مضبوط بنایا جائے گا تاکہ خلیفہ کی حفاظت بھی ہوتی رہے اور احکامات اور فرامین کا اجرا بہ جلد ممکن ہو

(ح) سپاہ کو تنخواہ اور مال غنیمت کے ساتھ ساتھ زمینیں بھی دی جائیں گی تاکہ وہ دل و جان سے جنگ میں حصہ لیتے رہیں اور اہل و عیال کی فکر ان کو فرائض کی ادائیگی سے نہ روک سکے۔

(ط) حسب حیثیت لوگوں کو جاگیریں بھی دی جائیں گی اور ان کو ایک محدود فوج بھی اپنے پاس رکھنے کا حق ہوگا تاکہ اپنے علاقوں میں امن و امان قائم رکھ سکیں اور حسب ضرورت حکومت قرطبہ کو سپاہ بھی فراہم کر سکیں۔ یہ فوج باقاعدہ ہوگی اور وقت ضرورت کسانوں اور غلاموں کو بے گار کے طور پر اس میں شامل نہ کیا جائے گا۔

(ی) عوام الناس پر محصول کا زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے گا اور نہ ان سے محصول وصول کرنے میں سختی برتی جائے گی۔

(ک) حکومت کے عہدہ دار زیادہ تر عوام کی بھلائی اور بہتری کے خواہاں رہیں گے ظلم و تشدد اور جبر و استبداد کبھی معاف نہ کیا جائے گا۔

ان تمام اصولوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ الناصر نے عوام اور حکومت میں رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تھی۔ جس کے دوسرے معنی یہ تھے کہ وہ ایک قومی حکومت کا تصور رکھتا تھا۔ وہ اپنی اس کوشش میں بڑی حد تک کامیاب رہا۔ اس نے اسی نظریہ کے تحت حاجب کا عہدہ بھی ختم کر دیا تھا۔ پرانے لوگوں کو حکومت سے علیحدہ کر کے نئے اور جوان العزم آدمیوں کو مقرر کیا جو اس کے مکمل اعتماد میں رہتے تھے اور اس کے ہر حکم کی تعمیل میں کوشاں رہتے تھے۔ اس نے خاص طور پر

مقابلہ کو آگے بڑھایا کیونکہ ان کے اندر جاں نثاری کا جذبہ سب سے اعلیٰ تھا۔ گو الناصر شاہی کروفر کا خواہاں تھا لیکن بے جا ظلم و تعدی سے پرہیز کرتا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عوام کی فلاح و بہبود کی کوششیں اپنے شباب پر تھیں جن کا تفصیلی جائزہ درج ذیل ہے۔

اقتصادی اور مالی حالت

خلیفہ الناصر نے اپنی پوری توجہ اس بات پر مرکوز کردی تھی کہ عوام اور حکومت دونوں کو زیادہ سے زیادہ اقتصادی فائدہ پہنچے اور محاصل کی زیادتی سے عوام کی کمر نہ ٹوٹے کیونکہ اس سے پہلے ہی عوام پر نامناسب محاصل کا بڑا بوجھ تھا اور وہ تقریباً مالی طور پر بدحال ہو چکے تھے۔ خلیفہ نے ان کے بہت سے محاصل معاف کردیئے جس سے عوام نے اطمینان کا سانس لیا۔ جو محاصل حکومت کی طرف سے ان پر باقی تھے ان کی ادائیگی میں وہ کبھی کوتاہی نہ کرتے تھے۔ اس دور میں اسپین کے ذرائع آمدنی بہت وسیع تھے۔ کہا جاتا ہے کہ مسلم اسپین دولت مندی اور آمدنی کے لحاظ سے اس وقت دنیا کا امیر ترین ملک تھا۔ ابن اثیر کی تحریر کے مطابق "۵۴ لاکھ اسی ہزار دینار اسپین کا خراج تھا۔ بازاروں کی آمدنی ۷ لاکھ ۶۵ ہزار دینار تھی۔ باقی رہا مال غنیمت کا پانچواں حصہ وہ شمار سے باہر تھا"[۱] ایک رپورٹ کے مطابق درآمد اور برآمد کے مال پر جو محصول لیا جاتا تھا وہ ملک کی مجموعی مالیت کا بڑا حصہ تھا۔ جو آمدنی غیر مسلموں سے وصول کی جاتی تھی وہ صرف خاص میں آتی تھی اور ذاتی خزانہ میں داخل ہوتی تھی۔ "اس آمدنی کو خلیفہ الناصر تین حصوں میں تقسیم کرتا تھا۔ ایک حصہ فوج اور سامان جنگ پر خرچ کیا جاتا تھا۔ دوسرا حصہ تعمیرات پر لگتا تھا۔ باقی حصہ بیت المال میں جمع کیا جاتا تھا"[۲]۔ ڈوزی کے کہنے کے مطابق "ایک ثلث جس کی رقم ۶۲ لاکھ ۴۵ ہزار دینار سرخ تھی مصارف سلطنت کے لئے، دوسرا ثلث بیت المال میں محفوظ کردیا جاتا اور تیسرا تعمیرات پر خرچ ہوتا تھا۔ ۳۴۰ھ / ۹۵۱ء میں بیت المال میں دو کروڑ دینار سرخ موجود تھے۔"[۳]

حکومت کی محاصل کی نئی پالیسیوں کی وجہ سے عوام خوش حال ہو گئے تھے۔ اشیائے صرف کی قیمتوں میں کمی اور گداگری کے فقدان نے عوام کی خوشحالی کا ثبوت بہم پہنچادیا تھا۔ ابن حوقل جس کا شمار خلافت اسپین کے دشمنوں میں کیا جاتا ہے وہ بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ "اسپین میں ضروریات زندگی اس قدر سستی ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مفت مل رہی ہیں"[۴] چونکہ اسپین ایک زرعی ملک تھا اس لئے اس دور میں زراعت پر خصوصی توجہ دی گئی کیونکہ خلیفہ الناصر نے اس بات کا بخوبی

---

[۱] ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۲۹۱ [۲] ایضاً [۳] عبرت نامہ اندلس جلد ۲ صفحہ ۲۴۳

[۴] سفرنامہ ابن حوقل ترتیب خان کریم صفحہ ۱۱۴

اندازہ لگالیا تھا کہ اشیائے صرف کی ارزانی کا باعث صرف زراعت ہی ہو سکتی ہے چنانچہ زراعت کے نئے نئے طریقے اختیار کئے گئے تاکہ بہتر سے بہتر فصل پیدا کی جائے۔ ملک میں جگہ جگہ بہتر فصل دینے والے باغات لگائے گئے جن کی فصلوں کی بہتات دیکھنے والوں کو حیرانی میں ڈال دیتی تھیں۔ قرطبہ اور مرسیہ کے علاقوں میں کاشت اور سبزیوں کی اس قدر فراوانی تھی کہ جن کی مثال فخریہ دی جاتی تھی۔ ایک انچ زمین بھی بنجر نہ چھوڑی گئی تھی۔ وہ زمینیں جو برسہا برس سے بنجر اور غیر آباد تھیں کام میں لی گئی تھیں یہاں تک کہ پہاڑی علاقوں کو بھی زیر کاشت لے آیا گیا تھا اور زمینوں کے مطابق ان پر بھی کھیتی باڑی کی گئی تھی جگہ جگہ نہریں کھدوائی گئیں، بند باندھے گئے اور آب رسانی کی بہترین سہولتیں مہیا کی گئی تھیں مسلمانوں کی فنکارانہ صلاحیتوں کی وجہ سے ملک کی آمدنی اور زراعت میں نمایاں تبدیلی واقع ہوئی ضروریات زندگی کی بہم رسانی اور ارزانی کے سبب آبادی میں کثیر اضافہ ہوا ایک اندازے کے مطابق ملک کی آبادی تین کروڑ تک پہنچ گئی تھی[1] صرف قرطبہ کی آبادی دس لاکھ سے تجاوز کر چکی تھی اور وادی الکبیر کے پار تین ہزار نئے گاؤں آباد ہو گئے تھے۔

تجارت و صنعت

زراعت کی ترقی کے ساتھ ساتھ صنعتی ترقی میں بھی انقلاب عظیم آچکا تھا۔ قرطبہ، اشبیلیہ اور دیگر شہر صنعتوں اور کارخانوں کا مرکز بن گئے تھے۔ خاص طور پر ریشم، سوت، اون اور چمڑے کے کارخانے وافر تعداد میں کام کر رہے تھے جن سے نہ صرف یہ کہ عوام کی مالی حالت بہتر ہوتی جارہی تھی بلکہ اسپین کی قومی دولت میں بھی کثرت اور تیزی سے اضافہ ہو رہا تھا۔ اسپین کے صرف ایک صوبہ قرطبہ میں تین ہزار سے زیادہ دیہاتوں کے لوگ ریشم کے کیڑے پالنے کا کام کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک لاکھ تیس ہزار ریشم باف صرف قرطبہ ہی میں تھے[2] اور ۱۳ ہزار سے زیادہ جولاہے سوتی کپڑا بننے کا کام کرتے تھے لیکن اس صنعت میں المریہ اور اشبیلیہ قرطبہ سے بھی آگے نکل گئے تھے تانبے، پیتل اور لوہے کا کام کرنے والے دنیا بھر میں اپنے حربی آلات مثلاً تلوار، زرہ اور خود کی تیاری، لیمپ اور لوہے کے دروازے بنانے میں مشہور تھے۔ چمڑے کا کام بھی عروج پر تھا۔ اسی زمانہ سے لے کر دور جدید تک قرطبہ کے چمڑے کے کام کی یورپ میں زبردست مانگ ہے۔ قالین اور دریاں کثرت سے برآمد کی جاتی تھیں جن کی غیر ممالک میں مقبولیت تھی۔ ملک کے بہت سے علاقوں میں تانبہ، سونے، چاندی، لوہا اور شیشے وغیرہ کی کانیں تھیں۔ سنگ مرمر اور دیگر قیمتی پتھروں کی تلاش کا کام بھی جاری تھا۔ دانیہ اور جزیرہ مجورقہ مٹی کے برتن بنانے میں مشہور زمانہ تھا۔

---

[1] Political History of Muslim Spain P.100 [2] Moors in Spain P.146

جس وقت بغداد، دمشق اور دیگر مسلم ممالک میں تجارت کا بڑا ذریعہ کارواں تھے اس وقت اسپین میں تجارت کا بڑا ذریعہ بحری جہاز تھے۔ اس زمانہ میں تجارتی بحری بیڑے میں ایک ہزار کے لگ بھگ جہاز تھے۔ دنیا کے ہر اہم مقام پر اسپینی تاجروں کی اپنی ایجنسیاں قائم تھیں۔ درآمدات و برآمدات اس قدر ترقی پذیر تھیں کہ ان پر لیا جانے والا محصول ملکی آمدنی کا بہت بڑا حصہ تھا۔ اندرون ملک تجارت کی آسانیوں کی خاطر نہ صرف یہ کہ پرانی سڑکیں اور پل درست کئے گئے بلکہ نئی سڑکیں بھی بنوائی گئیں۔ جگہ جگہ حفاظت کی غرض سے سڑکوں کے کنارے فوجی چوکیاں قائم کی گئیں۔ شہروں میں پولیس کا نظام اس قدر عمدہ اور سخت تھا کہ تاجروں کی قیمتی سے قیمتی شے پر بھی کوئی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ باہر سے آنے والے تاجر کسی قسم کی پریشانی نہ اٹھاتے تھے بلکہ ان کو اس قدر آسانیاں اور سہولتیں مہیا کی جاتی تھیں کہ وہ ملک کے دور دراز علاقوں میں بھی اپنے سامان کے ساتھ گھوم پھر سکتے تھے۔ زراعت اور صنعت و تجارت کی ترقی کے ساتھ ملکی آمدنی ۶ کروڑ ۲۵ لاکھ دینار سالانہ تک پہنچ گئی تھی جس سے عام معیار زندگی میں زبردست تغیر رونما ہو چکا تھا۔ ابن حوقل کے بیان کے مطابق "ایسے اضلاع میں بھی جہاں پر پہنچنا آسان نہ تھا امن و انتظام موجود تھا اور یہ سب پولیس کی عمدہ کارکردگی کا نتیجہ تھا اشیاء کی ارزانی بھی تعجب خیز تھی۔ لذیذ سے لذیذ پھل برائے نام قیمت پر مل سکتے تھے۔ لوگوں کے لباس میں صفائی اور بانکپن تھا۔ سب خوشحال تھے۔ پیدل چلنے کی جگہ کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کے پاس خچر سواری کے لئے نہ ہو۔"[1]

فوجی تنظیم

اس سے قبل حکومت کی عسکری تنظیم، قبائلی دستوں پر مشتمل ہوتی تھی جن کو جند کہا جاتا تھا۔ اس سے دو خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں ایک تو یہ کہ ان میں عسکری تنظیم کا فقدان تھا دوسرا یہ کہ یہ سپاہی حکومت کی بہ نسبت اپنے قبیلے کے سردار کے زیادہ مطیع اور فرمانبردار ہوتے تھے جس سے مجبور ہو کر اکثر امیران اندلس نے اپنا ایک مستقل حفاظتی دستہ بنا لیا تھا۔ حکم اول کے زمانہ سے ایسا شروع ہوا تھا اور اس میں صقلبی غلاموں کو کثرت سے بھرتی کیا جاتا تھا۔ باوجود اس کے کہ ان غلاموں کی تعداد میں وقتاً فوقتاً اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ پھر بھی یہ جند کے مقابلے میں بہت کم تھے جس کی وجہ سے نہ تو یہ عرب قبائل کو اپنے قابو میں رکھ سکتے تھے اور نہ ہی ملک میں امن و امان قائم رکھ سکتے تھے البتہ امیر کی حفاظت بخوبی کرتے تھے۔ عبد الرحمان الناصر نے اس بات کو خوب اچھی طرح محسوس کر لیا تھا کہ

---

[1] عبرت نامہ اندلس جلد ۲ صفحہ ۴۳۲

خالص عرب اقتدار کو ختم کئے بغیر امن و سکون کو بحال کرنا ممکن نہیں اس لئے کہ اس ملک میں عربوں کی خود غرضی اور مطلب پرستی نے جس قدر ملک کو نقصان پہنچایا تھا وہ ڈھکی چھپی نہ تھی چنانچہ خلیفہ الناصر نے ان کے زور کو توڑنے کے لئے صقالبہ اور بربروں کو زیادہ سے زیادہ اپنی فوج میں بھرتی کرنا شروع کیا اور خواجہ سراؤں کی حیثیت سے اپنے حرم سرا میں متعین کیا۔ حرم سرا پر متعین کئے جانے والوں میں صقالبہ کی کثرت تھی۔ ان میں بڑی تعداد ان عیسائی غلاموں کی تھی جو یورپ سے لائے گئے تھے اور جرمنی اور اٹلی کے تاجروں نے ان کو مسلمان کے ہاتھوں فروخت کیا تھا۔ ان کے ذریعہ خلیفہ الناصر نے عربوں اور ان کے قبائلی غرور کا زور ختم کر دیا۔ ان سے ایک زبردست فوج اور حفاظتی دستہ تیار کیا گیا۔ ایک بیان کے مطابق ان کا شمار ۳۷۵۰ دوسرے بیان کے مطابق ۶۰۸۷ کچھ اور بعضوں کے نزدیک ۱۳۷۵۰ تھا۔ ۸ ہزار کے قریب گھوڑے سوار تھے جن کی وردیاں بہت خوبصورت تھیں۔ ان ہی صقالبہ میں سے بہت سے غلام فوج کی اعلیٰ کمان تک پہنچ گئے تھے۔ مثلاً ۳۲۷ھ / ۹-۹۳۸ء میں بخدا صقلی کو ایک مہم کی سپہ سالاری ملی تھی۔ فوج کی تقسیم اس طرح تھی کہ اس کو بہت سی بٹالین میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ ہر بٹالین میں ایک ہزار سوار ہوتے تھے۔ ہر بٹالین کو پانچ حصوں میں تقسیم کر کے ۲۰۰ سواروں کی ایک کمپنی بنائی گئی تھی۔ ہر کمپنی کو ۵ پلٹنوں میں منقسم کر دیا گیا تھا اور ہر پلٹن میں ۴۰ نفر ہوتے تھے پھر ہر پلٹن کو ۵ حصوں میں تقسیم کر کے آٹھ آٹھ سواروں کا ایک دستہ بنایا گیا۔ خلیفہ نے ان صقالبہ کو بھرتی کرنے پر ہی بس نہ کیا بلکہ ان کو بڑی جاگیریں بھی دی گئیں اور فوجی و دیوانی عدالتوں کے اہم عہدوں پر بھی ان کو مقرر کیا گیا جس سے عربی رئیسوں کو ان سے دشمنی ہونا لازمی تھا۔ الناصر کے لشکر کی تعداد مقرر نہ تھی۔ زیادہ سے زیادہ جو تاریخ سے پتہ چلتی ہے ایک لاکھ تھی۔ سپاہ کو تنخواہ دی جاتی تھی اور وہ ایک سپہ سالار کے ماتحت لڑتے تھے اور قبائلی طریقہ کار ختم کر دیا گیا تھا۔ خلیفہ نے اپنی پالیسی یہ بنائی تھی کہ سپاہیوں کو تنخواہ کے علاوہ زمین بھی دی جاتی تھی تاکہ وہ اپنے اہل و عیال کی طرف سے مطمئن ہو کر فوجی خدمات ادا کر سکیں کیونکہ ماضی میں ایسے واقعات ہو چکے تھے کہ زیادہ تنخواہ اور انعام کے لالچ میں سپاہی دشمن سے مل جاتے تھے۔ بربروں میں یہ لالچ خصوصیت سے زیادہ پائی جاتی تھی۔ تمام ملک میں اہم مقامات پر فوجی چوکیاں قائم تھیں جن کی مدد سے خبروں کا جلد سے جلد پہنچنا ممکن ہو گیا تھا۔ فوجیوں کو قواعد اور تنظیم کی تعلیم بھی دی جاتی۔ سرحدی علاقوں میں ایسی فوج بھی متعین تھی جس کو پہاڑی لڑائیوں کی تربیت دی جاتی تھی (گوریلا طریقہ جنگ)۔ زبردست بحری بیڑہ بھی تھا جس میں کئی سو جہاز اور ہزاروں سپاہی تھے۔ ان

جہازوں میں جدید ترین آلات نصب کئے گئے تھے۔ تمام بحر روم پر اسپینی بحری بیڑہ حاوی تھا۔ دشمن کی نقل و حرکت کی اطلاع جلد پہنچانے کے لئے تمام اسپینی ساحل اور بندر گاہوں پر جگہ جگہ روشنی کے مینارے نصب کئے گئے تھے۔ بندر گاہوں کو ہر طرح سے محفوظ اور مضبوط بنایا گیا تھا۔ اشبیلیہ کے علاوہ مرسیہ میں اور الخضراء میں جہاز سازی کے کارخانے قائم کئے گئے تھے۔ غرض اسپین کو اس وقت دنیا کی ہر فوجی قوت پر برتری حاصل تھی۔

علم و ادب

خلیفہ الناصر عالم اور علم شناس تھا۔ شعر و شاعری کا عمدہ ذوق رکھتا تھا۔ تاریخ نے اس کے بہت سے اشعار جو عشق و عاشقی سے معمور ہیں محفوظ کئے ہیں۔ اس کے عہد میں "شاعری کا اس قدر چرچا تھا کہ خلیفہ سے لیکر ایک معمولی ملاح تک سب قصیدہ اور غزل کہہ لیا کرتے تھے[1]" علماء کی قدر کرتا تھا اور ان کے مشوروں اور مباحثوں میں شرکت کرتا اور ان پر غور کرتا تھا۔ الناصر سالانہ آمدنی کا تیسرا حصہ علم و فن و ادب پر خرچ کرتا تھا۔ عوام الناس میں علوم و فنون کا مذاق بڑھا ہوا تھا۔ اس دور کے عظیم و شہرت یافتہ علماء فن و ادب قرطبہ میں جمع تھے۔ ابن مسرہ جیسے فلسفی ابن الاحمر جیسے مورخ، احمد بن نصر اور مسلمہ بن القاسم جیسے ماہران نجوم، عریب بن سعید اور یحیٰی بن اسحاق جیسے حاذق طبیب اس وقت قرطبہ میں موجود تھے۔ خلیفہ الناصر ایک آزاد منش شخص تھا اور رواداری میں بے مثال تھا جس کی وجہ سے اس دور میں یونانی فلسفہ نے نمایاں ترقی حاصل کی۔ نکولس یونانی اور یہودی حسدائی جیسے فلاسفر اس کے دربار سے منسلک تھے۔ بہت سی یونانی فلسفہ کی کتابوں کا ترجمہ عربی میں ہوا۔ ابو لروس بھی اس زمانہ کا ایک مشہور فلسفی اور ان جلیل القدر اور محسن زمانہ افراد میں سے تھا جن کی کاوشوں اور محنتوں نے قدیم یونانی فلسفہ کو جدید فلسفہ میں تبدیل کیا۔ خلیفہ الناصر کے دور کی سب سے اہم چیز لین پول کے بقول سرجری اور طب کی ترقی ہے جس پر بذات خود خلیفہ توجہ دیتا تھا جس کی بنا پر بہت سی طب کی کتابیں اس زمانہ میں تحریر کی گئیں اور تراجم بھی کئے گئے۔ سینکڑوں تعلیمی ادارے قائم تھے جو حکومت کے خرچ پر چلتے تھے جہاں تعلیم عام اور مفت تھی۔ ضرورت مند طلباء کو وظائف بھی دیئے جاتے تھے۔ تمام مروجہ علوم کے ماہرین کو درس و تدریس پر ملازم رکھا جاتا تھا۔ کتابوں کی اشاعت کا کام حکومت کے ذمہ تھا۔ مصنفین کی حوصلہ افزائی کی جاتی اور انہیں انعامات سے نوازا جاتا تھا۔ جگہ جگہ مشاہدات کے لئے رصد گاہیں تعمیر کی گئیں جن میں ماہرین طب و نجوم نت نئے تجربات کرتے

---

1. Moors in Spain - P.147 لے

تھے۔ خلیفہ اور اس کے لڑکوں کے ذاتی کتب خانہ تھے جن میں ہر علم کی کتاب موجود تھی۔ بڑے بڑے شہروں میں عوامی کتب خانے بھی قائم کئے گئے تھے جن سے عوام استفادہ کر سکتے تھے۔ غرض ابن اثیر کے بقول۔

"قرطبہ اس زمانہ میں دنیا کے علوم و فنون کا مرکز بنا ہوا تھا۔ دور دراز ملکوں سے طلباء تحصیل علم کے لئے یہاں آتے تھے۔ عروض' الہیات' قانون' فلسفہ' طب' تجارت اور صنعت غرض ہر شاخ علم کی تعلیم یہاں ہوتی تھی۔ ہر فن کے یگانہ روزگار یہاں موجود تھے...... ارباب قلم و اصحاب شمشیر یہاں کے قیام کو باعث ناموری و فخر سمجھتے تھے۔[1]"

تعمیرات

تعمیرات کے ذوق و شوق میں بھی خلیفہ الناصر کسی سے کم نہ تھا۔ فنون لطیفہ کے عاشق ہونے کی وجہ سے اس نے اپنے دور میں ایسی عمدہ اور نفیس تعمیرات کرائیں جو آج بھی زبان حال سے اپنے معمار کی عظمت کی گواہی دے رہی ہیں۔ ان تعمیرات سے قطع نظر جو عوام کی فلاح و بہبود کی خاطر بنائی گئی تھیں الناصر نے چند ایسی تعمیرات بھی کرائیں جو نادر روزگار تھیں۔ نومبر ۳۲۴ھ / ۹۳۶ء میں اس نے قرطبہ سے تین میل شمال میں ایک نئے شہر کی بنیاد رکھی جس کا نام اپنی چہیتی ملکہ الزہرہ کے نام پر قصر الزہرہ رکھا۔ اس کی تعمیر پر دس ہزار مزدور اور معمار اور ۱۸۰۰ جانور دن و رات کام کرتے رہے اور ۲۵ برس تک اس کا کام جاری رہا لیکن پھر بھی اس کی تکمیل نہ ہو سکی۔[2] اس پر ۵۰ لاکھ دینار سے زیادہ صرف کئے گئے۔[3] اس کی تعمیر میں جو پتھر اور دیگر سامان استعمال کیا گیا تھا وہ دور دراز علاقوں سے لایا گیا تھا۔ مثلاً ناربونہ' طرکونہ' کار تیج (قرطاجنہ) اور بازنطین وغیرہ المریہ کا مشہور سنگ مرمر اس میں استعمال کیا گیا تھا۔ قصر کے پندرہ ہزار دروازے تھے جن پر عمدہ قسم کے لوہے یا چمکدار پیتل کے غلاف چڑھے ہوئے تھے۔ خاص سلطان کے کمرے کی چھت اور دیواریں سونے کی تھیں اور ان میں ایک نہایت عجیب و غریب فوارہ نصب تھا جو سالم پتھر سے تراش کر بنایا گیا تھا اور شاہ یونان نے ایک بے مثال گوہر آبدار کے ساتھ تحفتاً بھیجا تھا۔ کمرے کے عین وسط میں ایک چھوٹی سی حوض پارہ سے لبریز بنائی گئی تھی۔ کمرے کے چاروں طرف آٹھ آٹھ دروازے تھے جب سورج کی شعاعیں ان دروازوں سے اندر داخل ہو کر اپنی تمازت سے اس پارے کو متحرک کرتی تھیں تو گویا ہر طرف برق کا جلوہ نظر آتا تھا اور اہل دربار کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں۔ قصر زہرہ ایک میل لمبا اور نصف میل چوڑا تھا۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۲۷۱ [2] نفح الطیب جلد ۱ صفحہ ۲۴۴ [3] ابن عذاری جلد ۲ صفحہ ۲۴۶ حوالہ

اس میں تمام انتظام حکومت انجام دیا جاتا تھا۔ اس شہر کو آباد کرنے کے لئے ہر آباد کار کو چار سو درہم دینے کا اعلان کیا گیا تھا۔ جس سے ہزاروں افراد اس میں جا کر آباد ہو گئے۔ ابن خلدون نے خلیفہ الناصر کے دور کی تعمیرات کے متعلق لکھا ہے۔ "جس وقت خلیفہ الناصر کی حکومت اندرونی اور بیرونی خدشات اور خطرات سے محفوظ ہو گئی اور معقول طور پر اس کی امارت اور حکمرانی کو استقلال اور استحکام حاصل ہو گیا تو اس وقت اس نے تعمیرات کی طرف توجہ کی...... چنانچہ قصر الزام کے قریب محل سرا تعمیر کرائی اور اس کا نام دارالروضہ رکھا پہاڑ سے اس شاہی محل میں نلکوں کے ذریعہ پانی لایا گیا۔ مختلف ممالک اور سرزمینوں سے بڑے بڑے مہندسوں اور انجینئروں کو طلب کیا چنانچہ وہ لوگ دور دراز ملکوں سے قرطبہ آئے حتیٰ کہ بغداد اور قسطنطنیہ کے مشہور و معروف کاریگر دور دراز کا سفر کر کے قرطبہ پہنچے۔ محل سراؤں کی تعمیر کے بعد حماموں کی تعمیر کی طرف توجہ دی اور محل سراؤں کے باہر مینار ناعورہ نامی حمام تعمیر کرایا جس میں پہاڑ کی بلند چوٹی سے پانی لایا گیا حالانکہ دونوں کے درمیان کافی فاصلہ تھا۔ اس کے بعد مدینۃ الزہرہ کا سنگ بنیاد رکھا اور اس کی تکمیل و تعمیر کے بعد اس کو اپنا مرکز سلطنت قرار دیا۔ اس شہر میں بھی بڑی بڑی عمارتیں' عمدہ عمدہ محل سرائیں اور اعلیٰ درجہ کے باغات بنوائے۔ ان باغات میں جانوروں کے رہنے کے لئے جال اور مکانات مع سائبان اس قدر وسیع بنوائے کہ ہر جانور اس کی فضا میں کود پھاند کر سکتا اور طبعی طور پر رہ سکتا تھا۔ اسی شہر میں دارالصناعت یعنی آلات حرب اور زیورات بنانے کا بھی کارخانہ بنوایا۔ صحن جامع قرطبہ میں بہت بڑا شامیانہ لوگوں کو سورج کی گرمی سے بچنے کے لئے نصب کرایا۔[1]

ایک بہت بڑا مینار جس کی چوڑائی ۲۷ مربع فٹ اور لمبائی ۱۰۸ فٹ تھی جامع مسجد قرطبہ کے نارنگی والے صحن میں تعمیر کرایا۔ جو ایسے چمکدار پتھر سے بنایا گیا تھا جو شمالی افریقہ سے لایا گیا تھا۔ یہ مینارہ تعمیرات کی دنیا میں ایک نمایاں اور منفرد حیثیت کا حامل ہے۔ ان تمام تعمیرات کے علاوہ الناصر نے بہت سے مدارس' سرائیں' پل' سڑکیں اور عوامی عمارتیں بھی تعمیر کرائیں۔ جن سے عوام کو آرام و سکون حاصل ہوا۔

خارجی تعلقات

خلیفہ الناصر نے نہ صرف یہ کہ ملک میں امن و امان قائم کیا بلکہ اس نے اپنی حکومت کی دھاک دیگر ممالک پر بھی بٹھا دی تھی۔ اس کے رعب و داب اور عظمت شاہی کی یہ کیفیت تھی کہ عیسائی

---

[1] ابن خلدون جلد ۵ ص ۲۲۶-۲۲۷ (اردو ترجمہ)

بادشاہ اپنے جھگڑوں اور تنازعات کے فیصلے کرانے کے لئے دربار قرطبہ میں آتے تھے۔ بڑی بڑی اور دور دراز کی سلطنتوں کے بادشاہ مراسم واتحاد قائم کرنے کے لئے سفراء کے ذریعہ مصالحتی درخواستیں بھیجتے تھے "اس زمانہ میں کسی ملک کا ایسا کوئی خطہ نہ تھا جہاں پر خلیفہ الناصر کی سطوت وجبروت کی ہیبت نہ بیٹھ گئی ہو۔ خلیفہ ناصر کی عقل ودانش اور دولت وعظمت کا شہرہ تمام یورپ وافریقہ میں عام ہو رہا تھا۔[1]" امیر محمد سے عبداللہ تک کے دور انتشار میں بیرونی سفارتوں کے آنے کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا لیکن الناصر کی زمانے میں یہ پھر بحال ہوگیا۔ قسطنطینہ کے شاہ اور شاہان جرمنی، فرانس اور اٹلی نے خلافت اسپین سے اپنے تعلقات بہتر اور استوار کرنے کے لئے سفارتیں بھیجیں۔ ۳۳۶ھ / ۸-۹۴۷ء میں قسطنطنیہ کی اور شاہ یونان کی سفارت آئی جن کو قصر الزہرہ میں شرف پذیرائی بخشا گیا۔ ابن خلدون نے اس سفارت کا حال اس طرح بیان کیا ہے۔

" قسطنطین شاہ قسطنطین نے اظہار محبت اور نیاز مندی کی غرض سے سفارت بھیجی اور بہت سے نذرانے اور تحائف اس کی معرفت بھیجے۔ خلیفہ نے دربار عام میں اس سفارت کو پیش کئے جانے کا حکم دیا۔ تمام افسران، فوجی اور ملک کے نام فرمان جاری کئے گئے کہ دربار عام میں مناسب ساز و سامان اور آلات حرب سے مسلح ہو کر آئیں۔ قصر خلافت شان وشوکت سے آراستہ کیا گیا۔ دروازوں اور محرابوں پر عمدہ پردے لٹکائے گئے۔ وسط میں تخت خلافت سجایا گیا۔ تخت شاہی کے اردگرد تمام شہزادوں اور امراء ووزراء کے تخت بچھائے گئے۔ جب سفیر دربار میں داخل ہوئے تو دربار کی شان و شوکت دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے لیکن سنبھلے اور تخت خلافت کے قریب جاکر شاہ قسطنطین کا خط باادب پیش کیا خلیفہ ناصر نے خطیبوں اور مقررین کو اشارہ کیا کہ وہ حسب موقع تقریر کریں جس میں اسلام اور خلافت اسلامیہ کی عظمت بیان کی جائے اور ملت اسلامیہ کے اعزاز اور دشمنان دین کی ذلت پر اللہ کا شکر ادا کیا جائے۔ حاضرین دربار میں بڑے بڑے خطیب و مقرر موجود تھے لیکن سطوت وجبروت خلافت اور رعب ودبدبہ کی بنا پر چند جملے بھی ادا کرنے نہ پائے تھے کہ زبان میں لکنت اور پاؤں میں لغزش پیدا ہو گئی اور لڑکھڑا کر زمین پر گر پڑے۔ انہی میں مشہور زمانہ عالم اور خطیب ابو علی القالی بغدادی بھی تھا جس کو اپنی خطابت اور ولی عہد سلطنت حکم کی قربت پر ناز تھا لیکن جب تقریر کرنے کھڑا ہوا تو چند جملوں سے زیادہ ادا نہ کر سکا بالآخر ایک غیر مشہور شخص منذر بن سعید بلوطی جو نہ اس سے قبل ایسی محفلوں میں آیا تھا اور نہ تقریر کی تھی کھڑا ہوگیا اور نہایت متانت اور سنجیدگی سے

---

[1] ابن اثیر جلد ۸ ص ۲۷۱

حسب حال تقریر کی۔ خلیفہ ناصر اس کی برجستہ تقریر اور فصاحت و بلاغت پر بہت خوش ہوا اور اس کو بعد میں قاضی القضاۃ کا عہدہ دیا گیا۔ اس واقعہ کے بعد اس کی بڑی عزت اور شہرت ہوئی۔[1]"

ان سفیروں کی واپسی کے بعد خلیفہ ناصر نے بھی ہشام بن کلیب جاثلیق کو لو اتحاد کے مراسم مضبوط اور رشتہ مستحکم کرنے کی غرض سے کچھ نذرانے اور تحائف دیکر قسطنطنیہ بھیجا۔ دو برس بعد ہشام واپس آیا تو شاہ قسطنطنیہ نے پھر اس کے ساتھ اپنے تحفے تحائف اپنے سفیر کے ساتھ بھیجے۔ اس سفارت کے بعد کوہ البرانس (Pyranees Moutains) کے پار والے فرانس کے علاقے کے بادشاہ اوفو (Hugo) اور مشرقی فرانس کے شاہ کلدہ (Kaldoh) نے خلیفہ الناصر کے پاس سفارتیں بھیج کر دوستی کا اظہار کیا۔ جب جرمنی کی سفارت آئی اور ناصر نے دوستی منظور کرلی تو جواب میں اپنے سفیر ربیع بن زیاد اسقف کو جرمنی بھیجا۔ ربیع لاطینی اور عربی کا ماہر تھا اس نے جرمن مورخ لیوڈپران (Liudparnd) کی تاریخ (The Antapodosis) کی تالیف میں مدد کی۔ خلیفہ کے درباری طبیب حسدائی کی خدمات جرمن اور بازنطینی سفیروں کے استقبال میں لی گئی تھیں اور یہی وہ شخص تھا جو نبرہ کی ملکہ طوطہ اور لیون کے شاہ اردون کے پاس بھیجا گیا تھا۔ ابن خلدون ہی اس بات کا راوی ہے کہ

"اسی زمانہ میں بادشاہ برشلونہ اور طرکونہ کے سفیر بھی صلح اور اتحاد کی غرض سے دربار خلافت میں آئے تھے۔ خلیفہ الناصر نے بلند ظرفی کا مظاہرہ کر کے ان کی درخواست کو رد نہ کیا اور ان سے مصالحت و دوستی کرلی۔ اس کے بعد روم کا سفیر اظہار و محبت اور رسم دوستی جاری رکھنے کے لئے حاضر ہوا۔ خلیفہ نے اس سے بھی اتحاد کے مراسم جاری رکھنے کا وعدہ کیا۔[2]"

جس سے اس امر کا واضح ثبوت ملتا ہے کہ یورپ کے تمام عیسائی بادشاہ خلیفہ الناصر سے دوستی رکھنے کے خواہشمند تھے۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ خلیفہ کا یہ ارادہ کبھی نہ ہوا تھا کہ یورپ میں فتوحات کرے لیکن اس کے باوجود یورپ سے سفارتیں آئیں جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ سفارتیں کسی دباؤ یا خوف کی بنا پر نہ آئیں تھیں اور نہ ان سفارتوں کو بلوانے میں خلیفہ کی کسی ذاتی کوشش کا پتہ چلتا ہے ایسا صرف اس لئے تھا کہ اسپین کے داخلی معاملات استوار ہو چکے تھے اور امن و امان اور قانون کی بالادستی قائم ہو چکی تھی۔ ملک کی داخلی اور خارجی تجارت میں بہت اضافہ ہوا تھا۔ زراعت و صنعت کی ترقی نے اسپین کے بازاروں میں مال کے ڈھیر لگا دیئے تھے جس سے قیمتیں بھی کم ہو گئی تھیں۔ دوسری طرف عباسی خلافت کے کمزور ہوتے ہی ترکوں کا عروج ہو چکا تھا اور سلجوقی ترکوں کی

---

[1] ابن خلدون جلد ۵ ص ۳۱۴-۳۱۵ (اردو ترجمہ) [2] ایضاً ص ۳۱۵

عظیم الشان کامیابیوں نے عیسائیوں کے مستقبل کو تاریک کر دیا تھا۔ چنانچہ عیسائی حکومتوں کو اپنی بقاء کا یہی ایک راستہ دکھائی دیا کہ وہ اسپین کی طاقتور حکومت کا سہارا لیں۔

خلیفہ عبدالرحمان الناصر کی عظمت اس کی اپنی ذاتی صلاحیتوں کی ممنون تھی۔ وہ زبردست انتظامی قابلیت کا مالک تھا۔ تمام مسلم اور غیر مسلم مورخین اس کی صلاحیتوں کے بڑے مدح ہیں۔ وہ رہنمائی کی پوری صلاحیت رکھتا تھا۔ اس نے اپنے عزم و استقلال، بہادری و شجاعت اور ایجادات و اختراعات سے اپنے آپ کو اس وقت کا اہل ترین فرد ثابت کر دیا۔ اس کی عقابی نظروں سے معمولی سی معمولی خامی اور غلطی نہ بچنے پاتی تھی۔ تمام انتظامی معاملات کی نگرانی خود کرتا تھا۔ اس کے طرز حکومت کے اصولوں نے اس کو عہد وسطیٰ کے حکمرانوں کی صف سے نکال کر دور جدید کے سلاطین کی صف میں لا کھڑا کیا۔ وہ عوام سے محبت کرتا تھا اور عوام ہمہ وقت اس پر اپنی جان نثار کرنے کو تیار رہتے تھے۔ الغرض تاریخ کے اوراق پلٹ کر دیکھتے رہیے لیکن عبدالرحمان الناصر جیسا عوامی بادشاہ کہیں نظر نہ آئے گا۔

اس نے اسپین میں قومیت کے تصور کو جنم دیا۔ تمام قبائلی، نسلی، مذہبی اور طبقہ واری کشمکش کو وقتی طور پر ختم کر کے ایک قوم اور ایک نئی تہذیب کی بنا ڈالی جو اسپینی قوم اور تہذیب کے نام سے پکاری گئی۔ اس کا دور اسپین کے قدیم باشندوں کے لئے نعمت الٰہی سے کم نہ تھا اور وہ فخریہ یہ کہا کرتے تھے کہ "بلاشبہ الناصر ہمارا خلیفہ ہے کیونکہ اس نے ہمیں عربوں کے ظلم و تشدد اور نفرت و تعصب سے بچالیا ہے" عدل و انصاف اور مساوات کی ترازو میں سب کو تولا گیا اور کسی کو کسی خاص سبب کی بنا پر اہمیت نہ دی گئی۔ ہر شخص کو اس کی اپنی صلاحیتوں اور حکومت سے وفاداریوں کی بنا پر نوازا گیا۔
ایڈون ہول نے لکھا ہے۔

"عوام جن پر حکمرانی کی جانے والی تھی اتحاد و یگانگت سے بیگانہ تھے۔ جب وہ (الناصر) تخت پر آیا اس وقت گو اسپینی شعور کے بیدار ہونے کے آثار پوری طرح ظاہر ہو چکے تھے لیکن اس قدر نہ تھے کہ ان کو قومی تصور سے پکارا جاتا۔ البتہ قومیت کے اس تصور نے اس کے طویل اور عظیم الشان دور میں ضرور نشوونما پائی۔ گو ذات، نسل اور طبقہ داری کشمکش اس وقت بھی موجود تھی جس نے بڑی حد تک عوام میں اتحاد و یگانگت کو پیدا نہ ہونے دیا لیکن پھر بھی خلیفہ کی کوشش کو ناکام نہیں کہا جا سکتا۔"[1]

جس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ خلیفہ الناصر نے اچھی طرح یہ محسوس کر لیا تھا اور ماضی کے

---

[1] Andalus - Hole - P.47

تجربات سے یہ نتیجہ نکال لیا تھا کہ اسپین پر کامیاب حکمرانی کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ غیر ملکی بن کر یہاں کے عوام پر حکمرانی نہ کی جائے بلکہ اسپینی بن کر عوام کے دلوں پر قابو پالیا جائے۔ تہذیب و تمدن کی تاریخ میں خلیفہ عبدالرحمان الناصر کا نام اسپینی تہذیب کے بانیوں کی فہرست میں سرفہرست لکھا جانا چاہیے۔ یہی ایک طریقہ ہے اس باعظمت بادشاہ کی عظمت و شان کی صحیح تعریف کرنے کا۔

ختم

خلیفہ الحکم ثانی بن عبدالرحمٰن الناصر

۳۵۰ھ/۹۶۱ء تا ۳۶۶ھ/۹۷۶ء

تخت نشینی

خلیفہ الناصر نے گو گیارہ لڑکے چھوڑے تھے لیکن تخت خلافت الحکم ثانی کے حصہ میں آیا اور وہ المستنصر باللہ کے لقب سے تخت خلافت پر جلوہ افروز ہوا۔ اس وقت الحکم ثانی کی عمر ۴۶ برس کی تھی۔ باپ کے انتقال سے چند سال قبل ہی سے وہ حکومت کے معاملات میں حصہ لینے لگا تھا اور مسعودی کے قول کے مطابق "اس کی شہرت ایک عقلمند اور انصاف پسند شہزادہ ہونے کی وجہ سے دور دور تک پھیل چکی تھی"[1] لیکن اس وقت تک اس نے کسی فوجی مہم میں کارنامے نہ دکھائے تھے۔ اس نے اپنے باپ کے مقرر کردہ وزیروں اور عہدہ داروں کو بحال رکھا۔ البتہ جعفر مقلی کو اپنا حاجب مقرر کیا جو مصحفی کے نام سے مشہور تھا۔

عیسائی یورشیں

ریاست لیون کے بادشاہ شانجہ اور نبرہ کے شاہ غرسیہ گو خلیفہ الناصر سے امن کے معاہدے کر چکے تھے اور مرحوم خلیفہ نے ان کی بھلائی کے لئے بہت سے کام بھی کئے تھے لیکن اس کے مرنے کے فوراً بعد ہی دونوں بد عہد عیسائی حکمران اپنے اپنے معاہدوں سے پھر گئے۔ کیونکہ ان کو یقین تھا کہ الحکم ثانی جنگ جو طبیعت کا آدمی نہیں ہے بلکہ وہ ایک کتابی کیڑا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ اپنے باپ کے زمانے کے عہد و پیمان پر سختی سے عمل نہ کرے۔ دوسرے یہ کہ اگر اس نے جنگ بھی کی تو اپنے باپ کی طرح اہل ثابت نہ ہو گا۔ یہ راز الحکم ثانی پر جلد ہی آشکار ہو گیا چنانچہ اس نے شانجہ سے وہ تمام قلعے مانگے جو اس نے معاہدے کی رو سے دینے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن شانجہ ان کو حوالے کرنے میں حیلے بہانے کرنے لگا۔ غرسیہ شاہ نبرہ سے فرڈ۔ننڈ کو طلب کیا گیا جو اس کے پاس قید تھا لیکن غرسیہ نے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ اس کو اس شرط پر رہا بھی کر دیا کہ وہ اپنے داماد اردون چہارم سے جو حکومت قرطبہ کا دوست تھا کوئی تعلق نہ رکھے گا۔ فرڈ یننڈ نے کیونکہ خلافت سے صلح نہ کی تھی اس لئے خلافت سے سرکشی اختیار کرنے سے کوئی شے نہ روک سکی۔ الحکم کو جیسے ہی اس کی اطلاع ملی اس

---

[1] مروج الذہب بحوالہ امام الدین صاحب ص۱۰۰

نے بلا پس و پیش جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں اور ثابت کر دیا کہ علم و ادب کا متوالا میدان جنگ کا شیر بھی ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ شمال کی ان تبدیلیوں کو محض تماشائی کی حیثیت سے دیکھتا اس نے اپنے باپ کی پالیسی اختیار کی اور اپنے صوبوں کے حاکموں اور لشکر کے سرداروں کو جنگ کے لئے فوجیں آراستہ کرنے کا حکم دے دیا۔ فروری ۳۵۱ھ / ۹۶۲ء میں وہ خود فوجیں لے کر فرڈینیڈ کی سرکوبی کو چلا اور عیسائیوں کو اسلامی سرحدوں سے نکال باہر کیا۔

اس مہم سے واپسی کے بعد الحکم ثانی کو پتہ چلا کہ اردون چہارم جس کو شانجہ اور فرڈیننڈ نے نکال باہر کیا تھا مسلمانوں کی امداد حاصل کرنے کا خواہشمند ہے۔ اردون نے یہ درخواست مدینہ سالم کے گورنر الحکم کے مولیٰ غالب کے ذریعہ سے روانہ کی تھی۔ خلیفہ الحکم ثانی نے اس درخواست پر فوری عمل یہ کیا کہ غالب کو لکھا کہ اردون اگر قرطبہ آجائے تو کوئی معاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ اس سے قبل وعدہ کرنا درست نہ ہوگا۔ غالب اردون چہارم کو لے کر قرطبہ پہنچا اور اس کو قصر ناعورہ میں ٹھہرایا گیا۔ عبید اللہ بقول ابن خلدون عبداللہ بن قاسم، مطران، طلیطلہ اور ولید بن خیزران نے اس کو دربار خلافت کے آداب و قواعد سکھا کر قصر زہرہ میں خلیفہ کے روبرو پیش کیا۔ اردون چہارم نے بڑی عاجزی اور خوشامد سے شانجہ کے خلاف امداد کی التجا کی۔ خلیفہ اور اردون کے درمیان ایک طویل مکالمہ ہوا جس کو ڈوزی نے تفصیل سے درج کیا ہے۔ اس سارے مکالمے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ ایک طرف شانجہ نے خلیفہ الناصر سے کئے ہوئے وعدے کے مطابق عمل نہ کیا تھا اور الحکم ثانی اس سے ناراض تھا۔ دوسری طرف اردون چہارم نے خوشامد اور چاپلوسی کی انتہا کر دی اور اپنی اطاعت اور فرمانبرداری گفتگو اور عمل سے ظاہر کی جس کی بنا پر الحکم ثانی نے یہ طے کر لیا کہ شانجہ کو سزا دینے اور لیون کو اپنے ماتحت کرنے کے لئے اردون کو تخت لیون حاصل کرنے کے لئے مدد دی جائے۔ چنانچہ اردون چہارم کی درخواست منظور کر لی گئی اور ایک معاہدہ پر اس سے دستخط کرا لئے گئے جس کی رو سے اس کو امن و صلح کا ہمیشہ کے لئے پابند کر دیا گیا۔ اردون نے اپنے لڑکے غرسیہ کو بطور یرغمال قرطبہ میں خلیفہ کے سپرد کیا اور وعدہ کیا کہ فرڈیننڈ سے کبھی دوستی اور اتحاد نہ کرے گا۔ خلیفہ الحکم ثانی نے اپنے سپہ سالار غالب کو حکم دیا کہ وہ فوج لیکر جائے اور اردون چہارم کو تخت لیون پر متمکن کرے۔ شانجہ والئی لیون کو جب ان حالات کا پتہ چلا تو اس نے موقع کی نزاکت کا اندازہ کر لیا۔ کیونکہ اہل لیون اس کو پسند نہ کرتے تھے۔ اس لئے اس کو یقین تھا کہ غالب اور اردون کے آتے ہی اس کو لیون سے نکال دیا جائے گا۔ اس نے فوراً ہی چند پادریوں اور عیسائیوں کو خلیفہ کے دربار میں

بھیجا تاکہ وہ جاکر خلیفہ کو بتائیں کہ وہ پرانے عہد نامہ کی تمام شرطیں پوری کرنے کو تیار ہے اور تمام قلعے بھی واپس کردے گا۔ خلیفہ الحکم ثانی کا اردون چہارم سے معاہدہ کرنے کا اصل مقصد یہی تھا کہ شانجہ کو سزا دی جائے۔ سو وہ پورا ہوگیا۔ چنانچہ دربار خلافت سے شانجہ کی معافی اور سابقہ معاہدہ کی توثیق ہوگئی اردون چہارم ابھی قرطبہ میں ہی تھا کہ اس کو حالات کی تبدیلی کا علم ہوا۔ اس کو اس سے شدید صدمہ پہنچا اور بقول ڈوزی چند دن بھی زندہ نہ رہ سکا اور قرطبہ ہی میں مرگیا۔ اردون کی موت نے شانجہ کے تمام خطرات دور کردیئے اور اس نے خلافت کی سرپرستی میں اب کوئی فائدہ نہ دیکھا چنانچہ اس نے پھر سرکشی اختیار کرلی اور عہد نامہ کی شرطوں کو پورا کرنے سے قطعاً انکار کردیا۔ عیسائیوں کے خلاف جنگ دوبارہ شروع کردی گئی۔ غالب حاکم مدینہ سالم ایک زبردست فوج لیکر قستالہ پر چڑھ دوڑا۔ قلعہ شنت اشتیبان غرماج کے قریب اہل جلیقیہ کو زبردست شکست دی اور قلعہ پر قبضہ کرلیا۔ فرڈیننڈ نے گھبرا کر صلح کرلی لیکن جلد ہی اس صلح کو توڑدیا۔ غالب نے اس کو انٹیشہ کے مقام پر بری طرح شکست دی۔ حاکم سرقسطہ یحییٰ بن احمد تجیبی بھی اپنی فوجیں لے کر غالب سے آملا اور دونوں نے مل کر علاقہ بلنکنس پر حملہ کیا۔ بادشاہ نبرہ غرسیہ کو شکست دی اور اس کے مشہور شہر قلہرہ پر قبضہ کرلیا۔ قطلونیہ کا سرحدی شہر بھی ان کی تباہ کاری سے محفوظ نہ رہ سکا اور وہاں کے نوابوں بوریل اور میرون کو پے درپے شکستیں ہوئیں۔ ۳۵۶ھ / ۹۶۶ء میں شانجہ نے امان طلب کی اور خلیفہ کی اطاعت کرلی۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے قستالیہ کے فرڈیننڈ اور نبرہ کے غرسیہ نے بھی اطاعت کرلی۔ حالات کو دیکھتے ہوئے قطلونیہ کے نوابوں بوریل اور میرون نے خلیفہ سے معاہدے کرلئے اور وعدہ کرلیا کہ جس قدر قلعے انہوں نے مسلمانوں کے علاقے میں تعمیر کیے ہیں سب مسمار کردیں گے اور مسلمانوں کے دشمنوں کی امداد کبھی نہ کریں گے۔ اس طرح یہ مہم تمام شمالی عیسائی ریاستوں کی کامیاب سرکوبی پر ختم ہوئی۔ جس وقت شانجہ شاہ لیون خلیفہ الحکم ثانی سے امن و صلح کی بات چیت کررہا تھا۔ اس نے جلیقیہ کے علاقہ پر حملہ کردیا لیکن فرڈیننڈ نے دریائے ڈورو کے کنارے ایک ملاقات میں چالاکی سے شانجہ کو زہر دیکر مار ڈالا۔ شانجہ کا لڑکا رومیرو سوم جو اس وقت ۵ برس کا تھا اپنی خالہ ایلویرا کی سرپرستی میں اپنے باپ کا جانشین ہوا۔ لیکن ریاست لیون پارہ پارہ ہوگئی اور ہر رئیس اپنی اپنی خود مختاری کا اعلان کرکے اپنے اپنے علاقوں پر حاکم بن بیٹھا۔ اس زمانہ میں نارمنڈی کے بادشاہ رچرڈ اول کے پاس ڈین قوم کا ایک گروہ اٹھارہ ہزار افراد کا موجود تھا۔ بادشاہ کو جب ان کی ضرورت باقی نہ رہی تو اس وحشی قوم کو اسپین کی طرف نکال دیا۔ اسپین آکر اس قوم نے

بلیقیہ کے علاقہ کو تین برس تک خوب لوٹا اور غارت کیا۔ اور کوئی ان کا سدباب نہ کر سکا۔[1] مسلمانوں کے حملے تھوڑے تھوڑے عرصے کے بعد قسطالیہ پر جاری تھے۔ یہاں تک ۳۵۸ھ / ۹۶۹ء میں فرڈیننڈ کی موت ہوگئی۔ جس کے بعد خلافت قرطبہ کو قسطالیہ کی طرف سے قدرے اطمینان ہوگیا۔

فاطمین اور صنہاجہ سے جنگ

شمالی افریقہ میں بنو فاطمہ اور بنو امیہ اسپین کی لڑائیوں کا سلسلہ بند نہ ہوا تھا۔ خلیفہ الناصر نے شمالی افریقہ کے معاملات میں صرف اس لئے دلچسپی لی تھی کہ فاطمین کے حملہ سے اسپین کو محفوظ رکھا جائے۔ کیونکہ یہ بات اب ڈھکی چھپی نہ رہی تھی کہ فاطمین ساری دنیا پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں اور اس مقصد کی خاطر وہ ہر جائز و ناجائز طریقہ اختیار کرنے کو تیار ہیں۔ فاطمین کے جاسوس ساری اسلامی حکومتوں میں پھیلے ہوئے تھے جو عوام کو بنی فاطمہ کی ہمدردی پر آمادہ کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ اسپین بھی ان کے جاسوسوں سے خالی نہ تھا خلیفہ الناصر کے دور میں کئی فاطمی جاسوس گرفتار کیے گئے تھے۔ اسی طرح الحکم ثانی کے دربار اور فوج دونوں میں فاطمی جاسوس موجود تھے اور اس بات کی کوشش کرتے رہتے تھے کہ زیادہ سے زیادہ فاطمیوں کے ہمدرد پیدا کریں لیکن اس وقت فاطمین کی طرف سے کسی براہ راست حملے کا خطرہ کم ہوگیا تھا کیونکہ فاطمین نے مصر فتح کرلیا تھا اور ان کا خلیفہ المعز مصر کے دارالحکومت قاہرہ میں آباد ہو چکا تھا۔ لیکن اس نے شمالی افریقہ کا پورا علاقہ بربر قبیلہ صنہاجہ کے سردار ابوالفتح یوسف بن زیری کی ولایت میں دیدیا تھا۔ علوی خاندان ادریسی کے شہزادے افریقہ کے ساحلی علاقوں پر حکمرانی کر رہے تھے۔ ان شہزادوں میں حسن بن غنون جو طنجہ اصیلہ اور ساحل کے دیگر علاقوں پر حاکم تھا کبھی اسپین کا طرفدار ہو جاتا اور کبھی فاطمین کا۔ لیکن دراصل وہ فاطمیوں کا طرف دار تھا اس لئے کہ اس کی حکومت کی حدود فاطمی خلافت سے زیادہ قریب تھیں ابوالفتح صنہاجی جس وقت شمالی افریقہ کی طرف بڑھا تو ابن غنون پہلا شخص تھا جس نے اس کی اطاعت کی تھی۔

خلیفہ الحکم ثانی کو ابن غنون کی اس حرکت پر سخت غصہ آیا اور ابن طملوس کو اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ ابن طملوس نے ابن غنون کو شکست دیکر طنجہ پر قبضہ کرلیا۔ ابن غنون فاطمین کی امداد لے کر دوبارہ طنجہ پر حملہ آور ہوا جس میں بنوامیہ کو شکست ہوئی اور ابن طملوس مارا گیا۔ اس شکست کا یہ اثر ہوا کہ جو سردار اب تک بنوامیہ کے طرف دار تھے ابن غنون کے طرفدار بن گئے اور چند

[1] عبرت نامہ اندلس جلد ۲ صـ ۳۸

شہروں کے علاوہ خلافت اسپین کے پاس کچھ باقی نہ رہا۔ خلیفہ الحکم ثانی نے اس خطرہ کو محسوس کر کے اپنے بہترین لشکر کو سپہ سالار غالب کی سرکردگی میں افریقہ روانہ کیا۔ غالب افریقہ کے ساحل پر اترا اور طنجہ اور سبتہ کے درمیان قلعہ مصمورہ کو اپنا مرکز بنا کر فوراً ہی ابن غنون کی طرف روانہ ہوا۔ غالب نے بربر سرداروں کو بڑی رشوتیں اور مال و دولت دیکر اپنے ساتھ ملا لیا جس سے ابن غنون کی طاقت کم ہو گئی اور وہ کئی شکستیں کھا کر سبتہ کے قریب ایک پہاڑی قلعہ میں محصور ہو کر بیٹھ رہا۔ غالب کی کامیابیوں سے خلیفہ الحکم ثانی کو بہت مسرت ہوئی لیکن جب یہ پتہ چلا کہ غالب نے رشوتیں دینے میں بہت روپیہ صرف کر دیا ہے اور سرکاری خزانہ پر اس کا دباؤ بڑھ گیا ہے تو اس کو غبن کا اندیشہ ہوا۔ چنانچہ خلیفہ نے خفیہ محاسب بنا کر محمد بن ابی عامر کو بظاہر بلاد افریقہ کا قاضی القضاۃ بنا کر بھیجا تاکہ فوج کے افسروں کے چال چلن اور ان کی مالی حالت پر نظر رکھے۔ ۳۶۳ھ / ۹۷۳ء میں خلیفہ الحکم ثانی نے مزید کمک افریقہ روانہ کی جس کا سپہ سالار سالار یحییٰ بن احمد تجیبی کو مقرر کیا ابن غنون نے گو بڑی بہادری سے کافی عرصہ تک مقابلہ کیا۔ مگر آخر کار صلح کر لی اور ۳۶۳ھ / ۹۷۴ء میں مع اہل و عیال کے قرطبہ بھیج دیا گیا۔ وہاں سے ان کو اس شرط پر تیونس جانے کی اجازت مل گئی کہ وہ ماریطانیہ واپس نہ جائیں گے۔ وہ لوگ پھر تیونس سے اسکندریہ چلے گئے۔ بربر قبائل زناتہ مغراوہ اور مکناسہ نے قرطبہ کی اطاعت قبول کر لی۔ اندرونی اور بیرونی علاقوں میں امن و امان قائم کرنے کے بعد خلیفہ الحکم ثانی المستنصر نے اپنی پوری توجہ علم و ادب کی ترقی اور ترویج کی طرف مبذول کر دی اور اس ضمن میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جو مسلم تاریخ ثقافت میں سنہرے باب کا اضافہ کرتے ہیں۔

وفات

یکم اکتوبر ۹۷۶ء (مطابق ۲ صفر ۳۶۶ھ) میں اس نیک دل اور ہردلعزیز خلیفہ نے تقریباً ۱۶ سال حکمرانی کے بعد بعارضہ فالج انتقال کیا۔ اس وقت اس کی عمر ۶۱ برس کی تھی۔ انتقال سے قبل ہی اس نے اپنے ۱۲ سالہ لڑکے ہشام ثانی کو اپنا جانشین بنا دیا تھا اور مصحفی اور محمد بن ابی عامر اس کے اتالیق مقرر کیے گئے تھے۔

کردار

خلیفہ الحکم ثانی المستنصر باللہ حسن و اخلاق کا پیکر، بڑا نفیس مزاج عالم، علوم و فنون کا شائق، علماء اور اہل ہنر کا قدردان تھا۔ وہ ایک انصاف پسند اور روشن دماغ خلیفہ تھا۔ عوام کا بہت خیر خواہ تھا۔

اس نے ان تمام واجبات میں کمی کر دی جو صوبائی حکومتوں کی طرف سے عوام پر عائد کئے گئے تھے۔ ہر جمعہ کو جامع قرطبہ میں عوام کے ساتھ نماز ادا کرتا اور غریبوں کو خیرات بھی تقسیم کرتا تھا۔ مذہبی ارکان کا سختی سے پابند تھا اور اپنی رعایا کو سنت رسول ؐ پر زبردستی چلاتا تھا۔ شراب کا استعمال قانوناً ممنوع تھا۔ نہ خود استعمال کرتا اور نہ عوام کو استعمال کرنے کی اجازت تھی۔ البتہ اس نے فلسفہ کی تعلیم کی پوری اجازت دے رکھی تھی اور اس کی سرپرستی بھی کرتا تھا جو کہ ظاہر ہے کہ سنی علماء کو قطعاً" پسند نہ تھی۔ اس کے دربار میں متشدد اور آزاد مفکرین دونوں کی پذیرائی کی جاتی تھی وہ ایک آزاد اور روادار حکمران تھا اور رعایا کے مذہبی معاملات میں قطعاً" دخل نہ دیتا تھا۔ بڑی حد تک اپنے ملک کے ذرائع استعمال کرنے کا حامی تھا جس سے زراعت میں نمایاں ترقی ہوئی 'کانوں میں سے کثیر خام مال نکالا جاتا تھا جس سے ملک کی تجارتی اور صنعتی ترقی میں اضافہ ہوا اور ملک کے عوام امیر اور خوشحال ہونے لگے۔

الحکم ثانی کی فطرت میں شروع ہی سے عاجزی اور منکسرالمزاجی تھی۔ وہ اپنے باپ کی طرح بلاوجہ شان و شوکت اور کرّوفر دکھانا پسند نہ کرتا تھا۔ ذاتی طور پر نرم دل اور عفوودرگزر کرنے والا تھا اپنے دشمن تک کو معاف کر دینے سے گریز نہ کرتا تھا۔ نمازی 'پرہیزگار اور متقی تھا۔ عاشق رسول ؐ تھا۔ احیاء سنّت کی اس نے بہت کوشش کی تھی۔ طبیعت میں صاف گوئی تھی۔ دھوکہ بازی اور چالبازی سے دور تھا۔ البتہ تدبر نہ تھا۔ لین پول کا یہ کہنا کہ "..... صرف یہ بات اس کے لئے کافی تھی کہ وہ خلیفہ الناصر کا بیٹا تھا" درست نہیں وہ اپنی ذاتی صلاحیتیں بھی رکھتا تھا۔ صرف الناصر کے لڑکے ہونے کی حیثیت ہی سے نہ پہچانا جاتا تھا۔ ڈوزی نے اس کے متعلق لکھا ہے "المستنصر فی الواقع جنگ و جدل سے پرہیز کرتا تھا اور لڑائی پر بہت تامل اور تذبذب کے بعد آمادہ ہوتا تھا۔ لیکن جب لڑائی شروع کر دیتا تھا تو اس شدت سے لڑتا تھا کہ دشمن کو پناہ مانگنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہتا تھا[1]" اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ مدبر نہ ہونے کے باوجود بزدل یا کاہل نہ تھا۔ اکثر مہمات میں بذات خود سپہ سالار بنتا تھا۔ سپہ سالار غالب کو جس وقت مغرب اقصیٰ کی مہم پر بھیجا تو یہ نصیحت کی "دیکھو احتیاط سے کام لینا اور فتح یاب ہو کر واپس آنا۔ سمجھ لو کہ جو شکست ہم کو ہو چکی ہے اس کی تلافی میدان جنگ میں تمہارے مرجانے سے نہ ہوگی[2]" جس سے اس کے عزم و استقلال کا پتہ چلتا ہے۔

---

[1] عبرت نامہ اندلس جلد ۲ ص۲۴۷ [2] ایضاً ص۲۵۵

الحکم ثانی عیاش نہ تھا اور نہ عیاشی کو پسند کرتا تھا۔ رقص و سرور کی محفلوں سے اس کو کوئی رغبت نہ تھی۔ حرم اور کنیزوں میں کوئی خاص دلچسپی نہ رکھتا تھا۔ البتہ حرم کے اثرات اس پر کافی تھے۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ زیادہ تر خود تو کتابوں میں مشغول رہتا اور سلطنت کے معاملات میں کم دلچسپی لیتا تھا۔ چنانچہ وزراء اور حرم کے اختیارات بڑھ گئے تھے۔ الغرض خلیفہ الحکم ثانی کے ذاتی اوصاف اس قدر ہیں کہ جن کا سیر حاصل بیان اس جگہ ممکن نہیں۔ اس کی ذات کا سب سے بڑا وصف اس کی علم و ادب سے شیفتگی تھی جس نے اس کو تاریخ اسلام میں زندۂ جاوید بنا دیا۔

کارنامے

الحکم ثانی کے کارناموں میں اہم ترین تو یہ ہے کہ اس نے ملک کے اندر امن و امان قائم رکھا۔ بیرونی حملوں سے ملک کو محفوظ کیا۔ خاص طور پر عیسائیوں اور فاطمین کو اپنی سرحدوں تک نہ آنے دیا۔ اس نے حاجب کا عہدہ دوبارہ قائم کیا جو اس کے باپ نے ختم کر دیا تھا۔ لیکن ان سب کے علاوہ اس نے علمی و ثقافتی کارنامے بھی انجام دیئے جن کو مندرجہ ذیل عنوانات میں منقسم کیا جاتا ہے۔ ایک مورخ کے نزدیک اس کے یہی کارنامے اس کو عظیم بادشاہوں کی صف میں کھڑا کرنے کے لئے کافی ہیں۔

(الف) تعلیمی ادارے

گو الحکم ثانی کے بزرگ عالم اور علم دوست اور کتابیں جمع کرنے کے شائق تھے لیکن اس ضمن میں اس نے جو ذوق اور شوق پایا تھا وہ کسی کو نہ ملا تھا۔ نہ علوم و معارف میں کسی کو اتنی قدرت حاصل ہوئی اور نہ کسی نے اتنی کتابیں جمع کیں۔ اس کو علم کے پھیلانے اور عام کرنے کا اس قدر شوق تھا کہ کوئی شہر ایسا باقی نہ رہا تھا جہاں اس نے مدرسہ قائم نہ کیا ہو۔ اپنے بھائی منذر بن عبدالرحمان کو تمام تعلیمی اداروں کا نگران اعلیٰ مقرر کیا۔ جامع قرطبہ میں بڑے اور وسیع پیمانہ پر درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا اور اس کو بعد میں قائم ہونے والی قاہرہ کی جامع الازہر اور بغداد کے مدرسہ نظامیہ کے ہم پلہ بنا دیا۔ جامع قرطبہ میں نہ صرف مسلمان طلباء بلکہ عیسائی اور یہودی طلباء اندرون ملک سے اور دور دراز علاقوں مثلاً یورپ، افریقہ اور ایشیا سے تعلیم حاصل کرنے کے لئے آتے تھے[1]۔ غریبوں کی تعلیم

---

[1] ہٹی۔ تاریخ عرب ص ۵۳۰

کے خیال سے خاص قرطبہ میں ۲۷ مدرسے ایسے کھولے گئے جن میں غرباء کو مفت تعلیم دی جاتی تھی۔ ان مدارس کے اخراجات کے لئے قرطبہ کے سب سے بڑے بازار زین بازار کی آمدنی مخصوص کردی تھی اور معلموں کی تنخواہ خلیفہ کے صرف خاص سے دی جاتی تھی۔ امیروں کے لئے علیحدہ مدارس تھے جہاں وہ اپنے خرچ سے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ کوئی شہرایسا نہ تھا جہاں مدرسہ نہ ہو اور ہر بڑے شہر میں اعلیٰ تعلیم کے لئے جامع ہوتی تھی۔ اشبیلہ، مالقہ، سر قسطہ اور جیان کی جامعات قرطبہ کی مانند تھیں جو بعد کے زمانہ میں علیحدہ حیثیت کی مالک ہو گئی تھیں۔ تہذیب و ثقافت کا معیار اس قدر بلند ہو گیا تھا کہ بقول ڈوزی "اسلامی اسپین میں ہر متنفس لکھنا پڑھنا جانتا تھا" یہ کہنا بے جانہ ہو گا کہ اس دور کی اسپین کی علمی و ثقافتی ترقی ظلمت و تاریکی میں ڈوبے ہوئے یورپ کے لئے مشعل رہ تھی۔

جامع قرطبہ کے اساتذہ

الحکم ثانی نے علم پروری کے فقید المثال کارنامے انجام دیئے۔ اس نے مشرق کے دانش کدوں سے عالم اسلام کے بے مثال علماء و فضلاء کو بڑی بڑی تنخواہوں پر عزت و اکرام کے ساتھ بلایا اور ان کو جامع قرطبہ میں درس و تدریس پر معمور کیا۔ ان علماء میں صرف و نحو کے عالم اور بغداد کے مشہور نحوی ابو علی القوطیہ تھے جو نحو و تاریخ کا درس دیتے تھے۔ ابو علی القالی بغدادی تھے جو قدیم عربوں کی زبان اور ضرب الامثال اور شاعری پر لیکچر دیتے تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب الآمالی زبانی لکھوائی تھی جو آج تک عربی ادب میں درجہ اول رکھتی ہے۔ ابو عبداللہ محمد بن عبدالعزری تھے جو دربار قرطبہ کے طبیب خاص اور سرجن تھے اور محمد ابو بکر الزبیدی تھے جو مشہور محقق اور عربی لغات کی بہترین کتابوں میں سے ایک کتاب العین کے مصنف تھے۔ یہ شہزادہ ہشام کے اتالیق بھی تھے۔ ابو ابراہیم فقیہ تھے۔ فقہ کا درس دیتے تھے اور ابو بکر بن معاویہ قریشی تھے جو حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔ دیگر علوم کے عالم بھی شہرت میں کم نہ تھے۔ ان علماء سے تحصیل علم کرنیوالوں کی تعداد ہزاروں سے تجاوز کر گئی تھی جن میں کسی مذہب، نسل اور طبقہ کی تفریق نہ تھی۔

(ج) کتب خانے

الحکم ثانی اور اس کے بھائی عبداللہ نے اپنے باپ الناصر کے زمانہ میں ہی اپنے ذاتی کتب خانے قائم کرلئے تھے۔ جن کو تخت پر آنے کے بعد اپنے باپ کے چھوڑے ہوئے وسیع کتب خانہ سے ملا دیا تھا۔ اس نے نادر و نایاب کتب کی خرید پر بہت زر خرچ کیا۔ اس کے گماشتے قاہرہ، بغداد، دمشق اور

اسکندریہ میں ہر وقت موجود رہتے تھے۔ یہ لوگ کتابیں مول لیتے یا ان کی نقل کرتے تھے۔ قطع نظر اس کے کہ یہ کتاب پرانی ہے یا نئی جس قیمت پر ملتی خرید لی جاتی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ الحکم ثانی کو وہ تحفہ سب سے زیادہ پسند ہوتا تھا جس میں کوئی نادر کتاب ہوتی۔ جس کے نتیجہ میں اس کے کتب خانہ میں اس قدر کتابیں جمع ہو گئی تھیں جو اس سے قبل کسی بادشاہ کے پاس نہ تھیں۔ کچھ روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے کتب خانہ میں چھ لاکھ کتابیں تھیں۔ لیکن کم از کم ۴ لاکھ کتابوں کا حوالہ ہر ایک مورخ کے یہاں ملتا ہے۔ ڈوزی نے مورخین کے اس بیان کو باور کرتے ہوئے ۴ لاکھ کتابوں کی تعداد بتائی ہے[1]۔ لین پول نے بھی اس کی تائید کی ہے لیکن Mccabe نے تعصب کی بنا پر اس میں شک ظاہر کیا ہے اور لکھا ہے کہ "مورخین نے اپنے بیانات میں مبالغہ سے کام لیا ہے"[2] لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا یہ شک قیاس پر مبنی ہے مطالعہ پر نہیں۔ اگر الحکم ثانی کی کتابوں کو جمع کرنے کی کوشش اور جدوجہد پر ایک غائر نظر ڈالی جائے تو تعجب نہ ہو گا کہ وہ اتنی کتابیں جمع کر سکتا ہے۔ ایڈون ہول (Edwyne Hole) نے لکھا ہے "کہ دیگر مورخین کے بیانات کی روشنی میں یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ الحکم ثانی کے کتب خانہ میں ۴ لاکھ کتابیں اور مخطوطات تھے"[3] ابن خلدون نے ابن حزم کے حوالے سے لکھا ہے کہ تلمیذ خواجہ سرا (الحکم کا آزاد کردہ غلام) نے جو خلیفہ کے کتب خانہ واقع دار بنو مروان کا داروغہ تھا بتایا کہ شاہی کتب خانہ میں صرف کتابوں کی فہرست کی ۴۴ جلدیں تھیں۔ ہر فہرست میں بیس بیس ورق تھے۔ جن میں صرف مصنفوں کے نام اور کتابوں کے نام درج تھے۔[4]" ڈوزی نے لکھا ہے کہ "کتب خانہ کی فہرست ۴۴ جلدوں میں تھی اور ہر جلد میں بیس اور بقول بعض مورخین ۵۰ اوراق تھے۔ ان جلدوں میں صرف کتابوں کے نام تھے"[5] ان بیانات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ۴۴ جلدوں کے بارے میں تمام مورخ ہم خیال ہیں۔ البتہ ایک جلد کے اوراق میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جلد کے اوراق یکساں تعداد میں نہ تھے بلکہ مختلف تھے۔ چنانچہ تعداد بیس سے پچاس اوراق تک تھی۔ ابن خلدون نے تلمیذ کو کتب خانہ کا داروغہ لکھا ہے لیکن (Mccabe) نے اس کو مہتمم کتب خانہ بتایا ہے[6]۔ بظاہر دونوں بیانوں میں خاص

---

[1] عبرت نامہ اندلس جلد ۲ ص ۴۲۹
[2] Splendour of Moorish Spain - P.81
[3] Andalus - Hole P. 38
[4] تاریخ ابن خلدون جلد ۵ ص ۳۲۴ (اردو ترجمہ)
[5] Spanish Islam - P.454
[6] Splendour of Moorish Spain - P.81

فرق محسوس نہیں ہوتا کتب خانہ کے لئے بڑی بڑی خوبصورت اور چمکدار الماریاں جو عام طور پر صندل کی یا کسی اور خوشبودار لکڑی کی بنی ہوئی تھیں فراہم کی گئی تھیں۔ ہر الماری پر ایک سونے کی تختی لگائی گئی تھی جو الماری کے اندر کی کتابوں کی تفصیل ظاہر کرتی تھی محل کے بہت سے کمرے خوشنویسوں، نقل نویسوں اور جلد سازوں کے لئے مخصوص کر دیئے گئے تھے۔ امام الدین صاحب نے یہ بات خاص طور پر لکھی ہے کہ ان کاتبوں، نقل نویسوں اور جلد سازوں میں عورتیں اور مرد دونوں شامل تھے جو اپنے فن میں بڑی مہارت رکھتے تھے[1] ملک کے بڑے بڑے شہروں میں حکومت کی طرف سے عوامی کتب خانے قائم کئے گئے تھے جن کے اخراجات کی ذمہ داری حکومت کی تھی (Mecaba) کے کہنے کے بموجب صرف قرطبہ میں ستر کے قریب عوامی کتب خانے موجود تھے۔[2]"

ذخیرہ کتب

خلیفہ الحکم ثانی کے زمانہ میں پورا قرطبہ ایک عظیم کتب بازار میں تبدیل ہو چکا تھا جہاں پر دنیا کے ہر ملک کی نادر سے نادر کتاب اور ہر علم و فن کا شاہکار آسانی سے مل جاتا تھا۔ کاتبوں اور خوشنویسوں کی سینکڑوں دکانیں تھیں جن میں عورتیں بھی کام کرتی نظر آتی تھیں۔ کتابوں کی دکانوں میں اس طرح خرید و فرخت ہوتی تھی جیسے کہ جواہرات کی یا ریشم کی دکانوں پر ہوتی ہے اور ہر وقت ایک جم غفیر کتابوں کی دکانوں میں موجود رہتا تھا۔ نادر، نایاب اور نئی کتابوں کو بہم پہنچانے کے لئے تمام قریب و دور کے علاقوں میں معتبر آدمیوں اور تاجروں کو حکومت کی طرف سے روانہ کیا جاتا تھا تاکہ جس قدر کتابیں دستیاب ہوں زر کثیر ان کی خریداری پر صرف کر کے انہیں حاصل کر لیں اور قرطبہ بھیج دیں۔ خلیفہ الحکم کا کتابوں سے عشق کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ جہاں کہیں سن پاتا کہ فلاں شخص نے فلاں کتاب تصنیف کی ہے فوراً اس شخص سے اشاعت سے پہلے اس کتاب کو خرید کر اپنے کتب خانے میں داخل کر لیتا"[3] ڈوزی نے لکھا ہے کہ "ایران و شام میں جو کتابیں لکھی جاتی تھیں مشرق میں ابھی کوئی ان کو پڑھنے نہ پاتا تھا کہ خلیفہ کو ان کی خبر ہو جاتی تھی چنانچہ جس وقت معلوم ہوا کہ مولف ابوالفرج اصفہانی عرب کے شعراء اور مغنیوں پر ایک کتاب لکھ رہا ہے جس کا نام کتاب الاغانی ہے تو اس کو ایک ہزار دینار سرخ اس درخواست کے ساتھ بھیجے کہ کتاب ختم ہوتے ہی

---

[1] Political History of Spain - P.112

[2] Splendour of Moorish Spain - P.81

[3] Spanish Islam - P.454

[4] ابن خلدون جلد ۵ صفحہ ۲۳۴ (اردو)

اس کی ایک نقل فوراً قرطبہ روانہ کی جائے۔ ابو الفرج نے اس کی تعمیل کی اور نہ صرف کتاب مذکور بلکہ اس کے ساتھ ایک قصیدہ بھی جس میں بنوامیہ کے شجرہ نسب سے بحث تھی الحکم کی خدمت میں روانہ کیا جس پر خلیفہ نے اس کو مزید انعام بھیجا"[1] ابن خلدون نے ایسا ہی ایک واقعہ قاضی ابوبکر مالکی کے ساتھ تحریر کیا ہے جب کہ وہ مختصر ابن عبد الحکیم کی شرح لکھ رہے تھے"[2] لین پول نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ "کبھی ایسا بھی اتفاق ہوتا کہ کتاب کا نفس مضمون ہنوز مصنف کے دماغ میں ہے اور خلیفہ نے اس سے مطلع ہو کر گراں بہا خلعت بھیج کر خواہش ظاہر کی کہ اس کا پہلا نسخہ شاہی کتب خانہ میں بھیج دیا جائے[3] ملک کے نامور مصنفین کو سالانہ پنشن دی جاتی تھی۔ امام الدین صاحب نے لکھا ہے کہ یونان میں بھی اس کے نمائندے کتابیں جمع کرنے کے لئے موجود تھے"[4]

علم دوستی

الحکم ثانی ماہر ادبیات عرب تھا۔ یعنی فن رجال اخبار و انساب میں اپنا مثل نہ رکھتا تھا۔ اس کو صرف کتابیں جمع کرنے کا شوق نہ تھا بلکہ وہ خود بھی عالم اور علم دوست تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے دربار میں اہل علم کا مجمع رہتا تھا" خلیفہ نہ صرف علماء دین کو بلکہ فلسفیوں کو بھی اپنی سرپرستی میں لے لیتا تھا تاکہ وہ متعصب لوگوں سے بے خوف ہو کر تحصیل علم میں مصروف رہیں" اس کے زمانہ کے علماء دربار میں قاسم ابن اصبغ، احمد بن داہم، محمد بن عبد السلام الخوشانی، زکریا بن الخطاب اور ثابت ابن قاسم مشہور زمانہ تھے۔ خلیفہ بذات خود علم میں اس قدر انہماک رکھتا تھا کہ ہر قسم کی تفریحات اس کے سامنے ہیچ تھیں۔ ابن فرضی اور ابن بشکوال کے حوالہ سے پتہ چلتا ہے کہ خلیفہ کے کتب خانے میں ایسی کتابیں بہت کم تھیں جس پر اس نے حاشیہ اور نوٹ نہ لکھے ہوں کم از کم اس نے ہر کتاب پر یہ ضرور لکھ دیا تھا کہ یہ کتاب فلاں فن کی ہے 'فلاں شخص کی تالیف ہے۔ مولف کی جائے پیدائش۔ اگر مرگیا ہے تو تاریخ وفات بھی لکھ دیتا تھا۔ علامہ مقری نے ابن الاحبار کے حوالے سے لکھا ہے "خلیفہ اپنے کتب خانے کی ہر کتاب کے نفس مضمون سے پوری طرح واقف تھا" ان تمام بیانات سے خلیفہ الحکم ثانی کے تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ بلاشبہ وہ ایک قدرداں مورخ اور ایک غیر جانبدار ناقد تھا۔ اس کی تاریخی معلومات اس قدر صحیح اور اس کے فیصلے اس قدر جامع ہوتے تھے کہ

---

[1] Spanish Islam - Dozy. P.534-5
[2] ابن خلدون جلد ۵ صفحہ ۲۴۳
[3] Moors In Spain - P.155
[4] J.p.m.s. Vii 1959. P.100
[5] عبرت نامہ اندلس جلد ۲ صفحہ ۳۹

دنیائے اسلام کا کوئی عالم ان پر اعتراض نہ کر سکتا تھا۔ اس نے اسپین پر ایک تاریخی کتاب لکھی تھی۔ جو زمانے کے دست برد سے محفوظ نہ رہ سکی اس نے ایک جماعت ایسے علماء کی بنائی تھی جو ارسطو اور اقلیدس پر مامور تھے۔ اس کے عہد میں ادویات اور طب پر بھی بہت کام ہوا تھا۔ جس نے یونانی طب کو اس سے آگے بڑھایا جہاں پر سات سو سال قبل یونانیوں نے اس کو چھوڑا تھا۔ سائنس کی تمام شاخوں کو تعلیم و ترقی پر اس نے خاص توجہ دی تھی اور اس موضوع پر افریقہ 'ایشیا اور یورپ کی مایہ ناز شخصیتوں کو قرطبہ میں لا کر جمع کر دیا تھا۔

تعمیرات

الحکم ثانی کا ذوق علمی اس کو عوام کی فلاح بہبود کے کاموں سے نہ روک سکا۔ ملک کی تمام سڑکوں کی جدید تعمیر کی گئی۔ قریہ قریہ اور شہر شہر سڑکوں کا جال بچھا دیا گیا۔ سڑکوں کے کنارے کنوئیں اور چشمے مسافروں کی سہولت کی خاطر کھولے گئے۔ ہر ایک روز کے سفر کے فاصلے پر سرائے بھی تعمیر کی گئی تاکہ مسافر آرام کر سکیں۔ غریبوں کی اقامت گاہیں' بیماروں کے دار العلاج اور طلباء کے اسکول و مدارس تعمیر کئے گئے۔ قرطبہ اور ہر بڑے شہر میں عوام کو پر امن اور پر سکون زندگی گزارنے کی تمام سہولتیں مہیا کی گئیں۔ مثلاً حمام' سرائے بازار' چشمے اور شفاخانے وغیرہ۔ خلیفہ کو باغات لگانے کا اس قدر شوق تھا کہ ہر شخص کو یہ حکم تھا کہ اپنے مکان کے صحن میں باغ لگوائے۔ حکم خود بھی شاہی باغ میں اپنے ہاتھوں سے کام کرتا تھا۔

الحکم ثانی کو اپنے آباؤ اجداد کی طرح تعمیرات سے خاص دلچسپی تھی جس کا اظہار اکثر و بیشتر مختلف تعمیرات کی شکل میں ہوتا رہتا تھا۔ لین پول نے لکھا ہے "کتب بینی کے علاوہ اس کو تعمیرات کا اس قدر شوق تھا کہ اس شوق نے بڑھتے بڑھتے اس میں فن معماری کا ایک خاص مذاق پیدا کر دیا تھا۔[1]" اس نے جامع قرطبہ کو آراستہ و مزین کیا اور اس کے صحن میں ایک پھولوں کا باغیچہ لگوایا اور چار سنگ مرمر کے حوض تعمیر کئے۔ مسجد میں توسیع کی اور جنوب کی جانب ایک خاص مقصورہ اپنے لئے بنوایا۔ جہاں تنہا بیٹھ کر عبادت کرتا تھا۔ مسجد کے کام میں اکثر خود بھی ایک مزدور کی طرح کام کرتا تھا۔ سات سال کی محنت میں ایک بہت خوبصورت صندل کی لکڑی کا منبر تیار کرایا۔ شہر کی اور مسجد کی ضرورت کے لئے پہاڑ سے سیسہ کی پائپ لائنوں کے ذریعہ پانی لایا گیا۔ جس کے آثار آج بھی پائے جاتے ہیں۔

---

[1] Moors in Spanish - P.1

ان تمام کاموں کے لئے اس نے ۲ لاکھ ۱۱ ہزار دینار خرچ کئے۔ اس کے علاوہ بھی اس کی بہت سی تعمیرات ہیں۔

الغرض خلیفہ الحکم ثانی کا دور تہذیب و ثقافت کے لحاظ سے مسلم اسپین کا سنہری دور تھا۔ جس میں نہ صرف علوم و فنون کو ترقی ہوئی بلکہ نئی تہذیب پروان چڑھی جس میں عربی اور اسلامی تہذیب کی جھلکیاں موجود تھیں لیکن اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو یہ تہذیبی اور ثقافتی عروج دراصل بنوامیہ اسپین کے زوال کی ابتدا تھی۔ تاریخ اس دور میں اپنے اس کلیہ کو دہرا رہی تھی کہ تہذیب و ثقافت کا انتہائی عروج قوم اور معاشرہ کو سستی اور کاہل الوجودی کی طرف لے جاتا ہے بشرطیکہ اس کا کوئی بنیادی مقصد متعین نہ ہو" اگر بنوامیہ اسپین کا کوئی بنیادی مقصد متعین ہوتا تو یقیناً" تہذیبی و ثقافتی عروج ان کی ترقی و استحکام کا ضامن بن جاتا لیکن وہ کیونکہ اپنے بنیادی مقصد سے ہٹ کر صرف اپنی شان' امارت و عظمت اور حکومت کی خاطر ایسا کر رہے تھے اس لئے یہ سب کارنامے ان کی ذاتی تعیش و آرام طلبی کا بڑا سبب بن گئے جس کے ساتھ ساتھ قوم بھی اسی راہ پر چل نکلی اور ایک دن ایسا آیا کہ یہ عروج زوال میں تبدیل ہو گیا اور زوال بھی ایسا کہ بنوامیہ اسپین کی مضبوط ترین حکومت کو تہس نہس کر کے رکھ دیا البتہ ان کی تہذیب و ثقافت کے باقیات ملوک الطوائف لے اڑے۔ آئندہ کے صفحات ہمارے اس دعویٰ کی تائید کریں گے واللہ علم بالصواب

وزارتِ عظمیٰ

۲۷۳ھ/۸۸۶ء تا ۲۷۵ھ/۸۸۸ء

خلیفہ ہشام ثانی کی تخت نشینی

۳۶۶ھ/۹۷۶ء میں ہشام ثانی اپنے باپ کے انتقال پر تخت پر بیٹھا اور المویّد کا لقب اختیار کیا۔ اس وقت اس کی عمر ۱۲ سال تھی۔ صاحب اخبار الاندلس نے اس کی عمر ۱۴ سال بیان کی ہے[1] جعفر بن عثمان مصحفی اور محمد بن ابی عامر اس کے اتالیق مقرر کئے گئے تھے بلکہ وہ ایک طرح سے وزیر بھی تھے۔ الحکم ثانی کی موت کو ان کے صقلبی غلاموں نے اس وقت تک کے لئے پوشیدہ رکھنا بہتر سمجھا جب تک کہ وہ اپنی طرف سے کسی کو خلیفہ مقرر نہ کرلیں۔ ان صقلبی غلاموں کے سردار فائق اور جوذر تھے۔ جو ہشام المویّد کی تخت نشینی کے خلاف تھے کیونکہ وہ نابالغ تھا اور اس سے سارا نظام حکومت وزیر اعلیٰ مصحفی کے ہاتھوں میں پہنچتا تھا اور صقالبہ مصحفی سے ناراض تھے۔ چنانچہ تمام صقالبہ اس بات پر متفق ہو گئے کہ الحکم ثانی کے بھائی المغیرہ کو تخت پر بیٹھایا جائے اور ہشام المویّد کو اس کا جانشین بنایا جائے۔ صقالبہ نے حاجب مصحفی کو بلا کر اس کو بھی اپنا شریک راز بنانا چاہا۔ مصحفی نے اس وقت تو جان کے خوف سے حامی بھر لی لیکن جب اپنے دوستوں میں واپس آیا تو ساری صورت حال ان کے سامنے رکھی۔ سب دوستوں نے بالاتفاق طے کیا کہ اس سے قبل کہ صقالبہ اپنی کارگزاری دکھائیں مغیرہ کو قتل کر دیا جائے۔ ابن عامر کو یہ کام سونپا گیا۔ جس نے شروع میں تو اس بے گناہ نوجوان کے قتل سے پرہیز کیا لیکن مصحفی کے اصرار پر بالآخر اس کو قتل کر دیا۔ دوسرے دن ہشام المویّد کی عام بیعت لی گئی اور صقالبہ اپنی شکست کا تماشا دیکھتے رہے۔ خلیفہ کیونکہ نابالغ تھا اس لئے اس کی والدہ سلطانہ صبح کو جس کو عیسائی عورہ کے نام سے یاد کرتے ہیں خلیفہ کا سرپرست بنایا گیا۔ مصحفی کو حاجب اور ابن ابی عامر کو وزیر مقرر کیا گیا۔

صقالبہ کا خاتمہ

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ صقالبہ کی اکثریت ہشام المویّد کی تخت نشینی کے خلاف تھی لیکن مغیرہ کے قتل کے بعد ان کے نزدیک کوئی چارہ کار نہ رہا کہ وہ ہشام المویّد کی بیعت اور مصحفی کی سیاست کو

---

[1] اکاسیہ جلد ا ص ۶۶ (دارالمعارف بیروت)

تسلیم کرلیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور مصحفی نے بھی باوجود ان سے سخت نفرت کرنے کے وقتی طور پر ان کی اطاعت کو گوارا کرلیا لیکن درپردہ ان کے خاتمے کی کوششیں جاری رکھیں۔ ان سقلبی خواجہ سراؤں نے بھی حکومت کے خلاف اور مصحفی کے خلاف عوام میں زہر اگلنے میں کسر نہ چھوڑی۔ انہوں نے اہل قرطبہ میں چپکے چپکے آگ لگانا شروع کی۔ تھوڑے عرصہ میں انہوں نے حالات کو اس قدر بگاڑ دیا کہ کوئی دن جاتا تھا کہ بغاوت کی آگ بھڑک اٹھے۔ ابن ابی عامر کو ان حالات کا علم تھا چنانچہ اس نے عوام کے مرعوب کرنے کے لئے خلیفہ کو عوام کے روبرو لانے اور فوجوں کو شہر سے گزارنے کا مصحفی کو مشورہ دیا۔ اس مشورے پر جب عمل کیا گیا تو عوام پر رعب بیٹھ گیا اور وہ خلیفہ کو دیکھ کر ایک بار پھر اطاعت کا دم بھرنے لگے۔ اس موقعہ پر زیتون کے تیل پر محصول معاف کردیا گیا۔ جس سے عوام مطمئن اور پرسکون ہوگئے۔ صقالبہ کو اس کارروائی سے اگرچہ سخت مایوسی ہوئی پھر بھی وہ اپنی سازشی حرکات سے باز نہ آئے۔ ابن ابی عامر نے بڑی بڑی رشوتیں دے کر فائق اور جوذر سقلبی کے ۵ سو مسلح غلاموں کو اپنی فوج میں شامل کرلیا۔ جوذر نے غصہ اور مجبوری کی حالت میں اپنی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ اس کے ایک ساتھی دری حاکم بیاسہ کو قتل کردیا گیا۔ فائق اور اس کے ساتھیوں کو بددیانتی کا الزام لگا کر محل سے نکال دیا گیا۔ پھر ان پر ایک بڑی رقم بطور جرمانہ عائد کی گئی جس کی ادائیگی کے بعد وہ سب مفلس و قلاش ہوگئے۔ یہاں تک کہ فائق کو جزائر شرق الاندلس جلا وطن کردیا گیا۔ جہاں وہ گمنامی کی موت مرگیا۔ صقالبہ کی اس سرزنش سے ایک طرف تو عوام کو ان کے ظلم و جور سے نجات ملی دوسری طرف مصحفی اور ابن ابی عامر عوام میں اور مقبول ہو گئے۔

یہاں پر اب ایک ایسے شخص کے عروج کی داستان بیان کی جاتی ہے جس نے اسپین کی تاریخ کو ایک نیا باب دیا اور عوام الناس میں حاجب المنصور کے نام سے یاد کیا گیا۔ یہ شخص محمد بن ابی عامر تھا۔ جس نے خلافت کو معطل کرکے وزارت عظمیٰ قائم کی گو خود حکومت کا مختار کل بنا لیکن خلیفہ ہشام المؤید کو ہٹانے کی کبھی کوشش نہ کی جو اس کے تدبر کا معمولی سا کارنامہ ہے۔

محمد بن ابی عامر کا عروج

محمد بن ابی عامر قبیلہ یمانیہ کے خاندان معافر سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ خاندان شریف تو تھا لیکن نامور اور شہرت یافتہ نہ تھا۔ ابن ابی عامر کا جد اعلیٰ عبدالملک المعافری ان شرفاء عرب میں سے تھا جو

طارق بن زیاد کی فوج کے ساتھ فتح اسپین میں شریک ہوئے تھے۔ اس نے کارتیہ کے ساحلی شہر کو فتح کیا تھا۔ عبدالملک سے محمد بن ابی عامر کا شجرہ نسب حسب ذیل ہے۔ محمد بن ابی حفص عبداللہ بن محمد[2] بن عبداللہ[3] بن عامر[4] بن ابو عامر[5] محمد بن الولید[6] بن یزید بن عبدالملک المعافری[1]۔ عبدالملک کو فوجی خدمت کے صلہ میں الخضراء کے علاقہ میں طرش (Torrix) کا قلعہ مع زمینوں کے جاگیر میں دیدیا گیا تھا۔ لیکن اس کی اولاد میں سے کسی نے بھی اس قلعہ میں زیادہ سکونت اختیار نہ کی۔ بلکہ زیادہ وقت قرطبہ میں گزارا تاکہ حکومت میں کوئی عہدہ حاصل کر سکیں۔ چنانچہ عامر اور ابو عامر محمد نے منصب بھی حاصل کئے۔ عامر امیر محمد بن عبدالرحمان دوم کے بڑے مقربوں میں سے تھا۔ ابن ابی عامر کا دادا محمد آٹھ برس تک شبیلہ کا قاضی رہا تھا۔ اس کے باپ ابو حفص عبداللہ بڑے دیندار اور قابل فقیہ تھے۔ محمد بن ابی عامر ۹۴۲ء میں پیدا ہوا تھا۔ اس کی ماں کا نام بریہہ تھا جو ایک عامل شہر یحییٰ بن زکریا ابن برطال تمیمی کی لڑکی تھی۔ گو ابن ابی عامر کا خاندان معزز اور قدیم تھا لیکن یہ لوگ زیادہ تر اہل قلم تھے۔ اہل سیف نہ تھے۔ اسی وجہ سے ابن ابی عامر کی تعلیم بھی محکمہ قضاۃ کی مناسبت سے دی گئی تھی چنانچہ اس کو قلعہ طرش چھوڑ کر قرطبہ میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے آنا پڑا اور جامع قرطبہ کے نامور علماء سے اس نے تعلیم حاصل کی۔

محمد بن ابی عامر شروع میں قرطبہ یونیورسٹی کا ایک طالب علم تھا" اس کا باپ جو شریف النسل مگر بلحاظ دنیاوی اعزاز ایک معمولی حیثیت کا آدمی تھا۔ وہ جامع قرطبہ میں ایک قانون دان کے طور پر مشہور تھا[2]" لیکن ابن ابی عامر کے حوصلے بلند تھے اور اس نے شروع ہی سے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ باپ کی طرح وہ اپنے حوصلوں کو اس قدر پستی میں نہ رہنے دے گا بلکہ دوران تعلیم ہی اس کو حکومت و اقتدار کے خواب دکھائی دینے لگے اور وہ اکثر پورے یقین و عزم کے ساتھ کہا کرتا تھا کہ ضرور ایک دن اسپین کا تاجدار ہو گا۔ یہاں تک کہ اپنے ساتھیوں سے اکثر پوچھا کرتا تھا کہ جب میں حکومت پر پہنچوں گا تو تم میں سے کون کیا عہدہ پسند کرے گا۔ بعد میں اس نے ان سے کئے ہوئے وعدوں کو پورا کر دکھایا۔ ابن ابی عامر نے علمی زندگی سے نکل کر عدالت کے ملازمین کی حیثیت سے عرائض نویسی اور خطوط نویسی کا پیشہ اختیار کر لیا۔ ڈوزی نے لکھا ہے کہ "تعلیم سے فارغ ہو کر اس نے بسر اوقات

---

[1] یہ شجرہ نسب علامہ مقری، ابن خلدون اور ڈوزی نے بغیر کسی اختلاف کے اسی طرح بیان کیا ہے۔
[2] لین پول صفحہ ۱۵۱

کے لئے قصر خلافت کے قریب ایک دکان کرلی یہاں وہ ایسے سائلوں کی غرضیاں لکھتا تھا جو بارگاہ خلافت میں کچھ عرض کرنا چاہتے تھے[1]" سوائے ڈوزی کے کسی عربی اور غیر عربی مورّخ نے وضاحت سے یہ نہیں لکھا کہ ابن ابی عامر کو قرطبہ کے محکمہ تضاۃ میں ایک ماتحت کی ملازمت مل گئی تھی۔ لین پول نے لکھا ہے کہ "عدالت کے معاملات اس وقت امیر بیت المال کے ہاتھ میں ہوتے تھے۔ ابن ابی عامر نے اس سے رسوخ پیدا کئے اور دفتر میں ایک چھوٹی سی آسامی حاصل کرلی[2]" علامہ مقری نے ابن حیان اور بہت سے لوگوں کی روایت پر تحریر کیا ہے "کہ وہ محلّ سرائے کے قریب ایک دوکان لے کر خطوط نویسی اور عرائض نویسی کرنے لگا۔ اتفاق سے "سیدہ صبح" مادر ہشام المؤید نے حساب لکھوانے کے لئے اس کو بلا بھیجا..... بلکہ صبح اس سے اس قدر خوش ہوئیں کہ بعض دیہاتوں میں اس کو قاضی مقرر کر دیا[3]" ابن خلدون نے لکھا ہے کہ محمد بن ابی عامر پہلے دفتر قضاۃ میں ملازم تھا۔ خلیفہ الحکم ثانی نے اس کی ملازمت کو محکمہ وزارت میں تبدیل کر دیا[4]" ان بیانات کی روشنی میں اور ابن ابی عامر کے ارادوں کو دیکھتے ہوئے یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ اس نے قصر خلافت کے دروازے کے سامنے اپنی دکان لگائی ہوگی۔ اس لئے کہ وہ خوب جانتا تھا کہ سلطانہ صبح خلیفہ الحکم ثانی پر حاوی ہے اور آگے ترقی کرنے کے لئے سلطانہ صبح کا سہارا لینا ضروری ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ سلطانہ صبح کی ایک لونڈی بھی خطوط لکھوانے وہاں آتی تھی۔ وہ لونڈی ابن ابی عامر سے خاصی مانوس ہوگئی۔ اس نے ملکہ صبح سے ابن ابی عامر کی تعریف کی۔ ملکہ نے خلیفہ الحکم ثانی کو اس بات پر آمادہ کرلیا کہ وہ ابن ابی عامر کو شہزادہ عبدالرحمان بن الحکم ثانی کی جائداد کا منتظم بنا دے۔ چنانچہ ۳۵۶ھ / ۹۶۶ء میں ابن عامر کو مشاہرہ ۱۵ دینار سرخ ماہوار پر اس عہدہ پر مقرر کر دیا گیا۔ اس کی عمر اس وقت ۲۶ برس کی تھی۔ اس نے ملکہ صبح کو خوش رکھنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ یہاں تک کہ ملکہ نے اس کو اپنی ذاتی جائداد کا نگران بھی بنا دیا۔ ۷ ماہ بعد اشبیلیہ کی زکوۃ اور وراثت کا دفتر اس کے سپرد ہوا۔ کچھ ماہ بھی نہ گزرے تھے کہ قرطبہ میں دارالضرب کا افسر اعلیٰ بنا دیا گیا۔ اس عہدہ پر آکر ابن ابی عامر نے زر کثیر خرچ کر کے اپنے زیادہ سے زیادہ دوست اور ہوا خواہ بنانا شروع کر دیئے۔ دربار خلافت کے بیشتر امراء اور وزراء اس کے تحفوں اور حسب موقع امداد پر اس کے ممنون کرم بن گئے۔ یہاں تک کہ محمد بن افلاح جیسا الحکم ثانی کا معتمد خاص بھی اس کا ممنون احسان ہوگیا۔ اس کے ساتھ ساتھ ابن ابی عامر نے سلطان

---

[1] عبرت نامہ اندلس جلد ۲ صفحہ ۳۳۰ [2] لین پول صفحہ ۱۵۷ [3] نفح الطیب (لندن) جلد ۱ صفحہ ۲۵۸-۲۶۰
[4] ابن خلدون (اردو) جلد ۵ صفحہ ۲۳۹

صبح کو بھی اپنا طرف دار بنائے رکھنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ چنانچہ قصر خلافت کا ایک چاندی سے تیار کردہ نمونہ ملکہ کو بھیجا جس سے وہ اس کی زبردست ہمنوا اور طرفدار بن گئی۔ ابن ابی عامر کی اس فضول خرچیوں کی بنا پر الحکم ثانی کو اس پر غبن کا شک گزرا لیکن ایک وزیر ابن حدیر نے ابن ابی عامر کو ایک بڑی رقم دے کر غبن کے الزام سے بچا لیا اور خلیفہ کی تحقیقات کار آمد نہ ہو سکیں۔ جن لوگوں نے ابن ابی عامر کی شکایات خلیفہ سے کی تھیں وہ سخت شرمندہ اور ذلیل ہوئے اور خلیفہ نے خوش ہو کر ابن ابی عامر کے مراتب میں مزید اضافہ کیا۔ ۳۵۷ھ / ۹۶۸ء میں اس کو تمام لاوارث جائدادوں کا نگران مقرر کر دیا گیا۔ اس کے گیارہ ماہ بعد اشبیلیہ اور بلہ کا قاضی بنایا گیا ۳۵۹ھ / ۹۷۰ء میں شہزادہ عبدالرحمان کے مرنے کے بعد جب ہشام المؤید ولی عہد ہوا تو ابن ابی عامر کو اس کا اتالیق مقرر کیا گیا۔ ۳۶۱ھ / ۹۷۲ء میں اس کو قرطبہ کا صاحب الشرطہ مقرر کیا گیا۔ اس جگہ آنے کے بعد ابن ابی عامر نے اس تندہی اور محنت سے کام کیا کہ اہل قرطبہ کا منظور نظر ہو گیا۔ الغرض ۳۱ سال کی عمر تک ابن ابی عامر نے کچھ تو خوشامد اور چاپلوسی سے اور کچھ اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر پانچ یا چھ بڑے مناصب پر خدمات انجام دیں۔

گو ابن ابی عامر کو بڑا درجہ مل گیا لیکن وہ اس سے مطمئن نہ تھا اس کے خیالات کی بلند پروازی اس کو مزید آگے بڑھنے پر اکساتی رہتی تھی۔ عوام میں وہ بڑی حد تک مقبول تھا۔ خلیفہ الحکم ثانی کی نظروں میں اس کی عزت تھی۔ درباری امراء اور وزراء اس کے دوست و طرفدار تھے لیکن ایک جگہ اب بھی ایسی تھی جہاں اس کے اثرات نہ ہونے کے برابر تھے اور وہ تھی فوج جس کے بغیر آگے ترقی کرنا اس کو ناممکن نظر آتا تھا۔ قدرت نے اس کو نوازنے کا تہیہ ہی کر لیا تھا چنانچہ جلد ہی اس کو مغرب اقصیٰ افریقہ کے حالات نے یہ موقع بھی فراہم کر دیا۔ جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ سپہ سالار غالب افریقہ میں فاطمیوں کا زور توڑنے کے لئے بھیجا گیا تھا لیکن غالب نے اس مہم میں اس قدر زر و مال خرچ کیا کہ خلیفہ الحکم ثانی کو بددیانتی کا شبہ ہوا اور اس نے یہ طے کر لیا کہ ایک دیانتدار شخص کو محاسب خاص بنا کر بھیجا جائے۔ چنانچہ محمد ابن ابی عامر کو محاسب اور مغرب اقصیٰ کا قاضی القضاۃ بنا کر بھیجا گیا تو ابن عامر کی دلی تمنا پوری ہوئی اور فوج کے افسران سے اس کا براہ راست تعلق بھی قائم ہو گیا۔ اس کا لیکن جس عہدے پر وہ بھیجا گیا تھا وہ اس قدر خطرناک تھا کہ کسی بھی وقت فوجی افسران اس سے بدظن ہو سکتے تھے۔ یہاں پر ابن ابی عامر کے جوہر کھلے اور اس نے اپنی فراست، ذہانت اور تدبر سے ایسا کام کیا کہ اس کا اپنا دلی ارادہ بھی پورا ہو گیا اور حکومت کی خدمت بھی بخیر و خوبی انجام

پا گئی۔ ان خدمات سے ابن ابی عامر کو کئی قیمتی فوائد حاصل ہوئے۔

(الف) خلیفہ الحکم ثانی اس کی خوش تدبیری اور بہتر کارگزاری سے بہت خوش ہوا۔

(ب) فوجی سردار اس سے مانوس اور گرویدہ ہو گئے

(ج) افریقہ کے بربر قبائل کے سرداروں سے بھی اس کے مراسم ہو گئے جو آگے چل کر اس کے لئے فائدہ مند ثابت ہوئے۔

(د) بربروں کی جنگی صلاحیت اور ان کی فطرت کو قریب سے مطالعہ کرنے کا موقعہ ملا۔

اس طرح ابن ابی عامر اپنی ہر تدبیر میں کامیاب ہوتا چلا گیا اسی اثنا میں خلیفہ الحکم ثانی نے وفات پائی۔ ہشام المؤید کو تخت ملا اور ملکہ صبح اس کی سرپرست بنائی گئی۔ ابن ابی عامر حاجب مصحفی کے ساتھ ہشام کے اتالیق کی حیثیت سے کام کرنے لگا۔ اسی زمانہ میں عیسائیوں نے پھر سر اٹھایا۔ مصحفی گو حاجب تھا لیکن رموز جنگ سے ناواقف تھا۔ ابن ابی عامر نے مصحفی کی قدر گھٹانے کے لئے اور عوام میں اپنی بہادری کا سکہ جمانے کے لئے اس مہم کو سر کرنے کی حامی بھرلی اور فروری ۹۷۷ء مطابق رجب ۳۶۶ھ میں وہ عیسائیوں پر حملہ آور ہوا اور ان کو ایسا سبق سکھایا کہ وہ ایک عرصہ تک اس کو نہ بھولے۔ ماہ اپریل میں وہ بہت سا مال غنیمت لیکر قرطبہ واپس ہوا۔ اس مہم سے اس نے ایک طرف اہل قرطبہ کے دل جیت لئے دوسری طرف اس کی فیاضی لیاقت اور سپہ سالاری کی دھوم تمام فوج میں عام ہو گئی۔

ابن ابی عامر اور درباری امراء

ہشام المؤید کے تخت پر آنے کے بعد تو ابن ابی عامر کے حوصلے اور بلند ہو گئے اور اس نے طے کر لیا کہ ترقی کی راہ میں حائل ہر رکاوٹ کو دور کر کے رہے گا۔ اس کے لئے اس کو سب سے پہلے حاجب مصحفی سے نمٹنا تھا۔ حاجب مصحفی کسی خاص اہلیت کا مالک نہ تھا۔ الحکم ثانی کے استاد کے لڑکے ہونے کی حیثیت سے وہ اس عہدے تک پہنچا تھا۔ ایک تو وہ خود ادنیٰ خاندان کا فرد تھا دوسرے نخوت و تکبر، خودستائی اور خودنمائی اور بددیانتی سے دولت کو جمع کرنے اور اقرباپروری کی وجوہات سے عوام و خواص میں بری نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ سیاست و تدبر سے بھی زیادہ واقف نہ تھا کہ امور مملکت پر حاوی رہتا جس کی وجہ سے وہ اکثر تصفیہ طلب معاملات کو دوسروں کے سپرد کر دیتا تھا۔ زیادہ تر یہ خدمت ابن ابی عامر کے سپرد تھی بظاہر تو ابن ابی عامر مصحفی کے ساتھ اخلاق اور ادب سے پیش

آتا لیکن جب بھی موقعہ ملتا وہ اس کی نا قابلیت اور غلط تدابیر کو۔سلطانہ صبح اور امراء پر ظاہر کرنے سے باز نہ رہتا تھا۔ مصحفی نادانی سے ابن ابی عامر کو اپنا گہرا دوست سمجھتا رہا۔ مصحفی کو سب سے زیادہ خوف سپہ سالار غالب سے تھا۔ کیونکہ غالب صرف اس بات پر ناراض تھا کہ ایک نااہل شخص حاجب بن جائے اور اس کو کوئی نہ پوچھے۔ دونوں کی کشمکش سے محمد بن ابی عامر بخوبی واقف تھا۔ اس نے ان دونوں کے اختلافات دور کرنے کے بجائے ان کو اور ہوا دی اور سلطانہ صبح کی نظروں میں غالب کو اور چڑھا دیا۔ یہاں تک کہ سلطانہ سے غالب کو "ذولوزارتین" کا خطاب دلوایا[1]۔ سب سے بہترین ابن ابی عامر کے حق میں یہ بات تھی کہ غالب اور مصحفی دونوں اس کو اپنا دوست سمجھتے رہے۔ ۳۶۶ھ / ۹۷۷ء میں شمالی سرحد پر عیسائیوں سے لڑنے کے لئے ابن ابی عامر دوبارہ روانہ ہوا اور مجریط میں غالب سے ملا اور اس کو اپنے ظاہری اخلاق اور چکنی چپڑی باتوں سے اپنا گہرا دوست بنا لیا۔ دونوں کے درمیان مصحفی کو ختم کرنے کا معاہدہ ہو گیا۔ اس مہم میں بھی عیسائیوں کو زک اٹھانا پڑی اور ابن ابی عامر کامیاب و کامران واپس آیا۔ گویا جنگ غالب نے جیتی تھی لیکن ابن ابی عامر حکمت عملی سے ایسے ڈھب پر لے آیا کہ غالب نے خود ہی یہ مشہور کر دیا کہ یہ جنگ ابن ابی عامر نے جیتی ہے اور اس میں اس قدر مبالغہ کیا کہ اراکین۔ دربار اور عوام دونوں ابن عامر کے تدبر اور بہادری کے قائل ہو گئے۔

قرطبہ واپس آتے ہی ابن ابی عامر نے پہلا کام یہ کیا کہ مصحفی کے لڑکے محمد کو عامل قرطبہ کے عہدے سے علیحدہ کر کے خود عامل قرطبہ بن گیا اور اس عہدہ پر اس قدر خوش اسلوبی، عمدگی اور محنت سے کام کیا کہ نہ تو اس سے قبل ایسا عمدہ نظام قرطبہ کا ہوا تھا اور نہ قانون پر اس قدر پابندی عمل میں نہ آئی تھی۔ یہاں تک کہ اس کے لڑکے نے جب قانون کی خلاف ورزی کی تو اس کو بھی کوڑوں کی سزا دی حتیٰ کہ وہ کوڑے کھاتے کھاتے مر گیا۔ جس سے ابن ابی عامر کی انصاف پسندی کی دھوم مچ گئی۔ مصحفی نے جب رنگ بدلا دیکھا تو غالب سے اپنے تعلقات استوار کرنا چاہے جس کے لئے اس نے غالب کو ایک خوشامدانہ خط لکھا جس میں اس کی لڑکی اسماء سے اپنے لڑکے محمد کا عقد کرنے کی خواہش کی۔ لیکن ابن ابی عامر نے اس کو یہاں بھی زک دی اور غالب کی لڑکی سے خود عقد کر لیا۔ آہستہ آہستہ مصحفی سے اقتدار چھینا جاتا رہا اس کے اقرباء سرکاری عہدوں سے ہٹا دیئے گئے۔ اس کی

---

[1] ابن خلدون جلد ۴ صفحہ ۱۳۱

جائیداد بحق سرکار ضبط کرلی گئی یہاں تک کہ وہ زاہرہ کے قید خانہ میں ڈال دیا گیا اور تقریباً پانچ سال ذہنی اور جسمانی اذیتیں دینے کے بعد مار ڈالا گیا۔

ابن ابی عامر کا ستارہ اقبال عروج پر تھا۔ وہ اپنے دشمنوں کو یکے بعد دیگرے رستہ سے ہٹاتا گیا۔ مصحفی کے بعد صقالبہ کا نمبر آیا۔ جنہوں نے ہشام المویٔد کی تخت نشینی کی مخالفت کی تھی اور اب بھی بدستور دشمنی پر آمادہ تھے۔ ان صقالبہ نے ایک بار پھر جوذر قلبی حاکم قرطبہ زیاد بن افلح اور قاضی عبدالملک بن منذر سے ملکر ایک سازش ہشام المویٔد کو قتل کرکے عبدالرحمان الناصر کے ایک پوتے عبدالرحمان کو تخت نشین کرنے کی تیار کی۔ چنانچہ وقت مقررہ پر جوذر نے ہشام المویٔد پر قاتلانہ حملہ کیا جو ناکام رہا اور جوذر پکڑا گیا۔ سازش کا پتہ چل گیا اور بہت سے سازشی پکڑ کر قتل کردیئے گئے۔ اس طرح صقالبہ کی طاقت کا قلع قمع کردیا گیا۔ اس سلسلہ میں لین پول کا یہ خیال ہے کہ "یہ سازش دراصل ابن ابی عامر کو قتل کرنے کے لئے کی گئی تھی مگر کامیابی نہ ہوئی"[1]

اب ابن ابی عامر کا صرف ایک زبردست حریف میدان میں باقی رہ گیا تھا اور وہ تھا اس کا خسر سپہ سالار غالب۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ غالب کی طرف توجہ کرتا اس کو یہ اطلاعات ملیں کہ خلیفہ ہشام المویٔد حکومت کے معاملات میں دخل انداز ہونے لگے ہیں اور لوگوں کی شکایت پر بھی غور کرتے ہیں۔ خلیفہ اب جوانی کی حدود میں داخل ہو چکے تھے۔ بقول ڈوزی[2] ہشام المویٔد بچپن ہی سے بہت ذہین اور ہوشیار تھے۔ ہر علم جلد اور آسانی سے حاصل کرلیتے تھے۔ قوت فیصلہ دیگر بچوں کے مقابلہ میں بہت تیز تھی لیکن سلطانہ صبح اور ابن ابی عامر نے ان کی سوچ و فکر کی قوتوں کو کمزور کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور ان کو مذہبی امور کی پابندی میں مشغول کرکے ان کو دنیا کے کام کا نہ رکھا تھا۔ گو ہشام المویٔد ہر وقت نیک کاموں اور مذہبی کاموں میں مشغول رہتے تھے لیکن اس وقت بھی ان میں اتنی عقل و ذہانت ضرور تھی کہ وہ ابن ابی عامر کی چالوں کو سمجھتے تھے۔ ابن ابی عامر کو بھی اس بات کا خوف رہتا تھا کہ کوئی شخص خلیفہ کو اس کے حالات سے باخبر نہ کردے کیونکہ اس وقت تک بہت سے فوجی افسران اور شہری قصر خلافت میں آمدورفت رکھتے تھے۔ اس خوف کو دور کرنے کے لئے ابن ابی عامر نے یہ ترکیب کی کہ قرطبہ کے مشرق میں وادی الکبیر کے کنارے ایک نیا شہر مدینۃ الزہرہ تعمیر کرایا۔ جس کی تعمیر کے بعد تمام دفاتر حکومت مع خلیفہ اس میں منتقل کردیئے گئے۔ اس کے بعد خلیفہ

---

[1] Moors in Spain - 161

[2] Spanish Islam - Dozy - P. 491

سے عام ملاقات کا طریقہ بند کر دیا گیا اور معاملات حکومت سے ان کو بے نیاز کر دیا گیا جو شخص خلیفہ کے قریب جانے کی کوشش کرتا اس کو سخت سزا دی جاتی تھی۔ اس طرح خلیفہ ہشام المؤید محل کی چار دیواری میں قید ہو کر رہ گیا اور اس کو قصر خلافت کے باہر قدم تک نکالنے کی اجازت نہ تھی۔ قصر خلافت کی ہر نقل و حرکت کی اطلاع ابن ابی عامر کو دی جاتی تھی۔[1]

اس کے بعد غالب کو ختم کرنے کے لئے ابن ابی عامر نے فوج کو از سرِنو منظم کیا۔ جسکا ذکر آگے آئے گا۔ غالب پہلے ہی خلیفہ کے قیدی ہونے کی وجہ سے ابن ابی عامر سے ناراض تھا۔ مزید یہ کہ فوج کی جدید تنظیم نے اس کو بھڑکا دیا۔ عیسائیوں سے ایک جنگ کے سلسلے میں ایک سرحدی قلعہ کی دیوار پر غالب اور ابن ابی عامر میں تلخ کلامی ہوئی اور غالب نے ابن ابی عامر پر حملہ کر کے اس کو زخمی کر ڈالا لیکن ابن ابی عامر کی خوش بختی تھی کہ غالبؒ عیسائیوں سے لڑتا ہوا میدان جنگ میں مارا گیا۔ یہ واقعہ ۳۷۱ھ / ۹۸۱ء میں ہوا اور اس طرح ابن ابی عامر کو غالب سے نجات حاصل ہوئی۔ اس کے بعد ایک دوسرے حریف شاہ زاب جعفر کو بقول ڈوزی ابوالاحوص معن تجیبی اور عبدالرحمان مطرف تجیبی اور بقول ابن خلدون عبدالودود ابن جہور اور ابن ذوالنون کے ذریعہ ختم کرا دیا۔ سلطانہ صبح جواب تک ابن ابی عامر کے مشوروں میں شریک رہتی تھی اور اس کی ہمنوا تھی اس کی مخالف ہو گئی کیونکہ ابن ابی عامر کے تیزی سے بڑھتے ہوئے اقتدار نے اس کو اپنے اور ہشام المؤید کے مستقبل سے مایوس کر دیا تھا۔ چنانچہ اس نے حاکم سبتہ و طنجہ زیری ابن اطیہ کے ساتھ ابن ابی عامر کو ختم کرنے کی سازش کی۔ خلیفہ ہشام کو بھی اس سازش میں شریک کر کے عوام کو ابن ابی عامر کے خلاف بھڑکانے کی کوشش ہونے لگی۔ ایسی صورت میں ابن ابی عامر نے اپنی حکومت کو جائز ٹھہرانے کے لئے کچھ حیلے حوالے اور چاپلوسی سے اور کچھ طاقت کے بل پر خلیفہ ہشام المؤید سے اپنے نام حکومت کے انتظام اور انصرام کا فرمان حاصل کر لیا۔ جس سے سلطانہ صبح کی تمام کوششوں پر پانی پھر گیا اور وہ دل شکستہ ہو کر سیاست ملکی سے علیحدہ ہو گئی اور اپنا باقی وقت عبادت الٰہی میں گزار دیا۔[3]

ابن ابی عامر اور علماء

ابن ابی عامر کی تیز رفتار ترقی اور سلطانہ صبح سے اس کے بے تکلفانہ تعلقات کی نوعیت عوام الناس میں اشتعال انگیزی کا باعث بنتی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ جو لوگ اس کے طرفدار اور ہمنوا

---

[1] 2. Spanish Islam P. 498 [2] ابن خلدون جلد ۵ صفحہ ۳۳ (اردو ترجمہ)

[3] تفصیل کے لیے دیکھیے عبرت نامہ اندلس صفحہ ۲۶-۸۲ تا صفحہ ۳۲

تھے وہ بھی اس پر انگلیاں اٹھانے لگے۔ ان مخالفین میں پیش پیش قرطبہ کے علماء و صلحا کا طبقہ تھا۔ جن کے نزدیک ابن ابی عامر شرابی شریعت و مذہب سے لاپرواہ فلسفہ و حکمت کا شائق اور فلسفیوں کا مربی تھا۔ اس زمانہ میں فلسفہ کی تحصیل ناقابل معافی جرم تھی۔ ابن ابی عامر کو ان حالات کا جب علم ہوا تو اسکے ہوش جاتے رہے کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ فلسفی اور آزاد منش ہونے کا الزام اس کے خلاف زبردست ہنگامہ کھڑا کر سکتا ہے۔ چنانچہ اس الزام کو رد کرنے اور اپنے آپ کو پکا مسلمان ثابت کرنے کے لئے اس نے یہ تدبیر کی کہ ایک دن ابن ذکوان اور زبیدی وغیرہ کے ساتھ چند دیگر علماء کو لیکر الحکم ثانی کے کتب خانہ میں آیا فلسفہ کی تمام کتب چن چن کر اس میں سے نکالی گئیں اور ان کو نذر آتش کر دیا گیا بہت سے فلسفیوں کو ملک بدر کر دیا گیا اپنی مشاورتی کونسل میں علماء کی تعداد بڑھا دی ان کی عزت کی جانے لگی اور احکام شرعیہ میں ان سے مشورے لئے جانے لگے۔ ابن ابی عامر نے خود اپنے ہاتھ سے قرآن پاک لکھا اور جو ہر سفر میں اس کے ساتھ رہتا تھا۔ جامع قرطبہ میں توسیع بھی کی اور خود ایک مزدور کی طرح اس میں کام کیا حتیٰ کہ علما فقہاء اور عوام میں اس کا اعتماد بحال ہو گیا اور اس کو ایک دیندار مسلمان سمجھا جانے لگا۔ یہ تھی اس کے تدبر کی ایک ادنیٰ مثال جس نے اس کو منصور اعظم بنا دیا۔

فوج کی تنظیم نو۔

"ابن ابی عامر نے اراکین سلطنت اور سرداران دولت کی اکھاڑ پچھاڑ سے فارغ ہو کر لشکر کی آراستگی کی جانب توجہ کی اور سرحدی باشندوں زناتہ اور بربر سے شاہی لشکر کو ترتیب دیا۔[1] مصحفی کے زوال کے بعد جب ابن ابی عامر کو سپہ سالار غالب سے چھٹکارا حاصل کرنے کی فکر دامن گیر ہوئی تو اس نے اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے فوج کو تنظیم نو کے ذریعہ اپنے قبضہ میں لینے کا تہیہ کر لیا۔ اس جدید تنظیم سے اس کے دو مقاصد تھے۔ ایک تو قومی مفاد تاکہ طاقتور فوج سے دشمن پر حکومت اسپین کا رعب بیٹھ جائے۔ دوسرا اپنا ذاتی مفاد کہ فوج پر پورا قابو حاصل کر کے غالب کو بے دست و پا بنا دیا جائے۔ اس وقت فوج عرب بربر اور مقامی لوگوں پر مشتمل تھی۔ عبدالرحمان الناصر کی قائم کردہ تنظیم اور خارجی باشندوں پر مشتمل دستہ فوج ختم ہو چکا تھا۔ کیونکہ الحکم ثانی نے جو بڑا قدامت پرست اور تاریخ قدیم کا عالم تھا دوبارہ جداول النساب کی ترتیب کے لئے قبیلہ دار فوجوں کا

---

[1] ابن خلدون جلد ۵ صفحہ ۲۳۰ (اردو ترجمہ)

طریقہ رائج کر دیا تھا اور پھر فوج کو سپہ سالار کے سپرد کر دیا تھا۔ جس کے نتیجہ میں غالب کی طرف دارانہ پالیسی اور چشم پوشی سے فوج کی تنظیم میں بڑا خلل پیدا ہو گیا تھا۔ فوج ایک تربیت یافتہ منظم لشکر کی بجائے مجاہدین کا ایک گروہ معلوم ہوتی تھی اور سرداران جند کے اختیارات کی بھی کوئی حد نہ رہی تھی۔ قومی یکجہتی اور اتحاد کے لئے ابن ابی عامر کے نزدیک یہ بات ضروری تھی کہ فوج ایسے عناصر پر مشتمل ہونی چاہئے جو اپنی ذاتی اغرض کو سلطنت پر قربان کر سکیں اور اطاعت و فرمانبرداری کے ساتھ ساتھ اس قدر منظم اور تربیت یافتہ بھی ہوں کہ جن کی مثال یورپ میں نہ مل سکے لیکن ملک گیری اور حفاظت میں کوئی دقت پیدا نہ ہو۔ ابن ابی عامر خود بھی اس بات سے ڈرتا تھا کہ عوام اور فوج کسی وقت اس کی مخالفت اور خلیفہ کی حمایت میں نہ اٹھ کھڑے ہوں اس لئے وہ اپنی ذاتی حفاظتی فوج ان افراد سے مرتب کرنا چاہتا تھا جو صرف اس ہی کے وفادار ہوں اور ان کی اکثریت غیر اسپینی ہو۔ جس زمانہ میں وہ افریقہ میں قاضی القضاۃ بنا کر بھیجا گیا تھا اسی وقت اس نے اس بات کا اندازہ کر لیا تھا کہ مغرب اقصیٰ کے لوگوں میں جو جنگی صلاحیتیں ہیں وہ بے مثال ہیں۔ ان سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے چنانچہ اس نے اس وقت ان علاقوں کے رہنے والے بربروں کو اپنی فوج میں شامل کرنے کے لئے اندرون افریقہ سے سبتہ میں پناہ لینے والے بربروں کو اپنی فوج میں ملازم رکھنا شروع کر دیا۔ انہی میں جعفر رئیس زاب بھی تھا جو بعد میں قتل ہوا۔ یہ بربر جس وقت قرطبہ پہنچے تو ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔ ان کے رہنے کے لئے عالی شان حویلیاں اور مکان دیئے گئے۔ بہترین لباس اور آلات حرب سے مزین کیا گیا اور سواری کے لئے اعلیٰ نسل کے گھوڑے دیئے گئے۔ ابن ابی عامر کی ان نوازشات اور انعام و اکرام کو سن کر ہزاروں کی تعداد میں مزید بربر اور سوڈانی اسپین آکر فوج میں بھرتی ہونے لگے۔ جس طرح بربروں کو فوج میں داخل کیا گیا تھا اسی طرح عیسائیوں کو بھی داخل کیا گیا۔ شمالی عیسائی ریاستوں کی ۵۰ سالہ آپس کی خانہ جنگی نے بہت سے علاقے تباہ و برباد کر دیئے تھے۔ لیون، نبرہ اور قشتالیہ کے عیسائی مفلس اور تنگ دست ہو گئے تھے۔ جس کی وجہ سے ایک بڑی تعداد ان علاقوں کے باشندوں کی مسلم علاقوں میں پناہ لینے آئی۔ جن کو فوج میں ملازمت دے دی گئی ابن ابی عامر کی فیاضی، لطف و کرم اور عدل و انصاف کی وجہ سے وہ سب اس کے گرویدہ ہو گئے اور اپنے آپ کو صرف اسی کا ملازم سمجھنے لگے۔

محمد ابن ابی عامر نے فوج میں غیر ملکیوں کی تعداد میں وافر اضافہ کر کے فوج کی کل تنظیم ہی بدل ڈالی۔ مدتوں سے یہ طریقہ چلا آ رہا تھا کہ فوجیں اور فوجوں کی شاخیں قبائل اور قبائل کی شاخوں سے

ترتیب دی جاتی تھیں۔ یہ طریقہ بند کردیا گیا اور عربوں کو بلا امتیاز کہ وہ کسی قبیلے سے تعلق رکھتے ہوں ان کو بربروں اور عیسائیوں کے دستوں میں منقسم کر دیا گیا۔ اس طرح اس نے "مختلف نسلوں اور قوموں کو تن واحد بنانے کا کام جو عبدالرحمان الناصر نے شروع کیا تھا اور مسلمانوں نے اسے پسند بھی کیا تھا تکمیل کو پہنچانا چاہا" اس کام سے ابن ابی عامر عظیم قومی خدمت کرنا چاہتا تھا۔ اس کے اس عمل سے غالب کی فوج منتشر ہو کر رہ گئی جس سے فوج پر غالب کی اجارہ داری جاتی رہی اور جس طاقت پر اس کو ناز تھا وہ ختم ہو گئی۔ یہاں تک کہ وہ قتل ہو گیا۔ فوجوں کی تعداد میں اضافے کے ساتھ ساتھ ابن ابی عامر نےسخت قسم کے فوجی قوانین بھی نافذ کئے۔ ایسے لوگوں کو افسر مقرر کیا جو اس کے طرفدار اور قابل تھے۔ فوجوں میں قواعد دانی کا طریقہ رائج کیا اور ان میں جذبہ حب الوطنی کو بڑھانے اور حکومت کا وفادار ہو جانے کی تعلیم دی گئی۔ اتوار کا دن تمام سپاہ کے لئے تعطیل کا دن مقرر کیا گیا۔ اس کی فوجوں کی کل تعداد کا اندازہ شمال کی ایک مہم سے ہوتا ہے جس میں ٦ لاکھ کے قریب سپاہ شامل تھی۔ علاوہ ازیں ابن ابی عامر اپنی فوج کا بہت خیال رکھتا تھا اور ان کے آرام و آسائش میں کمی نہ آنے دیتا تھا۔ عبدالرحمان الناصر کی طرح وہ ایک طاقتور اور منظم فوج کا رکھنا ضروری خیال کرتا تھا۔ یہ ساری فوج براہ راست مرکزی حکومت کے ماتحت ہوتی تھی اور سپاہیوں کو تنخواہ کے علاوہ زمین وغیرہ بھی دی جاتی تھی۔ ہفتہ پندرہ روز میں فوج کا بذات خود معائنہ کرتا۔ اور اگر کسی سپاہی سے کوئی کوتاہی، غفلت اور غلطی پاتا تو فوراً سر قلم کرا دیتا۔[1] ساتھ ہی ساتھ داد و دہش بھی خوب کرتا اور مال غنیمت میں ان کو پورا پورا حصہ دیتا تھا۔ الغرض ابن ابی عامر کے پاس اس وقت دنیا کی بہترین اور منظم فوج تھی۔ بلا شبہ اگر ملک کی بدامنی، بغاوتیں اور شمال کے عیسائی اس کو ذرا بھی سکون لینے دیتے تو وہ یورپ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتا۔

مہمات اور فتوحات

محمد بن ابی عامر نے اپنی صلاحیتوں اور لیاقتوں سے ثابت کر دیا تھا کہ وہ انتظام مملکت میں تدبر کے ساتھ فوجی تدبر کا بھی مالک ہے اور بہترین سپاہی اور سپہ سالار ہونے کی صلاحیت اس میں موجود ہے۔ ہٹی نے لکھا ہے کہ "فاطمی خلافت کے قاہرہ منتقل ہونے اور شمالی عیسائی ریاستوں کی آپس کی خانہ جنگی نے اس کو یہ موقعہ فراہم کر دیا کہ وہ شمالی اسپین سے لے کر افریقہ کے ساحل تک اپنی

---

[1] نفح الطیب جلد ۱ ص ۲۵۷ تا ص ۴۷۶

لامتناہی مہمات کا سلسلہ جاری رکھے'' اس کا یہ دستور تھا کہ سال میں دو دفعہ یعنی گرمی اور جاڑے کے شروع میں عیسائیوں پر یلغار کرتا۔ جلیقیہ اور نشکنس کے رہنے والوں نے الحکم ثانی کی وفات کے فوراً بعد ہی بغاوت کر دی تھی اور مسلم علاقوں پر حملے بھی شروع کر دیئے تھے۔ غالب سے لڑائی کے سلسلہ میں لیون والوں نے غالب کا ساتھ دیا تھا چنانچہ ابن ابی عامر نے ان پر فوج کشی کی اور ۳۷۱ھ / ۹۸۱ء میں شہر سمورہ کا محاصرہ کر لیا۔ بادشاہ لیون رومیرو ثالث نے قومس' قشتالیہ 'غرسیہ' فرولند اور شاہ نبرہ شانجہ سے معاہدہ کر لیا اور تینوں نے مل کر ابن ابی عامر کا مقابلہ کیا روطہ کے مقام پر شنت مانکش کے جنوب مغرب میں شکست کھائی اور شنلت مانکش پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس کے بعد لیون میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ یہاں تک کہ رومیرو ثالث مر گیا اور اس کا چچازاد بھائی برمند لیون پر قابض ہو گیا لیکن اس خوف سے کہ اس کے خلاف بغاوت نہ ہو جائے اس نے اس میں بہتری سمجھی کہ ابن ابی عامر کو اپنا سرپرست تسلیم کر لے۔ اس طرح لیون اور نبرہ کا علاقہ خلافت قرطبہ کا باجگذار بن گیا اور ان کے دارالحکومت میں مسلمانوں کی فوج متعین کر دی گئی۔ اس کامیابی کے بعد محمد بن ابی عامر نے '' المنصور'' کا خطاب اختیار کیا۔ (ہم بھی اسے اب منصور کے نام سے تحریر کریں گے) اس کے بعد المنصور نے اسپین کے شمال مشرقی صوبے قتلونیہ کا رخ کیا۔ ۳۷۴ھ / ۹۸۵ء میں یہ مہم روانہ ہوئی۔ مسلمان قرطبہ سے کوچ کر کے البیرہ' بیاسہ اور مورقہ کے شہروں سے گزرتے ہوئے صوبہ مرسیہ میں داخل ہوئے۔ یہاں کا حاکم ابن خطاب تھا جو تدمیر کے خاندان سے تھا۔ اس نے المنصور کی بڑی خاطر مدارات کی اور ۱۳ دن تک تمام فوج کو مہمان رکھا۔ یہاں سے منصور قتلونیہ کی طرف چلا۔ کاؤنٹ بوریل نے راستے میں مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی اور ۶ جولائی ۹۵۸ء (مطابق ۹ صفر ۳۷۵ھ) میں شہر برشلونہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ ابن الأثیر کے مطابق منصور کی یہ ۲۳ ویں مہم تھی۔ ۳۷۷ھ / ۹۸۷ء میں برمند ثانی والئی لیون نے بغاوت کر دی۔ منصور نے تیزی سے اس پر حملہ کیا اور شہر قلمریہ کو فتح کر کے اس کو بری طرح تباہ و برباد کر دیا۔ اس کے بعد شہر لیون پر حملہ آور ہوا اور کافی دن کی لڑائی کے بعد شہر پر قبضہ کر کے اسکو بھی تباہ و برباد کر ڈالا۔ بالآخر اس علاقے کے لوگوں نے اطاعت اختیار کر لی اور سلطنت لیون کا وہ حصہ جو خلیج بسکے سے ملحق تھا برمند ثانی کے پاس رہ گیا۔ باقی سب علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ ۳۷۹ھ / ۹۸۹ء میں منصور کے لڑکے عبداللہ نے بغاوت کر کے غرسیہ

والی قشتالیہ کے پاس پناہ لی تھی۔ جس کی بنا پر منصور نے قشتالیہ پر دھاوا کیا اور اس کے کئی شہروں پر قبضہ کر کے غرسیہ کو اس قدر پریشان کیا کہ وہ امان طلب کرنے پر مجبور ہوا اور عبداللہ کو منصور کے حوالے کر دیا۔ برمند والی لیون نے ایک دوسرے باغی عبداللہ اموی کو پناہ دی تھی چنانچہ لیون پر دوبارہ فوج کشی کی۔ جب منصور نے اشتورقہ کا شہر فتح کر لیا تو برمند بھی امان کا طالب ہوا اور عبداللہ اموی کو منصور کے حوالے کر دیا۔ منصور نے اس کو سالانہ خراج ادا کرنے پر معاف کر دیا جلیقیہ کا وہ علاقہ بھی جو شنت یعقوب کے نام سے پکارا جاتا تھا اور جس کے متعلق یہ مشہور تھا کہ وہ راہبوں اور تارک الدنیا لوگوں کا مسکن ہے منصور کی فتوحات سے الگ نہ رہا۔ اس دلدلی علاقے میں عام انسانوں کا پہنچنا مشکل تھا۔ یہاں پر ایک درگاہ سینٹ جیمس کی تھی جس سے متعلق بہت سی کرامات مشہور تھیں۔ منصور نے اس تمام علاقہ پر قبضہ کر لیا البتہ درگاہ کو کوئی نقصان نہ پہنچایا۔[لہ]

شمالی عیسائیوں کے خلاف کارروائیاں کرنے کے علاوہ منصور نے ماریتانیہ اور مغرب اقصیٰ میں بھی فوجی کارروائیاں کیں۔ الحکم ثانی کے زمانہ میں غالب نے اس تمام علاقہ پر قبضہ کر لیا تھا لیکن بعد میں فاطمیوں نے اس کو پھر واپس لے لیا اور اپنا ایک والی بلکین مستقل طور پر مقرر کر دیا۔ بلکین کے مرنے کے بعد اس علاقے میں پھر چھوٹی چھوٹی آزاد ریاستیں قائم ہو گئیں۔ جن میں سے اکثر نے فاطمین کا جوا اپنے کندھوں سے اتار پھینکا تھا۔ مثلاً فاس مجلماسہ وغیرہ۔ ابن غنّون ادریسی نے دوبارہ فاطمین کی مدد سے مغرب اقصیٰ میں طاقت حاصل کر لی اور قریب تھا کہ پورے علاقہ پر قابض ہو جائے لیکن منصور نے اپنے چچا زاد بھائی عسقلیجہ کو اس کی سرکوبی پر مامور کیا۔ جس نے جلد ہی ابن غنون پر قابو پا لیا اور اس سے صلح کر کے اس کو قرطبہ روانہ کر دیا۔ منصور نے عسقلیجہ کی دی ہوئی امان کو قبول نہ کرتے ہوئے ابن غنون کو قتل کرا دیا۔ عسقلیجہ کو منصور کی عہد شکنی پر بڑا رنج ہوا اور وہ منصور کے خلاف باتیں کرنے لگا۔ چنانچہ منصور نے اس کو اسپین واپس بلا کر اس پر بغاوت کا الزام لگا کر قتل کرا دیا۔ زیری بن عطیہ نے سلطانہ صبح سے منصور کے خلاف سازش کی تھی۔ جب سلطانہ کی یہ سازش ناکام ہو گئی تو منصور نے زیری کی سرزنش ضروری خیال کی۔ ابن خلدون نے واقعہ اس طرح بیان کیا ہے۔

"...... منصور کا بیٹا عبدالملک ملکوک مغراوہ کی سرکوبی کے لئے فاس پر چڑھ دوڑا۔ اس فوج کشی کا

لہ اس حملے کی تفصیل عبرت نامہ اندلس میں دی گئی ہے ص۸۳۳ اور آگے نفح الطیب میں بھی درج ہے۔

سبب یہ ہوا تھا کہ زیری بن عطیہ شاہ مغراوہ نے خلیفہ ہشام المؤید کو ناتجربہ کار سمجھ کر اس کے ممالک محروسہ کو اپنی حدود حکومت میں ملا لیا تھا۔ عبدالمالک نے ۳۵۲ھ میں زیری پر فوج کشی کی اور پہنچتے ہی فاس پر کامیابی کے ساتھ قبضہ کر لیا۔ کامیابی کے بعد اپنی طرف سے ملوک زناتہ کو ملک مغرب اور صوبہ جات سلجماسہ پر مامور کیا۔ زیری بن عطیہ نے تاہرت میں پناہ لی اور اسی حالت میں مرگیا۔ اس کے بعد عبدالملک واضح کو مغرب اقصیٰ کی حکومت پر مامور کر کے قرطبہ واپس چلا آیا[1]....."

لیکن دیگر مورخین ابن خلدون سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ منصور نے زیری ابن عطیہ کے باغی ہونے کا اعلان کر کے اپنے مولیٰ واضح کو زیری کے مقابلہ پر روانہ کیا تھا۔ واضح کو زیری کے مقابلہ پر چند فتوحات کے علاوہ زیادہ کامیابی نہ ہوئی اور ایک موقعہ پر شکست کھا کر طنجہ میں محصور ہو گیا۔ دوبارہ منصور نے ایک زبردست فوج اپنے لڑکے عبدالملک کی ماتحتی میں بھیجی جس نے واضح کے ساتھ مل کر ۳۸۸ھ / ۹۹۸ء میں زیری کی طاقت کا قلع قمع کر دیا۔ جن علاقوں میں زیری قابض ہو گیا تھا دوبارہ حکومت قرطبہ کے پاس واپس آ گئے۔ اس واقعے کے تین برس بعد زیری مرگیا۔

وفات

منصور اپنی زندگی کی آخری جنگ قشتالیہ سے واپس آ رہا تھا کہ راہ میں بیمار پڑ گیا اور ۲۷ رمضان المبارک ۳۹۲ھ (مطابق ۱۰ اگست ۱۰۰۲ء) میں ۶۱ سال کی عمر میں وفات پائی اور مدینہ سالم میں دفن کر دیا گیا۔ اس طرح بقول ابن خلدون اسلام کے اس ادنیٰ مجاہد نے جس نے اپنے کارناموں سے کافروں اور دشمنوں کے دل دہلا دیئے تھے ۲۷ برس مطلق العنان حکمرانی کر کے اس سرائے فانی سے کوچ کیا۔

عروج، کردار اور کارنامے

محمد بن ابی عامر المنصور مسلم اسپین کا ایک نادر روزگار فرد تھا۔ جس کی صلاحیتوں اور قابلیتوں کا مقابلہ بڑے سے بڑا حکمراں بھی نہیں کر سکتا۔ کہا جاتا ہے کہ عبدالرحمان الناصر تدبر اور شجاعت میں اس سے آگے تھا لیکن جس طور پر المنصور نے اپنی ذاتی کاوشوں سے عروج حاصل کیا اور پھر جس حسن تدبیر سے کام انجام دیئے تھے اس سے وہ الناصر سے آگے ہی نظر آتا ہے۔ بلاشبہ وہ یورپ کی دسویں صدی عیسوی کی ممتاز ترین شخصیت تھا۔ اس نے ایک معمولی حیثیت سے ایک طاقتور شخصیت بن کر مسلم اسپین کو نہ صرف تباہی سے بچا لیا بلکہ اسپین کی حکومت کو بام عروج تک پہنچایا۔ گو

---

[1] ابن خلدون جلد ۵ صفحہ ۳۲۱ (اردو)

الحکم ثانی کے مرنے کے بعد ملک کے داخلی معاملات اس قدر کمزور نہ تھے کہ سلطنت یکدم زوال پذیر ہو جاتی۔ نابالغ ہشام الموئد کی تخت نشینی، مصحفی کی بے عملی، عیسائیوں کی یلغار اور افریقہ کی بغاوتیں سب مل کر یقیناً "سلطنت اسپین کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتیں۔ المنصور کے عروج میں اس کے کردار کا بڑا ہاتھ تھا۔ اس کے کارنامے اس کے کردار کے ساتھ اس طرح منسلک ہیں کہ ان کو جدا کر کے بیان کرنا بہت مشکل نظر آتا ہے۔

المنصور کے ارادوں میں حد درجہ مستقل مزاجی اور عزم تھا۔ جس بات کا ارادہ کر لیتا تھا اس کو بہر طور پر پورا کرتا خواہ اس میں کتنی ہی مشکلات درپیش ہوتیں۔ دور طالب علمی میں حکومت و سلطنت کا ارادہ اس کی بلند پروازی کی دلیل ہے۔ حالانکہ بظاہر ایسے آثار نہ تھے کہ اس کو حکومت مل سکتی لیکن اس نے اپنے اس ارادہ کو پورا کرنے میں جو سعی اور تگ و دو کی وہ اس کے پختہ عزم کا کھلا ثبوت ہے۔ دیانت داری اور مستعدی سے کام کرنے کی صلاحیت نے اس کو جلد ہی حکومت کے بڑے عہدوں تک پہنچا دیا۔ نہایت ہوشیاری اور چالاکی سے اپنے خیر خواہوں اور ہمدردوں کی تعداد میں اضافہ کرنا اس کی فطری صلاحیتوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس میں داد و دہش کا مادہ بھی تھا اور عوام الناس کو اپنا گرویدہ اور مطیع بنانے کی صلاحیت بھی موجود تھی۔ کسی کو اپنی مردانگی اور دلاوری سے، کسی کو داد و دہش سے، کسی کو پابندی شریعت اور قانون سے تو کسی کو حسین تدابیر سے اپنا ہمدرد اور خیر خواہ بنانا اس کا ادنیٰ کرشمہ تھا۔ جو لوگ مخالف بن کر اس کی راہ کا کانٹا بنے ان کو حرف غلط کی طرح مٹا دیا۔ مصحفی کو غالب سے مقابلہ کو مصحفی کے ذریعہ سے غالب کو جعفر "ملک الرّاب" کے ہاتھوں اور جعفر کو عبدالرحمان ابن مطرف کے ذریعہ سے ختم کرا دیا۔ جس سے اس کی اس صلاحیت اور ہوشیاری کا پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے مخالفین کو ہٹانے کی کس قدر قدرت رکھتا تھا۔ ابن خلدون نے اس کے عروج کے بارے میں لکھا ہے۔

"محمد بن ابی عامر نے اپنی حکمت عملیوں اور چالوں سے نو عمر خلیفہ ہشام الموئد کو شاہ شطرنج بنا کر قصر خلافت کی بساط پر بٹھا دیا اور خود حکمرانی کی قبا پہن کر حکومت کرنے لگا........ اور محمد بن ابی عامر نے بلاد ہسپانیہ میں اپنی حکومت اور رعب و داب کا سکہ چلایا۔ امور سلطنت کا نظم و نسق وہ خود کرتا تھا۔ سرحدی عیسائی شہزادوں پر ہمیشہ فوج کشی اور جہاد کرتا تھا۔ اہل بربر کو لشکر کی سرداری اور بڑے بڑے عہدے دیتا تھا اور عرب نژادوں کے اثر کو آہستہ آہستہ کم کرتا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ کمال استقلال

اور استحکام کے ساتھ حکومت پر قابض ہو گیا۔ جو ارا کین حکومت اس کے راستے میں رکاوٹ تھے ان کے نام و نشان کو مٹا دیا۔ خاص اپنی رہائش کے لئے زاہرہ آباد نام کا ایک شہر آباد کیا۔ شاہی خزانہ اسلحہ اور ہر قسم کے اسباب وہیں اٹھا لے گیا اور وہیں تخت حکومت پر بیٹھ کر حکمرانی کرنے لگا۔ اس نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ یہ حکم بھی صادر کیا کہ بادشاہوں کی طرح میری تعظیم و تکریم کی جائے اور انہی کی طرح مجھے آداب و القاب لکھے جائیں۔ الحاجب المنصور کے لقب سے اپنے آپ کو ملقب کرایا۔ خطوط' فرامین اور سرکاری احکامات اسی کے نام سے جاری کئے جاتے تھے۔ منبروں پر اسی کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا اور سکے تک اسی کے نام سے گھڑے جاتے تھے..... اس کی فوج بربروں اور آزاد غلاموں پر مشتمل تھی۔ غیر مسلموں اور غلاموں کو بڑے بڑے عہدے دیئے جاتے تھے۔ وہ جوان مرد اور دلیر تھا۔ جہاد پر اکثر بذات خود جاتا تھا۔ اپنے زمانہ حکومت میں باون جہاد کئے۔ ایک جہاد میں بھی اس کا جھنڈا سرنگوں نہ ہوا اور نہ اس کی فوج برداشتہ خاطر اور بددل ہوئی...... اس کی فوج ظفر موج سرحدی حدود سے آگے بڑھ کر سواحل بربر تک پہنچ گئی تھی۔ اس نے اپنی مدبرانہ چالوں سے ملوک بربر کو باہم لڑا کر ان کی قوت کو فنا کر دیا تھا۔ یہی اسباب تھے جن سے اس کی حکومت کا سکہ تمام ملک مغرب میں کامیابی کے ساتھ چلا.....[1]"

اپنے دور عروج میں المنصور نے اپنا مطلب حاصل کرنے کے لئے ہر جائز اور ناجائز طریقہ اختیار کیا لیکن اگر وہ ایسا نہ کرتا تو یقیناً خود غرض اور مطلب پرست لوگ سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے۔ المنصور نے صاحب اقتدار ہوتے ہی دشمنوں کو نیچا دکھایا۔ ۵۲ جہاد کئے اور لیون' نیرہ' شلونہ اور قشتالیہ کے عیسائیوں کی گردنوں کو اپنے آگے جھکنے پر مجبور کر دیا۔ یہاں تک کہ عیسائی اس کے نام سے کانپتے تھے اور اس کوشش میں رہتے تھے کہ زیادہ سے زیادہ اس سے میل ملاپ رکھیں اور دغا و فریب سے کام نہ لیں۔ کیونکہ المنصور کو دغا و فریب پر سخت غصہ آتا تھا۔ اس نے کبھی اپنے دشمنوں سے صلح نہیں کی بلکہ ان کو اپنے فولادی ہاتھوں سے کچل دیا۔ دشمنوں کو زک دینے اور ان کو اپنا مطیع بنانے میں المنصور وہ واحد شخص ہے جو عبدالناصر سے بھی آگے نظر آتا ہے۔

جس قدر دشمن المنصور سے ڈرتا تھا اس قدر افواج شاہی اس پر اپنی جان فدا کرتی تھیں۔ اس کو اپنے باپ سے زیادہ چاہتی تھیں۔ منصور کو بھی اپنی فوج کی تمام ضروریات کا بے حد خیال رہتا تھا

---

[1] ابن خلدون جلد ۵ صفحہ ۳۳۲ اردو

لیکن فوجی قواعد کی پابندی میں بڑا سخت گیر تھا۔ اس کی شخصیت بحیثیت مجاہد اور سپہ سالار اس قدر مرعوب کن تھی کہ اس کے دور میں اندرون ملک کسی کو اس کے خلاف بغاوت کرنے کی جرات نہ ہو سکی۔ "یہ منصور کی تربیت یافتہ فوج تھی جس نے اسپین کو شان و شوکت میں اس بلندی پر پہنچایا جو کبھی پہلے اس کو نصیب نہ ہوئی تھی۔ یہاں تک کہ یہ عروج خلیفہ الناصر کے زمانہ میں بھی نہ ہوا تھا۔"[1] اس کے علاوہ اس نے اپنی بحری طاقت میں بھی بہت اضافہ کیا اور اس کے ذریعہ خلیج بسکے اور بحر روم میں کئی مرتبہ فوج کشی کی۔ اس بحری تحفظ سے اسپینی تجارت میں نمایاں ترقی ہوئی۔

المنصور کو ملک کے مادی وسائل کی ترقی کا بھی بہت خیال تھا۔ زیر استعمال سڑکوں کو چوڑا کرایا اور ٹوٹی ہوئی سڑکوں کو درست کیا۔ یہاں تک کہ تمام ملک میں سڑکوں کا جال پھیلا دیا۔ جگہ جگہ پل تعمیر کئے جس سے عوام اور فوج کو گزرنے میں بہت آسانیاں ہو گئیں۔ اور اندرون ملک تجارت بڑی بار آور ہو گئی۔ "اس میں سے ایک قرطبہ کی نہر اعظم کا پل ہے جس پر ایک لاکھ ۴۰ ہزار دینار صرف ہوئے۔ دوسرا پل استجہ کا ہے جو بغرض رفاہ عامہ تعمیر کرایا تھا۔ جامع مسجد قرطبہ کی عمارت میں معقول اضافہ کیا۔ تمام ملک میں سڑکیں بنوائیں۔ دشوار گزار پہاڑوں کو کاٹ کر راستے نکالے۔ جس پر ہر شخص با آسانی سفر کر سکتا تھا۔"[2] اس نے ایک نیا شہر بنوایا۔ اور اس کو آباد کیا جس کا نام مدینۃ الزاہرہ تھا۔ ملک کی خوشحالی کے یہ اثرات پڑے کہ آبادی میں زبردست اضافہ ہوا۔"[3]

حاجب المنصور علم و ادب کا بھی سرپرست اور مربی تھا۔ اس نے ملک کی ثقافت کو اپنا ممنون احسان کیا۔ اہل ملک کی علمی صلاحیتوں کی قدر کر کے ہمیشہ ان کی ہمت افزائی کی۔ یہ سچ ہے کہ سیاسی پیچیدگیوں کی وجہ سے وہ فلسفہ کی تعلیم کو فروغ نہ دے سکا۔ لیکن فلسفہ سے رغبت رکھتا تھا اور جب کبھی بھی موقع ملتا فلسفہ کی اس طرح سرپرستی کرتا کہ علماء اور فقہاء کو ناگوار نہ گزرے۔ چنانچہ ایسے ہی ایک موقعہ پر قاسم بن محمد سنبوسی کو بچایا جن کو کافر ہونے کے شبہ میں گرفتار کر لیا گیا اور سزائے موت بھی تجویز ہو چکی تھی۔ منصور کے دربار میں علماء فضلاء کا ہمیشہ خیر مقدم کیا جاتا تھا جس کے نتیجہ میں ایک بڑی تعداد مشہور ترین علماء و شعراء کی قرطبہ میں جمع ہو گئی تھی۔ منصور ان علماء کے مباحثوں میں شریک ہوتا تھا اور ان کی معقول تنخواہیں مقرر کر رکھی تھیں۔ شعراء کی ایک بڑی تعداد ہمیشہ سفر میں اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ مثلاً قلونیہ کے معرکہ میں ۴۱ شعراء اور مورخین اس کے ساتھ تھے۔ انہی

---

[1] Spanish Islam - Dozy P. 526 — [2] نفح الطیب جلد ا صفحہ ۲۷۶
[3] Splendour of Moorish - P.163

شعراء میں ابو العلاء صاعد بن الحسن بغدادی بھی تھے۔ یہ علم و فضل میں بلند پایہ تھے۔ لغت' ادب اور تاریخ کے بڑے عالم تھے۔ حاضر جوابی میں مثال نہ رکھتے تھے۔ انہوں نے عربی ادب پر ایک بے بہا کتاب بھی لکھی تھی۔ دربار منصور میں شاعروں اور عالموں کا یہ اجتماع ایک خاص وجہ سے بھی تھا۔ منصور سلاطین بنو امیہ کی طرح امور علم میں اعلیٰ درجہ کا مذاق نہ رکھتا تھا۔ لیکن دربار کی شان و شوکت کا یہ تقاضا تھا کہ شعراء و علماء کا اجتماع کیا جائے۔ اس کے دربار کے طبیبوں کا شہرہ یورپ اور ایشیاء تک میں ہو چکا تھا۔

المنصور کو عدل و انصاف کا بڑا خیال تھا اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی اس کی برداشت سے باہر تھی۔ جب عامل قرطبہ تھا تو ایک جرم کی پاداش میں اپنے بیٹے کو اس قدر سزا دی کہ وہ مر گیا۔ عہدہ قضا پر بہتر سے بہتر اور قابل ترین لوگوں کو مامور کرتا۔ جب افریقہ کا قاضی بنا کر بھیجا گیا تھا تو وہاں پر عدل و انصاف کی وہ مثالیں قائم کیں کہ عوام و خواص اس کے گرویدہ ہو گئے اور کسی ایک فرد کو بھی اس سے شکایت کا موقعہ نہ مل سکا۔ دوسری طرف ایسی بھی مثالیں پائی جاتی ہیں جو عدل و انصاف کے سراسر منافی ہیں لیکن سیاسی مصلحتوں نے اس کو ایسا کرنے پر مجبور کیا تھا۔ مثلاً ادریسی شہزادہ ابن غنون کا قتل اور اس کے بعد عقلیجہ کا قتل ہونا۔ پھر بھی منصور کا انصاف ضرب المثل بن گیا تھا۔ اس کا یہ حکم تھا کہ بغیر کسی رعایت اور بغیر امتیاز کے ہر شخص سے انصاف کیا جائے۔ خود منصور کا عزیز سے عزیز بھی قانون کی گرفت سے باہر نہ تھا۔ محافظ دستہ کے ایک صقلی کا واقعہ ڈوزی نے لکھا ہے کہ باوجودیکہ صقلی منصور کو بہت عزیز تھا لیکن بضد ہو کر منصور نے اس کو سزا دلوائی۔ المنصور نے اس بات کا خاص اہتمام کیا تھا کہ حکومت کے عہدیداروں پر انصاف کی گرفت سخت ہو اور اگر قاضی انصاف میں کوتاہی کرتا تو اس کو سزا دی جاتی تھی۔

بہرحال حاجب المنصور کے ہر چھوٹے اور بڑے کارنامے سے اس کی لیاقت' ذہانت اور تدبر جھلکتا ہے۔ وہ معاملات سلطنت میں اکابرین سے مشورہ ضرور کرتا لیکن ان کے مشوروں پر عمل نہ کرتا تھا اور ہر صورت میں اپنی رائے پر قائم رہتا۔ اس نے عروج حاصل کرنے اور کرسی اقتدار پر پہنچنے کے لئے بلاشبہ وہ ذرائع استعمال کئے جو غیر اخلاقی اور غیر انسانی کہے جاسکتے ہیں۔ بلکہ سیدھے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ جرائم کا مرتکب ہوا تھا لیکن برخلاف اس کے جب اس نے اختیار و اقتدار حاصل کر لیا تو پھر وہ صادق العمل' فیاض اور عادل ثابت ہوا۔ حصول مقاصد میں شدت اختیار

کرنا اس کی فطرت ثانیہ تھی۔ جب کسی بات کا ارادہ کرلیتا تو پھر اسی پر قائم رہتا۔ ہمت اور ارادے کی قوت اس میں اس قدر تھی کہ جسمانی اور دماغی دونوں اقسام کی اذیتیں بے تکلف برداشت کرلیتا تھا۔ ایک روز مجلس شوریٰ میں بیٹھا تھا۔ پاؤں میں کوئی مرض تھا۔ جراح نے گوشت جلانا شروع کیا۔ منصور جس طرح بحث کر رہا تھا کرتا رہا۔ جب گوشت جلنے کی بدبو پھیلی تب حاضرین کو پتہ چلا۔ ورنہ شاید کسی کو معلوم نہ ہوپاتا کہ کیا واقعہ ہوا۔ منصور کے ہر فعل سے حزم و استقلال ظاہر ہوتا تھا۔ جس سے دوستی رکھتا تو پوری طرح نبھاتا اور جس سے دشمنی ہوتی تو اس کو ختم کرکے دم لیتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی اس میں وصف تھا کہ جب اس کو یہ علم ہوجاتا کہ اس نے واقعی کسی کے ساتھ بے انصافی کی ہے تو اپنی خودرائی اور ضد سے باز آجاتا اور تلافی کی کوشش کرتا تھا۔

منصور فیاض، رحمدل اور انصاف پسند تھا۔ اپنی دولت کا بیشتر حصہ غریبوں اور محتاجوں اور مساکین پر خرچ کردیتا تھا۔ باغیوں اور سرکشوں کو کبھی معاف نہ کرتا اور سخت سزا دیتا تھا۔ اس کے لڑکے عبداللہ نے اس کے خلاف بغاوت کی۔ باوجود اس کے کہ بہت سے لوگوں نے اس کی معافی کی سفارش کی لیکن اس کو قتل کرادیا۔ علامہ مقری نے لکھا ہے۔

"منصور اعظم عفو و کرم اور پابندی قوانین کا ایک مجسم پتلا تھا۔ جس میں دونوں رخ نظر آتے تھے۔ اپنے ارادے میں مستقل اور مضبوط تھا۔ جس کام کو شروع کرتا اس کو پورا کئے بغیر نہ چھوڑتا۔ اس کی اعلیٰ حوصلگی پر کافی روشنی پڑتی ہے ...... اس کی واقف کاری، سیاست اور بیدار مغزی غیر معمولی تھی۔ اسے ملک کے چھوٹے بڑے ہر واقعہ کی واقفیت تھی...... اس کے کارنامے ایسے ہیں جو آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ مورخین نے اس کے زمانے کو اندلس کے لئے نمونہ رحمت الٰہی شمار کیا ہے۔[1]"

بحیثیت مدبر اور سیاستدان کے منصور کا مدمقابل کوئی نہ تھا اور بحیثیت سپہ سالار اس کو تمام ہم عصروں پر فوقیت حاصل تھی۔ المختصر یہ کہ وہ سلطان نہ ہونے کے باوجود بھی کسی صورت میں ایک سلطان سے کم نہ تھا۔ اختیارات حاصل کرنے کے لئے اس نے جو ناجائز ذرائع استعمال کئے اس کے لئے ہم اس کو برا کہتے ہیں۔ لیکن اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو اس نے جس حیثیت سے عروج حاصل کیا وہ ناجائز طریقوں ہی سے حاصل کیا جاسکتا تھا۔ اگر تقدیر اس کو شاہی گھرانے میں پیدا کرتی

---

[1] نفح الطیب جلد ا صفحہ ۲۵۷ تا صفحہ ۲۷۶

اور وہ وہاں سے تخت حکومت پر آ تا تو تاریخ اس کو عظیم سلطانوں کے زمرے میں داخل کرتی اور پھر اس کے لئے ہر جائز و ناجائز روا کر دیا جاتا۔ لیکن وہ ایک معمولی جاگیردار کے گھرانے کا فرد تھا۔ اس لئے مجبور تھا کہ اپنا مقصود حاصل کرنے کے لئے راستے کے ہر پتھر کو راستے سے ہٹا دے۔ اس سلسلہ میں جو طریقے اس نے اختیار کئے ان کو ناجائز تو کہا جا سکتا ہے لیکن ان کے لئے اس کو مورد الزام ٹھہرانا صحیح نہ ہوگا کیونکہ اس وقت کی سیاسی صورتحال ایسے ہی اقدامات کی متقاضی تھی۔ یقیناً کوئی دوسرا بھی اس کی جگہ ہوتا تو وہ بھی یہی طریقے اختیار کرتا۔ منصور نے تو پھر بھی ارفع و اعلیٰ کارنامے انجام دے کر اپنے جرائم کی پردہ پوشی اور تلافی کی ہر ممکن کوشش کی۔ دوسرا کوئی ہوتا تو شاید ایسا نہ کرتا۔ البتہ یہ دوسری بحث ہے کہ اس کے ان اقدام کا اثر مستقبل پر کیا ہوا؟

باب ۹

بنوامیہ اسپین کا زوال

حاجب المنصور کی موت کے فوراً بعد ہی خاندان بنو امیہ پر زوال شروع ہوگیا۔ المنصور نے بلاشبہ شان و شوکت اور عظمت و رفعت سے خلافت بنو امیہ کو چار چاند لگادیئے تھے اور اس کے تمام دشمن تباہ و برباد ہو چکے تھے لیکن پھر بھی یہ تمام کارنامے منصور کے ذاتی کارنامے تھے خلافت کا ان سے کوئی تعلق نہ تھا۔ بڑی حد تک عوام الناس منصور سے خائف تھے اور اس کے آہنی پنجہ سے ڈرتے تھے۔ پھر بھی خود منصور کے زمانہ ہی میں کئی بار یہ مطالبہ سامنے آچکا تھا کہ ہشام المؤید کو بذات خود حکومت کی باگ ڈور سنبھال لینی چاہئے جس کو المنصور اپنی حکمت عملی سے ٹالتا رہا۔ خلیفہ وقت کی پردہ نشینی اور وزارت عظمیٰ کے اقتدار نے عوام کو خلافت سے بری طرح بدظن کردیا تھا۔ لیکن منصور کے جاہ و جلال کے سامنے کسی کی کچھ نہ چل سکی۔ المنصور کے بعد جب اس کے لڑکے عبدالملک المظفر نے باپ کی جگہ سنبھالی تو ایک بار پھر یہ مطالبہ کیا گیا کہ خلیفہ ہشام المؤید کو سلطنت کی باگ ڈور خود سنبھال لینی چاہئے۔ جب ہشام المؤید نے اس سے انکار کردیا اور خلوت نشینی کو ترجیح دی تو رعایا نے بلوہ کردیا۔ جس کو عبدالملک المظفر نے بڑی مشکل سے دبایا۔ الناصر کے ایک اور پوتے ہشام نے عبدالملک المظفر کو قتل کرنے کی سازش کی جو بے نقاب ہوگئی اور ہشام کو قتل کردیا گیا۔ المظفر ۳۹۲ھ /۱۰۰۲ء میں حاجب بنا۔ اس نے اپنے باپ کے زمانہ ہی میں افریقہ کی مہم میں نمایاں کامیابی حاصل کی تھی جس سے اس کی صلاحیتوں کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ المظفر نے سات برس تک آزادانہ حکمرانی کی۔ تاریخ کی کتابوں سے اس کے دور کی تفصیلات کا پورا پتہ نہیں چلتا۔ البتہ یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دور حجابت میں ملک میں خوشحالی کا دور دورہ تھا۔ تجارت، صنعت اور زراعت ترقی پر تھیں۔ اس نے شاہی فوجوں میں مزید بربروں کو شامل کرکے فوج کو مضبوط کردیا تھا۔ جس کی مدد سے شمالی عیسائی ریاستوں پر اس نے کئی حملے کئے تھے۔ ۳۹۳ھ /۱۰۰۳ء میں اس نے قلونیہ پر حملہ کیا۔ ۳۹۵ھ /۱۰۰۵ء میں ہسپلونہ پر یلغار کی اور ۳۹۷ھ /۱۰۰۷ء میں قشتالیہ کی فوج کو قلونیہ کے مقام پر شکست دی۔ اسی مہم کی کامیابی کے بعد اس نے المظفر کا خطاب اختیار کیا۔ اس کے پورے دور میں خاندان ابن ابی عامر کے خلاف مخالفت زور پکڑتی گئی۔ یہ بات علماء، فقہاء، عوام اور اراکین دربار سے پوشیدہ

نہ تھی کہ المنصور نے خلیفہ کے اختیارات حاصل کر کے اور ہشام المویٔد کو بے دست وپا بنا کر دراصل اپنے خاندان کی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ رائے عامہ سے خائف تھا اس لئے اس نے یہ جرات کبھی نہ کی اور نہ اس کے لڑکے المظفر نے اپنی حکومت کا براہ راست اعلان کیا۔ لیکن عوام کو اس خاندان سے یہ توقعات بدستور قائم رہیں۔ جس کی بناء پر سب نے متحد ہو کر بنو عامر سے چھٹکارا پانے کی کوشش کی۔ لیکن جب تک المظفر زندہ رہا اس نے ایسی تمام کوششوں پر پانی پھیر دیا۔ یہاں تک کہ المظفر نے ۳۹۹ھ /۱۰۰۸ء میں انتقال کیا۔

اسی دوران اسپین کے معاشرتی اور مذہبی حالات میں بھی عظیم تغیر رونما ہوا۔ عبدالرحمٰن الناصر اور حاجب المنصور کی یہ کوشش کہ اسپین کی ساری قومیں شیر و شکر ہو کر ایک قوم بن جائیں بڑی حد تک کامیاب رہی تھی۔ عربی خاندانوں سے اقتدار چھن چکا تھا اور وہ قریب قریب مفلسانہ زندگی گزار رہے تھے۔ متوسط الحال طبقہ بتدریج امیر کبیر بنتا جا رہا تھا۔ نو وارد بربر اور صقالبہ اور فوجوں میں بھرتی کئے جانے والے عیسائی دولت مند ہو گئے تھے۔ لیکن اہل اسپین کو ان نو واردوں سے نفرت تھی اور اسی طرح ان کو بھی اسپین سے کوئی ہمدردی نہ تھی۔ ان تمام قوموں کے شیر و شکر ہونے اور عرب شرفاء کے اقتدار کے خاتمہ نے نہ تو عرب تہذیب ہی کو پنپنے دیا اور نہ اسپین کی اپنی کوئی تہذیب اپنی اصلی شکل میں ابھر کر سامنے آسکی۔ زیادہ سے زیادہ دولت مند بننے کی خواہش نے تمام اقوام اسپین کو ہوس اور اقتدار کی دوڑ میں مبتلا کر دیا۔ "گو سلطنت ظاہری طور پر بہت خوشحال اور پھلی پھولی تھی مگر خرابی کے جراثیم اس میں مضمر تھے۔ قبیلوں کے تنازعات جو پہلے ہوا کرتے تھے وہ ختم ہو چکے تھے لیکن صرف اس لئے بند ہو گئے تھے کہ ایک نئی شکل میں دوبارہ نمودار ہوں[1]۔" اسپین کی نومولود تہذیب نے مذہب اسلام اور اسلامی ثقافت پر بھرپور وار کیا۔ مختلف العقائد قوموں کے نظریات اور حکومت کی لاپرواہی نے اسلام سے بدظن ہونے میں مزید ہوا دی۔ فلسفہ یونان کے پوشیدہ اثرات دوبارہ زندہ ہونے لگے۔ علماء دین میں فرقہ بندی شروع ہو گئی اور اسلام پر اعلانیہ اعتراضات شروع ہو گئے۔ چند مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں نے مل کر ایک نیا مذہب "الملت الکلیہ" کے نام سے ایجاد کیا[2]۔ جس میں وہ مذہب کے پردے میں دین سے بے پرواہی کا درس سیکھتے تھے۔ اس ہنگامی دور میں المظفر نے وفات پائی اور اس کے بھائی عبدالرحمٰن بن منصور نے حاجب کا عہدہ سنبھالا۔

---

[1] Spanish Islam - Dozy - P. 534.5

[2] Spanish Islam - P.536
آجکل فری میسن تحریک اسی شکل کی ہے۔

عبدالرحمٰن بن منصور سنجول

یہ مشہور ہے کہ عبدالرحمٰن نے اپنے بھائی المظفر کو زہر دے کر مروا ڈالا تھا۔ عبدالرحمٰن کی ماں شاہ کشتالیہ یا نبرہ شانجہ کی لڑکی تھی۔ اس لئے عبدالرحمٰن کو سنجول (عربی سنچول) کے نام سے پکارا گیا (یعنی چھوٹا شانجہ) یہ شخص ایک طرف تو حسب و نسب کا اچھا نہ سمجھا جاتا تھا۔ دوسرے اس کا کردار اور افعال دونوں ناپسندیدہ اور برے تھے۔ وہ ایک آزاد منش اور بے پرواہ شخص تھا۔ علانیہ شراب نوشی کرتا تھا اور ارکان اسلام کا مذاق اڑاتا تھا۔ جس سے علماء و فقہاء اس کے سخت خلاف ہو گئے تھے۔ مزید یہ کہ اس نے ایک ایسا اقدام کیا جس سے عام طور پر اس سے سخت ناراضگی ہو گئی۔ اس کے اندر منصور اور مظفر جیسی صلاحیت اور ہوشیاری نہ تھی لیکن پھر بھی اس نے ایسا اقدام کیا جو اس کا باپ اور بھائی نہ کر سکے تھے۔ عبدالرحمٰن سنچول کو اپنے عہدہ پر آئے ہوئے ایک ماہ بھی نہ گزرا تھا کہ اس نے ہشام المؤید کی ولی عہدی کی خواہش ظاہر کی۔ ہشام دوم نے شروع میں تذبذب ظاہر کیا۔ لیکن جب قاضی ابو ذکوان اور دیگر لوگوں نے اس کو نتائج سے آگاہ کیا تو اس نے سنچول کی درخواست منظور کرلی اور ایک وصیت کے ذریعہ اس کو اپنا ولی عہد مقرر کر دیا[1]۔ اہل قرطبہ اور خاندان بنوامیہ میں اس نامزدگی سے سخت غم و غصہ پھیل گیا۔ لیکن کیونکہ قرطبہ میں بڑی تعداد میں فوج موجود تھی اس لئے عام بغاوت تو نہ ہو سکی لیکن درپردہ سازش کی جانے لگی۔ عبدالرحمٰن سنجول نے یہ خیال کرکے عوام نے اس کی نامزدگی کو منظور کر لیا ہے لیون پر فوج کشی کا ارادہ کر لیا اور ۳۹۹ھ / ۱۰۰۹ء میں قرطبہ میں ابن عسقلیجہ کو اپنا نائب مقرر کرکے لیون کی طرف روانہ ہوا۔ اس نے چلتے وقت اپنے لباس میں ایک نئی بات یہ کی کہ نہ صرف اپنے سر پر عمامہ باندھا بلکہ اپنے سپاہیوں کو بھی بندھوایا۔ سر پر عمامہ باندھنا اس وقت کے علماء کے لئے مخصوص تھا۔ اس لئے اہل قرطبہ اور علماء نے اس جدت کو بھی مذہب کی توہین خیال کیا۔ عبدالرحمٰن کی یہ مہم کامیاب ثابت نہ ہوئی اور جب واپسی میں طلیطلہ آیا تو اطلاع ملی کہ قرطبہ میں اس کے خلاف بغاوت ہو چکی ہے۔

محمد بن ہشام المہدی

یہ محمد اسی ہشام کا لڑکا تھا جس کو المظفر نے قتل کر دیا تھا۔ اہل قرطبہ نے جب ہشام المؤید کو ایک بے کار محض سمجھ لیا تو انہوں نے سنجول کی غیر موجودگی میں محمد کو ہشام المؤید کی جگہ خلیفہ منتخب

---

[1] وصیت کا پورا متن دیکھنے کے لیے ابن خلدون جلد ۳ (اردو) کا مطالعہ کیجیے۔

کرلیا۔ وہ محمد المہدی کے خطاب سے تخت قرطبہ پر بیٹھا۔ کیونکہ عوام نے اس کو خلیفہ بنایا تھا اور اس نے اپنی فوج بھی قرطبہ کے عوام سے ترتیب دی تھی اس لئے عوام کو روکنا اب اس کے بس میں نہ رہا تھا۔ چنانچہ عوام نے بنو عامر کی دشمنی میں قصر الزاہرہ کو چار دن تک خوب دل کھول کر لوٹا۔ بے شمار دولت عوام کے اور المہدی کے ہاتھ لگی۔ اس کے بعد قصر الزاہرہ کو آگ لگادی گئی اور یہ عالیشان قصر راکھ کا ڈھیر بن گیا۔[1] "اس بغاوت کی خبر سن کر سنجول کے ساتھ جو فوج تھی وہ بھی اس کو چھوڑ کر بھاگنے لگی۔ عبدالرحمٰن سنجول کے ساتھ اس کا دوست رئیس کاریون بھی تھا۔ اس نے سنجول کو رطبہ جانے کے بجائے کارلون چلنے پر اصرار کیا لیکن سنجول نہ مانا اور المہدی سے امان طلب کرکے قرطبہ کی طرف روانہ ہوا۔ لیکن راستہ ہی میں قتل کردیا گیا اور رئیس کاریون بھی اسی کے ساتھ مارا گیا۔ اس طرح بنو عامر کی وزارت عظمیٰ کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوگیا۔ المہدی نہ لیاقت رکھتا تھا اور نہ وہ فسق و فجور میں مبتلا رہتا اور ظلم کا عادی تھا۔ عقل و تدبر سے اس قدر عاری تھا کہ جلد ہی اس کے دوست بھی دشمن ہوگئے۔ اس نے سب سے پہلے سات ہزار اہل قرطبہ کو فوج سے باہر نکال دیا۔ دوسری یہ حرکت کی کہ عامری مقابلہ کو قرطبہ بدر کردیا جس سے اس کے دشمن اور مضبوط ہوگئے۔ اس کی عیاشیوں سے عوام اور علماء قرطبہ اس سے سخت ناراض تھے اور اس کو شراب خور کے نام سے پکارتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی مہدی نے بربروں سے بھی اچھا سلوک نہ کیا۔ اور ان کی تحقیر و ذلت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ "یہاں تک کہ حکم دیا کہ بربر گھوڑے پر سوار نہ ہوں، ہتھیار نہ لگائیں اور قصر خلافت میں حاضر نہ ہوا کریں۔[2]" اہل قرطبہ پہلے ہی سے بربروں کو پسند نہ کرتے تھے چنانچہ حکومت کی اس ڈھیل سے انہوں نے فائدہ اٹھایا اور بربروں کے گھروں کو لوٹنا اور جلانا شروع کردیا۔ جب زادی بن مناد اور دیگر سرداران بربر نے خلیفہ سے مجرموں کو سزا دینے کا مطالبہ کیا تو بزدل مہدی نے خوفزدہ ہوکر وقتی طور پر ان کے اس مطالبہ کو منظور کرلیا لیکن بربروں کو ستانا اور پریشان کرنا نہ چھوڑا۔

المہدی اپنی حالت کو خوب اچھی طرح سمجھتا تھا اور اس کو ڈر تھا کہ لوگ دوبارہ ہشام المؤید کو خلیفہ نہ بنالیں گے۔ چنانچہ ایک گمنام مردہ شخص کو ہشام المؤید ثابت کرواکے دھوم دھام سے اس کو دفنا دیا گیا اور لوگوں سے شہادتیں دلوائی گئیں کہ ہشام المؤید انتقال کرگیا ہے۔ لیکن وہ پوشیدہ طور پر ایک وزیر کے گھر قید کردیا گیا تھا۔ اس خدشہ سے مطمئن ہوکر اس نے دیگر افراد خاندان بنو امیہ کو ختم کرنا چاہا۔ چنانچہ سلیمان بن الناصر کو قید کردیا۔ سلیمان کے لڑکے ہشام نے بربروں اور اہل قرطبہ کو

---

[1] Spanish Islam - P. 542
[2] عبرت نامہ جلد ۲ صفحہ ۹۸

اپنے ساتھ ملا کر محل پر حملہ کردیا۔ المہدی نے حالات کی نزاکت دیکھتے ہوئے سلیمان کو چھوڑدیا۔ باپ کی رہائی کے بعد ہشام نے دعویٰ خلافت کردیا۔ المہدی نے خط و کتابت میں اس کو الجھا کر ایک مدت نکال دی۔ بربر اور دیگر اہل فوج ہشام بن سلیمان کی اس کاہلی اور سستی کو برداشت نہ کرسکے اور قرطبہ کو لوٹنا شروع کردیا۔ المدی کی طلب کردہ کمک اسی اثناء میں قرطبہ پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ اس کمک کے ذریعہ ہشام کے فوجیوں کو تو بری طرح مار کر قرطبہ سے باہر نکال دیا اور ہشام اور اس کا باپ سلیمان دونوں قتل کردیئے گئے۔ بربر اپنا انتقام لینے کے لئے بے چین تھے۔ اتفاق سے زادی بن مناد صنہاجی ان کو بہترین سپہ سالار مل گیا۔ جس نے بے دریغ کشت و خون سے احتراز کرکے سب سے پہلے ایک خلیفہ منتخب کیا۔ وہ ہشام بن سلیمان کے بھائی حکم کا لڑکا سلیمان تھا۔ بربروں نے اس کے ہاتھ بیعت کی اور اس نے اپنا لقب المستعین باللہ اختیار کیا۔

سلیمان المستعین

بربر سلیمان المستعین کو لے کر وادی الحجارہ کی طرف چلے اور اس شہر پر قبضہ کرکے سرحدی علاقے کے حاکم واضح العامری کو جو مہدی کا طرفدار ہوگیا تھا اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی۔ جب اس میں ناکامی ہوئی تو شانجہ والی قشتالیہ سے کچھ علاقے دینے پر صلح کرلی۔ اس طرح بربر شانجہ کی امداد لے کر قرطبہ کی طرف بڑھے۔ مہدی نے بکھری ہوئی اور غیر تربیت یافتہ فوج کے ساتھ نومبر ۱۰۰۹ء (مطابق ربیع الاول ۴۰۰ھ) میں بربروں سے مقابلہ کیا لیکن شکست کھا کر اپنے قصر میں محصور ہوگیا۔ المہدی نے اپنے بچاؤ کی خاطر دوبارہ ہشام المویّد کو تخت پر بٹھانے کا اعلان کردیا لیکن بیکار ثابت ہوا۔ بربروں نے اس اعلان کو تسلیم نہ کیا اور مہدی مجبوراً طلیطلہ فرار ہوگیا۔ بربروں اور شانجہ کے عیسائیوں نے قرطبہ کو دل کھول کر لوٹا اور خوب خوب مظالم کیئے۔ سلیمان المستعین نے بڑی مشکل سے اس لوٹ مار کو روکا اور شانجہ کو انعام واکرام کے ساتھ واپس کیا۔ المستعین پھر فوج لے کر مہدی کے مقابلہ کے لئے طلیطلہ روانہ ہوا۔ واضح عامری ابھی تک مہدی کا طرفدار تھا لیکن اس نے دھوکہ دے کر المستعین کی اطاعت کا اظہار کردیا۔ المستعین دھوکہ میں آگیا اور واضح کو بدستور سرحدی علاقوں کا حاکم بنا کر قرطبہ واپس آگیا۔ واضح نے بہت جلد قطلونیہ کے عیسائی نوابوں سے بہت سی مراعات کا وعدہ کرکے اتحاد کرلیا اور ان کی فوج لے کر طلیطلہ میں المہدی سے جاملا۔ پھر دونوں زبردست فوج لے کر قرطبہ پر چڑھ دوڑے۔ عقبۃ البقر کے مقام پر سلیمان اور مہدی کا مقابلہ ہوا جس میں سلیمان المستعین نے شکست کھائی اور بربر جزیرہ الخضراء کی طرف بھاگے۔ جب مہدی نے

ان کا تعاقب کیا تو انہوں نے پلٹ کر مہدی پر حملہ کردیا۔ گو مہدی کو اس میں شکست ہوئی لیکن پھر بھی وہ قرطبہ میں داخل ہوگیا۔ قتلونیہ کے عیسائیوں نے شہروالوں پر ظلم و ستم کی انتہا کردی اور ہزاروں آدمیوں کو قتل کردیا۔ اس کے بعد قتلونی سپاہ واپس بھیج دی گئی اور مہدی قرطبہ میں جنگ کی تیاریوں میں مشغول ہوگیا۔

ہشام المؤید کی رہائی

صقالبہ اپنے سردار واضح عامری کی ماتحتی میں مہدی کی فوج میں شامل تھے۔ لیکن ان کے دو بڑے سردار خیران اور عنبر مہدی کو پسند نہ کرتے تھے اور اس بات کے خواہش مند تھے کہ صقالبہ آپس میں متحد ہوجائیں اور ہشام المؤید کو تخت خلافت پر بٹھایا جائے۔ پہلے تو انہوں نے عوام کو مہدی کے خلاف بھڑکایا پھر اپنے ساتھیوں کو قرطبہ میں جمع کیا۔ مہدی کو جب اس سازش کا علم ہوا تو اس نے پھر طلیطلہ بھاگ جانا چاہا لیکن اس مرتبہ وہ کامیاب نہ ہوسکا۔ جولائی ۱۰۱۰ء (مطابق ذی الحجہ ۴۰۰ھ) میں ہشام المؤید کو قید سے رہا کرکے مسند خلافت پر بٹھایا اور مہدی کو قتل کردیا گیا۔ ہشام المؤید نے واضح عامری کو اپنا حاجب مقرر کیا اور اس بات کی کوشش کی کہ بربروں سے صلح کی جائے تاکہ ملک میں امن و امان قائم کیا جاسکے۔ لیکن بربروں نے صلح کرنے سے انکار کردیا اور بدستور عوام کو لوٹنے اور قتل کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہاں تک کہ قرطبہ کا محاصرہ کرلیا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے مدینۃ الزہرہ پر بھی حملہ کردیا اور ۴ نومبر ۱۰۱۰ء (مطابق ۲۳ ربیع الاول ۴۰۱ھ) میں اس شہر پر قبضہ کرکے قتل و غارت گری کا بازار گرم کردیا۔ عوام نے جامعہ زہرہ میں پناہ لی۔ لیکن وہاں بھی قتل عام جاری رہا۔ تمام شہریوں کو قتل کرنے کے بعد مدینۃ الزہرہ کا بدلہ لینے کی خاطر یورپ کے بے مثال اور خوبصورت شہر زہرہ کو جلا کر خاک کردیا گیا۔ واضح نے اپنی جان کو خطرہ میں محسوس کرکے سلیمان المستعین کی پناہ چاہی لیکن صقالبہ نے غداری کے شبہ میں اسے قتل کردیا۔ اہل قرطبہ ایک عرصہ تک بربروں کو شہر میں آنے سے روکے رہے۔ اسی دوران زادی بن مناد کا بھتیجا حباسہ مارا گیا۔ جس سے بربروں میں بڑا غیض و غضب پیدا ہوگیا۔ اس کے جواب میں جب بربر ۵ شوال ۴۰۳ھ (مطابق ۱۹ اپریل ۱۰۱۳ء) میں قرطبہ پر قابض ہوئے تو انہوں نے اس قدر قتل و خونریزی کی جس کا شمار ممکن نہیں۔ شریف و رذیل علماء و فقہاء' عورت' مرد' بچے' بوڑھے کوئی بھی ان کے نشانے سے محفوظ نہ رہا۔ ان قتل ہونے والوں میں سعید بن منذر امام جامع قرطبہ' مروان حدیدی فاضل اجل ابوالولید

عبداللہ بن الفرضی اور قاضی بلنشیہ بھی شامل تھے۔ الغرض قرطبہ پر قیامت صغریٰ برپا تھی۔ ایسی حالت میں سلیمان المستعین کو تخت پر دوبارہ بٹھایا گیا۔ ہشام المویٔد نے حسب معمول دست برداری اختیار کی اور ملک چھوڑ دیا۔ گمان غالب ہے کہ وہ مشرق وسطیٰ کے کسی ملک میں گمنامی کی حالت میں انتقال کر گیا اور عظمت و رفعت بنو امیہ اسپین کا یہ آخری چراغ بھی گل ہو گیا۔

سلیمان المستعین کی حکومت صرف پانچ شہروں تک محدود تھی یعنی قرطبہ 'اشبیلیہ' بلہ 'اکشنوبہ اور باجہ۔ باقی تمام مسلم اسپین چھوٹی چھوٹی بربر اور صقالبہ کی ریاستوں میں منقسم ہو گیا۔ سلیمان بذات خود انصاف پسند' نرم دل اور فیاض تھا۔ ادبیات کا شیدا اور ایک اچھا شاعر بھی تھا۔ اس کی یہ کوشش تھی کہ اس خونریزی کے بعد امن و امان برقرار رکھا جائے لیکن وہ شرپسند بربروں کے ہاتھوں میں تھا جس سے اس کی اپنی صلاحیتیں مفقود ہو چکی تھیں۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ خیران ایک صقلبی سردار تھا۔ جس نے بربروں کے خلاف واضح کا ساتھ دیا تھا لیکن بربروں کے قرطبہ پر قبضہ کرتے ہی بھاگ نکلا اور المریہ کے علاقہ پر قبضہ کر کے بیٹھ رہا۔ اسی خیران کا ایک دوست علی بن حمود تھا جو خاندان ادریسی سے حضرت علیؓ کی اولاد میں سے تھا اور اس وقت سبتہ اور طنجہ کا حاکم تھا۔ اہل قرطبہ اور بربر دونوں جلد ہی سلیمان المستعین سے گھبرا گئے۔ چنانچہ انہوں نے علی بن حمود کو قرطبہ آنے کی دعوت دی۔ خیران اور علی بن حمود ۴۰۵ھ / ۱۰۱۵ء میں قرطبہ میں داخل ہوئے۔ سلیمان کو گرفتار کر کے ہشام المویٔد کے متعلق پوچھا گیا اور جب اس امر کا یقین ہو گیا کہ وہ ہشام زندہ نہیں ہیں تو سلیمان کو مع باپ حکم اور چچا ابوبکر کے قتل کر دیا گیا۔ علی بن حمود کو قرطبہ آئے تین سال بھی نہ گذرے تھے کہ قتل کر دیا گیا۔ اس کے بھائی قاسم بن حمود اشبیلیہ کا حاکم تھا۔ وہ قرطبہ آیا اور اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی گئی۔ چند ماہ گذرنے کے بعد اس کو بھی اہل قرطبہ نے ۴۰۸ھ / ۱۰۱۸ء میں قرطبہ سے نکال باہر کیا۔

عبدالرحمٰن خامس

۱۳ اپریل ۱۰۱۸ء (مطابق ۱۱ ذی الحجہ ۴۰۸ھ) میں شہر قرطبہ کے ذی اثر افراد نے اور خیران اور حاکم سرقسطہ نے مل کر یہ طے کیا کہ اب خلیفہ کو انتخاب کے ذریعہ مقرر کیا جائے۔ چنانچہ عبدالرحمٰن بن محمد بن عبدالملک بن الناصر کا انتخاب عمل میں آیا اور المرتضیٰ کے خطاب کے ساتھ تخت خلافت پر بٹھایا گیا لیکن جلد ہی خیران صقلبی اور منذر دونوں کو یہ پتہ چل گیا کہ عبدالرحمٰن ان کے مطلب کا آدمی نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے بے وفائی پر کمر باندھی اور زاوی بن زیری حاکم غرناطہ سے جنگ

کرتے ہوئے عبدالرحمٰن کو تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے۔ یہاں تک کہ عبدالرحمٰن قتل کردیا گیا۔ قاسم بن حمود نے دوبارہ قرطبہ پر قبضہ کرلیا۔ مختصر یہ کہ اہل قرطبہ نے تقریباً چھ برس تک قاسم بن حمود اور بربروں کو برداشت کیا۔ پھر متحد ہو کر ان کو قرطبہ سے نکال باہر کیا۔ قاسم نے پھر زبردست فوج کشی کی لیکن زک اٹھائی۔ اب اہل قرطبہ خود مختار تھے۔ انہوں نے خاندان بنو امیہ میں سے کسی کو خلیفہ بنانے کا ارادہ کرلیا اور ۴۱۴ھ / ۱۰۲۳ء میں خلیفہ کے انتخاب کا حق ایک مجلس کے سپرد کردیا۔ جس نے عبدالرحمٰن خامس بن ہشام بن عبدالجبار بن الناصر کو خلیفہ منتخب کرلیا۔ جس نے خلیفہ ہوتے ہی المستظہر کا لقب اختیار کرلیا۔ مشہور زمانہ عالم علی بن حزم کو اپنا وزیر اعلیٰ بنایا اور اپنی مجلس مشاورت میں قرطبہ کے ناموران عبدالوہاب بن حزم اور ابو عامر بن شہید کو شامل کیا۔ گو یہ دونوں بڑے ذہین اور عالم شخص تھے لیکن مذہبی معاملات میں آزاد روش رکھتے تھے۔ اس لئے راسخ العقیدہ مسلمان ان سے جلد ہی ناراض ہوگئے۔ عبدالرحمٰن خامس نے بہت سے اکابرین دربار کو قید کردیا۔ آپس کی خانہ جنگی اور غیر مستحکم حکومت کے سبب عوام کی شہری اور اقتصادی زندگی مفلوج ہوگئی اور کثرت سے لوگ بیروزگار ہوگئے۔ ان بیروزگاروں نے اپنی بیروزگاری کے سبب شہر کی معاشرتی زندگی کو تباہ کرنے کا ارادہ کرلیا۔ ان کا لیڈر خاندان بنو امیہ کا ایک فرد محمد بن عبدالرحمٰن بن عبیداللہ بن الناصر بن گیا۔ اس نے ان لوگوں کو حکومت کے خلاف بھڑکایا۔ بہت سے اکابرین شہر بھی ان کے ساتھ مل گئے۔ حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے عبدالرحمٰن خامس نے بربروں کو زیادہ سے زیادہ اپنی فوج میں داخل کرنا شروع کردیا۔ اہل قرطبہ کی قوت برداشت جواب دے گئی اور انہوں نے قصر خلافت پر حملہ کرکے وزراء اور بربروں کو قتل کرنا شروع کردیا اور محمد اموی کو تخت خلافت پر بٹھایا جس نے عبدالرحمٰن خامس کو ۴۱۹ھ / ۱۰۲۸ء میں قتل کردیا۔

محمد المستکفی

تخت پر آتے ہی محمد نے المستکفی کا لقب اختیار کیا اور دولت اور عہدے تقسیم کرکے ناموری اور ہمدردی حاصل کی۔ لیکن جب ایک جولاہے کو اپنا وزیر اعلیٰ بنایا اور امراء و اراکین کو قید میں ڈالا تو تو اہل قرطبہ نے اس کے خلاف بھی ہنگامہ شروع کردیا۔ انہوں نے مالقہ کے حاکم یحییٰ حمودی کو قرطبہ آنے کی دعوت دی اور محمد کے جولاہے وزیر کو قتل کرڈالا۔ محمد جان بچا کر بھاگا مگر راہ میں اس کے ایک ساتھی نے اس کو زہر دے کر مار ڈالا۔ یحییٰ نے قرطبہ آنے میں چھ ماہ لگادیئے۔ اس دوران اہل قرطبہ

نے ایک مجلس انتظامی کے ذریعہ امن وامان قائم رکھا۔ یحییٰ حمودی نے قرطبہ والوں کی بے وفائی دیکھ کر خود تو آنے کی ہمت نہ کی بلکہ اپنے ایک بربر سپہ سالار کو فوج دے کر قرطبہ بھیجا۔ اہل قرطبہ نے اس بربر سپہ سالار کو بھی زیادہ عرصہ برداشت نہ کیا اور خیران سقلبی امیر المریہ اور مجاہد سقلبی امیر دانیہ کو قرطبہ بلالیا۔ دونوں ایک عرصہ تک قرطبہ پر حاکم رہے لیکن پھر اپنے علاقوں میں واپس چلے گئے۔

ہشام المعتد

ان دونوں سقلبی امیروں کے جانے کے بعد مجلس مشاورت نے پھر شہر کے انتظامی اختیارات سنبھال لئے۔ اس مجلس کا صدر ابوالحزم ابن جہور تھا۔ اس مجلس نے ایک بار پھر بنوامیہ کو تخت پر لانا چاہا۔ چنانچہ عبدالرحمٰن المرتضیٰ کے بھائی ہشام کو شہرا لبنت سے بلا کر اس کے ہاتھ پر بیعت کی گئی۔ جو ۴۲۰ھ / ۱۰۲۰ء میں المعتد کے لقب کے ساتھ تخت پر آیا۔ ہشام المعتد کاہل سست الوجود اور آرام طلب تھا۔ حکومت کے معاملات میں ہمیشہ کوتاہی برتتا تھا۔ جس کی وجہ سے مجلس مشاورت کے اراکین اور عوام اس سے جلد بیزار ہو گئے۔ ہشام المعتد نے اپنے وزیر اعلیٰ ایک جولاہے حکم بن سعید کو بنایا جس نے نہایت ہوشیاری اور مکاری سے ہشام کو شراب و کباب اور عیش کوشی میں پھنسا کر حکومت کے سارے اختیارات اپنے قابو میں کر لئے۔ حکم نے خزانہ کو خالی پایا اور فوج کی کئی ماہ کی تنخواہیں واجب الادا پائیں تو روز مرہ کے استعمال کی اشیاء پر ٹیکس لگایا اور شاہی محلات کا سامان فروخت کرڈالا اس کے بعد بھی جب اخراجات پورے نہ ہوئے تو مساجد اور مدارس کے اوقاف پر ہاتھ ڈالا۔ جس سے علماء اور عوام اس سے سخت ناراض ہوئے۔ حکم بن سعید نے ابوعامر شہید کے مشورہ پر علماء و فقہاء کا زور توڑنے کی کوششیں شروع کردیں۔ جس کی وجہ سے اس کے خلاف ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ اراکین دربار بھی اس کے مخالف بن کر اس پر اعتراضات کرنے لگے۔ ہشام المعتد سے اس کی پے درپے شکایات کی گئیں لیکن بے سود رہیں۔ چنانچہ امراء و اراکین دربار نے ابن جہور سے مشورہ کیا۔ ابن جہور بھی عنقریب حکم بن سعید کا نشانہ بننے والا تھا چنانچہ طے پایا کہ ابن سعید سے ہی صرف پیچھا نہ چھڑایا جائے بلکہ خلافت کو ختم کر کے مجلس انتظامی کو کل سیاہ و سفید کا مالک بنادیا جائے۔ لیکن عوام سے یہ امید نہ تھی کہ وہ خلافت کو ختم کر کے مجلس انتظامی کو قبول کرلیں گے۔ اس لئے بنوامیہ کے ایک اوباش فرد امیہ کو تخت کا لالچ دے کر بغاوت پر آمادہ کیا گیا۔ امیہ اور اس کے ساتھیوں نے ۴۲۲ھ / ۱۰۳۱ء میں حکم بن سعید کو قتل کرڈالا۔ حکم کے قتل ہوتے ہی مجلس انتظامی کے ارکان نے ابن جہور کی ماتحتی میں حالات پر قابو پالیا اور ہشام المعتد کو معزول کر کے قید کردیا۔

اور عوام کو آگاہ کردیا گیا کہ خلافت ختم کردی گئی ہے اور حکومت مجلس انتظامی کرے گی۔ امیہ نے ہنگامہ کیا تو اس کو بھی شہربدر کردیا گیا۔ ہشام المعتد ونے ۴۲۸ھ/۱۰۳۶ء میں شہر ماردہ میں انتقال کیا۔

زوال

۱۱ دیں صدی عیسوی میں بنوامیہ اسپین کی عظیم الشان سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ عرب' بربر' مقابلہ اور اسپینیوں نے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرکے ان پر اپنی حکومتیں قائم کرلیں۔ یہ حکومتیں تاریخ اسپین میں "ملوک الطوائف" کے نام سے پکاری جاتی ہیں جن کا تذکرہ آگے آئے گا۔

بنوامیہ نے جس طرح اسپین میں مشرق کے زوال کے بعد اپنی حکومت قائم کی تھی وہ عربوں کی عہد وسطیٰ کی تاریخ میں سب سے دلچسپ باب تھا۔ یہی خاندان تھا جس نے سب سے پہلے اسپین میں آکر مسلم دنیا سے اپنے آپ کو علیحدہ کرکے اسپین سے نسلی طبقہ داری اور قبائلی تعصب کو بڑی حد تک ختم کرکے سیاسی اتحاد و یگانگت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے عباسیوں اور فاطمیوں کو اس ملک میں داخل ہونے سے روک دیا۔ فرانس اور یورپ کی وحشی قوموں سے اہل اسپین کو بچایا۔ یہ بنوامیہ ہی تھے جنھوں نے عربی نخوت و تکبر اور عربی تہذیب کی برتری کو نیچا دکھایا بلکہ ختم ہی کردیا اور ایک نئی تہذیب کو جنم دیا جس کو "اسپینی تہذیب" کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ جس کے اثرات آج تک نہ صرف اسپین میں پائے جاتے ہیں بلکہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ بھی اس کی مرہون منت ہے۔ انہوں نے سب سے پہلے رومی حکومت کے بعد ایک مضبوط حکومت قائم کی جو تہذیب و ثقافت میں رومی حکومت سے برتر ہی تھی۔ انہوں نے تقریباً تین سو برس امارت و خلافت کی اور اپنی بنیادوں کو مستحکم کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی لیکن تعجب کا مقام ہے کہ ۲۰ برس بھی نہ گذرے تھے کہ یہ عظیم الشان حکومت پارہ پارہ ہوگئی۔ گو ایسی مستحکم حکومتوں کو زوال آتے آتے صدیاں گذر جاتی ہیں۔ جیسا کہ بنو عباس کے ساتھ ہوا لیکن بنوامیہ اسپین کے ساتھ ایسا نہ ہوا۔ چنانچہ ان اسباب کی تلاش کرنا پڑتی ہے جن کی بناء پر ایسی مضبوط اور شاندار حکومت دیکھتے دیکھتے ختم ہوگئی اور انہی اسباب کی تلاش میں مندرجہ ذیل نکات بیان کئے جاتے ہیں جن کو دو حصوں میں منقسم کیا جاتا ہے۔

(۱) داخلی اسباب

(۲) خارجی اسباب

داخلی اسباب

(الف) ہشام المویٔد کی کمزور طبیعت' کاہلی اور حکومت کے معاملات سے عدم دلچسپی نے سلطنت کے تمام امور کو وزیروں کے ہاتھوں میں دے دیا اس سے وزارت عظمیٰ کا عہدہ کی بنیاد پڑی۔ حاجب المنصور نے بذات خود تو سلطنت کے وقار کو برقرار رکھنے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی لیکن اس کے لڑکے عبدالرحمان سنجول کی بداطواریوں اور حکومت پر غاصبانہ قبضے کی کوشش نے عوام الناس کو نہ صرف وزارت عظمیٰ سے بری طرح بدگمان کردیا بلکہ وہ اپنے غصہ کا نشانہ ہشام المویٔد کو بھی بنانے سے باز نہ رہے۔ جس کے نتیجہ میں بربر اور صقالبہ کو موقع ملا کہ وہ اقتدار کی جنگ میں برابر کے شریک ہوجائیں اور نسلی اور طبقہ واری جماعتوں میں منقسم ہوکر سارے ملک کے عوام کو فرقہ بندی میں جکڑدیں۔ جس سے فوج کی اخلاقی حالت کا خراب ہونا لازمی تھا جو بنوامیہ کے لئے تازیانہ سے کم نہ تھا۔

(ب) آمرانہ طرز حکومت کا یہ خاصہ رہا ہے کہ وہ طاقت کے بل بوتے پر عوام کو اپنا بنائے رکھتی ہے لیکن جیسے ہی فولادی پنجہ کمزور ہوتا ہے تو عوام اپنی آزادی کے لئے ہاتھ پیر مارنے لگتے ہیں۔ چنانچہ جب تک بنوامیہ کے ہاتھ مضبوط رہے۔ انہوں نے عوام کے منہ زور گھوڑے کو قابو میں رکھا اور ان کی آزادی کی ہر کوشش کو ناکام بنایا لیکن جب بنوامیہ کے حکمران کمزور اور دنیاوی عیش و عشرت میں ڈوب گئے تو ان کی توجہ لامحالہ مذہب کی طرف سے ہٹنا شروع ہوگئی۔ مذہب اسلام نے اسپین کے پورے مسلم دور میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلامی تہذیب تو اس ملک میں قائم نہ ہوسکی لیکن اسلام سے روگردانی کرنے کی ہمت عبدالرحمٰن الناصر اور حاجب المنصور جیسے آمروں کو بھی نہ ہوسکی اور انہوں نے علماء وفقہاء کو نہ تو ان کے مقام سے گرایا اور نہ ہی اعلانیہ مذہب کی مخالفت کی کیونکہ وہ دونوں اچھی طرح سمجھتے تھے کہ عوام الناس میں کس قدر مذہب پرستی ہے اور علماء و صلحاء کا ان پر کتنا اثر ہے۔ لیکن بعد کے حکمرانوں نے خواہ وہ خلیفہ ہو یا وزیر ان معاملات کی طرف خاص توجہ نہ دی اور علماء و فقہاء کو اس بات کا موقع فراہم کردیا کہ وہ معاشرہ میں اپنا مقام بلند رکھنے کے لئے اور کسی حد تک مذہب کو جابروں کو دست برد سے محفوظ رکھنے کے لئے حکومت کے خلاف نہ صرف سازشیں کریں بلکہ مساجد اور منبروں سے عوام الناس کو حکمرانوں کے خلاف اٹھ کھڑا ہونے کی تلقین کریں۔

(ج) جس طرح حاجب المنصور کا زمانہ مسلم اسپین کا دور عروج ہے اسی طرح یہ بنوامیہ کے زوال کی ابتداء ہے۔ نابالغ ہشام المویٔد کو تخت پر لانے کے معنی صاف طور پر یہ تھے کہ وزراء کا اقتدار قائم

ہو جائے جس سے حاجب المنصور کے عروج حاصل کرنے میں آسانی ہو گئی۔ المنصور کے عروج نے بنو امیہ کے خیر خواہوں، اراکین دربار امراء و وزراء میں احساس کمتری اور حسد کو پیدا کر دیا۔ المنصور جب تک زندہ رہا نہایت سختی اور دانائی سے اس فتنہ کو دبا تا رہا لیکن اس کے مرتے ہی یہ فتنہ ابھر آیا۔ خلیفہ کی نااہلی نے بہت سے دعویداران خلافت پیدا کر دیئے جنہوں نے حکومت کی رہی سہی طاقت کو مزید کمزور کر دیا اور المنصور کی طرح سے ہر گروہ کا سردار عروج حاصل کرنے اور خلیفہ کو اپنے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنانے کے خواب دیکھنے لگا لیکن منصور جیسی دانش مندی اور حکمت عملی ان میں سے کسی کے پاس نہ تھی۔ جس کے نتیجہ میں آپس میں خونریز معرکے شروع ہو گئے۔ وزارت عظمیٰ کی بنیاد کیا پڑی۔ المنصور نے ہوس پرستوں کو اور اقتدار کے بھوکوں کو یہ موقعہ دے دیا کہ وہ عوام الناس کو لڑائی کا ایندھن بنادیں اور حکومت کی فوجی طاقت کو پارہ پارہ کر دیں۔

(د) امیر علی کے الفاظ "پرانی عرب معاشرت اپنی خوبیوں اور برائیوں کے ساتھ ختم ہو چکی تھی۔[1] عبدالرحمٰن الناصر اور حاجب المنصور کی یہ کوشش کہ قبائلی اور نسلی طبقہ واریت کو ختم کر کے پوری قوم کو ایک لڑی میں متحد کر دیا جائے۔ (جس کے دوسرے معنوں میں قومیت کا تصور کہہ سکتے ہیں) ایک بے معنی سی چیز ثابت ہوئی۔ طاقت کے بل پر قومیت کے تصور کو نہیں ٹھونسا جا سکتا بلکہ اس کے لئے پورے معاشرے کو بدلنا پڑتا ہے۔ اگر اسپین میں بنیادی معاشرتی تبدیلیاں کر دی جاتیں اور عوام کو حکومت میں برابر کا شریک کیا جاتا تو ممکن تھا کہ قومیت کا تصور عملی شکل اختیار کر لیتا لیکن معاشرہ میں نسلی، قبائلی، مذہبی اور طبقہ داری منافرت موجود تھی اور آمرانہ طرز حکومت قائم تھی۔ ایسی صورت میں حکومت قومیت کو اجاگر کرنا چاہتی تھی جو کسی طرح ممکن نہ تھا بلکہ اس سے یہ نقصان ضرور ہوا کہ عربی تہذیب و ثقافت جس کی بدولت عرب مسلمانوں نے اسپین کو فتح کیا تھا وہ بھی ختم ہو گئی۔ عربوں کو اس بری طرح پامال کیا گیا کہ نہ صرف ان کی عصبیت جاتی رہی بلکہ ان کا وقار تک ختم ہو گیا۔ ایسی صورت میں جبکہ فاتح اپنی عصبیت کھو دے تو مفتوح کو قابو میں رکھنا کس طرح ممکن ہو سکتا تھا! اس کا انجام یہ ہوا کہ عربوں کے کمزور ہوتے ہی دیگر قوموں اور ملتوں نے طاقت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ جن سے مفتوح یعنی اسپین کے قدیم باشندوں نے پورا فائدہ حاصل کیا اور ایک دن فاتحین کو اپنے ملک سے نکالنے میں کامیاب ہو گئے۔

---

[1] Short History of Saracens - P.325

(ہ) عربوں کی قبائلی جنگوں اور ان کے غرور و تکبر نے اسپین کے حکمرانوں کو مجبور کیا کہ وہ عربوں سے اپنا دامن چھڑا کر دیگر اندرونی اور بیرونی اقوام کی مدد سے اپنی طاقت بحال رکھیں۔ چنانچہ بربروں، صقالبہ اور بڑی حد تک عیسائیوں کو اپنی افواج میں شامل کر کے عربوں کا متبادل شامل کیا گیا۔ بلاشبہ سیاسی نقطہ نگاہ سے یہ بات بری نہ تھی اور عربوں سے نجات پانے کا آسان ترین طریقہ کار یہی ہو سکتا تھا لیکن اس کے نتائج اس قدر برے نکلے کہ ایک مورخ ان کے لئے بنو امیہ کو کبھی معاف نہیں کر سکتا۔ اگر یہ حکمران اپنی گزشتہ مشرقی تاریخ کو نہ بھولتے تو یقیناً ایسی غلطی کے مرتکب نہ ہوتے۔ عرب فاتح تھے اور فاتحین کو اپنے مفتوحہ علاقے سے جو نسبت ہوتی ہے وہ اور کسی کو نہیں ہو سکتی۔ گو آپس میں لڑتے تھے لیکن جب کسی دوسرے سے مقابلہ ہوتا تو وہ متحد ہو کر اس کا سر کچل دیتے تھے کیونکہ یہ ان کی فطرت تھی کہ وہ اپنا مدمقابل کسی دوسرے کو دیکھنا پسند نہ کرتے تھے۔ ایسی صورت میں صقالبہ یا بربروں کو کبھی یہ جرات نہ ہوتی کہ وہ اقتدار کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھتے۔ بربر، صقالبہ، سوڈانی، حبشی وغیرہ ملازم تھے فاتح نہ تھے۔ ان کی ساری اطاعت اپنے ملازم رکھنے والے آقا کے ساتھ وابستہ تھی۔ قوم اور ملک سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا ایسی صورت میں ان سے ملک و قوم سے خیر خواہی کی توقع نادانی تھی۔ اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ عین میدان جنگ میں مال و دولت کے لالچ میں آکر ان نوواردوں نے اپنے آقا سے غداری کرنے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر عربوں کو اقتدار حاصل رہتا تو وہ ان شتر بے مہار نوواردوں کو قابو میں رکھ کر اپنی عربی تہذیب کو پورے ملک میں پھیلا دیتے تو کوئی تعجب نہیں۔ یہ تہذیب پورے ملک میں اتحاد، یگانگت پیدا کر دیتی۔ اسی عربی تہذیب کا خوف دامن گیر تھا جس کی بناء پر عبدالرحمٰن دوم کے عہد میں عیسائیوں کی جنونی تحریک برپا ہوئی تھی۔ لیکن جب یہ احساس ہو گیا کہ عربی تہذیب اس ملک میں داخل نہ ہو سکے گی تو بجائے تحریکوں کے عمر بن حفصون، پلایو اور الفانسو کی شکل میں اسپین کے قدیم باشندوں نے اعلانیہ اپنے ارادوں کا اظہار کر دیا۔ حاجب المنصور نے اپنے ذات کی خاطر عربی تہذیب ہی نہیں خود عربوں کو ختم کر دیا۔ جس کے بعد کمزور حکمرانوں کی پشت پناہی منظم عربوں کے ذریعہ سے نہ ہو سکی بلکہ زبردست اور ابن الوقت بربروں اور صقالبہ کے ذریعہ سے ہوئی جس کا لازمی نتیجہ انتشار و زوال ہی تھا۔

(و) حاجب المنصور نے طاقت اور حکومت کا سرچشمہ اپنی ذات کو بنا لیا تھا اور انتظامی معاملات میں معمولی سے معمولی چیز کی دیکھ بھال خود کرتا۔ چنانچہ عہدہ داران اور عمال حکومت کا اعتماد جاتا رہا۔

یہ حقیقت ہے کہ معاشرہ پر کسی قسم کی ذمہ داری پورے معاشرہ کے احساس ذمہ داری کو بیدار کر دیتی ہے ورنہ تمام افراد معاشرہ اپنے آپ کو ہر قسم کی ذمہ داری سے بری الذمہ سمجھ کر آزادی اختیار کر لیتے ہیں اور احساس نیک و بد اٹھ جاتا ہے۔ منصور کی باریک بینی نے بلا شبہ عہدہ داران اور عمال حکومت کو کام کرنے میں چاق و چوبند بنا دیا لیکن احساس ذمہ داری ان میں سے جاتا رہا۔ جو شرفا اور اہل تھے ان کو اپنے اوپر منصور کی بے اعتمادی کا شدید صدمہ ہوا اور ان کے دل حکومت کے معالات سے ہٹ گئے۔ جس کے نتیجہ میں منصور کے بعد نااہلوں اور رذیلوں کو حکومت مل گئی۔

(ذ) کثرت سے اہل اسپین نے اسلام قبول کر لیا تھا اور اسلامی طور طریق بھی اپنا لئے تھے لیکن ان کا یہ اسلام قبول کرنا فاتح کی خوشنودی کے لئے تھا۔ ورنہ دل میں اسلام کی محبت کا شائبہ بھی شاید نہ تھا۔ جس کا ثبوت ان تمام غیر اسلامی حرکات سے ان کا متعلق ہوتا ہے جو وقتاً فوقتاً رونما ہوتی رہتی تھیں۔ اس پر مزید یہ کہ عربوں نے اپنے معاشرہ میں ان کو داخل نہیں ہونے دیا جس سے وہ اور برافروختہ ہوئے (ور انہوں نے مسلم حکومت اور عربوں کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ شمالی اسپین کی اسلام دشمن عیسائی ریاستوں سے اپنے تعلقات قائم رکھے اور ان کو مسلم حکومت کے خلاف مدد پہنچانے سے دریغ نہ کی۔ ابن مروان اور عمر بن حفصون کی شکل میں اپنی آزادی کی کوشش بھی کی مگر وہ پلایو کی قائم کردہ اشتوراس کی حکومت کو مضبوط بناتے رہے جو بالآخر مسلمانوں کی مکمل تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ غرض ایک طرف تو یہ نو مسلم تھے اور دوسری طرف بربر جنہوں نے عربوں سے برابری کے حقوق طلب کئے اور اس کے حصول کی کوششیں جاری رکھیں جس سے اندرونی خانہ جنگی کا دور دورہ ہوا۔ سقالبہ اور حبشیوں کو عربوں اور بربروں سے نجات حاصل کرنے کے لئے فوج میں شامل کیا گیا تھا لیکن انہوں نے جلد ہی جنگ اقتدار میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ ان کے آنے کی وجہ سے عرب اور بربر دونوں احساس کمتری میں مبتلا ہو گئے۔ اور نہ صرف ان کو بلکہ حکومت کو بھی برا خیال کرنے لگے اور حکومت سے ان کی وفاداریاں مشکوک ہو گئیں۔ عبدالرحمٰن الناصر کے عہد میں یوم الخندق کا حادثہ اس کی بدترین مثال ہے۔ (الغرض نہ تو عربوں میں باہمی اتحاد رہا اور نہ انہوں نے دیگر اقوام سے میل ملاپ کرنا پسند کیا۔ جس کے نتیجہ میں اسپین کی ساری اقوام ان کی دشمن ہو گئیں اور ان کے ہاتھوں سے ہر ممکن طریقے سے اقتدار چھیننے کی کوشش کی جاتی رہی۔ زبردست خانہ جنگی ہوئی اور قتل و غارت گری کا وہ بازار گرم ہوا کہ انسان کے خون کی قدر و قیمت

جاتی رہی اور ان سب باتوں سے اسپین کے قدیم باشندوں نے پورا فائدہ اٹھایا۔

(ح) بنو امیہ اسپین کا نظام معاشرت موروثی جاگیردارانہ تھا جو پورے ملک میں رائج تھا۔ جاگیرداروں اور مال و دولت کی تقسیم صرف ایک ہی طبقہ میں کی جاتی تھی۔ شاہی انعامات سے وہ نوازے جاتے۔ دولت کے ذخائر ان کے پاس تھے۔ بڑے بڑے محلوں اور جاگیروں کے وہ مالک تھے۔ جس سے ان کی مادی طاقت میں روز افزوں اضافہ ہی ہوتا رہتا تھا۔ جب یہ اضافہ حد سے گذر جاتا تو حکومت کے خلاف بغاوتوں کی شکل میں ابھر آتا۔ یہ اسی نظام کا نتیجہ تھا کہ بنو امیہ کے کمزور ہوتے ہی ملوک الطوائف اٹھ کھڑے ہوئے۔ دوسری طرف ملک بہرحال صنعتی اور تجارتی طور پر ترقی پذیر تھا۔ اس ترقی نے ایک متوسط طبقہ کو جنم دیا جن میں تجارت پیشہ اور صنعت و تجارت کار تھے۔ جنہوں نے ملک کی اقتصادیات میں نمایاں کردار ادا کیا تھا[1]۔ متوسط الحال جماعتیں صنعت و تجارت کی وجہ سے تیزی سے مالدار ہو رہی تھیں۔ خاص طور پر بدنظمی اور انتشار کے دور میں اس جماعت نے کافی دولت جمع کر لی تھی۔ حاجب المنصور کے پرامن دور میں ان کی دولت میں مزید اضافہ ہوا۔ اور ان کی زیادتیاں مزدوروں پر بڑھنے لگیں۔ چنانچہ کام کرنے والے کام لینے والوں کے دشمن بن گئے۔ متوسط طبقہ جاگیرداروں کا دشمن بن گیا اور یہ سب طبقے لوٹ مار کرنے والے سپاہیوں کے دشمن بن گئے۔ عام تجربہ کار لوگوں میں ایسی چیزوں کے حصول کا شوق پیدا کر دیا جن سے وہ واقف بھی نہ تھے[2]۔ جس کا یہ انجام ہوا کہ معاشرہ کا ہر طبقہ تنگ آکر آمادہ پیکار ہو گیا اور امن و سکون برباد ہو گیا۔

(ط) ان باتوں کے باوجود بھی اگر بنو عامر خلافت کی ہوس نہ کرتے اور اپنے احاطہ اقتدار سے آگے نہ بڑھتے تو شاید بنو امیہ پر زوال اس قدر جلد نہ آتا اور ممکن تھا کہ ایک بار پھر وہ سنبھل جاتے جیسا کہ وہ الناصر کے دور میں سنبھلے تھے لیکن عبدالرحمٰن سنجول کی ناعاقبت اندیشی نے زوال کو تکمیل تک پہنچا دیا۔ چنانچہ زوال کی تمام ذمہ داری اگر بنو عامر پر ڈالی جائے تو بے جا نہ ہوگی۔

۲۔ خارجی اسباب

(الف) اسپین کی جغرافیائی حالت نے بنو امیہ کی حکومت کو منتشر کرنے میں کافی حصہ لیا۔ شمالی اسپین کا پورا علاقہ پہاڑی ہونے کی وجہ سے ایک طرح پر شمال کی عیسائی ریاستوں کا پشت پناہ تھا۔ کیونکہ اس علاقہ میں فوج کشی کرنا آسان کام نہ تھا۔ اس لئے وہاں کی عیسائی ریاستوں کو طاقتور بننے میں دیر نہ لگتی

[1] Short History of Saracens - P.525

[2] Spanish Islam - P.533

(جولاہوں کا وزارت کا حصول اس کی مثال ہے)

تھی۔ اس بناء پر اشتوراس اور قسطالیہ کی ریاستوں کو طاقتور بننے کا موقعہ مل گیا۔ سوائے منصور کے کسی نے اندر تک اس علاقے کو فتح کرنے کی ہمت نہ کی۔ لیکن منصور نے بھی بجائے اس کے ان ریاستوں کو ختم کردیتا ان سے معاہدے کرنے پر ہی اکتفا کیا۔ ان پہاڑی علاقہ کے لوگ محنتی، جفاکش اور ہمت والے تھے۔ پہاڑی زندگی اور شدید سردی۔ نے ان کو ایک نہ تھکنے والی قوم بنادیا تھا۔ میدانی علاقہ کے مسلم عیش و آرام کی زندگی کے عادی ہوگئے تھے اور ان میں اتنی ہمت نہ رہی تھی کہ ان کا پوری طرح قلع قمع کردیتے۔

(ب) اسپین کا رشتہ سرحدی یورپ سے ملتا تھا اور یورپ میں بہت سی عیسائی ریاستیں قائم تھیں۔ فرانس پر مسلمانوں کے متواتر حملوں نے یورپ کے عیسائی بادشاہوں کو بری طرح ہلا دیا تھا۔ چنانچہ ایک طرف تو وہ شمال کی عیسائی ریاستوں کو مسلم حکومت کے خلاف بھڑکاتے اور ان کی امداد کرتے رہتے تھے اور دوسری طرف ملک کے عیسائیوں کو امن وامان برباد کرنے میں مدد دیا کرتے تھے۔ طلیطلہ، سرقسطہ وغیرہ کی بغاوتیں اس کا کھلا ثبوت ہیں (اس کے علاوہ حکومت کے ہر باغی کی امداد کرنا بھی ان کے فرائض میں شامل تھا۔ تاکہ مسلم حکومت کی توجہ ان کے اپنے علاقہ پر نہ پڑسکے۔)

(ج) جغرافیائی لحاظ سے اسپین کی فوج کو اگر بہترین سپاہی مل سکتے تھے تو وہ شمالی افریقہ کے بربر اور حبشی تھے۔ دولت عباسیہ اور خلافت فاطمین کے قیام کی وجہ سے عربوں کو اسپین آنے کی کوئی ضرورت نہ رہی۔ جو کچھ عرب پہلے آگئے تھے وہ اپنی قبائلی کشمکش میں الجھ کر رہ گئے تھے اس لئے ان سے کسی بہترین فوج کی تعمیر کا خیال بیکار تھا۔ چنانچہ مجبوراً بربروں، صقالبہ اور حبشیوں کو فوج میں داخل کرنا پڑا۔ جنہوں نے بعد میں بنو امیہ کے زوال میں اہم کردار ادا کیا۔ اب بربروں اور صقالبہ کی دست درازیوں اور ظلم وستم سے نجات پانے کے لئے بنو امیہ کے پاس سوائے اس کے کوئی چارہ کار نہ رہا کہ وہ عیسائیوں کی مدد طلب کریں۔ چنانچہ المہدی نے قلونیہ سے اور اس کے حریف سلیمان مستعین نے لیون اور قسطالیہ سے امداد حاصل کرکے قرطبہ کو لوٹے جانے کا موقع فراہم کیا او (وہ قلعے اور چھاؤنیاں بھی ان کو دینا پڑیں جن کو الناصر اور منصور نے عیسائیوں کی روک تھام کے لئے قائم کیا تھا۔)

(د) بنو امیہ اسپین نے فاطمین مصر اور خلافت عباسیہ کو ہمیشہ اپنا دشمن خیال کیا اور ان سے اپنے تعلقات کبھی اچھے نہ رکھے۔ حالانکہ اگر اسلام کے رشتہ سے تعلقات استوار کئے جاتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ ان سب کے رشتے گہرے ہوجاتے۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ بنو امیہ عالم اسلام سے کٹ کر رہ گئے اور جب ان پر افتاد پڑی تو کسی طرف سے ان کو امداد نہ ملی۔ اس کے برخلاف انہوں نے ہمیشہ

یورپ کی عیسائی ریاستوں سے اپنے تعلقات استوار رکھے جو کسی بھی طرح ان کے لئے سودمند ثابت نہ ہوسکے۔

الغرض وہ مندرجہ بالا اسباب تھے جن کی بناء پر ایک مضبوط اور مستحکم حکومت صرف ۲۰ برس کے قلیل عرصہ میں زوال پذیر ہوگئی۔ گو بظاہر بنو عامر کو اس زوال کا ذمہ دار ٹھہرایا جاسکتا ہے لیکن "دراصل ملک کے تہذیبی و ثقافتی عروج نے آرام و آسائش کی وافر بہم رسانی نے اور موسم کی خوشگواری نے عوام الناس کو تعیشات میں مبتلا کردیا۔ (وہ قوم جس کو مذہبی عصبیت کے بل بوتے پر حکومت کرنا تھی۔ ایک نوزائیدہ اور خود ساختہ تہذیب کے جال میں الجھ کر رہ گئی۔ مذہب اور اخلاق کی اعلیٰ اقدار دولت جمع کرنے کی ہوس میں گم ہوکر رہ گئیں) معاشرہ طبقہ واریت کی نذر ہوگیا۔ یہاں تک کہ معاشرہ کی تباہ حالی نے حکومت کے عالیشان عمارت کو منہدم کردیا اور ملک و قوم ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ لیکن بنوامیہ کے خون سے پلی ہوئی تہذیب ابھی زندہ تھی۔ حکومت کی بربادی تہذیب و ثقافت کی تباہی کا باعث نہیں ہوتی۔ ثقافت کی تباہی اسی وقت ممکن ہوتی ہے جبکہ معاشرہ سے اخلاقی اقدار کا مکمل خاتمہ ہوجائے۔ (بنوامیہ کے زوال کے حالات نے ہمیں اس نتیجہ پر پہنچادیا کہ دولت کے ناجائز استعمال نے اور اس کے غلط ہاتھوں میں پہنچ جانے سے اس دور کے عوامی معاشرہ کو اس قدر گندا کردیا تھا کہ جس سے معاشرہ میں اتنا دم خم باقی نہ رہا تھا کہ وہ سیاست پر اثر انداز ہوتا۔ جس کا انجام سیاسی زوال لازمی تھا) گو بنوامیہ کی بساط سیاست الٹ چکی تھی لیکن یہ اسپین کے مسلمانوں کا زوال نہ تھا۔ اگر مسلمان متحد ہوکر کسی دوسرے خاندان کو بساط سیاست پر لے آتے تو یقیناً وہ بنوامیہ کا نعم البدل ثابت ہوتا۔ لیکن مسلمانوں نے اتحاد کی بجائے طوائف الملوکی کی راہ اختیار کی۔

حِصّہ دوئم

باب ۹

ملوک الطوائف

جیسے ہی بنو امیہ اسپین کو زوال ہوا اور قرطبہ کی مرکزیت ختم ہوئی تمام مسلم علاقہ چھوٹی بڑی آزاد ریاستوں میں منقسم ہو گیا اور قرطبہ کی حیثیت دار الحکومت کی بجائے عام صوبوں کی سی رہ گئی۔ آئے دن کی قتل و غارت گری پر عامتہ الناس ہراساں اور پریشان، ماضی پر نوحہ گر اور مستقبل کے لئے فکر مند تھے۔ سیاسی تباہ حالی نے معاشرت کو بھی بری طرح متاثر کیا تھا۔ تمام کاروباری زندگی تقریباً معطل ہو کر رہ گئی تھی۔ بنو امیہ کی تباہی نے بربروں اور صقالبہ کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچایا تھا۔ بربروں نے جنوبی اسپین اور صقالبہ نے مشرقی اسپین پر قبضہ کر لیا تھا۔ باقی ملک کچھ تو جاگیرداروں اور امراء کا مال غنیمت بن گیا اور کچھ قدیم خاندانوں کے افراد کے قبضہ میں چلا گیا۔ یہ قدیم خاندان وہ تھے جو الناصر کی گرفت سے اتفاقیہ بچ گئے تھے۔ اسپین کے دو بڑے شہروں قرطبہ اور اشبیلیہ نے اپنی انفرادیت قائم رکھنے کے لئے بظاہر جمہوری طرز حکومت اختیار کر لیا تھا۔ بڑی بڑی ریاستیں جو اس وقت معرض وجود میں آئی تھیں اور جنہوں نے ملک پر اپنے تہذیبی اثرات چھوڑے وہ حسب ذیل تھیں۔

(۱) بنو حمود: مالقہ اور الخضراء کے بادشاہ تھے۔ ان کو بربر ہونے کا دعویٰ تھا لیکن بربر نہ تھے۔

(۲) بنو زیری: غرناطہ کے بادشاہ تھے اور خالص بربری نسل سے تھے۔

(۳) بنی افطس: بطلیوس کے حکمران تھے۔ بربری نسل سے تھے لیکن عربوں سے اپنا رشتہ جوڑتے تھے۔

(۴) بنو ہود: سرقسطہ کے حکمران تھے اور عربوں کے قدیم خاندان سے متعلق تھے۔

(۵) بنو ذوالنون: طلیطلہ کے حکمران تھے اور بالاتفاق مورخین بربری تھے۔

(۶) بنو عباد: اشبیلیہ کی جمہوریت توڑ کر بادشاہ بنے اور خالص عرب نسل سے تھے۔

علاوہ ازیں صقالبہ کے کئی سردار مشرقی اسپین پر قابض تھے۔ خاص طور پر جنوب مشرقی اسپین کا

علاقہ اور جزائر بلیارک (جزائر شرق الاندلس) انہی کے قبضہ میں تھا۔ چند حسب ذیل ہیں۔

(۱) خیران۔ بادشاہ المریہ

(۲) زہیر۔ شاہ مرسیہ

(۳) مجاہد۔ شاہ دانیہ وغیرہ

چونکہ قرطبہ کے حالات پر اپنا پچھلا باب ختم کیا تھا اس لئے اس باب کی ابتداء قرطبہ ہی سے کی جاتی ہے۔

جمہوریت قرطبہ اور بنی جہور

۴۲۳ھ / ۱۰۳۱ء ۔۔۔۔ ۴۶۱ھ / ۱۰۷۰ء

یہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ قرطبہ میں بنو امیہ کی خلافت کا آخری دور تھا اور بنو حمود کی خلافت کے عروج کی وجہ سے خلافت امیہ کے مزید برقرار رہنے کی توقع ختم ہو چکی تھی۔ اس لئے اہل قرطبہ نے خلیفہ المستکفی کے مرنے کے بعد شہر کے انتظام وانصرام اور بربروں سے محفوظ رہنے کے لئے ایک مجلس انتظامی قائم کر لی تھی جس نے چھ ماہ تک شہر کا انتظام چلایا۔ اس مجلس کا صدر نشین ابوالحزم بن جہور تھا۔ ابن جہور نے حالات کا اندازہ کر کے اور عوام کو خلافت کی طرف مائل دیکھتے ہوئے ایک بار پھر بنو امیہ کے ایک فرد ہشام ثالث المعتد کو خلیفہ مقرر کیا جو عبدالرحمٰن المرتضیٰ کا بھائی تھا۔ ہشام المعتد خود تو کسی خاص صلاحیت کا مالک نہ تھا۔ مزید یہ کہ اس نے اپنا وزیر ایک جولاہے حکم بن سعید کو مقرر کر دیا جس سے عوام اور امراء دونوں اس سے برگشتہ ہو گئے۔ ہشام المعتد ابن جہور کی بڑی قدر کرتا تھا لیکن حکم بن سعید کو اس سے بڑی نفرت تھی۔ جس سے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ایک دن ابن جہور کو ضرور نقصان پہنچے گا۔ چنانچہ امراء اور ابن جہور نے ہشام المعتد اور اس کے وزیر دونوں کو ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا اور ایک سازش کے ذریعہ حکم کو قتل کرا دیا گیا اور ہشام المعتد کو لاردہ کے قلعہ میں قید کر دیا گیا۔ خلافت کے خاتمے کے ساتھ اہل قرطبہ نے ابن جہور سے شہر کا نظام سنبھالنے کی درخواست کی۔ ابن جہور نے پہلے تو انکار کیا۔ لیکن مجلس انتظامی کے اصرار پر اس نے یہ عہدہ اس شرط پر قبول کر لیا کہ محمد بن عباس اور عبدالعزیز حسن اکابرین شہر اس کے مشیر کار بنائے جائیں گے۔ گویہ شرط تو مجلس انتظامیہ نے قبول کر لی لیکن ان دونوں کو صرف مشورہ کی حد تک محدود کر دیا۔

ابن جہور نے ۴۲۳ھ / ۱۰۳۱ء میں قرطبہ کی جمہوری حکومت کے صدر کی حیثیت سے زمام

حکومت سنبھالی۔ ابن بشکوال کے بقول ابن جہور کا نسب اس طرح ہے۔ ابوالحزم جہور بن محمد بن جہور بن عبداللہ بن محمد بن معمر بن یحییٰ بن ا لمغافر بن ابی عبیدہ کلبی اور ابی عبیدہ کلبی اسپین آیا تھا[1] ابن جہور نے صدر ہوتے ہی سب سے پہلے قرطبہ کی فوج سے بربروں کو علیحدہ کر دیا۔ صرف بنو افرین کو رہنے دیا کیونکہ وہ وفاداری میں بے مثال تھے اور اہل قرطبہ پر مشتمل ایک نئی فوج تشکیل دی۔ وہ ایک محتاط قسم کا شخص تھا اور عوام کی جواب طلبی کا بہت خیال رکھتا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ اس وقت تک کسی کو اپنی طرف سے کوئی رعایت نہ دیتا جب تک کہ مجلس کے ہر رکن سے مشورہ نہ کر لیتا تھا۔ ابن جہور نے اپنے وسیع اختیارات پر نہ تو فخر و غرور کیا اور نہ بادشاہی طور طریق اختیار کئے۔ سرکاری کام تک قصر خلافت میں بیٹھ کر نہ کرتا تھا بلکہ اپنے ذاتی مکان میں سب کام انجام دیتا تھا۔ اس کے اختیارات کی وسعت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ مجلس کبھی اس کی رائے سے اختلاف نہ کرتی تھی۔ ڈوزی نے اس کے متعلق یہ تحریر کیا ہے کہ

"حد درجہ ایمان دار تھا۔ سلطنت کے مال و دولت کبھی اپنے گھر میں نہ رکھتا تھا بلکہ نہایت دیانت دار لوگوں کی حفاظت میں رکھتا تھا۔ اگرچہ نہایت کفایت شعار تھا لیکن بخیل نہ تھا۔ اس وجہ سے اس کی ذاتی دولت میں بہت اضافہ ہوا اور شہر میں وہ سب سے زیادہ مالدار ہو گیا لیکن اس پر دولت کی محبت کبھی اتنی غالب نہ آئی کہ کسی کی امانت میں خیانت کرتا۔ رعایا کی فلاح و بہبود کی کوششوں میں لگا رہتا کبھی آرام سے نہ بیٹھا۔ قرب و جوار کی ریاستوں سے دوستانہ تعلقات قائم کئے اور اس میں صرف اس قدر کامیاب رہا کہ تجارت و صنعت کو جن حفاظتوں کی ضرورت تھی وہ سب مل گئی تھیں۔ ضروریات زندگی میں کافی ارزانی ہوئی۔ باہر کے لوگ شہر میں آکر آباد ہونے لگے اور شہر کے وہ محلے جن کو بربروں نے برباد کر کے جلا دیا تھا ان نو آباد لوگوں کے ہاتھوں دوبارہ تعمیر ہوئے"[2]

ابن خلدون نے ابن جہور کے متعلق لکھا ہے۔

"حکومت پر قابض ہو کر نظام سلطنت کو بگڑنے نہ دیا اور نہ اپنے مکان سے قصر خلافت میں آیا اس کا رویہ نہایت عمدہ تھا۔ اہل علم و فضل کی سرپرستی کرتا تھا۔ مریضوں کی عیادت کرتا۔ جنازوں میں شریک ہوتا، اپنے محلے کی مسجد میں اذان دیتا، تراویح پڑھتا اور تمام مسلمانوں سے ملتا جلتا رہتا تھا۔ اس

---

[1] ابن خلدون جلد ۵ ص ۳۵۹ (اردو ترجمہ)
[2] Spanish Islam - P-596

کے دروازہ پر دربان نہ تھے۔ اہل قرطبہ نے خوشی خوشی خاطر اپنی عنان حکومت اس کے سپرد کی تھی[1]
ابن جہور کے تدبر کا اندازہ اس بات سے لگایا جاتا ہے کہ جب قاضی ابوالقاسم محمد حاکم اشبیلہ نے ایک فرضی شخص کو ہشام المؤید بنا کر پیش کیا تو ابن جہور نے بلا تردد اس کو صحیح تسلیم کرکے اس کا خطبہ پڑھوایا کیونکہ قرطبہ کے عوام نے اس فرضی خلیفہ کو صحیح مان کر اطاعت کرلی تھی اور ابن جہور عوام کی مخالفت مول لینا نہ چاہتا تھا۔ لیکن جب قاضی ابوالقاسم محمد نے اس فرضی ہشام المؤید کو قرطبہ لاکر اس پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا۔ تب ابن جہور نے دلائل کے ساتھ عوام کو سمجھایا کہ یہ اصلی نہیں ہے بلکہ فرضی ہشام المؤید ہے۔ قرطبہ کے عوام نے اس کی بات مان لی اور اسی دن سے فرضی خلیفہ کا خطبہ پڑھنا بند ہوگیا۔

ابوالحزم ابن جہور کے انتقال کے بعد ۴۳۵ھ/۱۰۴۵ء میں اس کا لڑکا ابوالولید جہور بالاتفاق اپنے باپ کا جانشین مقرر کیا گیا۔ اس نے باپ کی روش اختیار کی اور اہل علم و فضل کی قدردانی میں کوتاہی نہ کی۔ کیونکہ اس نے خود بڑے بڑے عالموں جیسے مکّی بن ابی طالب مکّی وغیرہ سے تحصیل علم کیا تھا۔ ابوالولید نے ابراہیم بن یحییٰ کو اپنا وزیر بنایا جو بڑی صلاحیتوں کا مالک تھا۔ غرض ابوالولید جہور کا زمانہ ملوک الطوائف کا بہترین دور تھا۔ اہل قرطبہ اس سے بہت خوش تھے۔ اس نے انہیں کسی قسم کی شکایت کا موقع نہ دیا۔ ۴۵۷ھ/۱۰۶۴ء میں ابوالولید نے اپنے عہدہ سے استعفیٰ دے کر خانہ نشینی اختیار کرلی اور اپنے بعد اپنے دونوں لڑکوں عبدالرحمٰن اور عبدالملک کو نامزد کیا۔ عبدالرحمٰن کو مالیات اور عام انتظام حکومت سپرد کیا اور عبدالملک کو فوجوں کا سپہ سالار بنایا۔ عبدالملک جلد ہی اپنے بھائی سے بگڑ گیا لیکن دانش مند اور مدبر وزیر ابن سقا کی بدولت دونوں میں رنجش نہ رہی۔ قرطبہ کے دشمن ابن سقا سے بہت خائف رہتے تھے۔ چنانچہ اشبیلہ کے حکمران المعتمد نے ابن سقا اور عبدالملک کے درمیان بدگمانی کرا دی اور بدقماش و بداندیش عبدالملک نے ابن سقا کو قتل کرا دیا۔ ابن سقا کے قتل کے نتائج برے نکلے۔ قرطبہ کے بہت سے فوجی اور غیر فوجی افسران اپنے عہدوں سے مستعفی ہوگئے۔ عبدالملک کی بداطواری، تشدد اور لاپرواہی نے اہل قرطبہ کو اس سے سخت متنفر کردیا۔ جمہوری ریاست کی جو کچھ خصوصیات باقی تھیں وہ بھی جاتی رہیں۔ طلیطلہ کے حاکم مامون ذوالنونی نے موقع سے فائدہ اٹھا کر ۴۶۱ھ/۱۰۷۰ء میں قرطبہ پر حملہ کردیا۔ عبدالملک کی طاقت تو منتشر ہو چکی تھی مقابلہ کیا کرتا۔ چنانچہ اشبیلہ کے معتمد سے امداد طلب کی۔ معتمد نے امداد دے کر مامون کو قرطبہ کا

---

[1] ابن خلدون جلد ۵ صـ ۲۵۹ (اردو ترجمہ)

محاصرہ اٹھانے پر مجبور کردیا لیکن خود عبدالملک کو بھی نہ چھوڑا اور اہل قرطبہ سے سازش کرکے عبدالملک اور بوڑھے ابوالولید جہور کو مع اہل و عیال کے گرفتار کرکے جزیرہ سلٹیش میں قید کردیا۔ ابوالولید اس واقعہ کے ۴۰ روز بعد انتقال کرگیا اور اس طرح قرطبہ کی جمہوریت کا خاتمہ ہوگیا۔

بنی حمود

۴۰۰ھ / ۱۰۱۰ء تا ۴۴۸ھ / ۱۰۵۷ء

بنی حمود کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ماریطانیہ (Mauritinia) افریقہ کے ادریسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ شیخ حمود بن میمون بن احمد بن علی بن عبید اللہ بن عمر بن ادریس کے دو لڑکے کسی سبب سے افریقہ سے فرار ہوکر قرطبہ میں پناہ گزیں ہوئے۔ یہ حاجب المنصور کا زمانہ تھا۔ یہ دونوں لڑکے علی بن حمود اور قاسم بن حمود تھے۔ المنصور نے ان دونوں کو فوج کے اعلیٰ عہدوں پر مقرر کیا۔[1] ڈوزی نے لکھا ہے کہ "یہ خاندان حضرت علیؓ کی اولاد سے تھا لیکن چونکہ دو سو برس سے افریقہ میں آباد تھا اس لئے تقریباً بربر ہوگیا تھا۔[2] ابن خلدون نے ان کا نسب نامہ تو وہی تحریر کیا ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے لیکن اولاد علیؓ میں سے ان کو شمار نہیں کیا ہے اور نہ ہی اس امر کی وضاحت کی ہے کہ حاجب المنصور کے زمانہ میں قرطبہ آکر فوج میں ملازم ہوئے تھے۔ وہ لکھتا ہے۔

"........ یہ لوگ بربروں کے گروہ کے ساتھ بلاد غمارہ میں تھے اور انہی کے ذریعہ سے انہوں نے اپنی ریاست و امارت حاصل کی تھی جو اس خاندان میں ایک عرصہ تک قائم رہی تھی۔ اس وجہ سے بربروں کا ان لوگوں کے ساتھ میل جول اور تعلق تھا اور یہی امر ان لوگوں کے فخر کا باعث ہوا۔ پس یہ لوگ بربروں کے ساتھ سرزمین اندلس میں آئے اور سلیمان المستعین نے ان مغاربہ کے ساتھ جنہیں سند حکومت دی تھی ان لوگوں کو بھی سرداری اور عہدہ عطا کیا۔ علی کو طنجہ کی حکومت دی اور قاسم کو جزیرہ خضراء پر مامور کیا......"[3]

یہ حقیقت ہے کہ یہ خاندان پہلی مرتبہ سلیمان المستعین کے زمانہ میں معروف ہوا۔ جبکہ علی بن حمود حاکم طنجہ اور سبتہ نے مالقہ پر قبضہ کرکے اسپین کی حکومت پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا۔ مقابلہ اور

---

[1] Political History of Muslim Spanish P.137 [2] Spanish Islam - P. 563

[3] ابن خلدون جلد ۵ صفحہ ۳۲۵ (اردو)

اس وقت سلیمان المستعین کے دشمن ہو رہے تھے۔ چنانچہ ان کے ایک سردار خیران علی بن حمود سے ساز باز کی اور علی نے بربروں کو اپنا ہمنوا بنا کر ۴۰۵ھ/۱۰۱۵ء میں قرطبہ پر قبضہ کر لیا۔ سلیمان کو قید کر کے خلیفہ ہشام المؤید کی تلاش شروع کی جس کو سلیمان المستعین نے غائب کر دیا تھا۔ علی حمود کیونکہ خود قرطبہ پر حکمرانی کے خواب دیکھ رہا تھا اس لئے ہشام المؤید کی تلاش کا دل سے خواہاں نہ تھا۔ اس لئے نہایت ہوشیاری اور چالاکی سے کچھ لوگوں سے کسی فرضی شخص کی قبر کھدوا کر ہشام المؤید کی موت کی تصدیق کر دی۔ بہر کیف علی بن حمود حکمران ہو گیا اور اس نے اپنا لقب امیر المومنین اختیار کیا[1]۔ اس نے ملک میں امن و امان قائم کیا۔ باوجود بربر ہونے اور عربی سے نابلد ہونے کے اس نے اہل قرطبہ کے ساتھ ہمدردی اور شفقت کا برتاؤ کیا۔ ہر شخص اس کے پاس با آسانی پہنچ کر اپنی شکایت بیان کر سکتا تھا۔ بربروں کے ظلم و تشدد کو سختی سے بند کرا دیا۔ اہل قرطبہ کو جنگ میں جو نقصان ہوا تھا علی نے اس کی بھی بڑی حد تک تلافی کرا دی۔ لیکن اہل قرطبہ نے خیران صقلبی کے ساتھ سازش کر کے عبدالرحمٰن بن ہشام بن عبدالجبار بن الناصر کو خلیفہ بنانے کی کوشش کی۔ علی بن حمود کو سخت طیش آیا اور اس نے اہل قرطبہ پر دوبارہ بربروں کو مسلط کر کے ظلم و تشدد کا دروازہ کھول دیا۔ نئے نئے محصول عائد کئے اور شہر کے بہت سے رئیسوں کو قید میں ڈال دیا۔ پھر ان سے بڑی رقمیں بطور فدیہ لے کر ان کو رہا کیا۔ غصہ میں آ کر اس نے مساجد اور مدارس کے اوقاف بھی اپنے قبضہ میں کئے۔ غرض اس نے تمام شہر قرطبہ پولیس اور جاسوسوں سے بھر دیا۔ عدالتوں سے انصاف اٹھا دیا اور بربروں کے حق میں زبردستی فیصلے دیئے جانے لگے۔ علی بن حمود کو اہل قرطبہ پر اس قدر شدید غصہ تھا کہ اس نے ان سب کو ہلاک کرنے یا جلا وطن کر کے شہر کو قطعاً مسمار کر دینے کی قسم کھائی تھی۔ لیکن موت نے اس کی یہ قسم پوری نہ ہونے دی[2] اور ۴۰۸ھ/۱۰۱۸ء میں اسی کے غلاموں نے اس کو حمام میں بند کر کے مار ڈالا۔

علی بن حمود نے دو بیٹے یحییٰ اور ادریس چھوڑے اور تیسرا اس کا بھائی قاسم بن حمود تھا۔ قاسم اشبیلیہ کا حاکم تھا اور یحییٰ سبتہ کا۔ بربروں نے قاسم کو اپنا حاکم بنا لیا۔ علی کی موت کے چھ دن بعد قاسم قرطبہ میں داخل ہوا اور اہل شہر نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ قاسم ایک امن پسند شخص تھا اس لئے اس نے قرطبہ میں امن و امان قائم کیا۔ ملک پر جو محصول عوام کو ستانے کے لئے لگائے گئے تھے

---

[1] Political History of Muslim Spain - P.138 [2] Spanish Islam - P.568

ختم کر دیئے۔ اس نے پرانے جھگڑوں کو ختم کرنے کے لئے خیران سے مصالحت کرلی اور ایک دوسرے صقلبی سردار زہیر کو جو مرسیہ کا حاکم تھا کئی اور قلعے دیئے۔ قاسم بن حمود کے متعلق گمان عام تھا کہ وہ شیعہ عقائد رکھتا ہے لیکن اس نے کبھی اپنے عقائد لوگوں پر ظاہر نہ کئے اور نہ مذہبی معاملات میں مداخلت کی۔ اس کی ہر بات میں اعتدال کا وصف ایسا تھا کہ خیال کیا جاتا تھا کہ بنو حمود کی حکومت اسپین میں مستقل قائم ہو جائے گی۔ قاسم کو بربروں کی تنگ نظری کی بناء پر ان پر اعتماد نہ رہا اور اس نے اپنے تحفظ اور استحکام کے لئے بربروں کے اسودی غلاموں کو خریدا اور افریقہ سے بہت سے حبشی غلام منگائے۔ ان کی ایک علیحدہ فوج مرتب کی اور اس فوج کے افسروں کو بڑے بڑے عہدوں پر فائز کیا۔ قاسم کے اس عمل سے بربر اس کے خلاف ہو گئے۔ ادھر یحیٰی بن علی نے اپنے باپ کے علاقوں پر قبضہ کرنے کا ارادہ کرلیا۔ گمان یہ ہے کہ بربروں نے اس کو قاسم کے خلاف بھڑکایا ہوگا۔ چنانچہ یحیٰی بربروں کو اپنے ساتھ ملا کر سبتہ سے مالقہ میں داخل ہوا۔ مالقہ میں اس کا بھائی ادریس حاکم تھا۔ اس نے بھائی کا پورا ساتھ دیا اور دونوں بھائی قرطبہ کی طرف بڑھے۔ قاسم بن حمود اپنے بھتیجوں سے جنگ نہ کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے ۴۱۲ھ/۱۰۲۱ء میں قرطبہ کو چھوڑ دیا اور اشبیلیہ چلا گیا۔ ایک ماہ بعد یحیٰی نے قرطبہ پر قبضہ کرلیا لیکن خود بھی امن و سکون سے نہ رہ سکا اور موت کے خوف سے ۴۱۳ھ ۱۰۲۳ء میں قرطبہ سے مالقہ چلا گیا۔ قاسم نے دوبارہ قرطبہ پر قبضہ کرلیا۔ لیکن اب قاسم کی پہلی جیسی طاقت نہ رہی تھی۔ ادریس بن علی نے جو اس وقت سبتہ میں تھا۔ قاسم کے مضبوط قلعے طنجہ پر قبضہ کرلیا اور یحیٰی بن علی نے جزیرہ خضراء پر قبضہ کرکے قاسم کے اہل و عیال اور مال و دولت اپنے قبضہ میں کرلئے۔ قاسم کی پوری طاقت اب صرف اسودی غلام تھے۔ اہل قرطبہ نے قاسم سے نجات حاصل کرنے کا بہترین موقعہ دیکھا اور ۴۱۴ھ/۱۰۲۳ء میں قاسم اور اس کے اسودی ساتھیوں کو مار کر قرطبہ سے نکال باہر کیا۔ قاسم نے پچاس دن تک شہر کا محاصرہ کیا۔ لیکن دوبارہ اہل قرطبہ کے ہاتھوں شکست کھا کر اشبیلیہ کی طرف بھاگا۔ اہل اشبیلیہ نے بھی موقع غنیمت سمجھ کر قاسم کو شہر میں نہ گھسنے دیا۔ قاسم شریش کی طرف چلا گیا جہاں یحیٰی بن علی نے اپنے چچا کو گرفتار کرلیا۔ قاسم مالقہ کے ایک قلعہ میں ۱۳ برس تک قید رہا بالآخر ۴۲۸ھ میں مار ڈالا گیا۔

قاسم بن حمود کے بعد یحیٰی بن علی تمام علاقہ مالقہ اور جزیرہ خضراء کا حاکم بن گیا۔ اس نے تقریباً دس برس حکومت کی اور اپنے علاقے میں پوری طرح امن و امان قائم رکھا۔ وہ بہت طاقتور حکمران تھا۔ جس نے اپنی طاقت کا لوہا عوام الناس سے منوالیا تھا۔ ۴۱۸ھ میں اس نے اشبیلیہ پر حملہ کیا اور

اشبیلیہ کے قاضی ابوالقاسم محمد کو محاصرہ کر کے مجبور کر دیا کہ وہ صلح کرے اور اپنے لڑکے عباد کو بطور یرغمال اس کے حوالے کردے۔ رفتہ رفتہ یحییٰ بن علی نے بربروں کے تمام سرداروں کو اپنا ہمنوا بنالیا۔ اس طرح وہ برائے نام نہیں بلکہ حقیقت میں افریقی سردار ہوگیا۔ اس نے قرمونہ سے وہاں کے حاکم محمد بن عبداللہ برزالی کو نکال کر شہر پر قبضہ کرلیا اور قرطبہ اور اشبیلیہ پر دوبارہ حملہ کرنے کی دھمکیاں دیں لیکن بربروں کا یہ اتحاد زیادہ دیرپا ثابت نہ ہوسکا۔ اور وہ پھر آپس میں دست وگریباں ہوگئے۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ جب یحییٰ بن علی نے اشبیلیہ پر حملہ کیا تو اس کو آپس کی کشمکش کی وجہ سے شکست ہوئی اور قاضی ابوالقاسم محمد کے لڑکے اسماعیل نے اس کو ۴۲۷ھ/۱۰۲۵ء میں قتل کردیا۔

یحییٰ کی موت کے بعد اس کے بھائی ادریس بن علی کی خلافت کا اعلان مالقہ میں کیا گیا۔ جزیرہ الخضراء میں اس کا چچا زاد بھائی محمد بن قاسم بن حمود حکمراں تھا جس کو حبشی غلاموں نے خلیفہ بنا رکھا تھا۔ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ یحییٰ کی موت کے بعد ادریس بن علی کے ہاتھ پر اس شرط پر بیعت کی گئی کہ حسین بن یحییٰ کو سبتہ کی حکومت دے دی جائے۔ خادم نجا حسن کے ساتھ سبتہ گیا تھا جس کا ملوک الطوائف پر بڑا اثر تھا[1]۔ ادریس بن علی نے اپنے بھائی کا بدلہ لینے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ اس نے اسماعیل کے خلاف فوج کشی کی اور استجہ کے مقام پر اسماعیل کو مار ڈالا لیکن خود بھی دو دن بعد ہی مرگیا۔ اس کے مرنے کے بعد مالقہ کے بربر وزیر ابن بقنہ اور صقلی وزیر نجا میں نزاع شروع ہوگیا۔ ابن بقنہ ادریس اول کے لڑکے یحییٰ کو تخت پر لانا چاہتا تھا۔ مگر نجا نے جو افریقہ میں بنو حمود کا وزیر تھا حسن ابن یحییٰ اول کی خلافت کا اعلان کردیا اور فوج لے کر مالقہ کے ساحل پر اترا۔ ابن بقنہ بزدل تھا مقابلہ کرنے کے بجائے یحییٰ بن ادریس کو ساتھ لے کر قمارش کی طرف چلا گیا۔ حسن بن یحییٰ نے مالقہ پر قبضہ کرلیا حسن بن یحییٰ نے کچھ دن بعد حیلے بہانے سے ابن بقنہ اور یحییٰ بن ادریس کو مالقہ میں بلا کر اپنے وزیر نجا کے اشارے پر قتل کردیا۔ اس کے بعد حسن بن یحییٰ بھی زیادہ دن زندہ نہ رہا۔ یحییٰ ابن ادریس کی بہن نے جو حسن بن یحییٰ کی بیوی تھی بھائی کے انتقام کی خاطر اس کو زہر دے کر مار ڈالا اب نجا صقلی کی حکومت کا خیال آیا۔ اس نے حسن کے نوعمر لڑکے کو مار ڈالا اور اس کے بھائی ادریس کو قید کردیا۔ بظاہر تو بربروں نے اس کی اطاعت کرلی لیکن درپردہ اس کے خلاف سازش میں مشغول ہوگئے۔ نجا نے جزیرہ خضراء کے حاکم محمد بن قاسم پر حملہ کیا تاکہ بنو حمود کو پوری طرح ختم

---

[1] ابن خلدون

کردے لیکن بربری سپاہ نے اس کو ۴۳۴ھ / ۱۰۴۳ء میں قتل کردیا اور سب نے مل کر حسن کے بھائی ادریس ثانی یحییٰ بن علی کی بیعت کرلی اور اس کو عالی کا لقب دیا۔

ادریس ثانی کوئی قابل شخص تو نہ تھا لیکن رحم دل اور فیاض تھا۔ مال و دولت خیرات کرنے سے دریغ نہ کرتا تھا۔ جو لوگ شہر سے نکل گئے تھے ان کو پھر واپس بلالیا اور ان کی جائیدادیں ان کو واپس کردیں اور قیدیوں کو رہا کردیا۔ کسی جاسوس کی بات کا یقین نہ کرتا تھا۔ ہر روز پانچ سو درہم غریبوں اور مفلسوں کو تقسیم کرتا تھا۔ ادنیٰ طبقہ کا بڑا ہمدرد تھا اور ان سے بالمشافہ گفتگو کرنے کا بڑا شوقین تھا۔ ڈوزی کے کہنے کے بموجب ایک طرف تو وہ دولت مند لوگوں اور شاہانہ جاہ و حشم اور درباری آداب و قواعد سے وابستہ تھا مگر دوسری طرف شریف اور رذیل عوام سے صحبت تھی۔ غرض دو متضاد باتوں کا میل حیرت انگیز تھا۔[1] ادریس بہت سیدھی سادھی طبیعت رکھتا تھا۔ اس لئے جو طور طریق اس کے بزرگوں نے قائم کئے تھے ان کی پابندی نہ کرسکا۔ سلطنت کے استحکام کے لئے یہ بدقسمتی تھی کہ ادریس ثانی میں نیک نفسی کے ساتھ ساتھ غایت درجہ کی کمزوری یہ بھی تھی کہ جب کوئی شخص اس سے کچھ مانگتا خواہ وہ قلعہ ہی کیوں نہ ہو اس کا سوال فوراً پورا کردیتا۔ بادیس شاہ غرناطہ نے اس کے مدبر وزیر موسیٰ بن عفان کو مانگا اور اس ناعاقبت اندیش نے حسب عادت اس کو بھی بادیس کے حوالے کردیا اور بادیس نے اس باتدبیر وزیر کو قتل کردیا۔ ادریس ثانی کی ان باتوں سے بربروں اور اسودیوں کو اس سے دلی نفرت پیدا ہوگئی۔ ان حالات سے فائدہ اٹھا کر حاکم اریش نے بغاوت کرکے محمد بن ادریس بن علی کی خلافت کا اعلان کردیا اور بہت آسانی کے ساتھ مالقہ پر قبضہ کرلیا۔ ادریس ثانی نے اپنی خاطر قتل و غارت کو پسند نہ کیا اور وہ خود ہی اریش کے قید خانہ میں چلا گیا (۴۳۸ھ / ۱۰۴۶ء)۔ محمد بن ادریس بڑا بہادر اور لڑاکا تھا اور میدان جنگ کی زندگی پسند کرتا تھا۔ قاعدہ، قانون اور اصولوں کا سختی سے پابند تھا چنانچہ جلد ہی بے اصول لوگ اس سے گھبرا گئے اور اس کے خلاف سازش کرکے دوبارہ ادریس ثانی کو تخت پر لانا چاہا لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ چنانچہ ادریس ثانی کو افریقہ بھگا دیا گیا جہاں وہ سبتہ کے حاکم سکوت اور طنجہ کے حاکم رزق اللہ کے پاس چند دن ٹھہرا۔ پھر اسپین واپس ہوا اور رندہ کے بربر حاکم کے پاس پناہ لی۔ عوام نے مالقہ کے محمد بن ادریس کے خلاف بغاوت کرکے الخضراء کے محمد بن قاسم کو اپنا خلیفہ بنالیا۔ لیکن یہ شخص بھی اپنی کوششوں میں ناکام رہا۔ عوام کی بے

---

[1] Spanish Islam - P.624

وفائی اور غداری کا اندازہ کر کے خلافت چھوڑ کر افریقہ چلا گیا اور ۴۴۰ھ/۱۰۴۸ء میں فوت ہو گیا۔ چار برس بعد محمد بن ادریس بن علی مالقہ کے خلیفہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ اس کے بھتیجے نے ادریس ثالث کے نام سے حکومت کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ چنانچہ ایک بار پھر ادریس دوم کو خلیفہ بنا دیا گیا اور اس نے امن و سکون کے ساتھ ۴۴۷ھ/۱۰۵۵ء تک حکومت کی اس کے مرنے کے بعد بادیس شاہ غرناطہ نے ۴۴۸ھ/۱۰۵۷ء میں قبضہ کر کے اپنی حکومت میں شامل کر لیا اور تمام بنو حمود جہاں سے آئے تھے وہیں پر جلاوطن کر دیئے گئے۔

بنوزیری

۴۰۳ھ/۱۰۱۲ء تا ۴۸۳ھ/۱۰۹۰ء

غرناطہ کی زیری حکومت کو قائم کرنے والا ایک بربر سردار زاوی بن زیری بن مناد تھا۔ ابن الخطیب کے الفاظ میں "جس شخص نے اولاً غرناطہ کو اپنا دارالحکومت اور مسکن بنا کر مطلق العنان حکومت کی۔ وہ منصور کا حاجب ابو مثنیٰ زاوی بن زیری میں مناد صنہاجی تھا[1]۔ اس شخص کے متعلق ڈوزی نے لکھا ہے کہ وہ "بربر قبیلہ صنہاجہ کا رئیس تھا اور افریقہ کے اس حصہ پر حکومت کرتا تھا جس کا دارالحکومت قیروان تھا۔ وہ اپنی قوم کے مقابلہ میں زیادہ شائستہ اور ہوشیار تھا[2]۔ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ "المنصور کے زمانہ حکومت میں زاوی اندلس آیا تھا[3]۔ امام الدین صاحب نے لکھا ہے کہ "زیری بربر قبیلہ صنہاجہ کی شاخ ہے۔ دو زیری شہزادے ہکلین اور منصور اپنے حاکم سے ناراض ہو کر ایک ہوشیار سردار زاوی بن زیری کے ساتھ مل گئے اور پھر یہ سب بربروں کا کثیر لشکر لے کر افریقہ سے اسپین میں داخل ہوئے۔ عبدالملک المظفر بن حاجب المنصور نے ان سب کو قرطبہ کی فوج میں ملازم رکھ لیا[4]۔"

زاوی اپنی دانش مندی میں بربروں میں ممتاز سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے بربروں نے اس کو اپنا سردار تسلیم کر لیا تھا۔ یہ زاوی ہی تھا جس نے المہدی کے خلاف سلیمان المستعین کو خلیفہ بنایا تھا جس کے صلہ میں سلیمان نے اس کو البیرہ کی جاگیر دی تھی جو بعد میں غرناطہ کے نام سے پکارا گیا۔ قرطبہ کو تباہ و برباد کرنے میں اسی زاوی کے دو بھتیجوں حبوس اور حباسہ نے شرکت کی تھی۔ جس میں حباسہ مارا

---

[1] الاحاطہ فی اخبار غرناطہ جلد ا تذکرہ سلاطین غرناطہ [2] Spanish Islam - P.550

[3] ابن خلدون صفحہ ۳۶۱ (اردو ترجمہ) [4] Political History of Muslim Spain - P.140

گیا تھا۔ لیکن ڈوزی کا بیان ہے کہ "زاوی اپنی فوج لئے قرطبہ کو لوٹنے کے لئے شہر میں داخل ہوا تھا۔"[1] جس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اس نے بھی قرطبہ کی تباہی میں حصہ لیا تھا۔ زاوی نے اپنی ہی جاگیر میں اپنی آزاد حکومت کا اعلان کیا اور اپنا دارالحکومت دریائے شنیل کے کنارے غرناطہ کو قرار دیا۔ وہ بنوامیہ سے سخت عداوت و نفرت رکھتا تھا کیونکہ اس کا باپ افریقہ میں بنوامیہ کے خلاف لڑتا ہوا مارا گیا تھا۔ اس کے باپ کے مردے کی توہین کی گئی اور اس کا سر قصر خلافت کی دیوار پر نصب کیا گیا۔ چنانچہ جس وقت علی بن حمود نے سلیمان المستعین کے خلاف خروج کیا تو زاوی باوجودیکہ اس نے خود سلیمان کو خلیفہ بنایا تھا علی کے ساتھ مل گیا جس میں علی بن حمود کو کامیابی ہوئی تھی اور وہ قرطبہ پر قابض ہو گیا تھا۔ زاوی نے خیران صقلی اور منذر کے ساتھ ساز باز کر کے غرناطہ کے قریب وادی آش میں عبدالرحمٰن المرتضیٰ کو شکست دے کر قتل کر دیا تھا۔ کیونکہ انہی نے عبدالرحمٰن المرتضیٰ کو خلیفہ تسلیم نہ کیا تھا اور المرتضیٰ نے اس کو تائب کرنے کے لئے اس پر فوج کشی کی تھی۔ زاوی ایک جنگ جو سردار اور مصائب کو دور کرنے میں بہادر تھا۔ سیاست دانی، اصابت رائے، شجاعت، خود داری اور عاقبت اندیشی میں شہرت یافتہ تھا۔ اس نے اپنی قوم کی بڑی خدمت کی تھی۔ "زاوی نے لڑائیوں میں اندلس کے شرفاء اور جنگ آزما لوگوں کی قوت و شوکت کی ہولناکیوں کا اس قدر مشاہدہ کیا تھا کہ اندلس کی حکمرانی اس پر آسان ہو گئی لیکن اس نے اپنی عاقبت اسی میں سمجھی کہ اس ملک سے چلا جائے۔ چنانچہ اپنے اہل و عیال اور لشکر کو لے کر افریقہ واپس چلا گیا۔"[2] زاوی کے باپ زیری ابن مناد نے ابو یزید کی جنگ افریقہ میں بہت نام پیدا کیا تھا۔ جس کے بعد یہ اور اس کی پوری قوم خلفاء فاطمی کے وفاداروں میں اور بربر قبیلہ زناتہ کے مخالفین میں شمار ہوتے تھے۔

حبوس بن ماکسن

زاوی بن زیری نے افریقہ جاتے وقت اپنے بھتیجے حبوس کو اپنا جانشین بنایا۔ حبوس ایک وسیع النظر حاکم اور مدبر اور شجاع تھا۔ اس نے اپنی صلاحیتوں سے اپنے آپ کو تمام دباؤ سے آزاد کر لیا۔ شہر غرناطہ کو وسعت دی اور اس میں نئی نئی عمارتیں تعمیر کر کے اس کو خوبصورت بنایا۔ اس نے غرناطہ کے آس پاس کا تمام علاقہ فتح کر لیا تھا۔ یہاں تک کہ جیان اور قبرہ کو اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ آس پاس کے سرداروں سے دوستانہ مراسم قائم کئے۔ زہیر حاکم المریہ کے ساتھ مل کر اشبیلہ کے بنو

---

[1] عبرت نامہ اندلس جلد ۳ صفحہ ۹۸ [2] الاحاطہ جلد ا تذکرہ زاوی بن زیری

عباد کو شکست دی۔ اس نے تقریباً دس برس حکومت کی اور ۴۲۹ھ/۱۰۳۸ء میں مرا۔ حبوس کے عہد کا اہم ترین واقعہ ایک یہودی سموایل ہالیوی (اسماعیل بن نغزالہ) کا وزیر ہونا تھا۔ دراصل حبوس اپنے ایک نیم وحشی قوم سے ہونے کا عیب دور کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس کو اپنے علم و فضل پر ناز تھا۔ اس لئے اپنی قوم صنہاجہ کو بربری کے بجائے عربی النسل کہلواتا تھا۔ چنانچہ اپنا حاجب ایک ایسے شخص کو مقرر کرنا چاہتا تھا جو اوصاف و کمالات میں بے مثال ہو تاکہ حکومت کی شہرت اور عزت میں چار چاند لگ جائیں۔

سموایل ہالیوی (اسماعیل بن نغزالہ)

یہ یہودی تھا اور قرطبہ کا رہنے والا تھا۔ ایک مدت تک پہلے قرطبہ میں رہا پھر مالقہ میں پنساری کی دکان کرتا رہا۔ جس زمانہ میں سلیمان المستعین نے قرطبہ پر قبضہ کیا تھا۔ یہ یہودی قرطبہ سے مالقہ چلا آیا۔ یہاں اس نے حبوس کے ایک وزیر ابوالقاسم بن عریف کے محل کے سامنے دکان کھول لی۔ ہوتے ہوتے ابن عریف کے محل کی کنیزیں اور باندیاں سموایل سے خط لکھوانے آنے لگیں۔ یہ خطوط عموماً غرناطہ جایا کرتے تھے۔ ان خطوط کی عربی ادبیت، فصاحت و بلاغت اور طرز تحریر نے ابن عریف کو اس یہودی سے بڑا متاثر کیا۔ چنانچہ ابن عریف نے اس کو اپنا کاتب بنالیا اور اپنے ساتھ غرناطہ لے آیا۔ جب ابن عریف کی موت واقع ہوگئی تو حبوس نے سموایل کو اپنا وزیر مقرر کرلیا۔ یہ مسلم اسپین کا پہلا اور آخری یہودی وزیر تھا۔ ابن حیان نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ "یہ وزیر بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے کافی دور تھا مگر فی ذاتہ علم، حلم، فہم، ذکاوت، امانت، ثابت قدمی، تدبر اور مکر میں تمام لوگوں سے کامل تر تھا۔ اسے اپنے نفس پر پوری قدرت حاصل تھی۔ اخلاق وسیع رکھتا تھا۔ زمانے کو خوب پہچانتا تھا۔ دشمنوں کے ساتھ مدارات کرتا اور اپنے حلم سے ان کی دشمنی کو زائل کرنا اسی کا کام تھا۔ ارباب قلم اور اصحاب تعلیم کی طرف اس کی توجہ مبذول رہتی تھی۔ اس کو عربی زبان پر اس قدر قدرت حاصل تھی کہ اس زبان پر غور و فکر کرتا۔ کتابیں پڑھتا اور اصول کا مطالعہ کرتا تھا جس سے اس کے قلم اور زبان میں روانی آتی گئی۔ تحریر میں پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد پھر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت و درود اور دین و اسلام کی تعریف و فضائل بیان کرکے اپنا مدعا بیان کرتا تھا۔ علوم ریاضی سے واقف تھا۔ علم نجوم میں نکتہ رس تھا اور اسی نکتہ رسی سے تمام ریاضی دانوں پر فائق۔ علم ہندسہ اور علم منطق سے آگاہ اور جدول کے ایک ایک مسئلہ سے

مطلع تھا۔ گو وہ کم سخن تھا مگر ذکی تھا۔ اس کی نظروں میں ظاہری اسباب کی کوئی وقعت نہ تھی وہ ہمیشہ غور و فکر میں غلطاں رہتا تھا اور کتابوں کے جمع کرنے کی اسے دھن لگی رہتی تھی۔[۵۱]

یہودیوں سے اختلاف رکھنے کے باوجود عرب بھی اس کی لیاقت کے بڑے قائل تھے اور اس کو پسند کرتے تھے۔ وہ ایک اچھا شاعر اور فلاسفر تھا۔ بقول ڈوزی "سات زبانوں پر قادر تھا۔"[۵۲] اس یہودی وزیر نے عبرانی ادب کی بڑی خدمت کی تھی۔ اس نے تالمود کی شرح عبرانی زبان میں لکھی اور عربی نحو پر ۲۲ کتابیں تحریر کی تھیں۔ جن میں سب سے زیادہ مشہور کتاب الثروت تھی۔ اس کے علم اور فیاضی کی وجہ سے اس کی شہرت ایران، یروشلم، بغداد، مصر، افریقہ تک پہونچ گئی تھی۔ ان تمام اوصاف و شہرت کے باوجو سموایل میں غرور و تکبر نام کو نہ تھا۔ وہ کبھی اپنے ماضی کی ادنیٰ حالت پر شرمندہ نہ ہوتا تھا۔ ۴۱۸ھ / ۱۰۲۷ء میں یہودیوں نے اسے "نفید" (اسرائیلی شہزادہ) کا خطاب دیا تھا۔

بادیس بن حبوس

بادیس نام ابو مناد کنیت تھی۔ اس کا ۳۵ سالہ دور (۴۳۱ھ / ۱۰۳۸ء) تا ۴۶۶ھ / ۱۰۷۳ء غرناطہ کے خاندان بنو زیری کا دور عروج ہے۔ "وہ ایک طرف جری سرکش، جابر اور شرانگیز تھا تو دوسری طرف مدبر، دانش مند، صابر صاحب رائے اور بلند ہمت تھا۔ تیغ زنی، غارت گری اور مال و زر کی پس اندازی میں مشہور اور حریص تھا۔ اس کے عہد میں حکومت کی عزت و توقیر ہوئی۔ رعایا کو امن ملا۔ اس کے دور میں غرناطہ کی آبادی میں کثیر اضافہ ہوا۔[۵۳] رعایا اس کے خوف سے اس کی اطاعت گذار ہوئی اور سلطنت کی حدود میں اضافہ ہوا۔" فتح نے اپنی کتاب قلائد میں لکھا ہے۔ "بادیس بن حبوس غرناطہ کا بادشاہ تھا اپنے فریق مخالف کو تباہ کرنا، عدل و انصاف سے گریزاں رہنا اور حرام کو بے باکی اور جرات سے کرنا اور اس پر شرمندہ نہ ہونا اس کا شیوہ تھا۔ وہ انجام کی پرواہ کئے بغیر جو چاہتا کر گذرتا۔ زبان سے پہلے تلوار سے کام لیتا تھا۔ اس کا شر اس کے خیر پر غالب تھا وہ مکاروں سے زیادہ مکار اور مجرموں سے زیادہ مجرم تھا۔"[۵۴] فتح کا یہ بیان گو شدت سے بھرا ہوا معلوم ہوتا ہے لیکن ڈوزی کے اس بیان سے اس کی کسی حد تک تائید ہوتی ہے۔ "بادیس بدظن و منتقم، غدار اور خود سر تھا۔ شراب سے ہر وقت مست رہتا، فسق و فجور میں بڑھا ہوا تھا۔ ...... وہ قریباً ایک وحشی انسان تھا۔ ادب و تہذیب

---

[۵۱] الاحاطہ جلد ا تذکرہ "بادیس"
[۵۲] Spanish Islam - P.609
[۵۳] الاحاطہ جلد ا تذکرہ "بادیس"
[۵۴] ایضاً

اور علمی حسن لطافت سے اس کو نفرت تھی۔[1]"

المریہ اور غرناطہ کے درمیان ایک عرصہ تک دوستی رہی تھی اور دونوں نے مل کر اشبیلیہ کی فوجوں کو شکست دی تھی لیکن اب ان دونوں میں اختلافات بڑھ گئے تھے۔ ان اختلافات کی بڑی وجہ بادیس کا یہودی وزیر سموایل اور زہیر شاہ المریہ کا عرب وزیر احمد ابن عباس تھا۔ ابن عباس بھی سموایل کی طرح مشہور و معروف تھا۔ بیان کیا گیا ہے کہ زور تحریر' دولت کی طمع اور غرور میں اس کا مدمقابل کوئی نہ تھا۔ اس کے پاس ایک بڑا کتب خانہ تھا جس میں ایک لاکھ سے زیادہ کتابیں تھیں۔ اس کے تکبر اور غرور سے عوام اس سے ناراض تھے۔ کیونکہ ابن عباس خالص عربی النسل تھا اس لئے یہود اور بربر دونوں سے نفرت کرتا تھا۔ اس کو یہ پسند نہ تھا کہ اس کا آقا زہیر غرناطہ کے بربروں سے دوستی کرے چنانچہ اس نے غرناطہ کے خلاف حاکم قرمونہ ابن عبداللہ برزالی کو مدد پہنچائی جس کے سبب غرناطہ اور المریہ میں اختلافات بڑھ گئے۔ بادیس نے ایک بار پھر اپنے پڑوسی زہیر سے از سر نو تعلقات بحال کر کے اتحاد کرنا چاہا اور زہیر کو اپنے یہاں آنے کی دعوت دی۔" زہیر اپنی خود نمائی کے نشہ میں اس قدر چور تھا کہ تمام دور اندیشی اور احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر اپنی کثرت پر اعتماد کر کے غرناطہ کی طرف روانہ ہوا۔ یہاں تک بد احتیاطی کی کہ غرناطہ کی سرحد عبور کرنے کی اجازت بادیس سے نہ لی۔ گو بادیس کو اس کی اس حرکت سے شک ضرور ہوا۔ لیکن پھر بھی اس نے شاندار استقبال کیا اور بڑے اہتمام سے مہمانداری کی۔ اس کے برخلاف زہیر نے اپنے وزیر ابن عباس کے اشارے پر بادیس سے مغرورانہ برتاؤ کیا اور ایسی حرکات کیں جن کو بادیس تو برداشت کر گیا لیکن غیور بربر سرداروں نے اس کو توہین خیال کیا۔ ۴۳۰ھ/۱۰۳۸ء میں جب زہیر واپس اپنے علاقہ کی طرف جا رہا تھا تو البونت کا پل توڑ کر اس کو بادیس کی فوجوں نے گھیر لیا۔ سخت معرکہ ہوا جس میں زہیر قتل ہوا اور ابن عباس گرفتار کر کے غرناطہ میں قید ہوا اور کچھ عرصہ بعد قتل کر دیا گیا۔[2]

اشبیلیہ کے حاکم قاضی ابوالقاسم محمد نے غرناطہ کی قوت کو کمزور کرنے کے لئے وہاں بغاوت پھیلانے کی سازش کی۔ غرناطہ کے عوام بادیس کے شروع دور میں اس سے اچھی امیدیں وابستہ کئے ہوئے تھے لیکن وہ ظالم حیلہ ساز' دشمنوں کے خون کا پیاسا اور زبردست شرابی نکلا۔ چنانچہ عوام اس سے سخت نالاں اور ناراض ہوگئے۔ اس دوران زہیر اور ابن عباس کے قتل کا واقعہ پیش آیا جس نے غرناطہ کی عرب رعایا کو اور بھڑکا دیا اور انہوں نے بادیس کے خلاف بغاوت کا ارادہ کر لیا۔ بغاوت کا

---

[1] Spanish Islam P. 628

[2] اس واقعہ کی تصدیق کے لیے دیکھیے عبرت نامہ اندلس جلد ۳ ص ۸۳ تا ۹۱

سرغنہ ایک شخص ابوالفتوح نامی تھا۔ وہ ایران کے شہر جرجان کا رہنے والا تھا اور ۴۰۶ھ/۱۰۱۵ء میں اسپین آیا تھا۔ اس نے بغداد میں مشہور اساتذہ سے ادب و حکمت اور ہیئت کی تعلیم حاصل کی تھی۔ وہ ایک عالم ہی نہ تھا بلکہ بہادر جری اور ماہر سپاہی بھی تھا۔ اس نے دانیہ اور سر قسطہ کے درباروں میں کافی وقت گذارا تھا۔ بالآخر غرناطہ میں آباد ہو گیا تھا۔ یہاں پر عربوں کی قدیم شاعری بالخصوص حماسہ کی تعلیم دیتا تھا۔[1] اس کو یہ معلوم ہو گیا کہ غرناطہ کے لوگ بادیس کے سخت مخالف ہو رہے ہیں تو اس نے بادیس کے ایک عم زاد ۔عذیر کو تخت کی پیش گوئی کر کے بہکایا اور بغاوت پر آمادہ کر لیا لیکن سازش وقت سے پہلے ظاہر ہو گئی اور ابوالفتوح ۔عذیر اور دیگر سازشی اپنی جان بچا کر اشبیلیہ بھاگ گئے لیکن جب قرمونہ کے معرکے میں اشبیلیہ کی فوج کو شکست ہوئی اور اسماعیل مارا گیا تو گرفتار ہونے والوں میں ابوالفتوح بھی شامل تھا۔ چنانچہ غرناطہ لایا گیا اور کچھ دن کے بعد ۴۳۱ھ/۱۰۳۹ء میں قتل کر دیا گیا۔

بادیس نے ہمیشہ بنو حمود کی خلافت کی سیادت کو تسلیم کیا لیکن جب بنو حمود کو زوال ہو گیا اور بادیس کو اپنے داخلی اور خارجی معاملات سے بڑی حد تک اطمینان ہو گیا تو اس نے مالقہ کو بنو حمود سے چھین کر اپنی حکومت میں شامل کر لینے کا ارادہ کر لیا۔ بربروں نے کیونکہ بادیس کو متفقہ طور پر اپنا سردار تسلیم کر لیا تھا اس لئے مالقہ کے بربروں نے اس کی مخالفت نہ کی اور عربوں کے مقابلہ میں اس کا ساتھ دیا۔ جس کے نتیجہ میں بادیس نے ۴۵۰ھ/۱۰۵۸ء میں مالقہ پر قبضہ کر کے بنو حمود کو افریقہ کی طرف دھکیل دیا۔

اس زمانہ میں اشبیلیہ کے بنو عباد کا ستارہ عروج پر تھا اور المعتضد عبادی اپنی سلطنت کی حدود کی وسعت میں رات دن کوشاں تھا۔ اس نے بربروں کی ریاستوں رندہ، شریس اور ارکش پر قبضہ بھی کر لیا تھا اور بربروں کے بہت سے سردار قتل بھی کر دیئے تھے۔ اب بربر سرداروں میں صرف بادیس شاہ غرناطہ اس کا آخری طاقتور حریف باقی تھا۔ بادیس نے جب بربر ریاستوں پر المعتضد کے قبضے اور بربروں کے قتل عام کی خبر سنی تو وہ خاصہ پریشان ہوا اور اس نے اپنے ملک کے عربوں کی غداری سے مزید بچنے کے لئے یہ طے کر لیا کہ وہ غرناطہ کے تمام عرب سرداروں کو قتل کرا دے گا۔ لیکن اس کا یہودی وزیر سموایل ابھی زندہ تھا۔ اس نے بادیس کو ایسا غلط اقدام کرنے سے باز رکھنا چاہا لیکن جب بادیس نہ مانا تو سموایل نے حالات کی اطلاع تمام عرب سرداروں کے دے دی۔ جس سے عربوں نے

---

[1] Spanish Islam P.618

اپنی جانیں بچالیں۔ بادیس نے اشبیلہ پر حملہ کیا لیکن بے مقصد کشت و خون کے بعد ناکام واپس آ گیا۔ اس کے بعد مالقہ کے عربوں نے اشبیلہ کے ساتھ سازش کر کے بادیس کے خلاف بغاوت کر دی۔ المعتضد کا لڑکا معتمد فوج لے کر باغیوں کی مدد کو پہنچا لیکن بادیس نے اس کو شکست دے کر مالقہ کی بغاوت کو کچل دیا اور اس علاقہ پر اپنے اقتدار کو مزید مستحکم کر دیا۔

سموئیل وزیر کے مرنے کے بعد بادیس نے اس کے لڑکے یوسف کو اپنا حاجب بنالیا۔ گو یوسف بھی باپ کی طرح ایک لائق اور عالم شخص تھا لیکن باپ کی طرح اوصاف نہ رکھتا تھا۔ بادیس کی کثرت شراب نوشی کی وجہ سے یوسف کل اختیارات کا مالک بن بیٹھا تھا۔ اس نے اپنے جاسوس ہر جگہ چھوڑ دیئے تھے جو پل پل کی خبریں اس کو پہنچاتے رہتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے یہودی حکومت قائم کرنے کے لئے بادیس کے جانشین بلکین کو زہر دلوا کر مروا ڈالا تھا۔[1] اس نے دین موسوی کی علانیہ مخالفت کی اور اسلام کی نسبت بھی گستاخانہ کلمات کہے تھے۔[2] اس نے قرآن پاک کی بہت آیات کو ردوبدل کر کے اپنے مطالب کا بنالیا تھا۔ چنانچہ عرب اور بربر اس کے سخت دشمن ہو گئے۔ ایک عالم اور فقیہ ابو اسحاق البیری نے اس کے خلاف لوگوں کو بہت بھڑکایا۔ چنانچہ عوام اس کے محل پر چڑھ دوڑے اور نہ صرف یہ کہ اس کو قتل کر دیا بلکہ اس کے ساتھ تقریباً تین ہزار یہودی بھی مارے گئے۔

بادیس کے دور میں شہر غرناطہ کو بڑی ترقی اور خوشحالی میسر آئی۔ اس نے عوام کی فلاح و بہبود کے بہت سے کام کئے۔ دریائے دورو پر ایک پل بنایا۔ چاروں طرف علم و ادب کا چرچا ہوا۔ خصوصیت سے سموئیل یہودی کی بدولت غرناطہ اہل علم و فضل کا مرکز بن گیا۔ بہت سے مدارس قائم کئے گئے اور ان کے لئے بڑے بڑے اوقاف مقرر کئے گئے۔ بہت سے خوبصورت محلات تعمیر کئے گئے۔ الغرض عوام خوشحال تھے۔ صنعت و حرفت ترقی پر تھی۔ تجارت کے لئے تمام آسانیاں موجود تھیں۔ بادیس کے برے اوصاف اور بداعمالیوں کے باوجود غرناطہ میں امن و امان تھا البتہ دشمن اور باغی اس کی شدت غضب کا ضرور نشانہ بنے۔

تمیم اور عبداللہ

بادیس کے مرنے کے بعد مالقہ اور غرناطہ کی حکومت بالترتیب اس کے دو پوتوں تمیم اور عبداللہ کے درمیان تقسیم ہو گئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ عیسائی مسلمانوں کی آپس کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر اور

---

[1] الاحاطہ فی اخبار غرناطہ جلد ا تذکرہ "بلکین" [2] Spanish Islam P.651

مسلمان حکمرانوں کو ایک دوسرے سے لڑا کر شہر پر شہر فتح کرتے جا رہے تھے۔ جب مسلمانوں کی حالت زیادہ خراب ہو گئی اور انہوں نے سمجھ لیا کہ عیسائی یلغار سے وہ اپنے آپ کو زیادہ عرصہ محفوظ نہیں رکھ سکتے تو سب نے مل کر شمالی افریقہ کے مرابطی بادشاہ یوسف بن تاشفین کو اسپین آنے کی دعوت دی۔ یوسف جب اسپین آیا تو عبداللہ صاحب غرناطہ اور تمیم صاحب مالقہ بھی اپنی فوجیں لے کر اس کے ساتھ مل گئے۔ ۴۸۰ھ/۱۰۸۶ء میں جنگ زلاقہ ہوئی جس میں یوسف نے عیسائیوں کی متحدہ قوت کو بری طرح شکست دی۔ گو غرناطہ کے حاکم عبداللہ نے اس میں شرکت کی تھی لیکن چونکہ غرناطہ کے عوام کو بادیس کے ظلم و ستم اور یوسف یہودی کی خلاف اسلام حرکات نے بادیس کے خاندان کا دشمن بنا دیا تھا اس لئے انہوں نے اپنا نمائندہ قاضی ابو جعفر قلیعی کو بنا کر یوسف بن تاشفین کے پاس بھیجا اور خواہش ظاہر کی کہ وہ غرناطہ پر قبضہ کرے۔ عبداللہ کو جب اس بات کا پتہ چلا تو اس نے قاضی ابو جعفر کو قید کر دیا اور قریب تھا کہ وہ ان کو قتل کر دیتا لیکن عبداللہ کی ماں نے مداخلت کر کے قاضی کو رہا کرا دیا۔ قاضی ابو جعفر نے رہا ہوتے ہی عبداللہ کے خلاف ایک فتنہ کھڑا کر دیا۔ یہاں تک کہ ڈوزی کے کہنے کے مطابق ان ہی کے اشارے اور اصرار پر یوسف بن تاشفین نے غرناطہ پر فوج کشی کی تھی۔[1] عبداللہ تمام ملوک الطوائف میں سب سے زیادہ نالائق اور کمزور تھا۔ اس کے اندر اپنے باپ دادا جیسی صلاحیتوں کا فقدان تھا۔ کسی قدر تعلیم یافتہ تھا۔ اکثر عربی اشعار کہہ لیتا' اعلیٰ درجہ کا خوشنویس تھا اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن پاک ایک عرصہ تک غرناطہ میں محفوظ رہا۔ لیکن اس کے اندر حوصلہ و ہمت نہ تھی۔ آرام طلب اور کاہل الوجود تھا۔ مردانگی اور بہادری صرف اسی قدر تھی کہ تلوار کو دیکھ کر خوف کھا جاتا تھا۔ مزاج میں شک و شبہ اور غیر مستقل مزاجی بہت تھی لیکن اس پر بھی امیر یوسف بن تاشفین سے مقابلہ کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ چنانچہ شاہ لیون اور قشتالیہ سے امداد مانگی۔ لیکن ناکامی ہوئی۔ بالاخر مجبور ہو کر ۴۸۳ھ/۱۰۹۰ء میں غرناطہ کو یوسف کے حوالے کیا اور خود قید ہو گیا۔ یوسف نے آگے بڑھ کر مالقہ پر بھی قبضہ کر لیا اور پھر عبداللہ اور تمیم دونوں کو مراکش لے جا کر اغمات میں قید کر دیا اور اسی کے ساتھ بنو زیری کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

لہ Spanish Islam - P. 708

حکمران بطلیوس بنی افطس

طوائف الملوکی کے دور میں ایک بربر سردار ابو محمد عبداللہ بن مسلمہ تجیبی المعروف بہ ابن افطس نے صوبہ بطلیوس پر قبضہ کرکے اپنی آزادی کا اعلان کردیا۔ تاریخ سے اس بات کا صحیح پتہ نہیں چل سکا کہ ابو محمد عبداللہ نے کس سال میں اس علاقہ پر قبضہ کرکے اپنی آزادی کا اعلان کیا تھا۔ البتہ یہ پتہ چلتا ہے کہ جب قاضی ابوالقاسم محمد نے اشبیلہ کی سرحدیں وسیع کرنے کا ارادہ کیا اور باجہ پر فوج کشی کی تو ابو محمد عبداللہ نے اس کی مزاحمت کی تھی اور اپنے لڑکے محمد افطسی کو اس کے مقابلہ پر بھیجا تھا۔ جس میں محمد نے شکست کھائی تھی اور وہ اشبیلہ والوں کے ہاتھوں گرفتار ہوگیا تھا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ سے چند سال قبل ہی بنو افطس نے اپنی حکومت قائم کی تھی اور وہ اس وقت اتنا طاقتور نہ تھا کہ اشبیلہ والوں کا مقابلہ کرسکتا۔ ۴۲۱ھ/۱۰۳۰ء میں قاضی ابوالقاسم نے محمد افطسی کو رہا کردیا۔ ۴۲۶ھ/۱۰۳۴ء میں ابو محمد عبداللہ افطسی اس قابل ہوگیا کہ اپنی شکست کا بدلہ اہل اشبیلہ سے لے سکے۔ اس مقابلہ میں قاضی ابوالقاسم کا لڑکا اسماعیل بڑی مشکل سے اپنی جان بچاکر بھاگا۔ اس کے بعد اشبیلہ اور بطلیوس کے درمیان بہت سی لڑائیاں ہوئیں جن کی تفصیل دریافت نہ ہوسکی۔ البتہ ابو محمد عبداللہ کی حیات میں بطلیوس پر کسی نے قبضہ کرنے کی کوشش نہ کی۔ ابو محمد عبداللہ کے مرنے کے بعد اس کا لڑکا محمد المظفر اس کی جگہ تخت بطلیوس پر آیا۔ اس کی حکومت نہایت استحکام اور استقلال کے ساتھ قائم ہوئی اور اکابر ملوک الطوائف میں اس کا شمار ہوتا تھا۔[1] مظفر نے شاہ اشبیلہ معتضد کے خلاف کئی لڑائیاں لڑیں اور اس کو زک دی۔ ابن یحییٰ حاکم لبلہ کو بھی معتضد کے خلاف مدد دی۔ اس نے معتضد کے خلاف بربروں کا اتحاد بھی قائم کیا تھا۔ جس میں غرناطہ، مالقہ اور جزیرہ خضراء کے بربر شامل تھے۔ بالآخر مظفر کو معتضد کے ہاتھوں سخت ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔ جس کے بعد بطلیوس پر بڑی تباہی آئی۔ یہاں تک کہ اس کے اتحادیوں نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا لیکن مظفر ایک اولوالعزم اور مستقل مزاج حکمراں تھا۔ ایسی بری حالت میں بھی اس نے اپنی خودداری کو ہاتھ سے جانے نہ دیا اور کسی کے آگے گردن نہ جھکائی بلکہ حالات کے برخلاف یہی ثابت کیا کہ وہ بدستور سابق ایک طاقتور شخصیت ہے۔ قرطبہ کے ابن جہور نے بڑی جدوجہد کے بعد ۴۴۳ھ/۱۰۵۱ء میں مظفر اور معتضد کے درمیان صلح کرادی۔ ۴۴۹ھ/۱۰۵۷ء میں فرڈی نینڈ شاہ قشتالیہ نے

---

[1] ابن خلدون جلد ۵ ص ۳۶۱ (اردو)

بطلیوس پر حملہ کیا اور مظفر کے بہت سے علاقے چھین لئے تو مظفر نے مجبور ہو کر اس سے سالانہ خراج کی ادائیگی پر صلح کرلی۔ ۴۶۰ھ/۱۰۶۹ء میں محمد المظفر نے وفات پائی۔ اس کے بعد اس کا لڑکا ابو حفص عمر بن محمد المتوکل تخت بطلیوس پر بیٹھا۔ اس نے دیگر بادشاہان اسپین کی طرح یوسف بن تاشفین کو اسپین میں لانے کی سخت جدوجہد کی تھی۔ اور اپنے قاضی ابو اسحاق بن مسکانا کو دیگر افراد کے ساتھ یوسف کے پاس بھیجا تھا۔ یوسف نے اسپین میں وارد ہو کر سب سے پہلے اسی ریاست بطلیوس پر قبضہ کیا تھا۔ کیونکہ اس کے قریب زلاقہ کا میدان واقع تھا۔ جہاں پر یوسف کو عیسائیوں سے نبرد آزما ہونا تھا۔ یوسف کے اسپین سے جانے اور عیسائیوں کی طاقت کے کمزور ہونے کے بعد عمر متوکل نے دوبارہ بطلیوس پر قبضہ کرلیا۔ لیکن یوسف کے سپہ سالار اور اسپین میں نائب سیر بن ابوبکر نے بطلیوس پر حملہ کر کے متوکل کو شکست دے کر اس کو اور اس کے لڑکوں کو قتل کردیا اور اس طرح ۴۸۸ھ/۱۰۹۵ء میں ریاست بطلیوس کا خاتمہ ہو گیا۔

سرقسطہ کے بنو ہود

۴۰۰ھ/۱۰۱۰ء تا ۵۰۸ھ/۱۱۱۸ء

فتح اسپین کے بہادر اور جنگجو قبائل بربر کو ایسے سرحدی علاقوں میں خصوصیت سے آباد کیا گیا تھا۔ جو شمالی عیسائی ریاستوں کے قریب تھے۔ اس بنا پر ان کو بڑی بڑی جاگیریں بھی دی گئی تھیں تاکہ وہ اطمینان و سکون سے ان علاقوں میں آباد ہو سکیں اور عیسائیوں کی اچانک یلغار کو روکنے میں مدد دیں۔ انہی قبائل میں ایک قبیلہ بنی تجیب کا تھا جس کو عبدالرحمٰن الناصر کے عہد میں علاقہ ارغونہ کی گورنری وراثتاً دے دی گئی تھی۔ اس خاندان نے امیر محمد بن عبدالرحمٰن دوم کے زمانہ میں علاقہ ارغون میں بنو قسی کی بغاوت کو کچلنے میں بڑی خدمات ادا کی تھیں۔ اس کے بعد چالیس برس سے اس خاندان میں اس سرحدی علاقے کی گورنری نسلاً بعد نسلاً چلی آتی تھی[1]۔ ڈوزی نے لکھا ہے کہ "عرب کے شریف اور نجیب خاندانوں میں صرف ایک ہی خاندان ایسا تھا جس کو خلیفہ الناصر نے حکومت کے اعلیٰ مدارج پر برقرار رکھا تھا[2]۔ جس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ عربی خاندان تھا۔ خلیفہ الناصر کے دور میں اس خاندان کا سربراہ محمد بن ہاشم بن عبدالرحمٰن تجیبی تھا۔ اس نے ۳۲۱ھ/۹۳۴ء میں خلیفہ الناصر کے خلاف بغاوت کی تھی اور لیون اور نبرہ کی عیسائی ریاستوں سے تعلقات قائم کر کے اپنی آزادی کا

---

[1] Spanish Islam - P.425 [2] ایضاً ص ۴۲۷

اعلان بھی کر دیا تھا لیکن جب الناصر نے اس پر فوج کشی کی تو اس نے خلیفہ سے معافی مانگ لی اور اطاعت قبول کرلی۔ ڈوزی کا بیان ہے کہ "کیونکہ ابن ہاشم سلطنت قرطبہ میں بڑا صاحب اقتدار اور صاحب اثر تھا بلکہ خلیفہ الناصر کے بعد اسی کی قدرو منزلت زیادہ تھی اس لئے الناصر نے اس کا قصور معاف کر کے اس کو پھر اسی عہدے پر بحال کر دیا"۔ محمد بن ہاشم کے بعد سرقسطہ کی گورنری اس کے خاندان میں چلتی رہی۔ یہاں تک کہ منذر بن مطرف بن یحییٰ کا دور گورنری آیا۔

منذر بن مطرف[1]

جب بنو امیہ اسپین پر زوال کے آثار شروع ہوئے اور مہدی بن عبدالجبار کی بیعت ہوئی جس کے ساتھ ہی بنو عامر کا خاتمہ ہو گیا تو منذر نے بھی حالات سے فائدہ اٹھا کر سرقسطہ میں اپنی آزادی کا اعلان کر دیا اور اپنے لئے المنصور کا لقب اختیار کیا۔ اس نے علی بن حمود کے خلاف اور عبدالرحمٰن المرتضیٰ کی حمایت میں عیسائی حاکم برشلونہ کو اپنے ساتھ ملا کر قرطبہ پر فوج کشی بھی کی تھی لیکن بعد میں جب عبدالرحمٰن المرتضیٰ کو اپنے مطلب کا نہ پایا تو اس سے غداری کی اور غرناطہ کے زادی بن زیری سے ایک خفیہ معاہدہ کر کے عین میدان جنگ میں اپنے سپہ سالار سلیمان بن ہود کو اپنے ساتھ لے کر میدان جنگ سے فرار ہو گیا۔ المرتضیٰ اس لڑائی میں مارا گیا تھا۔ منذر نے ۴۱۴ھ / ۱۰۲۳ء میں وفات پائی۔ اس نے امن و سکون اور کامیابی سے اس علاقہ پر حکمرانی کی اور اپنے ہمسایہ عیسائی حاکم برشلونہ اور قشتالیہ سے دوستی کے معاہدہ بھی کئے۔

سلیمان بن ہود

منذر کے مرنے کے بعد اس کا لڑکا یحییٰ اور اس کے بعد اس کا لڑکا منذر دوم سرقسطہ کے تخت پر آئے لیکن دونوں نااہل اور ناکارہ تھے۔ - یحییٰ نے ۴۲۰ھ / ۱۰۲۹ء میں وفات پائی اور منذر دوم ۴۳۱ھ / ۱۰۳۹ء میں آپس کی خانہ جنگی میں مارا گیا۔ جس کے بعد سلیمان بن محمد بن ہود نے حکومت سرقسطہ پر قبضہ کر لیا اور اپنا لقب المستعین اختیار کیا۔ ابو ایوب سلیمان۔ منذر بن مطرف کے زمانہ میں سرقسطہ کی فوج کا سپہ سالار رہ چکا تھا چنانچہ فوج اس کی طرف دار تھی۔ اسی سلیمان بن ہود نے جس کا سلسلہ نسب ابن خلدون کے بقول سالمؓ مولیٰ حضرت ابو حذیفہؓ تک پہنچتا ہے۔ خاندان بنو ہود کی

---

[1] ابن خلدون نے اسے منذر بن مطرف لکھا ہے لیکن ڈوزی نے اسکو منذر بن یحییٰ لکھا ہے۔

سرقسطہ میں بنیاد ڈالی۔ ابو ایوب سلیمان نے تخت پر قابض ہوتے ہی اپنے لڑکوں کو مختلف علاقوں کا گورنر مقرر کیا۔ اس خاندان کی بابت تاریخ سے بہت کم معلومات بہم پہنچتی ہیں اور جو کچھ بھی ملتی ہیں وہ اس قدر پیچیدہ اور الجھی ہوئی ہیں کہ ان سے اس خاندان کے حکمرانوں کے عہد پر صحیح روشنی نہیں پڑسکتی۔ ۴۳۷ھ/۱۰۴۶ء میں سلیمان کے بعد اس کا لڑکا احمد بہ لقب المقتدر باللہ تخت سرقسطہ پر آیا۔ اس نے تقریباً ۳۷ برس حکومت کی۔ اس کے زمانہ میں نارمن قزاقوں نے لاردہ اور سرقسطہ کے درمیان ایک مضبوط قلعے بشتر پر قبضہ کرکے مسلمانوں کو زبردست جانی اور مالی نقصان پہنچایا۔ لیکن احمد المقتدر نے اشبیلیہ کی مدد لے کر نہ صرف قلعہ بشتر پر دوبارہ قبضہ کرلیا بلکہ نارمن قزاقوں کی بھی اچھی طرح گوشمالی کی (اشبیلیہ کے مشہور وزیر ابن عمار کا تذکرہ آئے گا وہ کس طرح سرقسطہ پہنچا تھا) احمد المقتدر زبردست مدبر اور دانش مند حکمران تھا اور اس کا دور حکومت امن و سلامتی والا تھا۔ اس نے سرقسطہ میں بہت سی تعمیرات بھی کیں اور علم و ادب کو بھی ترقی دی۔ اس نے ۴۷۴ھ/۱۰۸۲ء میں وفات پائی۔ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ احمد المقتدر نے یوسف بن تاشفین کو اپنے علاقے سے دور رکھنے کے لئے فرانس اور نشکنس سے امداد طلب کی تھی.........یوسف نے مقتدر کا محاصرہ کرلیا۔ یہ واقعہ ۴۴۳ھ کا ہے[1]۔ ابن خلدون کے علاوہ کسی تاریخ میں اس واقعہ کا اس سال ہجری میں وقوع پذیر ہونا نہیں پایا جاتا۔ تمام تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ یوسف بن تاشفین نے ریاست سرقسطہ پر کوئی حملہ نہیں کیا تھا بلکہ اس کے نائب اور سپہ سالار سرابن ابوبکر نے اس پر حملہ کیا تھا اور احمد المقتدر کے پوتے احمد المستعین کا دور حکومت تھا[2] جو اپنے باپ یوسف موتمن کے بعد تخت پر بیٹھا تھا۔ یوسف موتمن ۴۷۴ھ/۱۰۸۲ء میں سرقسطہ کا بادشاہ ہوا تھا۔ اسی کے زمانہ میں ابن عمار وزیر اشبیلیہ نے بہت سی کارگزاریاں دکھائیں تھیں جس کی وجہ سے موتمن اس سے بہت خوش تھا۔ ابن عمار ایک مہم میں دھوکہ سے گرفتار کرکے اشبیلیہ کے حوالے کردیا گیا تھا۔ ۲۴ سال حکومت کرکے یوسف موتمن نے انتقال کیا۔ احمد المستعین اس کے بعد تخت سرقسطہ پر آیا۔ احمد ہی کے زمانہ میں عیسائی بادشاہ الفانسو فتح اسپین کے زعم میں جہاں دیگر مسلم علاقوں پر قبضہ کررہا تھا وہاں اس نے سرقسطہ کو بھی فتح کرنے کے لئے اس کا محاصرہ کرلیا۔ جس وقت یوسف بن تاشفین اسپین میں داخل ہوا اس وقت الفانسو سرقسطہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھا۔ المستعین کو بھی یوسف کے آنے کی خبر لگ چکی

---

[1] ابن خلدون جلد ۵ ص ۳۶۷ (اردو ترجمہ) [2] تفصیل کیلئے دیکھئے........اندلس اور نفح الطیب۔

تھی۔ چنانچہ اس نے اپنی گرتی ہوئی حالت کو سنبھال کر الفانسو کا سختی سے مقابلہ کیا اور اس کو محاصرہ اٹھانے پر مجبور کر دیا۔ احمد المستعین کے تعلقات یوسف بن تاشفین سے عمدہ رہے اور اس کی حکومت یوسف کے حملے سے محفوظ رہی بلکہ ڈوزی کا بیان ہے کہ "یوسف بن تاشفین نے احمد سے یہ وعدہ کرلیا تھا کہ اس کی حکومت پر قبضہ نہ کیا جائے گا اور اپنے بیٹے علی کو بھی وصیت کی تھی کہ ہنو ہود سے صلح رکھے۔"[1] احمد المستعین کے زمانہ میں بقول ابن خلدون "واقعہ وشقہ پیش آیا تھا۔ وشقہ کو عیسائیوں سے بچانے کے لئے المستعین نے ۴۸۹ھ/۱۰۹۷ء میں ایک بے شمار فوج لے کر وشقہ پر چڑھائی کی۔ تقریباً دس ہزار مسلمان اس معرکے میں کام آئے اور المستعین کو ناکامی کے ساتھ پسپا ہونا پڑا تھا...... ۵۰۳ھ/۱۱۱۰ء میں جب عیسائی لشکر نے سرقسطہ پر فوج کشی کی تو المستعین سرقسطہ کے باہر ان سے مقابلہ کرتے ہوئے جام شہادت نوش کر کے راہی ملک عدم ہوا۔[2] لیکن ڈوزی نے اس کے شہید ہونے کا واقعہ نہیں لکھا ہے بلکہ اسی سال مذکورہ میں اس کی وفات کا ہونا تحریر کیا ہے اور کسی جنگ کا تذکرہ بھی نہیں کیا ہے۔[3]

احمد المستعین کی شہادت کے بعد سرقسطہ کے باشندوں نے اس کے لڑکے عبدالملک عماد الدولہ کی اطاعت اس شرط پر کرنے کا وعدہ کیا کہ وہ سرقسطہ کی فوج سے تمام عیسائی سپاہ کو الگ کر دے۔ کیونکہ سرقسطہ کی فوج میں عیسائی کثرت سے تھے اور تقریباً سو برس سے اس خدمت پر مامور تھے جن کو برطرف کر دینے کے معنی یہ تھے کہ ایک طرف تو سرقسطہ کی فوجی قوت کمزور ہو جاتی اور دوسری طرف عماد الدولہ کا اقتدار خطرے میں پڑ جاتا۔ لیکن عماد الدولہ نے پھر بھی اپنی رعایا کے جذبات کا خیال کرتے ہوئے عیسائیوں کو اپنی فوج سے نکال دیا۔ اس کے باوجود کہ شرط پوری کی جا چکی تھی پھر بھی سرقسطہ کے عوام نے علی بن یوسف تاشفین کو سرقسطہ پر قبضہ کرنے کی دعوت دی۔ عماد الدولہ کو جب رعایا کی اس ناشائستہ حرکات کا پتہ چلا تو اس نے دوبارہ عیسائیوں کو اپنی فوج میں داخل کر لیا جس سے اہل سرقسطہ کو اس پر مزید غصہ آیا اور انہوں نے علی بن یوسف سے امداد طلب کی۔ علی نے حاکم بلنیہ کو سرقسطہ پر قبضہ کرنے کا حکم دے دیا۔ عماد الدولہ سرقسطہ چھوڑ کر روطہ میں قلعہ بند ہو گیا اور وہاں سے علی بن یوسف کو اس کے باپ کی وہ وصیت یاد دلائی جو اس نے سرقسطہ کے متعلق کی تھی۔ علی بن یوسف نے سرقسطہ پر حملہ روکنے کا حکم دیا لیکن حکم پہنچنے سے پہلے سرقسطہ فتح ہو چکا تھا۔ اس کے بعد چند سال تک علی کا بہنوئی ابوبکر بن ابراہیم اس علاقہ پر حاکم رہا یہاں تک کہ ۵۱۳ھ/۱۱۱۹ء میں

[1] Spanish Islam - P.717 [2] ابن خلدون جلد ۵ صفحہ ۳۶۷ (اردو ترجمہ) [3] Spanish Islam - P.717

عیسائیوں نے رومیرو کی ماتحتی میں حملہ کرکے سر قسطہ پر قبضہ کر لیا اور پھر کبھی بھی یہ مسلمانوں کو واپس نہ مل سکا۔

بنو ہود کے زمانہ حکومت میں سر قسطہ علم و ادب کا گہوارہ تھا۔ بنو ہود علم کے بڑے مربی اور سرپرست تھے۔ المقتدر اور موتمن بڑے عالم اور ریاضی و ہندسہ کے زبردست ماہر تھے اور اس پر انہوں نے کئی کتابیں بھی تصنیف کی تھیں۔ دور دراز سے علماء کو جمع کیا تھا اور ان کو نوازا تھا۔ تعمیرات کے سلسلہ میں بنو ہود ملوک الطوائف میں کسی سے کم نہ تھے۔ احمد المقتدر نے دو عظیم الشان محل تیار کرائے تھے جو فن اور خوبصورتی میں اپنی مثال آپ تھے۔ ایک کا نام دارا لسرور اور دوسرے کا نام الجعفریہ تھا۔ جن کے آثار آج تک پائے جاتے ہیں کئی خوبصورت مساجد اور عوامی درسگاہیں بھی تعمیر کیں۔ ان کی تعمیرات میں عیسائی فن تعمیر کی جھلکیاں صاف نظر آتی ہیں۔ یہاں تک کہ مسجد کے مینارے کسی گرجا کے کلس سے مشابہت رکھتے ہیں۔ جس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی ثقافت پر عیسائیوں کے اثرات نمایاں تھے۔ صنعت و حرفت کے کسی خاص میدان میں سر قسطہ کو شہرت حاصل نہ تھی۔ لیکن ضروریات کی تمام صنعت وہاں موجود تھی۔ تجارت اندرونی طور پر خاصی ہوتی تھی لیکن راستوں کے پر خطر ہونے کی وجہ سے خارجی تجارت بہت کم ہوتی تھی۔ بنو ہود کے تعلقات کیونکہ اپنی ہمسایہ عیسائی ریاستوں سے اچھے تھے۔ اس لئے ان علاقوں سے تجارتی لین دین بھی زیادہ ہوتا تھا۔ احمد المقتدر کے زمانہ میں فرانس، لیون و قشتالیہ اور بشکنس سے سفارتی تعلقات کے قائم ہونے کا بھی پتہ چلتا ہے۔

طلیطلہ کے بنی ذوالنون

۴۲۷ھ / ۱۰۳۵ء تا ۴۷۷ھ / ۱۰۸۵ء

بنی ذوالنون قبائل بربر کی ایک شاخ بنو ہوارہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اس خاندان نے تقریباً پچاس برس آزادانہ طلیطلہ پر حکومت کی۔ یہاں تک کہ عیسائیوں کا اس پر قبضہ ہو گیا۔ اس خاندان کا مورث اعلیٰ ذوالنون فتح اسپین کے موقع پر عربوں کے ساتھ اسپین میں وارد ہوا تھا۔ یہ قبیلہ سخت فتنہ پرور اور جنگجو تھا اور نہ خود چین سے رہتا اور نہ دوسروں کو رہنے دیتا تھا۔ امیر عبداللہ کے زمانہ میں اس قبیلہ کی شرارتیں بے انتہا بڑھ گئیں تھیں اور ان کا سردار موسیٰ جو بڑا مفسد اور لٹیرا تھا۔ عوام الناس کو پریشان کرتا رہتا تھا۔ جسمانی طاقت اور ظلم و ستم میں اس کے تین لڑکے مسمی یحییٰ، فتح اور

مطرف اپنے باپ سے کسی طرح کم نہ تھے۔ ان تینوں نے لٹیروں اور قزاقوں کے گروہ اپنے پاس اکٹھے کر رکھے تھے جو دور دور تک ڈاکے ڈالتے اور قتل عام کرتے پھرتے تھے۔ ان سب کا مستقر شنت بریہ تھا جو طلیطلہ کے شمال مشرق میں وادی آنہ کے کنارے واقع تھا۔ حاجب المنصور نے ان کی جنگی صلاحیتوں کا اندازہ کرکے اور ان کی شرارتوں سے نجات پانے کے لئے اس قبیلہ کے بیشتر افراد کو فوج میں شامل کرکے ان کے ذریعہ بہت سی فتوحات حاصل کیں۔ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ "زمانہ فتنہ میں اسماعیل بن عبدالرحمٰن بن عامر بن مطرف بن ذوالنون نے طلیطلہ کے قریب ایک قلعہ اقلیتین پر قبضہ کرلیا۔ طلیطلہ شروع زمانہ فتنہ سے یعیش بن محمد بن یعیش کے قبضہ میں تھا جو وہاں کا والی تھا جب یعیش نے ۴۲۸ھ/۱۰۳۶ء میں وفات پائی تو طلیطلہ کی فوج کے سرداروں نے جن میں اکثریت بربروں کی تھی۔ اسماعیل کو قلعہ اقلیتین سے طلیطلہ پر قبضہ کرنے کے لئے بلایا اور اسماعیل نے طلیطلہ پر بلا مزاحمت قبضہ کرلیا۔ اسماعیل نے طلیطلہ پر قبضہ کرکے اپنی حدود حکومت مرسیہ کے علاقے تک بڑھائیں[1]۔" امام الدین صاحب نے ایک فرانسیسی مورخ کے حوالے سے ابن خلدون کے اس بیان سے کسی قدر اختلاف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "زمانہ فتنہ میں اہل طلیطلہ نے بنی ذوالنون کو طلیطلہ پر قبضہ کرنے کی دعوت دی۔ اس وقت عبدالرحمٰن بن عامر بن مطرف بن ذوالنون شنت بریہ کا حاکم تھا۔ اس نے اپنے بڑے لڑکے اسماعیل کو ۴۲۷ھ/۱۰۳۵ء میں طلیطلہ بھیجا لیکن طلیطلہ کے والی یعیش بن محمد نے اپنی آزادی کا اعلان پہلے ہی کردیا تھا۔ چنانچہ اسماعیل نے اس پر حملہ کرکے اس کی حکومت کو ختم کردیا اور خود اس پر قابض ہوگیا اس نے اپنا لقب الظافر اختیار کرکے طلیطلہ کے مشہور عالم ابوبکر الحدیدی کو اپنا وزیر بنالیا۔ اسماعیل نے ۴۳۵ھ/۱۰۴۳ء میں وفات پائی[2]۔"

یحییٰ المامون بن اسماعیل

اسماعیل کے بعد اس کا قابل ترین لڑکا یحییٰ المامون کے لقب سے تخت پر بیٹھا وہ اپنے خاندان کا زبردست بادشاہ گذرا ہے جس نے ۳۲ برس تک کامیابی کے ساتھ حکمرانی کی۔ تخت پر آتے ہی حاکم سرقسطہ سلیمان بن ہود سے وادی الحجارہ کے مسئلہ پر جنگ چھڑگئی۔ جس میں المامون کو شکست ہوئی۔ اور وہ پسپا ہوکر طلیرہ چلا آیا۔ اور پھر اپنی حالت کا اندازہ کرکے لیون و قشتالیہ کے بادشاہ فرڈی نینڈ

---

[1] ابن خلدون جلد ۵ صفحہ ۲۶۲ (اردو ترجمہ) [2] Political History of Muslim Spain-p.145

سے معاہدہ دوستی کرلیا۔ یحییٰ المامون نے کثرت سے عیسائی اپنی فوج میں بھرتی کئے اور آس پاس کی پڑوسی مسلم حکومتوں پر قبضہ کرکے اپنی حکومت کی حدود کو وسیع کرنا شروع کردیا۔ اسی دوران جب المامون کی طاقت میں اضافہ ہو رہا تھا تو عیسائیوں میں خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ چنانچہ المامون نے موقعہ سے فائدہ اٹھاکر عیسائیوں سے معاہدہ دوستی کو توڑ ڈالا۔ ۴۴۷ھ/۱۰۵۵ء میں شاہ لیون و قشتالیہ نے خانہ جنگی ختم کرکے اپنی طاقت کا لوہا تمام عیسائیوں سے منوالیا۔ پھر اس نے مسلمانوں کے علاقوں پر حملہ کرکے ان پر قبضہ کرنا شروع کردیا۔ اس نے طلیطلہ کے علاقوں پر بھی چھاپے مارے اور قلعہ النسر تک کا علاقہ فتح کرلیا۔ المامون میں اتنا دم نہ تھا کہ وہ اس سے جنگ کرسکتا۔ چنانچہ اس نے بذات خود فرڈی ننینڈ سے ملاقات کی اور اس کو سالانہ خراج کی ادائیگی اور بہت سا زر و جواہر دے کر اپنے علاقے محفوظ کئے[1] باوجود اس کے وہ عیسائیوں کا باجگذار بن گیا تھا لیکن پھر بھی اس نے اپنی حکومت کو بڑھانے کی کوششیں جاری رکھیں۔ وہ براہ راست تو عیسائیوں سے جنگ سے گریز کرتا رہا لیکن درپردہ ان کے خلاف دوسروں کی امداد سے کوتاہی نہ کی۔ چنانچہ ۴۵۷ھ/۱۰۶۵ء میں جب فرڈی ننڈ نے بلنسیہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تو المامون نے اپنے داماد شاہ بلنسیہ عبدالملک المظفر کو فوجی امداد دی۔ اسی حملے کے دوران فرڈی ننڈ سخت بیمار ہوکر لیون واپس چلا گیا۔ المامون نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھایا اور بلنسیہ پر خود قابض ہوگیا اور اپنے داماد عبدالملک المظفر کو قید کردیا۔ اس کے بعد اس نے جلیوس کے افطسی حکمران محمد بن عبداللہ افطسی سے کئی لڑائیاں لڑیں اور اس کا بہت سا علاقہ بھی فتح کرلیا۔ المامون کی ہوس ملک گیری بہت بڑھ چلی تھی اور اب اس نے قرطبہ پر قابض ہونے کا ارادہ کرلیا۔ اس نے ۴۶۳ھ/۱۰۷۰ء میں قرطبہ کا محاصرہ کرلیا۔ قرطبہ پر اشبیلیہ کے بنو عباد کی بھی نظریں تھیں۔ خود قرطبہ کے حالات بھی بدل چکے تھے۔ اس کی جمہوری حکومت کی تمام خصوصیات ختم ہوچکی تھیں اور عبدالملک بن ولید بن جہور سے اہل قرطبہ سخت نالاں تھے۔ یحییٰ المامون کے حملے کے وقت عبدالملک کے پاس اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ اس سے مقابلہ کرتا۔ چنانچہ اس نے اشبیلیہ کے حاکم معتمد عبادی سے مدد مانگی۔ معتمد نے زبردست کمک بھیجی جس نے المامون کو قرطبہ کا محاصرہ اٹھانے پر مجبور کردیا۔ المامون کے جاتے ہی اشبیلیہ کی فوجوں نے قرطبہ پر قبضہ کرلیا اور معتمد عبادی کی بادشاہت کا اعلان کردیا گیا۔ المامون دوبارہ اپنے عیسائی دوست الفانسو ششم کی مدد سے قرطبہ پر

---

[1] Spanish Islam - P.654

حملہ آور ہوا لیکن قرطبہ کے اشبیلی حاکم اور معتمد کے لڑکے عباد نے ان دونوں کو پسپا کردیا۔ قرطبہ کے ایک با اثر سردار ابن عکاشہ کو ملک گیری کی خواہش ہوئی اور اس نے المامون سے سازش کرکے عباد حاکم قرطبہ کو قتل کردیا اور یحیٰی المامون کی بادشاہت کا اعلان کردیا۔ المامون خود قرطبہ آیا اور ابن عکاشہ کا شکریہ ادا کیا۔ المامون نے اپنے عمل سے یہ ظاہر کیا کہ وہ ابن عکاشہ پر پورا بھروسہ رکھتا ہے۔ لیکن درپردہ وہ اس سے بہت خائف تھا کیونکہ وہ یہ جانتا تھا کہ ابن عکاشہ جیسے سنگ دل جرائم پیشہ سے خیر و بھلائی کی امید عبث ہے بلکہ اس کو ٹھکانے لگادینا ہی بہتر ہوگا۔ ابن عکاشہ بھی ایک جہاندیدہ تھا اس نے چند ماہ ہی میں محسوس کرلیا تھا کہ المامون اس کے لئے ایک خطرناک آدمی ثابت ہوگا اس لئے اس کو مار ڈالنے کے درپے ہوگیا۔ یہاں تک کہ المامون کو قرطبہ آئے چھ ماہ گذرے تھے کہ ۴۶۷ھ/۷۵-۱۰ء میں ابن عکاشہ کو موقعہ مل گیا اور اس نے المامون کو زہر دلوا کر مار ڈالا۔

المامون کے مرتے ہی معتمد شاہ اشبیلیہ نے قرطبہ پر قبضہ کرکے ابن عکاشہ کو قتل کرادیا۔ معتمد نے آگے بڑھ کر طلیطلہ کے وہ تمام علاقے جو وادی الکبیر کے علاقے میں تھے اپنے قبضہ میں کرلئے۔

المامون وہ پہلا بادشاہ تھا جس نے ہمیشہ عیسائیوں پر بھروسہ کیا اور ان کی دوستی اختیار کی۔ شاہ لیون و قسطالیہ سے معاہدہ دوستی کرکے اپنی فوج میں کثرت سے عیسائیوں کو شامل کیا۔ وہ فرڈی نینڈ کے پاس بذات خود دوستی کے لئے گیا تھا اور خود الفانسو ششم اس کے پاس بحیثیت مہمان کے ٹھہرا تھا۔ اس کا پورا دور حکومت اہل طلیطلہ کے لئے امن و سلامتی کا دور تھا۔ دربار طلیطلہ کی شان و شوکت عروج پر تھی۔ دولت کی فراوانی تھی۔ المامون خود بے انتہا خرچ کرنے والا اور عدل و انصاف کو قائم کرنے والا تھا۔ عوام اس کو پسند کرتے تھے اور اس کو اچھے ناموں سے یاد کرتے تھے۔

یحیٰی القادر

المامون کے مرنے کے بعد اس کا پوتا یحیٰی القادر تخت پر بیٹھا۔ یحیٰی القادر ناز و نعمت کا پروردہ اور خواجہ سراؤں کا ہم نشین تھا۔ نہایت بزدل اور کمزور تھا اس کی بزدلی کا یہ حال تھا کہ آس پاس کے چھوٹے چھوٹے والیان ریاست اس کا مذاق اڑاتے تھے اور مختلف حیلے بہانے سے اس کی دولت چھینا کرتے تھے۔ رعایا اس کے قابو سے باہر تھی جس کی بناء پر القادر نے الفانسو ششم سے مدد مانگی جو اس کا اور اس کے باپ کا دوست تھا۔ الفانسو نے بہت سی دولت کے عوض اس کی امداد کرنے کا وعدہ کرلیا۔ القادر نے الفانسو کو دینے کے لئے اہل طلیطلہ سے زبردستی دولت حاصل کرنا شروع کردی۔

جس پر اہل طلیطلہ نے بغاوت کر کے یحیٰ القادر کو شہر سے باہر نکل جانے پر مجبور کردیا اور بطلیوس کے بادشاہ عمرا لمتوکل کو اپنا بادشاہ بنالیا۔ القادر نے الفانسو ششم کے پاس پناہ لی اور الفانسو نے کثیر مال اور دولت اور چند قلعے دینے کی شرط پر القادر کو طلیطلہ واپس دلانے کا وعدہ کرلیا۔ چنانچہ اس نے اپنا وعدہ پورا کرنے کے لئے ۴۷۳ھ/۱۰۸۰ء میں طلیطلہ کا محاصرہ کرلیا اور تقریباً پانچ سال بعد ۴۷۷ھ/ ۱۰۸۵ء مین القادر کا طلیطلہ پر دوبارہ قبضہ ہوگیا اور عمرا لمتوکل طلیطلہ کو چھوڑ کر بطلیوس کو واپس لوٹ گیا۔ یحیٰ نے طلیطلہ آتے ہی اہل شہر سے دولت سمیٹ کر الفانسو ششم کے حوالے کرنا شروع کردی۔ جب اس پر بھی الفانسو کی ہوس زر پوری نہ ہوئی تو القادر نے بہت سے قلعے بھی اس کے حوالے کردیئے۔ طلیطلہ کی ذوالنونی ریاست ٹکڑے ٹکڑے ہوکر ہاتھوں سے نکلتی رہی۔ الفانسو کا پیٹ بھرنے کے لئے رعایا پر مظالم کرنا پڑے اور عوام کثرت سے طلیطلہ سے فرار ہونے لگے۔ جب یحیٰ القادر بہت مجبور ہوگیا اور الفانسو ششم کو مزید رقم فراہم نہ کرسکا تو الفانسو نے طلیطلہ کے علاقوں کو لوٹنا شروع کردیا۔ کچھ دن تک تو یحیٰ القادر گرتے ہوئے تخت حکومت کو اس طرح لپٹا رہا جس طرح کوئی ڈوبتا ہوا آدمی ٹوٹی ہوئی ناؤ کے تختہ سے لپٹا رہتا ہے۔ آخر کار ایک دن یہ گرفت بھی ہاتھ سے چھوٹ گئی اور مندرجہ ذیل شرائط پر طلیطلہ کو الفانسو ششم کے حوالے کرنا پڑا۔

۱۔ الفانسو اہل طلیطلہ کی جان و مال کا محافظ ہو گا۔
۲۔ اگر اہل طلیطلہ شہر چھوڑ کر کہیں اور جانا چاہیں تو ان کو نہ روکا جائے گا۔
۳۔ شہر والوں پر صرف ایک محصول لگایا جائے گا۔
۴۔ جامع مسجد پر مسلمانوں کا قبضہ رہے گا۔
۵۔ یحیٰ القادر کو بلنسیہ کی حکومت دلائی جائے گی۔

یہ تمام شرطیں منظور ہوگئیں اور ۲۵ مئی ۱۰۸۵ء (۲۷ محرم ۴۷۸ھ) میں الفانسو ششم شہر طلیطلہ میں ایک بادشاہ کی حیثیت سے داخل ہوا[1]۔ الفانسو نے البتہ بلنسیہ پر قبضہ کر کے یحیٰ القادر کو وہاں کا بادشاہ ضرور بنادیا لیکن یہاں پر بھی الفانسو اور اس کی فوج کے مصارف نے یحیٰ کو سخت پریشانیوں میں مبتلا رکھا۔ ان ہی حالات میں گذر کرتے ہوئے یحیٰ القادر نے ۴۸۵ھ/۱۰۹۲ء میں وفات پائی۔ ۴۹۶ھ/ ۱۱۰۲ء میں یوسف بن تاشفین نے اس پر قبضہ کرلیا۔

---

[1] Spanish Islam P.962-63

طلیطلہ پر عیسائیوں کا قبضہ: سپین کے مسلمانوں کی زبردست سیاسی شکست تھی۔ یہ شہر وسط اسپین میں واقع ہونے کی وجہ سے شمال کے عیسائیوں اور جنوب کے مسلمانوں کی حد فاصل تھا۔ یہ حقیقت تھی کہ یہ شہر جس فریق کے پاس ہوتا تھا وہ اپنے فریق مخالف پر ہمیشہ حاوی رہتا تھا۔ اس لئے ابتداء ہی سے مسلمانوں کی ہر ممکن کوشش رہی تھی کہ یہ شہر ان کے ہاتھ سے جانے نہ پائے۔ شمال کے عیسائیوں پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے اس اہم شہر پر قبضہ رکھنا مسلمانوں کے نزدیک بہت اہمیت رکھتا تھا۔ لیکن بنی ذوالنون کی مطلب پرستی اور جاہ طلبی نے بالاخر یہ شہر مسلمانوں کے ہاتھوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نکال دیا۔ مرابطین و مواحدین نے اس کو واپس لینے اور مستقل اپنا بنانے کی کوشش ضرور کی تھی لیکن وہ عارضی ثابت ہوئی اور یہ شہر کسی طرح بھی دوبارہ مسلمانوں کو واپس نہ مل سکا۔ اس شہر کے عیسائیوں کے قبضہ میں جاتے ہی جنوب کے مسلمانوں پر زوال و تباہی کے بادل چھا گئے اور عیسائیوں کی یلغار سے مسلمانوں کو کوئی نہ بچا سکا۔ "یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا کہ اس شہر پر عیسائیوں کا قبضہ مسلمانان اسپین کی تباہی کی داستان کا دیباچہ تھا۔" اگر سارا اسپین عیسائیوں کے پاس چلا جاتا اور صرف الحمراء اور طلیطلہ مسلمانوں کے پاس رہتے تو کوئی بھی طاقت مسلمانوں کو اسپین سے باہر نہ کر سکتی تھی اور ایک بار پھر مسلمان پورے اسپین پر قابض ہو سکتے تھے۔ اس شہر کے جاتے ہی عیسائیوں کے لئے جنوب کی راہیں کھل گئیں اور جیسے جیسے مسلمانوں کی آپس کی خانہ جنگی بڑھتی رہی ویسے ویسے عیسائیوں کا اقتدار جنوبی اسپین پر مضبوط ہوتا چلا گیا۔ جس کا انجام بعد کے صفحات دکھائیں گے۔ اسپین کے مسلمانوں کی تاریخ بنو ذوالنون کے اس سیاسی جرم کو معاف نہیں کر سکتی کہ ایک طرف تو انہوں نے عیسائیوں کو اپنی فوج میں کثرت سے شامل کر کے تربیت یافتہ فوجی بنایا اور مسلمانوں کے طریقہ جنگ سے واقف کرا دیا اور دوسری طرف طلیطلہ کو ان کے حوالے کر کے لاکھوں مسلمانوں کو قتل کرنے کا موقع فراہم کیا۔ ایک طرح سے بنو ذوالنون ہی کو ان تمام مسلمانوں کا قاتل سمجھا جا سکتا ہے۔

اشبیلہ کا خاندان بنو عباد

۴۱۴ھ / ۱۰۲۳ء تا ۴۸۴ھ / ۱۰۹۱ء

گیارہویں صدی عیسوی میں زوال بنو امیہ کے بعد اسپین میں جن چھوٹی بڑی حکومتوں نے سر ابھارا ان میں اشبیلہ کی عرب ریاست سب سے اہم اور زیادہ طاقتور تھی۔ اس حکومت کا بانی خاندان بنو عباد تھا۔ اس خاندان کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ عربوں کے لخمی قبیلے سے تعلق رکھتا ہے جو عراق کی ریاست حیرہ پر حکمرانی بھی کر چکا تھا۔ لیکن ڈوزی کے کہنے کے مطابق "ان کے اس دعویٰ کا ثبوت نہ تو خود ان کے پاس تھا اور نہ ان کے ہمدردوں کے پاس۔ ملوک حیرہ اور بنو عباد میں جو چیز مشترک تھی وہ صرف یہ تھی کہ دونوں یمن کے قبیلے لخم سے تھے۔ جس شاخ سے بنو عباد تھے ان کی سکونت کبھی حیرہ میں نہ رہی تھی۔ ان کا اصلی وطن عریش تھا۔ جو مصر و شام کی سرحد پر واقع تھا۔ حیرہ کے بادشاہوں سے اپنا نسب ملانا تو در کنار بنو عباد اپنے شجرہ نسب کو نعیم لخمی سے جو عطاف کا باپ تھا آگے نہ بڑھا سکے۔ عطاف اسپین میں بلج بن بشر کے ساتھ آیا تھا اور لشکر حمص کا سردار تھا۔ عطاف کے ساتھیوں کو اشبیلہ کے قریب زمینیں مل گئی تھیں اور خود عطاف حشانہ کے علاقے کے ایک موضع یامین میں آباد ہو گیا تھا۔[1] ابن خلدون نے بنو عباد کا شجرہ اس طرح بیان کیا ہے۔ "قاضی ابو القاسم محمد بن اسماعیل بن محمد بن اسماعیل بن قریش بن عباد بن عمرو اسلم بن عمرو بن عطاف ابن نعیم لخمی۔ عطاف نعیمی وہ شخص ہے جو ایک فوجی دستہ کے ساتھ بلاد اندلس میں سب سے پہلے داخل ہوا تھا۔ یہ لوگ لشکر حمص میں شامل تھے۔ عطاف نے قریہ حشانہ (اشبیلہ کے پورب) میں قیام کیا۔[2]

اس خاندان کی شہرت کی ابتداء محمد بن اسماعیل بن قریش بن عباد سے ہوئی جو حشانہ میں امام تھا اور اپنے علم کی بدولت کافی وقعت اور عزت کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا لیکن شہرت کو بام عروج تک پہنچانے والا محمد کا لڑکا اسماعیل تھا۔ جس نے اس خاندان کو نامور کر کے امراء اشبیلہ کی فہرست میں بنو عباد کا نام سرفہرست لکھایا۔ اسماعیل فقہ کا عالم اور بہادر مجاہد بھی تھا۔ خلیفہ ہشام المؤید کے زمانہ میں ایک لشکر کی سپہ سالاری بھی اس کو مل چکی تھی۔ جامع قرطبہ کا امام اور اس کے بعد اشبیلہ کا قاضی بنایا گیا تھا۔ "علم و فضل، عقلمندی، بلند ہمتی اور حسن تدبیر میں مشہور ہونے کے علاوہ نہایت دیانت دار

---

[1] Spanish Islam - P.598

[2] ابن خلدون جلد ۴ صفحہ ۱۵۶

بھی تھا۔ کبھی کسی سے نذرانہ، انعام قبول نہ کیا وہ فیاض اور سخی تھا۔[1] قاضی اسمٰعیل کے ان اوصاف کی بناء پر عوام اس کو مغربی اسپین کا سب سے بڑا شریف اور کریم کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ اس کا لڑکا ابوالقاسم محمد تھا جو عقل و دانائی میں باپ سے کسی طرح کم نہ تھا لیکن اخلاق سے خالی، مطلب پرست اور جاہ طلب تھا۔ آگے چل کر ابوالقاسم محمد ہی اشبیلیہ میں بنو عباد کی حکومت کا بانی ثابت ہوا۔

قاضی ابوالقاسم محمد

اشبیلیہ کیونکہ قرطبہ کے نزدیک ہی تھا اس لئے ہمیشہ اس کے حالات سے متاثر رہا تھا اور قرطبہ میں ہر تبدیلی اس پر بھی اثر انداز ہوتی تھی۔ بتایا جاچکا ہے کہ قرطبہ کے عوام نے قاسم بن حمود کو اپنے شہر سے نکال کر ایک جمہوری حکومت قائم کرلی تھی، جس کا صدر ابوالحزم ابن جہور تھا۔ قاسم بن حمود کیونکہ اشبیلیہ پر ایک عرصہ سے قابض تھا اور یہیں سے وہ قرطبہ گیا تھا اس لئے اہل اشبیلیہ بھی اس سے اور اس کے بربر سپاہیوں سے سخت نالاں تھے اور موقعہ کی فکر میں تھے کہ کب قاسم سے نجات حاصل کریں۔ جیسے ہی قاسم قرطبہ سے نکالے جانے کے بعد اشبیلہ کی طرف آیا تو اہل اشبیلیہ نے موقع غنیمت جان کر اس کو شہر میں داخل نہ ہونے دیا۔ قاسم کو مع اس کے بربر سپاہ کے باہر نکال دینے کے بعد اہل اشبیلیہ نے شہر کے انتظام کے لئے اور بربروں کے دوبارہ حملے سے محفوظ رہنے کے لئے قاضی ابوالقاسم محمد کو اپنا حاکم بنالیا۔ قاضی ابوالقاسم ایک چالاک اور عیار شخص تھا۔ وہ فوراً سمجھ گیا کہ اہل اشبیلیہ اس کی دولت کی وجہ سے اس کو حکومت سونپنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اس نے خطرناک حالات کا بہانہ بنا کر اس عہدے کو اختیار کرنے سے انکار کردیا۔ حقیقت بھی یہ تھی کہ نہ تو اشبیلیہ کی اپنی فوج تھی اور نہ خزانہ میں دولت کہ فوج کو ترتیب دیا جاتا۔ مزید یہ کہ شہر کے پرانے خاندانی امراء کی کشمکش بھی جاری تھی جو قاضی کے بھی دشمن ہوجاتے۔ چنانچہ قاضی ابوالقاسم محمد نے ہوشیاری سے اہل شہر کے سامنے یہ شرط رکھی کہ اگر کچھ لوگ انتظام حکومت میں اس کے شریک اور مددگار بنائے جائیں تو وہ حکومت اشبیلیہ کی ذمہ داری سنبھالنے کو تیار ہے۔

اہل اشبیلیہ اس وقت بربروں سے بہت خوفزدہ تھے چنانچہ فوراً قاضی ابوالقاسم کی اس شرط کو منظور کرلیا اور قاضی نے چند عالی نسب لوگوں کو منتخب کرلیا۔ جس میں محمد بن یریم، ہوزنی، ابن حجاج الھانی اور ہشام المؤید کے استاد اور مشہور عالم ابوبکر الزبیدی شامل تھے۔ ابوالقاسم محمد نے فوراً ہی

---

[1] Spanish Islam P.598

اشبیلہ کی ایک مختصر سی فوج بھرتی کی جس کی تعداد ۵۰۰ بتائی جاتی ہے اور اپنی حکومت کو وسعت دینے کے خیال سے مشرقی اسپین کے دو قلعے جن میں عیسائی آباد تھے اور ان پر کوئی حاکم نہ تھا فتح کر لئے۔ عربی مورخین نے ان قلعوں کا نام الاخوان بتایا ہے ان قلعوں کے تین سو عیسائیوں کو اشبیلہ کی فوج میں شامل کر لیا گیا جس سے اس کی فوج میں کافی اضافہ ہو گیا۔

۴۱۸ھ / ۱۰۲۷ء میں یحییٰ بن علی بن حمود نے اشبیلہ پر حملہ کیا۔ اہل اشبیلہ میں مدافعت کی قوت نہ تھی۔ چنانچہ اس شرط پر صلح کی آمادگی ظاہر کی کہ بربر فوج شہر میں داخل نہ ہو گی۔ یحییٰ نے یہ شرط قبول کر لی لیکن ضمانت کے طور پر چند عالی نسب نوجوانوں کو طلب کیا۔ اہل اشبیلہ میں سے کوئی بھی اپنا جوان دینے پر آمادہ نہ ہوا اور قریب تھا کہ بربر شہر میں داخل ہو جائیں کہ قاضی ابوالقاسم نے نہایت بہادری اور دلیری کا ثبوت دیا اور اپنے لڑکے عباد کو یحییٰ کے حوالے کر دیا۔ جو بطور یرغمال کافی سمجھا گیا۔ قاضی ابوالقاسم کی اس بے مثال قربانی نے اس کی عزت و توقیر کو اور بلند و مستحکم کر دیا چنانچہ اس واقعہ کے بعد قاضی ابوالقاسم کو اس بات کی ضرورت محسوس نہ ہوئی کہ وہ مشیروں اور شرکاء کے ساتھ مل کر حکومت کرے۔ اس لئے تمام مشیر علیحدہ کر دیئے گئے۔ اور ابوبکر زبیدی کو شہر بدر کر دیا گیا۔ قاضی ابوالقاسم نے اپنا وزیر حبیب نامی ایک گمنام اور معمولی شخص کو مقرر کیا۔ جو اگرچہ بے اصول تھا لیکن بے انتہا محنتی اور جفاکش اور ذہین تھا۔ اس میں بڑی صفت یہ تھی کہ اپنے آقا کا کلی طور پر مطیع و فرمانبردار تھا۔ حاکم قرمونہ سے دوستی کر کے قاضی ابوالقاسم نے اشبیلہ کی حدود کو وسعت دینے کے لئے باجہ کے علاقے پر حملہ کر دیا۔ شاہ بطلیوس نے اپنے لڑکے محمد افطسی کو اس شہر کی حفاظت کے لئے بھیجا۔ اس کو قاضی کے لڑکے اسماعیل نے شکست دے کر قرمونہ میں قید کر دیا۔ پھر بطلیوس اور قرطبہ کے بہت سے علاقوں کو تاخت و تاراج کیا۔ ۴۲۱ھ / ۱۰۳۰ء میں جب دونوں میں لڑائی بند کرنے کا معاہدہ ہوا تو قاضی ابوالقاسم نے محمد افطسی کو تعلقات کو مضبوط بنانے کے خیال سے رہا کر دیا۔ اس کے ۴ سال کے بعد ۴۲۶ھ / ۱۰۳۴ء میں جب قاضی ابوالقاسم کا لڑکا اسماعیل بطلیوس کے علاقہ سے گذر کر لیون جانا چاہتا تھا۔ بطلیوس کے حاکم ابو محمد عبداللہ افطسی نے اس پر حملہ کر کے پورے اشبیلی لشکر کو تباہ کر دیا۔ اسماعیل بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر بھاگ سکا۔ اس کے بعد بطلیوس اور اشبیلہ کے درمیان کئی لڑائیاں ہوئیں جن کی تفصیل دستیاب نہ ہو سکی۔

اسی دوران یحییٰ بن علی حمود نے بڑی طاقت حاصل کر لی اور تمام بربروں کا سردار تسلیم کر لیا گیا۔

اس نے قرمونہ کے حاکم محمد بن عبداللہ برزالی سے قرمونہ چھین لیا اور قرطبہ اور اشبیلیہ پر بھی حملہ کی دھمکیاں دینا شروع کردیں۔ قاضی ابوالقاسم کے لئے یہ وقت بڑا نازک تھا۔ "مگر اس نازک حالت میں اس نے ایک ایسی تدبیر سوچ نکالی کہ اگر ذاتی اغراض کے لئے یہ نہ سوچی گئی ہوتی تو حقیقت میں بڑی شریفانہ اور قوم و ملک کے لئے بڑی مفید ثابت ہوتی۔"[1] یعنی بربروں کے خلاف تمام غیر بربر اقوام کو متحد کرنے کی تدبیر کی۔ تاکہ بربروں کی طاقت کو آگے بڑھنے سے روکا جاسکے۔ کیونکہ عوام الناس کے ذہنوں سے ابھی تک ہشام المویٔد کی حیثیت ختم نہ ہونے پائی تھی ان کے دل ابھی تک خاندان بنو امیہ سے وابستہ تھے اور ان کو اس بات کا پوری طرح یقین نہ آیا تھا کہ خلیفہ ہشام المویٔد زندہ نہیں ہیں۔ قاضی ابوالقاسم نے عوام الناس کے اس نازک پہلو سے نہایت ہوشیاری سے فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ ایک فرضی شخص کو ہشام المویٔد ثابت کرکے عوام کے سامنے پیش کیا۔ معتبر تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ہشام المویٔد دراصل خلف نامی ایک بوریہ بنانے والا تھا جو قلعہ رباح میں رہتا تھا۔ اس شخص کی شکل و صورت ہشام المویٔد سے بہت ملتی تھی۔ خلف کو بھی اس بات کا پورا احساس تھا اور وہ اکثر خود کو ہشام المویٔد بتایا کرتا تھا۔ اس نے اپنے عادات و اطوار بھی بڑی حد تک شاہانہ بنالئے تھے اور قلعہ رباح میں ہشام المویٔد کے نام سے بغاوت بھی کی تھی۔ جس کو بنی ذوالنون نے دبادیا تھا۔ قاضی ابوالقاسم نے اسی خلف کو ہشام المویٔد بنا کر اس کی خلافت کا اعلان کردیا اور خود اس کا حاجب بن گیا۔ اس کی یہ چال کامیاب رہی اور قرمونہ، بلنسیہ، دانیہ، جزائر شرق الاندلس اور طرطوشہ کے حاکموں نے اس کی خلافت کو تسلیم کرلیا۔ قرطبہ کے عوام کے بے حد اصرار پر اور بربروں کے خطرے کے پیش نظر ابوالحزم ابن جہور نے بھی اس کی اطاعت کرلی۔ اسماعیل اور والی قرمونہ نے مل کر قرمونہ پر حملہ کیا۔ جو اس وقت جہور یحییٰ حمودی کا مستقر تھا۔ یحییٰ مقابلہ پر آیا لیکن شراب سے اس قدر بے خود تھا کہ کارگر تدبیر نہ سوچ سکا اور عین میدان جنگ میں مارا گیا۔ محمد بن عبداللہ برزالی نے قرمونہ پر دوبارہ قبضہ کرلیا۔ بنی حمود کی اس تباہی کے بعد اہل قرطبہ نے ابن جہور کے سمجھانے پر فرضی ہشام المویٔد کی بیعت ختم کردی۔ اور قاضی ابوالقاسم کو جو ہشام المویٔد نقلی کو لے کر قرطبہ آرہا تھا شہر میں داخل نہ ہونے دیا۔ المریہ کے سقلبی حاکم زہیر نے بھی فرضی ہشام المویٔد کی بیعت نہ کی تھی۔ اور بنی حمود کی خلافت تسلیم کرتا تھا۔ چنانچہ قرطبہ سے واپسی میں اسماعیل نے المریہ پر حملہ کردیا۔ زہیر نے اپنی کمزوری دیکھ کر بادشاہ غرناطہ حبوس سے مدد مانگی اور دونوں نے مل کر اشبیلیہ کی فوج کو شکست دے

لے 1. Spanish Islam - P.602

دی۔ قاضی ابوالقاسم نے غرناطہ کی بربری حکومت کی طاقت کو توڑنے کے لئے ان کے اندر پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی اور ایک شخص ابوالفتوح کو بغاوت پر آمادہ کرلیا۔ ابوالفتوح نے حبوس شاہ غرناطہ کے بھائی ۔ مذیر کو بادشاہ بنانے کا لالچ دے کر اپنی طرف ملالیا لیکن یہ سازش کامیاب نہ ہو سکی۔ بہت سے سازشی جان بچا کر اشبیلیہ بھاگ گئے اور ابوالفتوح مار ڈالا گیا۔ (غرناطہ کے بنو زیری میں اس کا ذکر تفصیل سے آچکا ہے) اسی اثناء میں حاکم قرمونہ محمد ابن عبداللہ بزرالی نے شاہ غرناطہ سے اتحاد کر کے اشبیلیہ کے خلاف جنگ چھیڑی دی جس میں قاضی ابوالقاسم کا لڑکا اسماعیل مارا گیا اور اشبیلیہ کا بہت سا علاقہ غرناطہ کے قبضہ میں چلا گیا۔

۲۰ برس کامیابی کے ساتھ آزادانہ حکمرانی کر کے قاضی ابوالقاسم محمد نے ۴۳۳ھ / ۱۰۴۲ء میں وفات پائی۔ بلاشبہ اس نے طاقت سے حاصل کی ہوئی ایسی حکومت اپنے بعد چھوڑی تھی جو مضبوط تو نہیں کہی جاسکتی تھی لیکن پھر بھی جگہ جگہ سے نکالے ہوئے عربوں کا مسکن ضرور بن گئی تھی۔

ابو عمرو عباد المعتضد باللہ

قاضی ابوالقاسم محمد کے بعد اس کا ۲۶ سالہ لڑکا ابو عمرو عباد تخت اشبیلیہ پر بیٹھا۔ اس نے بھی اپنے آپ کو فرضی ہشام المؤید کا حاجب مقرر کیا اور اپنا لقب المعتضد باللہ اختیار کیا۔

کردار

عباد المعتضد بڑا مدبر اور سیاست دان تھا۔ اپنے باپ کی طرح حکومت کے معاملات پر پوری نظر رکھتا تھا۔ صاحب علم اور ایک اچھا شاعر تھا اس کی لکھی ہوئی نظمیں حسن کلام کا اعلیٰ نمونہ سمجھی جاتی تھیں۔ اپنے زمانے کے شعراء میں وہ لائق ترین سمجھا گیا ہے۔ علم دوست اور ہنر پرور تھا۔ اور شاعروں کو ان کے اچھے کلام پر انعام دیتا تھا۔ ایک طرف حسن و جمال کا شیدا اور دل کا نرم تھا تو دوسری طرف ظالم وسفاک تھا۔ ڈوزی نے لکھا ہے کہ ”صاحب اشبیلیہ کی دشمنی ایک ایسی بھوک تھی جو کبھی ختم ہونا نہ جانتی تھی۔ اس کی دشمنی دشمن قتل ہونے کے بعد بھی دشمن کا پیچھا نہ چھوڑتی تھی۔ وہ اپنے دشمنوں کی کھوپڑیوں میں رنگین اور خوبصورت پھولوں کے پودے لگواتا اور ہر کھوپڑی پر ایک پرچہ لگوادیتا جس پر مقتول کا نام درج ہوتا تھا۔ جس سے کینہ پڑجاتا۔ اس سے ہر حال میں بدلہ نکالتا تھا۔ وہ بڑا ہی بدظن انتقام لینے والا اور خود سر تھا۔ شراب میں ہمیشہ بدمست رہتا تھا اور بدکاری میں شرم محسوس نہ کرتا تھا۔ فطرتاً عیش پسند تھا۔

کہا جاتا ہے کہ اس کے حرم میں آٹھ سو منتخب حسین عورتیں تھیں۔ لیکن ان سب برائیوں کے باوجود تہذیب و شائستگی کو ہاتھ سے نہ جانے دیتا۔ شراب کی مستی میں حد سے نہ بڑھتا تھا۔ بادہ نوشی کی مجلسوں میں ایک نرالا حسن پیدا کر دیتا تھا۔ جسمانی طور پر بڑا مضبوط تھا اور باوجود عیاشی کے حکومت کے معاملات میں بڑا چاق و چوبند رہتا تھا۔ اس کی نیت اور ارادہ کا پتہ اس کے قریب ترین دوستوں کو بھی نہ چلتا تھا وہ لوگوں کے دلوں کے حال کو بخوبی جان لیتا تھا مگر خود اس کے دل کا حال مجال نہ تھی کہ چہرے کے تاثرات یا آواز کی لغزش تک سے معلوم ہو جائے۔ تمام زندگی لڑائیوں میں مشغول رہا۔ ہمت و مردانگی میں بھی کسی سے کم نہ تھا۔ اس پر بھی دو ایک مرتبہ کے علاوہ کبھی خود فوج لے کر میدان میں نہ اترا البتہ لڑائی کا نقشہ تیار کرنے میں کمال رکھتا تھا۔ اس کا جاسوسی نظام بہت منظم اور اعلیٰ تھا اور اسپین کے تمام ملوک الطوائف کے درباروں میں اس کے جاسوس موجود تھے جو اس کو تمام حالات سے مطلع کرتے رہتے تھے۔ ضرورت کے وقت طرح طرح کے حیلے بہانے اور چالیں پیدا کرنے میں ماہر تھا اور تراکیب اور بہانوں کا ایک لازوال خزانہ اس کے پاس تھا۔

کارنامے

تخت پر آتے ہی المعتضد نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے باپ کے وزیر حبیب کو قتل کرا دیا۔ اس کے بعد اس نے بربروں سے اپنا دامن چھڑانے کے لئے جنگ شروع کر دی۔ قرمونہ کے حاکم محمد بن عبداللہ برزالی سے ایک زبردست جنگ ہوئی جس میں حاکم قرمونہ مارا گیا لیکن اس کے جانشین اسحٰق نے معتضد سے لڑائی جاری رکھی۔ معتضد نے یہ طے کر لیا تھا کہ وہ حکومت اشبیلیہ کی حدود بحر روم کے ساحل تک لے جائے گا۔ چنانچہ اس نے مرتلہ کے حاکم ابن طیفور سے جنگ چھیڑ دی۔ لبلہ کے عرب حاکم محمد بن یحییٰ نے ابن طیفور کی مدد کی لیکن پھر بھی ۴۳۶ھ / ۱۰۴۴ء میں معتضد نے مرتلہ پر قبضہ کر لیا اور پھر لبلہ کی طرف بڑھا۔ لیکن ابن یحییٰ نے حاکم بطلیوس المظفر کی مدد سے اس کو پیچھے ہٹا دیا۔ اس کے بعد ابن یحییٰ نے بادیس شاہ غرناطہ محمد المہدی حاکم مالقہ اور محمد بن قاسم بن حمود حاکم الخضراء کو ملا کر معتضد کے خلاف ایک اتحاد قائم کیا۔ قرطبہ کے مدبر ابوالولید جہور نے ان سب میں مصالحت کرانے کی حتی الامکان کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ گو کہ یہ اتحاد حکومت اشبیلیہ کے لئے بڑا خطرناک تھا۔ لیکن پر عزم معتضد اس سے قطعاً ہراساں نہ ہوا اور اس نے نہایت ہوشیاری اور چالاکی سے محمد ابن یحییٰ کو اس اتحاد سے توڑ کر اپنی طرف ملا لیا۔ جس سے غضب ناک ہو کر شاہ

بطلیوس مظفر نے لبلہ پر حملہ کر دیا۔ معتضد نے ابن یحییٰ کی مدد کی اور بطلیوس کا لشکر ناکام ہو کر واپس ہوا۔ اب اس کے جواب میں معتضد نے اپنے بڑے لڑکے اسمٰعیل کو باجہ کے شمال میں یبورہ کے علاقہ کو تاخت و تاراج کے لئے بھیجا۔ مظفر نے اس لشکر کو روکنا چاہا لیکن بری طرح شکست کھائی اور اس کے ۴ ہزار سپاہی مع اسحاق حاکم قرمونہ کے مارے گئے۔ اس مرتبہ پھر ابوالولید جہور نے درمیان میں پڑ کر بڑی کوشش کے بعد ۴۴۲ھ/۱۰۵۱ء میں مظفر اور معتضد کے درمیان صلح کرا دی۔ اس صلح کے بعد معتضد نے فوراً ہی لبلہ پر حملہ کر دیا۔ ابن یحییٰ کے پاس مقابلہ کرنے کے لئے کچھ نہ تھا۔ اس لئے وہ قرطبہ چلا گیا اور شہر لبلہ پر معتضد بلا مزاحمت قابض ہو گیا۔ عبدالعزیز بکری جو اس وقت ریاست ولبہ اور جزیرہ سلطیش کا حاکم تھا سمجھ گیا کہ اب اس کی باری ہے۔ چنانچہ اس نے پہلے ہی سے ریاست معتضد کے حوالے کی اور خزانہ و مال لے کر قرطبہ میں آباد ہو گیا۔ ولبہ کے بعد شلب کا نمبر تھا۔ یہاں پر ایک عرب حاکم تھا جو خاندان بنو مزینہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے اپنی ہمت کے مطابق اشبیلہ کی فوجوں کا سخت مقابلہ کیا لیکن پھر بھی ۴۴۳ھ/۱۰۵۱ء یا ۴۴۴ھ/۱۰۵۲ء میں یہ علاقہ معتضد کے قبضہ میں آگیا۔ پھر معتضد نے آگے بڑھ کر ساحل سمندر کے شہر شنت ماریہ الغرب پر حملہ کیا جس کے حاکم محمد بن سعید نے کچھ دن مقابلہ کیا لیکن معتضد اس پر بھی قابض ہو گیا۔ ۴۴۷ھ/۱۰۵۵ء میں معتضد نے اپنے لڑکے محمد کو اس علاقہ کا گورنر مقرر کر دیا۔

مغرب کی طرف اپنی سلطنت کو وسیع کرنے کے بعد معتضد نے جنوب کی بربر ریاستوں کی طرف توجہ کی۔ گو ان میں سے بہت سی بربر ریاستوں نے اس کی اطاعت مان لی تھی لیکن معتضد ان کو بالکل ہی ختم کرنا چاہتا تھا۔ جس کے لئے وہاں کے عوام کے رجحانات کا اندازہ کرتا تھا۔ چنانچہ ایک دن چار ہمراہیوں کے ساتھ اپنی باجگذار بربر ریاستوں رندہ اور مورور کے حاکموں کے درمیان پہنچ گیا۔ بظاہر سب نے اس کا شاندار استقبال کیا لیکن موقع غنیمت دیکھ کر اس کے قتل کی سازش کرنے لگے۔ ایک روز جبکہ معتضد بظاہر سویا ہوا تھا۔ اس کو ان بربر حاکموں کی سازش کا علم ہو گیا۔ یقیناً معتضد اس روز قتل کر دیا جاتا لیکن حاکم رندہ کے ایک عزیز معاذ بن ابی قرہ کی لعنت و ملامت اور دانش مندی سے اس کی جان بچ گئی۔ معتضد نے اس واقعہ پر کسی قسم کا اظہار نہ کیا بلکہ اس کے برخلاف ایسی باتیں کیں جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ ان بربر سرداروں کی دوستی پر فخر کرتا ہے۔ اشبیلہ واپس آنے کے چھ ماہ بعد معتضد نے حاکم مورور، رندہ، ارکش، اور سریش کے ساتھ دیگر ساٹھ بربر سرداروں کو اپنے یہاں دعوت پر مدعو کیا۔ جب تمام لوگ اشبیلہ آگئے تو نہانے کے بہانے سے ان سب کو حمام میں داخل

کر کے باہر سے بند کر دیا۔ حمام کی گرمی سے وہ سب کے سب اسی جگہ مر گئے۔ صرف معاذ بن ابی قرہ کو روک لیا۔ کیونکہ اس نے معتضد کی جانچ بچائی تھی۔ اس کو انعام و اکرام سے نوازا گیا۔ بعد میں اسے اشبیلیہ کی فوج کا سپہ سالار مقرر کر دیا گیا۔ اس طرح جنوب کی تمام بربر ریاستوں پر معتضد کا قبضہ ہو گیا۔

جس وقت معتضد ایک طاقتور عرب حکمران کی حیثیت سے مقبول ہو رہا تھا۔ اس وقت بادیس شاہ غرناطہ اس کے خلاف بربروں کو متحد کرنے میں مصروف تھا۔ جنوبی بربر ریاستوں کے بربر سرداروں کی اذیت ناک موت نے بادیس کو غضب ناک کر دیا۔ جس کے جواب میں غرناطہ اور مالقہ کی عرب رعایا کو ختم کرنے کا تہیہ کر لیا لیکن یہودی وزیر سموئیل کی وجہ سے یہ ممکن نہ ہو سکا۔ جب جنوب کی ریاستوں کے بربروں نے بادیس سے فریاد کی تو بادیس نے معتضد کو سزا دینے کا ارادہ کر لیا وہ بربر پناہ گزینوں کو اپنے ساتھ لے کر اشبیلیہ پر حملہ آور ہوا لیکن اہل اشبیلیہ نے اس کو شکست فاش دی۔ بادیس غرناطہ واپس آ گیا لیکن اس کے ساتھ جو بربر پناہ گزیں تھے وہ سب ٹھوکریں کھا کھا کے جبل الطارق کے راستہ افریقہ چلے گئے اور وہاں کثرت سے قحط کا شکار ہو گئے۔

۴۵۰ھ/۱۰۵۸ء میں معتضد نے بنو حمود کے حکمران قاسم بن محمد بن قاسم بن حمود حاکم الخضراء پر حملہ کیا۔ کیونکہ یہ ایک کمزور حکمران تھا۔ اس لئے جلد ہی مصالحت کر لی اور الخضراء معتضد کے حوالے کر کے قرطبہ چلا گیا۔ ان سب کامیابیوں کے بعد معتضد کو اب فرضی ہشام المؤید کی ضرورت نہ رہی۔ ۴۵۱ھ/۱۰۵۶ء میں ایک دن اہل اشبیلیہ سوگوار معتضد کے ساتھ ہشام المؤید کا جنازہ دفن کر رہے تھے۔ ایک فرضی وصیت کے مطابق ہشام المؤید نے تمام اسپین کا امیر معتضد کو بنا دیا۔ جس کی رو سے معتضد کو دار الحکومت قرطبہ کو فتح کرنا ضروری تھا۔ (حالانکہ اس سے قبل بھی کئی بار قرطبہ پر قبضہ کرنے کی ناکام کوشش کر چکا تھا) ۴۵۵ھ/۱۰۶۳ء میں معتضد نے اپنے بڑے لڑکے اسماعیل کو مدینۃ الزاہرہ کے کھنڈرات پر قبضہ کرنے کے لئے بھیجا۔ اسمٰعیل باپ کی سخت مزاجی اور ظلم و تشدد کی وجہ سے پہلے ہی سخت رنجیدہ تھا۔ اس مرتبہ جب اس کو تھوڑی فوج ملی اور بادیس شاہ غرناطہ کے حملہ کا خوف ہوا تو اس نے اپنے باپ سے مزید امداد طلب کی۔ اسی دوران مالقہ کے ایک رئیس ابو عبد اللہ بزلیانی نے اسمٰعیل کو باپ کے خلاف کافی بھڑکایا لیکن جلد ہی اسمٰعیل اور بزلیانی گرفتار کر لئے گئے۔ بزلیانی قتل کر دیا گیا اور اسمٰعیل قید میں ڈال دیا گیا کچھ دن بعد اسمٰعیل نے قید سے فرار ہو کر اپنے باپ کو قتل کرنا چاہا لیکن عین موقعہ پر پکڑا گیا۔ سفاک اور ظالم معتضد نے اپنے بیٹے کو خود اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا۔ بعد میں اس کو اپنے اس بہادر اور صاحب الرائے اور محتاط بڑھاپے کے

سارے کو قتل کرنے کا بڑا افسوس تھا۔ معتضد غصہ کی حالت میں کرنے کو تو ایسا کر گیا تھا لیکن اس کو یہ زخم ایسا لگا تھا کہ عمر بھر مندمل نہ ہو سکا۔ اس غم میں وہ اکثر اشکبار ہوتا اور اشعار کی زبان میں اپنا غم بیان کرتا رہتا تھا۔ اس ہنگامے کی وجہ سے قرطبہ کی جمہوری حکومت ایک بار پھر معتضد کے ہاتھوں سے بچ گئی اب معتضد نے مالقہ کو فتح کرنے کا ارادہ کرلیا۔

مالقہ کے عرب شاہ بادیس کے نت نئے مظالم سے عاجز آ چکے تھے۔ چنانچہ انہوں نے معتضد کے ساتھ مل کر بادیس کے خلاف سازش کی۔ بادیس کی غفلت اور کثرت شراب نوشی نے اس سازش کو پروان چڑھنے کا موقعہ دیا اور ایک مقرر دن میں مالقہ اور دیگر ۲۵ شہروں میں ایک دم بغاوت پھوٹ پڑی۔ معتضد کا لڑکا معتمد فوج لے کر ان باغیوں کی امداد کو پہنچ گیا۔ یہ بغاوت اتنی اچانک ہوئی تھی کہ بربروں کو سنبھلنے کا موقعہ نہ مل سکا۔ اور مالقہ کو چھوڑ کر باقی تمام علاقہ ایک ہفتہ کے اندر اندر معتمد کے قبضہ میں آگیا۔ مالقہ میں مقیم ایک اسودی دستہ نے اس شہر کی حفاظت اس وقت تک کی جب تک بادیس ان کی مدد کو نہ آگیا۔ اچانک اشبیلیہ کی فوج پر اس وقت حملہ کیا جبکہ وہ مالقہ کی فتوحات کی رنگ رلیوں میں بدمست تھے۔ تمام اشبیلی فوج تباہ ہوگئی۔ لیکن معتمد بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر زندہ بھاگ گیا۔ معتضد اس حادثہ سے معتمد کا سخت دشمن بن گیا۔ لیکن معتمد کے عاجزانہ معافی نامہ اور نیک نفس لوگوں کی مداخلت کی وجہ سے معتضد نے اس کو معاف کرکے اشبیلیہ واپس بلالیا۔

عیسائی یلغار

۱۱ویں صدی کے نصف تک شمال کی عیسائی ریاستیں خانہ جنگی میں مبتلا رہیں اور ان کو اتنی مہلت نہ مل سکی کہ مسلمانوں کی طرف توجہ کرتیں لیکن ۴۴۷ھ/۱۰۵۵ء میں حالات نے پلٹا کھایا۔ لیون اور قشتالیہ کے بادشاہ فرڈی ننڈ نے تمام شمالی عیسائیوں پر طاقت حاصل کرلی اور ان کو قابو میں کرکے مسلمانوں پر حملوں کا آغاز کردیا۔ ۴۴۹ھ/۱۰۵۷ء میں جلیوس کے بہت سے علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ سرقسطہ کے اس تمام علاقہ پر قابض ہوگیا جو دریائے دویرہ کے جنوب میں تھا اور طلیطلہ کے علاقہ میں لوٹ مار شروع کردی۔ شاہ طلیطلہ یحیٰی المامون ذوالنونی نے سالانہ خراج کی ادائیگی پر اس سے صلح کرلی۔ فرڈی ننڈ نے پھر اشبیلیہ کا رخ کیا۔ معتضد گو اس وقت جنوبی اسپین میں زبردست بادشاہ شمار ہوتا تھا لیکن پھر بھی فرڈی ننڈ سے مقابلے کی تاب نہ رکھتا تھا۔ چنانچہ بذات خود عیسائی لشکر میں آکر فرڈی ننڈ سے اخراج اور کچھ عیسائی تبرکات دینے پر صلح کرلی۔ اس طرح اپنی جان بچائی۔ ۴۵۷ھ/۱۰۶۴ء میں عیسائی لشکر نے قلمریہ کے شہر پر قبضہ کرلیا اور سارا علاقہ تاخت و تاراج کرکے

مسلمانوں کو وہاں سے نکال دیا۔ فرڈی نینڈ نے بلنسیہ کا رخ کیا۔ بلنسیہ پر اس وقت عبدالملک المظفر حکومت کر رہا تھا۔ گو عبدالملک المظفر کمزور' نااہل اور آرام طلب تھا لیکن پھر بھی حکومت اشبیلیہ کی طرح بزدلی کا مظاہرہ نہ کیا۔ بلکہ اہل بلنسیہ کو لے کر باہر نکلا اور بطرنہ کے مقام پر عیسائیوں سے سخت مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی۔ بلنسیہ پھر بھی عیسائیوں کے قبضہ میں نہ جا سکا۔ اس لئے کہ اسی اثناء میں نارمن قزاقوں نے اپنے سردار مانٹریال کی سرکردگی میں شمال مشرقی اسپین کے ایک مضبوط قلعے بر بشتر پر قبضہ کر لیا تھا اور وہاں پر سخت قتل و غارت گری اور لوٹ مار کر کے واپس اپنے علاقوں میں چلے گئے تھے۔ جن کی وجہ سے فرڈی ننڈ کو اس علاقہ کی طرف واپس جانا پڑا۔ ۴۵۸ھ/۱۰۶۵ء میں سرقسطہ کے حاکم نے معتضد کی مدد سے قلعہ بر بشتر پر اپنا قبضہ جما لیا۔ فرڈی ننڈ (فرولند) نے دوبارہ بلنسیہ پر قبضہ کرنے کے لئے حملہ کیا لیکن عبدالملک المظفر نے اپنے خسر المامون ذوالنون کی مدد سے اس کے حملے کو ناکام بنا دیا۔ اسی زمانہ میں فرڈی ننڈ بیمار پڑ گیا اور ۴۵۸ھ/۱۰۶۵ء کے ماہ دسمبر میں مر گیا اور اس کے بعد اس ملک میں ایک بار پھر خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ بالآخر اس کے تینوں لڑکوں نے سلطنت کو آپس میں تقسیم کر لیا۔ الفانسو ششم جس کے حصہ میں لیون کی ریاست آئی تھی' مسلمانوں کا سخت دشمن تھا۔ چنانچہ اس نے مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگوں کا اعلان کر دیا۔ (تذکرہ آگے آئے گا) غرض اسپین کے مسلمانوں پر یہ وقت بڑا صبر آزما تھا۔ ایک طرف شمال کے عیسائی ان پر دانت جمائے ہوئے تھے اور دوسری طرف شمالی افریقہ کی ابھرتی ہوئی مرابطی طاقت ان پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔

لیکن ان حالات میں معتضد کی ہوس ملک گیری اپنا کام کئے جا رہی تھی۔ ۴۵۹ھ/۱۰۶۷ء میں اس نے قرمونہ کی ریاست کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ معتضد کو شمالی افریقہ کی ابھرتی ہوئی طاقت مرابطیوں سے سخت خطرہ لاحق تھا اور اس کو یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن وہ اسپن ضرور آئیں گے۔ چنانچہ ان کو روکنے کے لئے جبل الطارق کے قلعے کو مضبوط کیا اور اس میں ایک بڑی فوج متعین کی۔ ابھی وہ پوری طرح اپنے انتظامات کو مکمل نہ کر پایا تھا کہ ۴۶۱ھ/۱۰۶۹ء میں پیغام اجل آپہنچا اور یہ بہادر' مستقل مزاج اور مدبر عرب حکمراں ۳۰ سال تک حکومت کر کے موت کی آغوش میں جا سویا۔ بلاشبہ اس نے اپنے دور حکومت میں نہ صرف یہ کہ اپنی حدود حکومت کو وسعت دی۔ بلکہ جنوب کے بربروں کی طاقت کو بھی کچل کر رکھ دیا۔

المعتمد

نام محمد۔ کنیت ابوالقاسم عباد المعتضد کا لڑکا تھا۔ ۴۳۱ھ / ۱۰۴۰ء میں شہر باجہ میں پیدا ہوا تھا۔ گیارہ برس کی عمر ہی سے امورات سلطنت میں دخیل ہو گیا تھا اور صوبہ ولبہ کا حاکم بنایا گیا تھا۔ اس کے کچھ دن بعد ہی محاصرہ شلب کی سپہ سالاری ملی۔

کردار

تمام مورخین اسپین اس بات پر متفق ہیں کہ معتمد ایک بہادر شہسوار، دلیر پہلوان اور مشاق شاعر تھا۔ اپنی رعایا میں ہر دلعزیز تھا۔ فتح نے اپنی کتاب قلائد میں لکھا ہے کہ "معتمد ایسا بادشاہ تھا جس نے دشمنوں کا سر کچل دیا۔ شجاعت اور فیاضی اس کی ذات میں جمع تھی .... اس کے ہاتھوں اور انگلیوں نے ایک دن بھی اس کے قلم اور نیزے کو معطل نہ رہنے دیا۔ اس کے دن عید تھے اور وہ ہر وقت فائدہ پہنچانے کے لئے تیار رہتا تھا[1]" معتمد کا کردار مندرجہ بالا اقتباس کی روشنی میں بہت بہتر اور اچھا کردار تھا لیکن درحقیقت وہ تدبر و سیاست میں اتنی مہارت نہ رکھتا تھا کہ اس کو اعلیٰ معیار کا سیاست داں کہا جاسکے۔ البتہ وہ اپنے زمانہ کے عرب شعراء میں اعلیٰ مقام کا حامل تھا[2]۔ وہ ایک زبردست عالم تھا اور سیاست و معاملات ملکی سے زیادہ ادب و فنون میں دلچسپی لیتا تھا۔ اس کی شاعری کا انداز و تراکیب سب سے جداگانہ ہوتی تھیں۔ زیادہ تر وقت عیش و عشرت میں یا شاعرانہ محفلوں میں گذارنا پسند کرتا تھا۔ اس نے اپنا دوست مشہور زمانہ شاعر اور ادیب ابن عمار کو بنایا تھا۔ اس کی بیوی اعتماد رمیکیہ تھی جو ذہانت و فراست کے ساتھ علم و ادب میں بھی کسی سے کم نہ تھی۔ معتمد نے اشبیلیہ کا دربار نامی گرامی علماء و فضلاء سے بھر دیا تھا کیونکہ وہ خود بڑا سخن پرور اور ناقد تھا۔ اس لئے معمولی شاعر اور ادیب کا اس کے پاس گذر نہ تھا۔ صاحب کمال افراد پر بے انتہا داد و دہش کرتا تھا۔ وہ ذوق جمالیات سے پر تھا۔ اس لئے ہر کمال کی قدر کرتا تھا خواہ وہ پیشہ قزاقی ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے اس کی تعمیرات میں بھی انوکھا پن موجود تھا۔

معتمد کی فطرت میں شک و شبہ نہ تھا لیکن پھر بھی لوگوں کے بہکانے میں آجاتا تھا۔ اس کو دغا و فریب اور ظلم و ستم سے سخت نفرت تھی۔ معاملات کو صاف رکھنا زیادہ پسند کرتا تھا۔ مذہبی آزاد روشی

---

[1] الاحاطہ فی اخبار غرناطہ جلد ۳ تذکرہ "محمد بن عباد" [2] Andalus - E. Hole - P.25

کی وجہ سے رواداری اس میں بدرجہ اتم موجود تھی۔ اپنے باپ کے برعکس رحم سے زیادہ کام لیتا تھا لیکن پھر بھی سفاکی کے کئی واقعات اس سے وابستہ پائے جاتے ہیں۔ باپ کی طرح میدان جنگ کا آدمی نہ تھا اور نہ ہی فوجوں کو حکمت عملی سے لڑا سکتا تھا۔ جس کی بناء پر اپنے دور کے بیشتر حصے میں عیسائیوں کا باجگذار رہا۔ ہٹی نے ابن خلکان کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ اسپین کے ملوکہ الطوائف میں گو سب سے زیادہ طاقتور، مشہور العوام اور شان و شوکت والا بادشاہ تھا۔"[1] لیکن پھر بھی وہ اس بات پر مجبور ہوا کہ اپنے آپ کو بچانے کے لئے مرابطین کی مدد حاصل کرے، جس کے انجام میں اس کو اپنی حکومت سے بھی ہاتھ دھونا پڑے۔

معتمد کی فیاضی اور اسراف بے جا کے واقعات زبان زد عوام ہو چکے تھے۔ اس کی فیاضی تو دور جلاوطنی میں بھی قائم رہی جس کے بہت سے واقعات عبدالواحد مراکشی نے تحریر کئے ہیں۔ اسراف بے جا میں اس کی بیوی اعتماد رمیکیہ اور دیگر کنیزیں برابر کی شریک تھیں اور وہ بے شمار دولت ان کنیزوں کی بے جا ناز برداریوں پر خرچ کر دیتا تھا۔

واقعات و حالات

شلب کے معرکہ میں معتمد کی ایک شخص سے ملاقات ہوئی جس کا نام ابن عمار اور کنیت ابو بکر تھی۔ ابن عمار شلب کے علاقے کے ایک گاؤں شینون میں ایک غریب عرب گھرانے میں پیدا ہوا تھا۔ ابتدائی عمر میں تعلیم شلب ہی میں حاصل کی۔ پھر اس کے بعد قرطبہ چلا آیا لیکن بجائے تعلیم حاصل کرنے کے پریشان گردی میں وقت گذارنے لگا۔ اس کو شعر و شاعری کا اعلیٰ ذوق تھا۔ چنانچہ اکثر لوگوں کے لئے کچھ نہ کچھ لکھ کر روزی حاصل کر لیتا تھا پھر بھی شاعری میں اس کی جلد شہرت ہو گئی۔ اور اسی باعث وہ معتمد تک پہنچ گیا۔ کیونکہ دونوں ہم ذوق اور ہم خیال تھے۔ اس لئے دوستی جلد مضبوط ہو گئی۔ جب معتمد شلب کا حاکم بنایا گیا تو اس نے ابن عمار کو اپنا وزیر بنا لیا۔ امام الدین صاحب نے لکھا ہے کہ "ابن عمار المعتضد کے زمانہ ہی میں اس کے دربار میں ملازم ہو گیا تھا۔"[2] ابن عمار کا خاص فن ہجو گوئی تھا اس لئے ایک بار معتضد نے اس کی ہجو گوئی سے خفا ہو کر اس کو جلاوطن کر دیا تھا۔ یہ جلاوطنی کا زمانہ اس نے سرقسطہ میں گذارا۔ یہاں تک کہ معتمد بادشاہ اشبیلیہ ہوا اور اس نے اپنے دوست کو اپنے پاس بلا لیا۔ پہلے تو اس کو صوبہ شلب کا گورنر بنا دیا لیکن اس کے بغیر چین نہ پڑا تو

---

[1] History of The Arabs - P.538

[2] Political History of Muslim Spain - P.153

اپنا وزیر بنا کر اپنے پاس بلا لیا۔ شلب سے اشبیلہ تک معتمد اور ابن عمار کا طریقہ کار صرف داد عیش دینا اور تفریحات میں وقت گزارنا تھا۔ اکثر وہ وادی الکبیر کے کنارے باغات میں چلے جاتے اور وہاں کی رومان پرور فضا میں شعر و ادب کی محفلیں منعقد کر کے وقت گذارتے تھے۔

لیکن متذکرہ باتوں سے یہ اندازہ کرنا غلط ہوگا کہ معتمد نے اپنے باپ دادا کے جاری کردہ کام کو پورا کرنے میں کوئی غفلت یا کوتاہی برتی ہوگی۔ باوجود اس کے معتمد کچھ زیادہ حکومت کی صلاحیت نہ رکھتا تھا لیکن پھر بھی اس کے ہاتھوں وہ کارنامے انجام پائے جو اس کے باپ اور دادا کو حاصل نہ ہوسکے تھے[1]۔ جب قرطبہ پر شاہ طلیطلہ مامون ذوالنونی نے حملہ کیا تو معتمد نے اس کے خلاف اہل قرطبہ کی مدد کی اور المامون کو وہاں سے ہٹانے میں کامیابی حاصل کی لیکن خود قرطبہ والوں کے اصرار پر شہر پر قبضہ کرلیا اور اپنے لڑکے عباد کو وہاں حاکم مقرر کیا۔ المامون نے حسب عادت اپنے دوست الفانسو ششم سے مدد حاصل کی اور دوبارہ قرطبہ پر حملہ آور ہوا۔ لیکن عباد نے یہ حملہ بھی پسپا کر دیا۔ اس کے بعد قرطبہ کے ایک بااثر رئیس ابن عکاشہ نے مامون کے ساتھ سازش کی اور دھوکہ دے کر عباد اور اس کے سپہ سالار محمد بن مرتین کو قتل کر دیا اور قرطبہ پر مامون ذوالنونی کی حکومت کا اعلان کر دیا لیکن کچھ دن بعد ہی ابن عکاشہ اور مامون میں کشمکش شروع ہوگئی جس میں مامون کو زہر دے کر مار ڈالا گیا۔ معتمد کو موقعہ مل گیا۔ ۴۷۱ھ / ۱۰۷۸ء میں اس نے قرطبہ پر دوبارہ فوج کشی کر کے قبضہ کرلیا اور اپنے لڑکے کا بدلہ لینے کے لئے ابن عکاشہ اور اس کے ساتھیوں کو قتل کروا دیا۔ اس کے بعد طلیطلہ کی حکومت کا وہ علاقہ جو وادی الکبیر اور وادی آنہ کے درمیان تھا معتمد کے قبضہ میں آگیا جس سے اشبیلہ کی حکومت میں کافی وسعت ہوگئی۔

معتمد کی حیثیت مسلمان ملوک الطوائف میں شیر کی سی تھی لیکن عیسائیوں کے مقابلہ میں وہ بکری کے بچے کی طرح تھا۔ وہ پہلے غرشیہ شاہ جلیقیہ کو اور پھر الفانسو ششم کو سالانہ خراج ادا کرتا تھا۔ سالانہ خراج کی ادائیگی کے بعد معتمد کو یہ یقین تھا کہ عیسائی اس کے ساتھ بدعہدی نہ کریں گے اس لئے بلا خوف و تردد عیش و عشرت میں اور رنگ رلیوں میں مست رہتا تھا۔ سالانہ خراج کی اور معتمد کے بے جا اسراف نے ایک دن خزانہ کو بالکل خالی کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں کئی کئی ماہ فوجوں کو تنخواہ نہ ملتی تھی۔ الفانسو ششم مسلمانوں سے خراج وصول کرنے میں بڑا تشدد پسند اور بدمزاج تھا اور ذرا

---

[1] عبرت نامہ اندلس جلد ۴ صفحہ ۱۰۷۸

بھی خراج ملنے میں دیر ہوتی تو وہ حملہ کر دیتا۔ اشبیلہ کا کیونکہ خزانہ خالی تھا اس لئے خراج کی ادائیگی میں دیر ہوئی۔ الفانسو فوراً فوج لے کر اشبیلہ پر چڑھ دوڑا۔ شعر و شراب میں ڈوبے ہوئے معتمد میں اتنا دم نہ تھا کہ وہ اپنے کاہل اور لاپرواہ افسروں کی بھیڑ لے کر عیسائیوں سے مقابلہ کرتا۔ اس وقت ابن عمار کی ہوشمندی کام آئی۔ اس نے الفانسو کو شطرنج کھیلنے پر اس شرط پر آمادہ کرلیا کہ اگر وہ ہار گیا تو اشبیلہ الفانسو کے حوالے کر دیا جائے گا۔ اور اگر الفانسو ہار گیا تو دوگنا خراج لے کر واپس چلا جائے گا۔ Hole نے لکھا ہے کہ "ابن عمار بہترین شطرنج کا کھلاڑی تھا اور پورے اندلس میں اس کی دھاک بندھی ہوئی تھی لیکن الفانسو ششم بھی اپنے آپ کو بہترین کھلاڑیوں میں سمجھتا تھا۔ شطرنج کے اس کھیل میں الفانسو ششم کو ہار ہوئی اور اس کو صرف دوگنا خراج وصول کر کے واپس جانا پڑا۔[1]

ابن عمار کا جس طرح عروج ہوا تھا اس سے زیادہ تیزی سے اس کا زوال ہوا۔ گو ابن عمار بڑا ہوش مند اور زمانہ شناس آدمی تھا لیکن پھر بھی اس کی زبان درازی اور ہجو گوئی کی وجہ سے اس کے کافی دشمن پیدا ہو گئے تھے۔ جنہوں نے معتمد کو ابن عمار کی طرف سے بدگمان کرنا شروع کر دیا۔ معتمد کے کردار میں شک و شبہ کا پہلو کافی نمایاں تھا چنانچہ جلد لوگوں کے بہکائے میں آگیا۔ مرسیہ کی فتح کے سلسلے میں ابن عمار نے بہت سی غلطیاں کیں جو معتمد نے بظاہر تو معاف کر دیں لیکن بہ باطن وہ اس کے درپے آزار ہو گیا۔ قلعہ بلج کے عرب رئیس ابن رشیق نے ابن عمار کو مرسیہ کی فتح کرنے میں کافی مدد دی تھی جس سے ابن عمار کو اس کا اعتبار آگیا۔

ابن رشیق نے یہ سب اس کی دشمنی میں کیا تھا۔ چنانچہ جیسے ہی ابن رشیق کو موقعہ ملا اس نے ابن عمار کو اپنی آزاد حکومت قائم کرنے کی صلاح دی۔ ابن عمار نے ایسا کرنے کا خیال کرلیا لیکن جلد ہی اس کو پتہ چل گیا کہ ابن رشیق نے اس سے غداری کی ہے۔ چنانچہ وہ معتمد کے خوف سے لیون کی طرف بھاگ گیا۔ وہاں سے بنو ہود کے پاس سرقسطہ چلا گیا۔ وہاں کافی عرصہ رہا اور سرقسطی حکومت کی وافر خدمات بھی انجام دیں۔ لیکن قلعہ شقورہ پر حملہ کرتے وقت بنو سہل کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔ بنو سہل نے اس کو چند قلعوں کے بدلے میں معتمد کے حوالے کر دیا۔ جہاں وہ ایک عرصہ تک قید رہا ممکن ہے کہ معتمد اس کو معاف کر دیتا لیکن ایک غلط فہمی کی بنا پر اور رمیکہ کے بھڑکانے پر اس نے شدید غصے کے عالم میں اپنے ہاتھ سے ابن عمار کو قتل کر دیا اور اس کی بجائے ابوبکر بن زیدون کو اپنا

---

[1] Andalus - P.173

وزیر مقرر کیا جو اپنے وقت کا ایک زبردست عالم تھا۔

جس وقت الفانسو ششم طلیطلہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھا اس نے اپنے ایک یہودی افسر خزانہ ابن شالیب کو اشبیلہ خراج وصول کرنے کے لئے بھیجا۔ معتمد کے پاس اس وقت زیادہ رقم نہ تھی۔ چنانچہ اس نے ملاوٹ کر کے سونے کے سکے ڈھلوائے اور ابن شالیب کو دے دیئے۔ ابن شالیب نے حقارت' بدتمیزی اور بدزبانی سے ان سکوں کو لینے سے انکار کردیا۔ جس پر معتمد کو شدید غصہ آیا اور اس نے دیگر سفیروں کو گرفتار کر کے ابن شالیب کو قتل کرادیا۔ الفانسو اس وقت پورے اسپین کی فتح کے خواب دیکھ رہا تھا چنانچہ اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے کے لئے ایک زبردست لشکر لے کر شرف اشبیلہ کو تاخت و تاراج کرتا اور مسلمانوں کو قتل کرتا ہوا مقام طریف تک پہنچ گیا یہاں تک کہ سر قسطہ' غرناطہ' بلنسیہ' اور قرطبہ تک اس کی زد میں آگئے تھے۔ اسپین کے مسلمانوں کی سیاسی حالت بہت خراب تھی۔ چنانچہ وہ الفانسو کو کیا روکتے.... اب صرف یہی صورت دکھائی دے رہی تھی کہ الفانسو یا تو ان کو اپنی رعایا بنالے گا یا ان کو ملک بدر کردے گا۔ ایسی صورت میں ملوک الطوائف نے آپس میں مل کر طے کیا کہ اس مصیبت سے نجات پانے کے لئے کسی خارجی امداد کا سہارا لیا جائے۔ اس کے لئے افریقہ کے مرابطین سے اسپین آنے کی درخواست کی جائے۔ یوسف بن تاشفین مرابطی (تفصیل آگے آئے گی) سے امداد طلب کرنے میں معتمد تمام ملوک الطوائف میں آگے آگے تھا۔ معتمد کے لڑکے رشید نے جب مرابطین سے امداد لینے کے خطرات سے اس کو آگاہ کیا تو معتمد نے اس کو ایک تاریخی جواب دیا۔ "میں اپنے بعد آنے والوں سے یہ بات سننا گوارہ نہ کروں گا کہ میں ہی وہ شخص ہوں جس نے اندلس کو کفار کے حوالے کردیا۔ مجھ کو یہ پسند نہ ہوگا کہ ہر مسجد کے منبر پر سے مجھ پر لعنت کی آواز بلند ہو۔ رہا اپنا ذاتی خیال تو وہ یہ ہے کہ افریقہ میں اونٹ چرانے کی خدمت کو اس سے بہتر سمجھوں گا کہ قشتالیہ میں سور چراؤں[۱]۔" اس کے بعد معتمد نے بطلیوس کے بادشاہ عمر المتوکل اور غرناطہ کے عبداللہ کو بھی کوشش کر کے اپنے ساتھ ملالیا۔ اور پھر متفقہ ایک سفارت مراکش بھیجی گئی۔ جس نے یوسف بن تاشفین کو اسپین چلنے پر آمادہ کرلیا۔ یوسف نے اسپین آکر ۲۳ اکتوبر ۱۰۸۶ء (مطابق ۱۳ رمضان ۴۸۰ھ) میں بطلیوس کے قریب زلاقہ کے میدان میں عیسائیوں کے متحدہ لشکر کو شکست فاش دی۔ معتمد بذات خود اس جنگ میں شریک تھا اور کئی کاری زخم بھی کھائے۔

۱ے Spanish Islam - P.

یوسف بن تاشفین جلد ہی افریقہ واپس چلے گئے لیکن اپنے تین ہزار افریقی سپاہی معتمد کے سپرد کر گئے۔ تاکہ بوقت ضرورت کام آسکیں۔ یوسف کے جاتے ہی عیسائیوں نے پھر مسلم علاقے پر تاخت و تاراج شروع کردی اور بہت سے علاقوں پر قبضہ بھی کرلیا۔ مشرقی اسپین میں معتمد نے افریقیوں کی مدد سے عیسائی یلغار کو روکنا چاہا لیکن کیونکہ طریقہ جنگ سے ناواقف تھا اس لئے کامیاب نہ ہوسکا دوبارہ یوسف بن تاشفین کو امداد کے لئے بلایا گیا اور بقول ڈوزی ابن الخطیب اور ابن خلدون معتمد بذات خود یوسف کے پاس گیا اور اس کو دوبارہ اسپین لانے میں کامیاب ہوگیا۔ لیکن دوبارہ یوسف کا اسپین آنا خود اس کے لئے مہلک ثابت ہوا۔ (تفصیل مرابطین میں آئے گی) یہاں تک کہ یوسف کے بھتیجے سربن ابوبکر نے اشبیلیہ پر حملہ کردیا اور ۴۸۴ھ/۱۰۹۱ء میں اشبیلیہ پر قبضہ کرکے معتمد کو مع اہل و عیال کے اغمات (مراکش) جلاوطن کردیا گیا۔ جہاں اس نے ۴۸۸ھ/۱۰۹۵ء میں بڑی خستہ حالت میں انتقال کیا۔ معتمد کے زوال کی داستان عبرتناک اور دل ہلا دینے والی ہے۔[1]

معتمد بلاشبہ دور وسطیٰ کا ایک روشن خیال اسپینی حکمران تھا۔ وہ ادب و فنون کا مدح اور سرپرست تھا اور اپنی شعرنوازی اور ذوق جمالیات کی بناء پر کافی مشہور اور مقبول عوام تھا۔ وہ ایک آزاد خیال اور روادار حکمراں تھا اور اپنی عیش پسندی اور آرام طلبی کی بناء پر حکومت کے کاموں سے بے حد لاپرواہی کرتا تھا۔ اس کے دور میں اشبیلیہ شعروادب کا مسکن تھا اور دور دور سے اہل قلم و فنون اس کے دربار میں جمع ہوگئے تھے۔ مشہور زمانہ عبدالجلیل اس کا درباری شاعر تھا۔ معتمد کے بہت سے اشعار اور غزلیں مورخین نے محفوظ کی ہیں۔ خاص طور پر دور اسیری کی نظمیں بے مثال ہیں جن سے اس کے تخیل کی پرواز اور ادب پر غائر مطالعہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ معتمد تخت و تاج کے لئے نہیں بلکہ شعروادب کی مسند سجانے کے لئے پیدا ہوا تھا۔

---

[1] تفصیل کے لیے عبرت نامہ اندلس

دانیہ، المریہ، مرسیہ اور جزائر شرق الاندلس کے صقلبی حکمران

۴۰۴ھ / ۱۰۱۳ء تا ۵۰۹ھ / ۱۱۱۵ء

جس طرح بربروں نے ہشام المؤید کے بعد ہنگامہ دار وگیر سے فائدہ اٹھا کر چھوٹی بڑی ریاستیں قائم کرلی تھیں اسی طرح صقالبہ نے بھی فائدہ اٹھایا اور جنوب مشرقی اسپین کے علاقوں پر قبضہ کر کے اپنی چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم کرلیں۔ یہ ریاستیں ۱۱ویں صدی عیسوی کے وسط میں ابھری تھیں اور اسی صدی کے آخر میں عربوں اور بربروں کے ہاتھوں ختم ہوگئیں۔ البتہ جزائر شرق الاندلس (بلیارک آئی لینڈ) پر صقالبہ کا اقتدار ۵۰۹ھ / ۱۱۱۵ء تک قائم رہا۔

مرسیہ اور المریہ

محمد بن عامر المنصور کا ایک غلام خیران تھا جس کو المنصور نے اپنے ہی زمانہ میں المریہ کا حاکم بنادیا تھا۔ بنو امیہ کے دور زوال میں خیران نے قرطبہ کی سیاست میں زبردست حصہ لیا تھا وہ بربروں کا شدید دشمن تھا۔ ہنگامہ دار وگیر میں اس نے اس بات کی بڑی کوشش کی کہ ہشام المؤید یا خاندان بنو امیہ کے کسی فرد کو تخت قرطبہ پر بٹھایا جائے۔ اس نے سلیمان المستعین کی مخالفت میں علی بن حمود کا ساتھ دیا تھا اور اس کی خلافت کو مستحکم کرنے کے لئے اس کے ساتھ مل کر قرطبہ پر چڑھائی کی جہاں پر سلیمان المستعین اور اس کے بربر ساتھی قبضہ جمائے بیٹھے تھے، چنانچہ سلیمان المستعین گرفتار ہو کر قتل ہوا۔ ابتداء میں تو خیران علی بن حمود کا خیر خواہ رہا۔ لیکن کیونکہ طبیعت کا لالچی تھا اور اپنے اختیارات وسیع دیکھنا چاہتا تھا اس لئے اس نے قرطبہ والوں سے مل کر عبدالرحمٰن الناصر کے پوتے عبدالرحمٰن المرتضیٰ کو بذریعہ انتخاب خلیفہ منتخب کرایا۔ خیران پہلا شخص ہے جس نے ۴۰۸ھ / ۱۰۱۸ء کی ایک مجلس مشاورت میں ایسے افراد مقرر کئے جن پر بھروسہ تھا۔ اور اسی مجلس میں یہ فیصلہ کرایا کہ خلیفہ ہمیشہ بذریعہ انتخاب مقرر ہوا کرے۔ لیکن خیران جلد ہی عبدالرحمٰن المرتضیٰ سے بدظن ہوگیا اور غرناطہ کے زاوی بن زیری سے سازش کر کے عین میدان جنگ میں المرتضیٰ کو قتل کرادیا[1]۔ علی بن حمود

---

[1] Spanish Islam - P.578

کے بعد اس کے بھائی قاسم نے قرطبہ پر قبضہ کرلیا اور خیران سے مصالحت کرلی لیکن خیران نے قاسم بن حمود سے بھی غداری کی اور اس کے بھتیجے یحییٰ بن علی کو قرطبہ پر قبضہ کرنے کی دعوت دی۔ ۴۱۷ھ / ۱۰۲۶ء تک خیران المریہ میں خاموش بیٹھا رہا اور بالاخیر اسی سال اسی نے دانیہ کے حاکم مجاہد کے ساتھ مل کر اہل قرطبہ کی مدد سے قرطبہ پر قبضہ کرلیا اور بربروں کو وہاں سے نکال باہر کیا۔ لیکن جب حکومت کا سوال پیدا ہوا تو خیران اور مجاہد آپس میں لڑ پڑے اور خیران مجاہد کے خوف سے چند ماہ بعد ہی المریہ واپس چلا گیا اور ۴۱۹ھ / ۱۰۲۸ء میں وہیں پر انتقال کیا۔

خیران کے مرنے کے بعد اس کا جانشین زہیر ہوا جو اس وقت مرسیہ کا حاکم تھا اور اب مرسیہ اور المریہ دونوں اس کی حکومت میں شامل ہوگئے۔ زہیر کے حالات تواریخ میں بہت کم پائے جاتے ہیں جو کچھ حالات ملتے ہیں ان سے صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک امن پسند حکمراں تھا اور بہت کم دوسروں کے معاملات میں مداخلت کرتا تھا۔ زہیر باوجود اس کے کہ صقلی تھا اور بنو امیہ سے خاص انسیت رکھتا تھا لیکن پھر بھی اس نے قاضی ابوالقاسم حاکم اشبیلیہ کے ساختہ پرداختہ فرضی ہشام المویٔد کی خلافت کو تسلیم نہ کیا۔ چنانچہ جب قاضی ابوالقاسم نے اس پر حملہ کیا تو اس نے حبوس شاہ غرناطہ سے اتحاد کرکے اشبیلیہ کی فوجوں کو زبردست شکست دی۔ بادیس شاہ غرناطہ کے تذکرہ میں بیان کیا جا چکا ہے کہ کس طرح زہیر اپنے تنگ نظر اور متعصب وزیر ابن عباس کی بدولت غرناطہ سے واپسی میں اہل غرناطہ کے ہاتھوں قتل ہوا تھا۔ (۴۲۹ھ / ۱۰۳۸ء) زہیر معمولی عالم تھا لیکن بڑا علم دوست تھا۔ وزیر ابن عباس کی بدولت اس کے پاس ایک بڑا کتب خانہ بھی بن گیا تھا۔

زہیر کے قتل کے بعد بلنسیہ کے حاکم عبدالعزیز عامری نے جو عبدالرحمٰن سنجول کا لڑکا تھا۔ المریہ پر قبضہ کرلیا۔ مرسیہ پر ابوبکر احمد بن طاہر کو جو زہیر ہی کے زمانے سے حاکم تھا، قائم رہنے دیا لیکن عبدالعزیز کو اس علاقے پر سکون سے حکمرانی کا موقعہ نہ مل سکا۔ اس لئے کہ مجاہد حاکم دانیہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی حکومت کی حدود کے قریب عبدالعزیز کی حکومت ہو۔ چنانچہ مجاہد نے عبدالعزیز کو پریشان کرنا شروع کردیا۔ یہاں تک کہ بقول ڈوزی "عبدالعزیز مجبور ہوکر ۴۳۳ھ / ۱۰۴۱ء میں المریہ کو چھوڑ کر اپنے علاقہ بلنسیہ چلا گیا اور حکومت اپنے ایک عزیز ابوالاحواز معن کے سپرد کرگیا"[۱]۔ ابوالاحواز بنی صمادح میں سے تھا۔ اس خاندان نے المریہ پر ۴۸۴ھ / ۱۰۹۱ء تک حکومت کی یہاں تک کہ یہ

---

[۱] Researches Vol.1 - P.241

علاقہ مرابطین کے قبضہ میں چلا گیا۔ البتہ مرسیہ پھر بھی عبدالعزیز کے زیر اطاعت رہا۔ ۴۶۳ھ/۱۰۶۱ء میں عبدالملک المظفر اپنے باپ عبدالعزیز کے بعد تخت بلنسیہ پر آیا۔ مرسیہ حسب سابق اس کا بھی باجگذار تھا لیکن ابوبکر احمد بن طاہر مرسیہ پر مطلع العنان حاکم رہا۔ ۴۵۶ھ/۱۰۶۳ء میں عبدالرحمٰن محدث ابوبکر احمد کے بعد جانشین ہوا۔ اور ۴۷۱ھ/۱۰۷۸ء تک وہاں کا مطلق العنان حاکم رہا۔ عبدالرحمٰن محدث بڑا دولت مند تھا اور تقریباً نصف مرسیہ اس کی ذاتی جاگیر تھا لیکن اس کے پاس اتنی فوج نہ تھی کہ دشمن سے اپنے آپ کو بچا سکے چنانچہ معتمد شاہ اشبیلیہ کے وزیر ابن عمار نے اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ۴۷۱ھ/۱۰۷۸ء میں مرسیہ پر قابض ہونے کی کوشش کی۔ پہلی کوشش تو ناکام رہی البتہ دوسری کوشش میں حاکم قلعہ بلج ابن رشیق کی امداد سے مرسیہ فتح ہو گیا اور عبدالرحمٰن محدث گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا گیا۔ ابن عمار اس علاقہ کا حاکم ہو گیا۔ والی بلنسیہ جو عبدالرحمٰن محدث کا بڑا دوست تھا اور ابن عمار سے بڑا خار کھاتا تھا اس نے ابن رشیق کے ذریعہ سے معتمد شاہ اشبیلیہ سے درخواست کی کہ عبدالرحمٰن محدث کو ابن عمار کی قید سے رہائی دلوائی جائے۔ معتمد نے یہ درخواست قبول کر لی اور ابن عمار کو عبدالرحمٰن محدث کی رہائی کا فرمان بھیجا۔ الغرض یہی عبدالرحمٰن احمد بن طاہر تھا جس کی بدولت معتمد اور ابن عمار میں رنجش پیدا ہوئی جو بالآخر ابن عمار کی موت کا باعث ہوئی۔ ابن عمار کے بعد مرسیہ پر ابن رشیق نے قبضہ کر لیا جو بعد میں مرابطین کے ہاتھوں قید ہوا اور یہ علاقہ بھی مرابطین کے قبضہ میں چلا گیا۔

دانیہ اور جزائر شرق الاندلس

ابن خلدون نے لکھا ہے کہ عصام نامی ایک شخص نے امیر عبداللہ اموی کے عہد میں اس علاقہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ بعد میں امیر عبداللہ نے اس کو جزائر شرق الاندلس کی گورنری عطا کر دی تھی۔ دس برس تک عصام نے اس علاقہ پر حکمرانی کی اس نے اس علاقہ پر بہت سی تعمیرات کیں۔ سڑکیں، پل اور حمام بکثرت بنائے۔ عصام کے مرنے کے بعد اہل جزیرہ نے اس کے لڑکے عبداللہ کو اپنا امیر بنا لیا۔ امیر عبداللہ اموی نے اس کی گورنری بھی منظور کر لی۔ لیکن عبداللہ تخت چھوڑ کر گوشہ نشینی اختیار کر لی اور مشرق میں کسی نامعلوم جگہ چلا گیا۔ خلیفہ الناصر نے اپنے ایک غلام موفق کو اس جزیرہ کا حاکم بنایا۔ موفق نے دانیہ اور میورقہ میں بحری جہاز سازی کے کارخانے تعمیر کئے۔ اور بہت سے جنگی جہاز بنا کر فرانس کے ساحلی علاقہ پر بکثرت جہاد کئے۔ ۳۵۹ھ/۹۷۰ء میں عہد الحکم ثانی میں موفق

نے وفات پائی۔

اس کے غلاموں سے ایک شخص کوثر نامی اس کا جانشین ہوا۔ اس نے بھی موفق کی طرح دشمنان اسلام سے بہت جہاد کیے' کوثر نے امارت المنصور میں ۳۸۹ھ/۹۹۹ء میں انتقال کیا۔ حاجب المنصور نے اپنے موالی میں سے مقاتل کو اس جزیرہ کا حاکم بنایا۔ مقاتل بھی جہاد کا بڑا شوقین تھا اس نے بھی فرانس کے علاقوں پر بہت سے حملے کیے اور ایک زبردست بحری بیڑہ تیار کیا۔ ۴۰۳ھ/۱۰۱۲ء میں دور فتنہ سامانی میں اس نے وفات پائی۔

مجاہد بن یوسف

مجاہد بن یوسف علی حاجب المنصور کے موالیوں میں سے ایک دلیر اور سربر آوردہ شخص تھا۔ حاجب المنصور نے اس کی پرورش کی تھی۔ قرآن حدیث اور عربی ادب کی اس کو خاص تعلیم دی گئی تھی اور ان علوم میں اس کو اعلیٰ درجہ کا کمال حاصل تھا۔ جس دن مہدی باللہ قرطبہ میں قتل ہوا اسی روز مجاہد نے قرطبہ چھوڑ دیا اور مشرقی اسپین کے علاقہ دانیہ پر قبضہ کرلیا۔ یہ اپنے زمانے کا سب سے بڑا بحری سپہ سالار تھا۔ جس طرح جزائر سردانیہ (Sordina) اور ساحل اٹلی پر حملہ کرنے میں شہرت پیدا کی اسی طرح اہل علم و فضل کی سرپرستی میں بھی نامور ہوا تھا۔ ابوالفتوح جس نے بادیس شاہ غرناطہ کے خلاف بغاوت کی تھی۔ ۴۰۶ھ/۱۰۱۵ء میں مجاہد کے پاس آیا تھا اور عربی نحو کی مشہور کتاب "الجمل" یہیں پر تحریر کی تھی اور مجاہد کے ساتھ سردانیہ کے حملے میں بھی شریک ہوا تھا۔ مجاہد ہمیشہ خیران حاکم مرسیہ اور عبدالعزیز حاکم بلنسیہ سے نبرد آزما رہا۔

مجاہد ۴۳۶ھ/۱۰۴۴ء میں فوت ہوگیا اور حکومت اس کے لڑکے علی اقبال الدولہ کے قبضہ میں آئی۔ المقتدر بن ہود نے علی اقبال الدولہ کو جو اس کا داماد بھی تھا' تخت سے اتار دیا اور ریاست دانیہ کو اپنی حکومت میں شامل کرلیا۔ ۴۶۹ھ/۱۰۷۶ء سے ۴۷۴ھ/۱۰۸۱ء تک دانیہ المقتدر کا اقتدار رہا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا حاجب منذر اس علاقہ کا حاکم ہوا۔ یہاں تک کہ یہ علاقہ بھی مرابطین کے قبضہ میں چلا گیا۔ (۴۸۴ھ/۱۰۹۱ء) جزائر شرق الاندلس کا بھی یہی حال ہوا۔ مجاہد کے مقرر کیے ہوئے سردار اور ان کے جانشین کچھ عرصے تک یہاں آزاد حکومت کرتے رہے یہاں تک کہ یہ بھی مرابطین کا لقمہ بن گئے۔

طوائف الملوک کے بڑے بڑے خاندان تھے جنہوں نے ایک عرصہ تک اپنے اپنے علاقوں پر آزاد حکمرانی کی لیکن جہاں تک ان کی سیاسی آزادی و استحکام کا تعلق ہے یہ سب کے سب عیسائیوں

کے پنجہ میں تھے اور کسی میں بھی اتنا دم خم نہ تھا کہ فرداً فرداً یا متحدہ طور پر عیسائیوں سے اپنے آپ کو بچالیتے۔ ان کی سیاسی کمزوری نے اسلامی تہذیب کے باقی ماندہ آثار کو بھی ختم کردیا اور حالات بتارہے تھے کہ وہ وقت اب زیادہ دور نہیں جب کہ اسپین کی مساجد کے میناروں سے اذان بلند ہوجائے۔ خون مسلم ارزاں ہوچکا تھا اور عیسائی یلغار بڑھتی جارہی تھی۔ ایسی بدترین حالات میں اسپین میں مرابطین کا داخلہ بلاشک وشبہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے ایک خدائی امداد سے کم نہ تھا۔

اب ہم اس باب کے دوسرے حصہ کا تذکرہ کرتے ہیں جو خارجی طاقتور مرابطین اور موحدین پر مشتمل ہے۔

حصّہ سوئم

باب ۱

مرابطین وموحدین

ابتداء اور عروج

اسپینی زبان کا لفظ Almoravid دراصل عربی زبان کے لفظ رباط سے لیا گیا ہے۔ عربی زبان میں رباط اس خیمہ کو کہتے ہیں جس کو کوئی شخص عبادت کرنے کے لئے کسی سنسان اور تنہا مقام پر کھڑا کرے۔ یہ رباط آج کل بھی صحرا اور پہاڑوں میں پائے جاتے ہیں۔ بربر قبائل رباط میں رہنے والے شخص کا بڑا احترام کرتے تھے اور اس کو اپنا دینی رہبر تصور کرتے تھے اور رباط میں رہنے والے شخص کو مرابط کے نام سے پکارتے تھے۔ حاجب المنصور کے زمانہ میں شمالی افریقہ کے حالات گو خراب ہو چکے تھے اور وہاں کے بیشتر علاقوں سے بنو امیہ کا اقتدار اٹھتا جا رہا تھا لیکن پھر بھی حاجب المنصور نے اپنے زمانہ میں وہاں کے حالات بہر طور قابو میں رکھے۔ لیکن اس کے مرتے ہی مسلم اسپین کے اثرات شمالی افریقہ سے تقریباً ختم ہو گئے۔ اس وقت شمالی افریقہ میں کوئی قبیلہ اس قابل نہ تھا کہ پورے شمالی افریقہ کو اپنے قابو میں کر لیتا چنانچہ بربر قبائل نے جدا جدا اپنے مذہبی رہنما مرابط کی ماتحتی میں اپنے آپ کو متحد کر لیا اور اس طرح تمام شمالی افریقہ میں موجود الجزائر سے لے کر دریائے نائجر تک کا علاقہ ان ہی مرابطین کے تصرف میں آگیا۔ بربر قبیلہ صنہاجہ کی ایک شاخ لمتونہ تھی جو صحرا اعظم کی پنہائیوں میں رہتی تھی اور صحرا کے تند و تیز ریت کے طوفان سے اپنے چہروں کو بچانے کے لئے شم (پردہ) استعمال کرتے تھے[1] جن میں صرف آنکھوں کی جگہ دو سوراخ ہوتے تھے۔ قبیلہ لمتونہ کے ہزاروں افراد موسیٰ بن نصیر کے ماتحت افریقہ میں لڑ چکے تھے۔ چہروں پر نقاب ڈالنے کی وجہ سے ان کو ملثمین کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔ مرابطین کی ابتداء کے متعلق بہت سی مختلف رائیں پائی جاتی ہیں۔ کچھ مورخین کا یہ خیال ہے کہ یہ لوگ یمن کے حمیری قبیلے سے تعلق رکھتے تھے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں یمن سے شام جا کر آباد ہو گئے تھے اور وہاں سے مغرب اقصیٰ کی طرف چلے گئے۔ لیکن ابن خلدون اور ابن اثیر کی رائے کے مطابق مرابطین قبیلہ صنہاجہ کی ایک شاخ تھے اور صحرائے اعظم کے رہنے والے بربر تھے۔ ۴۳۰ھ/۱۰۳۹ء میں صنہاجہ قبیلے کی ایک شاخ جدالہ کا

---

[1] ابن اثیر جلد ۹ صفحہ ۴۲۸-۲۹

رئیس یحییٰ بن ابراہیم مکہ سے حج کر کے واپس ہوا اور قیروان میں ایک مالکی مذہب کے عالم ابو عمران الفاسی سے ملاقات کی۔ ابو عمران کے زہد و تقویٰ سے یحییٰ بڑا متاثر ہوا اور اس نے ابو عمران سے درخواست کی کہ وہ کسی مذہبی عالم کو اس کے ساتھ روانہ کر دیں تاکہ اپنے قبیلہ میں اسلام کی تبلیغ صحیح طریقہ پر کرائی جائے۔ ابو عمران نے شہر نفیس کے رہنے والے ایک عالم عبداللہ بن یٰسین کو اس کے ساتھ روانہ کر دیا۔ عبداللہ نے اپنا رباط دریائے نائجر کے ایک جزیرہ میں کھڑا کیا۔ جلد ہی عبداللہ کے زہد و تقویٰ اور علم کی شہرت آس پاس کے بربر قبیلوں میں پھیل گئی اور کثیر تعداد میں لوگ اس کے حلقہ ارادت میں داخل ہونے لگے۔ اس کے مریدوں میں لمتونہ قبیلے کے دو بھائی یحییٰ بن عمر اور ابو بکر بن عمر خاص الخاص کی حیثیت سے مشہور تھے۔ عبداللہ بن یٰسین نے جلد ہی بربر قبائل لمتونہ، مصمودہ وغیرہ کی مذہبی اور بعد میں سیاسی سرداری حاصل کر لی کیونکہ یہ قبائل جنگجو اور لڑاکا تھے۔ اس طرح عبداللہ خود بخود ایک جنگجو فوج کے سردار بن گئے۔ ہٹی کے کہنے کے مطابق "ابتدا میں ایک ہزار لڑاکا مرابط کی فوج ترتیب دی گئی۔ جنھوں نے ایک کے بعد دوسرے بربر قبائل اور کچھ نیگرو قبائل کو دائرہ اسلام میں داخل کر لیا۔[1]" امام الدین صاحب کے کہنے کے بموجب عبداللہ بن یٰسین نے بہت سے بربر قبائل کو متحد کر کے اور ان کو عسکری تربیت دیکر یحییٰ بن عمر کو ان کا سپہ سالار بنا دیا۔ یحییٰ بن عمر اپنی فوج لے کر آگے بڑھا اور سجلماسر کے علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد وہ صحرائے اعظم کے اندر گھستا چلا گیا اور وہ بہت سے علاقے بھی فتح کر لئے جو موسیٰ بن نصیر نے بھی فتح نہ کئے تھے۔ ۴۵۱ھ / ۱۰۵۹ء میں یحییٰ برغواطہ قبیلے سے مقابلہ کرتا ہوا مارا گیا۔ ارنلڈ کا کہنا ہے کہ عبداللہ بن یٰسین بھی اس کے ساتھ مارا گیا تھا۔[2] یحییٰ بن عمر اور عبداللہ کے مارے جانے کے بعد مرابطین کی سرداری ابو بکر بن عمر کے حصہ میں آئی۔ ابو بکر نے برغواطہ قبیلے کو شکست دے کر سابقہ ادریسی حکومت کے باقی حصے کو بھی اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ اس نے اپنے نام کا سکہ بھی جاری کیا۔ اسی اثنا میں صحراء اعظم کے مرابطین قبائل کے درمیان آپس میں جنگ چھڑ گئی۔ جس کو ختم کرنے کے لئے ابو بکر کو صحراء اعظم کی طرف جانا پڑا۔ وہ اپنے پیچھے اپنی چچیرے بھائی یوسف بن تاشفین کو تمام علاقہ محروسہ کا نائب بنا کر صحرا کی طرف چلا گیا۔ ابو بکر کو وہاں کئی سال لگ گئے۔ جب وہ واپس آیا تو حالات کو بالکل بدلا ہوا پایا۔

---

[1] History of the Arabs — [2] Political History of Muslim Spain

[3] Perching of Islam - P.34 (اردو ترجمہ)

یوسف بن تاشفین نے اپنی دانشمندیس، زہد و تقویٰ اور فلاحی کاموں سے عوام کے دل جیت لئے تھے اور عاجزی اور انکساری کے ساتھ حکومت کے کام اس طرح انجام دیئے تھے کہ عوام الناس ابو بکر بن عمر کو بھول چکے تھے اور یوسف ان کا ہر دلعزیز بادشاہ بن گیا تھا۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے ابو بکر نے اسی میں اپنی اور حکومت کی بھلائی دیکھی کہ حکومت یوسف بن تاشفین کے حوالے کر کے خود صحراء اعظم چلا جائے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور سنہ ۴۸۱ھ / ۱۰۸۷ء میں صحراء ہی میں وفات پائی۔

یوسف بن تاشفین

۴۵۴ھ / ۱۰۶۱ء میں یوسف کو تخت ملا۔ یوسف بن تاشفین ایک مرد صالح، نیک اور انصاف پسند بادشاہ تھا۔ اپنے ملک میں اس نے شریعت اسلامیہ کا پوری طرح نفاذ کیا۔ خود بھی باشرع اور خلفاء راشدینؓ کے طرز عمل پر چلنے والا تھا۔ عاجزی اور انکساری اس کی بے مثل تھی۔ عوام سے بہت محبت کرتا تھا۔ اور بذات خود ان کے کاموں میں دلچسپی لیتا تھا۔ معاملات حکومت میں علماء اور فقہاء کی رائے کو اہمیت دیتا تھا۔ جب اپنے ملک میں امن و امان قائم کر کے اپنی حکومت کو قرآن و سنت پر ڈھال دیا تو ۴۷۹ھ / ۱۰۸۶ء میں اس نے عباسی خلیفہ المقتدی بامراللہ سے درخواست کی کہ جو ممالک موجودہ حالت میں میرے قبضہ میں ہیں ان کا مجھے بادشاہ بنا دیا جائے۔ عباسی خلیفہ نے اس کی یہ درخواست منظور کرلی اور اس کو خلعت، پرچم اور شمشیر عنایت کرتے ہوئے اس کو اجازت دی کہ وہ اپنے لئے امیرالمومنین کا لقب استعمال کر سکتا ہے۔ جس سے یوسف بن تاشفین اور مغرب کے فقہا بے انتہا مسرور ہوئے۔ یوسف بن تاشفین ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے مراکش شہر کی بنیاد رکھی اور اس کو اپنا دارالحکومت قرار دیا[1]۔ اس کی علم دوستی اور دینداری کی اس قدر شہرت ہوگئی تھی کہ امام غزالیؒ جیسے عالم نے اس سے ملاقات کے لئے مغرب اقصیٰ کا سفر کیا۔ (لیکن یوسف امام صاحب کے آنے سے پیشتر انتقال کر چکا تھا)

جس وقت اسپین کے مسلمانوں نے مرابطین سے امداد کی درخواست کی تھی اس وقت مرابطین کا دور عروج پر تھا اور ان کی حکومت مغرب میں دریائے سینیگال سے لے کر مشرق میں الجزائر تک مکمل طور پر قائم ہو چکی تھی۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ اسپین کے ملوک الطوائف جب الفانسو ششم کے ناپاک ارادوں سے تنگ آگئے تھے اور ان کے لئے کوئی راہ نجات باقی نہ رہی تو انہوں نے یوسف سے مدد کی درخواست کی تھی کیونکہ یوسف کی دین داری اور فقہاء و علماء کی اس کے یہاں قدر دانی کی کافی شہرت ہو چکی تھی اس لئے اسپین کے علماء دین بھی اس کو اسپین میں لانے کی بڑی کوشش کر رہے

[1] تاریخ الخلفاء سیوطی صفحہ ۴۴۳ (اردو ترجمہ)

تھے۔ معتمد شاہ اشبیلہ متوکل شاہ بطلیوس اس کوشش میں سب سے آگے تھے۔ بہت سے ملوک الطوائف یوسف کو بلانے کے خلاف تھے لیکن عیسائیوں کے خطرے کے پیش نظر انہوں نے اس شرط پر اس کو بلانے کی حامی بھرلی کہ وہ اسپین کے کسی علاقہ پر قابض نہ ہوں گے۔ غرناطہ کے قاضی ابو جعفر۔ بطلیوس کے قاضی ابو اسحٰق مسکانا اور اشبیلہ کے وزیر ابوبکر ابن زیدون یوسف کو بلانے کے لئے افریقہ روانہ ہوئے۔ شرائط کی تفصیل کا پتہ تو نہیں چل سکا۔ البتہ اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ یوسف نے اس امر کی قسم کھائی تھی کہ وہ اسپین کی کسی ریاست پر قبضہ نہ کرے گا۔ صرف عیسائیوں کو شکست دے کر واپس آجائے گا۔ ۴۸۰ھ/۱۰۸۶ء میں یوسف بن تاشفین ایک بڑی فوج لے کر جزیرہ الخضراء پر اترے وہاں سے اشبیلہ روانہ ہوگیا۔ تمام ملوک الطوائف بھی اپنی اپنی فوج لے کر اس سے آملے اور مسلمان فوج کی تعداد بیس ہزار کے قریب پہنچ گئی۔ الفانسو ششم نے بھی اپنے دوستوں کی فوج جمع کی اور ۶۰ ہزار کا لشکر لے کر بطلیوس کے قریب آگیا۔ بطلیوس سے ۶ میل کے فاصلے پر زلاقہ کے میدان میں دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ یوسف نے عیسائیوں کو زبردست شکست دی اور ان کی قوت کو یکسر فنا کردیا۔ (۲۳ اکتوبر ۱۰۸۶ء مطابق ۱۴ رمضان ۴۸۰ھ) امیر یوسف کا ارادہ شمال میں آگے بڑھنے کا تھا لیکن اس کے بڑے لڑکے نے سبتہ میں اچانک انتقال کیا۔ جس کی وجہ سے ان کو مراکش لوٹ جانا پڑا۔ البتہ ۳ ہزار افریقی سپاہ معتمد کے پاس چھوڑ گئے تاکہ وقت ضرورت ان سے کام لیا جاسکے۔

جنگ زلاقہ سے مسلمانوں کو وقتی طور پر کئی فائدے حاصل ہوئے۔ ایک تو ان کو عیسائیوں کی باجگذاری اور آئے دن کی یلغار سے نجات ملی دوسرے ان کو آئندہ کے لئے مرابطین کی امداد کا سہارا مل گیا۔ لیکن بحیثیت مجموعی مسلمانوں کو اس جنگ سے کوئی زیادہ فائدہ اس لئے نہ ہوا کہ امیر یوسف کو عیسائیوں کی کافی سرزنش کے بغیر ہی واپس جانا پڑگیا تھا۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ عیسائیوں نے جلد ہی اپنی طاقت کو تیزی کے ساتھ بحال کرکے دوبارہ مسلم علاقوں پر حملے شروع کردیئے تھے۔ معتمد نے اپنے افریقی دوستوں کی مدد سے ان کا ایک دو جگہ مقابلہ بھی کیا لیکن ان کی یلغار کو روکنے میں ناکام رہا۔ بالآخر دوبارہ معتمد اور دیگر ملوک الطوائف کو یوسف بن تاشفین کو مدد کے لئے بلانا پڑا۔ ۴۸۳ھ/۱۰۹۰ء میں یوسف دوبارہ اسپین میں داخل ہوا۔ اس وقت اس کے ساتھ اشبیلہ کا معتمد' مالقہ کا تمیم' غرناطہ کا عبداللہ' المریہ کا معتصم اور مرسیہ کا ابن رشیق بھی تھا۔ ان سب نے مل کر عیسائیوں کے گڑھ حصن الлیط کا محاصرہ کرلیا۔ یہ محاصرہ ۴ ماہ تک جاری رہا۔ اس دوران ملوک

الطوائف آپس میں دست گریباں ہوگئے اور بداندیشی سے امیر یوسف ہی کے سامنے ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے اور الزام تراشنے لگے۔ جس کی وجہ سے ابن رشیق قید کردیا گیا۔ یہاں تک کہ حالات سے مجبور ہوکر حصن الیط کا محاصرہ اٹھانا پڑا۔ حالات کا بخوبی مطالعہ کرنے کے بعد مندرجہ ذیل وجوہات کی بناء پر امیر یوسف نے یہ طے کرلیا کہ اسپین کے ملوک الطوائف کو ختم کرکے اس کو حکومت مراکش کا ایک صوبہ بنالینا چاہئے۔

(ا) ملوک الطوائف کی آپس کی رنجشوں اور چپقلشوں نے مسلم اسپین کے اتحاد کے تمام امکانات کو ختم کردیا تھا۔ جس کی بناء پر اس بات کی قوی امید تھی کہ وہ عیسائیوں کے پنجہ سے نہ بچ سکیں گے۔

(ب) امیر یوسف کو دین اسلام سے بڑی محبت تھی اور اسلام کے فوائد کا خیال نہایت خلوص کے ساتھ اس کے دل میں موجود تھا۔ ملک اسپین کی موجودہ حالت اسلام کے لئے بڑی خطرناک تھی جس کو بچانا امیر یوسف پر فرض تھا[ؒ]

(ج) اسپین کے علماء و فقہاء اور عوام سب ملک کو عیسائیوں کی دست برد سے بچانا چاہتے تھے۔ چنانچہ ان کے نزدیک امیر یوسف خدا کی طرف سے ان کا نجات دہندہ تھا اس لئے وہ اس کو اپنے اوپر قائم رکھنا چاہتے تھے۔

(د) امیر یوسف پر عوام اور علماء و فقہاء کی طرف سے پورا دباؤ اس بات کا ڈالا جارہا تھا کہ ان کو ملوک الطوائف سے نجات دلا کر حکومت مرابطین میں شامل کرلے۔ تاکہ جو ظلم و ستم اور اسلامی شعائر کی بے وقعتی ملوک الطوائف کے ہاتھوں ہورہی ہے اس سے نجات ملے۔

چنانچہ جب بادشاہان اسپین کے آپس کے تعلقات کی پوری نوعیت امیر یوسف بن تاشفین کے سامنے آئی تو امیر کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ ایسی حالت میں ملک کو عیسائیوں سے یہ ملوک الطوائف نہیں بچاسکتے اور امیر یوسف کو بار بار اسپین میں آکر مسلمانوں کو بچانا پڑے گا۔ چنانچہ اس سے بہتر یہ ہوگا کہ تمام ملوک الطوائف کو الگ کرکے اسپین کو مراکش کا ایک صوبہ بنالینا چاہئے۔ ادھر فقہاء اور مفتیان اسپین نے ایک فتویٰ مشرق کے علماء کے دستخطوں کے ساتھ جاری کیا کہ شرعی نقطہ نگاہ سے امیر یوسف پر یہ بات فرض ہوجاتی ہے کہ وہ مسلمانوں کی جان و مال کی حفاظت کا ذمہ اپنے

لے . Spanish Islam - P.715

اوپر لیس چنانچہ امیر یوسف بن تاشفین نے پیش قدمی کی اور غرناطہ پر قبضہ کر کے شاہ غرناطہ عبداللہ کو قید کر لیا اس کے چند دن بعد امیر یوسف کو افریقہ واپس جانا پڑا۔ واپسی میں اس نے تمیم کو گرفتار کر کے مالقہ پر قبضہ کر لیا۔ اسپین میں وہ اپنا نائب ابوبکر سربن ابوبکر کو چھوڑ گئے تاکہ اسپین کے دیگر ملوک الطوائف کو معزول کر دے۔ اسپین کے ملوک الطوائف کو اب پوری طرح امیر یوسف کے ارادوں کا پتہ چل چکا تھا۔ چنانچہ انہوں نے باہم یہ طے کر لیا کہ آئندہ مرابطین کو فوج اور سامان رسد نہ دیا جائے گا اور یہ بھی طے کیا کہ سب مل کر شاہ لیون اور الفانسو ششم سے معاہدہ کریں۔ لیکن علماء و فقہاء اور عامتہ الناس مرابطین کی حکومت میں آنا پسند کرتے تھے۔ اس لئے مفتیان دین نے ملوک الطوائف کے خلاف مرابطین کی جنگ کو شرعی اور جائز قرار دیا۔ یہ فتویٰ دیگر اسلامی ممالک کے فقہاء سے تصدیق شدہ تھا جن میں مشہور زمانہ امام غزالیؒ بھی شامل تھے۔ ڈوزی کا بیان ہے کہ "ان دینی بزرگوں نے یوسف بن تاشفین کو اس بات کی ضرور ہدایت کی تھی کہ وہ حکومت عدل و انصاف سے کرے اور راہ مستقیم سے نہ ہٹے۔"[1] یہ فتویٰ جاری ہوتے ہی سربن ابوبکر نے ملوک الطوائف کے خلاف جنگ کا آغاز کر دیا۔ مرابطین کے لشکر کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے مختلف علاقوں میں روانہ کیا۔ ایک حصے نے المریہ کا محاصرہ کیا اور باقی حصے معتمد شاہ اشبیلیہ کے علاقے میں پھیل گئے۔ ۴۸۳ھ / ۱۰۹۰ء میں جزیرہ طریف اور اس کا نواحی علاقہ فتح ہوا۔ ۴۸۴ھ / ۱۰۹۱ء میں قرطبہ بھی معتمد سے چھین لیا گیا۔ اس میں اس کا لڑکا فتح مارا گیا۔ اسی سال قرمونہ بھی مرابطین کے قبضہ میں آگیا۔ اور پھر اشبیلیہ کا محاصرہ شروع ہوا۔ معتمد نے شاہ لیون الفانسو ششم سے بہت سے وعدوں پر عاجزانہ امداد کی درخواست کی تھی۔ شاہ لیون نے اپنے ایک سردار الور قانیز کو بہت سی فوج دے کر بھیجا۔ لیکن حصن المدور کے قریب عیسائی فوج نے مرابطین کے ایک دستہ سے شکست کھائی۔ بالآخر ستمبر ۱۰۹۱ء (۲۱ رجب ۴۸۴ھ) میں زبردست مزاحمت کے بعد اشبیلیہ پر مرابطین کا قبضہ ہو گیا۔ معتمد مع اہل و عیال کے گرفتار کر کے اغمات (مراکش) بھیج دیا گیا۔ معتمد کے دو لڑکے معتد اور راضی مرتلہ اور رندہ پر قابض تھے۔ وہ بھی بہت جلد مرابطین کے قابو میں آگئے اور راضی قتل کر دیا گیا۔ اسی سال المریہ پر قبضہ ہوا اور اس کے تھوڑے دن بعد دانیہ، مرسیہ، شاطبہ سب کے سب مرابطین کے حلقہ اقتدار میں آگئے۔ اس کے بعد مرابطین بطلیوس کی طرف بڑھے اور ۴۸۴ھ / ۱۰۹۴ء میں اس پر قبضہ کر کے وہاں کے بادشاہ متوکل اور اس کے لڑکوں کو قتل کر دیا۔ ۴۹۶ھ / ۱۱۰۲ء میں بلنسیہ پر قبضہ ہوا۔ اب

[1] Spanish Islam - P.717

صرف سرقسطہ اور سلہ کی ریاستیں باقی رہ گئیں تھیں۔ باقی سارا مسلم اسپین مع ۱۳ بادشاہوں کے یوسف بن تاشفین مرابطی کے قبضہ اور اقتدار میں آچکا تھا۔ ۵۰۰ھ/۱۱۰۶ء میں یوسف بن تاشفین نے انتقال کیا اور تخت مراکش پر علی بن یوسف آیا۔ اسپین پر یوسف بن تاشفین کا قبضہ دراصل اسلامی تہذیب کو بحال کرنے کی ایک ناکام کوشش تھی کیونکہ دور ملوک الطوائف میں کسی تہذیب کے استحکام حاصل کرنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا اور قدیم عربی تہذیب بہت پہلے ہی اسپین سے مفقود ہو چکی تھی۔ ایک اسلامی تہذیب تھی جو عوامی طور پر زندہ تو تھی لیکن معطل حالت میں مساجد و خانقاہوں اور مدارس میں پڑی ہوئی تھی۔ جیسے ہی زہد و تقویٰ اور شریعت اسلامی کے پیکر یوسف کے اقبال کا سورج نصف النہار تک پہنچا۔ اسلامی تہذیب کے عاشقوں کو ایک بار پھر یہ موقع ہاتھ آیا کہ وہ امیر یوسف کے ذریعہ اسلامی تہذیب کو بحال کریں۔ اسی وجہ سے امیر یوسف کی کامیابی میں جس قدر ہاتھ علماء و فقہاء اور مسلم عوام کا تھا شاہان اسپین کا نہ تھا۔ امیر یوسف بن تاشفین نے عامتہ الناس کی توقعات کو پورا کر دکھایا۔ پورے نظام حکومت کو شریعت اسلامی کا جامہ پہنایا گیا جس نے ملک کی اقتصادی حالت بہتر ہوگئی۔ آمدنی و خرچ کے طریقہ کار کو پوری طرح اسلامی اقتصادی نظام کے تحت لایا گیا۔ شرعی محاصل مقرر کئے گئے اور وہ تمام محاصل بالکل منسوخ کر دیئے گئے جو قرآن و سنت کے خلاف تھے۔ ضروریات زندگی کو آسان اور ارزاں بنایا گیا اور تمام ملک میں امن و امان قائم کر دیا گیا۔ امیر یوسف علماء اور فقہاء کی قدردانی میں مشہور تھے۔ اسی لئے ان کی مجلس شوریٰ میں علماء و فقہاء کی تعداد کثرت میں تھی اور امیر یوسف ان کی رائے کا احترام کرتے تھے۔ البتہ شعروادب پر زوال آگیا۔ خاص طور پر وہ لوگ بہت ہی پریشان حالت میں تھے جو آزاد خیال تصور کئے جاتے تھے۔ اہل ذمہ عیسائی اور یہودی گو پوری طرح آزاد تھے لیکن نئے گرجا یا معبد بنانے اور اپنے مذہب کی تبلیغ نہ کر سکتے تھے۔ چنانچہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ امیر یوسف نے اسپین میں بھی مکمل طور پر نہیں تو بڑی حد تک مذہبی حکومت قائم کر دی تھی اور یہ اسلامی تہذیب کی کامیابیوں میں سے ایک کامیابی تھی۔

علی بن یوسف بن تاشفین ۵۰۰ھ-۵۳۸ھ/۱۱۰۶ء-۱۱۴۳ء

علی نام ابوالحسن کنیت تھی۔ باپ کے بعد بلا مزاحمت تخت مراکش پر بیٹھا۔ اس نے اسپین کے تمام علاقوں میں از سر نو وفادار اور تجربہ کار گورنر مقرر کئے۔ تاکہ نظم مملکت میں خامی نہ رہنے پائے۔ علی کے زمانہ میں باقی ماندہ ریاستیں سلہ اور سرقسطہ بھی مرابطین کے قبضہ میں آگئیں۔ اس طرح پورا مسلم اسپین اب مرابطین کے دائرہ اثر و اقتدار میں آگیا۔ مورخین کا کہنا ہے کہ زہد و تقویٰ علی بن

یوسف پر ختم ہو گیا تھا۔ درحقیقت علی تخت حکومت کے لئے نہیں بلکہ کسی خانقاہ یا صحرا کے کسی رباط میں عبادت و ریاضت کی زندگی بسر کرنے کے لئے پیدا ہوا تھا۔ فقہاء اور علماء اس کو بہت پسند کرتے تھے اور سلطنت کا کل نظام انہی کے قبضہ میں تھا۔ البتہ شعراء اور فلاسفہ اور دیگر ماہرین علوم عقلیہ کو مرابطین سے سخت رنج تھا۔ اس دور کی شاعری اور تصانیف میں ایک قسم کی افسردگی اور مایوسی پائی جاتی ہے۔ جس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ ان کی حوصلہ افزائی کرنے والا کوئی نہ تھا۔ حکومت کی سرپرستی اور مذہبیت نے اس دور کے علماء میں خود پسندی کا عیب پیدا کر دیا تھا جس کی بدترین مثال قرطبہ کا قاضی احمد بن حمدین تھا۔ شاعر خوش بیان ابن البقی اس زمانہ کے بہترین شعراء میں شمار کیا جاتا تھا لیکن فقہاء کی خود پسندی نے اس کو شہر در شہر بھیک مانگنے پر مجبور کر دیا تھا۔ یہی حال فلسفہ کا تھا جس کا نام تک لینا باعث کفر سمجھا جاتا تھا۔ مالک بن وہب اشبیلی نے غلطی سے جوانی میں فلسفہ پڑھا تھا لیکن جب اس کو اپنی جان کا خطرہ محسوس ہوا تو فلسفہ چھوڑ کر فقہ پڑھنا شروع کر دیا تھا۔ اس فقہ کی بدولت ایک دن وہ علی بن یوسف کا مقرب اور معتمد بن گیا تھا۔

ہمیشہ اسلامی تہذیب کے معطل اور مقید ہونے میں علماء اور فقہاء کا بڑا ہاتھ رہا ہے۔ جب کبھی بھی ان علماء و فقہاء کو موقعہ مل جاتا تو یہ اس قدر متعصب اور خود پسند ہو جاتے تھے کہ عوام الناس تک ان سے بیزار ہو جاتے تھے۔ اس دور میں بھی اسلامی تہذیب نے ایک سنبھالا لیا تھا اگر علماء و فقہاء حسب سابق اپنی غلط روی میں مشغول نہ ہو جاتے تو کوئی تعجب نہیں کہ صدیوں کے لئے اسلامی تہذیب کے قدم اس ملک میں جم جاتے لیکن اس دور کے علماء خود پسندی کے ساتھ ساتھ سخت تعصب میں مبتلا ہو گئے تھے۔ مالکی مذہب کے علاوہ کسی دوسرے مسلک کو نہ صرف یہ کہ قبول کرنا پسند نہ کرتے بلکہ ان کی کتابیں تک پڑھنا گوارہ نہ کرتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کتابیں دین اسلام سے تعلق نہ رکھتی تھیں۔ یہاں تک کہ امام غزالیؒ جیسے عالم اور مفکر اسلام کی کتاب احیاء العلوم کو پڑھنے اور پاس رکھنے کی سخت ممانعت تھی اور جس قدر نسخے اس کتاب کے دستیاب ہو سکے جلا دیئے گئے تھے۔ تعصب کی یہاں تک انتہا ہوئی کہ ایک فرمان شاہی کے ذریعہ اس کتاب کو پڑھنے اور پاس رکھنے والے کو سزائے موت کا مستحق قرار دیا گیا۔ دیگر مذاہب پر بے جا سختیاں اور تشدد کیا گیا۔ جس سے اسلام کی تبلیغ تو کیا ہوتی خود مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت ان علماء و فقہاء سے بیزار ہو چکی تھی۔ البتہ عامتہ الناس مرابطین سے ابھی تک خوش تھے۔ اس لئے کہ اندرون ملک امن و سلامتی باہر کے دشمنوں سے حفاظت اور محصولوں کی کمی نے ان کو خوشحال کر دیا تھا۔ بلاشبہ اس دور میں مسلم اسپین

میں امن رہا۔ راستے محفوظ تھے اور تجارت فروغ پذیر تھی ڈاکو اور قزاق ناپید تھے۔ عدل و مساوات کا دور دورہ تھا البتہ علی بن یوسف کے زمانہ میں شرع کے خلاف کئی محصول لگائے گئے تھے لیکن پھر بھی وہ اس قدر کم تھے کہ ان کا بار کسی پر گراں نہ گزرا تھا۔

مرابطین کی اسلامی سلطنت کے نتائج بھی چند روزہ ہی ثابت ہوئے کیونکہ سلطنت کے ارکین' منتظم اور سرداران فوج تیزی سے اپنے اچھے اوصاف سے محروم ہوتے جارہے تھے۔ اسپین کی دولت نے ان کے اچھے اوصاف کو دیمک کی طرح کھانا شروع کردیا اور وہ سب عیش و آرام کی زندگی گزارنے لگے۔ انہوں نے اسپین کے ان بادشاہوں کی نقالی شروع کردی جن کو وہ معزول کرچکے تھے۔ ابوبکر بن ابراہیم جو علی بن یوسف کا بہنوئی تھا پہلے غرناطہ اور سرقسطہ کا حاکم بنایا گیا تھا۔ اس کے شاہانہ طور طریقے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مرابطین کس تیزی سے اپنی جنگجویانہ صحرائی زندگی سے دور ہٹتے جارہے تھے۔ امراء لشکر کے ساتھ ساتھ سپاہ کا بھی یہی حال ہوگیا جو سچے اور پکے مسلمان تھے اپنے مافسروں کی مانند بگڑ گئے اور ان کی بدویانہ شجاعت و بہادری ان سے جاتی رہی۔ ان کی اسی بزدلی اور کاہلی سے بدظن ہوکر علی بن یوسف نے عیسائیوں کو بھی اپنی فوج میں داخل کرنا شروع کردیا۔ اس کا امیر البحر ابن میمون عیسائی پہلے ہی موجود تھا۔

علی بن یوسف کے زمانہ میں حرم کی عورتوں کو بھی عروج حاصل ہوا۔ علی پر اس کی بیوی قمر کی حکمرانی تھی اور اسی وجہ سے علماء و فقہا پر ان کی بیویاں حاوی تھیں۔ دربار کے امراء اور وزراء پر بھی عورتیں قابو پاچکی تھیں۔ عورتوں کی سفارش پر سرکاری عہدے دیئے جاتے اور ان کی شکایت پر معزولی کے پروانے لکھے جاتے تھے۔ آئے دن احکامات میں تبدیلی ہونے لگی اور حکومت ایک ہنسی کھیل بن کر رہ گئی۔ حتیٰ کہ احکامات شاہی بھی روزانہ تبدیل ہوتے رہتے تھے جس سے لشکر اور عوام دونوں کا نقصان ہوتا اور حکومت سے ان کی بیزاری بڑھ جاتی۔ عورتوں ہی کے اکسانے پر امراء اور وزیروں کے دلوں میں تخت حاصل کرنے کی تمنائیں پیدا ہونے لگیں۔ علی بن یوسف تو اپنی عبادت و ریاضت میں اس قدر انہماک تھا کہ سلطنت کی طرف ذرا غور کرنے کی فرصت نہ ملتی تھی۔ علماء و فقہاء قابل سے قابل شخص کو اپنے مقابل نہ ٹھہرنے دیتے اور اپنی اجارہ داری قائم رکھنے کے لئے ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے میں پیش پیش تھے۔ الغرض مراکش بھی اسی راہ پر لگ گیا۔ جس میں فنون جنگ کے مظاہروں سے زیادہ فن عیش کوشی اور حصول انبساط منشاء حیات ہوتا ہے۔ اسی دوران

لے الاحاطہ فی اخبار غرناطہ جلد ا تذکرہ ابوبکر

افریقہ کی ایک نئی تحریک مواحدین زور پکڑ گئی۔ علی بن یوسف مع اپنے لشکر کے اسپین چھوڑ کر افریقہ چلا گیا۔ شمال کے عیسائیوں نے موقعہ غنیمت جانا اور کاروائیاں پھر سے شروع کر دیں۔ ۵۱۹ھ/۱۱۲۵ء میں شاہ ارغون الفانسو نے مسلم اسپین میں گھس کر قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا۔ ۵۲۸ھ/ ۱۱۳۳ء میں الفانسو ہفتم شاہ قسطالیہ نے قرطبہ' اشبیلیہ' اور قرمونہ کے علاقوں کو تباہ و برباد کیا اور ۵۳۹ھ/ ۱۱۴۴ء تک تمام اسپین قلعہ رباح سے المریہ تک عیسائیوں کے ظلم و ستم کی آماجگاہ بن گیا۔ ایک بار پھر مسلم اسپین کی حالت خراب ہو گئی' تجارتیں بند ہو گئیں۔ راستے غیر محفوظ ہو گئے۔ لوگوں کی جان و مال محفوظ نہ رہی۔ حکومت کے رشوت خور ملازموں نے پہلے سے زیادہ عوام کو پریشان کرنا شروع کر دیا۔ چور' اٹھائی گیرے اور لٹیرے دوبارہ سرگرم عمل ہو گئے۔ ضروریات زندگی گراں اور کمیاب ہونے لگیں۔ مزید یہ کہ دشمن ہروقت سر پر سوار اور اس سے لڑنے والا مرابطین کا لشکر بزدل اور غیر تربیت یافتہ۔ علی بن یوسف کو اگر مواحدین نہ الجھا لیتے تو بلاشبہ اس میں اور اس کے لڑکے تاشفین بن علی میں اتنی صلاحیت ضرور موجود تھی کہ وہ دوبارہ اسپین کے حالات کو اعتدال پر لا سکتے تھے۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ یہاں تک کہ علی بن یوسف نے ۵۳۸ھ/ ۱۱۴۳ء میں اس دار فانی سے کوچ کیا۔ یہ علی ہی کی ہمت تھی کہ اس نے مواحدین کو اپنی زندگی تک مراکش پر قابض نہ ہونے دیا۔

تاشفین بن علی ۵۳۸ھ/ ۱۱۴۳ء تا ۵۴۰ھ/ ۱۱۴۵ء

تاشفین نے تخت مراکش پر اس وقت قدم رکھا جبکہ مواحد عبدالمومن جگہ جگہ مرابطین کو شکست دے رہا تھا۔ چنانچہ تاشفین اپنی حکومت کو بچانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ گو وہ خود بہادر' نڈر اور بے خوف شخص تھا اور اس نے بہادری سے عبدالمومن کا مقابلہ بھی کیا لیکن بے سود۔ مراکش کے بربر اب بہادر بربر نہ رہے تھے۔ دولت کی بہتات نے ان کو کاہل' سست اور عیاش بنا دیا تھا اور وہ دربار مراکش میں مرابطین کے خلاف سازشوں میں مشغول تھے۔ جن اعلیٰ اقدار کی بنیاد پر مرابطین نے تخت حاصل کیا تھا وہ اب ان میں باقی نہ رہی تھیں۔ علامہ ابن الخطیب کے بقول "تاشفین جوانمرد' بہادر' خوش اخلاق اور خواص و عوام میں مقبول تھا۔ وہ نیک اور صالح لوگوں کی صحبت میں بیٹھتا تھا۔ اس نے اپنے دربار سے حاجبوں اور دربانوں کو دور کر کے اہم شخصیتوں کو اپنے معاملات میں شریک کیا۔ وہ دن کو روزے رکھتا اور راتوں کو عبادت کرتا تھا۔ تلاوت قرآن پاک کثرت سے

لہ Spanish Islam - P.715-6

کرتا تھا اور پوشیدہ طور پر صدقات دیا کرتا تھا۔ عدل وانصاف اور حق وصداقت کو ہمیشہ ترجیح دیتا تھا۔
اکثر مقدمات کی سماعت خود کرتا تھا۔ علم دوست تھا اور فقہاء اور طلبہ کو اعزازات سے نوازتا رہتا تھا۔
اس نے اسپین میں عیسائیوں کو کئی شکستیں دیں۔[1] لیکن افسوس وقت نکل چکا تھا۔ مواحدین کا ستارہ
اقبال عروج پر تھا اور مرابطین کا سورج گہنا چکا تھا۔ تاشفین کی تمام خوبیوں کے باوجود مرابطین
مواحدین پر کامیاب نہ ہوسکے۔ یہاں تک کہ تاشفین ۵۴۰ھ/۱۱۴۵ء میں مواحدین سے جنگ کرتا
ہوا مارا گیا۔ اور اسی کے ساتھ مرابطین کا خاتمہ ہوگیا۔

موحدین کی ابتداء اور عروج

۱۲ویں صدی عیسوی کے آغاز میں ایک نئے مذہبی مصلح کا افریقہ میں ظہور ہوا اور اس نے اپنے
آپ کو مہدی مغرب کے نام سے مشہور کیا۔ اس کا اصلی نام ابو عبداللہ محمد بن تومرت تھا۔ اس کے
نسب کے بارے میں مورخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ابن خلدون جیسے مورخ اس کو امام حسنؓ کی
اولاد شمار کرتے ہیں لیکن زرکشی نے تحقیق کے بعد یہ لکھا ہے کہ "وہ اصل میں بربر قبیلہ مصمودہ سے
تعلق رکھتا تھا لیکن کیونکہ مہدی کے ظہور کی پیشین گوئی اہل بیت سے تعلق رکھتی تھی۔ اس لئے
اس نے دعوئ مہدیت کے بعد اپنا نسب اہل بیت سے ملا دیا[2]۔ اس کی تاریخ پیدائش کے متعلق بھی
اختلاف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ مختلف روایات کی روشنی میں ۴۷۱ھ تا ۴۸۶ھ کے مابین سوس کے ایک
گاؤں میں پیدا ہوا تھا۔ اس کا باپ تومرت سوس کی ایک مسجد کا مشعلچی تھا اس لئے اس کو سراج کے
نام سے پکارا جاتا تھا۔ ابو عبداللہ محمد کی ابتدائی تعلیم قرطبہ میں ہوئی تھی۔ مہدیہ میں امام مازری اور
اسکندریہ میں ابوبکر طرطوسی سے استفادہ کیا[3]۔ اسکندریہ سے وہ عراق گیا اور امام غزالیؒ کی شاگردی کا
شرف حاصل کیا اور مکہ میں حدیث اور اصول فقہ کی تکمیل کی۔

ابو عبداللہ محمد کی زندگی ابتداء ہی سے زاہدانہ تھی۔ ایک عصاء اور پانی پینے کے پیالے کے سوا
اس کا کوئی اثاثہ نہ تھا۔ دن رات عبادت و ریاضت میں مشغول رہتا تھا۔ تعلیم حاصل کرنے اور
ممالک اسلامیہ کا طویل سفر کرنے کی وجہ سے اس کے دل و دماغ میں شگفتگی اور روشنی پیدا ہوگئی تھی
جس کی بنا پر وہ جذبات انسانی کے پوشیدہ رازوں تک سے واقف ہو جاتا تھا۔ شریعت کی پیروی میں
بہت سخت تھا اور خلاف شرع باتوں کی مخالفت میں کسی کا خوف نہ کرتا تھا۔ اسی حق گوئی کی وجہ سے وہ

---

[1] احاطہ فی اخبار غرناطہ تذکرہ "تاشفین" [2] تاریخ الدولتین الموحدیہ والحفصیہ صد ۲
[3] ایضاً

مکہ سے نکالا گیا تھا۔ مصر کی حکومت نے اس کو اپنے یہاں نہ رکنے دیا اور وہ بذریعہ بحری جہاز ۵۰۵ھ / ۱۱۱۱ء میں افریقہ کے شہر مہدیہ میں پہنچا اور ایک مسجد میں قیام کیا۔ یہاں بھی اس نے اپنے مسلک کی تبلیغ کا کام جاری رکھا جس سے جلد اس کی شہرت ہو گئی۔ چند دن کے بعد مہدیہ سے بجایہ چلا گیا[1]۔ بجایہ کے ایک گاؤں میں اس کی ملاقات عبدالمومن سے ہوئی اور یہ لڑکا ابو عبداللہ کو اپنے مشن کے لئے موزوں ترین نظر آیا۔ چنانچہ اس کو اپنے حلقہ ارادت میں داخل کر کے اپنا شریک کار بنالیا۔ ایک اور مشہور شخص عبدالواحد بھی اس کا معاون ہو گیا۔ یہ تینوں بجایہ سے تلمسان پہنچے کیونکہ ابن تومرت کی شخصیت میں اس کے زہد و اتقاء کی بدولت ایک خاص اثر پیدا ہو گیا تھا۔ اس لئے جلد ہی چھوٹے بڑے طبقہ کے لوگ اس کے مریدوں کے گروہ میں داخل ہونے لگے۔ تلمسان سے وہ فاس پہنچا اور زور و شور سے تبلیغ و تعلیم کا سلسلہ یہاں بھی جاری کر دیا۔ ابو عبداللہ محمد کی تعلیمات اشعری عقائد پر منحصر تھیں جبکہ اہل مغرب کثرت سے اشعری عقائد کے خلاف تھے چنانچہ فاس کے والی نے اپنے یہاں کے علماء سے اس کا مناظرہ کرایا۔ جب فاس کے علماء ابن تومرت سے نہ جیت سکے تو انہوں نے والی شہر کو بھڑکا کر اس کو شہر فاس سے نکلوا دیا۔ ابن تومرت فاس سے مراکش پہنچا۔ علی ابن یوسف مرابطی نے یہاں کے علماء سے بھی اس کا مناظرہ کرایا۔ جس میں ابن تومرت ہی کامیاب رہا۔ ایک دن علی بن یوسف کی بہن بلا پردہ بازار سے گزر رہی تھی تو ابن تومرت نے دیکھ لیا اور بہت سخت و سست کہا اور کہا جاتا ہے کہ مارا بھی۔ علی بن یوسف نے اس کی شہرت اور تقدس سے خائف ہو کر اسے کوئی سخت سزا تو نہ دی لیکن شہر بدر کر دیا۔ ابن تومرت مراکش سے سوس واپس آگیا۔ کچھ دن بعد پہاڑی علاقے کے لوگوں کی درخواست پر تملیل (با شمل) چلا گیا۔ قبیلہ مضمودہ کے سردار اس کے وعظ و تبلیغ سے اس کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے۔ جب مریدوں کی تعداد بہت ہو گئی تو اس نے اسی مقام پر اپنے مہدی ہونے کا دعویٰ پیش کیا۔ جس کو بلا تردید قبول کر لیا گیا۔ اس نے دریائے نفیس کے کنارے ایک عالیشان مسجد بنائی اور اس کو اپنی تبلیغ کا مرکز قرار دیا۔ عبدالمومن کو اپنا مشیر اعلیٰ بنایا اور دس خاص مریدوں کی ایک مجلس عاملہ بنائی۔ اس کے علاوہ پچاس بربر سرداروں پر مشتمل ایک مشاورتی مجلس قائم کی۔ تعلیم و تربیت اور رشد و ہدایت کا ایک خاص نصاب مقرر کیا۔ خدمت و عقیدت کے اعتبار سے مریدین کے کئی درجے بنائے۔ مریدوں کا لقب "مومن" رکھا اور ان کے دلوں پر یہ بات کندہ کر دی کہ روئے زمین پر ان جیسی سچی اور ایمان دار جماعت دوسری نہیں۔

---

[1] ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۳۸-۳۹

دعوئ مہدویت کے بعد چند ماہ تک تو خاموش تبلیغ کرتا رہا لیکن اس کے بعد اس نے مرابطین کی بداعمالیوں اور غیر شرعی حرکات کو اجاگر کر کے اپنے مریدوں کو یہ تعلیم دی کہ آج کل کی تمام حکومتیں باطل کی پیروکار ہیں ان سے جنگ جائز ہے[1] یہ ایک قسم کا اعلان جہاد تھا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہزاروں کی تعداد میں اندھا اعتقاد رکھنے والے بربر اس کے چاروں طرف "الجہاد الجہاد" پکارتے ہوئے جمع ہو گئے اور بہت سے بربر قبائل نے تو مرابطین کو محصول ادا کرنا بند کر دیا۔ ان حالات میں علی بن یوسف نے ابن تومرت کے خلاف فوج کشی کی لیکن مہدی کے پیروکاروں نے اس فوج کو مار بھگایا[2] عبدالواحد مراکشی کا بیان ہے کہ سب سے پہلے خود مہدی نے عبدالمومن کی سرکردگی میں ایک فوج مرابطین کے خلاف بھیجی تھی۔ مراکش کے قریب بحیرہ کے مقام پر جنگ ہوئی جس میں عبدالمومن کو شکست ہوئی۔ لیکن عبدالمومن کی ذہانت اور تدبر سے اور مہدی کی ایمان افروز تقریروں سے اس کے مریدین کے دلوں سے جلد ہی اس شکست کے اثرات مٹ گئے۔ مرابطین کیونکہ روبزوال ہی تھے۔ چنانچہ مہدی کے اثرات تیزی سے بڑھتے رہے۔ دونوں فریق کی کشمکش کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ ۵۲۴ھ/۱۱۳۰ء میں ابو عبداللہ محمد ابن تومرت المہدی نے انتقال کیا۔ اور عبدالمومن کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ مہدی بڑا عابد و زاہد تھا۔ دنیاوی جاہ و جلال اور مال و اسباب سے بے نیاز اپنے افعال و اعمال میں نیک بزرگوں کا نمونہ تھا۔ شرع کے مطابق سزا دینے میں بڑا سخت تھا۔ عورتوں سے ہمیشہ پرہیز کرتا اور پیوند لگے کپڑے پہنتا تھا۔ امام معصوم کے عقیدہ کے علاوہ اس میں بدعت کا کوئی شائبہ نہ تھا۔[3]

ابو محمد عبدالمومن بن علی

عبدالمومن کو مہدی نے اپنی زندگی ہی میں اپنا جانشین نامزد کر دیا تھا۔ عبدالمومن کا نسبی تعلق قبیلہ بنی مجیر سے تھا۔ جو بقول ہٹی بربر قبیلہ زناتہ کی ایک شاخ تھا۔[4] لیکن وہ خود اپنے آپ کو عرب قبیلہ قیس غیلان سے بتاتا تھا۔ ۴۸۷ھ/۱۰۹۴ء میں تلمسان کے علاقہ تاجرا میں پیدا ہوا۔ ابن ابی دینار کا بیان ہے کہ اس کا باپ بڑھئی تھا لیکن ہٹی نے مٹی کے برتن بنانے والا لکھا ہے۔ عبدالمومن کو بچپن ہی سے علم حاصل کرنے کا بڑا شوق تھا اور اس کا زیادہ تر وقت مساجد ہی میں گزرتا تھا۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۱۰ ص ۲۰۰ [2] ایضاً [3] تذکرہ بالا واقعات عبدالواحد مراکشی کی کتاب المعجب سے، زرکشی کی کتاب تاریخ الدولتین سے اور ابن اثیر سے ماخوذ ہیں۔ [4] History of the Arabs - P.546

ابن تومرت مہدی سے اس کی ملاقات اس وقت ہوئی جبکہ وہ علم کے شوق میں مشرق کے سفر کی تیاریاں کر رہا تھا۔[1] عبدالمومن کی شخصیت پر کشش اور پر تاثیر تھی۔ صورت بھی حسین و جمیل تھی۔ آواز نہایت بلند گفتگو پر زور اور فصیح ہوتی تھی۔ اس کو دیکھ کر اور اس سے گفتگو کر کے لوگ اس کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔[2]

(کیونکہ ہمارا مقصود اسپین کی تاریخ ہے اس لئے عبدالمومن اور اس کے جانشینوں کا صرف اسی قدر تذکرہ ہوگا جس قدر کہ ان کا تعلق اسپین سے رہا تھا۔ اس خاندان کی تفصیل کے لئے ابن خلدون ج ۶ ابن اثیر ج ۱۰ ابن خلکان ج ۲ اور مراکشی کا مطالعہ کیا جائے۔ ہم صرف اجمالی تذکرہ پر بس کریں گے۔)

عبدالمومن نے مواحدین کا سردار ہوتے ہی وسعت سلطنت کی کوشش شروع کردی۔ یہ بتایا جاچکا ہے کہ علی بن یوسف مرابطی جب تک زندہ رہا اس وقت تک عبدالمومن کی کوششیں زیادہ کامیاب نہ ہوسکیں۔ بلکہ اس نے کئی بار مرابطین سے زک اٹھائی۔ لیکن علی کے مرتے ہی عبدالمومن کا راستہ صاف ہوگیا۔ علی کے جانشین تاشفین نے اپنی پوری قوت سے مواحدین کا مقابلہ کیا۔ لیکن تلمسان کے معرکہ میں مواحدین نے اس کو بری طرح شکست دے کر فاس، سبتہ، طنجہ اور اغمات پر قبضہ کرلیا۔[3] ۴۲-۵۴۱ھ / ۴۷-۱۱۴۶ء میں گیارہ ماہ کے محاصرہ کے بعد مراکش پر بھی عبدالمومن نے قبضہ کرکے مرابطین کی حکومت کو ختم کردیا۔[4] اس وقت سے لے کر ۶۶۸ھ / ۱۲۹۹ء تک مراکش کے تخت پر عبدالمومن اور اس کے گیارہ جانشینوں نے حکومت کی۔ یہاں تک کہ وہ بنو مرینی کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوگئے۔ ہٹی کے قول کے مطابق عبدالمومن نے اس پہلی افریقی مسلم سلطنت کی بنیاد ڈالی جو افریقہ کی تاریخ میں اول مقام رکھتی ہے۔

مواحدین کی آمد پر اسپین کی حالت

مسلم اسپین کی حالت کا مختصر جائزہ علی بن یوسف مرابطی کے تذکرہ میں بیان کیا جاچکا ہے جس سے اس امر کا اندازہ ہوتا ہے کہ مرابطین کے آخری دور میں اسپین کے حالات پھر خراب ہوگئے تھے

---

[1] ابن خلکان جلد ۲ صـ ۳۸ [2] مراکشی صـ ۱۴۲ [3] ابن خلدون جلد ۶ صـ ۳۲۸
[4] مراکشی صـ ۶-۱۴۵

اور طبقہ عوام و خواص دونوں کو مرابطی حکومت کے کارکنوں سے سخت شکایات پیدا ہونے لگیں تھیں۔ ہر شہر اور ہر قریہ سے مرابطین کے کارکنان، سپہ سالار اور فوجی بزور طاقت نکال باہر کئے گئے تھے۔ تاشفین بن علی کے قتل کے اور مرابطین کے زوال کے بعد تو حالات اور بھی خراب ہو گئے۔

اسپین کے نام نہاد امراء اور قبائلی سرداروں نے سر اٹھایا اور مرابطین کے اسپین میں نائب ابن جامع کو اس قدر مجبور کر دیا کہ وہ اپنی جان بچا کر جزائر شرق الاندلس میں پناہ گزیں ہو گیا۔ چاروں طرف بغاوتوں کا طوفان امڈ پڑا۔ لاتعداد حکومت کے دعویدار پیدا ہو گئے۔ ابن جامع نے قشتالیہ کے عیسائیوں کی مدد سے قرطبہ پر حملہ کیا۔ جامع قرطبہ کو خوب لوٹا اور برباد کیا۔ اسی میں حضرت عثمانؓ کا قرآن پاک بھی غائب ہو گیا۔ Hole نے لکھا ہے کہ "دو نسلیں بھی نہ گذری تھیں کہ مسلم اسپین اس سے زیادہ کمزور اور بدتر ہو گیا جتنا کہ وہ یوسف بن تاشفین کے آنے سے قبل تھا۔"[۱] مرابطین اور مواحدین کی کشمکش سے شمال کے عیسائیوں نے فائدہ اٹھایا۔ بندرگاہ الریہ پر وینس، جنیوا اور قشتالیہ کے بحری بیڑے نے مل کر قبضہ کر لیا۔ برشلونہ کے کاؤنٹ نے اٹلی کے بحری بیڑے کی مدد سے طرطوشہ سے وادی ابرہ تک کے علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ بہرحال حالات اس قدر خراب ہو چکے تھے کہ مسلمانوں کی زندگی اسپین میں چند روزہ معلوم ہونے لگی۔ چنانچہ ایک بار پھر مسلمانان اسپین نے شمالی افریقہ کی حکومت کو مدد کے لئے بلایا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب عبدالمومن اپنی حکومت کو مضبوط اور وسیع کرنے میں مشغول تھا۔

۵۴۲ھ/۱۱۴۷ء میں باوجود اس کے کہ عبدالمومن جنگوں میں مصروف تھا اس نے پھر بھی اپنے ایک سردار ابو عمرو موسیٰ کو ۳۰ ہزار فوج اور بحری بیڑے کے ساتھ اسپین کی طرف بھیجا۔ ابو عمرو موسیٰ نے ساحل اسپین پر اترتے ہی فتوحات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اسپین کے مسلمانوں نے حسب دستور اپنے نجات دہندوں کا ساتھ خلوص دل سے دیا اور شہر یکے بعد دیگرے تیزی سے مواحدین کے قبضہ میں آتے چلے گئے۔ بطلیوس کی فوجیں بھی اس سے مل گئیں۔ اشبیلیہ جو ابھی تک مرابطین کا دم بھر رہا تھا اس نے بھی ہتھیار ڈال دیئے اور وہاں کے عیسائی پادری جنہوں نے موقعہ سے فائدہ اٹھا کر بہت سے انتظامی اختیارات بھی حاصل کر لئے تھے اپنی اپنی جان بچا کر طلیطلہ کی طرف بھاگ گئے۔[۲] مالقہ بھی بغیر مزاحمت ہاتھ آیا۔ مرابطین کا نائب ابن جامع بہت سی شکستیں کھا کر قرطبہ کو ابن غنیہ کے

۱ھ Andalus - P.58 ۲ھ Andalus - P.26

حوالے کرکے خود بھاگ گیا۔ ابن غانیہ نے قرطبہ بھی موحدین کے حوالے کردیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں مرابطین کے وہ تمام کارکن جو آزاد ہو کر بیٹھ رہے تھے موحدین کے آگے سر اطاعت خم کرنے پر مجبور ہو گئے اور عیسائی جو بڑھ چڑھ کر حملے کر رہے تھے مار بھگائے گئے۔ المریہ، بلنسیہ اور دیگر اہم شہر ابھی موحدین کے قبضہ میں نہ آئے تھے لیکن موحدین اب اس حالت میں نہ تھے کہ وہ ان کو ایک ہی یلغار میں فتح کر لیتے کیونکہ ان کی ساری فوج پورے ملک میں منتشر تھی اور افریقہ سے مزید کمک ملنے کا بظاہر کوئی امکان نہ تھا اس لئے کہ عبدالمومن اس وقت ایک نئے مہدی کو ختم کرنے میں پھنسا ہوا تھا۔ یہ نیا مہدی ایک دھوبی تھا جس نے شعبدہ بازی سے اپنے بہت سے مرید بنا لئے تھے۔ یہاں تک کہ اس نے ایک بڑے لشکر سے عبدالمومن کو کئی شکستیں بھی دیں اور فاس اور مراکش کے علاوہ تمام علاقوں کو خوب تاخت و تاراج کیا۔ بالآخر ایک معرکہ میں یہ نیا مہدی مارا گیا اور اس کی فوج عبدالمومن کے ساتھ مل گئی۔ اس ہنگامے کو ختم ہونے کے بعد عبدالمومن نے اپنے لڑکے ابو سعید کو ۲۰ ہزار فوج دے کر المریہ فتح کرنے کے لئے بھیجا۔ ابو سعید نے جلد ہی اس شہر کو فتح کرلیا۔

اشبیلیہ کے نواح میں بلد بھی موحدین کے قبضہ میں آگیا۔ ابو سعید نے پھر غرناطہ پر قبضہ کرکے وہاں کی تمام مرابطی فوج کو قتل کردیا۔ بلنسیہ کے حاکم محمد بن سعید نے طلیطلہ کے عیسائیوں کی مدد سے غرناطہ اور پھر قرطبہ کے قریب ابو سعید کا مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی اور مرسیہ کی طرف بھاگ گیا۔ ابتداء میں تو عبدالمومن نے افریقہ کو بغاوت کے خوف سے نہ چھوڑا لیکن جب اطمینان ہوگیا تو وہ جبل الطارق آیا اور اس کے قلعے کو مضبوط اور مستحکم کیا اور نئی فتوحات پر اپنے گورنر مقرر کئے۔ ۵۵۶ھ/۱۱۶۰ء تک عبدالمومن نے الجزائر، تیونس، مہدیہ اور ٹریپولی (طرابلس) پر قبضہ کرکے تمام شمالی افریقہ پر اپنا تسلط قائم کرلیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے نام کے آگے امیرالمومنین لکھنا شروع کردیا تھا۔

عبدالمومن نے مع اسپین اپنی تمام سلطنت کو صوبوں میں تقسیم کرکے ان پر اپنے لڑکوں کو نامزد کیا۔ ابو محمد عبداللہ کو بجایہ اور اس کا نواحی علاقہ دیا گیا۔ ابوالحسن علی کو فاس اور ابو سعید کو سبتہ الجزائر، مالقہ کے علاقے دیئے گئے۔ ابن خلدون کے بقول عبدالمومن نے اپنے آخری دور میں یہ ارادہ کرلیا تھا کہ وہ پورے اسپین پر قبضہ کرے گا۔[1] اس مقصد سے اس نے ۵ لاکھ فوج اور سامان کثیر

---

[1] ابن خلدون جلد ۶ ص ۲۳۵

اکٹھا کیا تھا لیکن اس سے قبل کہ وہ روانہ ہوتا ۵۵۸ھ / ۱۱۶۳ء میں اس نے ۳۳ سال حکمرانی کرکے انتقال کیا۔

عبدالمومن کے کارنامے

عبدالمومن نہ صرف یہ کہ ایک زبردست فاتح تھا بلکہ ایک زبردست مدبر اور منتظم بھی تھا۔ اس نے مہدی کی قائم کردہ مجالس مشاورت خاص و عام کو باہم ملا کر ایک کردیا۔ زبردست فوجی طاقت بنائی۔ بحری بیڑے پر خاص توجہ دی۔ تمام پرانی بندرگاہوں کو درست کیا اور ان کو وسعت دی اور نئی نئی بندرگاہیں تعمیر کیں۔ جس سے تمام بحرروم پر اس کے سفید جھنڈے کی حکمرانی قائم ہوگئی اور کسی بھی بحری طاقت میں اس کے مقابلے کی تاب نہ رہی۔ وہ ایک علم دوست اور علم پرور انسان تھا۔ علماء کی قدردانی کی وجہ سے اسلامی دنیا کے مشہور علماء اس کے دربار میں جمع ہوگئے۔ ادب وفنون اور تعمیر میں شاندار ترقی ہوئی۔ شہر شہر بلکہ دیہاتوں تک میں علمی درسگاہیں قائم کی گئیں اور ان کے لئے بڑے بڑے اوقاف مقرر کئے گئے۔ صرف مراکش کی جامعہ میں ۳ ہزار طالبعلم تعلیم حاصل کرتے تھے۔ جن کے کل اخراجات کی ذمہ داری حکومت پر ہوتی تھی۔ درسگاہوں میں نامور علماء کو حکومت کے خرچ پر مقرر کیا جاتا تھا۔ تعلیم کا طریق نظریاتی یا صرف کتابی نہ تھا بلکہ فنی، سائنسی اور فوجی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ البتہ اسپین کی حالت اس وقت بھی اطمینان بخش نہ تھی۔ گو ملک میں امن و امان تھا لیکن اسپین براہ راست عبدالمومن کے ماتحت نہ تھا بلکہ اس کے نائب کے ماتحت تھا اس لئے اس کو ایک صوبہ سے زیادہ اہمیت نہ دی جاتی تھی۔ آپس کی خانہ جنگی، طوائف الملوکی اور عیسائیوں کی یلغار نے اسپین کی مادی ترقی کی راہوں کو مسدود کردیا تھا۔ جن کو مواحدین نے کھولنا پسند نہ کیا یا مناسب نہ سمجھا۔ بحیثیت مجموعی عبدالمومن کا دور اسپین کے لئے کوئی شاندار دور تو نہ تھا البتہ اہل اسپین کے لئے امن و سلامتی کا ضامن ضرور تھا۔

ابو یعقوب یوسف

عبدالمومن کی وفات کے بعد اس کا لڑکا ابو محمد عبداللہ تخت پر بیٹھا۔ امراء دربار نے جلد ہی اس کی نااہلیت کو محسوس کرلیا اور اس کو تخت سے ہٹا کر عبدالمومن کے تیسرے لڑکے ابو یعقوب کو اپنا بادشاہ بنالیا۔ ابو یعقوب ایک بہترین مدبر اور زبردست مجاہد تھا۔ ابھی اس کو تخت پر آئے چند ماہ ہی ہوئے تھے کہ کوہستان کے اطلس کے وحشی قبائل نے اس کے خلاف بغاوت کردی جس کو فرو کرنے

میں یوسف کو خاصی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ بالآخر کئی سال کی جدوجہد کے بعد یوسف ان قبائل کو اپنا مطیع بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ مواحدین کا پہلا بادشاہ تھا جو ۳۰ ہزار فوج لے کر بذات خود اسپین آیا تھا اور اشبیلہ میں قیام کیا تھا۔ اس زمانہ میں شاہ بلنسیہ ابن سعد سے لڑائی چھڑ گئی اور میورقہ کی جنگ میں اس نے ابن سعد کو مار ڈالا۔ ابن سعد کے لڑکے اپنے علاقوں کی حفاظت نہ کر سکے اور جلد ہی ان کے تمام علاقے مع بلنسیہ' اور لارقہ یوسف کے قبضہ میں آ گئے۔ انہوں نے اطاعت کے طور پر اپنی بہن یوسف سے بیاہ دی اور اپنے علاقوں کے بدلے میں افریقہ میں بڑی بڑی جاگیریں حاصل کر کے وہاں آباد ہو گئے۔ یوسف نے وادی تاجہ سے لے کر طلیطلہ تک کا علاقہ خوب تاخت و تاراج کیا اور القنطورہ کا سرحدی قلعہ اپنے قبضہ میں کر لیا۔ ابو یعقوب یوسف نے ایک سال اسپین میں قیام کیا اور اشبیلہ کو اپنا مستقر بنایا۔ چنانچہ اشبیلہ میں محلات' مساجد' پل اور مینارے اور عوامی حمام تعمیر کئے گئے۔ وادی الکبیر پر کشتیوں کا ایک پل بنایا۔ شہر کے وسط میں ایک خوبصورت مسجد تعمیر کی جس کے سامنے ایک زبردست مینار بنوایا جس کی تکمیل اس کے جانشین نے کی۔ یہ مسجد اور مینار مسلم اسپین کی طرز تعمیر کا ایک نادر نمونہ تھی جس کے آثار آج تک پائے جاتے ہیں۔

۵۷۱ھ / ۱۱۷۶ء میں افریقہ میں ایک زبردست وبائی بیماری پھیلی جس کی وجہ سے ابو یعقوب یوسف کو افریقہ واپس جانا پڑا اور وہ آٹھ برس تک اسپین سے غیر حاضر افریقہ میں مقیم رہا۔ اس عرصہ میں مسلم اسپین کے گورنروں کو ایک بار پھر گل کھلانے کا موقعہ ملا اور انہوں نے اپنی اپنی آزاد حکومتیں قائم کرنے کا اعلان شروع کر دیا۔ یوسف کو جب گورنروں کی اس غداری کا پتہ چلا تو اس نے بھی اپنے باپ عبدالمومن کی طرح ایک زبردست لشکر لے کر اسپین پر حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اس مقصد کے لئے اس نے سبتہ میں ستر ہزار پیادے اور ۳۰ ہزار سوار فوج جمع کی۔ یہ تمام فوج اپنے اپنے قبائل کے شیوخ کے ماتحت تھی۔ اور ہر قبیلہ کا اپنا جھنڈا تھا۔ ۵۸۰ھ / ۱۱۸۴ء میں یوسف اسپین میں داخل ہوا۔ ملک کا بڑا حصہ اس کا مطیع ہو گیا۔ لیکن شترین کی جنگ میں عیسائیوں سے لڑتے ہوئے یوسف کو شدید زخم لگے۔ اس لڑائی میں مسلمانوں کا کافی جانی اور مالی نقصان ہوا اور یوسف بھی اپنے زخموں سے جانبر نہ ہو سکا۔

ابو یوسف یعقوب

۵۸۰ھ / ۱۱۸۴ء میں باپ کے شہید ہو جانے کے بعد ابو یوسف یعقوب تخت مراکش پر آیا۔ ایک لونڈی کے بطن سے تھا اور اس نے اپنا لقب المنصور باللہ اختیار کیا تھا۔ وہ خاندان مواحدین کا

زبردست بادشاہ تھا۔ اس کا دور سنہری دور تھا۔ وہ ایک زبردست مدبر اور منتظم تھا۔ اس کی فیاضی انصاف و عدل کی داستانیں زبان زد عوام تھیں۔ اس نے محاصل میں کمی کردی تھی اور رشوت اور تحفہ تحائف لینا واجب القتل جرم قرار دیئے تھے۔ ایک زبردست شعبہ پولیس قائم کیا اور مستعد سپاہیوں کو شہروں، دیہاتوں اور سڑکوں کی حفاظت پر متعین کیا۔ جس کی وجہ سے چوری ڈاکے ختم ہوگئے تھے۔ تمام پرانے قلعوں کی مرمت کرائی اور بہت سے نئے قلعے تعمیر کئے۔ اور ان کو فوجی لحاظ سے مستحکم کیا۔ عام شاہراہوں کے دونوں طرف درخت لگوائے اور جگہ جگہ کنویں کھدوائے اور سرائیں تعمیر کرائیں۔ اس کی عوامی اصلاحات نے اس کو نہ صرف بڑے بادشاہوں کی صف میں لا کھڑا کیا بلکہ تاریخ کی ایک اہم شخصیت بنادیا۔

بغداد کے ہارون الرشید اور قرطبہ کے عبدالرحمٰن الناصر کی طرح ملک کے نظام آب پاشی کو از سرنو درست کیا اور زراعت کو خوب ترقی دی۔ شہروں کو خوبصورت عمارات سے مزین کیا جو آج تک موجود ہیں۔ ان کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت کا مسلم اسپین تعمیری لحاظ سے کس قدر اعلیٰ درجہ پر فائز تھا۔ جامع مسجد اشبیلیہ سے منسلک ۳۰ ہزار فٹ بلند مینارہ جو اس کے باپ نے بنوانا شروع کیا تھا اس نے اس کی تکمیل کی اور اس قدر بلندی پر رسد گاہ کواکب اور سیاروں کی معلومات کے لئے قائم کی۔ یہ مینارہ انجینئر ابواللیث کی ماتحتی میں ۵۶۷ھ / ۱۱۷۲ء میں شروع ہوا تھا اور ۵۹۱ھ / ۱۱۹۵ء میں اس کی تکمیل ہوئی۔ بے شمار عوامی درسگاہیں اور شفاخانے کھولے گئے۔ جن کے اخراجات کی ذمہ داری حکومت پر تھی۔ مراکش میں ایک شفاخانہ اتنا بڑا تھا کہ جس کے متعلق مراکشی نے لکھا ہے کہ دنیا میں اس کی مثال نہ تھی[1]۔ ابن خلدون کے بقول اس نے مراکش میں اسکندریہ کے طرز پر ایک رباط الفتح بنوایا تھا[2]۔ ابو یوسف یعقوب ادب و فنون کا بے حد دلدادہ تھا۔ اس کے دربار میں اس زمانے کے مشہور ترین علماء اور سائنس دانوں کا جمگھٹا تھا۔ مشہور زمانہ حکیم و طبیب ابن زہری اور ابن باجہ، مشہور فلسفی و حکیم ابن رشد جو قرطبہ کا قاضی تھا اس کے دربار کی رونق تھے۔ ہٹی کے کہنے کے بموجب اس کی طاقت کا اس امر سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مشہور غازی صلاح الدین ایوبی نے اپنے بھتیجے اسامہ بن منقذ کو بہت سے تحفے تحائف کے ساتھ اس کے دربار میں اس لئے بھیجا تھا کہ صلیبیوں کے خلاف اس کی امداد حاصل کرے۔ جس کے جواب میں یعقوب نے اس کی مدد کے لئے اپنے بحری بیڑے کے ۱۸۰ جہاز مع سازو سامان اور فوج کے روانہ کئے تھے[3]۔ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ

---

[1] صفحہ ۲۰۹ [2] جلد ۸ صفحہ ۳۷۹ [3] History of the Arabs - P.548

اس کے علاوہ بھی یعقوب نے مسلمانوں کی کافی امداد کی تھی۔

اپنے پیشروؤں کی طرح ابو یوسف یعقوب کو بھی اپنی تخت نشینی کے بعد سے ہی بغاوتوں کا سامنا شروع ہو گیا تھا۔ جزائر شرق الاندلس کے شیوخ ابھی تک مرابطین کے طرفدار تھے اور انہوں نے اپنے ساتھ یعقوب کے کئی بھائیوں کو بھی ملالیا تھا جو مراکش سے بھاگ آئے تھے۔ یعقوب نے ان کی سرکوبی کے لئے ایک زبردست فوج مع بحری بیڑے کے روانہ کی جس کے نتیجہ میں بہت سے شیوخ اور اس کے تینوں بھائی قتل کر دیئے گئے اور جزیرہ پر اس کا قبضہ ہو گیا۔ یعقوب کا دور حکومت تیسری صلیبی جنگ کا دور تھا (۵۸۵ھ /۱۱۸۹ء تا ۵۸۸ھ /۱۱۹۲ء یورپ کے مختلف ممالک کے نواب اور کاؤنٹ اس مذہبی جنگ میں شرکت کے لئے یروشلم کی طرف اپنی فوجوں کے ساتھ بڑھ رہے تھے ان چند انگریز نائٹ (Knight) یروشلم جاتے ہوئے اسپین کی سرزمین سے گزرے۔ انہوں نے ملک کی انتشاری حالت سے فائدہ اٹھایا اور ایورہ' باجہ اور شلب کے علاقوں کو تباہ و برباد کر کے بے گناہ مسلم آبادی کا قتل عام کیا۔ اس سے قشتالیہ کی بھی ہمت بندھی اور اس نے فرانس کی مدد سے مسلم اسپین پر حملے شروع کر دیئے۔ یعقوب کو جب ان حالات کا علم ہوتو وہ ۳ لاکھ بربر فوج لیکر افریقہ سے اسپین پہنچا۔ بطلیوس کے قریب مقام ارکہ میں الفانسو ہشتم اور اس کی متحدہ عیسائی فوج سے مقابلہ ہوا۔ شروع میں عیسائیوں کو خاصی کامیابی ہوئی اور قریب تھا کہ مسلمانوں کو شکست ہو جائے کہ مسلم سپہ سالار صنعانی کے تدبر اور ہوشیاری نے ہاری ہوئی جنگ جیت لی۔ عیسائیوں کو شکست فاش ہوئی۔ ایک لاکھ سے زیادہ عیسائی مارے گئے۔ تیس ہزار قید کر لئے گئے۔ بہت سے عیسائی قلعہ رباح کی طرف بھاگے اور الفانسو ہشتم نے طلیطلہ کا رخ کیا۔ مسلمانوں نے آگے بڑھ کر قلعہ رباح پر قبضہ کر لیا اور اسے تباہ و برباد کر دیا۔ اس کے بعد عیسائیوں سے عقلیہ وادی' الحجارہ اور سلمانکہ بھی چھین لئے۔ شاہ نبرہ اور لیون نے اطاعت کر لی۔ ۱۱۹۶ء ر ۵۹۲ھ میں مسلمانوں نے طلیطلہ پر حملہ کیا اور اس پر قبضہ کر لیا لیکن الفانسو ہشتم کی ماں اور بیویوں کی فریاد والحاح وزاری نے یعقوب کے جذبہ رحم کو بیدار کر دیا اور وہ طلیطلہ ان کے حوالے کر کے اشبیلہ واپس لوٹ آیا اور ایک سال تک ملک کے بندوبست میں منہمک رہا ۱۱۹۷ء ر ۵۹۳ھ میں یعقوب مراکش واپس چلا گیا اور وہاں ۱۱۹۹ء ر ۵۹۴ھ میں وفات پائی۔

محمد الناصر بن یعقوب

محمد بن یعقوب اپنے باپ کی وفات کے بعد تخت مراکش پر فروری ۵۹۴ھ / ۱۱۹۹ء میں بیٹھا۔ اس نے اپنا لقب الناصر الدین اللہ اختیار کیا۔ محمد الناصر اپنے باپ کے زمانہ میں اپنی ذہانت، ہوشمندی اور انتظام حکومت کی وجہ سے کافی مشہور تھا لیکن تخت پر آنے کے بعد وہ اپنے آپ کو باپ کا صحیح جانشین ثابت نہ کر سکا۔ وہ ایک کمزور حکمراں ثابت ہوا اور ملک میں امن و امان اور قانون کے احترام کو بحال نہ رکھ سکا جس کی بناء پر اسپین سے خاندان مواحدین کو ہاتھ دھونا پڑے۔

یعقوب المنصور کے وفات پاتے ہی فاس اور جزائر شرق الاندلس ایک بار پھر بغاوتوں کا مرکز بن گئے۔ فاس کی بغاوتوں کو تو جلد ہی کچل دیا گیا لیکن جزائر شرق الاندلس میں یوسف بن تاشفین کے خاندان کے ایک فرد یحیٰی نے مواحدین کو سخت پریشان کیا۔ اس نے افریقہ کے ساحلی علاقوں پر بھی حملے کئے اور بہت سے شہروں پر قبضہ بھی کر لیا۔ جس میں مہدیہ بھی شامل تھا لیکن جب یحیٰی نے قیروان پر حملہ کیا تو اس کو مواحدین نے بری طرح شکست دے کر صحرائے اعظم کی طرف بھگا دیا۔ اسپین میں عیسائیوں نے قشتالیہ کے الفانسو ہشتم کی سرکردگی میں ایک بار پھر مسلم علاقوں کو تاخت و تاراج کرنا شروع کر دیا۔ جس میں اشبیلیہ اور قرطبہ تک کے علاقے شامل تھے۔ محمد الناصر کو پوری امید تھی کہ وہ ایک بار پھر جنگ ارکہ کی طرح عیسائیوں کو کچل دے گا۔ لیکن اس مرتبہ پہلے جیسے حالات نہ تھے۔ الفانسو ہشتم اپنی طاقت میں زبردست اضافہ کر چکا تھا۔ محمد تین لاکھ فوج لے کر سبتہ سے روانہ ہوا تھا۔ اشبیلیہ پہنچ کر اس نے قلعہ رباح کے گورنر یوسف بن قادس کو بغیر کسی اہم وجہ کے قتل کرا دیا اور دیگر لوگوں کو یہ سرحدی قلعہ عیسائیوں کے حوالے کر کے بھاگ آنے پر سزا دی۔ یوسف بن قادس عوام میں بے حد مقبول تھا۔ جس کی وجہ سے اس علاقہ کی اکثریت محمد الناصر کے خلاف ہو گئی۔ محمد نے آگے بڑھ کر شینسٹرہ کا محاصرہ کر لیا اور اس چھوٹے سے قلعہ پر جو قشتالیہ کی راہ میں تھا آٹھ ماہ محاصرہ میں برباد کر دیئے۔ یہ عرصہ الفانسو ہشتم اور اس کے دوستوں کی تیاری کے لئے کافی تھا۔ چنانچہ صلیبی جنگوں کا اعلان کر کے قشتالیہ، لیون، نبرہ، ارغون اور پرتگال نے اتحاد کر کے اور یورپ کے صلیبی مجاہدوں کی امداد حاصل کر کے ۶۰۸ھ / ۱۲۱۲ء میں محمد الناصر سے العقاب کے موقعہ پر مقابلہ کیا۔ عین محاذ جنگ سے اسپینی مسلمانوں نے جن کی تعداد ۶۰ ہزار بتائی جاتی ہے محمد کے حاجب ابن سعد کی بدسلوکی کی وجہ سے فرار اختیار کیا۔ بربروں کو محمد نے زنجیروں سے باندھ کر کھڑا کیا تھا تاکہ بھاگ نہ سکیں اس لئے انہوں نے خوب مقابلہ کیا اور سب کے سب شہید ہو گئے۔ محمد الناصر کو شکست ہوئی اور وہ ایک

لاکھ مسلمانوں کو شہید کرا کر بمشکل تمام ۴ ہزار سپاہ کے ساتھ اشبیلیہ واپس آسکا۔ محمد اس حادثہ عظیم سے اس قدر مغموم اور دل برداشتہ ہوا کہ وہ اسپین کو چھوڑ کر مراکش واپس چلا گیا۔ مئی ۶۰۸ھ/ ۱۲۱۲ء میں یا تو وہ قدرتی موت مرگیا یا بعض مورخین[۱] کی رائے میں اس کے امراء دربار نے اس کو زہر دے کر مار ڈالا۔ اس جنگ کے بعد تقریباً ۵ لاکھ مسلمان اسپین سے ہجرت کر کے افریقہ چلے گئے۔

محمد الناصر کے جانشین

محمد الناصر کے بعد ۱۵ برس کے اندر اندر اسپین میں اس کے چار جانشین ہوئے۔ پہلے تین یوسف' ابو یعقوب المستنصر باللہ۔ عبدالواحد المخلوع اور ابو محمد العادل ناکارہ اور بے کار ثابت ہوئے۔ البتہ چوتھا ابو علی ادریس المامون جو اشبیلیہ کا گورنر بھی رہ چکا تھا اور ابو محمد العادل کے قتل کے بعد ۶۲۴ھ/ ۱۲۲۷ء میں تخت پر آیا تھا۔ ایک بہادر' شجاع' ذہین' زیرک' عالم' مستقل مزاج اور عاقبت اندیش تھا[۲]۔ المامون مواحدین کا وہ پہلا سلطان ہے جس نے افریقہ پر قبضہ کرنے کے لئے عیسائی بادشاہ فرڈی ننڈ سوئم شاہ قشتالیہ کی مدد حاصل کی تھی۔ ابن الخطیب نے یہاں تک لکھا ہے کہ وہ عیسائیوں کی ایک زبردست فوج لے کر مراکش پر حملہ آور بھی ہوا تھا اور اپنے بھائی ابو زکریا سے تخت مراکش چھین لیا تھا[۳]۔ عیسائیوں نے ادریس المامون کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر مسلم علاقوں کو تاخت و تاراج کرنا شروع کر دیا اور کئی شہروں پر قبضہ بھی کر لیا۔ انہوں نے جیان کے مسلم حاکم بیضہ کی مدد سے جب اس شہر کا محاصرہ کر لیا تو المامون نے اہل جیان کی مدد کرنے کے لئے ایک زبردست فوج سے عیسائیوں پر حملہ کیا اور ان کو منتشر کر دیا اور وہ تمام علاقے ان سے چھین لئے جو انہوں نے اچانک فتح کر لئے تھے۔ چند سال کے اندر ادریس المامون نے اسپین میں اپنی حکومت مضبوط کر لی لیکن یہ سب ظاہری طور پر تھا ورنہ اندر ہی اندر اس کے خلاف امراء اسپین کی کاروائیاں جاری تھیں۔ جیسے ہی ۶۲۴ھ/ ۱۲۲۸ء میں المامون شمالی افریقہ کی بغاوت کو کچلنے کے لئے اسپین سے مراکش روانہ ہوا اسپین میں اس کے پیچھے ایک زبردست بغاوت ہوئی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہ ملک مواحدین کے ہاتھوں سے جاتا رہا۔ البتہ مواحدین نے مراکش میں مزید پچاس برس حکومت کی اور ادریس المامون نے ۶۲۸ھ/ ۱۲۳۲ء میں مراکش ہی میں انتقال کیا۔ یکے بعد دیگرے اس کے جانشین الرشید'

---

[۱] زرکشی ابن خلدون [۲] احاطہ فی اخبار غرناطہ تذکرہ " ادریس بن یعقوب [۳] ایضاً

السعید، عمرالمرتضیٰ اور ابوالعلاء ہوئے۔ آخری سلطان ابوالعلاء ۶۶۶ھ/۱۲۶۹ء میں بربر قبیلہ زناتہ کی ایک شاخ بنو مرین کے ہاتھوں مارا گیا اور پھر یہی قبیلہ تمام ماریتانیہ کا مالک بن بیٹھا۔

مواحدین کے بعد اسپین کی حالت

اسپین کے مواحدین کے جاتے ہی پورا ملک ایک بار پھر انتشار و خلفشار میں مبتلا ہو گیا۔ کیونکہ مواحدین نے مراکش سے اسپین پر حکومت کی تھی اس لئے اسپین ان کی گرفت میں پوری طرح نہ آسکا تھا۔ اسپین کے باغی صوبے آسانی سے اس لئے قابو میں نہ آسکے تھے کہ مواحدین نے ان کی سرزنش یا تو کسی اہم موقعہ پر کی تھی یا پھر عیسائی یلغار کو روکنا مقصود تھا۔ نتیجہ میں بغاوت و انتشار کا سلسلہ پوری طرح نہ رک ہو سکا۔ مواحدین کو اسپین کے داخلی معاملات میں کوئی خاص دخل نہ تھا۔ وہ صرف اسپین کو اپنی حکومت کا ایک صوبہ بنانے کے زیادہ خواہش مند تھے اور صرف اسی وقت اس کے داخلی معاملات میں مداخلت کرتے جبکہ ان کے مفادات پر ضرب پڑتی۔ بجز یعقوب المنصور کے کسی مواحد سلطان نے اس امر کی کوشش نہ کی تھی کہ مسلم اسپین کو اس حد تک طاقتور بنادیا جائے کہ وہ دشمن سے اپنی حفاظت آپ کر سکے نہ ہی عوام کی فلاح و بہبود کا اس قدر خیال رکھا گیا تھا کہ عوام ان کے گرویدہ ہو جاتے۔ الغرض مواحدین نے عوام و خواص کسی پر بھی اپنے گہرے اثرات نہ چھوڑے تھے۔ چنانچہ جیسے ہی مواحدین اسپین سے گئے تین آزاد ریاستیں معرض وجود میں آگئیں۔ بنو ہود نے مرسیہ دانیہ اور دیگر علاقوں میں بنو مردنیش نے بلنسیہ میں اور ابن احمر نے پہلے ارجونہ میں پھر غرناطہ میں اپنی حکومت قائم کر لی اور پورا مسلم اسپین تین خاندانوں میں منقسم ہو گیا۔ ان سب میں طاقتور اور بڑے علاقے کے مالک بنو ہود تھے جو نہ صرف جنوبی اسپین پر بلکہ سبتہ پر بھی قابض تھے۔ ۶۳۵ھ/۱۲۳۸ء میں ابن ہود مر گیا اور اب صرف بنو نصر (بنو احمر) جو غرناطہ کی سلطنت کے مالک تھے۔ تمام مسلمانانِ اسپین کی نگاہ کا مرکز بن گئے۔ یہ وہ آخری سلطنت تھی جس نے تقریباً ڈھائی سو برس تک عیسائیوں کے خلاف معرکہ آرائی کی اور اسپین کے مسلمانوں کے پشت پناہ رہے۔ بالآخر یہ بھی عیسائیوں کے قبضہ میں چلی گئی اور مسلمانوں کا آخری حصار بھی ٹوٹ گیا۔

حصّہ چہارم

باب ۱۱

غرناطہ کا خاندان بنو نصر

۶۲۹ھ / ۱۲۳۲ء تا ۸۹۸ھ / ۱۴۹۲ء

حکومت بنو نصر کی ابتداء

خاندان بنو نصر حضرت سعد بن عبادہؓ رئیس خزرج اور صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے تھا۔ رازی نے وضاحت کی ہے کہ پہلی صدی ہجری کے آخر میں حضرت سعد بن عبادہؓ کی اولاد سے دو شخص اسپین میں وارد ہوئے۔ ایک سرزمین ناکونہ میں ٹھہرا اور دوسرے نے شہر سرقسد کے قریب ایک قریہ میں قیام کیا جس کا نام بعد میں قریہ خزرج مشہور ہوا[1]۔ ابن خلدون کے کہنے کے مطابق بنو احمر قرطبہ کے قلعوں میں سے ایک قلعہ ارجونہ کے رہنے والے تھے اور اسی قلعہ میں ان کے اسلاف فوجی حیثیت سے آباد ہوئے تھے۔ یہ لوگ بنو نصر کے لقب سے پکارے جاتے تھے اور نسبتاً حضرت سعد بن عبادہؓ سے منسوب تھے[2]۔ اطراف ارجونہ میں یہ لوگ وجاہت اور صاحب اثر اشخاص میں شمار کئے جاتے تھے۔ بڑے فارغ البال اور اولوالعزم تھے۔ ان کے آباء واجداد مسلمانوں کے اولین دور میں اسپین آئے تھے اور انہوں نے بنو امیہ کی فوج میں افسران کی حیثیت سے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ مواحدین کے اسپین سے اخراج کے بعد دو با اثر اور مشہور خاندانوں بنو مردنیش نے بلنسیہ میں اور بنو ہود نے مرسیہ میں اپنی آزاد ریاستیں قائم کر لی تھیں۔ اس وقت تک بنو نصر نے بھی کافی شہرت حاصل کر لی تھی۔ چنانچہ ان کو بھی کسی علاقہ پر قبضہ کر کے اپنی آزاد ریاست قائم کرنے کا شوق ہوا۔ اس وقت بنو نصر کا سردار محمد یوسف بن احمد بن نصر تھا جو عام طور پر ابن الاحمر کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ وہ ارجونہ میں قرطبہ سے ۳۰ میل کے فاصلے پر مقیم تھا۔ بعد میں یہی شخص بنو نصر کی ریاست غرناطہ کا بانی ہوا۔

---

[1] احاطہ فی اخبار غرناطہ تذکرہ "محمد بن یوسف" [2] ابن خلدون جلد ۴ ص ۱۷۰-۲۷۱

محمد بن یوسف بن احمد بن نصر ۶۲۹ھ/۱۲۳۲ء تا ۶۷۱ھ/۱۲۷۲ء

محمد نے ۶۲۸ھ/۱۲۳۱ء میں اپنے خاندان بنو نصر اور سسرال والوں بنو اشقابلہ کی مدد سے ارجونہ میں اپنی آزادی کا اعلان کردیا۔ جیان وادی آش اور باجہ والوں نے اس کی اطاعت کرلی۔ اب اس کا مقابلہ بنو ہود سے تھا لیکن ہود کے مقابلہ پر محمد کو تنہا جانے کی ہمت نہ ہوئی تھی۔ اس لئے قشتالیہ سے فوجی معاہدہ کرکے بنو ہود کے خلاف ان کی مدد حاصل کی۔ ابن الخطیب نے لکھا ہے کہ ۶۲۸ھ/۱۲۳۱ء میں تقریباً ۳۰ دن تک اشبیلہ پر بھی قابض رہا اور شہر قرطبہ پر بھی قبضہ کرلیا لیکن کچھ ہی دن بعد اہل اشبیلہ نے بنو ہود کی اطاعت کرکے محمد بن یوسف کو اشبیلہ سے نکال باہر کیا۔[1] محمد نے عیسائیوں کی مدد سے ۶۳۵ھ/۱۲۳۷ء میں غرناطہ پر قبضہ کرلیا اور پھر ہمیشہ کے لئے اس شہر کو اپنا دار الحکومت قرار دے کر اسی سال مالقہ اور المریہ پر بھی قبضہ کرلیا۔

غرناطہ کی یہ ریاست جو محمد بن یوسف نے قائم کی تھی بقول ابن خلدون "ساحل بحر پر رندہ اور البیرہ کے درمیان تھی۔ جس کی مسافت مغرب سے مشرق تک دس منزل اور عرضاً ساحل بحر سے اندرونی حصہ ملک تک ایک منزل یا اس سے کچھ زیادہ کی تھی۔[2]" (کل رقبہ تقریباً سات سو مربع میل تھا) محمد نے اپنا لقب الغالب اللہ اختیار کیا۔ وہ ایسے وقت میں اس چھوٹی سی حکومت کا مالک ہوا تھا جبکہ تمام مسلم امراء نے جوش حکمرانی میں پورے ملک کو اپنی خود غرضی کا نشانہ بنا رکھا تھا اور عیسائیوں نے مسلمانوں کی اس خانہ جنگی سے فائدہ اٹھانے کا ارادہ کر رکھا تھا۔ ۶۳۶ھ/۱۲۳۸ء میں یا اس سے کچھ قبل ماردہ عیسائیوں کے پاس چلا گیا۔ میورقہ، سرقسطہ اور شاطبہ پہلے ہی مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل چکے تھے۔ ۶۳۶ھ/۱۲۳۸ء میں بلنسیہ بھی شدید محاصرہ کے بعد دشمنوں کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ رفتہ رفتہ جنوبی اور مغربی اسپین کے کثیر علاقے مسلمانوں سے چھین لئے گئے۔ محمد بن یوسف نے اپنے ابتدائی دور حکمرانی میں عیسائیوں سے کوئی جھگڑا کرنا پسند نہ کیا۔ بلکہ اپنی حکومت کو مضبوط اور مستحکم کرنے کی غرض سے عیسائی بادشاہوں سے امداد لی۔ جن کی مدد سے اس نے اپنی فوجی طاقت میں کافی اضافہ کرلیا۔ اس طرح اس کی حکومت کو استحکام اور استقلال حاصل ہوگیا۔ ابن ہود نے الفانسو کی مدد سے قرطبہ پر قبضہ کرلیا تھا۔ لیکن فرڈی ننڈ نے قرطبہ پر ۶۳۴ھ/۱۲۳۶ء میں اپنا قبضہ کرلیا۔ ۶۳۹ھ/۱۲۴۱ء میں مالقہ پر ۶۴۵ھ/۱۲۴۱ء میں جیان پر اور مرسیہ پر ۶۴۶ھ/۱۲۴۸ء میں اشبیلہ پر قبضہ کرلیا۔

---

[1] الاحاطہ، تذکرہ "محمد بن یوسف" [2] جلد ۴ ص ۱۷۳

الغرض تیرہویں صدی عیسوی کے آخر تک سوائے غرناطہ اور اس کے نواح کے باقی پورا مسلم اسپین عیسائیوں کے قبضہ اقتدار میں آچکا تھا۔ عیسائیوں کی ان فتوحات کے سلسلے میں محمد بن یوسف کا کردار بڑا عجیب اور معنی خیز رہا۔ اس نے ایک طرف تو اپنی حکومت کو مضبوط اور مستحکم کیا اور دوسری طرف بہت سے مسلم علاقے فتح کرنے کے لئے عیسائیوں کی مدد بھی کی۔

محمد بن یوسف الغالب ایک جری، بہادر اور مدبر شخص تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے چھوٹی چھوٹی مسلم ریاستوں کو ختم کرنے کے سلسلے میں عیسائیوں کی مدد کی تھی جو ایک مسلم حکمران کو زیب نہیں دیتی لیکن محمد بن یوسف کے نزدیک ایسا کرنا اس لئے ضروری تھا کہ غرناطہ کو ایک مضبوط اور مستحکم حکومت بنایا جاسکے اور وہ مسلمانوں کی کماحقہ حفاظت کر سکے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو کوئی شبہ نہ تھا کہ دیگر مسلم حکومتیں عیسائیوں کو غرناطہ تباہ کرنے پر اکساتی رہتیں۔ محمد بن یوسف کو یہ بھی خیال تھا کہ دیگر مسلم علاقوں کو لینے کے بعد عیسائی اس کی طرف بھی رخ کریں گے۔ اس لئے وہ اپنی فوجی طاقت بھی بڑھاتا رہا۔ گو اس نے عیسائیوں اور قسطلیوں کی مدد سے بہت کچھ فائدہ حاصل کیا لیکن کبھی ان پر بھروسہ نہ کیا۔ نئے نئے قلعے تعمیر کئے اور جبل الطارق اور دیگر قلعوں کو مستحکم کر کے زبردست فوج متعین کی۔ اس نے ماریتانیہ کے بنو مرین سے دوستانہ تعلقات قائم رکھے اور کچھ عرصہ تک خلیفہ عباسی کا خطبہ بھی پڑھوایا۔ ابن الخطیب کے کہنے کے مطابق "محمد بن یوسف سادگی، نیک دلی اور جمہور پسندی میں قدرت الٰہی کا نمونہ تھا۔ وہ فوج اور قلعہ کا ایک چست و چالاک، مضبوط جفاکش سپاہی تھا۔ عیش و آرام سے نفرت تھی۔ تشدد اور صعوبت کی زندگی پسند کرتا اور تھوڑے پر قناعت کرتا تھا۔ نام و نمود اور تصنع سے دور رہتا تھا۔ ہتھیار کا دھنی اور ارادہ کا مضبوط تھا۔ جرات ایسی رکھتا تھا کہ اس کا رعب چھایا رہتا تھا۔ مصیبت کو حقیر سمجھتا تھا۔ گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتا تھا اور اپنا حق طلب کرنے میں بے پروائی سے کام لیتا۔ قرابت داروں، دوستوں اور ہمسایوں کی حمایت کرتا۔ جنگ میں پیش پیش رہتا اور بذات خود لڑائی کا انتظام کرتا تھا۔ لباس موٹا پہنتا۔ بددیانہ طریقہ پر رہتا تھا۔ یہاں تک کہ جوتا تک اپنے ہاتھ سے گانٹھ لیتا تھا۔ تمام کاموں کو اہتمام اور توجہ کے ساتھ انجام دیتا تھا۔ جمعہ کے روز ضعیف اور معذور لوگوں میں خیرات تقسیم کرنے کو رواج دیا۔

جب ملک پر قبضہ کرنے اور مال و دولت حاصل کرنے میں کامیابی ہوگئی تو حسابات کی دیکھ بھال کی طرف بذات خود توجہ دی۔ جس کا یہ نتیجہ نکلا کہ دولت میں اضافہ ہوتا گیا اور خزانہ معمور ہوگیا۔

ملک میں امن و امان کی فضا قائم ہو گئی...... وہ ہفتہ میں ایک روز دربار عام منعقد کرتا تھا جس میں ہر شخص کو اس کے پاس جا کر انصاف طلب کرنے کی اجازت تھی۔ اس دربار میں اہل حاجت سے ملاقات کرتا اور شعراء اپنے اشعار سنا کر داد و ہش حاصل کرتے تھے۔ ایک دوسری مجلس میں وہ علماء' فقہاء اور صلحاء سے ملتا تھا۔ اس مجلس میں صرف اہل غرناطہ' قضاۃ شہر اور اعلیٰ حکام سلطنت شریک ہوتے تھے۔ اس میں حدیث کا درس ہوتا تھا اور دس حصوں میں قرآن پاک ختم کیا جاتا تھا۔ ایک مجلس خاص ہوتی تھی جس میں سلطنت کے کاموں پر بحث و مشاورت ہوتی تھی۔[1]

محمد ایک شاہی خاندان کا بانی اور نہایت قابل قدر بادشاہوں میں سے ایک تھا۔ اس کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس نے نہایت پر آشوب دور میں مسلمانوں کے دین اور تلوار کی عظمت کو برقرار رکھا۔ وہ جری بھی تھا اور حیلہ ساز بھی۔ اس کی دو رخی پالیسی اس کی فطرت نہ تھی بلکہ وہ اپنے دشمن کی مکاری اور دغا سے پوری طرح واقف تھا۔ اور وہ حیلہ ساز دشمن سے حیلہ سازی بہتر خیال کرتا تھا۔ اس نے دشمن کے آگے اگر سر جھکایا تو صرف اس لئے کہ غرناطہ اس کے ہوس اقتدار سے محفوظ رہے اور غرناطہ اسپین کے دربدر پھرتے ہوئے مسلمانوں کے لئے جاہ پناہ بن جائے اور بلاشبہ وہ اپنی اس پالیسی میں پوری طرح کامیاب رہا۔

سیاسی اور فوجی کامیابیوں کے ساتھ محمد بن یوسف کی شہرت کا ایک بڑا سبب اس کا محل قصر الحمراء بھی ہے جو اس نے غرناطہ کے قریب مشرق میں ایک پہاڑی پر تعمیر کیا تھا۔ جس کی وسعت اور تکمیل اس کے جانشینوں نے کی تھی۔ غرناطہ اس کے دور میں مسلم اسپین کے اہل ہنر و علم کی آماجگاہ بن گیا تھا جس سے صنعت و حرفت میں بے انتہا ترقی ہوئی۔ خاص طور پر ریشم کی صنعت نے تو دنیا میں شہرت حاصل کر لی۔ فن زراعت جو طوائف الملوکی کے ہاتھوں تقریباً ختم ہو چکا تھا اس کو دوبارہ زندہ کیا گیا۔ بندرگاہ المریہ اور دیگر بندرگاہوں کو تجارتی نقطہ نظر سے کافی کار آمد اور وسیع بنایا گیا۔ اس طرح ایشیا' افریقہ اور یورپ کے تجارتی جہاز ہر وقت ان بندرگاہوں میں مال لانے اور لے جانے کا کام کرنے لگے۔ ملک کی منڈیاں مال سے بھر گئیں اور ہر طبقہ عوام دولت سے سے مالا مال ہو گیا۔ عوام کے لئے حمام اور شفا خانے کثرت سے تعمیر کئے گئے۔ شفاخانوں میں نامور طبیبوں اور جراحوں کو مقرر کیا گیا اور وہ آلات استعمال کئے گئے جو اس وقت تک فن طب و جراحت کی تحقیقات میں آچکے تھے اور مسلمان ان کا استعمال بخوبی جانتے تھے۔ الغرض ہر طرف سکون و اطمینان کی لہر دوڑ گئی اور علم و ہنر'

---

[1] اللمحاظۃ فی اخبار غرناطہ تذکرہ "محمد بن یوسف"

عدل و مساوات اور بیدار مغزی کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔

محمد اول کو جس طرح تعمیرات اور عوام کی فلاح و بہبود کا خیال تھا اسی طرح علم و فن سے بھی کافی رغبت رکھتا تھا۔ جگہ جگہ مدرسے کھلوائے گئے اور علم و ہنر کی ترقی کے لئے قابل ترین اساتذہ کی خدمات حاصل کی گئیں۔ ایک زبردست کتب خانہ تعمیر کیا گیا جس میں دور دور سے کتابیں لا کر جمع کی گئیں۔ الحکم ثانی کے کتب خانہ کی بہت سی کتابیں بھی اس کتب خانہ میں موجود تھیں۔ ہر طالب علم کو اس کتب خانہ سے استفادہ کرنے کا حق دیا گیا جس میں ان کی ہر قسم کی امداد کی جاتی تھی۔ مساجد کی آرائش و تزئین میں سب سے اول محمد بن یوسف نے ذوق و شوق کا مظاہرہ کیا۔ عدل و انصاف میں اس نے اپنے قدیم بزرگ عرب سرداروں کی تقلید کی اور ہر ممکن طریقہ سے عوام تک انصاف کو پہنچانا آسان کر دیا۔ کوئی شخص خواہ کسی بھی حیثیت کا ہو اپنے ظلم و زیادتی اور قانون شکنی کی سزا ضرور پاتا تھا۔ بحیثیت مجموعی محمد بن یوسف نے اسپین کی مردہ مسلم تہذیب کو دوبارہ غرناطہ میں زندہ کیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سارے مسلم اسپین کا حسن و تہذیب سمٹ کر غرناطہ میں جمع ہو گیا تھا۔ مزید یہ کہ محمد اول کی ذاتی کوششوں اور کارناموں نے اس میں چار چاند لگا دیئے۔

محمد اول اور عیسائی

یہ بتایا جا چکا ہے کہ غرناطہ کے حصول میں محمد نے عیسائیوں سے مدد حاصل کی تھی لیکن اس پر بھی اس نے کبھی عیسائیوں کو اپنا قابل بھروسہ دوست نہ سمجھا اور اپنی طاقت کو بڑھانے اور حکومت کو مضبوط کرنے میں ہمہ تن مشغول رہا۔ جب اس کو اپنی طاقت کی طرف سے سکون و اطمینان ہوا تو پھر اس نے عیسائیوں کے خلاف مسلمانوں کی امداد کا سلسلہ شروع کیا۔ مدینہ شذونہ، مرسیہ اور ارکس کے مسلمانوں کو امداد دی جو عیسائیوں سے برسرپیکار تھے۔ کیونکہ عیسائیوں کی یہ تدبیر تھی کہ ان علاقوں پر قبضہ کر کے غرناطہ کی راہ کو ہموار کر لیں لیکن محمد نے ایسا نہ ہونے دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیوں کو ان علاقوں میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس نے قرطبہ بھی عیسائیوں کے قبضہ سے نکالنے کی کوشش کی جس میں ناکامی ہوئی۔ ۶۶۱ھ/۱۲۶۱ء میں مالقہ اور وادی آش کو عیسائیوں کی یلغار سے محفوظ رکھنے کے لئے قلعہ لاریال کے قریب عیسائیوں کو شکست فاش دی لیکن ان دونوں علاقوں کے مسلم گورنروں نے علماء دین کے بہکانے میں آکر عیسائیوں سے صلح کر لی۔ جس سے عیسائیوں کے سردار الفانسو دہم نے محمد اول کو دھمکیاں دینا شروع کر دیں۔ چنانچہ محمد اول نے مجبور ہو کر ۲ لاکھ ۵۰ ہزار

دینار سالانہ پر عیسائیوں سے صلح کرلی لیکن اس صلح کے کچھ دن بعد الفانسو دہم نے چھیڑ چھاڑ شروع کردی اور معاہدے کی خلاف ورزی میں مالقہ اور وادی آش کے اشقابلی گورنروں کو محمد اول کے خلاف بھڑکانا شروع کردیا۔ بہت سے عیسائی جو غرناطہ سے معاہدہ کی خلاف ورزی کے خلاف تھے الفانسو دہم سے الگ ہو کر اس کے باغی بھائی فلپ کے ساتھ مل گئے اور فلپ نے محمد اول کا ساتھ دینے کا اعلان کردیا۔ محمد اول نے ایک زبردست فوج جمع کی تاکہ باغی گورنروں کو سزا دے اور الفانسو دہم کو بھی مزا چکھائے لیکن اس کی یہ حسرت دل ہی میں رہ گئی اور قبل اس کے کہ فلپ اور غرناطہ کی متحدہ فوج غرناطہ کی فصیل کے باہر ہوتی۔ ۲۴ دسمبر ۶۷۱ھ / ۱۲۷۲ء میں اس عظیم اور مدبر حکمران نے ملک عدم کی راہ لی اور کار حکومت اس کے جانشین کے حصہ میں آیا۔

محمد دوم ۶۷۱ھ / ۱۲۷۲ء --- ۷۰۱ھ / ۱۳۰۲ء

نام محمد تھا لیکن محمد فقیہ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ ابن خلدون کے بقول فقیہ اس لئے اس کو کہتے تھے کہ وہ ایک زبردست عالم اور کتب بینی کا شائق تھا۔ ابن الخطیب نے اس کے متعلق تحریر کیا ہے کہ "وہ جلالت، دبدبہ اور دانش مندی میں مثالی بادشاہ تھا۔ سلطنت کے نظم و نسق کی اصلاح میں اہل خدمت کے القابات کی وضع، ان کے مراتب کی تجدید و تعین ارکان حکومت کی قدردانی ملکی محاصل کا بندوبست اور مالگذاری کی توقیر اس کے اہم کارنامے ہیں اور ان تمام امور پر اپنی استوار سیاست زبردست عقل اور وافر حکمت، طویل تجربہ اور برتر فہم و فراست سے حاوی تھا۔

اس کی شباہت ملیح تھی۔ بلند ہمت تھا۔ اپنے باپ کے زمانہ میں وزارت کی خدمت انجام دی تھی۔ اس نے اپنے باپ کے طور طریق جاری رکھے وہ اپنے خط کی پاکیزگی، توقیعات کی عمدگی، علماء، فقہاء، صلحاء اطباء کا تعین اور شعراء کی قدردانی سخن سنجی اور نادرہ گوئی میں اپنے باپ پر فوقیت رکھتا تھا۔ اس کے تخت پر آتے ہی باغیوں نے ہر طرف سر اٹھایا۔ یہاں تک کہ فتنہ پردازوں کے شور و غوغا سے اندلس کی سرزمین دہل گئی۔ اس کے ساتھ ہی عیسائیوں نے بھی حملہ کیا۔ لیکن محمد دوم نے ان تمام مصائب کا صبر و استقلال اور مردانگی سے مقابلہ کیا اور ان کو دور کرنے میں اپنی پوری حکمت اور سیاست صرف کردی جس کا یہ نتیجہ نکلا کہ سلطنت کی مکدر فضا صاف ہوگئی۔ وہ ملک میں بہت مشہور ہوا اور اس کی جنگوں نے کافی عظمت و اہمیت حاصل کرلی۔[1]

[1] الاحاطہ فی اخبار غرناطہ۔ تذکرہ "محمد بن یوسف"

بلاشبہ محمد دوم بے انتہا خوبیوں کا مالک تھا۔ علم کی سرپرستی میں اس کو خاص مقام حاصل تھا۔ وہ خود بھی عالم و فاضل تھا اور بہت سی زبانوں پر قدرت رکھتا تھا۔ حکومت کے کاموں سے فارغ ہو کر علماء اور فلسفیوں کے بحث و مباحثہ میں شریک ہوتا تھا۔ باغی گورنروں کو اطاعت پر مجبور کردیتا۔ الفانسو دہم سے اس شرط پر صلح کرلی کہ وہ اپنے بھائی فلپ کی جاگیر بحال کردے گا۔ الفانسو دہم اس وقت اندرونی خلفشار میں مبتلا تھا اس لئے وہ صلح کرکے اپنی فوجیں غرناطہ کی حدود سے باہر لے گیا۔ لیکن محمد دوم اس کی دغاباز فطرت سے بخوبی واقف تھا۔ اس نے الفانسو دہم کی اس مجبوری کو محسوس کرلیا اور عیسائیوں کی طاقت کو کچل ڈالنے کے لئے اس نے مراکش کے مرینی بادشاہ ابو یعقوب بن عبدالحق کو اپنی امداد کے لئے بلایا۔ ابو یعقوب نے ۵۰ ہزار سپاہ سے اس کی مدد کی۔ یہ امداد عین اس وقت پہنچی جبکہ عیسائی اپنے سپہ سالار گونزلیز کی ماتحتی میں غرناطہ پر حملہ آور ہوچکے تھے۔ محمد دوم نے مراکش کی اس امداد کے سہارے عیسائیوں کو زبردست شکست دی اور ۸ ہزار عیسائی مع اپنے بہادر سپہ سالار کے مارے گئے۔ دوبارہ عیسائیوں نے ارغون کے شاہ جمیس اول کے لڑکے شانجہ کی سرکردگی میں جیان کے مقام پر مسلمانوں سے شکست کھائی جس میں شانجہ ہزاروں سپاہیوں کے ساتھ مارا گیا۔ محمد دوم نے امداد دینے کی شکرگزاری میں شاہ مراکش کو الخضراء اور طریف کے جزیرے دے دیئے۔ بنو مرین کے اسپین سے جاتے ہی عیسائیوں نے الخضراء کا محاصرہ کرلیا اور غرناطہ کے نواح کو تاخت و تاراج کرنا شروع کردیا۔ لیکن محمد ثانی نے ان کے حملوں کو ناکام بنادیا اور وہ الخضراء سے بھی ناکام واپس کردیئے گئے۔ اس کے علاوہ بھی محمد ثانی اور عیسائیوں کے درمیان کئی معرکے ہوئے جن میں اکثر عیسائیوں کو شکست اٹھانا پڑی۔ محمد دوم نے الخضراء کو اپنی حکومت مضبوط کرنے کے لئے شاہ مراکش سے ایک مثقال تقریباً ۴۶۸ سیر سونا دے کر خرید لیا۔ تیس سال کامیاب حکمرانی کے بعد محمد ثانی نے ۷۰۱ھ / ۱۳۰۲ء میں وفات پائی۔

محمد سوم ۷۰۱ھ / ۱۳۰۲ء ---- ۷۰۸ھ / ۱۳۰۹ء

محمد نام اور ابو عبداللہ کنیت تھی۔ اپنے باپ کے بعد ۷۰۱ھ / ۱۳۰۲ء میں تخت غرناطہ پر آیا۔ مخلوع کے لقب سے پکارا گیا۔ ابن الخطیب نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ "محمد ثالث اپنے خاندان میں شہرت، ہمت اور بزرگی کے لحاظ سے اعلیٰ فرد تھا۔ اس کی شکل ملیح اور چہرہ سے امارت ٹپکتی تھی۔ طبعاً نیک، محمود، ذکی اور فہیم تھا۔ وہ اپنے باپ کی زندگی میں گو نہایت عیش پسند تھا لیکن اسی کی زندگی

میں سیاستدانی سے بھی واقف ہوگیا تھا اور سلطنت کے کاموں سے واقفیت حاصل کرلی تھی۔ جس کی وجہ سے وہ فخرو شرف اور علم وادراک میں بے مثل ہوگیا۔ اپنے باپ کے طرز پر حکومت کی اور زمانہ کے مصائب کا مقابلہ کیا۔ اسے کیونکہ کام کرنے کے لئے راتوں کو جاگنا پڑتا تھا اس لئے آنکھوں پر اتنا بار پڑتا تھا کہ وہ مکدر رہتا تھا...... سعادت اس کی خادمہ، فیروز مندی اس کی کنیز اور اس کے عہد کا ہر روز عید تھا۔ تمام ہم عصر ملوک اس سے صلح کے متلاشی رہتے تھے۔ وہ شعر سنتا اور کہتا بھی تھا۔ شعراء کو انعام و صلہ دینے میں فیاض تھا۔ علماء کا قدر دان اور سلطنت کے کاموں پر شرفاء کو متعین کرنے والا تھا۔ ہر قسم کے تجربہ اور واقفیت سے مالامال اور ندرت پسند تھا۔ اس کی توقیع عمدہ اور خط اچھا تھا۔ البتہ سخت دلی اور تشدد اس پر غالب تھا۔ شعر نہایت عمدہ کہتا۔ اس کا مجموعہ کلام بھی مرتب ہوا تھا۔"[1]

اس کا پورا دور جنگ وجدال میں گذرا۔ اس نے گرچہ بہت مختصر حکومت کی لیکن پھر بھی تہذیب وثقافت میں گراں قدر اضافہ کیا۔ اس کے کارناموں میں الحمرا کی شاندار اور حسین جامع مسجد کی تعمیر بھی شامل ہے۔ جس پر نہایت پائیداری سے چاندی کا ملمع کیا گیا تھا۔ اس مسجد کے مقابل میں ایک زبردست حمام بھی بنایا گیا تھا۔ اس مسجد کی تعمیر میں صرف جزیہ کی رقم صرف کی گئی تھی۔

۷۰۴ھ / ۱۳۰۵ء میں المریہ کے گورنر سلیمان نے ارغون کے عیسائیوں کے بہکانے پر اپنی آزادی کا اعلان کردیا لیکن جلد ہی محمد مخلوع کے ہاتھوں پکڑ کر جیل میں ڈال دیا گیا۔ وادی آش کے گورنر کی بغاوت سختی سے کچل دی گئی۔ عیسائیوں نے جبل الطارق پر قبضہ کرکے الخضراء کا محاصرہ کرلیا لیکن محمد سوم نے پلٹ کر عیسائیوں کے سرحدی قلعوں پر حملہ کردیا۔ جس سے مجبور ہوکر عیسائیوں نے الخضراء سے محاصرہ اٹھالیا۔ ۷۰۸ھ / ۱۳۰۹ء میں محمد سوم کے بھائی ابوالجیوش نصر بن محمد نے اکابرین حکومت سے سازش کرکے محمد کو گرفتار کرلیا اور المنکب کے قلعہ میں قید کردیا۔ محمد سوم پانچ سال تک قید رہا۔ اس دوران نصر جب سخت بیمار ہوا تو محمد سوم نے حکومت حاصل کرنے کی کوشش کی جس کی وجہ اس کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے۔

---

[1] الاحاطہ فی اخبار غرناطہ۔ تذکرہ "محمد بن محمد بن محمد بن یوسف"

نصر بن محمد ۱۳۰۲ء۔۔۔ ۷۱۴ھ / ۱۳۱۴ء

نصر بن محمد میدان کارزار کا فرد نہ تھا۔ البتہ علوم و فنون کی طرف اس کی خاص رغبت تھی اور ان کی ترقی و ترویج کی طرف خاص ذوق رکھتا تھا۔ اس کے عہد میں سائنس اور فلسفہ پر بہت سی کتابیں لکھی گئیں اور تراجم بھی ہوئے۔ ایجادات کے سلسلہ میں بھی اس کا دور بہت مشہور ہے۔ دیوار گھڑی کی ایجاد اس سے منسوب ہے۔ بہت سی عوامی عمارات تعمیر ہوئیں لیکن پھر بھی وہ ایک بد قسمت بادشاہ تھا۔ اس کا ایک دن بھی امن و سکون سے نہ گزرا تھا۔ تخت پر آتے ہی قشتالیہ کے فرڈی ننڈ چہارم نے الخضراء کا محاصرہ کرلیا جس کو بچانے کے لئے نصر نے عیسائیوں کو سالانہ خراج دینا منظور کرلیا اس کے بھانجے ابوالولید نے تخت حاصل کرنے کے لئے سازش کی لیکن ناکام رہا اور ابوالولید اپنے باپ کے پاس مالقہ بھاگ گیا۔ محمد سوم نے دوبارہ تخت حاصل کرنا چاہا لیکن وہ کامیاب نہ ہوا اور مار ڈالا گیا۔ یہی وقت تھا کہ قشتالیہ کے فرڈی ننڈ چہارم کو موت نے آلیا۔ اس کے تیرہ ماہ کے لڑکے الفانسو یازدہم کو تخت پر بٹھایا گیا اور پھر قشتالیہ آپس کی خانہ جنگی میں پھنس گیا۔ یہ موقعہ تھا کہ مسلمان اپنا تمام علاقہ عیسائیوں سے واپس لے لیتے اور قشتالیہ کو بھی زیر کرلیتے لیکن افسوس اس وقت دربار غرناطہ خود سازشوں کا اڈہ بنا ہوا تھا اور مسلمانوں کی جنگی صلاحیت ایک دوسرے کی گردن پر تلوار چلانے میں کام آرہی تھی۔ یہاں تک کہ اہل دربار نے ایک بار پھر ابوالولید سے سازش کرکے نصر کو تخت سے دستبردار ہونے پر مجبور کردیا اور رحم کھا کر اس کو وادی آش کا گورنر بنا دیا گیا جہاں اس نے ۷۲۳ھ / ۱۳۲۳ء میں وفات پائی۔

ابوالولید اسمٰعیل ۱۳۱۴ء۔۔۔ ۷۲۶ھ / ۱۳۲۵ء

ابوالولید اسمٰعیل بن فرج اس خاندان کے بانی محمد اول کے بھائی اسمٰعیل کا پوتا تھا۔ وہ ایک خوش خلق، آزاد منش، صاف دل، باحیا، پاک دامن اور صحیح العقل شخص تھا۔ لڑائیوں میں ثابت قدم رہتا تھا۔ طہارت اور پاکیزگی سے بھرا ہوا تھا۔ اور بوالہوسی سے محفوظ تھا[1]۔ اس نے رعایا میں عدل و انصاف کے قوانین نافذ کئے۔ مالگزاری کی معقول شرح مقرر کی۔ سرحدوں کو مضبوط اور دشمنوں سے محفوظ رکھا۔ جس کی بناء پر عوام و خواص اس کے دلدادہ ہوگئے۔ ان اصلاحات کے علاوہ بھی اسمٰعیل

---

[1] الاحاطہ۔۔۔۔۔۔ تذکرہ "اسماعیل بن فرج"

نے دیگر اصلاحات بھی کیں جو مذہبی اور سیاسی دونوں نوعیت کی تھیں۔ اہل بدعت کو سختی کے ساتھ کچل دیا اور اہل ملت کے ساتھ نرمی کی۔ خاص طور پر سادات کو نوازا۔ شرعی حدود قائم کرنے اور منکرات کو روکنے کے لئے سخت اقدامات کئے۔ دعوتوں اور مجالس میں معززین کے پاس طوائفوں کی آمدورفت کو ممنوع قرار دے دیا اور ان کی طرب انگیزی سے لطف اندوز ہونے کی صرف ان لوگوں کو اجازت تھی جو اسی قماش کے تھے[1]۔ یہود کی پہچان کے لئے ان کو زرد صافہ باندھنے کا حکم دیا۔

اسمٰعیل نے بہت سے معرکہ سر کئے اور عیسائیوں کی طاقت کو پامال کیا۔ ۷۱۹ھ/۱۳۱۹ء میں اس نے بیضہ کے مضبوط قلعے کا محاصرہ کر لیا شیخ الغزاۃ ابو سعید عثمان مرینی کی مدد سے اس نے الفانسو یازدہم کے سرپرستوں دون جوان اور دون پیڈرو کو علی قم کے مقام پر زبردست شکست دے کر مار ڈالا اور حصن اشکر، گلیریہ اور بیضہ پر قبضہ کر لیا۔ اسی سال جیان سے ۱۶ میل جنوب مغرب میں مرتش پر قبضہ کر لیا جن لوگوں نے اطاعت نہیں کی وہ سب قتل کر دیئے گئے۔ اس نے مراکش کے مرینی بادشاہ سے غرناطہ کے پرانے قلعے طریف اور رندہ کو دوبارہ حاصل کر لیا مرتش کی کامیابی کے تیسرے دن جب وہ قصر میں داخل ہو رہا تھا اس کے برادر عم زاد محمد بن اسمٰعیل المعروف بہ صاحب جزیرہ نے جس کی کسی موقعہ پر اسمٰعیل نے بے عزتی کی تھی اس کو قتل کر دیا۔ بحیثیت مجموعی اسمٰعیل کا دور فارغ البالی اور امن کا دور تھا اور عوام خوشحال تھے۔

محمد چہارم ۷۲۶ھ/۱۳۲۵ء ۔۔۔ ۷۳۵ھ/۱۳۳۳ء

اسمٰعیل نے چار لڑکے چھوڑے تھے۔ جن میں ابو عبداللہ محمد جس کی عمر ۱۲ سال تھی سب سے بڑا تھا۔ چنانچہ اس کو تخت نشین کیا گیا اور اس کا سرپرست چالاک اور خود غرض وزیر ابن محروق بنایا گیا۔ ابن محروق نے اپنا اقتدار مضبوط کرنے کے لئے محمد چہارم کے وفادار اور عقلمند درباریوں اور امراء اور اس کے بھائیوں کو غرناطہ سے باہر کر دیا۔ لیکن تین سال بھی نہ گذرے تھے کہ محمد چہارم نے اس کی عادات و حرکات سے عاجز آکر اس کو قید کر دیا اور بقول ابن الخطیب "سلطان کے حکم سے قتل کر دیا گیا[2]۔" ابن خلدون نے لکھا ہے کہ "محمد نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لیتے ہی اپنے وزیر سلطنت ابن محروق کو ۷۲۹ھ میں اپنے محل سرا میں بلا کر قتل کرا دیا۔ قتل کا سبب یہ تھا کہ وزیر موصوف کی شکایات حد سے بڑھ گئی تھیں اور اس کا ذاتی اقتدار شاہ غرناطہ سے بھی بدرجہا بڑھا ہوا تھا۔"

---

[1] الاحاطہ ۔۔۔۔۔۔۔ تذکرہ "اسمٰعیل بن فرج" [2] ایضاً تذکرہ "محمد بن اسمٰعیل"

محمد چہارم اپنی عزت، سیادت، خوبصورتی اور خوبیوں کی وجہ سے شاہان ذی وقار میں شمار کیا جاتا تھا۔ شیریں گفتار، نیک خصائل و شمائل، فصیح اللسان، خوش طبع اور فیاض واقع ہوا تھا۔ اس کی شجاعت ضرب المثل تھی اور بعض اوقات وہ جوش شجاعت میں ہلاکت کی حد تک پہنچ جاتا تھا۔ زبردست اور بے مثال شہ سوار اور شکار کا بے حد دلدادہ تھا۔ بڑا عالم تھا اور ادب سے خاص دلچسپی رکھتا تھا۔ شعراء پر تنقید کرتا اور خود بھی اچھے اشعار کہتا تھا۔ اس کی ذکاوت و ذہانت، شجاعت و اولوالعزمی اور عدل و انصاف کی داستانیں اہل غرناطہ میں میں ہر ایک کی زبان پر تھیں۔ عوام اس سے بے حد یگانگت و الفت رکھتے تھے۔ ابن محروق کے بعد اس نے اپنا وزیر ابن یحیٰی کو مقرر کیا۔

محمد چہارم کی مدت حکومت اگرچہ بہت کم تھی لیکن پھر بھی اس نے عیسائیوں سے بہت سی لڑائیاں لڑیں اور کامیابیاں حاصل کیں۔ شہر قبرہ پر عیسائیوں کو بری طرح شکست دی۔ باغورہ کو فتح کیا۔ حصن قشتالیہ اور حصن قشرہ کو عیسائیوں سے چھین لیا۔ جبل الطارق پر قشتالیہ کے عیسائیوں نے قبضہ کرکے اس کو مستحکم کرلیا تھا۔ ۷۳۵ھ/۱۳۳۲ء میں محمد چہارم نے اس پر حملہ کرکے سخت مزاحمت کے باوجود اس پر قبضہ کرلیا۔ جو اس کی شاندار کامیابیوں میں اہم کامیابی شمار ہوتی ہے۔ شیخ الغزاۃ عثمان بن ابوالعلاء جو شاہی حفاظتی دستہ کا سردار تھا۔ اس نے محمد چہارم سے کشیدگی کی بناء پر بغاوت کردی۔ وہ حصن اندرش کی طرف بھاگ گیا۔ اور قشتالیہ کے عیسائی بادشاہ اور مراکش کے مرینی سلطان ابوالحسن علی کو غرناطہ پر حملہ آور ہونے کی دعوت دی۔ مراکش والوں نے موقعہ غنیمت سمجھ کر الخضراء پر قبضہ کرلیا۔ جس کی حفاظت کرتے ہوئے وزیر ابن یحیٰی مارا گیا۔ اور اس کی جگہ ابو نعیم رضوان کو وزیر بنایا گیا تھا۔ شاہ مراکش نے رندہ اور مربلہ اور ان کے مضافات پر قبضہ کرلیا۔ شاہ غرناطہ نے باوجود اس کے کہ اس کے پاس بہت کم فوج تھی نہ صرف یہ کہ اپنے تدبر اور شجاعت سے تمام علاقے شاہ مراکش سے واپس لے لئے اور عیسائیوں کو اپنی سرحدوں سے دور بھگا دیا بلکہ شاہ مغرب ابوالحسن علی سے دوستی بھی کرلی ابن خطیب نے لکھا ہے کہ محمد چہارم بذات خود سمندر عبور کرکے سلطان ابوالحسن سے جاکر ملا۔ جس سے ان دونوں کی دوستی مزید مضبوط ہوگئی۔ بہرحال چند سال کے اندر اندر اس نے اپنی سلطنت کے علاقوں کو محفوظ اور مستحکم بنالیا۔ ابن خلدون کا بیان ہے "...... عیسائیوں نے پھر چھیڑ چھاڑ شروع کی اور مسلمانوں کو ایذا پہنچانے لگے۔ محمد چہارم سلطان ابوالحسن مراکشی کی خدمت میں مغرب پہنچا اور دشمنان اسلام کی زیادتیوں کی شکایت کی اور امداد کی

درخواست کی۔ سلطان نے اسلامی حمیت کی وجہ سے محمد کے ساتھ فوجیں روانہ کیں اور اسے اپنی جانب اس لشکر کی امارت ۷۳۳ھ میں عنایت فرمائی۔ عثمان بن ابو العلاء اور اس کے ساتھیوں کو محمد چہارم کا سلطان ابو الحسن سے ملنا اور ابو الحسن کا اس معاملے میں مداخلت کرنا ناگوار گذرا اور اس سے ان کو طرح طرح کے خیالات پیدا ہوئے۔ سب نے جمع ہو کر مشورہ کیا اور موقعہ پر جس روز وہ غرناطہ واپس آ رہا تھا۔ اس کو چاروں طرف سے گھیر کر قتل کر دیا۔" محمد چہارم کے قتل کا واقعہ اسی سال پیش آیا جبکہ وہ جبل الطارق کو فتح کر کے اور عیسائیوں سے صلح کر کے واپس آ رہا تھا امام الدین صاحب نے لکھا ہے کہ عیسائیوں کے ایک گروہ نے قتل کر دیا۔ لیکن ابن الخطیب بھی اس رائے پر قائم ہے کہ بنو عثمان بن العلاء نے اس کو قتل کیا تھا۔

ابو الحجاج یوسف ۷۳۵ھ / ۱۳۳۳ء تا ۷۵۴ھ / ۱۳۵۴ء

محمد چہارم کے قتل کے فوراً بعد وزیر سلطنت رضوان نے اس کے بھائی ابو الحجاج یوسف کو تخت غرناطہ پر بٹھا دیا۔ یوسف اس خاندان کا زبردست اور عالی دماغ بادشاہ تھا۔ اس نے تخت پر بیٹھتے ہی اپنے بھائی کے خون کا بدلہ لینے کا تہیہ کر لیا۔ جس کے نتیجہ میں بنو عثمان بن ابو العلاء پر برے دن آ گئے وہ سب کے سب غرناطہ سے جلاوطن کر کے تیونس بھیج دیئے گئے۔ جب عیسائیوں نے گڑ بڑ کی اور بہت سے علاقوں پر قبضہ کر لیا تو یوسف نے مجبور ہو کر شاہ مراکش ابو الحسن کو امداد کے لئے بلایا۔ ابو الحسن نے اپنے لڑکے عبد الملک کو ایک زبردست لشکر لے کر بھیجا تاکہ پورے اسپین پر قبضہ کرے۔ عبد الملک نے الخضراء اور جبل الطارق پر قبضہ کر کے جنوبی اسپین کا بڑا علاقہ عیسائیوں سے خالی کرا لیا۔ لیکن پجانہ کی جنگ میں عیسائیوں کے ہاتھوں شکست کھا کر مع دس ہزار سپاہ کے مارا گیا۔ عبد الملک کی موت کا بدلہ لینے کے لئے ابو الحسن ۷۴۱ھ / ۱۳۳۹ء میں بذات خود اسپین پر حملہ آور ہوا اور مغربی بحر روم کے علاقوں میں قشتالیہ کو زبردست شکست دے کر پسپا کر دیا۔ طریف کے مضبوط قلعے کا یوسف کی مدد سے محاصرہ کر لیا۔ ارغون، پرتگال اور قشتالہ کی متحدہ فوج جو جدید ترین آلات سے لیس اور تربیت یافتہ تھی طریف کو بچانے کے لئے ابو الحسن کے مقابلہ پر آئی۔ طریف کے باہر میدان سلادو میں ۳۰ اکتوبر ۷۴۱ھ / ۱۳۴۰ء میں دونوں کا مقابلہ ہوا جس میں مسلمانوں کو سخت ہزیمت

۱؎ ابن خلدون جلد ۴ صفحہ ۱۶۲ ۲؎ Political History of Muslim Spain - P.178

۳؎ الاحاطہ ۔۔۔۔ تذکرہ "محمد بن اسمٰعیل" ۴؎ Political History of Muslim Spain - 178

کا سامنا کرنا پڑا۔ کثیر تعداد میں مسلمان مارے گئے اور ابوالحسن اور یوسف اول سمندر کے راستے اپنی جان بچاکر اپنے اپنے علاقوں کی طرف چلے گئے۔ اس لڑائی کے درمیان ہی الفانسو یازدہم طاعون کی بیماری سے مرگیا۔ عیسائیوں نے مسلمانوں کا زبردست قتل عام کیا۔ اس جنگ کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ اس کے بعد افریقیوں نے کبھی بھی اسپین پر حملے کا ارادہ نہ کیا اور شاہ غرناطہ کو اپنے لئے مدافعانہ طرز عمل اختیار کرنا پڑا۔ طریف اور الخضراء پر عیسائیوں نے دوبارہ قبضہ کرلیا لیکن اب ان کے اپنے درمیان خانہ جنگی شروع ہوگئی جس کی وجہ سے انہوں نے یوسف اول سے دس سالہ معاہدہ امن کرلیا۔ اس طرح یوسف اول کو اس بات کا موقعہ مل گیا کہ وہ اپنے آپ کو امن و سکون کے ساتھ اصلاحات کی طرف لگا سکے۔

اس کے عادلانہ اور روادارانہ انتظام حکومت نے عوام کو خوشحال اور فارغ البال کردیا تھا۔ وہ ادب، فنون، تعمیرات اور سائنس کا زبردست مربی اور گرویدہ تھا۔ اس نے الحمراء میں کافی اضافہ کیا اور اس میں ایک عظیم باب "باب الشریع" تعمیر کرایا۔ شہر غرناطہ میں سرنوادا کے پہاڑوں سے بڑے بڑے نلوں کے ذریعہ پانی بہم پہنچایا اور پانی ذخیرہ کرنے کے لئے سنگ مرمر کی کئی ذخیرہ گاہیں تعمیر کیں۔ ہر بارہ مسلم گھرانوں پر ایک مسجد تعمیر کی جس سے ایک یتیم خانہ اور خیرات خانہ منسلک ہوتا تھا۔ ۷۴۹ھ/۱۳۴۹ء میں غرناطہ کا عظیم اور مشہور مدرسہ قائم کیا۔ علوم فطرت اور علوم الابدان پر زبردست تحقیقات کرائیں اور ان علوم کی ترویج کا وافر انتظام کیا۔ ابن بیطار اس کے زمانہ کا مشہور سائنسدان اور علم نباتات کا ماہر تھا۔ پولیس کی تنظیم کو درست کیا اور شہر کو بہت سے حصوں میں منقسم کرکے ہر حصہ میں ایک پولیس افسر مقرر کیا جو عوام کی فلاح و بہبود اور قانون کے نفاذ کا ذمہ دار تھا۔ غرناطہ کے مسلمانوں کی یہ بدقسمتی تھی کہ یوسف اول ملک اور عوام کی خدمت کے لئے زیادہ عرصہ زندہ نہ رہ سکا۔ ۱۹ اکتوبر ۷۵۵ھ/۱۳۵۴ء میں نماز کی حالت میں ایک پاگل نے اس کو شہید کردیا۔

محمد پنجم ۷۵۵ھ/۱۳۵۴ء تا ۷۶۰ھ/۱۳۵۹ء

یوسف اول کے شہید ہوجانے کے بعد اس کا عالم فاضل لڑکا محمد پنجم تخت غرناطہ کا مالک ہوا۔ جس نے اپنا لقب "الغنی باللہ" اختیار کیا۔ اس نے تخت پر بیٹھتے ہی ریاست غرناطہ سے غنڈوں و بدمعاشوں اور چور اچکوں کو باہر نکال دیا اور ان اراکین دربار کو باہر نکال دیا جو کسی نہ کسی برائی میں ملوث پائے گئے لیکن ۷۶۰ھ/۱۳۵۹ء میں ان ملک بدر ہونے والوں نے محمد پنجم کی سوتیلی ماں سے مل کر محمد کو قتل کرنے اور اس کے سوتیلے بھائی اسمٰعیل کو تخت پر بٹھانے کی سازش کی۔ ان سازشیوں

نے بغاوت کر کے وزیر سلطنت ابو نعیم رضوان کو قتل کر دیا۔ محمد پنجم اس وقت شکار کے لئے باہر گیا ہوا تھا۔ وہاں سے اپنی جان بچا کر وادی آش کی طرف بھاگ گیا اور وہاں سے سلطان ابو سالم شاہ مراکش کے پاس پہنچا تاکہ امداد حاصل کر کے دوبارہ غرناطہ پر قبضہ کرے۔ محمد پنجم کے بھاگتے ہی اسمٰعیل نے تخت غرناطہ پر قبضہ کر لیا۔

اسمٰعیل بن یوسف اور محمد ششم

اسمٰعیل بن یوسف بدکار اور ناکارہ ثابت ہوا۔ اس کا مشیر اعلیٰ اس کا بہنوئی ابو سعید محمد تھا جو بہت چالاک اور ہوس کار تھا۔ اس نے اپنی غرض کی خاطر لوگوں کو اسماعیل کے خلاف بھڑکایا۔ ۷۶۱ھ /۱۳۶۰ء میں ابو سعید محمد کی سرکردگی میں عام بغاوت ہوئی۔ اسمٰعیل کی نہ تو کوئی عزت تھی اور نہ کوئی شخصیت چنانچہ جلد ہی باغیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ ابو سعید محمد بن اسمٰعیل نے تخت پر قبضہ کر لیا۔ ابن الخطیب نے کئی کتابوں کے حوالے سے اس کا کردار اس طرح بیان کیا ہے "یہ رئیس بدصورت، بری باتوں کا مرتکب، شریر، کمینہ، باغی، بدکار، فاسق، آوارہ آبرو باختہ اور بہت فضول خرچ تھا۔ مشتبہ لوگوں سے اس کے تعلقات تھے۔ وہ کتوں کا سردار تھا اور ان کے امراض کا معالج۔ انہی کتوں کی جماعت سے وہ اپنا شکار کیا کرتا تھا۔[1]" اس نے حکومت پر قابض ہوتے ہی شر انگیز، بدکار، لٹیرے اور سفاک لوگوں کو حکومت کے کاموں پر متعین کیا جس کی بناء پر لوگ اس سے سخت ناراض ہو گئے۔ وادی آش کے قریب اس نے عیسائیوں سے زبردست شکست کھائی۔ محمد پنجم نے شاہ مراکش ابو سالم کی مدد لے کر دوبارہ تخت غرناطہ حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن اسی دوران ابو سالم قتل کر دیا گیا اور غاصب سلطان مراکش کے حکم پر محمد پنجم کی تمام امداد واپس لے لی گئی۔ لیکن غرناطہ کے عوام نے جو ابو سعید محمد سے سخت ناراض تھے محمد پنجم کو دوبارہ تخت غرناطہ پر لانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ یہاں تک کہ ابو سعید محمد نے بہت سا مال متاع لے کر شاہ قسطالہ کے پاس پناہ لی۔ جہاں شاہ قسطالہ نے ایک طرف تو ابو سعید کا مال ہضم کرنے کے لئے اور دوسری طرف غرناطہ کی دوستی حاصل کرنے کے لئے ابو سعید محمد کو ۷۶۳ھ / ۱۳۶۲ء میں قتل کر دیا۔

محمد پنجم کا دوسرا دور ۷۶۲ھ / ۱۳۶۲ء --- ۷۹۳ھ / ۱۳۹۱ء

محمد پنجم الغنی باللہ عوام کے جوش و مسرت کے درمیان تخت غرناطہ پر دوبارہ بیٹھا اور پھر ۳۰ سالہ

---

[1] الاحاطہ .... تذکرہ "محمد بن اسمٰعیل"

حکمرانی کی۔ اس کے دور حکومت میں بجز چند خاندانی جھگڑوں اور غیر اہم بغاوتوں کے کوئی خاص واقعہ ظہور میں نہ آیا۔ اس نے قشتالہ کی آپس کی خانہ جنگی سے بھی فائدہ اٹھایا اور ایک فریق جو پطرو کا طرفدار تھا ساتھ دے کر اپنے کئی قلعے واپس لے لئے۔ اس نے جزیرہ الخضراء پر بھی قبضہ کر لیا لیکن زیادہ دن تک وہ اس پر قابض نہ رہ سکا۔

محمد پنجم بقول ابن الخطیب "حسن صورت، استقامت، فطرت، اعتدال اخلاق، صحت فکر، صفائی ذہن، رسائی فہم، حلاوت مسائل اور کامل غور و تامل کا مالک تھا۔ باوقار اور باحلم تھا۔ نرم دل اور صاحب ایمان تھا۔ نصیحت کو فوراً قبول کر لیتا تھا۔ جرأت، شوق جہاد، ثابت قدمی، قوت قلب، دلیری، رحم اور مہربانی والا تھا۔ وہ وعظ کی مجلسوں اور ذکر کو بہت پسند کرتا اور خاصان خدا کے سامنے مذہبی باتوں سے متاثر ہو کر زار و قطار روتا تھا۔ کثیر صدقہ و خیرات کرتا۔ ہر چاند کے مہینے میں مظالم کی روک تھام کے لئے بذات خود ۱۲ دن تک اجلاس کرتا تھا اور ہر کس و ناکس کے ساتھ پورا پورا انصاف کرتا تھا۔ ستم رسیدہ کی فریاد سے بہت متاثر ہوتا تھا اور سرداران فوج اور پولیس کو تشدد کرنے پر بھی سزا دیتا تھا۔ قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیتا تھا۔ وہ خود ترک لذت کا عادی تھا انتقام کا جذبہ بہت کم تھا۔ گھوڑے پالنا، ہتھیار جمع کرنا اور حملوں کو بذات خود انجام دینا اس کا سب سے عمدہ شوق تھا۔ دوسروں کی چغلی نہ سنتا تھا۔ وہ ایمان دار اور تجارت کے فروغ کا زبردست حامی تھا۔ عیش و عشرت میں مشغول نہ رہتا اور ہمہ وقت حکومت کے کاموں اور فلاحی اور بہبود عامہ کے کاموں میں مشغول رہتا تھا۔"[1] وہ ایک بہترین منتظم اور علم و ادب کا مربی و سرپرست تھا۔ اس نے جگہ جگہ مدرسے اور خانقاہیں تعمیر کرائیں اور اعلیٰ تعلیم کا بندوبست کیا۔ ایک زبردست شفاخانہ بنوایا جس کی مثال عالم اسلام میں نہ تھی۔ بہت سے قلعے تعمیر کئے اور پرانے قلعوں کو مستحکم کیا۔ غرناطہ کے بحری بیڑے کی اصلاح کی اور اس میں حقیقی معنوں میں اضافہ کیا۔ جس سے اس کی بحری قوت ایک زبردست طاقت بن گئی۔ اس کے دور میں تجارت و صنعت اور زراعت میں نمایاں اصلاحات اور اضافے ہوئے۔ آبپاشی کا ایک نیا نظام جاری کیا اور کسانوں کو تقاوی دینے کا طریقہ اختیار کیا۔ الغرض بنو نصر کا یہ آخری تاجدار ہے جس نے غرناطہ کی حکومت کو مضبوط اور مستحکم کیا۔ اس کو دشمنوں سے محفوظ رکھا یہاں تک کہ عیسائی اور مراکش کے حکمراں بھی اس کی دوستی پر فخر کرتے تھے۔ ۷۹۳ھ/۱۳۹۱ء میں اس نے انتقال کیا لیکن اس کے بعد کے آنے والے اس کے نقش قدم پر نہ چلے اور بتدریج زوال کی طرف بڑھتے گئے۔

---

[1] الاحاطہ ..... تذکرہ "محمد بن یوسف"

ابوالحجاج یوسف دوم

محمد پنجم کے ساتھ ہی غرناطہ کا دور عروج بھی رخصت ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا ابوالحجاج یوسف دوم تخت غرناطہ پر بیٹھا۔ صرف ایک سال حکمرانی کر پایا تھا کہ شاہ فیض کی سازش سے زہر دے کر مار ڈالا گیا۔ اس نے قشتالیہ کے بادشاہ سے معاہدہ کی تجدید کی۔ اس کے دور میں قنطرہ کے عیسائی حاکم نے غرناطہ پر ایک ناکام حملہ کیا۔ یوسف کی موت ۷۹۴ھ / ۱۳۹۲ء میں ہوئی۔

محمد ہفتم

یوسف کے قتل کے بعد اس کا دوسرا لڑکا محمد تخت غرناطہ پر بیٹھا۔ جس نے اپنے بڑے بھائی یوسف کو قید کر دیا۔ اس کے دور میں ہنری سوم نے تمام عیسائی بادشاہوں کی ایک مجلس بلائی جس میں یہ طے پایا کہ کس طرح غرناطہ کو مسلمانوں سے چھینا جا سکتا ہے لیکن اس سے قبل کہ وہ عملی اقدام کیا جاتا ہنری سوم مر گیا۔ ۸۰۹ھ / ۱۴۰۶ء میں قشتالہ نے غرناطہ پر حملے شروع کر دیئے اور اس کے علاقے کو تاخت و تاراج کرنے لگا۔ ۸۱۰ھ / ۱۴۰۷ء میں زاہرہ پر قبضہ کر لیا۔ مسلمانوں نے اس کے جواب میں بیدر پر حملہ کر کے حصن اعظمہ کا محاصرہ کر لیا جو عیسائیوں کا مرکزی قلعہ تھا۔ لڑائیوں میں دونوں فریقوں کا برابر کا نقصان ہوا۔ اسی دوران محمد ہفتم سخت علیل ہو گیا اور اس کے معالج اس کی زندگی سے قطعاً مایوس ہو گئے۔ اپنی بیماری اور موت سے آگاہ ہو کر محمد ہفتم نے اپنے بیٹے کی جانشینی کے لئے اپنے قیدی بھائی یوسف کو مروا دینا چاہا لیکن قبل اس کے کہ اس حکم کی تعمیل ہوتی محمد ۸۱۱ھ / ۱۴۰۸ء میں خود فوت ہو گیا اور غرناطہ و اطراف کے عوام نے ابو عبداللہ یوسف کو تخت غرناطہ پر لا بٹھایا۔

یوسف سوم

۸۱۱ھ / ۱۴۰۸ء میں یوسف تخت پر آیا۔ اس نے سب سے پہلے قشتالیہ سے دو سال کا معاہدہ امن کیا۔ جو ۸۱۳ھ / ۱۴۱۰ء میں ختم ہو گیا۔ یوسف نے اس معاہدہ کی تجدید کرنا چاہی تو قشتالیہ نے انکار کر دیا۔ فرڈی ننڈ نے جو نابالغ شاہ قشتالہ کا سرپرست اور چچا تھا۔ انتقیرہ بزور طاقت مسلمانوں سے چھین لیا اس کے بعد پھر غرناطہ سے صلح ہو گئی جس کی رو سے تمام عیسائی قیدی رہا کر دیئے گئے۔ جبل الطارق کے عوام اپنے گورنر کے طرز عمل سے سخت نالاں تھے۔ چنانچہ انہوں نے حکومت فیض

سے جبل الطارق پر حملہ کرنے کی درخواست کی۔ شاہ فیض نے اپنے بھائی ابو سعید کو جبل الطارق کی فتح کے لئے بھیجا لیکن یوسف سوم کا لڑکا محمد ایک زبردست فوج لے کر پہنچ گیا اور افریقیوں کو شکست فاش دے کر ابو سعید کو قید کرلیا۔ شاہ فیض دراصل اپنے بھائی ابو سعید سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے نہ تو فدیہ دے کر ابو سعید کو رہا کرایا بلکہ اس کے برخلاف یوسف سوم کو لکھا کہ وہ ابو سعید کے ساتھ جو چاہے کرے۔ یوسف سوم کو خود بخود شاہ فیض کے خلاف مہرہ ہاتھ آگیا۔ اس نے ابو سعید کو خوب بھڑکایا اور اس کو رہا کرکے اس کو ایک زبردست فوج دے کر فیض کی طرف روانہ کیا تاکہ اپنے غدار بھائی کو سزا دے۔ ابو سعید نے شاہ فیض کو شکست دے کر تخت مراکش پر قبضہ کرلیا اور اس طرح دوبارہ فیض اور غرناطہ کے درمیان دوستی کا رشتہ قائم ہوگیا۔

یوسف سوم نے اپنا دور امن و سکون سے گزارا اور انتظام حکومت میں منہمک رہا۔ یوسف سوم نے اپنے انصاف، تدبر، حلم اور دیگر خوبیوں کی وجہ سے کافی شہرت رکھتا تھا۔ اس کے تدبر کی یہ شان تھی کہ اکثر عیسائی رؤسا اپنے آپس کے جھگڑے طے کرانے کے لئے اس کے پاس آتے تھے۔ وہ کھیل کود اور کسرت کا بڑا شوقین تھا اور ان کی سرپرستی کرتا تھا۔ اس نے پہلی مرتبہ اپنی فوجوں میں ورزش اور کھیلوں کو رواج دیا۔ سرحدی صوبوں میں امن و امان قائم کیا۔ اکثر وہ عیسائی قیدیوں کو لڑائی کے دوران ہی رہا کردیتا تھا۔ جو سابقہ روایات کے خلاف اور تعجب خیز تھا۔ ملک میں امن و چین کی فضا نے لوگوں کی دولت میں اضافہ کرکے ان کی زندگیوں کو خوشحال اور ان کو آرام طلب، کاہل اور عیاش بنادیا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ عوام میں اتنا دم خم نہ رہا کہ وہ عیسائیوں کی روزافزوں طاقت کا مقابلہ کرسکتے۔ یوسف سوم نے ۸۲۱ھ/۱۴۱۷ء میں وفات پائی۔ جس کا ایک عرصہ تک عوامی طور پر سوگ منایا جاتا رہا۔

محمد ہشتم

یوسف سوم کے بعد اس کا لڑکا محمد ہشتم الیسار (الٹے ہاتھ والا) تخت غرناطہ پر آیا۔ وہ ایک مغرور اور متکبر شخص تھا اور اپنے فرائض کی بجا آوری سے غفلت برتتا تھا۔ اس نے امراء و شرفاء کو اپنے دربار سے ہٹا کر غلاموں اور خواجہ سراؤں کو اپنا مقرب خاص بنایا اور وہ تمام فلاحی اور تفریحی ادارے جو اس کے باپ نے شروع کئے تھے بند کرادیئے۔ عوام اس سے سخت بیزار تھے یہاں تک کہ قبیلہ بنو سراج اور ثغریوں (سرحدی علاقے کے لوگوں) نے اس کے خلاف بغاوت کرکے اس کو تیونس کی

طرف بھگا دیا۔ (۸۳۱ھ / ۱۴۲۷ء)

محمد نہم و محمد ہشتم

۸۳۱ھ / ۱۴۲۷ء میں محمد نہم تخت پر بیٹھا۔ اس نے ناعاقبت اندیشی سے بنو سراج کے مشہور خاندان کو غرناطہ سے نکال دیا۔ بنو سراج نے اس کے خلاف شاہ قشتالہ اور امیر تیونس کی مدد حاصل کی اور اس کو قتل کر کے دوبارہ محمد ہشتم کو تخت پر بٹھایا لیکن محمد ہشتم نے شاہ قشتالہ جان دوم کی باجگذاری اختیار کرنے سے انکار کر دیا۔ جس پر جان دوم نے غرناطہ پر حملہ کر دیا۔ ۸۳۶ھ / ۱۴۳۱ء میں غرناطہ کے قریب مسلمانوں اور عیسائیوں کا زبردست معرکہ ہوا جس میں مسلمانوں کو ہزیمت ہوئی اور محمد ہشتم مالقہ بھاگ گیا۔

یوسف چہارم و محمد ہشتم

محمد ششم کے پوتے یوسف چہارم نے محمد ہشتم کے فرار ہوتے ہی جان دوم کی مدد سے تخت پر قبضہ کر لیا۔ چند سال بھی نہ گذرے تھے کہ یوسف فوت ہو گیا اور محمد ہشتم نے تیسری بار تخت غرناطہ پر قبضہ کر لیا لیکن اب اس کی حکومت کا یہ حال تھا کہ حکومت کی سرحدیں تک باقی نہ رہی تھیں۔ خانہ جنگی اس کے دور کی امتیازی خصوصیت تھی۔ جمانہ، حصن اشکر، حصن المہ عیسائیوں کے قبضہ میں چلے گئے تھے۔ ۸۵۰ھ / ۱۴۴۵ء میں محمد ہشتم کو اس کے بھتیجے محمد بن عثمان نے قید کر کے الحمراء پر قبضہ کر لیا۔

محمد دہم اور سعد بن علی

محمد دہم ۸۵۰ھ / ۱۴۴۵ء میں غرناطہ کے تخت پر بیٹھا۔ زیادہ عرصہ امن و سکون سے حکومت نہ کرنے پایا تھا کہ اس کے ایک عزیز سعد بن علی نے ۸۵۹ھ / ۱۴۵۴ء میں اس کو تخت سے اتار دیا۔ اس خانہ جنگی کے نتائج تباہ کن ثابت ہوئے۔ خزانہ خالی ہو گیا۔ ملک اجڑ گیا اور وہ سرحدی قلعے جن کی حفاظت نہ کی جا سکی عیسائیوں کے قبضہ میں چلے گئے۔ سعد نے شاہ قشتالہ ہنری چہارم سے صلح کرنا چاہی لیکن ہنری نے انکار کر کے غرناطہ پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں میں مقابلہ کی ہمت نہ تھی چنانچہ ملک کو تباہ و برباد کرنے کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ ۸۶۷ھ / ۱۴۶۲ء میں مشہور قلعے ارجذونہ اور جبل الطارق بھی لذریق اور مدینہ شذونہ کے رئیس کے قبضہ میں چلے گئے۔ بالآخر مجبور ہو کر سعد نے ۱۲

ہزار دینار سالانہ پر قشتالہ کے ہنری چہارم کی باجگذاری قبول کرلی۔ یہ معاہدہ سعد کے مرنے تک (۸۷۰ھ / ۱۴۶۵ء) قائم رہا۔

ابوالحسن علی ۸۵۰ھ / ۱۴۶۵ء۔۔۔۔۸۸۷ھ / ۱۴۸۳ء

اپنے باپ سعد کے مرنے کے بعد ابوالحسن علی تخت نشین ہوا۔ وہ ایک بہادر اور نڈر شخص تھا لیکن بدقسمتی سے مدبر نہ تھا۔ اس کا بھائی ابو عبداللہ محمد بن سعد جو الزغل کے نام سے مشہور تھا مالقہ میں اپنی امارت قائم کرچکا تھا۔ عیسائیوں نے ان دونوں بھائیوں کو آپس میں لڑانا چاہا لیکن الزغل ایک سمجھدار شخص تھا۔ چنانچہ عیسائیوں کی چالوں کو سمجھ گیا وہ فوراً غرناطہ پہنچا اور ابوالحسن کی بیعت کرلی اور آتش فتنہ کو بھڑکنے نہ دیا۔ ابوالحسن نے غرناطہ کا نظم حکومت سنبھالا فوجوں کی تعداد بڑھائی۔ دائرہ حکومت وسیع کیا۔ دشمنان اسلام کے خلاف بہت سے جہاد کئے اور ان کے دلوں پر اپنا خوف و دبدبہ بٹھادیا۔ اسی دوران عیسائی سرداروں میں آپس کی چپقلش شروع ہوگئی جس سے ابوالحسن کو یہ فائدہ ہوا کہ اس کو غرناطہ کی حکومت مضبوط کرنے کی مہلت مل گئی۔ لیکن یہ غرناطہ کی بدقسمتی تھی کہ ابوالحسن جلد ہی دنیاوی لذتوں اور عیش و عشرت میں مشغول ہوگیا۔ جہاد ترک کردیا۔ فوج کی طرف توجہ کم کردی اور ملک کا نظم و نسق وزیروں کے حوالے کردیا۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ بدنظمی شروع ہوگئی۔ مظالم بڑھنے لگے اور عوام الناس کی ناراضگی بڑھتی گئی۔

اسی زمانہ میں ارغون کے تخت پر فرڈی ننڈ بیٹھا اور قشتالہ کا تخت و تاج ملکہ ازابیلا کے حصہ میں آیا۔ ان دونوں نے کمال دوراندیشی سے عیسائیوں کی خانہ جنگی کو ختم کرنے کے لئے ۸۷۴ھ / ۱۴۶۹ء میں شادی کرلی۔ جس سے فرڈی ننڈ کی طاقت مضبوط ہوگئی اور اس نے عیسائیوں کے آپس کے اختلافات کو ختم کرکے ان کو متحد کردیا۔ فرڈی ننڈ اور ازابیلا دونوں مسلمانوں کے شدید دشمن تھے اور مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کا کوئی موقعہ ضائع نہیں کرنا چاہتے تھے۔

ابوالحسن کی دو بیویاں تھیں۔ ایک خاندان بنو نصر کی اور دوسری ایک عیسائی کنیز ازابیلا۔ پہلی بیوی سے دو لڑکے ابو عبداللہ محمد اور یوسف تھے۔ عیسائی کنیز ازابیلہ سے بھی ایک لڑکا تھا۔ ابوالحسن اپنی عیسائی بیوی سے زیادہ مانوس تھا اس لئے عام خیال کیا جاتا تھا کہ وہ پہلی بیوی کے ساتھ ناانصافی کرکے عیسائی بیوی کے لڑکے کو اپنا جانشین مقرر کردے گا۔ چنانچہ اس بنیاد پر امراء و اراکین دربار میں دو فریق بن گئے۔ ایک فریق پہلی بیوی کا طرفدار ہوگیا۔ اور دوسرا فریق دوسری بیوی کا۔ آپس کی

اس رسہ کشی کا یہ انجام ہوا کہ عیسائی بیوی کے طرفدار ہار گئے اور شریف و بہادر خاندان بنو سراج کو بڑی بے رحمی کے ساتھ قصر الحمراء کے ایوان میں بلا کر قتل کر دیا گیا۔ یہ غرناطہ کی قوت کا ناقابل تلافی نقصان تھا۔ عیسائیوں نے ۸۹۱ھ / ۱۴۸۶ء میں غرناطہ کی حالت کا اندازہ کرتے ہوئے اس کے جنوب مغربی قلعہ الحمہ پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا اور بڑی تعداد میں مسلمان مرد، عورتیں اور بچے قتل کر دیئے گئے۔ ابو الحسن اور اہل غرناطہ نے دوبارہ الحمہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔

محمدؔ یازدہم

۸۸۷ھ / ۱۴۸۲ء میں ابو عبداللہ محمد نے اپنے باپ ابو الحسن کے خلاف بغاوت کر دی۔ وادی آش میں اس کی امارت کی بیعت ہوئی۔ جلد ہی المریہ، بسطہ اور غرناطہ میں اس کی امارت کی بیعت ہو گئی۔ اسی سال ابو عبداللہ نے عیسائیوں کی مدد سے قلعہ الحمراء پر قبضہ کر لیا اور غرناطہ کا حکمراں بن گیا۔ ابو الحسن اپنے بھائی الزغل کے پاس مالقہ چلا گیا۔ ۸۸۸ھ / ۱۴۸۳ء میں عیسائیوں کی متحدہ قوت نے مل کر مالقہ پر حملہ کر دیا لیکن الزغل اور اس کے نائب رضوان نے ان کو بری طرح شکست دے کر پیچھے ہٹا دیا۔ اس طرح حکومت غرناطہ دو حصوں میں منقسم ہو گئی۔ ایک حصہ پر ابو عبداللہ محمد کا قبضہ تھا جن میں المریہ، غرناطہ اور ان کے مضافات شامل تھے۔ دوسرے حصہ پر ابو الحسن قابض ہو گیا جس میں مالقہ اور بلاد غرب شامل تھے۔ اگر یہ دونوں اپنے اپنے حصے پر قناعت کر کے پرامن حکمرانی کرتے رہتے تو عیسائیوں کو کامیابی کی راہ نہ ملتی۔ لیکن دونوں ہی تدبر اور دانائی سے یکسر خالی تھے۔ چنانچہ دونوں جلد ہی ایک دوسرے کے مقابل آ گئے۔ جس میں ابو عبداللہ محمد کو شکست ہوئی۔ ابو عبداللہ ایک حریص، بے وقوف اور بے تدبیر بادشاہ تھا۔ اس نے دولت اور مال کے لالچ میں عیسائیوں کے علاقوں کو تاخت و تاراج کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ لشانہ پر حملہ آور ہوا لیکن عیسائیوں سے شکست کھائی اور گرفتار کر کے قشتالہ پہنچا دیا گیا۔ ابو الحسن نے غرناطہ کے تخت کو خالی پا کر قبضہ کر لیا لیکن بیماری اور بڑھاپے سے عاجز ہو کر اپنے بھائی الزغل کے حق میں تخت سے دستبردار ہو گیا اور خود المنکب میں جا کر رہنے لگا جہاں جلد ہی موت نے اس کا فیصلہ کر دیا۔

محمدؐ الزغل دوازدہم

۸۸۸ھ / ۱۴۸۳ء میں الزغل کو غرناطہ کا تخت ملا۔ وہ ایک ہوشمند، بہادر اور مدبر شخص تھا اور اسے پورا یقین تھا کہ غرناطہ کی سابقہ عظمت و شان دوبارہ لوٹ آئے گی لیکن اس کے بھتیجے ابو عبداللہ

محمد کی غداری اور اسلام دشمن عناصر سے اس کی دوستی نے اس کو استحکام حکومت کی طرف توجہ کرنے کی مہلت نہ دی۔ شاہ قشتالہ وارغون فرڈی ننڈ ایک سمجھدار اور ہوشیار بادشاہ تھا۔ اس نے غرناطہ پر قبضہ کے لئے ابو عبداللہ محمد کو منتخب کیا اور اس کو بہادر الزغل کے خلاف صف آراء کردیا۔ عیسائیوں نے ایک طرف تو اطراف مالقہ کے بہت سے قلعوں کو فتح کرلیا اور دوسری طرف یہ اعلان کردیا کہ جو شخص ابو عبداللہ محمد کی اطاعت کرے گا اس کو امان دی جائے گی اور ایک بڑی فوج دے کر ابو عبداللہ کو غرناطہ کی طرف روانہ کیا۔ عیسائیوں کے اس اعلان سے لوگ جوق در جوق ابو عبداللہ کے اطاعت گذار بنتے گئے اور غرناطہ کے مضافات (البیازین) تک ابو عبداللہ کا قبضہ ہوگیا۔ الزغل نے ۸۹۱ھ /۱۴۸۶ء میں اس بات کی کوشش کی کہ اپنے بھتیجے ابو عبداللہ کو حمایت اسلام اور غرناطہ کی بقا کی خاطر مصالحت پر آمادہ کرے اور وہ اس مقصد کے لئے لوشہ کے مقام پر دونوں کی ملاقات ہونا طے بھی پاگئی تھی لیکن فرڈی ننڈ نے دونوں کو ملاقات کا موقعہ نہ دیا اور فوج لے کر لوشہ پر چڑھ دوڑا اور لوشہ پر قبضہ کرکے ابو عبداللہ کو اپنے ساتھ قشتالہ لے گیا۔ اسی سال بیرہ' قلنیرہ' لوشہ' المریہ' مالقہ سب پر عیسائیوں نے قبضہ کرلیا۔ ابو عبداللہ محمد فرڈی ننڈ کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنا رہا ہے۔ کہنے کو ان سب علاقوں کا بادشاہ ابو عبداللہ ہی تھا لیکن دراصل عیسائی اس کی آڑ میں اپنی فتوحات کا دائرہ بڑھا رہے تھے۔ الزغل نے .سہ کے علاقے میں اپنے مورچے جمالئے اور بہادری کے ساتھ ۸۹۲ھ / ۱۴۸۷ء تک عیسائیوں کا مقابلہ کرتا رہا لیکن اپنے نالائق بھتیجے کی غداری اور مسلم کش پالیسی سے مجبور ہوکر اپنا تمام علاقہ عیسائیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر تلمسان (مراکش) کی طرف چلا گیا اور بڑی کسمپرسی کی حالت میں اپنے دن پورے کئے۔

زوال غرناطہ

اب صرف مسلمانوں کے پاس غرناطہ رہ گیا تھا۔ جس پر ابو عبداللہ محمد عیسائیوں کے اشارے پر کٹھ پتلی حکومت بنا کر حکومت کر رہا تھا اور اپنے چچا الزغل کی معزولی اور عیسائیوں کی کامیابیوں پر خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا۔ لیکن اس کی یہ خوشی اور مسرت چند روزہ ثابت ہوئی۔ ابو عبداللہ کی امداد کرتے وقت جو معاہدہ عیسائیوں نے کیا تھا اس کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ "اگر عیسائی الزغل کے تمام علاقے پر قبضہ کرلیں گے تو ابو عبداللہ بھی غرناطہ ان کے حوالے کردے گا۔" چنانچہ جب الزغل کا تمام علاقہ عیسائیوں کے قبضہ میں آگیا تو فرڈی ننڈ نے ۸۹۵ھ / ۱۴۹۰ء میں حسب شرائط ابو عبداللہ کو الحمراء خالی

کرنے کے لئے کہا اور خود فوج لے کر اس پر قبضہ کرنے کے لئے روانہ ہو گیا۔ اب ابو عبداللہ کی آنکھیں کھلیں لیکن وقت گذر چکا تھا۔ اس میں اتنا دم نہ تھا کہ وہ شاہ قشتالہ کا مقابلہ کرتا۔ اہل غرناطہ نے اپنے آپ کو محصور کر کے عیسائیوں کا مقابلہ شروع کر دیا۔ عیسائیوں نے غرناطہ کے خوبصورت مضافات کو تباہ و برباد کر دیا اور شہر کے سامنے دو قلعوں پر قبضہ کر کے انہیں فوجی حیثیت سے مستحکم کر دیا تاکہ محاصرہ کی طوالت سے کوئی اثر نہ پڑے۔ ابو عبداللہ نے عیسائیوں کو اپنے علاقے سے نکالنے کے لئے اپنے سپہ سالار موسیٰ بن ابوالغزان کو عیسائیوں کے قلعوں پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ موسیٰ نے کئی قلعوں پر قبضہ کر لیا لیکن اس پر بھی ابو عبداللہ کی فطری بزدلی اور آپس کی نااتفاقی عیسائیوں کے بڑھتے ہوئے قدموں کو نہ روک سکی۔ گو عیسائیوں سے کئی معرکے ہوئے اور مسلمانوں کو خاصی کامیابی بھی ہوئی لیکن غرناطہ پر عیسائیوں کا دباؤ پھر بھی بڑھتا ہی گیا۔ یہاں تک کہ اہل شہر محاصرہ کی سختی سے عاجز آ گئے۔ ایک صلح نامہ ترتیب دے کر عیسائیوں کے پاس بھیج دیا گیا۔ جس میں بقول علامہ مقری' ۶۷ شرائط تھیں۔ شاہ قشتالہ فرڈی ننڈ نے صلح نامہ پر دستخط کر دیئے اور ۲ ربیع الاول ۸۹۷ھ (مطابق ۲ جنوری ۱۴۹۲ء) میں قلعہ الحمراء کو ابو عبداللہ نے خالی کر کے عیسائیوں کے حوالے کر دیا۔

صلح نامے کی شرائط تو ۶۷ بتائی جاتی ہیں جن میں سے بنیادی شرائط حسب ذیل ہیں۔

ا۔ ابو عبداللہ محمد معہ اپنے عہدہ داران اور شہریوں کے فرڈی ننڈ اور ازابیلا کا حلف وفاداری اٹھائے گا۔

ب۔ ابو عبداللہ کو بشارات کی جاگیر دے دی جائے گی۔

ج۔ مسلمانوں کی جان و مال کی حفاظت کی جائے گی اور ان کو پوری مذہبی آزادی ہو گی۔

د۔ مسلمان اپنے رسوم رواج' روایات' زبان اور لباس کے استعمال کو قائم رکھنے کے مجاز ہوں گے۔

ہ۔ مسلمانوں اور عیسائیوں کے مابین مقدمات کا فیصلہ ایک مخلوط عدالت کرے گی۔

و۔ مسلمان وہی محاصل ادا کریں گے جو وہ ادا کرتے چلے آئے ہیں۔

ز۔ تمام مسلمان قیدی آزاد کر دیئے جائیں گے۔

ح۔ مسلمان ایک مقررہ مدت میں اسپین چھوڑ کر جا سکتے ہیں اور اپنے ساتھ اپنا منقولہ سامان بھی لے جا سکتے ہیں لیکن مدت مقررہ کے بعد ان کو ملک چھوڑنے پر اپنے مال کا ۱/۱۰ (دسواں حصہ) دینا پڑے

گا۔

ط۔ نومسلم اپنے آبائی مذہب کو اختیار نہ کرسکیں گے البتہ جو مسلمان عیسائی ہونا چاہے گا اس کو نظر ثانی کے لئے ایک خاص مہلت دی جائے گی اس کے بعد اس کو عیسائی اور مسلم قاضی کے سامنے پیش کیا جائے گا اور وہاں اس کے تبدیلی مذہب کا اعلان کرنا پڑے گا۔

ی۔ مساجد و مدارس کے اوقاف بدستور بحال رہیں گے اور کوئی عیسائی مسلمان کے مکان میں ناجائز داخل نہ ہوگا۔ مسلمانوں پر سوائے مسلمان حاکم کے کوئی اور حاکم مقرر نہ ہوگا۔۔۔۔ وغیرہ

موسیٰ بن ابو الغزان نے سب سے پہلے عیسائیوں کے اس تصرف کے خلاف آواز اٹھائی اور یہود کی مثال پیش کرکے عیسائیوں کی بدعہدی یاد دلائی لیکن اہل غرناطہ عیش و عشرت کے عادی بن چکے تھے۔ محاصرہ کی سختی نے ان کو بدحواس کردیا تھا اس لئے انہوں نے موسیٰ کی بات پر کان نہ دھرا۔ جس سے موسیٰ مایوس اور دل شکستہ ہو کر غرناطہ سے ہمیشہ کے لئے نکل گیا اور پھر اس کا کوئی پتہ نہ چل سکا۔ اس معاہدہ پر عملدرآمد کے لئے دو ماہ دیئے گئے تھے۔ اس کے بعد شہر غرناطہ بھی عیسائیوں کے حوالے کیا جانا تھا۔ اہل غرناطہ نے اس دوران تمام عالم اسلام کے بادشاہوں سے امداد طلب کی لیکن کسی مسلم بادشاہ نے ان کی بے کسی پر غور کرنا تک گوارہ نہ کیا۔ چنانچہ دو ماہ گذر گئے اور عیسائیوں نے غرناطہ پر بزور قبضہ کرکے ابو عبداللہ کو آندرش کی طرف بھیج دیا۔ جہاں سے وہ فاس (مراکش) چلا گیا اور وہیں پر تنگ دستی اور عسرت میں اپنا وقت گذار کر ۹۴۴ھ / ۱۵۳۸ء میں مرگیا۔ اس طرح اسپینی مسلمانوں کی آخری پناہ گاہ بھی عیسائیوں کے قبضہ میں چلی گئی۔ اس کے بعد مسلمانوں پر جو مظالم اور مصائب قہرالٰہی کی طرح نازل ہوئے ان کا تذکرہ آگے آئے گا۔

باب ۱۲

اسپین سے مسلمانوں کا اخراج

۸۹۷ھ / ۱۴۹۲ء .... تا .... ۱۰۱۵ء / ۱۶۱۳ء

عیسائیوں کے کیتھولک فرقہ نے اسپین یا کسی بھی جگہ اپنے بالمقابل کبھی بھی کسی دوسرے مذہب کو برداشت نہیں کیا۔ ساتویں صدی اور پندرھویں صدی عیسوی میں یہودیوں پر مظالم ہوئے اور پندرھویں اور سولھویں صدی عیسوی میں مسلمانوں پر جو وحشت اور ظلم و ستم کا مظاہرہ ہوا وہ کیتھولک فرقے کی بدترین مثال ہے۔ غرناطہ کے زوال سے قبل وہ مسلمان جو عیسائی ریاستوں قشتالہ' لیون اور ارغون کے علاقے میں آباد تھے ان کو مدّاجنیں کہا جاتا تھا۔ ۸۹۷ھ / ۱۴۹۲ء میں سقوط غرناطہ کے بعد غرناطہ کے مسلمانوں کے لئے پہلی بار مورس (Moors) کے بجائے مورسکوس (Moriscos) پکارا گیا۔ اور ۱۶ویں صدی سے تو تمام مسلمانوں کے لئے یہی لفظ اختیار کرلیا گیا۔ یہ مورس یا مورسکوس عربی اور رومی دونوں زبانیں استعمال کرتے تھے اور رومی زبان کو عربی رسم الخط میں لکھتے تھے۔ جس کو العجمیہ (AlJamiado) یعنی خارجی زبان پکارا جاتا تھا۔ ان مدّاجنین کو ایک خاص قسم کا محصول ادا کرنا پڑتا تھا۔ جو ۱۴ویں اور ۱۵ویں صدی عیسوی میں "مسجد ٹیکس" کہا جاتا تھا[1]۔ ۷۱۱ھ / ۱۳۱۲ء میں ان ماتحت مسلمانوں کو مساجد میں نماز ادا کرنے سے جیمس اول نے روک دیا[2]۔ برٹرانڈ کے کہنے کے بموجب "کچھ عرصہ بھی سقوط غرناطہ کو نہ گذرا تھا کہ مسلمانوں کو حکماً مجبور کیا گیا کہ وہ اپنی طرز معاشرت کو عیسائیوں کی طرح کرلیں لیکن محاصل وہی ادا کریں جو وہ مسلمان حکمرانوں کو دیتے تھے[3]۔"

غرناطہ کے مورسکوس (مسلمان)

جنوری ۸۹۷ھ / ۱۴۹۲ء میں زوال غرناطہ کے بعد تقریباً سات برس تک کیتھولک حکمران فرڈی

---

[1] Political History of Muslim Spain - P.178

[2] Political History of Muslim Spain - 178

[3]

نڈ اور ازابیلا نے اپنے تعلقات اپنی مسلم رعایا سے خوشگوار اور پر امن رکھے اور ابو عبداللہ سے کی گئی شرائط کا پورا احترام کیا گیا۔ لوئس برٹرینڈ کے کہنے کے مطابق "اہل غرناطہ کو اس عرصہ میں یہ اطمینان ہو گیا تھا کہ انہوں نے اپنے آپ کو عیسائیوں کی سرپرستی میں دے کر اور بدقماش اور بد طینت مسلم حکمرانوں کے بدلے نیک دل اور شریف عیسائی حاکموں کو قبول کر کے کوئی غلطی نہیں کی ہے۔ دوسرے یہ کہ فرڈی ننڈ اور ازابیلا کا یہ اقرار کہ ہم یقین دلاتے ہیں اور اپنے مذہب اور شاہی الفاظ کی قسم کھاتے ہیں کہ ہر چیز جو جہاں تھی جس حالت میں تھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اسی طرح قائم رہے گی۔ مسلمانوں کے اطمینان کے لئے کافی تھا۔[1]" اس پر سات برس کا یہ پر امن دور اہل غرناطہ کو مطمئن کرنے کے لئے کافی تھا لیکن مسلمانوں کو ابھی پوری طرح اطمینان نہ ہونے پایا تھا کہ عیسائی اپنی سابقہ وحشت و تعصب کا لبادہ اوڑھ کر سامنے آئے اور تمام شرائط اور وعدے یکسر بھلا دئے گئے۔ فرڈی ننڈ نے یہ کوشش شروع کر دی کہ طاقت کے ذریعہ مسلمانوں کو عیسائی بنالیا جائے۔ ۹۰۴ھ/۱۴۹۸ء میں فرانسکو شمینس سیزور جیسے مغرور اور متعصب راہب کو جو کہ ملکہ ازابیلا کا خاص اسقف تھا۔ غرناطہ میں تبلیغی کام کا نگران بنایا گیا۔ تاکہ مسلمانوں کو عیسائی بنائے۔ طلبیرہ کا ہرنندو کلیسا کا اسقف اعظم تھا۔ یہ شخص اس بات کا دعویدار تھا کہ مسلمانوں کو حکمت عملی اور دلوں کو مسخر کر کے عیسائی بنانا مفید ہو گا۔ جبکہ شمینس ہر جائز اور ناجائز ذریعہ سے جلد سے جلد یہ کام کرانا چاہتا تھا۔ خواہ اس کے لئے رشوت، ظلم و جور اور طاقت ہی کیوں نہ استعمال کی جائے۔ ہرنندو کا یہ کہنا تھا کہ عقلمندی اسی میں ہے کہ مسلمانوں کو دیگر رعایا کے برابر حقوق دیئے جائیں اور تبلیغی کام جاری رکھا جائے جس سے تھوڑی مدت میں وہ عیسائیوں سے خلط ملط ہو جائیں گے اور ان سے بغاوت کا خطرہ بھی جاتا رہے گا۔ کیونکہ سابقہ دور میں جو لوگ جبراً عیسائی بنائے گئے تھے۔ ان کو عیسائیت کے قبول کے بعد بھی سماجی اور ثقافتی کوئی فائدہ نہ پہنچا تھا اور عیسائی معاشرہ نے ان کو اپنے درمیان کوئی جگہ نہ دی تھی اور وہ نفرت اور کینہ کا شکار ہو کر "موروں کے کتوں" کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ ہرنندو کا یہی کہنا تھا کہ جبراً عیسائی نہ بنایا جائے بلکہ عیسائی معاشرہ میں ان کو داخل کر لیا جائے۔ وہ خود بخود عیسائی ہو جائیں گے۔ شمینس نے اپنے مسلم کش پالیسی کی ابتداء اس طرح کی کہ پہلے غرناطہ کے علمی ذخیروں سے عربی زبان کی لاکھوں کتابیں جلادیں اور بہت سی کتابیں فرانس وغیرہ بھیج دی گئیں۔ اس کے بعد فرمان

---

[1] History of Spain - Vol-I P.150-2

شاہی جاری ہوا کہ جن مسلمانوں کے آباؤ اجداد عیسائی تھے وہ حکماً عیسائی مذہب قبول کرلیں۔ چنانچہ ہزاروں مسلمان عیسائی بنالئے گئے۔ جو لوگ ایسا نہ کرتے ان پر بغاوت کا الزام لگا کر قید کردیا جاتا اور سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔ اہل بیازین (پرانا غرناطہ کے لوگ) مذہب کی اس جبری تبدیلی کو برداشت نہ کرسکے اور انہوں نے بغاوت کردی۔ گو یہ بغات شدید قسم کی تھی لیکن اس موقعہ پر ہر ننڈو کی حکمت عملی، نرمی اور مہربانی نے بڑا کام کیا اور تمام اختلافات دور ہوگئے۔ ابھی اس واقعہ کو دو سال بھی نہ گذرے تھے کہ ایک قانون کلیسا کے دباؤ پر یہ پاس ہوا کہ تمام مسلمان یا تو عیسائی ہوجائیں یا پھر ۵۰ ہزار سونے کے سکے دیں۔ اس قانون کا جواز اس طرح لیا گیا کہ مسلمان حکومت کے وفادار نہیں رہے ہیں۔ اس قانون کے تحت جو مسلمان مطلوبہ رقم ادا نہ کرسکے ان کو زبردستی پکڑ کر محل میں جمع کرکے ان پر "پاک خوشبودار" پانی چھڑکا گیا۔ بپتسمہ دیا گیا جبریہ عیسائی کلیسا کے قوانین کو تو مانتے تھے لیکن گرجا میں حاضر نہ ہوتے تھے۔ چنانچہ ان پر بغاوت کا الزام لگا کر یا تو قتل کیا جانے لگا یا اذیت ناک قید میں ڈال دیا گیا۔ ۹۰۶ھ/۱۵۰۱ء کے بعد سے غرناطہ اور قشتالہ کے مسلمان قانونی طور پر عیسائی تصور کئے جانے لگے۔ حالانکہ ان میں اکثریت ایسی تھی جو صرف ظاہرداری کے لئے عیسائی تھی لیکن درپردہ مسلمان تھے اور ارکان اسلام ادا کرتے تھے۔ بہت سے ایسے تھے جو ابھی تک مسلمان تھے۔ انہوں نے بھاگ کر البشارات کے پہاڑوں میں پناہ لی۔ اکثر و بیشتر یہ پناہ گزیں مرد، عورت اور بچے زبردستی عیسائی بنانے کی مہم کا نشانہ بنتے رہے اور بے دریغ قتل ہوتے رہے۔ امیر علی نے لکھا ہے کہ "نہ صرف یہ کہ مردوں کا قتل عام ہوا بلکہ ان قشتالی وحشی عیسائیوں نے ایک مسجد کو بارود سے اڑادیا جس میں ہزاروں عورتیں اور بچے دور دراز کے علاقوں سے پناہ لینے آئے تھے[1]۔" اس قتل عام سے جو لوگ بچ گئے تھے ان کے لئے یہ حکم ہوا کہ وہ بطور تاوان سونے کے سکے دیں ورنہ عیسائیت قبول کرلیں۔ بہت سے افراد نے تاوان ادا نہ کرنے کی شکل میں عیسائیت قبول کرلی۔ ان عیسائیوں کو تقیہ کا نام دیا گیا[2]۔ کیونکہ انہوں نے اپنی مرضی سے اسلام نہ چھوڑا تھا۔ ایسے لوگوں کے متعلق یہ گمان صحیح تھا کہ وہ دل سے عیسائی نہ ہوئے تھے۔ اس کے بعد ہی اس علاقے کے بہت سے لوگوں نے مصر، مراکش اور ترکی میں بھاگ کر پناہ لی۔ بہرحال فرڈی ننڈ اور ازابیلا نے معاہدہ غرناطہ کی قطعاً پابندی نہ کی۔ بلکہ جو سلوک مسلمانوں کے ساتھ ہوا تھا وہ کسی بھی صورت میں منصفانہ اور دانشمندانہ نہ تھا

---

[1] Short History of Saracens - P.560

[2]

بلکہ وحشیانہ اور دغابازانہ تھا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ تمام مسلمانان غرناطہ کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے لباس تک چھوڑ کر عیسائیوں کی طرح پتلونیں اور ٹوپیاں پہنیں۔ زبان، رسم و رواج بلکہ نام تک بدل ڈالیں اور عیسائیوں کی طرح اپنے نام رکھیں اور ان کی طرز معاشرت اختیار کریں۔

بلنسیہ اور ارغون کے مسلمان

سقوط بلنسیہ اور ارغون کے بعد کافی عرصہ تک وہاں کے مسلمانوں کو اس بات کی اجازت تھی کہ وہ اپنے مذہب اور شریعت پر قائم رہیں[1]۔ جس وقت شہزادہ چارلس اول بلنسیہ اور ارغون کے دورے پر آیا تھا تو اس نے مسلمانوں کے مذہبی عقائد کا احترام کیا تھا ۹۱۶ھ/۱۵۱۰ء اور ۹۲۴ھ/۱۵۱۸ء کے درمیان کئی مرتبہ اس بات کا وعدہ کیا گیا تھا کہ زبردستی تبدیلی مذہب نہ کی جائے گی لیکن پادریوں کے تعصب نے یہ وعدے بیکار ثابت کر دیئے۔ عیسائی کسانوں نے اپنے جاگیرداروں اور زمینداروں کے خلاف بغاوت کر دی جس کی وجہ یہ تھی کہ امریکہ سے کثیر تعداد میں سونا آنے سے چیزوں کی قیمتیں بڑھ گئی تھیں اور غریبوں کے لئے اقتصادی طور پر زندگی گذارنا مشکل ہو گیا تھا۔ حالانکہ یہ بغاوت عام جاگیردارانہ نظام کے خلاف تھی لیکن چونکہ مسلمانوں نے اس بغاوت میں کوئی حصہ نہ لیا تھا اس لئے تمام عیسائی مسلمانوں کے خلاف ہو گئے۔ اور بجائے جاگیرداروں کے مسلمانوں کا قتل عام شروع ہو گیا۔ پادریوں نے جبریہ عیسائی بنانے کا کام شروع کر دیا۔ چارلس لی کے مطابق "ایسے وقت میں عیسائی امراء اور جاگیرداروں نے مسلمانوں کی حمایت کی اور ان کے مذہب کی جبری تبدیلی کو اپنے اثرات سے بند کرا دیا[2]۔"

اسپین میں مسلمانوں کی تبدیلی مذہب اور اخراج میں سستی اور دیر کی وجہ لوئس برٹرینڈ نے یہ بیان کی ہے کہ "عیسائی حکمران اپنے نو مفتوحہ علاقوں کو اجاڑنے اور تباہ و برباد کرنے سے پرہیز کر رہے تھے۔ کیونکہ وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ ان علاقوں کی تجارت و زراعت برباد ہو جائے جو کلی طور پر مسلمانوں کے پاس تھی[3]۔" دوسری وجہ امام الدین صاحب نے یہ بیان کی ہے کہ عیسائی حکمرانوں کا یہ پرانا طریقہ تھا کہ وہ بجائے اس کے کہ علاقہ کو پوری طرح فتح کر کے تاخت و تاراج کر ڈالیں اور مسلمانوں کو بے دخل کر دیں یہ بہتر سمجھتے تھے کہ سالانہ اخراج پر ان کو اپنا باجگذار بنا لیں اس طرح

[1] Political History of Muslim Spain - P-178
[2] History of Inquisition of Spain III - P.374-5
[3] History of Spain - P.140

صدیوں تک مسلمانوں کے سالانہ خراج پر عیش و عشرت کرتے رہے[1] کیونکہ ایسا کرنے سے ان کو اپنی ذاتی دولت بھی کم خرچ کرنا پڑتی تھی اور علاقہ بھی ہاتھ آجاتا تھا جس سے وہ اچھی خاصی رقم حاصل کرتے اور اس رقم سے اپنی طاقت بڑھانے کا کام لیتے تھے۔

زراعت کے وسیع تجربہ اور محنت کی وجہ سے مسلمان کسان ملک بھر میں مشہور تھے اور برسوں تک یہ کہاوت مشہور رہی کہ جس کے پاس ایک مسلمان ملازم ہے اس کے ہاتھوں میں سونا ہے۔ اس بناء پر جب متذکرہ بالا بغاوت جاگیرداروں کے خلاف ہوئی تو طاقت کے ذریعہ دبادی گئی۔ کچھ عرصہ بعد مسلمان کسانوں اور عیسائی گلہ بانوں کے درمیان پھر لڑائی چھڑ گئی۔ گلہ بانوں نے اس مرتبہ گرجاؤں کے اوقاف کی ان زمینوں پر حملہ کیا جہاں غیر محفوظ مسلمان زراعت کرتے تھے۔ گرجاؤں کی طرف سے ان مسلمانوں کی کوئی خاص امداد نہ ہو سکی۔ اس لئے کہ گرجاؤں کے پاس اپنی کوئی فوج نہ تھی لیکن پادریوں نے اس قدر شور مچایا کہ مجبوراً حکومت کو مداخلت کرنا پڑی حالانکہ حکومت ان گلہ بانوں کی طرفدار تھی لیکن پادریوں کی مداخلت سے بلنسیہ اور ارغون کے مسلمان ایک بار پھر معاشی بدحالی سے بچ گئے لیکن حکومت اور عوام دونوں مسلمانوں کے خلاف تھے اور ان کو امن و چین سے دیکھنا پسند نہ کرتے تھے۔ چنانچہ اس مرتبہ یہ سوال اٹھایا گیا کہ مسلمانوں کے تبدیلی مذہب کے اس موقعہ کو ہاتھ سے نہ جانے دیا اور ایک فرمان شاہی پاس کرادیا کہ جو مسلمان متذکرہ بالا بغاوت کے دوران جبراً عیسائی بنائے جاچکے ہیں وہ عیسائی شمار ہوں گے اور ان کو عیسائی رسومات ادا نہ کرنے کی سزا دی جائے گی۔ ۹۳۱ھ / ۱۵۲۵ء میں باقی مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی کوشش کی گئی۔ چارلس پنجم نے مسلمانوں سے کئے ہوئے وعدوں کو پس پشت ڈال کر ایک فرمان جاری کیا کہ ارغون اور بلنسیہ کے تمام مسلمان اپنے لباس، زبان، رسوم و رواج اور مذہب کو تبدیل کرکے عیسائی طرز معاشرت اختیار کریں۔ جاگیرداروں نے اس مرتبہ بھی اپنے مالی فائدے کی خاطر مسلمانوں کی طرفداری کی اور بادشاہ پر اپنا اثر و رسوخ استعمال کرکے ان احکامات کو منسوخ کرانے کی کوشش کی۔ بادشاہ نے اپنے احکام تو منسوخ نہ کئے البتہ مسلمانوں کو چالیس برس تک کے لئے عیسائی قانون رسوم و رواج اور طرز معاشرت کو جبری اختیار کرنے سے چھوٹ دے دی۔ نظری طور پر وہ عیسائی خیال کئے جاتے تھے لیکن اگر عیسائیت کی پیروی نہ کرتے تو ان کو کوئی سزا نہ دی جاتی تھی۔ ۹۳۲ھ / ۱۵۲۶ء میں چارلس پنجم کو

---

[1] Political History of Muslim Spain - P.190

پادریوں نے پھر پٹی پڑھائی اور اس نے پھر ایک قانون کے ذریعہ عربی زبان' لباس اور رسوم و رواج کو ختم کر دیا۔ لیکن اس مرتبہ بھی اس کو ۸۰ ہزار سونے کے سکے رشوت میں دے کر اس قانون کو رائج ہونے سے روک دیا گیا۔ البتہ مسلمانوں کو عربی زبان اور لباس کے استعمال کے لئے بقول چارلس لی "سالانہ محصول دینا پڑتا تھا جس کو فردا (Farda) کے نام سے پکارتے تھے جس کی تعداد ۱۵۶۳ء میں ۲۰ ہزار سونے کے سکے (Ducats) تھی۔[1]" لیکن اس پر بھی مسلمانوں پر مظالم کی شدت کم نہ ہوئی۔ پھر سور کا گوشت اور شراب فروخت نہ کرنے پر ان کو سخت سزائیں دی گئیں اور قید میں ڈالا گیا۔ چارلس لی نے لکھا ہے کہ "شراب اور سور کا گوشت نہ بیچنے پر سزا کا دینا کچھ معنی تو رکھتا ہے لیکن کہا جاتا ہے کہ انگلیوں پر حنا لگانا۔ بغیر حلال کئے ہوئے جانور کا گوشت کھانے سے انکار کرنا' شادی بیاہ یا خوشی کے موقعہ پر گانا بجانا اور ناچنا' یہاں تک کہ روزانہ نہانا بھی ناقابل معافی جرم سمجھا جاتا تھا۔[2]" چنانچہ لین پول نے لکھا ہے کہ "فلپ دوم نے زبان' ادب اور عام طرز معاشرت بدلنے کا سختی سے حکم دیا اور اس غرض سے کہ مسلمان طہارت کے ارکان جو مسیحی شرع کے خلاف تھے ادا کرنے سے باز رہیں اس نے الحمراء کے تمام خوبصورت حمام مسمار کرا دیئے۔[3]"

۱۶ ویں صدی عیسوی کے آخر میں مسلمانوں پر مظالم

۹۷۲ھ / ۱۵۶۵ء میں فلپ دوم نے مجریط میں ایک عوامی مجلس (جنتا) طلب کی جس میں طے پایا کہ ۹۳۱ھ / ۱۵۲۵ء اور ۹۳۲ھ / ۱۵۲۶ء میں جو قوانین مسلمانوں سے متعلق منظور ہوئے تھے ان پر جلد عملدر آمد کیا جائے اور مسلمانوں سے تمام ہتھیار واپس لے لئے جائیں۔ ۹۷۵ھ / ۱۵۶۸ء کی یکم جنوری کو غرناطہ کے مسلمانوں کو یہ حکم ہوا کہ وہ تین سال کے اندر اندر اپنی عربی زبان' لباس اور رسوم و رواج کو بالکل ترک کر دیں اور اپنے مکانوں کے دروازے جمعہ اور اپنے تہواروں پر کھلے رکھیں۔ مزید یہ کہ ان کو مکان کے اندر یا باہر کسی جگہ بھی نہانے کی سخت ممانعت کر دی گئی۔ ان کو اپنے پاس کسی غلام کو رکھنے سے روک دیا گیا۔ چارلس لی نے لکھا ہے کہ "غسل کرنے کی ممانعت سے اس زمانے کی عیسائی تہذیب کا عجیب و غریب نقشہ سامنے آتا ہے۔ یہ حکم تو اس سے زیادہ غیر اخلاقی اور غیر انسانی معلوم ہوتا ہے جو کہ ارغون کے الفانسو دوم نے ۱۱۷۶ء میں نافذ کیا تھا کہ عام مردوں کو حمام میں نہانے کے لئے منگل' جمعرات' اور سنیچر کے دن مقرر تھے اور عورتوں کے لئے پیر اور بدھ کے دن۔ مسلمانوں اور یہودیوں کے لئے صرف جمعہ کا دن نہانے کے لئے دیا گیا تھا۔ اتوار کو تمام حمام بند

1ھ A History of Inquisition of Spain - P.229

2ھ A History of Inquisition of Spain - P-273 3ھ Moors In Spain - P.339

کردیئے جاتے اور پانی کو گرم کرنے تک کی ممانعت تھی۔[1]" اگر غور سے دیکھا جائے تو الحمراء کے خوبصورت حماموں کی تباہی بھی مسلمانوں کی بغاوت کا ایک بڑا محرک بن گئی تھی۔ ایڈون ہول نے لکھا ہے کہ مردوں کو منگل، جمعرات اور سنیچر کے دن، عورتوں کو پیر اور بدھ کے دن اور یہود کو جمعہ اور اتوار کے دن نہانے کی اجازت تھی۔[2]" اس میں مسلمانوں کا کوئی تذکرہ نہیں ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ تذاحنین کو نہانے کی اجازت نہ تھی۔ یہی مورخ آگے چل کر لکھتا ہے کہ "۱۶ویں صدی عیسوی کے شروع ہی سے عیسائیوں کی یہ کوشش رہی تھی کہ مسلمانوں کو غسل و طہارت سے روک دیا جائے۔ ۱۵۶۷ء میں کلیسا نے ایک زبردست مظاہرہ کرکے غرناطہ کے تمام حمام بند کرادیئے۔[3]"

جس طور پر مسلمانوں پر مظالم ڈھائے جارہے تھے ان کا قتل عام ہو رہا تھا ان کو مذہب کی تبدیلی پر مجبور کیا جارہا تھا اور حکومت ان سے جس طرح بدعہدی کا مظاہرہ کررہی تھی یہ نہ صرف غرناطہ کے مسلمانوں کے لئے بلکہ اندلس کے مسلمانوں کے لئے بھی ناقابل برداشت بن چکا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے آپ کو منظم اور متحد کرنے کی مہم شروع کی۔ انہوں نے حکومت سے ایک ہسپتال قائم کرنے کی اجازت لے کر چندہ کرنے کی مہم کا آغاز کیا جس سے ان کو ملک بھر کے مسلمانوں کو آمادہ بغاوت کرنے اور آلات حرب جمع کرنے کا موقعہ مل گیا۔ ۹۷۵ھ / ۱۵۶۸ء میں حکومت نے ایک قانون پاس کیا کہ تین برس سے ۱۵ برس تک کے مسلمان بچوں کے نام درج رجسٹر کئے جائیں تاکہ ان کو جبریہ عیسائی نظریہ تعلیم پڑھایا جاسکے۔[4] کیونکہ اب تک جس قدر قانون بنے تھے وہ سب مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لئے تھے لیکن اس بات کا اہتمام نہ کیا گیا تھا کہ مسلمان بچوں کو کس طرح عیسائیت کی تعلیم دی جائے۔ اس مرتبہ گو تعلیم کا قانون بن گیا تھا لیکن پھر بھی تعلیم دینے کی طرف کوئی خاص دھیان نہ دیا گیا۔ ان احکامات کے بعد تو مسلمانوں میں مزید اشتعال پھیلا۔ ۹۷۵ھ / دسمبر ۱۵۶۸ء میں غرناطہ کے مسلمانوں نے بغاوت کردی اور خاندان بنو امیہ کے ایک اوباش اور نااہل فرد فرنا ننڈو دی ویلر (مولوی محمد بن امیہ) کو اپنا سربراہ بنا کر ابشارات کے پہاڑوں کو اپنا مسکن بنالیا۔ یہ زبردست بغاوت تھی جس سے یہ گمان ہو رہا تھا کہ مسلمان ایک بار پھر غرناطہ کو عیسائیوں سے چھین لیں گے۔ چارلس پنجم نے اپنے سوتیلے لڑکے دون جون دی ایٹریاس کو ایک زبردست فوج دے کر ۹۷۶ھ / ۱۵۶۹ء میں ابشارات کی طرف بھیجا اور اس کے ساتھ ہی غرناطہ سے تین ہزار پانچ سو مسلمانوں کو

---

[1] Andalus - P.60 [2] A History of Inquisition of Spain - P.336 [3] Andalus - 61 [4] Andalus - 63.

نکال کر اشبیلہ کی طرف جلاوطن کر دیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں نے بڑی ہمت اور پامردی کا ثبوت دیا اور قریب تھا کہ وہ غرناطہ کو عیسائیوں سے خالی کرالیں لیکن ان کے آپس کے اختلافات نے ان کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا۔ ۹۷۶ھ / ۱۹۶۹ء میں اوباش اور نااہل محمد بن امیہ اپنے ساتھیوں کے ہاتھوں مارا گیا اور اس کی بجائے ایک لائق' پرجوش' جاں نثار اور قوم کے فدائی ابن ابو عبداللہ کو اپنا سربراہ بنا لیا گیا۔ ابن ابو عبداللہ نے بڑی بہادری اور شجاعت کا ثبوت دیا اور عیسائیوں کے لئے ایک مصیبت بن گیا۔ لیکن عیسائیوں نے بھی اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ اس دوران اس قدر خونریزی ہوئی کہ جس کی مثال نہیں ملتی۔ بالآخر چونکہ ایک تو مسلمان چاروں طرف سے گھر گئے دوسرے ان کے اندر اختلافات پیدا ہو گئے اس لئے انھوں نے ۹۷۹ھ / ۱۵۷۱ء میں ہتھیار ڈال دیئے۔ ابن ابو عبداللہ قتل کر دیا گیا اور البشارات کے پورے علاقے کو ذبح خانہ بنا دیا گیا۔ ظالم دون جون نے خود اپنی آنکھوں کے سامنے ہزاروں مردوں' عورتوں اور بچوں کو ذبح کرا دیا وہ تمام مسلمان جن پر ذرا بھی بغاوت کا شبہ ہو سکتا تھا غرناطہ اور اس کے نواح سے نکال کر قستالہ اور لیون کے پہاڑوں میں بھیج دیئے گئے۔[1] معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں بہت سے لوگ دوبارہ غرناطہ میں گھس آئے تھے کیونکہ جب ۱۶۰۹ء میں تمام اسپین کے مسلمان ملک سے نکالے گئے تو غرناطہ سے بھی کثیر تعداد میں لوگ نکالے گئے تھے۔

اس بغاوت کے بعد ایک فرمان کے ذریعہ مسلمانوں کو قصابی کا پیشہ اختیار کرنے اور ایک پرندہ تک مارنے کی ممانعت کر دی گئی۔ چارلس لی نے لکھا ہے کہ یہ قانون ۱۰۰۳ھ / ۱۵۹۵ء تک نافذ رہا۔[2] ۹۹۱ھ / ۱۵۸۲ء میں بلنسیہ کے مسلمانوں نے بغاوت کر دی جو بڑی مشکل سے دبائی گئی۔ اس بغاوت کے بعد فلپ دوم نے یہ طے کر لیا تھا کہ تمام مسلمانوں کو بلنسیہ سے نکال باہر کرے گا۔ لیکن کسی وجہ سے وہ ایسا نہ کر سکا۔ برٹرانڈ نے مسلمانوں کو نکال باہر کرنے کے لئے عیسائی حکمرانوں کے جذبات کے متعلق لکھا ہے کہ "شاہ فرانس فرانکوس اول جو اس وقت چارلس پنجم کی قید میں تھا اس کو غرناطہ کی فتح کے بابت بتایا گیا تو اس نے تعجب سے پوچھا اور یہ مسلمان! کیا ان کو نہیں نکالا گیا؟ یعنی اب بھی بہت کچھ ہونا باقی ہے۔ تو فرانس کا یہ بادشاہ اس سیاسی حقیقت کو سوچنے میں حق بجانب تھا کیونکہ مسلمانوں نے اپنے جدید حکمرانوں اور ہمسایوں سے نفرت برقرار رکھی اور اسپین اور عیسائیت کے

دشمنوں سے اپنے تعلقات قائم کئے۔ جن میں بربر' مراکشی' مصری اور ترکی سب شامل تھے اور اپنے حکمرانوں کے خلاف بغاوتیں اور سازشیں کیں۔"

جہاں تک اسپینی ذرائع معلومات کا تعلق ہے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ اسپین کے مسلمانوں نے بربروں اور ترکوں کی مدد سے شاہ فرانس ہنری چہارم کی سرپرستی میں ایک بڑی بغاوت کی کوشش کی تھی۔ فلپ دوم کے آخری دور حکومت میں ارغون کے مسلمانوں نے شاہ فرانس ہنری چہارم کو ۸۰ ہزار فوج سے اس کی مدد کا وعدہ کیا تھا۔" یہ واقعات کہاں تک درست ہیں اور کیا ایک بے بس اور مجبور قوم طاقتور کے خلاف ایسے اقدام کی مرتکب ہو سکتی ہے جبکہ وہ کئی مرتبہ بغاوت کر چکی تھی لیکن کبھی بھی باغیوں کی تعداد ۸۰ ہزار تک نہ پہنچ سکی۔ جس سے یہ قیاس کرنا کہ وہ کسی بڑے اقدام کی طرف چلے ہوں گے ممکن نہیں۔ البتہ ان الزامات کا دوسرا رخ یہ بھی ممکن ہے کہ عیسائیوں نے جیسا کہ ان کی کوششیں رہی ہیں کہ مسلمانوں کو ملک بدر کرنے کے جواز کے لئے خود ایسے الزامات لگائے ہوں کیونکہ ان واقعات کے متعلق ایک تو فرانس کی تاریخیں بالکل خاموش ہیں دوسرے اسپین کی تاریخ سے پتہ نہیں چلتا ہے کہ اس وقت بربروں اور ترکوں کی امداد ان کو پہنچی ہو۔ جس سے ان الزامات کی حقیقت خود بخود مشکوک ہو کر رہ جاتی ہے لیکن ان الزامات کے بعد تو مسلمانوں پر مظالم و مصائب کا وہ دور شروع ہوا کہ جس کی مثال تاریخ میں بہت کم ملتی ہے۔ ۱۰۱۳ھ/۱۶۰۵ء میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں مسلمان بے گناہ قتل کئے گئے اور جیل میں ڈالے گئے۔ ان کو بحر روم کے ساحلی شہروں سے نکال کر اندرون ملک بھیج دیا گیا اور ساحل پر اگر ان کو دیکھ لیا جاتا تو قتل کر دیا جاتا۔ تاکہ نہ سمندر پار سے ان کو کوئی مدد مل سکے اور نہ وہ سمندر پار کر کے جا سکیں۔ ان کو ملک کے پانچویں کالم میں شمار کیا جاتا تھا اور بحیثیت مسلمان کے ملک میں موجود رہنے کا مسئلہ عیسائی حکومت کے زیر غور تھا چنانچہ اسی مسئلہ پر غور کرنے اور اس کو حل کرنے کے لئے اسی سال ایک مجلس مشاورت عام (جنتا) طلب کی گئی تھی۔

مسلمانوں کا مکمل اخراج

مارچ ۱۰۱۶ھ/۱۶۰۷ء میں جنتا نے یہ فیصلہ دیا کہ تمام مسلمانوں کو یا تو عیسائی بنا لیا جائے ورنہ ان کو ملک سے باہر نکال دیا جائے۔ لیکن پھر اس فیصلہ پر ۱۰۱۸ھ/۱۶۰۹ء سے قبل اس وقت تک کوئی عمل

A History of Inquisition of Spain III - P.336-40

A History of Inquisition of Spain III - P.382

The History of Spain - P.155 History of Spain P-141-9

نہ کیا جاسکا جب تک کہ وزیر سلطنت لرما اس بات پر راضی نہ ہو گیا کہ واقعی مسلمانوں کا اسپین سے نکال دینا ملک اور قوم کے لئے سودمند ثابت ہو گا۔ یہ کہا جائے کہ لرمانے یہ فیصلہ اپنے مذہبی جذبات سے مجبور ہو کر کیا ہو گا، صحیح نہیں بلکہ صحیح گمان غالب ہے کہ اس کو اس فیصلے پر عملدر آمد کے لئے بڑی بڑی رقمیں رشوت کے طور پر دی گئی تھیں۔ برٹرنڈ نے لکھا ہے: "افسوس کا مقام ہے کہ خداوند کے نام پر عیسائیوں نے مسلمانوں پر مظالم کئے اور ان کو ملک سے نکال دیا لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ حقیقت رکھتی ہے کہ اس میں ان کے دنیاوی فائدے بھی مضمر تھے۔ دوسرے یہ کہ مسلمانوں نے اپنی گرتی ہوئی حالت میں بھی جارحیت اور بغاوت کا مظاہرہ کیا تھا جس نے اسپینیوں میں جنون کی حد تک ان سے انتقام کے جذبہ کو ابھار دیا تھا۔"[1]

۴ اگست ۱۰۱۸ھ / ۱۶۰۹ء میں مسلمانوں کے مکمل اخراج کا قانون منظور ہوا۔ اس پر عملدر آمد ستمبر کے ماہ سے شروع ہوا۔ تقریباً ۵ لاکھ مسلمان جن میں نئے عیسائی بھی شامل تھے ملک سے نکال دیئے گئے۔ علامہ مقری نے ان کی تعداد ۳۰ لاکھ بتائی ہے۔ جن لوگوں نے اس بات کے ثبوت پیش کئے کہ وہ دو سال سے متواتر عیسائی عبادات میں حاضر رہے ہیں اور مسلمانوں سے ان کا کوئی تعلق باقی نہیں ہے ان کو ملک میں رہنے کی اجازت مل گئی۔ سات سال کے عمر تک کے بچوں کے لئے یہ ثبوت دینا لازمی نہ تھا۔ بہت سے نئے عیسائی جو ثبوت فراہم نہ کر سکے ملک بدر ہونے سے نہ بچ سکے۔ "ڈیوک آف جندیہ جس کے پاس شکر کی واحد اجارہ داری تھی اور مسلمانوں کے علاوہ اس کو اپنی ملوں میں کام کرنے کے لئے تربیت یافتہ مزدوروں کا ملنا ناممکن تھا اس نے بہت سے مسلمانوں کو روکنا چاہا۔ مسلمانوں نے یہ شرط رکھی کہ اگر ان کو مذہبی آزادی دلوادی جائے تو وہ رک سکتے ہیں۔ ڈیوک نے وائسرائے ریبرا سے اس شرط کو مان لینے کی اپیل کی لیکن وائسرائے نے جواب دیا کہ یہ رعایت اب یا تو صرف بادشاہ دے سکتا ہے یا پوپ۔ وہ اس میں کچھ نہیں کر سکتا۔"[2] تقریباً تمام عیسائی مورخین اس امر پر متفق ہیں کہ مسلمانوں کے اخراج کا فیصلہ عوام کی رائے پر ہوا تھا۔ حالانکہ خود انہی مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ کلیسا کے متعصب کیتھولک پادری اور نشہ اقتدار میں چور عیسائی حکمران اس اقدام کے کرنے میں پیش پیش تھے۔

ملک کو زرعی تباہی سے بچانے کے لئے ۶ فیصد مسلمانوں کو ملک میں رہنے کی اجازت دے دی گئی

---

1. History of Spain P-149

2. A History of Inquisition of Spain III P.39

تھی لیکن یہ مسلمان بھی قتل وغارت گری کے خوف سے دیگر مسلمانوں کے ساتھ ہی چلے گئے۔ مسلمانوں کی چھوڑی ہوئی غیر منقولہ املاک ان کے عیسائی جاگیرداروں کے قبضہ میں دے دی گئیں۔ بلنسیہ کے مسلمانوں میں ابھی کچھ طاقت و ہمت باقی تھی چنانچہ انہوں نے ایک بار پھر بغاوت کی جو بری طرح کچل دی گئی اور ان کو اس حالت میں اس علاقہ سے ملک بدر کیا گیا کہ ان کے پاس نہ تو کھانے کو غذا اور نہ تن ڈھانپنے کو کپڑا تھا۔ تین ہزار پانچ سو کے قریب مسلمان بلنسیہ کے قریب پہاڑوں میں جا بسے اور ۱۰۲۲ھ / ۱۶۱۳ء تک وہیں رہے یہاں تک کہ ان سے بات چیت کر کے اور ان کو مال و اسباب دے کر ان کو الجزائر کی طرف جلاوطن کر دیا گیا۔ ۱۰۱۹ھ / ۱۶۱۰ء اور ۱۰۲۱ھ / ۱۶۱۲ء کے درمیان اسپین کے تمام مسلمان نکالے جا چکے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک ہزار کے قریب مسلمان بچے اسپین میں رہ گئے جن کا کوئی والی وارث نہ تھا اس طرح مسلمانوں کے اخراج کا کام ۱۰۲۲ھ / ۱۶۱۳ء تک مکمل ہو گیا۔

جس وقت یہ مسلمان نکالے جا رہے تھے اس وقت ان پر جو مظالم ہوئے اس کا نقشہ چارلس لی نے اس طرح کھینچا ہے "امیر مسلمانوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ غریب عیسائیوں کو کچھ نہ کچھ ضرور دیں اور اگر وہ انکاری ہوتے تو علاقہ کا کمشنر اخراج ان پر شدید مظالم کرتا۔ پانی تک کی قیمت ان سے وصول کی جاتی۔ راہ کی گرمی سے محفوظ رہنے کے لئے جس درخت کے سائے میں رکتے یا آرام کرتے اس کے لئے بھی ان سے بڑی بڑی رقمیں وصول کی جاتی تھیں۔ جلاوطن ہونے والوں کی کثیر تعداد فرانس کی طرف بھی گئی۔ ۱۴ ہزار نفوس تھے جن کو فرانس کی حدود میں داخل نہ ہونے دیا۔ وہ مجبور ہو کر کوہ البرانس کے ایک اسپینی علاقہ کیفرانس (جیفرانیہ) میں رک گئے۔ جہاں ان سے ۱۴ ہزار سونے کے سکے صرف فرانس میں داخل ہونے کے وصول کئے گئے۔ علاوہ اس محصول کے جو ان کے سامان پر وصول کیا گیا اور اس کمشنر کی فیس کے جو ان کا انچارج بنایا گیا تھا۔ المختصر یہ کہ ارغون سے مسلمانوں کی جلاوطنی کی داستان تاریخ انسانیت کی بدترین مثال ہے[1]" ایک فرانسیسی مورخ نے لکھا ہے کہ ارغون سے مسلمانوں کا اخراج اس سے کسی طرح کم دردناک اور تکلیف دہ نہ تھا جس قدر بلنسیہ سے ہوا تھا۔

اخراج کے بعد بہت سے مسلمان سرحدی حفاظتی دستہ کو رشوت دے کر دوبارہ اسپین میں واپس آ گئے لیکن انہوں نے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر نہ کیا اور عیسائی عوام کے نچلے طبقہ میں گھل مل گئے۔

لہ A History of Inquisition of Spain III P.401-2

مسلمانوں کی کثیر تعداد ملک سے نکلنے کے بعد اپنی منزل مقصود تک نہ پہنچ سکی اور راستہ میں ہی ایک اندازے کے مطابق کل مسلمانوں کا ایک تہائی حصہ باقی رہا باقی دو حصے مرگئے۔ غیر مسلح اور قلاش مسلمان سمندر اور پہاڑی دروں کے ذریعہ فرانس، شمالی افریقہ اور بحر روم کے جزائر میں بھیڑ بکریوں کی طرح ہانک دیئے گئے۔ مسلمانوں کی بڑی تعداد جو موت کا لقمہ ہونے سے بچ رہی تھی تیونس، رباط اور ترکی کی طرف چلی گئی۔ اس دوران ان پر جو مصائب اور تکالیف گذریں وہ احاطہ تحریر میں نہیں آسکتیں۔ بس یہ کہا جاسکتا ہے کہ دور جدید میں اس کی مثال اگر مل سکتی ہے تو قیام پاکستان کے بعد سے بھارت کے مسلمانوں کی ہے۔

کیونکہ اسپین کے بادشاہوں کا مقصد مسلمانوں کے وجود کو ہی ختم کردینا تھا اس لئے ان کے اخراج کے وقت ان کی جان و مال کی حفاظت کی قطعاً کوئی پرواہ نہ کی گئی بلکہ ان کو ہراساں اور پریشان کرکے بجائے اس کے کہ ان کو شمالی افریقہ یا کسی دوسرے مسلم ملک کی طرف جانے دیا جاتا ان کو قلونیہ کے راستے خلیج بسکے میں بحری قزاقوں کے حوالے کردیا گیا۔ لوئس برٹرانڈ جس نے اس بات کی پوری کوشش کی ہے کہ مسلمانوں کے اخراج کو مذہبی اتحاد اور ملک کی بقا و سالمیت کے لئے ضروری ثابت کرے۔ وہ بھی اس بات کو تسلیم کئے بغیر نہ رہ سکا کہ "مسلمانوں کے اخراج کا یہ تادیبی طریقہ کار بلاشبہ اسپین کے حق میں خطرناک ثابت ہوا۔ جہاں اس سے عیسائی عوام کی اکثریت کو فائدہ پہنچا وہاں ملک تباہ و برباد اور آبادیاں ویران ہوگئیں۔ سپاہیوں اور عدالت کے افسران نے قانون کی لچک سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں پر بڑے بڑے جرمانے عائد کرکے اپنی جیبیں بھریں اور امیر کبیر بن گئے۔ تاجروں اور چھوٹے جاگیرداروں نے مجبور اور بے کس مسلمانوں کی جائداد و املاک کو سستے داموں خرید کر اپنے آپ کو امراء کی صف میں لا کھڑا کیا۔ لیکن وہ امراء جن کی جاگیروں کو مسلمان کسانوں نے رونق بخشی تھی ان کے اخراج سے سخت ناراض تھے اور انہوں نے اپنا دامن بچاتے ہوئے اور مشکوک لوگوں کی فہرست میں نہ آتے ہوئے مسلمانوں کے اخراج کی مخالفت بھی کی تھی جس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ ایک عیسائی مورخ کے بقول "مسلمانوں کا یہ اخراج تاریخ انسانیت کا زبردست اور شدید ظلم و ستم کا اقدام تھا۔ گو اس تباہی و بربادی کے بہت سے اسباب تھے لیکن ان میں سب سے اہم سبب بدترین مذہبی تعصب تھا۔ جس نے ملک کی آبادی کے اس طبقہ کو نکال باہر کیا جو

The History of Inquisition of Spain III P.408

The History of Spain - P.155

اقتصادی طور پر ملک کا قیمتی سرمایہ تھا"[۱]۔ امیر علی کے الفاظ میں "مسلمانوں کا اسپین سے اخراج ملک کی زرعی اور صنعتی بربادی اور آبادیوں کی ویرانی کی صورت میں نکلا"[۲]۔ ۱۱ مئی ۱۰۹۱ھ / ۱۶۱۰ء میں بلنسیہ کے گورنر نے ان سات سو مسلمانوں کے متعلق جو وہاں رک گئے تھے۔ اس طرح رپورٹ بادشاہ کو بھیجی تھی۔ "یہ مسلمان کھیتی باڑی کے ماہر تھے۔ چاول پیدا کرنے، ریشم اور دیگر اجناس اگانے اور خاص طور پر شکر سازی کے فن میں اس قدر طاق تھے کہ عیسائی ان کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے۔ کیونکہ عیسائی اپنا دقیانوسی طریقہ زراعت استعمال کرتے تھے۔ اس لئے ان مسلمانوں کو غلاموں کی طرح عیسائیوں کے ساتھ کام کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔ تاکہ مسلمانوں کی چھوڑی ہوئی اراضی کو قابل کاشت بنایا جاسکے"[۳]۔ ایک اسپینی مورخ نے لکھا ہے کہ مرسیہ کے علاقے میں آج تک مسلمانوں کا طریقہ زراعت استعمال کیا جاتا ہے اور بلنسیہ میں اب تک مسلمانوں کا طریقہ آب پاشی قائم ہے۔ ایک دوسرا مورخ لکھتا ہے کہ مسلمان فن زراعت کے اس قدر ماہر تھے کہ فلپ سوم کے زمانہ میں خراب زمینیں ملنے کے باوجود بھی وہ اس قدر مالدار تھے کہ جس قدر عیسائی باوجود بہترین زمینوں کے مالک ہونے کے بھی مالدار نہ تھے[۴]۔ مسلمانوں کے معاشرے کے بارے میں چارلس لی نے لکھا ہے "ان میں بھیک مانگنے والے نہ تھے اور نہ وہ آپس میں جھگڑتے تھے۔ کبھی اختلافات ہو بھی جاتے تھے تو اس سے قبل کہ قاضی کے سامنے جائیں وہ اپنے اختلافات باہم رضامندی سے طے کر لیتے تھے[۵]۔"

ان بیانات کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں معلوم ہوتا اس لئے کہ مسلمانوں کو طویل خانہ جنگی اور عبرتناک تباہی نے انہیں بہت کچھ سکھا دیا تھا اور کوئی وجہ نہیں کہ باقی ماندہ مسلمانوں نے اپنی انسانی، اخلاقی اور معاشرتی اقدار کو از سر نو زندہ کر لیا ہو۔

الغرض اسپین میں مسلمانوں کی تباہی اور ان کا جلاوطن ہونا تاریخ انسانی کا ایک عبرتناک باب ہے۔ اس باب کو اگر دہرایا گیا تو پاکستان کے قیام کے وقت یا اسرائیل کے قیام کے وقت اور جو کچھ ان دونوں جگہ کے مسلمانوں پر گذری وہ کسی بھی صورت میں اسپین کے حالات سے کم نہیں تھے۔ اب اس باب کے اختتام پر مسلمانان اسپین کی تباہی کے اسباب کا جائزہ لیں اور یہ فیصلہ بھی کر لیں کہ اگر مسلمانوں پر کبھی کبھی تباہی و بربادی آئے گی تو اس کے اسباب کیا ہوں گے؟ تاریخ نے قوموں اور حکومتوں کے عروج و زوال کے کچھ کلیات بنائے ہیں لیکن مسلمانوں کے عروج و زوال کے کلیات کچھ

۱۔ A History of Inquisition of Spain P.410

۲۔ The Short History of Saracens - P.563

۳۔ Political History of Muslim Spain - P.198

۴۔ story of Inquisition of Spain I - P.

جدا ہیں۔ گو ان کلیات کو بیان کرنا تو اس کتاب کا موضوع نہیں البتہ مسلمانان اسپین کی تباہی میں جن کلیات نے حصہ لیا ہے ان کا تذکرہ ضرور کیا جائے گا۔

مسلمانان اسپین کی تباہی کے اسباب

اسپین میں مسلمانوں کی کامیابی کے اسباب میں یہ بتایا جاچکا ہے کہ مسلمانوں کا اسپین کی فتح سے جہاں سیاسی مقاصد کا حصول تھا وہاں ان کا مذہبی جذبہ اور قومی حمیت بھی کار فرما تھی۔ طارق بن زیاد کا خواب اور کم تعداد مسلمانوں کا لاکھوں دشمنوں سے لڑجانا اسی مذہبی جذبہ کی غمازی کرتا ہے۔ اس لئے انہوں نے ہر مقصد کو مذہبی رنگ میں چھپالیا تھا۔ لیکن اسپین کی تاریخ کے مطالعہ سے صاف طور پر یہ پتہ چلتا ہے کہ مسلم امراء وسلاطین نے اپنے ذاتی مذہبی کردار کو تو قائم رکھنے کی ضرور کوشش کی لیکن اس بات کی کبھی کوشش نہ کی کہ منظم طور پر اسلام کی اشاعت اور ترویج کریں۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ جو مسلمان فاتح بن کر آئے تھے ان کی اولادیں تو مسلمان رہیں لیکن اسپین کے مقامی باشندے جو کسی مجبوری یا فاتح کے قرب کی خاطر مسلمان ہوئے تھے وہ موقعہ پرست بن گئے اس پر مزید یہ ہوا کہ باہر سے آنے والوں مسلمانوں نے ان نومسلموں کو اپنے معاشرہ میں کوئی خاص مقام نہ دیا۔ جس کی بناء پر مقامی مسلمانوں نے موقعہ کے لحاظ سے اسلام تو ترک نہ کیا لیکن مسلمانوں سے نفرت ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کرگئی اور اس نفرت کا اظہار وہ موقعہ بہ موقعہ اپنے ہم وطن عیسائیوں کے ساتھ مل کر کرتے رہے۔ یہ زخم خوردہ مسلمان شمالی عیسائی ریاستوں کی کامیابی کا بڑا سبب بنے رہے جیساکہ زوال بنو امیہ میں بیان کیا جاچکا ہے۔ اگر مسلم فاتحین اور حکمراں اسلامی تہذیب کے علمبردار ہوتے اسلام کے نام پر یکساں برتاؤ کرتے اور اپنے اسلامی طرز عمل کا اظہار کرتے تو اسپین میں کوئی بھی غیر مسلم نہ نظر آتا لیکن مسلم حکمرانوں کی آپس کی قومی، نسلی، اور قبائلی کشمکش نے نہ صرف یہ کہ اسلام کی ترویج کے دروازے بند کردیئے بلکہ تہذیب اسلامی کے ہمہ گیر اصولوں کو مساجد اور خانقاہوں میں مقید کرکے رکھ دیا۔ قومیت اور نسلی برتری کے زعم نے نہ صرف ایک زبردست بادشاہت کو فنا کردیا (بنو امیہ اسپین) بلکہ ملوک الطوائف کو بھی ایک جگہ اکٹھا نہ ہونے دیا جو مرحوم بادشاہت کے کھنڈرات پر اپنی سلطنت کے قلعے تعمیر کئے ہوئے تھے۔ حالانکہ یہ اعتراف تاریخ نے بھی کرلیا ہے کہ ان ملوک الطوائف میں سے کئی تو اس قدر طاقتور تھے کہ پورے اسپین کو پھر متحد کرسکتے تھے لیکن اسلامی شعائر سے بیزاری، غرور و تمکنت سے لبریزی، عیش و عشرت میں ڈوبے

ہوئے قبائلی اور نسلی عصبیت کے شکار یہ حکمران اسلام اور مسلمان دونوں کے لئے آفت جان بن گئے۔ یہاں تک کہ دشمنان اسلام کو اس بات کا موقعہ فراہم کردیا کہ وہ ضرب کاری لگا سکیں۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ اسلامی تہذیب کی نشوونما اسپینی معاشرہ میں نہ ہونے دی گئی۔ اس طرح یہ کلیہ بنا۔ ''مسلمانوں کی تباہی اس وقت لازمی ہوگی جب کہ وہ خود اپنے ہاتھوں اسلام کی تذلیل کا سامان مہیا کریں گے۔''

بنو امیہ کے سلاطین نے اپنے سیاسی اغراض اور ہوس اقتدار کی خاطر اسلامی تہذیب اور عربی تہذیب کی مدد سے اسپین کی مسلم تہذیب کو جنم دیا۔ حالانکہ سیاسی وحدت اور معاشرتی وحدت کے لئے یہ اقدام برا نہ تھا۔ لیکن اس کی کامیابی اسی وقت ممکن ہوسکتی تھی جبکہ مقامی مسلمانوں اور عیسائیوں کی پرانی تہذیب کو بھی اس میں ضم کردیا جاتا لیکن مقامی لوگوں کو ان کو اپنی ہی تہذیب پر قائم رہنے دیا گیا۔ ایک طرف تو پرانی اور گھسی پٹی عیسائی تہذیب اس نوزائدہ اسپینی تہذیب کے مقابلے میں مضبوط اور مستحکم اقدار پر قائم تھی اور دوسری طرف اس میں مذہب کا عنصر غالب تھا جو عوام الناس کی کشش کا بہترین ذریعہ تھا۔ جبکہ اس نوزائدہ مسلم اسپینی تہذیب میں مذہب کا عنصر نہ ہونے کے برابر تھا۔ بلکہ یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ یہ تہذیب مذہب سے فرار کے لئے قائم کی گئی تھی۔ اور اس میں آزاد روی اور بے راہ روی کو غالب رکھا گیا تھا۔ ایسی صورت میں عیسائی مذہبی تہذیب کا مقابلہ اس خودساختہ تہذیب کے بس کی بات نہ تھی۔ عیسائی مذہبی تہذیب کو ختم کرنے کی صلاحیت صرف اسلامی تہذیب اپنے اندر رکھتی تھی اور اسی میں اتنی کشش تھی کہ وہ عوام الناس کو اپنا بنا لیتی۔ اس طرح اسلامی تہذیب ہی نہ صرف اہل اسپین بلکہ مسلمانان اسپین کی نجات دہندہ اور اتحاد اسپین کا بڑا ذریعہ بن جاتی۔ یہ اسلامی تہذیب ہی کی کشش تھی کہ جس نے مرابطین، مواحدین اور پھر بنو مرین کو اسپین میں داخل کیا اور انہوں نے مسلمانان اسپین کو بچانے کی پوری کوشش کی اور عیسائیوں کو ختم کرنے کا تہیہ کیا جس کو خود ملوک الطوائف نے ناکام بنادیا۔ ایسی صورت میں جبکہ خود مسلمان اسلامی تہذیب سے بیزار ہوں تو مقامی باشندے اس تہذیب سے کیونکر متاثر ہوتے۔ اس لئے انہوں نے بھی دل کھول کر اسلام اور مسلمان دونوں کا مذاق اڑایا۔ جس کا لازمی انجام یہ ہوا کہ جب اہل غرناطہ نے آخری وقت میں مسلم ممالک کی طرف امدادی نظریں اٹھائیں تو باوجود اس کے کہ اس وقت بڑی بڑی مسلم حکومتیں افریقہ، ایشیا اور ترکی میں قائم تھیں کسی نے بھی جواب دینا پسند نہ

کیا چنانچہ مسلمان قوم کے لئے دوسرا کلیہ اس طرح بنا کہ "اسلامی تہذیب اگر مصلحت کی بنا پر سیاست پر حاوی نہ کی جائے اور مساجد و خانقاہوں میں ہی مقید رکھی جائے پھر بھی مسلمانوں کے لئے واجب الاحترام ہے۔ اس کا مضحکہ اڑانا مسلمانوں کے زوال کا دیباچہ بن جاتا ہے۔"

اتحاد کا فقدان

ایک طرف تو مسلم معاشرہ اسلامی تہذیب کے بجائے بہت سی نسلی تہذیبوں میں منقسم تھا جو اپنے اندر اختلافات کی ایک وسیع خلیج رکھتی تھیں۔ دوسری طرف وہ آہنی نظم حکومت جس کی بدولت مسلم بادشاہان اسپین ملک پر قابض تھے آپس کی خانہ جنگی کی نذر ہو گیا۔ ایک باصلاحیت طاقتور حکمران طاقت کے ذریعہ معاشرہ کو بگڑنے سے روک سکتا تھا لیکن جب حکمرانی کے لئے ہی جنگ و جدل جاری ہو جائے تو معاشرہ کو سنبھالنے والا کون ہو سکتا ہے؟ اور ایسا اس وقت ہوا جبکہ وراثتی تخت نشینی کے زہریلے اثرات نے سیاست' معاشرت اور نظم مملکت کو مفلوج کر کے رکھ دیا۔ ملوک الطوائف کے خود اپنے اس قدر اختلافات تھے کہ معاشرہ کے اختلافات پر نظر ڈالنے کی ان کو فرصت نہ تھی چنانچہ ہر قسم کے اختلافات بڑھتے گئے اور عیسائی ایک طاقت بن کر ابھرتے رہے۔ آیئے ان اختلافات پر طائرانہ نظر ڈالیں۔

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ اسپین کے مسلمانوں کی تباہی میں جس قدر ہاتھ خود مسلمانوں کے آپس کے اختلافات کا ہے کسی خارجی طاقت کا نہیں۔ انتشار و اختلاف کے جراثیم اسپین کی فتح ہی سے مسلمانوں کے اندر موجود تھے۔ جب عرب اسپین میں آباد ہو گئے تو وہ حمیری' مضری' شامی' حجازی' قیسی اور کلبی میں تقسیم ہو گئے اور بربر مسلمان' زناتہ' مکناسہ' صنہاجہ' مجلماسہ وغیرہ میں بٹ گئے اور ایک دوسرے کے مقابل صف آراء ہو گئے۔ یہ سب کے سب اپنے آبائی وطن سے عصبیت کی آگ اپنے سینوں میں بھر کر لائے تھے۔ چنانچہ بجائے اس کے کہ مشترکہ دشمن کا مقابلہ کرتے ایک دوسرے کی گردنیں اڑانے لگے۔ ایسی بے شمار مثالیں تاریخ اسپین میں موجود ہیں جبکہ اسی عصبیت کے ماروں نے جیتی ہوئی بازی کو بار بار دشمن کو طاقتور بننے کا موقعہ دیا۔ مثلاً ٹورس کی جنگ' یوم الخندق' جنگ زلاقہ وغیرہ یہاں تک کہ حاجب المنصور جیسا عزم و استقلال کا پیکر یمنی اور مضریوں کی مخالفت کی بناء پر اس وقت تک کامیاب نہ ہو سکا جب تک اس نے بربروں سے اپنی فوج کو از سر نو منظم نہ کر لیا۔ الغرض بنو امیہ کے پورے دور میں ہمیں سینکڑوں واقعات قبائل کی آپس کی

جنگ اور اسپینی اور غیر اسپینی کے اختلافات نظر آتے ہیں۔ چنانچہ جیسے ہی بنو امیہ کا زوال ہوا مسلم معاشرہ کے یہ مختلف حصے ملک اسپین کے ٹکڑے کر کے ایک ایک ٹکڑے پر قبضہ کر کے بیٹھ رہے۔ جسے ہم ملوک الطوائف کا نام دیتے ہیں۔ قرطبہ کی مرکزی حکومت سے ان ٹکڑوں کا علیحدہ کیا ہونا تھا دراصل قرطبہ کی بادشاہی کا اس دنیا سے اٹھ جانا تھا۔ مرکزیت ختم ہوتے ہی ان چھوٹی چھوٹی بادشاہتوں کو خوب گل کھلانے کا موقعہ ملا اور وہ خونریزی، لوٹ مار اور آتش زنی ہوئی کہ انسانیت کو شرما گئی۔ مدینتہ الزہر جلا، الزہرہ لٹا، جنوب میں بربر آئے، مشرق میں مقابلہ نے ڈیرہ جمالیا۔ جنوب مغرب میں عربوں نے ہوش سنبھالا تو نو مسلم عیسائیوں نے شمال میں پیر پھیلائے۔ الغرض مسلم سیاست اور معاشرہ کا جنازہ ملوک الطوائف نے اپنے کندھوں پر نکالا۔ اس میں بھی کوئی خرابی نہ ہوتی اگر سب ملوک الطوائف اپنی اپنی خواہش کے مطابق حکومت کرتے رہتے۔ لیکن ان کے سینوں میں تو اقتدار اور حسد کی آگ بھڑک رہی تھی اور ہر ایک دوسرے پر بھیڑیئے کی طرح تاک لگا رہا تھا۔ دغا، فریب، مکاری، تدبر و سیاست ہر صورت میں ایک دوسرے کو فنا کرنے پر تلے ہوئے تھے اور اپنے مقصد کے حصول کی خاطر وہ اپنے مشترکہ دشمن کے آگے سر تک جھکانے کے لئے تیار تھے۔ اشبیلہ کے بنو عباد، بنو زری اور بنو ذوالنون کی گھات میں تھے تو بنو زری قرطبہ اور ․حلیوس کو کھانے کی فکر میں تھے۔ اسماعیل عبادی نے یحییٰ حمودی کو قتل کر دیا۔ الریہ کے زہیر نے اسماعیل کو مار ڈالا اور حبوس نے زہیر کو قتل کرا دیا۔ قتل و غارت کا ایک لامتناہی سلسلہ تھا جو ختم ہونے کو نہ آتا تھا۔ کچھ نہایت "دانشمند" اور "مدبر" مسلم حکمرانوں نے اپنی دانست میں اپنے بچاؤ کی سب سے عمدہ تدبیر یہ سوچی کہ عیسائیوں کی امداد حاصل کی جائے۔ مثلاً مامون ذوالنون کا قرطبہ کے حصول میں لیون اور قشتالہ کے عیسائیوں کی امداد حاصل کرنا اور غرناطہ کے بنو نصر کا اپنی حکومت کو قائم کرنے کے لئے عیسائیوں کی امداد سے دیگر مسلم ریاستوں کو ختم کرنا وغیرہ۔ ایسی صورت میں عیسائیوں کا طاقتور بننا اور احمق مسلم حکمرانوں کو بیوقوف بنانا کوئی مشکل کام نہ تھا۔ چنانچہ مسلمانوں کے مقابلہ میں دشمنوں کا اتحاد مضبوط ہوتا چلا گیا اور آخر کار ایک دن تمام مسلمانوں کو ختم کر گیا۔

اسپین کے مسلم حکمرانوں نے بربروں کو کبھی ملک کی انتظامیہ میں پوری طرح شریک ہونے کا موقعہ نہ دیا اور بربر عرب مسلمانوں سے ناراض اور بیزار رہے۔ انہوں نے اسپین میں خود کو زندہ رکھنے اور عرب مسلمانوں سے بچنے کے لئے ہمیشہ اپنے تعلقات شمالی افریقہ کے بربروں سے قائم اور

استوار رکھے۔ اس کا ثبوت اس طرح ملتا ہے کہ جب کبھی بھی شمالی افریقہ کے بربروں نے بغاوت کی اسپین کے بربروں نے ان کی پیروی میں فخر محسوس کیا۔ کرنے کو تو انہوں نے عربوں کے خلاف ایسا کیا لیکن دراصل اس سے حکومت کی بنیادیں ہل گئیں۔ عربوں کو تو زوال ہوا ہی لیکن ساتھ ہی ساتھ معاشرہ اور سیاست کے بھی چیتھڑے اڑ گئے۔ بنو امیہ کے دور زوال اور طوائف الملوکی کے دور میں بربروں نے وہ ہاتھ دکھائے کہ دشمن بھی حیران رہ گیا۔ اس طرح یہ بربر معاشرہ اور سیاست کو تباہ و برباد کر کے اپنے آبائی وطن واپس چلے گئے۔ لیکن عرب مسلمانوں اور نو مسلموں کو عیسائیوں کے پنجے میں پھنسا گئے۔ مرابطین' مواحدین اور بنو مرین کے متعلق یہ سوچا جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو بچانے کے لئے اسپین میں آئے لیکن دراصل بربروں نے ان کی شکل میں اپنے دیرینہ ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی تھی۔ یہ کوشش بھی بہرحال مسلم اسپین کے اتحاد کا سبب بن جاتی لیکن اب بربر اس قدر ہوشیار ہو گئے تھے کہ انہوں نے اسپین کو اپنا وطن نہ بنایا۔ ایسی صورت میں مسلم اسپین میں اتحاد تو کیا ہوتا بلکہ جو کچھ اتحاد پہلے سے موجود تھا وہ بھی جاتا رہا اور عیسائیوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے والا کوئی نہ تھا۔ اسپین کے مسلمان باجگذار بننے کی صلاحیت تو رکھتے تھے لیکن مقابلے کی ہمت سے معذور تھے۔ اسپین میں مسلمانوں کے اتحاد کے فقدان نے ایک دن ان کو اسپین سے نکال باہر کیا۔ اس طرح تاریخ اسلام میں ایک نئے کلیہ کا اضافہ ہوا وہ یہ کہ "مسلمانوں کو زندہ رہنے کے لئے اتحاد کی سخت ضرورت ہے۔ قومیت کا تصور ایک نسل یا گروہ یا طبقہ کو تو زندہ رکھ سکتا ہے لیکن مسلمانوں کے لئے یہ تصور زہر قاتل سے کم نہیں۔ مسلمانوں کی بقا کی ضمانت صرف عالمی اخوت میں مضمر ہے۔"

کمزور حکومت

اسپین کی مسلم سیاست اور حکومت کا انحصار سلاطین' امراء اور فوجی طاقت پر تھا۔ تمام طاقتوں کا سرچشمہ یہی لوگ تھے۔ جب بنو امیہ کے نااہل' ناکارہ اور کٹھ پتلی حکمران تخت قرطبہ پر آئے تو انتظامی اور سیاسی ڈھانچہ میں کمزوری کا پیدا ہونا لازمی ہو گیا۔ گو نااہل حکمرانوں کو تخت پر لانے کا ذمہ دار بنو امیہ کا وراثتی تخت نشینی کا طریقہ تھا لیکن امرء دربار اور خود غرض اراکین سلطنت بھی اس میں برابر کے شریک تھے۔ جو بڑی حد تک اس عظیم سلطنت کے زوال کا باعث ہوئے۔ ان امراء و اراکین سلطنت میں اکثریت عربوں کی تھی۔ جو حکومت اور سیاست پر اپنا حق سمجھتے تھے۔ عبد الرحمٰن

الناصر نے امراء کے اس ناجائز اقتدار پر ضرب لگائی تو کس طرح عرب سرداروں نے یوم الخندق میں اپنی توہین کا بدلہ لیا اور اپنے حق کو حاصل کرنے کے لئے ہر ممکن طریقہ اختیار کیا۔ الحکم ثانی کے زمانے میں امراء نے جو کردار ادا کیا وہ کسی بھی حکومت کے حق میں بہتر ثابت نہیں ہو سکتا۔ حاجب المنصور کے عروج کے دوران تو امراء کے اختلافات اور حکومت سے غداری کھل کر سامنے آگئی۔ جس سے فائدہ اٹھا کر ہی حاجب المنصور مظفر و کامران ہوا تھا۔ عرب امراء کے اسی خود غرضانہ اور غدارانہ رویہ کو دیکھتے ہوئے عبدالرحمٰن الناصر نے صقالبہ کو اور حاجب المنصور نے بربروں کو اپنا قرب بخشا اور اپنی طاقت کو ان سے تقویت پہنچائی۔ بربروں نے جو کچھ کیا وہ بیان کیا جا چکا ہے۔ اب صقالبہ کا نمبر ہے۔ جیسے ہی امراء و اراکین کا اختلاف شدید ہوتا گیا صقالبہ کا زور بڑھتا گیا۔ دور خلافت ہی سے انہوں نے متحدہ طور پر ایک جماعت تشکیل دے لی تھی اور انہوں نے محل سرا اور شاہی حفاظتی دستہ پر قبضہ کر لیا تھا جس کے نتیجہ میں کے حکومت کے معاملوں میں بھی ان کا عمل دخل شروع ہو گیا۔ ہر نئے حکمراں کو تخت پر بٹھانے میں ان کا بھی ہاتھ ہوتا تھا۔ عہدوں پر تقرریاں کرانے میں خوب رشوتیں اور تحفے تحائف لیا کرتے تھے۔ بلکہ یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ وہ درباری سازشوں میں برابر کے شریک تھے۔ زوال بنو امیہ میں ان کا جو کچھ ہاتھ تھا بیان ہو چکا ہے۔ دور طوائف الملوکی میں بھی انہوں نے کوئی کم حصہ نہ لیا۔ ان کو نہ اسلام سے محبت تھی اور نہ مسلم معاشرہ کی فکر۔ کیونکہ ان کو اس معاشرہ میں کوئی مقام نہ ملا تھا۔ اس لئے ہمدردی کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ مسلمانوں کے دور میں بھی صقالبہ تھے اور عیسائیوں کے میں بھی صقالبہ ہی رہے۔ ایسے طبقے جن کا معاشرہ میں کوئی مقام نہ ہو کسی ایک معاشرہ کے بھی وفادار بن کر نہیں رہ سکتے۔ چنانچہ الناصر اور المنصور کا قومی حکومت کا خواب ایسے غیر معاشرتی عناصر سے شرمندہ تعبیر نہ ہو سکتا تھا۔

ایک طرف تو ان صقالبہ اور حبشیوں کا متذکرہ بالا کردار تھا۔ دوسری طرف کیونکہ ان کو حکومت کے انتظامی معاملات میں شریک نہ کیا جاتا تھا اور وہ صرف فوجی خدمت کے لئے مخصوص تھے اس لئے ان کو حکومت کے نظم و نسق کی بہتری سے کوئی علاقہ نہ تھا۔ ان کو صرف ایک یہی بات معلوم تھی کہ ان کی جانیں معاوضہ پر خرید لی گئیں ہیں اور ان کا آقا ان کی جانوں کا مالک ہے۔ اس لئے ان کو قوم و ملک سے کوئی محبت نہ تھی۔ جو فریق بھی ان کو زیادہ معاوضہ دے سکتا تھا وہ اسی کے طرفدار ہو جاتے تھے۔ الحکم ثانی کے زمانہ میں انہوں نے شمالی افریقہ کی بغاوتوں میں جو مظاہرہ کیا وہ اس کا کھلا

ثبوت ہے۔ ایسا ہی حاجب المنصور کے ساتھ بھی ہوا جبکہ وہ شمالی اسپین کی لڑائیوں میں پھنسا ہوا تھا۔ جس کی بنا پر وہ مجبور ہوا تھا کہ زیادہ سے زیادہ بربر اپنی فوج میں شامل کرے۔ الحکم ثانی اور حاجب المنصور کے جانشیں ان اوصاف کے حامل نہ تھے جو ان دونوں میں موجود تھے۔ اس لئے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ سلطنت بنو امیہ کا زوال اسی وقت سے شروع ہوتا ہے جبکہ نابالغ ہشام المؤید کو حاجب المنصور نے کٹھ پتلی بنا دیا تھا۔ حالانکہ حاجب المنصور نے اپنی فراست اور شجاعت سے حکومت بنو امیہ کو مضبوط اور وسیع کر دیا تھا۔ لیکن اس نے وزارت عظمیٰ کا ایک علیحدہ ادارہ قائم کرکے خلافت کے وقار اور طاقت کو ختم کر دیا تھا۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ امراء اور وزراء کے علاوہ عوام تک میں خلافت کا وقار و عظمت ختم ہوگئی۔ اور وزیر سلطنت تمام حکومت کے معاملوں کا مالک بن بیٹھا۔ ایک طرف حکومت کمزور ہوئی اور دوسری طرف معاشرہ بگڑتا گیا۔ دولت کی بہتات نے لوگوں کو آرام پسند' کاہل وست اور بڑی حد تک عیاش بنا دیا تھا۔ مذہب ان کو ان باتوں سے روک سکتا تھا سو وہ پہلے ہی فراموش کردیا گیا تھا۔ حکومت اس قدر ہمت نہ رکھتی تھی کہ اپنے قانون کا احترام کراتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان اپنے آبائی اعلیٰ اوصاف سے بیگانہ ہوگئے۔ میدان جنگ سے زیادہ ان کو اپنی عیاشی کی محفلیں پسند آنے لگیں۔ تلوار کی جھنکار سے زیادہ ان کو چنگ و رباب کی نغمہ سرائی اچھی معلوم ہوئی۔ عیسائی عورتوں نے ان کے گھروں میں گھس کر ان کو مزید عیاش طبع بنا دیا اور مسلم معاشرہ کو زہر آلودہ کردیا۔ سلاطین کی نقالی میں عوام بگڑے تھے لیکن خود شاہزادگان کا یہ حال ہوگیا تھا کہ اگر ان کو کسی جگہ گورنر یا فوجوں کا سپہ سالار بنا دیا جاتا تو خوف سے کانپنے لگتے تھے۔ خانہ جنگی میں ان کو آرام ملتا تھا کہ وہ اطمینان سے اپنی حرم سرا میں داد عیش دیتے رہتے تھے۔ دور زوال میں بنو امیہ کے شہزادے تو خیر زوال کی نذر ہوگئے لیکن ملوک الطوائف میں کوئی چھوٹا بڑا بادشاہ ایسا نہ تھا جو طاقت کا سرچشمہ بن سکتا۔ غرناطہ کا بادیس اور حبوس اشبیلیہ کا المعتضد اور اس کا بیٹا المعتمد طلیطلہ کا یحییٰ القادر اور آخر میں بنو نصر کا ابوالحسن علی اور اس کا لڑکا ابو عبداللہ محمد یہ سب کے سب جملہ اوصاف جہانبانی سے واقف ضرور تھے۔ لیکن محل سرا کی کنیزوں' شعر و شاعری اور رقص و سرود کی محفلوں نے ان کو دنیا و جہاں میں منہ دکھانے کے قابل نہ چھوڑا تھا۔ سازشیں' غداریاں' کینہ و حسد ان کے اوصاف بن گئے تھے اور نظم و نسق وزیروں کے ہاتھوں میں تھا جو من مانی کرتے رہتے تھے۔ ظاہر ہے کہ انتظام حکومت کا استوار اور بہتر ہونا کس طرح ممکن تھا۔

الغرض یہ چنگ و رباب، رقص و موسیقی اور عورت و شراب کے رسیا ایسے دشمن کا کیا مقابلہ کرتے جس نے تلوار کو اپنا دوست، آلات حرب کو اپنا زیور اور گھوڑے کی پیٹھ کو اپنا بستر بنا رکھا تھا۔ جن اعلیٰ اوصاف کے ساتھ مسلمانوں کے آباؤ اجداد نے اسپین پر فتح و کامرانی کے جھنڈے گاڑے تھے۔ انہی اوصاف کو اب عیسائیوں نے اپنا کر اسپین مسلمانوں سے خالی کرالیا تھا اور ثابت کر دکھایا تھا کہ وہی قومیں ہمیشہ کامیابی سے ہمکنار ہوتی ہیں جو شمشیر و سنان کو اپنی زندگی کا لازمی حصہ بنا لیتی ہیں۔ السید (CID) نے جس وقت بلنسیہ پر قبضہ کیا اور بلنسیہ کے مسلمانوں نے اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے تو اس نے با آواز بلند یہ الفاظ کہے۔ "اے اہل بلنسیہ تم جس وقت بھی میرے پاس آنا چاہو اور مجھ سے کچھ کہنا چاہو کہہ سکتے ہو۔ میں اپنے آپ کو تمہارے حکمرانوں کی طرح عورت اور شراب میں گم نہ کروں گا بلکہ تمہاری وہ سب باتیں سنوں گا جو تمہارے حکمرانوں نے کبھی نہ سنی تھیں[1]" یہ تھا صحیح نقشہ مسلم حکمرانوں کا جنہوں نے اپنے تابوت میں خود کیلیں ٹھونکیں۔ انہی حکمرانوں سے نجات پانے کے لئے علماء و فقہاء اور اسلامی تہذیب کے غم خواروں نے یوسف بن تاشفین کو اسپین بلایا تھا۔

ملوک الطوائف کو اور ان سے پہلے بھی سلاطین و امراء کو بری عادات اور بد اطواریوں سے روکنے والا کوئی قانون نہ تھا۔ مذہبی قانون موجود ضرور تھا لیکن صرف عوام کے لئے۔ ورنہ معطل حالت میں پڑا ہوا تھا۔ علماء اور فقہاء کے اثرات جب تک عوام پر رہے عوام اپنے حکمرانوں کا احتساب کرنے کے قابل رہے۔ اس وقت تک حکمران قانون اسلامی سے نہیں بلکہ عوام سے ڈرتے رہے جیسا کہ ہمیں عبد الرحمٰن الناصر سے حاجب المنصور تک ملتا ہے لیکن فلسفہ کے عروج نے عوام کے رہے سہے مذہبی جذبات کو بھی ختم کر دیا۔ جس کے بعد علماء و فقہاء کی کوششیں بھی معاشرہ کو سدھارنے میں ناکام ہو گئیں۔ اور حکمرانوں کا احتساب ایک گھسی پٹی روایت بن کر رہ گیا۔ اگر ان حکمرانوں اور ان کے امراء پر کوئی دستوری اور سیاسی ادارہ احتساب کے لئے ہوتا تو یقیناً اتنی بد نظمی اور لاقانونیت نہ پھیل پاتی۔ یہ ادارہ صرف اسلامی معاشرتی کو نسل ہی ہو سکتا تھا جو قانون الٰہی کی مدد سے احتساب کر سکتا تھا۔ جس کا ثبوت ہمیں مرابطین کے دور اول میں ملتا ہے۔

---

[1] The History of Spain - Bertand - P.62

مسلمانوں کے زوال میں مسلم حکومتوں کی وراثتی تخت نشینی کی پالیسی نے بڑا کردار ادا کیا۔ جس نے ہر تخت حاصل کرنے والے کی حوصلہ افزائی کی۔ جس کے نتیجہ میں سازشیں' ہنگامے' قتل و غارت گری ہوئی۔ عوام کا چین و سکون ختم ہو جاتا اور حکومت کا وقار خطرے میں پڑ جاتا اور وہ فوجی قوت جو دشمن کے مقابلہ میں کام آتی' آپس ہی میں ٹکرا کر ختم ہو جاتی تھی اور دشمن کو موقعہ ملتا تھا کہ وہ اپنے قدم آگے بڑھائے اور خود کو مستحکم کرے۔ خیران صقلبی نے بنو امیہ کے دور زوال میں ایک انتخابی ادارہ بنایا تھا جس کے ذریعہ آئندہ خلفاء کو منتخب کیا جانے والا تھا۔ اگر یہ ادارہ مضبوط مستحکم کر دیا جاتا تو بلاشبہ مسلمانوں کو آپس کی خونریزی سے نجات مل جاتی اور دشمن کو پاؤں پھیلانے کا موقعہ نہ ملتا۔

دور دراز کے علاقوں کے نظم و نسق کے لئے نہ تو بنو امیہ کے پاس اور نہ ہی ملوک الطوائف کے پاس کوئی ایسا طریقہ کار تھا کہ جس سے ان علاقوں پر ان کی گرفت مضبوط رہتی۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ دور دراز کے علاقے کسی گورنر کو آزادانہ اور عموماً نسلی طور پر دے دیئے جاتے تھے اور وہ ان کے انتظام کا مالک ہوتا تھا۔ کہنے کو یہ مرکز کے ماتحت ہوتے تھے لیکن موقعہ بہ موقعہ مرکز سے علیحدہ ہو جایا کرتے تھے۔ بجز چند سلاطین کوئی اس قابل نہ ہو سکا کہ تمام صوبوں کو مرکزی حکومت سے قریبی تعلق رکھنے پر مجبور کر سکے۔ کیونکہ نہ تو گورنروں کے اعمال و افعال پر کوئی پابندی عائد کی جاتی تھی اور نہ ہی صوبے' ضلعوں' پرگنوں اور قصبوں میں منقسم کئے جاتے تھے۔ صرف چند صوبے ایسے تھے جو چھوٹے حصوں میں تقسیم تھے۔ جیسے قرطبہ' اشبیلیہ' المرسیہ وغیرہ۔ اس طرح تمام صوبہ کلی طور پر گورنر کی جاگیر ہو جاتا تھا۔ ایسی حالت میں جب تک حکمران فوجی حیثیت سے طاقتور رہتا اور اس کا جاسوسی نظام اس کو پل پل سے آگاہ کرتا رہتا تھا اس وقت تک کوئی گورنر انحراف کی جرات نہ کرتا تھا لیکن جیسے ہی حکمرانوں کی طاقت میں ضعف آیا یہ گورنر آزاد ہو کر ملوک الطوائف بن گئے۔ بعض اوقات مرکزی حکومت کا دیہی علاقوں سے بے تعلق ہونا بھی عوام کے تخریبی رجحانات کو ابھار دیتا تھا۔ بغور مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ زوال بنو امیہ کے بعد کمزور حکمرانوں نے دور دراز کے علاقوں میں کبھی بھی امن و سلامتی کے قیام کی طرف توجہ نہ دی۔ حکومتیں آمدنی جمع کرنے کا کام تو کرتی رہیں لیکن علاقہ کی ضروریات اور تکالیف سے بے بہرہ رہیں۔ اکثر و بیشتر اندرون ملک کے عوام کو اپنے حکمرانوں تک کا

پتہ نہ چلتا تھا۔ وہ اپنے زمیندار، جاگیردار یا زیادہ سے زیادہ گورنر ہی کو اپنا حکمراں سمجھتے تھے۔ چنانچہ عوام اور حکمران کے درمیان بے تعلقی کی خلیج بڑھتی گئی اور ایک دن ایسا آیا کہ عوام کو اپنے حکمرانوں سے کوئی ہمدردی باقی نہ رہی۔ دور ملوک الطوائف میں ہمیں ایک بھی واقعہ ایسا نہیں ملتا ہے کہ کسی بھی علاقے کے عوام نے اپنے ہردلعزیز حکمراں کی حمایت میں ہتھیار اٹھائے ہوں۔ حالانکہ معتمد کے متعلق کہا جاتا ہے کہ عوام اس سے بے انتہا محبت کرتے تھے لیکن کسی عوامی مجاہد کو اس کی خاطر جان دیتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ بنو نصر کے بادشاہوں میں کتنے ہردلعزیز بادشاہوں کے نام لسان الدین ابن الخطیب نے اپنی تاریخ میں گنائے ہیں لیکن ان کے قتل یا ان کی شہادت پر کسی عوامی آواز کے اٹھنے کا پتہ نہیں چلتا۔ اس سے اس بات کا اندازہ تو ضرور ہوتا ہے کہ عوام حکمران کو پسند تو کرتے ہوں گے لیکن ان کی خاطر جانیں دینا انہوں نے نہیں سیکھا تھا۔

ساری حکومتیں خواہ وہ بنوامیہ کی ہوں یا ملوک الطوائف کی، فوجی آمریت کے بل بوتے پر قائم تھیں۔ حکومت کو متوازن رکھنے کے لئے بھی فوج پر انحصار کرتیں۔ کسی نے بھی (سوائے الناصر اور المنصور کے) اس بات کی کوشش نہ کی کہ فوج کو حکومت وسیاست سے علیحدہ رکھ کر عوامی حکومت بنائی جائے۔ جس سے عوام اور خاص طور پر اسپین کے آبائی باشندوں کے دلوں میں حکومت کی قدر و منزلت اور اس کی وفاداری کا رجحان بڑھے۔ لیکن جب ایسا نہ ہوا تو صرف ایک مخصوص طبقہ یا گروہ کے علاوہ عامتہ الناس کو حکومت سے کوئی خاص دلچسپی نہ رہی۔ جس سے باغیان حکومت کو دونوں طرف سے ہمدردی و ہمنوائی حاصل ہو جاتی۔ اسپین کے آبائی باشندوں کو شروع ہی سے حکومت اور اس کے معاملات میں وہ شعبے دیئے جاتے تھے جن سے وہ واقف ہوتے تھے لیکن یہ امر عربوں اور بربروں پر شاق گذرتا تھا اور وہ اس فکر میں رہتے تھے کہ آبائی باشندوں سے ان کا یہ حق بھی جو دانستہ یا نادانستہ ان کو مل گیا ہے چھین لیں۔ چنانچہ اسپینی اور غیر اسپینی کا جھگڑا ہمیشہ زندہ رہا۔ جس پر اکثر خونریزی اور غارت گری بھی ہوتی رہی۔ ابن حفصون، بنو حجاج، ابن مروان اور السید کی بغاوتیں اسی نوعیت کی تھیں۔ ان بغاوتوں اور ہنگاموں سے حکومت کی بنیادیں کھوکھلی ہوتی رہیں۔ زوال بنوامیہ کے بعد ان اسپینیوں نے فائدہ اٹھانے میں ذرا بھی دیر نہ کی جس سے ایک طرف تو مسلمانوں کے اتحاد کو شدید نقصان ہوا اور دوسری طرف شمال کے عیسائیوں کو مسلمانوں کی صفوں سے جاسوس مہیا ہو گئے۔ الغرض نظام حکومت کی کمزوری اور خرابی کے باعث جن برائیوں نے سر ابھارا تھا ان کا تذکرہ کیا گیا جن کو دیکھتے ہوئے تاریخ اسلام کا ایک نیا کلیہ ترتیب دیا جا سکتا ہے۔ خواہ عام تاریخی

کلیات اس کو تسلیم نہ کریں لیکن بہرحال یہ ایک حقیقت ہے۔

"تمام مسلم حکومتوں کو اپنی بقاء کی خاطر ایک ایسا دستوری نظام ترتیب دینا چاہئے جو نہ صرف سیاست کو بلکہ معاشرہ کو متوازن رکھ سکے۔ فوجی طاقت توازن کے طور پر استعمال نہ کی جائے بلکہ عوامی رائے کو آلہ توازن بنایا جائے عوام کے ہر طبقے گروہ اور نسل کو امور حکومت میں رائے دینے کا حق حاصل ہونا چاہئے۔ حکومت کی بقاء کے لئے اور عوام کی خوشحالی کے لئے عوام کو زیادہ سے زیادہ فنی و حربی تعلیم دی جائے۔

اقتصادی اور معاشی ابتری

اس میں کوئی شک نہیں کہ بنو امیہ کے سلاطین کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ ان کی حکومت اور عوام دونوں معاشی ابتری سے دوچار نہ ہونے پائیں اور وہ بڑی حد تک اس میں کامیاب بھی رہے لیکن حاجب المنصور کے لڑکے عبدالملک المظفر کے مرنے کے بعد مسلسل بغاوتوں' آپس کی خانہ جنگیوں اور امراء کی فضول خرچیوں نے حکومت اور ملک کی اقتصادی اور مالی حالت اس قدر خراب کردی کہ کسی فوجی نوعیت کے قلعے کی تعمیر اور درستگی تو علیحدہ رہی خود فوجوں کو تنخواہ دینے کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا۔ چنانچہ حکومت کے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے عوام سے زیادہ سے زیادہ رقم حاصل کرنے کی خواہش روز بروز بڑھتی رہی۔ عوام میں اکثریت کسانوں یا تاجروں کی تھی۔ کسانوں پر جب محصولات کا زیادہ دباؤ پڑا تو وہ اپنی زمینوں کو چھوڑ کر شہروں کی طرف آنے لگے۔ جب شہروں میں ملازمتیں نہ مل سکیں تو قزاقی اور لوٹ مار کا راستہ اختیار کرلیا۔ ملوک الطوائف کے آتے ہی کسٹم کا محصول اور دیگر محصولات کی شرح اور تعداد بڑھتی گئی۔ ملوک الطوائف میں اکثریت ایسے حکمرانوں کی تھی جن کو صرف زیادہ سے زیادہ دولت کے حصول کی تمنا تھی۔ اس کے لئے انہوں نے عوام کو مقصد اور بے مقصد ہر طرح سے محصولات کے شکنجے میں جکڑ دیا۔ محصولات کی بہتات نے ضروریات زندگی کو بہت مہنگا کردیا۔ جس سے عوامی بے چینی میں اضافہ ہوتا گیا۔ عیسائیوں کی تاخت و تاراج نے زمینوں اور مکینوں کو اجاڑ دیا۔ ملوک الطوائف کو ایک تو عیسائی حکمرانوں کو سالانہ خراج ادا کرنے کے لئے اور اپنی دوسری فضول خرچیوں کے لئے زر کثیر کی ضرورت لاحق ہوئی۔ خزانے تو خالی ہو ہی چکے تھے۔ عوام کی کمریں توڑی جانے لگیں جیسا کہ یحییٰ القادر نے اور معتمد نے کیا۔ اس سے ایک طرف تو عوام بدحال ہوگئے اور دوسری طرف ان میں بغاوت کے جراثیم جڑ

پکڑنے لگے۔ یہاں تک کہ یہ باغی عوام عیسائیوں کا آسانی سے آلہ کار بن گئے۔ ملوک الطوائف میں بنو نصر ایسے تھے جنھوں نے عوام پر محصولات کا بار کم کر کے ان کی زندگیوں کو پر امن بنایا لیکن جب عیسائیوں کی باجگذاری ہوئی تو پھر وہی حالات پیدا ہو گئے جو زوال غرناطہ پر ختم ہو گئے تھے۔ جس کے لئے ایک مورخ نے یہاں تک کہہ دیا کہ عوام اپنے نااہل اور ناکارہ حکمرانوں کی بجائے رحم دل اور ہمدرد عیسائیوں کو اپنے اوپر مسلط کر کے خوش ہو رہے تھے۔ ظاہر ہے ان حالات میں تجارتوں کا قائم رہنا کاشت کاری سے زیادہ مشکل تھا۔ راستوں کے غیر محفوظ ہونے کی وجہ سے بیرونی تجارت بند ہو گئی اور اندرون ملک انتشار اور محصولات کی زیادتی اور بڑھتی ہوئی مہنگائی نے داخلی تجارت کے دروازے بند کر دیئے چنانچہ ملوک الطوائف میں سوائے بنو نصر کے دور کے ایک مخصوص حصے میں ہمیں مربوط اور مستحکم تجارت کے آثار نہیں ملتے۔

جغرافیائی اثرات

اسپین ایک بڑا ملک تھا جس میں کثرت سے پہاڑ' دریا اور جنگلات تھے۔ چنانچہ ضروری تھا کہ ذرائع نقل و حمل کا جال پورے ملک میں پھیلا دیا جاتا تاکہ ساری مملکت کو سیاسی اور اقتصادی طور پر متحد رکھنے میں آسانی ہوتی۔ بہت سے حکمرانوں نے ذرائع نقل و حمل کو وسیع کرنے کی پالیسی اختیار بھی کی لیکن عوام کی طرف سے ان کی ہمت افزائی نہ ہو سکی۔ جس کے سبب وہ اپنی تدبیر میں ناکام رہے۔ چنانچہ جغرافیائی حالات کی بناء پر جو سڑکیں اور پل بنائے بھی گئے وہ اس قدر طویل اور کجی والے تھے کہ نہ تو ان پر آسانی اور جلدی سے فوجیں ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچ سکتی تھیں اور نہ ہی تجارتی قافلے گذر سکتے تھے۔ جنگلات کی کثرت نے اسپین میں قزاقی کو پیشہ بنا دیا تھا۔ جس سے راہ کی تکلیفوں میں مزید اضافہ ہو گیا۔ دور طوائف الملوکی میں تو سفر کرنا تقریباً ممکن ہی نہ رہا تھا۔

اسپین کا قریب ترین اور خطرناک پڑوسی فرانس تھا۔ مسلمانوں نے فرانس میں مستقل کوئی علاقہ اپنا نہ رکھا۔ اس کے برعکس فرانس نے اسپین میں اپنا ایک مستقل علاقہ قائم رکھا۔ جس کو اس نے مستحکم کرنے کے لئے اسپین پر بار بار حملے کئے اور باغیوں کو بھی امداد پہنچائی۔ مسلم اسپین کو بچانے کے لئے مسلمانوں کے لئے یہ ضروری تھا کہ فرانس کے اسپینی مقبوضات کو ختم کر کے فرانس میں اپنے مقبوضات قائم کرتے اور ان میں زبردست فوجی مراکز قائم کرتے جو ایک طرف تو فرانس کے حملوں سے مسلم اسپین کو بچاتے اور دوسری طرف شمالی اسپین کی ریاستوں کی ہمت شکنی بھی کرتے۔ لیکن

برخلاف اس کے انہوں نے صرف جنوبی مشرقی اسپین میں ناربون کو اپنا فوجی مرکز بنایا اور وہ بھی صرف دور ولایت میں۔ لیکن اس فوجی مرکز کے استحکام کی حالت یہ تھی کہ جب کبھی فوجوں کی ضرورت پیش آتی۔ ہمیشہ قرطبہ کی طرف نظریں اٹھتیں۔ ظاہر ہے کہ قرطبہ سے فوجی امداد کا جلد سے جلد پہنچنا ممکن نہ تھا۔ ایک طرف تو ذرائع نقل و حمل کی کمی' طویل فاصلہ اور زبردست پہاڑ کوہ البرانس کی رکاوٹیں تھیں۔ دوسری طرف سال کے چھ ماہ یہ پہاڑ برف سے ڈھکا رہتا تھا جس کی وجہ سے تمام راستے مسدود ہوجاتے تھے۔ دراصل یہ مسلمانوں کی اس غلط تدبیر کا نتیجہ تھا جس سے انہوں نے قرطبہ کو اپنا دارالحکومت بنایا تھا۔ جس وقت قرطبہ کا انتخاب ہوا تھا تو اس وقت یہ بات پیش نظر تھی کہ شمالی افریقہ سے قریب تر رکھا جائے تاکہ ضرورت کے وقت امداد کا پہنچنا آسان ہوجائے۔ لیکن جب مستقلاً ایک حکومت کو قائم رکھنا تھا تو اس کے لئے دارالحکومت ایسی جگہ ہونا چاہئے کہ ملک کے گوشے گوشے میں اس سے آسانی کے ساتھ جلد پہنچا جاسکے۔ اس کے لئے اگر طلیطلہ یا مدینہ سالم کا انتخاب کیا جاتا تو یقیناً مسلمانوں اور حکومت دونوں کو کثیر فائدے حاصل ہوتے اور شمال کے عیسائی جنوب کی طرف نہ بڑھنے پاتے۔ بالآخر قرطبہ کا یہ انتخاب خود مسلمانوں کو مہنگا پڑا اور بعد میں ہم نے دیکھا کہ کس طرح طلیطلہ کے عیسائیوں کے قبضہ میں جاتے ہی عیسائیوں نے آسانی سے جنوب کے علاقوں پر قبضہ جمانا شروع کردیا۔

آٹھویں صدی عیسوی میں آب و ہوا اور سیاسی واقتصادی حالات کی بناء پر دریائے ڈورو کی وادی ریگستان بن گئی اور یہ ریگستان جنوب کے مسلمان اور شمال کے عیسائیوں کے درمیان حد فاصل بن گیا۔ دسویں صدی عیسوی میں مسلمانوں نے یہاں بہت سے سرحدی قلعے بنادیئے تھے۔ جو ۱۱ویں صدی عیسوی میں عیسائیوں کے قبضہ میں چلے گئے اور پھر طلیطلہ کے زوال کے بعد تو پورا جنوبی مسلم اسپین عیسائیوں کے نرغہ میں آگیا۔ برٹرا نڈ نے صحیح لکھا ہے کہ "زوال طلیطلہ کے بعد عیسائیوں نے مسلمانوں کو اس طرح استعمال کرنا شروع کردیا جس طرح کہ مسلمانوں نے کبھی عیسائیوں کو استعمال کیا تھا۔" لے

عرب اور بربر گرم ملکوں کے رہنے والے تھے اور جس حالت میں اسپین آئے تھے وہ خانہ بدوشی سے مختلف نہ تھی۔ جہاں کہیں بدویانہ زندگی کے حامل عربوں نے شہری طریقہ زندگی اختیار کیا ان کی آبائی خصوصیات ان سے جاتی رہیں۔ بربروں نے کیونکہ اپنے تعلقات ہمیشہ اپنے آبائی وطن شمالی

لے The History of Spain - P.148

افریقہ سے قائم رکھے تھے اس لئے وہ پلٹ کر جہاں سے آئے تھے وہاں چلے گئے۔ عربوں نے مشرق سے اپنے آپ کو علیحدہ کرلیا تھا اور شہری خصوصیات کی بنا پر دولت اور جاہ و حشمت کی طلب میں مشرق سے دور ہوگئے۔ اس لئے ان کے دوبارہ واپس ہونے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ ایک تو وہ امیر کبیر جاگیردار اور صاحب مال و دولت بن چکے تھے جس کی محبت ان کے پیروں کی زنجیر تھی۔ دوسری طرف عیاشی، فضولیات کی دلدل، رقص و موسیقی کا شوق، دین و مذہب سے بیگانگی، کاہل الوجودی اور شمشیر و سنان سے بیزاری ان کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی۔ مزید برآں اسپین کے بحر روم کی آب و ہوا نے ان کو آرام طلب اور بزدل بنادیا تھا۔ عیسائی اس کے برخلاف زیادہ تر پہاڑی باشندے تھے جو قدرتی طور پر جفاکش اور محنتی ہوتے تھے۔ اور ان کو اپنی روزی فراہم کرنے کے لئے سخت جدوجہد کرنا ہوتی تھی۔ ظاہر ہے کہ جب ان میں اتحاد ہوگیا تو پھر مسلمان ان کا مقابلہ کیا کرتے؟ چنانچہ اکثر ملوک الطوائف عیسائیوں کی دوستی کے متلاشی رہتے تھے۔ اور بڑے بڑے خراج ادا کرکے اپنی حفاظت کا سامان مہیا کرتے تھے۔ عیسائیوں کی جدوجہد کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ مرابطین، مواحدین اور بنو مرئین کے ہاتھوں بری طرح پامال ہونے کے باوجود انھوں نے اپنی منتشر قوت کو جلد ہی بحال کرلیا۔ علامہ مقری اور ابن خلکان دونوں نے اس بات کو قبول کیا ہے کہ اسپین کی آب و ہوا نے مسلمانوں کو سست، کاہل، عیاش اور بزدل بنادیا تھا اور وہ مذہب سے بیگانہ ہوکر شعر و شاعری رقص و سرود اور فلسفہ کی تعلیم میں اپنا وقت گذارنا بہت پسند کرتے تھے۔ وہ عیسائی عورتوں کو اپنا حرم بنانا فخر سمجھتے تھے جو ان کی بزدلی اور کاہلی میں اضافہ کردیتی تھیں ایسی حالت میں چست و چالاک اور تیز و طرار عیسائیوں سے مقابلہ کرنا ان کے بس کی بات نہ تھی جس کی وجہ سے مسلمانوں کو خارجی امداد حاصل کرنا پڑی جو خود مسلمانوں کے لئے نقصان دہ ثابت ہوئی۔

بہ اعتبار جغرافیہ اسپین سیاسی نوعیت سے بھی دو حصوں میں منقسم ہوگیا تھا۔ شمال کا پہاڑی علاقہ عیسائیوں کا مسکن تھا اور جنوب کا میدانی اور دریائی علاقہ مسلمانوں کے پاس تھا۔ جس طرح شمالی عیسائی ریاستوں نے مسلمانوں کو اپنے یہاں نہ رہنے دیا تھا اسی طرح جنوب کے مسلمانوں کو چاہئے تھا کہ وہ اپنے علاقے کو عیسائیوں سے پاک کرالیتے۔ جنوب کے عیسائیوں کا مسلمانوں کی تباہی میں بڑا ہاتھ تھا وہ اپنے تعلقات شمال کے عیسائیوں سے ہمیشہ قائم رکھتے تھے۔ مسلمانوں کی رواداری اور تبلیغ اسلام کی منظم کوششوں کے نہ ہونے کی وجہ سے عیسائیوں نے خوب فائدہ اٹھایا۔ کیونکہ عیسائی گرجا دوبارہ اپنا اقتدار بحال کرنا چاہتا تھا۔ جس کا ثبوت عبدالرحمٰن دوم کے زمانہ کی جنونی تحریک اور بعد کی

بغاوتوں سے ملتا ہے۔ وہ ان نو مسلموں کو بھی بھڑکاتے رہتے تھے۔ جو کسی نہ کسی وجہ سے اسلام لے آئے تھے۔ اکثر بغاوتوں کا اگر غور سے مطالعہ کیا جائے تو سرچشمہ طلیطلہ یا ارغون کا علاقہ تھا جہاں عیسائی کثرت سے آباد تھے لیکن پھر بھی جب تک قرطبہ پر طاقتور حکمراں حکمرانی کرتے رہے عیسائیوں کی امیدیں پوری نہ ہو سکیں۔ لیکن جیسے ہی ملوک الطوائف کا دور دورہ ہوا تو ان عیسائیوں نے شمال کے عیسائیوں کو مسلم شہروں کی راہ دکھائی۔ الغرض مسلمانوں کی طرف سے یہ ایک فاش سیاسی غلطی تھی کہ شمال کی عیسائیوں ریاستوں کی موجودگی میں اپنے ملک کے عیسائیوں کو کھلی چھوٹ دی۔ یہ غلطی آج تک مسلم حکومتوں میں بڑے فخر کے ساتھ دہرائی جا رہی ہے جو بالآخر تباہی کا پیش خیمہ بنتی ہے۔

لیکن ان سب تباہی کے اسباب کے باوجود بھی اصلی سبب مسلمانوں میں اتحاد کا فقدان ہی ثابت ہوا۔ ان کی آپس کی قبائلی، نسلی، شہری اور طبقہ واری تقسیم نے نہ صرف ان کو کمزور اور بزدل بنادیا بلکہ ان کے دشمنوں کو تقویت پہنچائی۔ ان کا معاشرہ کشمکش اور انتشار کی نذر ہو گیا۔ اسلام کے نام پر حاصل کیا جانے والا ملک غیر اسلامی روایات کی بھینٹ چڑھ گیا۔ اس نااتفاقی کی سزا ان کو اس صورت میں ملی کہ حکومت اور بالادستی ان کے ہاتھوں سے جاتی رہی لیکن پھر بھی وہ اس ملک میں آباد رہے اور شہری حقوق بھی ان کو حاصل رہے۔ کیا تھا اگر حکومت پر عیسائیوں کا قبضہ تھا؟ حکومت یا حکمراں بدلنے کے معنی یہ تو کبھی نہیں ہوتے کہ برسہا برس سے آباد شہریوں کو صرف مذہب کی تفریق کی بناء پر جلا وطن کردیا جائے۔ لیکن عیسائی حکمران اور کلیسا دونوں اس بات کو خوب سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کے ساتھ رواداری اور انصاف ان پر کیا مصیبت لا سکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی بقاء اسی میں سمجھی کہ مسلمانوں سے کسی نہ کسی طور پر چھٹکارا حاصل کیا جائے۔ کہنے کو یہ کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے عیسائیت قبول کرنے سے انکار کردیا تھا اس لئے مسلمانوں کو ملک بدر کردیا گیا۔ لیکن حقیقت میں صلیبی جنگوں کے بعد جو تجربات عیسائی قوموں کو حاصل ہوئے تھے ان سے ان کو یہی سبق حاصل کرنا تھا کہ سرزمین یورپ پر ایک بھی مسلمان باقی نہ رکھا جائے۔

اسپین میں مسلمانوں کی تباہی تمام دنیا کے مسلمانوں کے لئے ایک نہ بھولنے والا سبق تھا جس کا نتیجہ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہی نکل سکتا ہے کہ صرف اسلام وہ زندہ جاوید طاقت ہے جو مسلمانوں کو آپس میں متحد رکھ سکتی ہے۔ جہاں تک مذہب کی تاریخ کے مطالعہ کا تعلق ہے تو یہ بات صاف

طور سامنے آجاتی ہے کہ جن افراد' ممالک یا اقوام نے مذہب کو ذریعہ اتحاد بنایا وہ اس وقت تک زوال پذیر نہ ہوئیں جب تک کہ مذہب ان کے درمیان سے نہ ہٹایا گیا۔ تاریخ اسلام کا یہ کلیہ آج کی موجودہ مسلم حکومتوں کے لئے باعث تقلید ہے۔ اگر اس کی تقلید نہ کی گئی تو کوئی شبہ نہیں کہ اسپین کے عبرتناک واقعات دوبارہ' سہ بارہ اور ہزاروں بار دہرائے جاتے رہیں گے۔

باب ۳۳

اسپین کے مسلمانوں کا علمی اور ثقافتی ورثہ

علمی اور ثقافتی شغف

اسپین کے مسلمانوں کو علم و ثقافت سے جس قدر شغف رہا اس کی مثال بمشکل ملتی ہے۔ حالانکہ عرب و بربر بدوی خصوصیات کے حامل تھے لیکن جلد ہی انہوں نے شہری زندگی کے طور طریق اختیار کرلئے اور وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جو یورپ کی تاریخ میں مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ رعایا حکمران کے نقش قدم پر چلتی ہے۔ اسپین کے مسلم سلاطین نے تہذیب و ثقافت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا اس لئے رعایا نے ان کے طور طریق اپنائے۔ ان حکمرانوں نے ایک طرف تو قبائلی عصبیت کے جال کو توڑا اور دوسری طرف مذہبی عصبیت سے اپنے آپ کو آزاد کرلیا۔ بنو امیہ کے حکمرانوں کے دماغوں میں عالم اسلام سے علیحدگی کا رجحان راسخ ہو چکا تھا اور انہوں نے یہ طے کرلیا تھا کہ وہ اپنی تاریخ مسلمانوں کی تاریخ سے جدا ہی بنا کر رہیں گے۔ چنانچہ ایک طرف تو انہوں نے سیاست اور حکومت کو ہر قسم کی پابندیوں سے آزاد کرکے ایک نئے طرز حکومت کی بنیاد ڈالی جو اس وقت عالم اسلام میں ناپید تھی تو دوسری طرف تہذیب و ثقافت میں وہ موشگافیاں کیں جو بنو عباس کے یہاں بھی نہیں ملتی تھیں۔ کیونکہ علمی و ادبی لحاظ سے عالم اسلام اس وقت عروج پر تھا اور بنو عباس تہذیب و ثقافت کے سربراہ بنے ہوئے تھے۔ اس لئے اسپین کے حکمرانوں کے دلوں میں بھی قدرتی طور پر ان کے مدمقابل آنے یا ان سے آگے بڑھ جانے کا خیال پیدا ہونا ضروری تھا۔ پھر یہ کہ بنو امیہ کے حکمران بذات خود بھی تہذیب و ثقافت سے آراستہ تھے اس لئے وہ ثقافت اور تہذیب کے ارتقاء میں بڑی جدوجہد کرتے تھے۔ عبدالرحمٰن الداخل زبردست عالم، علم دوست، نجومی اور بلند پایہ شاعر تھا۔ ہشام اول اور حکم اول اپنے دور کے زبردست عالم اور نقاد تھے اور بڑے بڑے علماء ان کے آگے سر نہ اٹھاتے تھے۔ عبدالرحمٰن الاوسط علوم فقہ و فلسفہ کی قابلیت اور علم کی قدردانی کی وجہ سے بغداد کے خلیفہ المامون عباسی کا ہم پلہ سمجھا جاتا تھا۔ الحکم ثانی کی فضیلت اور اکتساب علمی اپنے زمانہ کی

ایک نادر مثال تھی ان کی علم دوستی اور علم پروری کی مثالیں ان کے ذکر میں آچکی ہیں۔ عبدالرحمٰن الناصر اور حاجب المنصور کی علم دوستی اور علم پروری قومی یکجہتی کی علمبردار تھی اور ان کے ذوق علمی نے اکتساب علم کے ذرائع کو طبقہ واریت سے بے نیاز کر دیا تھا۔ امیر عبداللہ کی علمی قابلیت کا شاہکار وہ مرثیہ ہے جو اس نے اپنے خاندان کے مصائب پر لکھا تھا۔ یہاں تک کہ بنو امیہ کے دور انحطاط کے سلیمان المستعین نے اپنے علم کی بدولت وہ واشگاف ہجو لکھی تھی جس سے اس کا خوف لوگوں کے دلوں پر بیٹھ گیا تھا۔ الغرض بنو امیہ کے حکمرانوں نے علم اور ثقافت میں نہ صرف یہ کہ اپنے ذوق و شوق کی پرورش کی بلکہ صحیح معنوں میں عوام الناس کو ثقافت و تہذیب سے روشناس کرا کر ان کے جذبہ علمی و ادبی کو بھی بیدار کیا۔ جس کے باعث اسپین کو یورپ کی تہذیب میں منبع و سرچشمہ کی حیثیت حاصل ہو گئی۔

اصولی طور پر ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ بنو امیہ کے زوال اور طوائف الملوکی کے عروج کے ساتھ ساتھ بنو امیہ کے علمی و ادبی سرمایہ کا بھی خاتمہ ہو جاتا۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کے عوام نے گو خانہ جنگی اور جنگ و جدل سے کبھی نجات نہ پائی لیکن پھر بھی تہذیبی و ثقافتی اقدار کو ہاتھ سے نہ جانے دیا اور اس میدان میں مسلمانوں کو جو شہرت حاصل ہو چکی تھی اس کو ہر قیمت پر برقرار رکھا۔ عوام پر منحصر نہ تھا۔ ملوک الطوائف میں سے تقریباً ہر ایک نے علماء کی قدر دانی اور علوم و سائنس کی ترویج و اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ انہوں نے اساتذہ کو علمی تجربات کے لئے ہر طرح کی سہولتیں بہم پہنچائیں۔ چنانچہ سیاسی اعزازات، تنخواہیں اور وظائف دور دراز سے علماء کو کھینچ لاتے تھے۔ ان تمام معاملات میں بلاشک و شبہ ملوک الطوائف نے اپنے اسلاف کی روایات کو قائم رکھا۔ المقتدر، شاہ سرقسطہ اپنے علم و فضل کی وجہ سے بہت مشہور تھا۔ اور علوم فلسفہ، ہندسہ اور ہیئت میں اس کا شمار اس دور کے نامور علماء میں ہوتا تھا۔ المظفر شاہ بطلیوس ایک انسائیکلوپیڈیا کا مصنف تھا۔ المریہ، بلنسیہ اور اشبیلیہ کے حکمران بھی اپنے علم و فضل اور علم کی قدر دانی میں کچھ کم درجہ نہ رکھتے تھے۔ خصوصاً المعتمد اپنے اشعار کی خوبی اور لطافت کی وجہ سے بہت مشہور تھا۔ مواحدین گو مذہبی جنون کی پیداوار تھے اور شرع اسلامی کے خلاف کچھ بھی گوارہ نہ کرتے تھے۔ ان کے بادشاہ عبدالمومن نے ابن طفیل، ابن زہر اور ابن رشد جیسے فلاسفہ کی سرپرستی کی تھی۔ غرناطہ کے خاندان بنو نصر کی علوم و فنون کی قابلیت اور وہاں کے عوام اور امراء کا علم و فضل ۱۳ویں اور ۱۴ ویں صدی عیسوی کی تاریخ کا ایک دلکش باب ہے۔ الغرض ملوک الطوائف نے بھی مسلم تہذیب و

ثقافت یا مسلم اسپینی تہذیب کی پرورش میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ان چھوٹی چھوٹی ریاستوں نے مسلم اسپینی تہذیب و ثقافت کی اس قدر آبیاری کی کہ وہ ایک شجر عظیم بن کر پورے یورپ پر چھا گیا۔ جہاں انہوں نے مسلمانوں کے سیاسی وقار و عظمت کو ختم کیا وہاں مسلم تہذیب کو یورپ کی نشاۃ الثانیہ کا منبع بنا دیا۔ عظمت رفتہ کے ان تہذیبی و ثقافتی کارناموں کی تفصیل کے لئے ان کو مختلف شعبوں میں تقسیم کردیا گیا ہے۔ تاکہ جائزہ لینے میں آسانی ہو۔

(ا) شعبۂ علم وادب

اس شعبہ میں مندرجہ ذیل علوم کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ (ا) علوم فقہ و اسلامیات (۲) علم اللّسان (۳) شعروادب (۴) علم تاریخ و جغرافیہ (۵) علوم فلسفہ۔

فقہ و اسلامیات

عام طور پر فقہ و اسلامیات کی ترقی و ترویج میں امراء' خلفاء اور سلاطین نے کوئی خاص حصہ نہیں لیا لیکن چونکہ وہ سب کے سب علم پروری کے ذوق سے آشنا تھے اور علماء کی قدردانی کو عزت اور فضیلت کا باعث سمجھتے تھے اس لئے عالم اسلام کے علماء کا اجتماع اسپین میں ہوگیا تھا۔

حکومت کی طرف سے ان علماء اور ان کے متعلقہ مدارس کے لئے بڑے بڑے اوقاف مقرر کردیئے گئے تھے۔ اس لئے علماء و فقہاء کو اطمینان و سکون کے ساتھ اپنے علمی جوہر دکھانے کا موقعہ ملا۔ بہت سے علماء و فقہاء نے اپنے آپ کو مدارس سے متعلق کرکے درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ ایک بڑی تعداد نے تصنیف و تالیف کو اختیار کیا۔ حکومت اور عوام دونوں مذہب اسلام سے تعلق رکھنے کی بنا پر مذہبی تصانیف کی قدرو منزلت بھی کرتے تھے۔ مذہب کے متعلق تصنیف و تالیف کا کام انفرادی نوعیت کا ہوتا تھا۔ اس بات کا کوئی واضح ثبوت نہیں ملتا کہ بجز ہشام اول کے کسی اور امیر و خلیفہ نے اس قسم کی تصانیف کے لئے کوئی شعبہ قائم کیا ہو اور حکومت نے ان کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کی ہو۔ بلکہ حکم اول کے زمانہ میں قرطبہ کی بغاوت کے بعد سے امراء' خلفاء اپنے آپ کو علماء و فقہاء سے دور ہی رکھتے تھے اور بڑی حد تک ان کے اثرات کو زائل کرنے میں لگے رہتے تھے لیکن پھر بھی انفرادی طور اس قدر کام ہوا کہ اگر وہ زمانہ کی دست و برد سے محفوظ رہ جاتا تو یقیناً عالم اسلام کا سب سے بڑا سرمایہ ہوتا۔ متعلقات قرآن میں بہترین تفسیر ابو محمد مکی بن ابو طالب قرطبی کی

کتاب البدایہ الیٰ بلوغ النہایہ، تقریباً دس جلدوں میں تھی۔ ابن غالب نے اپنی کتاب "فرحت الانفس" میں اسی عالم کی تصانیف کی تعداد ۷۷ بتائی ہے۔ محمد بن عطیہ غرناطی کی ایک تفسیر قرآن مجید بہت مشہور تھی۔ یہ چھٹی صدی ہجری کے فضلاء میں سے تھے۔ فن قرآت میں ابو محمد مکی کی ایک کتاب تبصرہ مشہور تھی۔ ابو محمد عبدالحق اشبیلی نے مشہور زمانہ کتاب الاحکام تصنیف کی۔ جس میں چھوٹے اور بڑے سب احکامات جمع کئے گئے تھے۔ اسپین میں مالکی فقہ نے شروع سے عروج حاصل کرلیا تھا۔ اسی لئے مذاہب اربعہ میں سب سے زیادہ اسی فقہ پر تصانیف ہوئیں۔ اسی فقہ پر انتہائی مستند کتاب التہذیب مصنفہ برازعی سر قسطی کی تھی۔ ابوالولید بن رشد کی کتاب النہایہ بھی مالکیوں میں مستند اور ثقہ سمجھی جاتی تھی۔ اسی مصنف نے اصول فقہ میں مختصرا لمستفصنی نامی کتاب بھی تحریر کی۔ اصول دین اور اصول فقہ میں اسپینیوں کے امام ابوبکر بن العربی اشبیلی نے کتاب العواصم و القواصم تحریر کی۔ عیسیٰ بن دینار نے ایک کتاب ہدایہ لکھی جو اپنے موضوع پر بہترین اور جامع کتاب تھی جو مالکی مذہب پر مستند سمجھی جاتی ہے۔ مالکی مذہب پر جو کتابیں تحریر ہوئیں ان میں مشہور زمانہ کتاب مالک بن علی کی ہے کیونکہ انہوں نے امام مالک سے استفادہ کیا تھا۔ ابو اسحٰق ابراہیم مرئی نے موطا کی شرح اور اس کی تفصیل میں دیگر کتابیں بھی لکھی تھیں۔ ابو عبدالرحمٰن بقی بن مخلد نے قرآن مجید کی ایسی تفسیر لکھی جو کسی بھی صورت میں تفسیر طبری اور ابن کثیر سے کم درجہ نہیں رکھتی تھی۔ ان کی ثقات اور تقویٰ کا یہ ثبوت ہے کہ وہ ۲۸۴ علماء کے شاگرد تھے اور ان کے اساتذہ ضعیف راویوں میں سے نہ تھے۔ ابن امیہ الحجازی نے کتاب احکام القرآن تحریر کی جو شافعی اور مالکی مذہب کے متعلق تھی۔ قاضی منذر بن سعید نے احکام القرآن پر ایک کتاب لکھی کیونکہ قاضی منذر داؤدی مذہب رکھتے تھے اس لئے اس کی بڑی حمایت کرتے تھے۔ علم حدیث میں بھی بڑا کام ہوا اور ابو محمد قاسم بن اصبغ اور محمد بن عبدالملک نے اس میں قابل قدر اضافہ کیا۔ قاسم بن اصبغ کی اور بھی تالیفات ہیں جن میں ایک کتاب احکام القرآن بخاری کی ترتیب ابواب کے مطابق ہے۔ بلحاظ جمع حدیث شریف نفیس اور مستند کتاب جو قاسم نے تحریر کی وہ کتاب المجتبیٰ علیٰ ابواب کتاب ابن ابی جارود المنتقی ہے جو بہترین تسلیم کی گئی تھی۔ ابو عمر ابو یوسف بن عبدالبر کی کتاب التمہید فقہ و حدیث پر معتبر سمجھی جاتی تھی۔ اسی مصنف کی ایک کتاب کافی ہے جو فقہ مالکی پر مشتمل تھی اور پندرہ کتابوں کا اختصار سمجھی جاتی تھی۔ قاضی محمد بن یحییٰ بن مفرح نے بہت کی کتابیں تحریر کیں جن میں

حسن بصریؒ کی فقہ اور امام زہری کی فقہ کو جمع کیا گیا تھا۔ ابو عبداللہ نے فقہ پر ایک کتاب وا نوہ لکھی جس کی فضیلت پر تمام مالکی متفق ہیں۔ متذکرہ بالا تصانیف کے علاوہ بھی اس قدر کام قرآن و حدیث و احکامات اسلامیہ پر ہوا کہ جس کی مثال بنو عباس کے دور میں بھی نہیں ملتی لیکن یہ تصانیف مشرق میں عام نہ ہو سکیں صرف اسپین میں ہی رہیں جس کی وجہ سے وقت کے ہاتھوں برباد ہو گئیں۔ بہت کم ایسی تھی جو شمالی افریقہ میں پہنچ کر محفوظ رہیں۔ دور ملوک الطوائف میں اس سلسلہ میں گو عوامی کوششیں جاری رہیں لیکن کیونکہ اس دور میں علوم عقلیہ اور فلسفہ کی طرف رجحان بڑھ چکا تھا اس لئے کسی اعلیٰ معیار کی مذہبی تصنیف کا پتہ نہیں چلتا لیکن پھر بھی ابن الخطیب نے بہت سے علماء و فقہاء کا تذکرہ کیا ہے جنھوں نے انفرادی طور پر اس شعبہ میں کافی تصانیف جمع کیں جن میں خود ابن الخطیب اور ابن حزم بھی شامل ہیں۔

فن قرات میں بھی اندلس کافی ترقی پر تھا۔ دانیہ کا حاکم مجاہد جو بنو عامر کا مولیٰ تھا اس علم کا زبردست عالم اور مربی تھا کیونکہ حاجب المنصور نے اس کو بہت ذوق و شوق سے اس علم کی تعلیم دلوائی تھی۔ اس لیے اس کے زمانہ میں اس علاقہ میں قرات کا بڑا زور ہو گیا تھا۔ ابو عمرو الدانی اس کے دور کا بہترین ماہر قرات اور یکتائے روزگار تھا۔ اور اس نے اس علم پر کئی کتابیں تحریر کیں۔ ان کے بعد ابوالقاسم شاطبی نے اس فن میں عروج حاصل کیا۔ اور ابو عمرو کی کتابوں کا نظم میں خلاصہ کیا۔ اسی فن کے ساتھ ہی فن رسم الخط بھی شامل کر لیا گیا تھا جس میں قرآن پاک کے حروف کے رسم الخط سے بحث کی جاتی تھی۔ ابو عمرو الدانی نے اس فن پر بھی قلم اٹھایا اور مصنع نامی ایک کتاب لکھی جس کو قبولیت عامہ حاصل ہوئی۔ ابوالقاسم شاطبی نے اس کتاب کے مطالب کو ایک قصیدے کی شکل میں نظم کیا۔ ابو داؤد سلیمان بن نجاح جو ابو عمرو کا شاگرد اور مجاہد کے غلاموں میں سے تھا اس نے بھی اس فن پر کئی کتابیں لکھیں۔

لسانیات

فن لغت میں اسماعیل بن القاسم کی کتاب الف مقصورہ و ممدودہ و مہموزہ میں بے مثال تھی۔ ابن القوطیہ نے کتاب الافعال لکھی۔ ابو تمام بن غالب نے فن لغت میں مختصر اور مستند ترین کتاب تحریر کی۔ احمد بن آبان بن سعید نے فن لغت میں کتاب العالم فی لغت تحریر کی جو ایک سو جلدوں میں تھی۔ جس میں تمام اجناس کو لیا گیا تھا اور آسمان سے شروع ہو کر ذرہ پر ختم کیا گیا تھا۔ ابو علی اسماعیل بن

القاسم نے مثل فرہنگ کے کتاب النوادر تحریر کی تھی۔ ابو العباس کی کتاب الکامل میں نحو اور دیگر علوم کی اس قدر خوبیاں تھیں جس قدر کہ ابو علی کی امالی میں۔ لغت شعر کا اس میں بڑا ذخیرہ تھا۔ فن نحو میں کسائی کی کتاب کی شرح حوفی نے کی۔ اس فن میں ابن سید کی کتاب عالم وا لمتعلم اور اخفش کی کتاب کی شرح بھی قابل ذکر ہے۔

ابو عبداللہ الشقوری نے فن ادب میں ایک کتاب سراج الادب لکھی جو ابو علی کی کتاب النوادر اور زہر الادب حضرمی کے رنگ میں لکھی گئی تھی۔ کتاب واجب الادب موسیٰ بن محمد بن سعید کی تحریر تھی اور کتاب الامالی عبید البکری کی جو کتاب الامالی علی بغدادی کے رنگ میں لکھی گئی تھی ادب میں نہایت مستند سمجھی جاتی تھی۔ شرح سقط الزند اعلیٰ پایہ کی کتاب تھی اور ادیبوں کے نزدیک معتبر سمجھی جاتی تھی۔ ابو الحجاج نے متبنی اور حماسہ کی شرح لکھی۔ الغرض اہل اسپین نے علم نحو پر اس قدر شرحیں لکھیں کہ جن کا تذکرہ بذات خود ایک کتاب ہو جائے گا۔ ان میں سے چند مشہور شرحیں حسب ذیل ہیں۔

شرح رندی، ابو الحسن اشبیلی کی شرح، ابو علی الشلوبینی کی کتاب القوطیہ علی الجزولیہ، ابن سید، ابن الطراوہ اور سہیلی کی تقیدات فی النحو سیبویہ کی مشہور کتاب پر ابو الحسن بن خروف کی مشہور شرح۔ "علم لغت میں بھی اہل اسپین کسی سے پیچھے نہ رہے۔ ابو بکر زبیدی نے ہشام المؤید کے لئے الفراہیدی کی مشہور لغت کا خلاصہ کیا جو آسانی کے ساتھ یاد کیا جاتا تھا۔ ابن سید نے علی بن مجاہد کے دور حکومت میں کتاب المحکم لکھی جس کو قبولیت عامہ حاصل ہوئی۔[1]"

اہل مغرب علم بیان میں سے علم بدیع میں خصوصی مہارت رکھتے ہیں اور اس کو علوم شعر و ادب میں شمار کرتے ہیں۔ وجہ اس کی یہی معلوم ہوتی ہے کہ مغاربہ محاسن کلام سے خصوصی ربط و تعلق رکھتے ہیں تو لامحالہ علم کو خاص طور پر نوازا جاتا ہے اور کچھ اس لئے کہ علم بدیع سہل الحصول علم ہے۔ بخلاف بلاغت و بیان کے وہ گہری نظر و فکر اور گہرا مطالعہ چاہتے ہیں اس لئے مغاربہ ان علوم سے کنارہ کش رہے۔[2]"

---

[1] مقدمہ ابن خلدون "علم لغت" [2] ایضاً "علم بیان"

ابن خلدون کے نزدیک علم الادب کے ذریعہ انسان عربی نظم و نثر پر پوری قادر الکلامی حاصل کرتا ہے۔ پرانے دور کے ادیبوں کی تعریف اس طرح کی ہے کہ ادب نام ہے۔ اشعار و اخبار عرب یاد کر لینے اور ہر علم سے ضروری معلومات بہم پہنچانے کا۔ البتہ بعد میں آنے والے ادیب اصطلاحات صنائع و بدائع سے سند یاد کرنے کو بھی ادب کی تعریف میں داخل کرتے ہیں۔ ابن خلدون کا کہنا ہے کہ ہم نے اپنے اساتذہ سے مجالس علمیہ میں ادب کی بلند پایہ چار کتب کی تعریف سنی ہے جن کا شمار ارکان اصول ادب میں ہے۔ ایک ابن قتیبہ کی الادب الکاتب دوسری مبرد کی الکامل۔ تیسری جاحظ کی کتاب البیان اور چوتھی ابو علی اسماعیل بغدادی کی کتاب النوادر۔ ان میں مبرد اور ابو علی القالی اسپین میں گزرے ہیں۔" جہاں تک علم الادب اور اس کی دیگر شاخوں کا تعلق ہے۔ اہل اسپین کسی بھی طرح بغداد سے پیچھے نہ رہے۔ اس میں پہلا نام ابو علی القالی بغدادی کا آتا ہے۔ جس نے کتاب الامالی تحریر کی وہ جامعہ قرطبہ میں درس و تدریس پر متعین تھا۔ اس کے شاگردوں میں مشہور محمد بن الحسن زبیدی کا نام ماہرین ادب و لسانیات میں سر فہرست ہے۔ جس نے اپنے زمانہ تک کے ادیبوں کی فہرست اور عربی زبان کی پوری کیفیت بیان کی ہے[1] علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی مشہور کتاب مظہرین میں اس کی کتاب کے بڑی تعداد میں حوالے دیئے ہیں۔ اس جگہ پر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہ اسپین ہی تھا جہاں عبرانی صرف و نحو کی پرورش ہوئی اور عربی طرز کی نحو پر عبرانی قواعد کو ترتیب دیا گیا۔ ابو زکریا یحییٰ بن داؤد قرطبی عبرانی قواعد کے علم کا باوا آدم کہلاتا ہے جو ۱۱ویں صدی عیسوی کے شروع میں فوت ہوا۔

ادب کا مشہور نامور مصنف ابن عبد ربہ قرطبی تھا جو عبد الرحمٰن الناصر کے دور میں گذرا ہے اس نے اپنی کتاب العقد الفرید عربی کی ادبی تاریخ پر تحریر کی جو الاغانی کے بعد بے مثل سمجھی جاتی ہے۔ اس کے بعد اسپین کا سب سے زیادہ مشہور مصنف اور مفکر ابن حزم تھا۔ جو اسلام کے گنے چنے مصنفوں کی فہرست میں آتا ہے۔ یہ عبد الرحمٰن المستظہر اور ہشام المعتمد کا درباری اور وزیر تھا۔ ابن خلکان[2] اور القفطی[3] نے لکھا ہے کہ ابن حزم نے شاعری، فقہ، حدیث، تاریخ، منطق اور ادب پر چار سو سے زیادہ کتابیں لکھی تھیں۔ اس کی مشہور کتاب الفصل فی الملل والاہواء والنحل ہے۔ جس نے اس کو دیگر مذاہب کی تاریخ میں بام عروج تک پہنچا دیا تھا۔

---

[1] The History of The Arabs - Hitti - P.557-8 [2] جلد ۲ صفحہ ۲۲ [3] صفحہ ۳۳

شعر و ادب

اسپین کے پورے مسلم دور میں ایک شاعر کے جوہر کی بے انتہا قدر کی جاتی تھی۔ یہ قول صحیح معلوم ہوتا ہے کہ "شاعری مسلمانان اسپین کا ایک ایسا مرکز تھا جس کے گرد ان کی حیات عقلی و ذہنی چکر لگاتی رہتی تھی۔" رجز و ہجو کی بڑی قدر تھی۔ الحکم ثانی کے کتب خانہ کی فہرست کتب میں صرف نظم کی کتابوں کی فہرست کئی جلدوں میں تھی۔ اہل اسپین بڑے اور چھوٹے دونوں کاموں میں شعر کو ذریعہ بناتے تھے۔ عالی خاندان ہونے کا یہ ثبوت تھا کہ اس کی معمولی خط و کتابت کی عبارت بھی مسجع و مقفی ہوتی تھی۔ اسپین کی عربی تاریخیں نظموں سے لبریز ہیں۔ سائنس اور نظریاتی مضامین کی کتابوں کو آسان اور دلچسپ بنانے کے لئے نظموں کو ذریعہ بنایا جاتا تھا۔ اہل سیاست اپنی سیاسی تحریروں میں کسی چھوٹی بڑی نظم کو جو برمحل ہوتی تھی ضرور شامل کرتے تھے۔ محمد خامس شاہ غرناطہ نے علامہ ابن خلدون کو پروانہ راہداری نظم میں لکھ کر دیا تھا۔ گو عشقیہ شاعری کا زبردست رجحان تھا لیکن عورت کی عظمت کے تصور نے تہذیب و اخلاق کو ہاتھ سے نہ جانے دیا تھا اور مبالغہ آمیزی اور بے ہودہ گوئی مفقود تھی۔ خلافت کے آخری دور میں عورتوں کے کمال اور جمال کی تعریفیں ادب کے ساتھ کی جانے لگی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ عورتیں بھی اس میں مردوں سے پیچھے نہ تھیں۔ خلفاء اور ان کے درباریوں کی عورتیں علم و ادب کی ترقی میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش میں لگی رہتی تھیں۔ شہزادہ احمد کی لڑکی عائشہ کو جہاں نظم میں کمال حاصل تھا وہاں وہ فصیح و بلیغ خطیبہ بھی تھی اور ایک بڑے کتب خانہ کی مالک بھی۔ خاندان مواحدین کی شہزادی ولیدہ جو جامع حسن کمالات تھی شاعری اور بلاغت میں اپنا ثانی نہ رکھتی تھی اور بڑے سے بڑا شاعر اور خطیب اس کے سامنے نہ ٹھہرتا تھا۔ اشبیلیہ کی دو خواتین غصنیہ اور صفنیہ شاعری اور خطابت میں اپنی مثال آپ تھیں۔ مریم بنت یعقوب کی ادبی قابلیت پورے جزیرے نما میں مقبول تھی۔ اس کی لطیف ہجویات اور استہزائی انداز اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ قرطبہ کی رہنے والی لبانہ علم ہندسہ کی بڑی ماہر تھی۔ اس کو تمام فنون ادبیہ پر پورا پورا عبور حاصل تھا۔ اس لئے خلیفہ الحکم ثانی نے اس کو اپنا خاص سیکریٹری مقرر کیا تھا۔ الغرض موروثی شاعری کا ملکہ اچھی تعلیم کی طرف رجحان علمی مجالس شعراء کے کمال کی قدر افزائی عربی زبان کے ردیف و قافیہ کے ردو بدل کی غیر معمولی قابلیت۔ مبالغہ و کنایہ کے استعمال کی قومی خصوصیت۔ یہ تمام باتیں ایسی تھیں جنہوں نے مل کر ایسے پرگو شعراء پیدا کر دیئے تھے کہ ان کی تعداد کا اعتبار لوگوں کو نہ آئے گا۔ یہاں تک کہ اندلسی بچوں کے کہے ہوئے اشعار طرز ادا، بلندی خیالات اور خوبی

لطافت میں زمانہ قدیم کے شعراء سے کم نہ ہوتے تھے۔

فصیح و بلیغ مضامین کی قلم برداشتہ تحریر کا ذوق و شوق صرف علماء اور مشاہیر تک ہی محدود نہ تھا۔ عوام الناس بھی اس کی مشق کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ صرف شلب (Halves) کے صوبہ کا یہ حال تھا کہ مشکل سے کوئی مزدور ایسا ملتا تھا جو فی البدیہہ شعر نہ کہہ سکتا ہو۔ شاہی محلات اور امراء کے مکانات شاعروں سے بھرے رہتے تھے۔ ان شاعروں کا دو پسند مذاق سخن بلاشبہ عشقیہ نظمیں ہوتی تھیں۔ مگر رجز، ساقی نامے اور مرثیہ کے میدان بھی ان کی جولانگاہ تھے۔ ہزارہا مسلم اسپین کے شعراء میں فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے کہ ان میں کس کو اولیت و افضلیت حاصل ہے۔ مگر مندرجہ ذیل چند ایسے استاد کہے جاسکتے ہیں کہ جن کا کلام پورے ملک میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا جو اپنے مرتبہ کے لحاظ سے بھی یگانہ روزگار تھے۔

ابن حسن ابن زیدون قرطبی اور عباس بن احنف غزل کی شیرینی و لطافت میں مشہور تھے۔ ابن خفاشہ باشندہ بلنسیہ سخن رجز کا اس قدر ماہر تھا کہ ہاری ہوئی بازی کو فتح میں بدلوا دیتا تھا۔ ابن سعید اشبیلی کے رندانہ اشعار اسپین کے ہر بڑے شہر میں آزاد منش لوگوں میں بڑے مقبول تھے۔ یہاں تک کہ لڑکے ان کو گلیوں میں گاتے پھرتے تھے۔ ابن عمار شلبی کی ہجویں نہ سلطان کو چھوڑتی تھیں اور نہ اراکین سلطنت کو۔ ابوالبقار ندی اور ابن الخطیب نے نہایت پردرد الفاظ میں بڑے بڑے خاندانوں کی تباہی، جلاوطنی اور غلامی پر نظم میں خون رویا ہے۔ علامہ مقری نے شقندی کے حوالے سے لکھا ہے کہ "بلاغت نثر میں فتح بن عبیداللہ لاثانی تھا۔ یہ وہ شخص تھا کہ جب کسی کی تعریف کرنے پر آتا تو اسے آسمان پر چڑھا دیتا اور برائی کرنے پر آتا تو تخت الثریٰ سے نیچے پہنچا دیتا تھا۔ جس پر اس کی کتاب القلائد شاہد ہے۔ ابوالحسن سہل بن ملک کے خطبات کا کوئی جواب نہ تھا۔ فن شعر میں معتمد عباد جیسا کوئی نہ تھا لیکن اس کا لڑکا راضی اس سے بھی آگے نکل گیا تھا۔ مظفر ابن الافطس شاہ بطلیوس تھا جس نے ادب میں ایک کتاب سو جلدوں میں تحریر کی۔ ابن عمار کی کوئی مثال نہ تھی جس کا قصیدہ زبان زد عوام تھا۔ شعراء متاخرین میں محمد بن سقر نے اپنی محبوبہ کے آنے کا جو سماں باندھا ہے اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ یہ فخر کچھ اسپین کے شعراء ہی کو حاصل رہا ہے کہ انہوں نے نئی نئی وہ تشبیہات پیدا کیں جو ان سے پہلے کے شعراء نے استعمال نہ کی تھیں۔ ابوالحسن بن سلام وہ شاعر تھا جو شراب اور وصل محبوب کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پیش کر دیتا تھا۔ علاوہ ان کے ابوالقاسم بن الفرس، ابوالعباس بن حیون اشبیلی، ابن مجیر۔ ابو جعفر الذہبی طلیطلی ابوالقاسم محمد بن ہانی لبیری۔

ابو الوہب العباسی قرطبی جیسے شعراء مردوں میں اور ولادہ المروانیہ، زینب بنت زیاد وادی آشیہ جیسی شاعرات عورتوں میں اسلامی دنیا میں بے بدل تھے۔"[1]

مسلمان تو مسلمان اسپین کے یہود و نصاریٰ بھی عربی شاعری پر عبور رکھتے تھے۔ ان میں بہت سے مشہور و معروف بھی ہوئے تھے۔ ابن المرغوبی نصرانی اشبیلہ کا مشہور شاعر تھا۔ اور اس پایہ کا شاعر تھا کہ بیشتر عربی کتب میں اس کی نظمیں پائی جاتی ہیں۔ ابراہیم بن سہل اسرائیلی بھی اشبیلہ کا مشہور شاعر تھا جس نے مشہور اساتذہ عرب سے علم حاصل کیا تھا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نہایت فصیح و بلیغ قصیدہ لکھا تھا۔ ابراہیم بن الفخار یہودی طلیطلہ کے عیسائی بادشاہ الفانسو کے پاس رہتا تھا۔ علم منطق اور شعر و ادب میں کامل تھا۔ ایک یہودیہ بھی مشہور شاعرہ تھی جس کا نام قسمونہ بنت اسماعیل تھا۔ وہ ایک اچھی عالمہ اور فی البدیہہ اشعار میں کمال رکھتی تھی۔ علامہ مقری نے بنو امیہ کے ان شہزادوں کی فہرست مع حالات لکھی ہے جو شعر و ادب میں کمال رکھتے تھے۔ اور جنہوں نے اپنے پیچھے اچھے اشعار چھوڑے تھے۔[2] مقری ہی کے حوالے سے بتایا جا چکا ہے کہ مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں نے شعر و ادب میں کافی مرتبہ حاصل کیا تھا جن میں ام سعد بنت عصام الحمیری حسانۃ التمیمہ بنت ابوالحسن۔ العلاء بنت یوسف الحجاریہ۔ امتہ العزیز حفصہ بنت الحاج الرکونیہ اور ان سب میں زیادہ شہرت پانے والی ولادہ بنت المستکفی محمد ہے۔ جو اپنے زمانہ کی قابل ترین ہستیوں میں شمار کی جاتی تھی۔ اسی سے متعلق ابن زیدون نے بہت سے اشعار و قطعات لکھے ہیں۔ اسی شاعرہ کے سبب سے ابن عبدوس نے اپنا وہ مشہور رسالہ لکھا تھا جس کی علماء مشرق نے بہت سی شرحیں لکھی تھیں۔ اس رسالہ میں ایسی ایسی تلمیحات و توارد ہیں کہ جن کی مثال ملنا مشکل ہے۔۔

ہم عصر مورخین کا کہنا ہے کہ ولادہ کی مجلس قرطبہ اور دیگر شہروں کے اہل علم و شعراء کی پناہ گاہ تھی۔ اہل ادب کی آنکھیں اس کے ادبی شاہکاروں سے چندھیا جاتی تھیں۔ شعراء و کتاب اس کے شعروں کی شیرینی کے قائل تھے۔ ان ہی مشہور عورتوں میں معتمد شاہ اشبیلہ کی ملکہ اعتماد الرمیکیہ بھی گذری ہے جس کی برمحل فقرے ادب کی جان سمجھے جاتے تھے۔

بنو امیہ کے بادشاہوں نے شعر و ادب میں روایتی کردار ادا کیا۔ اور خود بھی اس میں کامل دستگاہ بہم پہنچائی۔ چنانچہ ان میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو علم و ادب اور شعر و شاعری سے ناآشنا ہو۔ ملوک

---

[1] نفح الطیب (اردو ترجمہ) صفحہ ۴۳ [2] ایضاً صفحہ ۴۴ تا ۴۹

الطوائف میں اشبیلیہ کے معتمد بن عباد نے اس صنف سخن میں کافی شہرت پائی۔ تقریباً سب ہی ملوک الطوائف کے دربار اہل علم و شعر سے بھرے ہوئے تھے جو اپنے فن کا مظاہرہ بڑھ چڑھ کر کیا کرتے تھے۔ ملوک الطوائف کا یہ عام دستور تھا کہ اہل علم اور شعراء کو میدان جنگ میں اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ لیکن ان سب میں غرناطہ کے دربار کو سب پر اولیت حاصل ہے جو نہ صرف اہل اسپین بلکہ اہل ادب و شعر کی آخری پناہ گاہ بھی ثابت ہوا۔

ابن عبد ربہ، ابن حزم اور ابن الخطیب سے ہٹ کر دیکھا جائے تو بلاشبہ اسپین نے ایسے ہزاروں شاعروں اور ادیبوں کو جنم دیا جن کی تحریریں معیاری سمجھی جاتی تھیں۔ ان میں ایک ابوالولید احمد ابن زیدون بھی تھا۔ جس کا شمار اسپین کے مشہور شعراء میں ہوتا تھا۔ ابن خلکان[1] کے بقول ابن زیدون قریش کی ایک شاخ بنو مخزوم سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ قرطبہ کے ابن جہور کا ملازم تھا لیکن جلد ہی خلیفہ المستکفی کی لڑکی ولادہ کے عشق کے سبب گرفتار کر کے ملک بدر کر دیا گیا۔ اس کے بعد المعتمد بن عباد نے اس کو اپنا وزیر اور سپہ سالار بنا کر ذوالوزارتین کا خطاب دیا۔ معتمد کے زمانہ میں ابن عمار سے اس کی دشمنی ہو گئی یہاں تک کہ ابن عمار قتل ہوا۔ ابن زیدون ایک اچھا شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ خطوط نویسی میں بھی منفرد تھا۔ ابن زیدون کی شاعری میں جہاں ولادہ کے حسن کی تعریف میں اشعار ہیں وہاں قصر الزہرہ کی تعریف میں بھی نظمیں پائی جاتی ہیں۔ اسپین کی عربی شاعری میں وہ اس حیثیت سے منفرد سمجھا جاتا ہے کہ قدرتی مناظر کی عکاسی میں اسے بڑا کمال حاصل تھا۔ ۱۲ویں صدی عیسوی میں بلنسیہ کا ابو اسحاق ابن خفاجہ مشہور عالم اور شاعر گذرا ہے جو کسی بھی دربار سے کبھی وابستہ نہ رہا اور عوامی شاعر کی حیثیت سے کافی شہرت حاصل کی۔[2]

ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں لکھا ہے کہ "البتہ اہل اسپین زباندانی کی مہارت قریب تر ہیں کیونکہ انہوں نے اس راہ میں بڑی کاوشیں کی ہیں اور ان کے حافظے نظم و نثر کے ہر قسم کے کلام سے بھرپور ہیں۔ چنانچہ مورخ ابن حیان نے جو عربی ادب میں کامل تھا اپنی قابلیت سے اہل اسپین کا جھنڈا بلند کیا۔ ایسے ہی ابن عبد ربہ قسطلی تھے جنہوں نے شعراء ملوک الطوائف میں اپنی شہرت کا ڈنکا بجوایا تھا۔ یہ وہ وقت تھا کہ اندلس میں علم و ادب کا سمندر ہر طرف موجزن تھا اور دو سو سال تک بڑا زور

۱؎ نفح الطیب (اردو ترجمہ) جلد ۱ ص ۱۷۵ تا ۱۵۵ ۲؎ ابن خلکان جلد ۱ ص ۴۳

شور رہا پھر نصرانیوں کے غلبہ سے بھگدڑ مچی اور لوگوں کی توجہ علم کی طرف سے ہٹ گئی اور مہارت علمی انتہائی پستی تک پہنچ گئی۔ آخر میں صالح بن شریف اور مالک ابن مرحل جو اشبیلہ کے ادیب تھے، کے شاگردوں پر اندلس کی علمیت و عربیت نے دم توڑدیا۔ اس کے ایک عرصہ بعد پھر زمانہ کا رنگ پلٹا اور اندلس میں علم و ادب کا ستارہ چمکنے لگا۔ اس میں ابن بشرین، ابن جابر اور ابراہیم الساحلی جیسے لوگ پیدا ہوئے۔ اس کے بعد ابن الخطیب کا زمانہ آیا جو عربیت میں بڑا کمال رکھتا تھا اور اس کے شاگردوں نے اس کے رنگ کو زندہ جاوید کردیا۔

زجل اور موشّح نظمیں

"جب اسپین میں شعر گوئی کا بڑا چرچا ہوا اور شعر کے اصناف سخن کی اصلاح و درستی ہوئی اور ان میں بڑی بڑی موشگافیاں ہوئیں تو متاخرین نے موشّح کے نام سے ایک نظم کی ایک قسم ایجاد کی۔ اس نظم میں شعر کے کئی ٹکڑے ہوتے ہیں اور ہر ٹکڑے کا قافیہ شعر کے مقابل ٹکڑے سے ملتا ہے اور وہ بھی تمام نظم میں نہیں بلکہ دو چار اشعار تک کئی ٹکڑے مل کر ایک شعر بنتا ہے۔ ایک مصرع کے تمام ٹکڑے برابر اور ایک وزن کے نہیں ہوتے ہیں بلکہ مختلف ہوتے ہیں اور جیسے ایک مصرعہ میں آجاتے ہیں باقی میں وہی وزن رہتا ہے ہر مصرعہ میں عموماً چار ٹکڑے ہوتے ہیں اور چوتھے مصرعہ کا قافیہ تینوں سے الگ ہوتا ہے۔ اس نوع میں نظم کا موجد اسپین میں مقدم بن معافر العزیزی تھا جو امیر عبداللہ بن محمد اموی کا درباری شاعر تھا۔ اس طرز کا سب سے نامور شاعر عبادۃ القزاز گذرا ہے۔ جو المعتصم شاہ المریہ کا خصوصی شاعر تھا۔"[1]

ہٹی کے بقول ۱۱ویں صدی عیسوی کے اوائل میں موشح اور زجل طرز نظم نے اندلس میں ترقی کی۔ دونوں اقسام کو انفرادی اور اجتماعی موسیقی کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ کیونکہ موسیقی کا عام چرچا تھا۔ اس لئے شاعری کو بھی موسیقی کے لئے اختیار کرلیا گیا۔ گلی گلی گانے والا قرطبہ کا مشہور گویا ابوبکر قزمان زجل کو استعمال کرنے والا پہلا شخص تھا۔ دوسرے اسلوب نظم یعنی موشح کے متعلق یہ کہنا درست ہوگا کہ اسپین ہی کی ایجاد ہے جہاں سے وہ شمالی افریقہ اور مشرق میں پہنچی موشح لکھنے والوں میں مشہور نابینا شاعر ابوالعباس التطیلی تھا جو تطیلہ کا باشندہ تھا۔ اس نے ۵۲۰ھ/۱۱۲۶ء میں انتقال کیا اور یوسف بن تاشفین کے لڑکے علی کی مدح میں بہت سی موشح تحریر کیں۔ ابراہیم بن سہل یہودی تھا لیکن

---

[1] مقدمہ ابن خلدون (اردو ترجمہ) ص۵۹۷۔۵۹۸

بہت سے لوگ اس کو مسلمان سمجھتے تھے۔ محمد بن یوسف ابو حیان تھا جو غرناطہ کا رہنے والا ایک بربر تھا اور بہت سی زبانوں کا ماہر تھا اس نے موشح نظموں کے علاوہ فارسی، ترکی، قبطی، حبشی زبانوں کی ایک لغت بھی تحریر کی تھی۔[1]

تاریخ و جغرافیہ

اسپین کے مورخین میں پہلا اور مشہور مورخ ابو بکر بن عمر گذرا ہے جو عام طور پر ابن القوطیہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ وہ قرطبہ میں پیدا ہوا تھا۔ وہیں پر پڑھا بڑھا اور وہیں پر ۳۶۷ھ/۹۷۷ء میں انتقال کیا۔ اس کی مشہور و معروف تاریخ افتتاح الاندلس ہے جو فتح اسپین سے لے کر عبدالرحمٰن الناصر کے زمانہ تک تحریر کی گئی ہے۔ دوسرا دور اول کا مشہور مورخ ابو مروان حیان ابن خلف قرطبی ہے جو ابن حیان کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے پچاس سے زائد کتابیں تحریر کی تھیں۔ جن میں سے ایک کتاب المتین تھی جو ساٹھ جلدوں میں تھی۔ بدقسمتی سے اس کی صرف ایک تاریخ باقی رہی جس کا نام المقتبس فی تاریخ رجال الاندلس ہے۔ سب سے زیادہ قیمتی اور کار آمد کتاب ۶۲۱ھ/۱۲۲۴ء میں عبدالواحد مراکشی نے لکھی جس کا نام المعجب فی تلخیص اخبار المغرب ہے۔ یہ مواحدین کے دور پر مستند ترین سمجھی گئی ہے۔

اس کے علاوہ اہل اسپین سوانح لکھنے میں کسی سے پیچھے نہ تھے۔ سب سے مشہور سوانح نگار ابوالولید بن عبداللہ محمد بن الفرضی تھا۔ جو ۳۵۱ھ/۹۶۲ء میں قرطبہ میں پیدا ہوا تھا۔ اس نے اپنی تعلیم کے دوران مکہ، مدینہ، قیروان اور قاہرہ کا بھی سفر کیا تھا اور ۴۰۳ھ/۱۰۱۳ء میں بربروں کے ہاتھوں قرطبہ میں مارا گیا۔ اس کی صرف ایک تاریخ کا پتہ چلتا ہے جس کا نام تاریخ علماء الاندلس تھا۔ دوسرا مشہور شخص ابن بشکوال ہے۔ جس کا نام ابوالقاسم بن خلف بن عبدالملک تھا۔ اس نے بھی سوانح کے طرز پر ایک تاریخ لکھی جو ۵۳۴ھ/۱۱۳۹ء میں مکمل ہوئی اور جس کا نام الصلہ فی تاریخ الائمۃ الاندلس تھا۔ اس کی پچاس سے زائد تصنیفات میں صرف یہ کتاب ہی باقی بچی تھی۔[2] ابن بشکوال ۴۹۵ھ/۱۱۰۱ء میں قرطبہ میں پیدا ہوا تھا اور وہیں پر ۵۷۹ھ/۱۱۸۳ء میں فوت ہوا اس کی اس کتاب کو آگے ابن الابار نے بڑھایا اور اس کا نام "التکملہ فی کتاب الصلہ" رکھا اس کے ساتھ ساتھ ابن الاحبار نے بہت سی سوانح عمریاں بھی جمع کیں اور اپنی اس کتاب کا نام "الحلۃ السیرۃ" رکھا[3]

---

[1] مقری جلد ا صفحہ ۸۲۲ مزید تفصیل کے لیے مقدمہ ابن خلدون کا مطالعہ کیا جائے۔[2]

[3]

مشہور مورخ ابن جعفر احمد بن یحییٰ الذہبی نے اسپین کے علماء و فضلاء کی ایک فہرست یا لغت تیار کی جس کا نام "بغیتہ الملتمس فی رجال الاندلس" تھا۔

فن تاریخ سے متعلق ہم تک ایک کتاب ابو القاسم صاعد بن احمد طلیطلی کی تحریر کردہ پہنچی ہے جس کا نام جامع اخبار الامم ہے۔ جس کو بعد میں ابن الا صیبعہ الا قفطی اور ابن العبری نے اپنی کتابوں کا ماخذ بنایا۔ صاعد بنی ذوالنون کے زمانہ میں طلیطلہ کا قاضی تھا اور نہ صرف تاریخ بلکہ ہندسہ اور ہیئت میں بھی ماہر سمجھا جاتا تھا۔ اسپین کی تاریخ میں دو نام ادبی اور تاریخی حیثیت سے اس قدر بلند مقام رکھتے ہیں کہ ان کا ثانی مشکل سے ملے گا۔ ایک تو لسان الدین ابن الخطیب اور دوسرا عبدالرحمٰن ابن خلدون دونوں ہی غرناطہ کے خاندان بنو نصر کے پروردہ تھے۔ ابن الخطیب ایک قدیم عرب قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا۔ جو شام سے آکر آباد ہوا تھا۔ غرناطہ کے خاندان بنو نصر کے بادشاہ محمد خامس کے زمانہ میں عروج پر پہنچا اور ذوالوزارتیں کا خطاب پایا۔ ۷۷۱ھ/۱۳۷۱ء میں درباری سازشوں سے گھبرا کر فاس (مراکش) کی طرف بھاگ گیا اور وہیں پر اس کو کسی نامعلوم شخص نے قتل کر دیا۔ ابن الخطیب مسلم اسپین کا آخری مدبر، شاعر، ادیب اور مورخ تھا۔ اس نے ساٹھ سے زیادہ تصانیف چھوڑی تھیں جن میں چند اب تک باقی ہیں۔ اس کی مشہور تاریخ الاحاطہ فی الاخبار غرناطہ ہے۔

عبدالرحمٰن ابن خلدون دوسری مشہور شخصیت ہے جو عرب قبیلہ کندہ سے تعلق رکھتا تھا۔ تیونس میں پیدا ہوا تھا اس کے قبیلے کا جد اعلیٰ یمن سے اسپین آیا تھا اور اشبیلیہ میں قیام کیا تھا۔ ۱۳ویں صدی عیسوی تک یہ خاندان اشبیلیہ ہی میں رہا۔ اور بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ ابن خلدون شروع ہی سے دربار مراکش سے منسلک رہا۔ پھر ۷۶۱ھ/۱۳۶۱ء میں غرناطہ کے سلطان محمد ششم کے پاس چلا گیا جو اس پر بہت مہربان تھا۔ یہاں پر ابن الخطیب سے رقابت پیدا ہوئی اور دو سال بعد ہی وہ پھر مغرب اقصیٰ واپس آگیا۔ کچھ عرصہ مختلف ملازمتیں کرنے کے بعد اپنے آبائی گاؤں قلعات ابن سلامہ واپس آکر ۷۸۰ھ/۱۳۷۸ء تک تصنیف و تالیف میں مشغول رہا۔ ۷۸۴ھ/۱۳۸۲ء میں سفر حج کے لئے روانہ ہوا۔ لیکن قاہرہ میں مملوک سلطان الظاہر برقوق نے اس کو روک لیا اور قاہرہ کا قاضی بنا دیا۔ ۸۰۴ھ/۱۴۰۱ء میں برقوق کے جانشین الناصر کے ساتھ تیمور لنگ کے خلاف مہم میں شریک ہوا۔ جہاں تیمور کے ہاتھوں گرفتار ہوا لیکن تیمور نے اس کی بڑی عزت اور احترام کیا۔ ابن خلدون کے اس سیاسی کردار اور طویل سفر نے اس کی تحریروں میں جان پیدا کر دی۔ اس کا سب سے

بڑا کارنامہ اس کی مشہور و معروف کتاب ہے جس کا نام کتاب العبر دیوان المبتداء والخبر فی ایام العرب والعجم والبربر ہے۔ اس کتاب کا مقدمہ دراصل ابن خلدون کی قابلیت اور اس کی عظمت کی دلیل ہے جس سے یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچتی ہے کہ ابن خلدون عالم اسلام کا وہ نامور اور بے مثل مفکر ہے جس کو ہمیشہ صف اول میں جگہ ملتی رہے گی۔[1]

فن تاریخ میں احمد بن محمد بن موسیٰ الرازی کی تاریخ ملوک اندلس ہے۔ انہی کی ایک کتاب قرطبہ کے حالات پر ہے۔ محمد بن حرث الخنشی کی کتاب قرطبہ اور تمام بلاد اندلس کے قاضیوں اور فقہاء کے حالات پر تھی۔ الرازی کی کتاب مشاہیر اہل اندلس کے حسب نسب کے بارے میں ۵ جلدوں میں تھی۔ قاسم بن اصبغ کی کے حسب نسب کے بارے میں میں بہت عمدہ تھی اور انہوں نے فضائل بنوامیہ پر بھی ایک ضخیم کتاب لکھی تھی۔ خلیفہ الحکم ثانی نے بھی بہت سی کتابیں لکھی تھیں جن میں شعراء اندلس کے تذکرے بھی تھے۔ تاریخ کی کتابوں میں ابو مروان بن حیان کی ایک ضخیم کتاب اہل اندلس کے حالات پر ہے جو دس جلدوں میں ہے۔ اس کتاب سے زیادہ بلند پایہ کوئی کتاب نہیں تھی۔ حسین بن عاصم نے ایک کتاب ماثر العامریہ کے نام سے سیرت ابن ابی عامر پر لکھی تھی۔ احمد بن فرج نے اندلس میں خروج کرنے والوں کے حالات میں ایک کتاب تحریر کی تھی۔

فن تاریخ میں ابن حیان کی بڑی تاریخ کتاب المتین کی قریباً ساٹھ جلدیں تھیں۔ ابن حزم نے صرف کتاب المقتبس کا تذکرہ کیا ہے جو دس جلدوں میں تھی۔ شاہ بطیوس مظفرافطسی نے کتاب مظفری لکھی جو حجم میں کتاب المتین کے برابر تھی اور اس میں سفن کی تاریخ اور فنون و آداب جمع کئے گئے تھے۔ ابن الصیر غرناطی نے ایک کتاب دولت لمتونیہ لکھی تھی۔ ابوالحسن سالمی نے کتاب اخبار فتنہ ثانیہ لکھی اور اس کے ابواب کو سال وار تقسیم کیا تھا۔ ابن بشکوال کی تاریخ کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ علامہ مقری نے ابن غالب کے حوالے سے لکھا ہے کہ ابو جعفر بن عبدالحق قرطبی نے ایک ضخیم کتاب لکھی ہے جس کو انہوں نے خلق عالم سے لیکر عبدالمومن کے حالات پر ختم کیا ہے۔ ابو محمد بن حزم بہت سی تواریخ کے مصنف ہیں جن میں نقط العروس فی تواریخ الخلفاء بہت عمدہ ہے۔ ابو الولید ابن زیدون نے کتاب التبیین دربیان خلفاء بنوامیہ اندلس اسی طرز پر لکھی ہے جیسی کہ مسعودی نے خلفائے مشرق کے حالات پر لکھی تھی۔ ابو عمر بن عبدالبر نے کتاب القصد والامم فی معرفت اخبار

---

[1] The History of The Arabs - Hitti - P-564

العرب والعجم بہت عمدہ تحریر کی۔ عریب بن سعید قرطبی نے تاریخ طبری کا بہت عمدہ انتصار کیا تھا اور اس پر اندلس وافریقہ کی تاریخ کا اضافہ بھی کیا تھا۔ ابو بکر الحسین بن محمد الزبیدی نے ایک کتاب مشرق اور اندلس کے نحویوں اور لغویوں کے حالات پر تحریر کی تھی۔ یحییٰ بن حکم الغزال نے ایک منظوم تاریخ لکھی۔ ابن بسام نے کتاب الذخیرہ فی جزیرہ الاندلس لکھی۔ فتح ابن عبید اللہ نے قلائد العقیان اور المطمع لکھی تھیں جن کے معتبر ہونے کی یہ شہادت ہی کافی ہے کہ ابن الخطیب نے ان کا حوالہ اپنی کتابوں میں دیا ہے۔ صفوان بن ادریس مرسی نے ایک کتاب زاد المسافر تحریر کی تھی۔ جس میں ساتویں صدی ہجری کے علماء و فضلاء کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ فن ادب، جغرافیہ اور تاریخ اندلس میں سب سے زیادہ مشہور اور معتبر تصنیف ابو محمد عبد اللہ بن ابراہیم الحجاری کی کتاب مسہب فی فضائل المغرب ہے۔ ابو عمر بن عبد البر نے استیعاب اور تمہید دو مشہور کتابیں بھی تحریر کیں۔ اسپینی عربوں کی کتابیں تاریخ میں اس قدر ضخیم تھیں کہ غالبا اس فن میں کسی قوم و ملک میں ایسی کتابیں نہیں لکھی گئیں۔ جو واقعات انہوں نے تحریر کئے ان کی صحت کی تائید وہ مورخ کرتے ہیں جو دور دراز کے علاقوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ البتہ اسپینی مورخین میں چند نقائص پائے جاتے ہیں۔ یہ لوگ عام طور پر تاریخ کے تنقیدی اصول کو استعمال نہیں کرتے۔ ان کی طبیعتیں کیونکہ عجائبات اور خرق عادات کی طرف زیادہ مائل تھیں اس لئے ان کی قوت فیصلہ ان میں الجھ کر رہ جاتی تھی۔ واقعات کی تفصیل میں وہ صنائع وبدائع کا اس کثرت سے استعمال کرتے ہیں کہ بجائے اس کے کہ وہ صحیح واقعات کو لکھنے اور جانچنے والے مورخ معلوم ہوں ان کی کتاب فصاحت وبلاغت کا نمونہ بن جاتی تھی۔ ایک ہزار سے زائد مورخین نے اسپین کی تاریخ تحریر کی لیکن تقریبا ہر ایک کے یہاں نہایت معمولی معمولی واقعات عقل و فہم سے دور معلوم ہوتے ہیں اور بالکل بچوں کی سی باتیں لگتے ہیں۔ جگہ جگہ قرآن مجید کے کنایات کا استعمال بھی پایا جاتا ہے۔ ہر بادشاہ اور سلطان اپنے دربار میں مورخ ضرور رکھتا تھا جس کا کام اس عہد کے واقعات کو قلم بند کرنا ہوتا تھا۔ ہر شہر میں ایک واقعہ نگار اور صوبہ میں ایک مورخ متعین ہوتا تھا۔ کوئی علم، فن، پیشہ اور ہنر ایسا نہ تھا کہ جس کی پوری تفصیل مع اصل واثرات کے اور اس کے اساتذہ کی تفصیل کے ضبط تحریر میں نہ لائی جاتی ہو۔ مظفر افطسی نے ایک کتاب اندلس کے سیاسی اور ادبی حالات پر تحریر کی۔ ابن احمد طلیطلی نے ایک کتاب میں تمام قبائل اسپین کی تاریخ لکھی۔ الغزالی اور الحجاری میں سے ایک نے اسپین کے شعراء کا تذکرہ اور دوسرے نے اسپین کے شہروں کے حالات نہایت تفصیل سے لکھے تھے۔ ابن بشکول اور محمد کی شہرت اسماء الرجال کی کتابوں کی بدولت

ہوئی۔ محمد ابو عبداللہ غرناطی نے ایک مبسوط ردیف وار کتاب سائنس کی تاریخ میں لکھی۔ العسکر نے ایک نہایت کار آمد اور حیرت انگیز تاریخ اسپین کے موحدین پر لکھی۔ انتہا یہ ہے کہ مسلمانان اسپین نے ان جانوروں تک کی سوانح عمریاں لکھی جو کسی وجہ سے مشہور ہوگئے تھے۔ ابو المنذر بلمنی اور ابن زید العربی قرطبی نے ایک کتاب ان گھوڑوں کے حالات وکوائف پر تحریر کی جنہوں نے کسی دہان (گھوڑ دوڑ) میں شہرت حاصل کی تھی۔ عبدالملک نے ایک کتاب میں مشہور اونٹوں کے حالات لکھے ہیں۔[1]

جہاں تک علم جغرافیہ کا تعلق ہے اسپین کے مسلمانوں نے اس علم میں بھی بیش بہا اضافہ کیا۔ جغرافیہ کے درجوں کی جو پیمائش انہوں نے کی تھی وہ زمانہ حال کی پیمائش کے برابر ہے۔ ابوالفداء نے ساٹھ جغرافیہ دانوں کے نام تحریر کئے ہیں جو ۱۳ویں صدی عیسوی سے پہلے گزرے تھے۔ ان کے تیار کردہ نقشے نہایت صحیح تھے جو ریشم کے کپڑوں پر بنائے جاتے تھے۔ ان پر براعظم، پہاڑ، جھیلیں اور چشمے کپڑوں کی زمین پر ابھرے، روپہلے اور سنہرے کلابتوں سے کاڑھے جاتے تھے۔ جغرافیائی تحقیقات میں آثار قدیمہ، تاجروں، ملاحوں اور سیاحوں سے مدد لی جاتی تھی۔ ابن حمید المزنی غرناطی نے وسط ایشیا کے سخت ترین اور دشوار گذار مقامات کا سفر کیا۔ ابن جبیر نے مقلیہ اور ایشیا کے حالات کا خود مشاہدہ کیا۔ ابن بطوطہ نے ۲۴ سال کامل سیاحت کی۔ عبیدا لبکری نے ایک ردیف وار کتاب المسالک والممالک فن جغرافیہ میں تحریر کی۔ ان سب میں مشہور و معروف شریف ادریسی تھا جو مالقہ کا رہنے والا تھا۔ اس کو ایک شاہی خاندان اور اہل بیت میں سے ہونے کا فخر حاصل تھا۔ قرطبہ میں اس نے تعلیم حاصل کی اور پھر سیاحت کے لئے نکل پڑا۔ بہت سے ممالک بچشم خود دیکھے اور وہاں کی طبعی حالت کو تحریر کیا۔ راجر شاہ مقلیہ نے اس کو اپنے پاس بلالیا اور دربار کا اس کو معزز رکن بنایا۔ جو جغرافیہ اس نے تحریر کیا تھا وہ زیادہ تر ذاتی تجربات پر مبنی تھا۔ یہ جغرافیہ اس کی پندرہ برس کی محنت شاقہ کا نتیجہ تھا۔ وضاحت بیان، تفصیلات کی درستی، اور سفر کے صحیح اندازے مسافت نے اس جغرافیہ کو صف اول میں لا کھڑا کیا۔ ادریسی کی تصانیف نے دنیائے سائنس میں ایک دور جدید کی بنیاد ڈالی۔ نہ صرف یہ کہ وہ تاریخی واقعات جو اس نے درج کئے دلچسپ اور بیش قیمت ہیں بلکہ وہ تفصیل بھی جو دنیا کے بہت سے ممالک کی دی ہے آج تک مستند ہے۔ اس نے شاہ راجر کے لئے چاندی کا

---

[1] یہ تمام حالات اخبار اندلس جلد ۳ مصنفہ اسکاٹ سے ماخوذ ہیں۔

ایک زمین و آسمان کا کرہ سا بنایا اور اسے مختلف دائروں میں تقسیم کر کے خشکی اور تری کے تمام قطعات ارض بھی نمایاں کئے۔

فلسفہ

اسپین کے مسلمانوں نے جہاں دیگر علوم و فنون میں کامل رسائی حاصل کی اور اپنا نام روشن کیا وہاں انہوں نے فلسفہ میں بھی اپنی شہرت کو بام عروج تک پہنچایا اور اس میں بھی وہی حیران کن تحقیق و تفتیش کے جوہر دکھائے۔ جو وہ قدرتی مناظر کی عقدہ کشائی میں دکھلا چکے تھے۔ اس وقت مسلمانوں میں سوفسطائی حقیقت اشیاء کو ماننے والے، صوفی وغیرہ سب طرح کے خیالات موجود تھے۔ انہوں نے فیثاغورث، ہرقلیطس، سقراط، افلاطون کو پڑھا اور ان پر شرحیں لکھیں تھیں۔ اسکندریہ کے فلسفہ کی تصانیف سے وہ ناواقف نہ تھے۔ بلکہ انہی کی وجہ سے وہ اصول افلاطون وغیرہ سے واقف ہوئے تھے۔ انہوں نے ارسطو کی تعلیمات کو نہایت ذوق و شوق اور قبولیت کی نگاہ سے دیکھا۔ اور اس پر برسوں کچھ ایسے مائل رہے کہ بت پرستی کی حد تک پہنچ گئے تھے۔ امام غزالیؒ اور ان کی تعلیمات بھی اسپین میں بے حد مقبول تھیں اور باوجود اس کے کہ دور مرابطین میں علماء کے ایک طبقہ نے ان کی بے حد مخالفت کی تھی لیکن پھر بھی ان کی تعلیمات کی مقبولیت کم نہ ہوئی تھی۔ اسپین کے مسلمانوں نے اپنی انتھک کوششوں سے یونانی فلسفہ کو جس طرح غیرفانی بنایا تھا اس کی مثال مشرق میں بھی نہ ملتی تھی۔ اس پر انہوں نے اپنی رائے اور تحقیق کا بھی اضافہ کیا تھا۔ خاص طور پر ان کی طرف سے یہ کوششیں ہوتی رہیں کہ عقل، مذہب اور سائنس کو یکجا کر دیا جائے۔ اس لئے ان کے نزدیک ارسطو، افلاطون اور قرآن پاک سب ہی صحیح تھے اور ان تینوں کو باہم کرنے میں کسر نہ اٹھا رکھی گئی تھی۔ فلسفہ جو یونان میں پلا بڑھا تھا اور راہبانہ طرز زندگی جو عبرانی اقوام و ملل کی پیداوار تھی مغرب و مشرق کے دو متضاد تصورات تھے۔ یہ فخر بغداد اور اسپین کے فلاسفہ کو حاصل تھا کہ انہوں نے ان دو متضاد خیالات کو ایک دوسرے میں پیوست کیا اور اپنے اس تصور کو یورپ تک پہنچایا۔ ان کے کارناموں نے ایک طرف سائنس و فلسفہ کی طرز فکر پر اثر ڈالا تو دوسری طرف مذاہب کو بھی بری طرح متاثر کیا۔

اسکاٹ[1] کے کہنے کے بموجب اندلس کے مسلمان فلسفی صدیوں سے ہر قسم کے مادہ کو ارتقاء پذیر

---

[1] اخبار اندلس جلد ۳ (اردو ترجمہ) ص ۵۱۵

سمجھتے تھے۔ عقیدہ گو مدتوں پہلے خفیہ طریقہ پر لوگوں کے دلوں میں داخل ہو چکا تھا لیکن کیونکہ اصول دین کے خلاف تھا اس لئے اس کے اظہار کی جرات نہ ہوتی تھی۔ آخر کار گیارہویں صدی عیسوی میں ایک یہودی فلسفی سلیمان بن جبریل نے اس کا اعلان کیا۔ سلیمان مالقہ میں ۴۱۳ھ/۱۰۲۱ء میں پیدا ہوا تھا اور ۴۸۱ھ/۱۰۸۸ء میں بلنسیہ میں وہ یہودی افلاطون کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ کیونکہ اس نے ارسطو کے فلسفہ کو زندہ کیا تھا۔ اس سلسلہ میں اس کا بڑا کارنامہ ۔لنبوع الحیات ہے جس نے دور وسطیٰ کے ذہنوں کو بری طرح متاثر کیا۔ ۱۲ویں صدی عیسوی میں مسلم اسپین کی تاریخ میں فلسفہ کا دور عروج ہے۔ اس صدی کی ابتداء ہی مشہور و معروف ابوبکر محمد بن یحیٰ بن باجہ سے ہوئی جو ایک فلسفی، حکیم، موسیقار اور ارسطو کی تعلیمات کا زبردست شارح تھا۔ اس کی نشو و نما غرناطہ اور سرقسطہ میں ہوئی تھی۔ اور ۵۳۲ھ/۱۱۳۸ء میں فاس (مراکش) میں مرا۔ ابن باجہ نے علم ہیئت میں بہت سے رسالے لکھے جن میں ۔بطلیوس کے خیالات پر زبردست تنقید تھی۔ اس طرح اس نے اپنے بعد آنے والے ابن طفیل اور ابن بطروجی کے لئے راستہ ہموار کر دیا۔ اس نے ایک کتاب ادویات کے اوپر لکھی جس کا حوالہ ابن بیطار نے جگہ جگہ دیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی ابن باجہ نے بہت سی کتابیں ادویات اور طب پر لکھی تھیں جن سے ابن رشد نے کافی استفادہ کیا تھا۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ کتاب تدبیر المتوحد ہے جو آج تک صرف عبرانی زبان میں موجود ہے۔ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ علما اور عوام کا یہ فیصلہ تھا کہ ابن باجہ دہریہ تھا[1]۔ ابن باجہ کے فلسفیانہ خیالات کو آگے بڑھانے والا ابن طفیل تھا۔ جو غرناطہ کا باشندہ اور حکیم تھا۔ لیکن بعد میں مواحدین کے بادشاہ ابو یعقوب یوسف کا معالج خصوصی اور وزیر بن گیا تھا۔ ۵۷۸ھ/۱۱۸۲ء میں اس نے اپنے آپ کو معالج خصوصی کی جگہ سے علیحدہ کر لیا۔ جسکے بعد ابن رشد نے اس کی جگہ سنبھالی۔ جس کی سفارش خود ابن طفیل نے کی تھی۔ ابن طفیل اور ابن رشد دونوں نے مواحدین کے دربار پر زبردست اور گہرے اثرات مرتب کئے۔ ابن طفیل نے ابو یوسف المنصور کے عہد میں ۵۸۰ھ/۱۱۸۴ء میں مراکش میں انتقال کیا۔ اس کی مشہور و معروف کتاب کا نام حی بن ۔یقظان تھا۔ کہا جاتا ہے کہ مشہور رابنسن کروسو کی کہانی اسی کتاب سے اخذ کی گئی ہے[2]۔ ہٹی ہی نے یہ بات تحریر کی ہے کہ ابن طفیل نے اپنی کتاب کے تمام کرداروں کے نام ابن سینا کی اسی نام کی کتاب سے اخذ کئے ہیں۔ لیکن اپنے تصورات کو دور اول کے مصنفین سے لیا ہے جو الفارابی سے شروع ہوتے ہیں[3]۔

---

[1] جلد ۲ ص ۳۷۲ [2] The History of The Arabs - Hitti - P.582 [3] ایضاً

اسپین کے مسلمانوں کا سب سے بڑا فلسفی جس نے یورپ کو بری طرح متاثر کیا۔ وہ اسپینی عرب کا مشہور عالم ہیئت و طبابت کا عالم اور شارح ارسطو ابوالولید محمد بن احمد بن رشد تھا۔ ۵۲۰ھ/۱۱۲۶ء میں قرطبہ میں پیدا ہوا۔ وہ ایک ایسے خاندان کا فرد تھا جس میں اسپین کے مشہور و معروف عالم اور قاضی پیدا ہوئے۔ ۵۶۵ھ/۷۰۔۱۱۶۹ء میں ابن رشد اشبیلیہ کا قاضی بنایا گیا اور اس کے دو برس کے بعد قرطبہ کا قاضی بنا۔ ۵۷۸ھ/۱۱۸۲ء میں ابو یعقوب یوسف نے اس کو مراکش میں بلا کر ابن طفیل کی جگہ اپنا معالج خصوصی مقرر کیا۔ یوسف کے لڑکے المنصور نے ۵۹۰ھ/۱۱۹۴ء میں اس کے خلاف علماء و فقہاء کی متواتر شکایات سے مجبور ہو کر اس کو اپنے دربار سے نکال دیا لیکن کچھ عرصہ بعد اس کو مراکش بلوالیا۔ جہاں وہ اپنی موت ۵۹۴ھ/۱۱۹۴ء تک رہا۔ مراکش میں اس کا شاندار مقبرہ موجود ہے۔

ابن رشد نے طب و حکمت میں بڑا نام پیدا کیا اور ایک ضخیم معلوماتی کتاب الکلیات فی الطب تحریر کی۔ اس کتاب میں اس نے سب سے پہلے یہ بات واضح کی کہ ایک شخص کو دوبارہ چیچک کا مرض نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ آنکھ کے پردے کے کام بھی پوری طرح واضح کئے۔ لیکن حکیم ابن رشد سے زیادہ فلسفی ابن رشد نے نام پیدا کیا۔ فلسفہ پر اس نے جو کام کئے اور شرحیں لکھیں اس کی شہرت کو بام عروج تک پہنچانے والی کتاب تہافتہ التہافتہ ہے جو امام غزالیؒ کی مشہور زمانہ کتاب تہافتہ الفلاسفہ کا جواب ہے۔ مسلم دنیا میں تو اس نے اپنے اس کام کی بدولت شہرت حاصل کی لیکن عیسائی اور یہودیوں کے یہاں اس کی شہرت ان شرحوں سے ہوئی جو اس نے ارسطو کے نظریہ کی وضاحت پر لکھیں۔ کیونکہ وہ یونانی زبان نہ جانتا تھا اس لئے بغداد میں ترجمہ ہونے والی ارسطو کی کتابوں کا مطالعہ کیا اور پھر شرحوں کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ سب سے پہلے انہوں نے جامع لکھی اس کے بعد تلخیص اور اس کے بعد تفسیر یا شرح لکھی۔ کیونکہ ابن رشد کو عام طور پر مسلم دنیا میں پسندیدگی کی نظر سے نہ دیکھا گیا اور اس پر کوئی خاص توجہ نہ کی گئی۔ چنانچہ اس کی زیادہ تر کتابیں عبرانی یا لاطینی میں پائی جاتی ہیں جن کے اب مختلف زبانوں میں ترجمے کئے گئے ہیں۔ جو کتابیں عربی میں پائی جاتی ہیں وہ بھی عبرانی یا لاطینی سے ترجمہ شدہ ہیں۔

دیگر مفکرین اسلام کی طرح ابن رشد نے بھی مسلمانوں میں کوئی فلسفی اولاد نہ چھوڑی۔ یورپ کے عیسائیوں نے مسلمانوں سے زیادہ اس کی قدر کی اور ارسطو کو ابن رشد کے بتائے ہوئے طریقہ

ہے جس آسانی سے سمجھا اتنا کوئی اور مصنف نہ سمجھا سکا۔ ۱۲ویں صدی عیسوی کے آخر سے ۱۶ویں صدی عیسوی کے آخر تک ابن رشد کا فلسفہ تمام علوم عقلیہ پر حاوی رہا۔ حالانکہ متعصب عیسائی، یہودی اور مسلمان عالموں کی طرف سے اس کی زبردست مخالفت بھی ہوتی رہی۔

ابن رشد کا تمام فلسفہ عقل پر منحصر رہا اور وہ اس کو اپنا مذہب سمجھتا تھا۔ اس کے مذہب کے مطابق عقل کلی قائم اور جسم سے علیحدہ ہے۔ اور عقل شخصی فانی ہے اور جسم کے ساتھ فنا ہو جاتی ہے۔ ابن رشد کو بقاء روح اور بعث و نشر سے انکار تھا۔ اور وہ یہ بھی نہ مانتا تھا کہ انسان کو بجز اس جزائے اعمال کے جو دنیا میں ملتی ہے اور کوئی جزا یا سزا بھی ملنے والی ہے۔ وہ عقبیٰ کی بابت تمام خیالات کو قصہ کہانیوں سے زیادہ اہمیت نہ دیتا تھا۔ چنانچہ علماء اور عامتہ الناس کے نزدیک وہ کافر تھا۔ عیسائیوں نے بھی اس کو ملحد قرار دیا لیکن یہود نے اس کو نوازا۔ یہاں پر اس کے فلسفہ پر بحث مقصود نہیں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ مسلم اسپین میں فلسفہ نے کس قدر ترقی کی تھی۔

ابن رشد ہی کے زمانہ کا ایک دوسرا فلسفی ابو عمران بن موسیٰ بن میمون یہودی تھا۔ اور ابن رشد سے کسی طرح کم نہ تھا۔ قرطبہ کا رہنے والا یہ یہودی ممالک عربیہ کے تمام عبرانی اطباء اور فلسفیوں میں سب سے زیادہ مشہور تھا۔ ۵۲۹ھ/۱۱۳۵ء میں قرطبہ میں پیدا ہوا۔ لیکن مواحدین کے ظلم و ستم کی وجہ سے اس کا خاندان ۵۶۴ھ/۱۱۳۵ء میں قاہرہ چلا گیا۔ القفطی اور ابن اصیبعہ نے لکھا ہے کہ ابن میمون نے اسپین میں اپنے مسلمان ہونے کا باقاعدہ اعلان کر دیا تھا لیکن درپردہ وہ یہودیت پر قائم تھا۔ قاہرہ میں ابن میمون صلاح الدین ایوبی اور اس کے لڑکے ملک العزیز کا معالج خصوصی بن گیا تھا۔ ۵۷۲ھ/۱۱۷۷ء میں وہ قاہرہ میں یہود کا اعلیٰ مذہبی عہدہ دار بن گیا۔ ۶۰۵ھ/۱۲۰۹ء میں اس کی موت واقع ہوئی اس کا مقبرہ سینائی میں طبریاس کے مقام پر ہے۔

ابن میمون ہیئت داں، فقیہ اور ماہر حکیم و طبیب تھا۔ لیکن فلسفہ میں اس نے شہرت پائی۔ اس نے طب میں رازی، ابن سینا اور ابن زہر سے بہت کچھ حاصل کیا۔ طب میں اس کی مشہور کتاب الفصول فی الطب ہے۔ فلسفہ میں اس کی تحریر دلالتہ الحرمیین ہے جس میں اس نے یہودی فقہ کو مسلمانوں کے بیان کردہ ارسطو کے نظریات سے ملانے کی کوشش کی تھی۔ یعنی وسیع تر معنوں میں اس نے بھی مذہب اور عقل کو یکجا کرنے کی سعی ناتمام کی تھی۔

اسپین کا ایک زبردست مفکر و فلسفی ابوبکر محمد بن علی محی الدین ابن العربی تھا جس نے اپنے

نظریات اور غور و فکر کو ایک نیا رنگ دیا۔ جس نے بجائے اس کے کہ فلسفی یا دہریہ کہلاتا اسپین میں تصوف کا موجد تسلیم کیا گیا۔ جس کا نام آج تک اسلامی تصوف میں زندہ جاوید ہے۔ ابن العربی ۵۶۱ھ / ۱۱۶۵ء میں مرسیہ میں پیدا ہوا لیکن اس کی پرورش ۵۹۸ھ / ۱۲۰۲ء تک اشبیلیہ میں ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد وہ جب حج کے لئے مکہ گیا تو مشرقی دنیا سے واپس نہ آیا۔ یہاں تک کہ ۶۳۸ھ / ۱۲۴۰ء میں دمشق میں انتقال کیا جہاں ایک مسجد میں اس کا مقبرہ آج بھی مرجع خلائق ہے۔ ابن العربی کے خیالات کی بنیاد ہٹی[1] کے نزدیک مشرق کے السہروردی کے خیالات ہیں جو انہوں نے اپنی کتاب حکمت الاشراق میں بیان کئے ہیں۔ یہ طرزِ فکر اشراقی کہلاتا ہے اس لئے اس نظریہ کے مطابق تمام روحانی دنیا خدا کا نور ہے اور اس میں خدا کو اس طرح پہچانتے ہیں کہ روحانی دنیا کی تمام روحیں ہمارا ذریعہ یا وسیلہ بنتی ہیں۔ اس لئے عالم روحانیت کو سمجھنے اور اپنانے کے لئے کسی روحانی ہستی کا وسیلہ تلاش کرنا پڑتا ہے۔ اس فلسفہ کو ابن العربی نے اختیار کیا اور اس میں شیخ الاکبر کا خطاب پایا۔ اپنے اس خیال کی وضاحت میں اس نے لاتعداد تصانیف کیں[2]۔ جس میں سب سے زیادہ با اثر اور مشہور کتاب الفتوحات المکیہ اور فصوص الحکم ہیں۔ اور ایک کتاب الاسریٰ الی مقام الاسریٰ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کے مقاصد اور فلسفہ بیان کیا گیا ہے۔ فقہی اعتبار سے ابن العربی اس ظاہری مذہب سے تعلق رکھتا تھا جس سے ابن حزم منسلک تھا لیکن جہاں تک اس کے خیالات و نظریات کا تعلق ہے وہ باطنی نظریات کا حامل تھا[3]۔ فلسفیانہ نظریہ میں وہ ہمہ اوست کا قائل تھا جیسا کہ اس کا اصول وحدت الوجود ظاہر کرتا ہے۔ اسی کے خیالات اور نظریات کی بدولت مسلم تصوف ہمہ اوست کے دائرہ میں داخل ہو گیا۔ اس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انسان کامل اور کلمہ قرار دیا اور کہا کہ صحیح معنوں میں صوفی وہ ہی ہوگا جس کے باطن کی روشنی اس کی رہنمائی کرے پھر وہ تمام مذاہب میں خدا کا جلوہ کرے گا[4]۔

مرسیہ کا رہنے والا ایک دوسرا مفکر بھی گذرا ہے جس نے ابن العربی ہی کی طرح غور و فکر کیا وہ ابو محمد عبدالحق بن سبعین تھا۔ جس کو اس کے تصوف کی وجہ سے قطب الدین کہا جاتا تھا۔ اس کی مشہور کتاب اسرار الحکمت المشرقیہ ہے۔ اس نے مکہ میں خودکشی کرلی تھی۔ الغرض یہاں صرف ان مشہور فلاسفہ اسپین کا تذکرہ کیا گیا جن کے اثرات یورپ اور ایشیا دونوں نے قبول کئے۔ ورنہ عام

---

[1] The History of The Arabs - Hitti - P.568 [2] فہرست کے لیے دیکھئے بروکلمین جلد اصفحہ ۴۴۲-۴۴۸

[3] نفح الطیب جلد اصفحہ ۵۶۹ [4] ابن العربی ترجمان الاشواق صفحہ ۶۷

فلسفیانہ خیالات کی ترویج میں اہل اسپین کسی سے کم نہ رہے۔ اگر مذہب کا زور نہ ہوتا اور فلسفہ پر پابندیاں عائد نہ ہو جاتیں تو کوئی شبہ نہیں کہ اسپین کے مسلمان ارسطو، افلاطون اور سقراط وغیرہ کو یاد ماضی بنا کر رکھ دیتے۔

۲۔ شعبۂ سائنس

علم ہیئت و ہندسہ

علم ہیئت کی ترقی و ترویج کی ابتداء اسپین میں دسویں صدی عیسوی کے وسط سے ہوئی اور قرطبہ اشبیلیہ اور طلیطلہ کے حکمرانوں نے اس کی خاص طور پر سرپرستی کی۔ ابو معشر بغدادی کی طرح اسپینی ہیئت داں بھی اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ زمین پر انسانی زندگی کے واقعات و حوادث پر کواکب اور نجوم کے اثرات ضرور پڑتے ہیں۔ نجوم کے ان اثرات کو معلوم کرنے کے لئے دنیا کے تمام مقامات کو ان کے طول البلد ارض البلد کے ساتھ ساتھ متعین کیا گیا تھا۔ اس طرح علم نجوم نے علم ہیئت کے مطالعہ میں اضافہ کیا۔ اسپین کے ہیئت دانوں نے اپنی تحقیق و جستجو کی بنیاد مشرق کے علماء کے ہیئت و نجوم کے کارناموں کو بنایا۔ انہوں نے ارسطو کے طریقہ کار کو زندہ کر کے بطلیوس کے پیش کردہ فلکیاتی نظام پر تنقیدی حملے کئے۔ اسپین کے مسلم ہیئت دانوں میں **المجریطی قرطبی، الزرقالی طلیطلی** اور ابن افلح اشبیلی مشہور و معروف گذرے ہیں۔

ابوالقاسم مسلمہ **المجریطی** مسلم اسپین کے ہیئت دانوں میں وہ پہلے ہیں جنہوں نے الخوارزمی کی زیچ کو ترتیب دیا اور صحیح کیا[1]۔ مسلمانوں کی تیار کردہ یہ پہلی زیچ تھی جس کے یزدگردی سال کو ہجری سال سے بدل دیا گیا اور خط نصف النہار کو قرطبہ کے مطابق تیار کیا گیا تھا۔ المجریطی کو الحاسب کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔ اس لئے کہ وہ حساب و ہندسہ کا امام بھی تسلیم کیا گیا تھا۔ ابن صاعد نے لکھا ہے کہ ابو القاسم یا ان کے شاگرد ابو الحکم عمرو الکرمانی قرطبی اخوان الصفا کے رسائل[2] اسپین میں لے کر آئے تھے۔ لیکن علامہ مقری نے ابو الحکم عمرو کا نام لکھا ہے کہ وہ رسائل اخوان الصفا اسپین لایا تھا[3]۔

طلیطلی زائچے کے بنانے میں اسپین کے بہت سے مسلم اور یہودی ہیئت دانوں کا مطالعہ اور

---

[1] طبقات الامم ابن صاعد ص ۶۹ [2] ایضاً ص ۷۰ [3] ص ۶۵

مشاہدہ کام میں آیا۔ جن میں مشہور و معروف ابو اسحاق ابراہیم بن یحییٰ الزرقالی ہیں۔ یہ زائچے بطلیموس اور الخوارزمی کی جغرافیائی معلومات کے مطابق تیار کئے گئے تھے جن کو قرمونہ کے جیرارڈ نے ۱۲ویں صدی عیسوی میں لاطینی میں تبدیل کیا تھا۔ بطلیوس نے بحر روم کی لمبائی ۶۲ دقیقہ بتائی۔ خوارزمی نے ۵۲ دقیقہ لیکن زرقای نے سب سے صحیح لمبائی ۴۲ دقیقہ بتائی۔ ابن صاعدؒ کے کہنے کے مطابق الزرقای اپنے زمانہ کا سب سے زیادہ مشہور و معروف ہیئت داں تھا۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے مدار النجوم (Elliptical Orbit) کے لئے بیضوی راستہ تجویز کیا جس سے نظام بطلیوسی کی ایک بڑی غلطی کا ازالہ ہو گیا۔ اس نے آفتاب کے بعد اقصیٰ کی حرکت قرار دینے کے لئے رصد گاہ میں ۴۰۲ مشاہدات کئے۔ جس نتیجہ پر وہ پہنچا اس میں اور زمانہ جدید کی تحقیقات میں ایک سیکنڈ کی ایک چھوٹی سی کسر کا فرق رہا۔ اس نے اپنے لئے ایک خاص اصطرلاب بنایا تھا جس کا نام صفیحہ تھا۔ اسی نے آفتاب کے مدار (Orbot) کا بعد اور زمین سے بعد اقصیٰ (Eccentricity) ثابت کیا۔

جابر ابن افلح اشبیلی نے ہیئت پر ایک کتاب "کتاب الہیت" تحریر کی۔ جس میں بطلیوس پر شدید تنقید کی۔ اس کتاب کی شہرت کا باعث اس کتاب کا ایک باب ہے جو مساحت کروی المثلث (Sphonical Trihgnometary) پر مشتمل ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ موجودہ علم مساحت المثلث (Trignometary) عربوں کی ایجادوں میں سے ایک ہے۔ علامہ مقریؒ[2] نے بہت سے اسپینی ہیئت دانوں کا تذکرہ کیا ہے جن میں سے چند یہ ہیں۔ ابو القاسم عباس بن فرناس جو مشہور حکیم تھے۔ انہوں نے اپنے گھر میں ایک ہیت آسمانی بنائی تھی جس میں ستارے، ابر، برق و رعد سب دکھائے گئے تھے۔ ابو عبیدہ مسلم بن احمد المعروف بہ صاحب القبلہ کواکب کی حرکات کے بڑے عالم تسلیم کئے گئے تھے۔ یحییٰ بن یحییٰ المعروف بہ ابن السمینہ ریاضی اور نجوم کے ماہرین میں شمار ہوتے تھے اور بہت سی تصانیف کے مالک تھے۔ ابو القاسم اصبغ ابن السمح[3] نجوم و ہندسہ کے زبردست عالم تھے۔ ان کی بہت سی تالیفات ہیں جن میں مشہور ترین المدخل الیٰ ہندسہ اقلیدس کی تفسیر ہے۔ ایک کتاب اصطرلاب اور زائچہ میں اہل ہند کے مطابق لکھی۔ جس کا نام سند ہند رکھا۔ ایک کتاب ثمار العدد المعروف المممات لکھی جو علم ہندسہ میں معتبر تسلیم کی گئی تھی۔ ابو مسلم ابن خلدون اشبیلی علوم فلسفہ و ہندسہ و نجوم پر تصرف کامل رکھتے تھے۔ عبداللہ بن احمد سرقسطی ہندسہ و نجوم کے بڑے ناقد تھے۔ یہی حالت

---

[1] نفح الطیب ص۲۵۳ اردو ترجمہ [2] المقری ص۲۵۳-۲۵۱ (اردو ترجمہ)
[3] الاحاطہ فی اخبار غرناطہ جلد ا تذکرہ "اصبغ"

محمد بن اللیث کی تھی جو حرکات کواکب کے بڑے ماہر تھے۔ ابوالو تشی طلیطلی ہندسہ، منطق اور زایچوں کے ماہر تسلیم کئے جاتے تھے۔

اسکاٹ نے اہل اسپین کے ہیئت و ہندسہ کے بارے میں لکھا ہے کہ ابن ابی الصلت نے ۳۰ برس تک تمام سیاروں کی رفتار کا مطالعہ کیا۔ ابن رشد نے عطارد کی رفتار قرار دینے میں آفتاب کے نقطے معلوم کئے۔ الغرض مسلمانان اسپین نے رصدی مشاہدات میں بڑی محنت شاقہ کی لیکن سب کا انجام دیگر علمی خزانوں کے انجام کے مانند ہوا اور آج ان کا نام و نشان بھی باقی نہیں اور کوئی ایک کتاب بھی تعصب کے ہاتھوں سے نہ بچ سکی لیکن یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ اہل اسپین کے ہر مدرسہ میں لکڑی یا دھات کے بنے ہوئے کرہ ارضی و سماوی موجود رہتے تھے اور کرہ مسطح اور اصطرلاب کا ہونا بڑے مدارس میں ضروری خیال کیا جاتا تھا۔ یہ آلات بہت پیچیدہ ہوتے تھے اور زاویوں کی پیمائش یا دن و رات کے اوقات کے تعین کے لئے استعمال کئے جاتے تھے۔ بعض میں ۵ جدولیں ہوتی تھیں۔ جو دونوں طرف کھدی رہتی تھیں اور نیچے کی طرف گیارہ لکھن ہوتے تھے۔ ان کے اوپر کرہ ہائے آسمان کی رفتار، علامات بروج، مجمع النجوم اور بڑے بڑے ستارے بنے ہوتے تھے اور اس میں ایسے انتظامات رکھے گئے تھے کہ جس مقام پر چاہیں مشاہدہ کر سکیں۔ اس زمانہ کا علم ہیئت اسی قدر ترقی کر چکا تھا جو وہ بلا دوربین کے کیا جا سکتا تھا۔ موجودہ زمانہ کی المناج (Almanac) انہی کی ایجاد ہے جو علامات سات سیاروں کی انہوں نے مقرر کی تھیں وہ آج تک ویسی ہی ہیں۔[1]

علم ریاضی پر تجربات، اس کے استعمال کا طریقہ اور خاص کر اس کے تمام شعبوں کی نشوونما میں مسلمانان اسپین نے انتہا درجہ کی قابلیت کا مظاہرہ کیا۔ سب سے اول انہوں نے مدت سال کا صحیح حساب لگایا اور ستاروں کی رفتار کا جدول تیار کیا۔ جلیوس کے رسالہ المجسطی اور ابوالوفا بغدادی کے رسالہ المجسطی کو اہل اسپین نے ابتداء ہی سے اختیار کر لیا تھا۔ انہوں نے ہندی اعداد اختیار کر کے بہت جلد رومن ہندسوں کو ملک بدر کر دیا۔ کسور اعشاریہ کے قواعد بنائے۔ الجبرا کے مطالعہ کو انہوں نے ترقی دی ورنہ اس سے قبل اس کے غایت و مقصود اور امکان کا حل غیر مکمل طور پر سمجھا جاتا تھا۔ انہوں نے آلہ پیمائش ارضی بجائے جریب (Chord) کے جیب ہندسی ایجاد کیا۔ یہ اسپینی مسلمانوں ہی کا کارنامہ ہے کہ انہوں نے نویں صدی عیسوی کے اواخر ہی سے ایسے اعداد کا استعمال شروع کر دیا تھا جو حروف الغبار کہلاتے تھے۔ آج کل کے یورپی اعداد انہی حروف الغبار سے مشابہت رکھتے

---

[1] اخبار اندلس جلد ۳ ص ۵۳۴ (اردو ترجمہ)

ہیں۔ الغرض ریاضیات میں اہل اسپین نے بڑی کدو کاوش کی اور یورپ کو اس علم سے روشناس کیا۔

علم نباتات وادویات

زراعت سے متعلق جو بے نظیر طریقے مسلمانان اسپین نے اختیار کئے تھے ان کی کامیابی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ علم نباتات سے بخوبی واقف تھے۔ مسلمان فاتحین باوجود اس کے بدویانہ زندگی کے عادی تھے۔ پھر بھی انہوں نے اس علم کی طرف سب سے پہلے اور خاص توجہ کی اور اس کی تحقیق و جستجو کی سرپرستی میں ذرا بھی دیر نہ کی۔ خلفاء بنو امیہ کی طرف سے مختلف پودوں اور درختوں کے نمونے اور بیج حاصل کرنے کے لئے مختلف ممالک میں جماعتیں روانہ کی جاتی تھیں۔ دیسی اور پردیسی پودوں کی نشوونما اور تحقیقی کام کے لئے مضافات شہر میں باغات مخصوص ہوتے تھے۔ بلاشبہ یہ حق اہل اسپین ہی کو ملتا ہے کہ انہوں نے یورپ کو اپنی تحقیقات سے مالا مال کردیا۔ علم نباتات کے ہر شعبہ میں صدیوں پیشتر کی تحقیقات کو انہوں نے نتائج اور تجربات کے ساتھ اپنے ملک میں جمع کرلیا تھا۔ وہ فہرست نباتات جو متقدمین بنا گئے تھے اس میں دو ہزار کے قریب نئے پودوں کا اضافہ کیا۔ انہوں نے عصارہ نباتات کی توضیح کی۔ چھال، پتوں وغیرہ کے خواص کو سمجھایا۔ دسویں صدی عیسوی میں شاہ قسطنطنیہ نے ڈ۔سکورڈیس (د۔ستوروس) کے رسائل نباتات کا عربی ترجمہ کراکر خلیفہ اندلس کی خدمت میں روانہ کیا تھا۔ اسپینی مسلمانوں کی علم نباتات کی کتابوں میں نہایت خوبصورت صحیح اور رنگین تصاویر ہوتی تھیں[1]۔ ہٹی کے کہنے کے بموجب اسپین کے ماہرین نباتات مختلف پودوں کو آپس میں ملا کر نئی نسل پر اس کے اثرات کا جائزہ عام طور پر لیا کرتے تھے۔ انہوں نے درختوں کو مختلف اقسام میں منقسم کردیا تھا۔

(۱) وہ درخت جو پیوند لگانے سے بڑھتے تھے

(۲) وہ درخت جو بیج کے ذریعہ اگتے تھے

(۳) وہ درخت جو خودرو ہوتے تھے

قرطبہ کے طبیب ابو جعفر احمد بن محمد غافقی نے اسپین اور افریقہ کے درختوں کو جمع کیا۔ ان کے عربی، افریقی اور لاطینی نام تجویز کئے اور ان کو اس طرح بیان کیا کہ عربی میں اتنی مختصر جامع اور صحیح

---

[1] The History of The Arabs - Hitti - P. 74

۔ کتاب نہیں مل سکی۔ اس عالم کا اہم ترین کام الادویہ المفردہ ہے۔ ۱۲ویں صدی کے اختتام پر اشبیلہ کے مشہور عالم ابوذکریا یحییٰ بن العوام نے فن زراعت پر ایک کتاب الفلاحہ لکھی جو نہ صرف اسلامی دنیا کی اہم ترین کتاب میں شمار کی جاتی ہے بلکہ اس فن پر سب سے زیادہ مقبول و معروف کتاب تصور کی جاتی ہے۔ ابن العوام نے یونانی کتب' عربی کتب اور اپنے ذاتی تجربہ سے اس کتاب میں ۵۸۵ درختوں کی بابت ہمہ اقسام کی معلومات بہم پہنچائی ہیں اور تقریباً پچاس پھل دار درختوں کی کاشت کے طریقے کو واضح کیا ہے۔ اس نے بونے' زرانے کے طریقے' مٹی اور کھاد کا استعمال' درختوں کی دیکھ بھال کے طریقے ان کی بیماریوں اور ان کے علاج بھی پتہ چلایا ہے۔ ابن العوام نے ۶۰۰ ایسی جڑی بوٹیوں کا بھی پتہ چلایا ہے جو دوا کے طور پر استعمال کی جاسکتی تھیں۔ ان تمام خوبیوں اور اوصاف کے باوجود عرب مصنفین نے اس کتاب کا تذکرہ تک نہیں کیا۔ ابن خلکان اور یاقوت حموی اس بارے میں خاموش ہیں۔ اور حاجی خلیفہ مصنف کشف الظنون تو اس سے واقف ہی نہیں معلوم ہوتے۔ اس کی وجہ ابن خلدون کے اس قول سے پتہ چلتا ہے کہ "یہ کتاب ابن وحشیہ کا چربہ ہے[1]"

تاریخ اسپین کا مشہور و معروف عالم نباتات و ادویات عبداللہ ابن احمد بیطار ہے جو مالقہ میں پیدا ہوا اور اس کو ڈسکوریڈس کا صحیح جانشین ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس نے نباتات کے عالم کی حیثیت سے اسپین اور شمالی افریقہ کا ایک طویل سفر کیا اس سفر میں اس کے ساتھ مصوروں کی ایک فوج تھی، جو پودے کی شکل جوں کی توں اتار دیا کرتے تھے۔ آخر میں ابن بیطار قاہرہ چلا گیا اور الملک الکامل ایوبی کے دربار سے منسلک ہوگیا[2]۔ مصر سے اس نے شام اور ایشیا کوچک کے طویل سفر کیے۔ ۶۴۲ھ/۱۲۴۸ء میں اس نے دمشق میں انتقال کیا۔ اس نے اپنے پیچھے دو شاہکار چھوڑے جن کو اس نے اپنے مربی الملک الصالح ایوبی سے معنون کردیا تھا۔ پہلا شاہکار المغنی فی الادویہ المفردہ تھا اور دوسرا الجامع فی الادویہ المفردہ تھا یہ کتابیں گو عربی اور یونانی معلومات پر مشتمل ہیں۔ لیکن خود مصنف کے ذاتی تجربہ اور تحقیقات اس میں شامل ہیں جن سے کتاب کی افادیت میں گرانقدر اضافہ ہوجاتا ہے۔ یہ دنیائے طب و نباتات کی عجیب و غریب کتابیں تصور کی جاتی ہیں۔ ۱۴۰۰ کے قریب نسخے درج ہیں جن میں ۲۰۰ نسخے درختوں سے متعلق ہیں جو عجائبات میں سے ہیں۔ جن مصنفین کے حوالے

---

[1] مقدمہ ابن خلدون ص۴۱۲ (اردو ترجمہ) [2] نفح الطیب جلد ۱ ص۹۳۴

دیئے گئے ہیں ان کی تعداد ۱۵۰ ہے جن میں ۲۰ کے قریب یونانی ہیں۔

طب و ادویات

گو مسلم اسپین کے بیشتر طبیب پیشہ ور ہوتے تھے لیکن بہت سے اپنی مرضی اور شوق سے یہ کام کرتے تھے۔ ابن رشد، ابن میمون، ابن باجہ اور ابن طفیل جن کا تذکرہ فلسفہ کے بیان میں ہوا ہے۔ اعلیٰ ترین طبیبوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ ابن الخطیب جن کا شمار مشہور ترین ادباء اور مورخین میں کیا جاتا ہے ان چند اطباء میں سے تھے جو وزارت کے عہدے تک پہنچے تھے۔ اس نے امراض نسوانی اور فن قابلہ پر بڑے بڑے رسائل تحریر کئے۔ اور چھوت کے مرض پر ایک تحقیقی کام بھی کیا جس کا نام مقنعة السائل عن المرض الہائل تھا۔ چنانچہ طب و ادویہ پر بھی اسپین کے مسلمانوں نے بڑا کمال دکھایا۔ سلاطین کی سرپرستی نے اس فن کو بام عروج پر پہنچادیا تھا۔ مسلمان طبیبوں نے نہ صرف نئے نئے تجربات کئے اور نئی نئی ادویات معلوم کیں بلکہ جدید طرز علاج کی بنیاد ڈال کر پرانے طریق علاج کو بدل ڈالا۔ انہوں نے اپنی ذہانت اور فطانت سے طب یونانی کو بلندیوں تک پہنچادیا تھا۔ خصوصاً فن جراحت میں تو اگر ان کو ہی موجد مانا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

سرجری (فن جراحت) کے کامل فن ہونے میں ابوالقاسم خلف بن عباس الزہراوی کی مثال ملنا مشکل ہے جو الحکم ثانی کا درباری طبیب تھا۔ قرطبہ کے مضافات الزہرہ میں پرورش پائی۔ اس کی شہرت جس کتاب کی بدولت تمام طبی دنیا میں ہوئی وہ التصریف المن عجز عن التالیف ہے۔ صاحب عیون الانباء نے لکھا ہے[1] کہ یہ کتاب ابوالقاسم زہراوی کی بہترین اور مشہور تصانیف میں سے ہے۔ اس کتاب کے آخری حصے میں جراحت کے متعلق بہت سے نظریات و تجربات بیان کئے گئے ہیں۔ مثلاً زخم کس قسم کے ہوتے ہیں۔ مثانہ کا علاج کس طرح کیا جاتا ہے اور ان کی پتھری کو بغیر آپریشن کے کس طرح توڑ کر نکالا جاسکتا ہے۔ اور تشریح الابدان کی اہمیت وغیرہ۔ صدیوں تک یہ کتاب یورپ کے جراحوں کا ماخذ بنی رہی۔ اس کتاب میں آلات جراحی کی تصاویر بھی دی گئی ہیں جنہوں نے بعد کے آنے والے جراحوں کی صحیح رہنمائی کی۔ یورپ میں تو فن جراحت کی بنیاد ہی اس کتاب سے پڑی۔

---

[1] ابن ابی صیبعہ جلد ۲ صفحہ ۵۳-۵۲

جس طرح الزہراوی کی شہرت اس کے علم جراحت سے ہوئی اسی طرح ابن زہر نے علم الادویہ میں ناموری حاصل کی۔ ابو مروان عبدالملک بن ابی العلاء الملقب بہ ابن زہر[1] اسپین میں اپنے طبیب خاندان کا مشہور و معروف فرد تھا۔ ۴۸۴ھ/۱۰۹۱ء اور ۴۸۷ھ/۱۰۹۴ء کے درمیان اشبیلیہ میں پیدا ہوا تھا اور ۵۵۷ھ/۱۱۶۲ء میں عبدالمومن مواحد کے درباری طبیبوں میں شامل ہو کر کئی سال تک اس کی خدمت انجام دی اور وہیں پر انتقال کیا۔ اس کے تجربات کی حقیقت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ باوجود اس کے کہ وہ بہت سے علوم میں کامل دستگاہ رکھتا تھا لیکن اس نے اپنے ہم عصروں کی طرز کے خلاف اپنی تمام تر توجہ صرف علم الادویہ ہی پر مرکوز رکھی۔ اس نے چھ کتابیں تحریر کی تھیں جن میں سے تین آج تک باقی ہیں۔ سب سے زیادہ اہم کتاب التیسیر فی المداوہ والتدبیر ہے جو اس نے اپنے دوست ابن رشد کے کہنے پر لکھی تھی۔ ابن رشد نے اپنی کتاب کلیات میں ابن زہر کو سب سے بڑا طبیب تسلیم کیا ہے۔ ابن زہر ہی وہ شخص تھا جس نے سب سے اول یہ معلوم کیا کہ انسانی جسم میں سے ایک خاص قسم کے جراثیم کم ہو جانے سے خشک خارش پیدا ہو جاتی ہے اور اس کا علاج گندھک ہے۔ وہ ابوبکر رازی کے بعد مسلمانوں میں سب سے بڑا شفاخانوں کا ماہر سمجھا جاتا تھا۔

ابن زہر کا خاندان قریباً تین صدی تک مسلم اسپین کے طبی اساتذہ میں شہرت یافتہ تھا۔ ابو مروان ابن زہر کے لڑکے ابوبکر محمد اس خاندان کے ممتاز فرد تھے لیکن انہوں نے طب سے زیادہ عربی ادب میں کافی شہرت پائی۔ علامہ مقری[2] اور ابن خلکان[3] نے ابوبکر محمد کی سینکڑوں نظموں کا تذکرہ کیا ہے جن میں موشح اور زجل نظمیں بھی تھیں جو ندرت خیال میں بے مثال تھیں۔ ابو یوسف یعقوب مواحد نے مراکش میں اس کو اپنا درباری طبیب مقرر کیا تھا جہاں کسی وزیر نے حسد میں اس کو زہر دے کر مروا ڈالا۔

ان مشہور و معروف اطباء کے علاوہ مسلم اسپین میں اور بھی مشہور اطباء اور ماہرین ادویہ گذرے ہیں جنہوں نے اس علم کو شہرت کے بام عروج تک پہنچایا اور بڑی خدمات سر انجام دیں۔ محمد ابن عبدالرحمٰن الاوسط کے زمانہ میں حمید بن آبان خداداد صلاحیتوں کے مالک سمجھے جاتے تھے۔ وہ بہترین طبیب تھے اور ادویہ سازی میں بڑا نام حاصل کیا۔ بہت سے نئے مشروبات، ادویہ اور سفوف ان کی طرف منسوب تھے۔[4]

---

[1] ابن ابی اصیبعہ جلد ۲ صفحہ ۶۶-۶۷ [2] نفح الطیب جلد ا صفحہ ۶۲۵-۲۸ [3] ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۲۷۵-۷۶
[4] عیون الانبیا جلد ۲ صفحہ ۴۱

محمد بن فتح قرطبہ کا مشہور طبیب تھا اور سارے اطباء ادب سے اس کے آگے سر جھکاتے تھے۔
اسپین کے دواساز طبیبوں میں الحرانی بہت مشہور تھا۔ وہ خاص طور معجون بنانے میں ماہر تھا۔ الحکم ثانی کے خاص طبیبوں میں احمد و عمر دو بھائی بہت مشہور تھے۔ جن میں احمد سب سے زیادہ معروف تھا اور قابل ترین طبیب تھا۔ جوارشات بنانے میں اس کو بڑا کمال حاصل تھا۔ عبدالرحمٰن الناصر کے دور میں یحییٰ ابن اسحٰق بلند پایہ طبیب تھا اور الناصر اس کو بہت عزیز رکھتا تھا۔ اس نے طبی دنیا میں بڑی شہرت پائی اور کئی کتابیں بھی تحریر کیں جن میں سب سے عمدہ اور قابل قدر طب کبیر تھی۔

قرطبہ کے مشہور اطباء میں سعید بن عبدربہ کا نام بھی آتا ہے۔ یہ طبیب کے ساتھ ساتھ بہت بڑا ہیئت دان بھی تھا۔ عموماً علاج میں حبوب یعنی ٹکیاں استعمال کرتا تھا اور اکثر دواؤں کی ٹکیاں بناتا تھا۔ اس نے طب پر کئی کتب تحریر کیں۔ "جس میں تعالیق و مجربات فی الطب" اور "ارجوزۃ فی الطب" بہت مشہور ہیں۔ احمد بن جابر الحکم ثانی کے زمانہ میں مشہور اطباء میں شمار کیا جاتا تھا۔ طب پر کئی تصانیف کیں اور فلسفہ میں بھی اپنی تصانیف کی بدولت شہرت پائی۔ خاص طور پر یورپ میں بہت مشہور ہوا۔ محمد بن عبدون قرطبہ کا آزاد خیال طبیب مشہور تھا۔ کسی دربار سے منسلک نہ رہا بلکہ عوام کی خدمت کرتا تھا۔ اس کی ایک کتاب "کتاب فی التکسیر" بہت مشہور ہوئی۔[1] یورپ میں شہرت پانے والوں میں عبدالرحمٰن بن اسحاق بن الہیثم بھی ہے۔ علم البصر والنور میں اس کی تحقیقات کو یورپ میں بڑی منزلت حاصل ہوئی۔ اُس نے سب سے پہلے شفق کا راز معلوم کیا۔ امراض چشم پر اس نے بہت سے انکشافات کئے۔ اس نے ایتھر کا نظریہ ایجاد کیا اور بتایا کہ نگاہ کے ماوری ایتھر کی دنیا ہے۔ وہ زبردست عالم اور مصنف تھا اور اس کی کئی کتابیں اسپین کے نصاب تعلیم میں شامل تھیں۔
اسپین کے ماہر اطباء میں داؤد سلیمان بن حسان المعروف بہ ابن جلجل کا بھی شمار ہوتا ہے۔ معالجات اور ادویہ سازی میں غیر معمولی صلاحیت رکھتا تھا اور ہشام المؤید کا طبیب خاص تھا۔ اس نے ڈیسکوریڈس کی کتاب کے اسرار پر روشنی ڈالی اور تنقید کی اور ایک زبردست تصنیف ادویہ مفردہ لکھی جس میں پرانے نسخوں اور اپنے تجربات کو قلم بند کیا۔[2]

اسپین کے مسلم اطباء میں ابن وافد اپنے علم اور صلاحیت کی بناء پر سربلند ہے۔ وہ جالینوس اور

---

[1] عیون الانباء ص ۴۷ ، [2] ایضاً ص ۴۸

ارسطو کا حافظ تھا۔ ادویہ مفردات میں جو مہارت اس کو حاصل تھی کس دوسرے کو نصیب نہ ہو سکی۔ وہ دسویں صدی عیسوی میں طلیطلہ میں گذرا ہے۔ اس کی غیر معمولی قابلیت اور صلاحیت نے اس کو اپنے سینکڑوں ہم عصروں پر فائق رکھا۔ اس نے بیس سال کامل اپنی کتاب پر جو علم الادویہ سے متعلق تھی صرف کئے۔ اس کے سینکڑوں شاگرد تھے جنھوں نے یورپ میں اس کی شہرت بڑھائی۔ اس کی تصانیف میں کتاب ادویہ مفردہ مجربات فی الطب۔ تدقیق النظر فی علل حاسۃ البصر اور کتاب المغیث زیادہ مشہور ہوئیں۔ علامہ مقری نے لکھا ہے کہ وزیر ابوالمطرف عبدالرحمٰن بن شہید مصنف ادویۃ المفردہ طب میں خدا کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے۔ انھوں نے ادویہ مفردہ کی طرف توجہ کی اور ان کے اثرات و درجات مقرر کئے۔ وہ عام طور پر غذاؤں سے علاج کرتے تھے اور دوائیں کم دیتے تھے۔ مرکبات کم اور مفردات زیادہ استعمال کراتے تھے۔ خطرناک امراض میں ان کے عجیب و غریب آسان علاج اور شفاء کامل کے قصے زبان زد عوام تھے۔ امکاٹ[1] کے بقول امراض چشم پر محمد بن قاسم نے ایک کتاب چھ سو صفحات میں لکھی۔ محمد التمیمی کی کتاب فتق اور رسولی کے متعلق چار سو صفحات میں تھی۔ داؤد نے ایک کتاب تبخیر، امراض چشم اور قبض کے امراض پر لکھی تھی جس میں اس نے یہ مشورہ دیا تھا کہ مثانہ کی پتھری جراحی سے نکالنے پھوڑوں کو چیرنے اور خصی کرنے میں مخدر دواؤں کا استعمال ضرور کرنا چاہئے۔ صلاح الدین بن یوسف نے ایک کتاب کی آنکھ کی تشریح اور نگاہ کے متعلق تصنیف کی تھی۔

ان کے علاوہ سینکڑوں کی تعداد میں عیسائی اور یہودی اطباء بھی گذرے ہیں جن کی تحقیقات اور تصانیف اسپین کے دور مسلم کا زبردست سرمایہ تھیں۔ ان میں مشہور و معروف جواد، خالد بن یزید، ابن ملوکہ، مروان، بن جناح، اسحاق بن تیسار طلیطلی، ابوالفضل بن یوسف وغیرہ گذرے ہیں۔[2]

متذکرہ بالا تذکرہ تو مشہور و معروف اطباء اور ماہرین ادویات کا تھا۔ اب اگر مسلم اسپین کے نظام طب، علاج گاہوں اور تربیت گاہوں کا بھی تذکرہ کر دیا جائے تو پتہ چلے گا کہ مسلمانوں کا طب کی طرف عام طور پر کس قدر میلان تھا۔

بنو امیہ اسپین کی ابتداء ہی سے اسپین کے تمام بڑے بڑے شہروں میں دواخانے قائم تھے اور یہ

---

[1] اخبار اندلس جلد ۳ ص ۵۶۱ (اُردو ترجمہ)
[2] تفصیل کیلئے عیون الانباء ابن ابی اصیبعہ جلد ۲

سب طلیطلہ اور قرطبہ کے مرکزی دواخانوں کے ماتحت تھے۔ حکومت کی طرف سے دواخانوں کی دیکھ بھال اور نگرانی ہوتی تھی اور اس کے لئے ناظر یا گرو آور مقرر کئے جاتے تھے۔ دواخانہ کے مالک اس بات کے قانوناً ذمہ دار قرار دیئے جاتے تھے کہ وہ مفرد دوائیں صاف اور تازہ رکھیں اور مرکبات نسخوں کے مطابق تیار کریں۔ اسپین کے دور مسلم میں محکمہ شفاخانہ پر مورخین نے بہت کم توجہ دی ہے لیکن یہ بات قرین قیاس نہیں معلوم ہوتی کہ کسی بھی حکومت نے اس اہم شعبہ سے غفلت برتی ہو۔ چنانچہ مختلف روایات سے پتہ چلتا ہے کہ صرف قرطبہ میں پچاس سرکاری شفاخانے تھے۔ اسپینی اطباء مریض کے پلنگ کے پاس طبی مشورہ دیا کرتے تھے۔ سرکاری تنخواہ دار طبیب خاص خاص مقررہ اوقات میں ممالک محروسہ کا دورہ کرتا تھا اور دور دراز کے علاقوں میں جایا کرتا تھا۔ غریب مریض کا علاج اور دوا مفت ہوتی تھی۔

علم تشریح الابدان نے جو فن طب کی روایات و تجربہ میں نئی چیز تھی بتدریج ترقی کی۔ قبرستان میں ہڈیوں کے ڈھیر دیکھتے دیکھتے طلباء جسموں کی طرف مائل ہوئے۔ پہلے قیاسات پر کام کیا پھر اعضاء کی وضع و موضوع کا بغور مشاہدہ شروع کیا اور جانوروں اور قتل کے سزا یافتہ لوگوں کی لاشیں چیرنا شروع ہو گئیں۔ اسپین کے اطباء اندھی تقلید کے ذرا بھی قائل نہ تھے۔ انہوں نے یہ اہم اصول قرار دیا تھا کہ اندرونی اعضاء کے افعال کا مطالعہ اشد ضروری ہے۔ عمل جراحی میں سخت احتیاط کی جاتی تھی۔ ہر نئے نظریہ کا سخت تجربہ کیا جاتا تھا اور جب تک کہ معمولی علاج سے مرض دور ہو سکتا تھا اس وقت تک سخت علاج نہ کرتے تھے۔ اطباء اسپین نے اپنی تصانیف میں آلات استعمال کی تصاویر بنانے کا طریقہ جاری کیا جو آج تک بہترین طریقہ سمجھا جاتا ہے۔ امراض چشم پر خاص توجہ دی جاتی تھی۔ فدا حسین نہایت ماہر و کامل آنکھوں کے جراح ہوتے تھے۔ ان کے یہاں نزول الماء کی نو قسمیں تھیں اور ان اقسام کا علاج وہ آنکھ کو قدح کرنے یا نشتر لگا کر پانی نکالنے سے کرتے تھے۔ علاج چشم میں جو سوئیاں وہ استعمال کرتے تھے وہ گول ہوتی تھیں یا تکون اور اندر سے کھوکھلی ہوتی تھیں۔ بہت سے اطباء نے مثانے کی پتھری کو چیر کر نکالنے اور ہڈیوں کو اپنی جگہ بٹھانے میں بھی مہارت حاصل کر لی تھی۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ زخم سے اگر خون نہ رکے تو شرائن کو کس طرح باندھ دینا چاہئے۔ رسولی نکالنے کے لئے وہ ہک کا استعمال اور خون کا دوران درست رکھنے کے لئے ریشم یا سوت کا ڈورا جلد کے نیچے دینے کا طریقہ انہی کی ایجاد ہے۔ زمانہ حال کے پٹی باندھنے کا طریقہ بھی انہی کی ایجاد ہے۔ عمل جراحی سے پہلے مخصوص جگہ کو سن کرنا اور موجودہ زمانہ کے جراحی کے بیشتر طریقے

اسپین میں اپنی ابتدائی شکل میں استعمال میں تھے۔

بہت سی ایسی دوائیں جو موجود نہ تھیں اسپینی اطباء نے ایجاد کیں مثلاً ضماد' مرہم وغیرہ کے لئے یورپ مسلمانان اسپین کا آج تک مشکور ہے کہ انہوں نے مفردات میں کپور' الماس' حب الملوک' املی' صندل کباب چینی' جویدار' سناؤ' ریوند چینی اور کافور' مرکبات میں جلاب' اکسیر شربت اور معجون' خوشبودار مصالحوں میں قرنفل' جوزبو' زنجبیل' (ادرک) اور الائچی سے یورپ کو آشنا کیا۔ ہر دوا ساز کو اپنی قابلیت کا ایک امتحان دینا پڑتا تھا۔ ہر دوا کی قیمت حکومت کی طرف سے مقرر تھی اور نرخنامہ دوکانوں پر لٹکانے کا حکم تھا۔ جو لوگ ان قواعد کی پابندی نہ کرتے ان کو سخت سزا دی جاتی تھی۔ چیچک اور جذام پر حکومت کی طرف سے تحقیقات کرائی جاتی تھیں۔ امراض اعصابی' دماغی صدری' فتور عقل کے لئے مخصوص معالج ہوتے تھے۔ پردہ اور حفاظت حرم کے خیال سے زنانہ خانوں میں مرد نہ جاتے تھے۔ بلکہ اس کے لئے قابلہ کی خدمات لی جاتی تھیں۔ نسوانی امراض عموماً عورتوں کے زیر علاج رہتے تھے۔ سب سے زیادہ اہمیت صفائی اور حفظان صحت کے اصولوں کو دی جاتی تھی اور علاج شروع کرنے سے پہلے ان چیزوں کو ضرور اختیار کیا جاتا تھا۔ اطباء اسپین کا یہ کہنا تھا کہ ہضم کرنے والے اعضاء سے زیادہ کام لینا بہت سے امراض پیدا کرتا ہے اس لئے پرہیز اور اعتدال غذا کا خاص طور پر خیال رکھا جاتا تھا۔

کیمیا

اسپین کے مسلمانوں میں نئے نئے تجربات کرنے اور نئی نئی ایجادات کرنے کا قدرتی شوق موجود تھا۔ یونانی اور مصری قدیم اطباء کے مطالعہ کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ وہ علم کیمیا سے بخوبی واقف ہو گئے تھے بلکہ اس کے حصول کا شوق بھی ان میں وافر پیدا ہو گیا تھا۔ ان کا یہ خیال پختہ ہو گیا تھا کہ تمام معدنی اشیاء میں ایک ہی جوہر مختلف مقدار میں موجود ہے۔ اگر مختلف تراکیب سے اس جوہر کو ضائع کر دیا جائے تو ایک چیز دوسری میں منتقل ہو سکتی ہے۔ اس طرح تانبے کو سونا بنایا جا سکتا ہے۔ ابتداء میں اسپین کے کیمیا دان اپنی معلومات و تجربات کو اپنے یونانی اساتذہ کی طرح معموں اور الفاظ کے پردوں میں چھپاتے تھے۔ لیکن جیسے جیسے اس علم کو ترقی ہوتی گئی کیمیاں داں بھی اپنے نسخوں اور تجربات کو پوشیدہ رکھنے سے باز آتے گئے۔ امراء و سلاطین کی طرف سے ان کو داد تحسین اور سرپرستی ملتی گئی جو خود بھی کیمیا میں شغف رکھتے تھے۔ گو اسپین میں یہودیوں نے اس فن میں امتیاز حاصل کیا

لیکن مسلمان بھی ان سے کسی طرح پیچھے نہ رہے۔ اگرچہ یہ فن عام طور پر ناپسندیدہ اور غیر شرعی سمجھا جاتا تھا لیکن کیونکہ فائدہ مند نظر آتا تھا اس لئے درپردہ اس کا رجحان بڑھتا گیا۔ کیمیا کی تلاش میں اسپین کے کیمیا دانوں نے جو تجربات اور مشاہدات کئے ان سے بلا ارادہ وہ نتائج حاصل ہوئے جو آگے چل کر نوع انسانی کے لئے بڑے کار آمد ثابت ہوئے۔ معدنیات کو گلانے اور تبدیل کرنے کی کوششوں سے وہ ان تراکیب تک پہنچ گئے جس سے کچی دھات کو گلانے اور کار آمد بنانے کا کام لیا جاسکتا تھا۔ چنانچہ معدنی اشیاء کو ڈھالنا' شیشہ کو گلانا اور اسی سے اشیاء بنانا معدنیات پر شیشہ چڑھانا' انہوں نے سیکھ لیا۔ اہل اسپین نے کیمیا کے تجربات اور مطالعہ کو اس حد تک پہنچادیا تھا جہاں وہ اس سے پہلے نہ پہنچا تھا۔ گو انہوں نے اس فن میں مشرقی ممالک سے بہت کچھ فیض حاصل کیا لیکن پھر بھی ان کو نمایاں اور قابل داد اولیت حاصل ہے اور اگر زمانہ حال کی کیمیا کا ان کو موجد کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

اسپین کے بیشتر کیمیا دانوں نے نمایاں طور پر اس فن پر کئی کتابیں تصانیف کی ہیں اور قلم کرنا (Crystallization) تصعید (Subliniation) تقطیر (Distillation) ترویق (Filteration) تحلیل (Solution) کی تراکیب بھی بتائی ہیں۔ تیزاب شورہ (Nitric Acid) اور تیزاب گندھک (Sulphunic Acid) کا استعمال اور ایجاد انہی کی ہے۔ ان دونوں تیزابوں کے بغیر کیمیائی تراکیب کا کوئی امکان نہ تھا۔ انہی کی بدولت دنیا کو الکحل' تیزاب' نوشادر' پوٹاس' بائیکلورائڈ آف مرکری چاندی کے پانی اور فاسفورس کا علم ہوا۔ ان معلومات سے ایک طرف تو صنعت و حرفت میں ترقی ہوئی تو دوسری طرف طب و جراحت کو انسانی تکلیف کو زیادہ سے زیادہ رفع کرنے کا سامان بہم پہنچا۔ اکال ادویہ (Cavstic) اور تیزابوں نے تو فن ادویہ میں انقلاب عظیم پیدا کردیا۔

اطباء اسپین کو یہ علم تھا کہ مکلس معدنی اشیاء اپنا وزن کم کرنے کی بجائے بڑھالیتی ہیں۔ اس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اہل اسپین کو گیسوں (Gasses) کا علم تھا۔ وہ آکسیجن کو بھی معلوم کرچکے تھے اور کچھ تجربات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کو ہائیڈروجن کے وجود اور اس کے خواص کا بھی علم تھا۔ اسپین کی تمام جامعات میں طلباء علوم سائنس پر نت نئے تجربات کرتے تھے اور وہ علوم جو ایک عرصہ سے بدنام تھے ان طلباء کی عملی جدوجہد کی وجہ سے ان کی بدنامی دور ہوتی جاتی تھی۔ خاص طور پر کیمیا کے متعلق برے شکوک و شبہات کا بڑی حد تک خاتمہ ہوگیا تھا۔ اسی فن کے ذریعہ انہوں

نے ایک نئی شاخ پیدا کی جو فن دوا سازی کے نام سے پکاری جاتی تھی۔ علامہ مقری نے لکھا ہے کہ اہل اسپین کے ذکاء و استخراج و استنباط علوم کا یہ حال تھا کہ ایک ابو القاسم بن فرناس نے پتھر سے شیشہ بنانے کی ترکیب نکالی۔ انہوں نے ایک آلہ مثقال نامی بنایا جس سے اوقات معلوم کرتے تھے۔ یہ حکیم اپنے جسم پر مصنوعی پر لگا کر ہوا میں اڑے لیکن کیونکہ دم نہ لگائی تھی اس لئے اڑتے وقت ان کو بہت تکلیف ہوئی۔ انہوں نے کیمیا پر بھی کافی تجربات کئے۔ علامہ ابن خلدون کے بقول[1] گو اس علم کا استاد کامل جابر بن حیان کوئی تھا لیکن ابو القاسم مسلمہ المجریطی نے حکماء اندلس میں استاد کل کا مرتبہ پایا۔ اس کا یہ دعویٰ تھا کہ کیمیا اور سحر حکمت کے نتائج ہیں۔ ابو بکر ابن بشر اور ابن السمح دونوں مجریطی کے شاگرد تھے۔ مسلمہ مجریطی نے دو کتابیں تحریر کیں ایک کیمیا پر جس کا نام "رتبتہ الحکیم" تھا۔ دوسری سحر و طلسمات پر جس کا نام "غایتہ الحکیم" تھا۔ ان دونوں شاگردوں نے بھی کیمیا پر کافی کام کیا۔

---

[1] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۳۵-۵۳۴ (اردو ترجمہ)

شعبۂ فنون

فن تعمیر

اسپین میں مسلمانوں کے فن تعمیر کے مطالعے کے سلسلے میں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ مسلمان سلاطین اور اسپینی عوام کی اکثریت نے کبھی بھی کسی پرانی ثقافت کی اندھی تقلید کو پسند نہ کیا بلکہ جیسا کہ بتایا جاچکا ہے کہ ایک نئی اسپینی تہذیب کو جنم دیا۔ چنانچہ اس نئی تہذیب کے آثار ان کی تعمیرات سے پوری طرح ظاہر ہوتے ہیں اہل عرب کا یہ قاعدہ رہا تھا کہ وہ جہاں کہیں فاتح بن کر گئے وہاں کی علاقائی تہذیب کو اپنا لیا اور ان ہی کے خصائل اپنی تعمیرات میں داخل کر لئے۔ چنانچہ سندھ سے لے کر مراکش تک کی تعمیرات میں عربوں کی یہ خصوصیت نمایاں طور پر پائی جاتی ہے لیکن اسپین میں اس کے برخلاف ہوا اور اسپینی مسلمان اپنی ایک نئی طرز تعمیر کے موجد ہوئے جس میں عربی' اسپینی' صیہونی اور دیگر اسپینی اقوام کی خصوصیات کو برابر کا شریک کیا ہے۔ جس سے ان تعمیرات کا رنگ ہی جدا ہو گیا ہے۔ مثال کے طور پر جامعہ قرطبہ ہی کو لیا جائے تو اس میں صیہونی اور عیسائی طرز تعمیر کے ساتھ قدیم' اسلامی طرز بھی ملتا ہے۔ اس طرح اگر ان تعمیرات کو خاص اسپینی طرز تعمیر کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔

اسپین میں مسلمانوں کے فن تعمیر کی عمر چھ سو نوے برس کی ہے۔ یعنی ۸ویں صدی عیسوی میں جامع قرطبہ کی بنیاد پڑی اور ۱۵ویں صدی عیسویں میں غرناطہ کا قصر الحمراء مکمل ہوا۔ اس دوران سینکڑوں عمارات' حمام' محلات' مساجد' مقابر' درسگاہیں' پل وغیرہ تعمیر ہوئے جن کی اگر تفصیل لکھی جائے تو بجائے خود ایک کتاب کی شکل اختیار کر لے۔ اہل اسپین عام طور پر اپنی زیادہ مضبوط عمارات میں چونے مٹی اور پتھر کے مرکب مسالے سے کام لیتے تھے۔ اس مسالے کی یہ خاصیت تھی کہ جس قدر پرانا ہوتا جاتا تھا اسی قدر مضبوط سے مضبوط تر ہوتا جاتا تھا جس کا ثبوت ان عمارات سے مل سکتا ہے جو آج تک قائم ہیں۔ بعض مقامات پر بڑی بڑی اینٹیں بھی استعمال کی گئی ہیں۔ ان میں سے بہت سی اینٹیں ایک طرف سے کھدی ہوتی تھیں۔ تاکہ چونا ان کو اچھی طرح پکڑ لے۔ ایسی شکل میں مرکب مسالہ کام میں نہیں لیا جاتا تھا۔ بعض صورتوں میں تمام دیوار پختہ پتھر ہی کی ہوتی تھی۔ مسجد قرطبہ میں یہ تینوں تراکیب استعمال کی گئی ہیں عمارات کی مضبوطی کا انحصار ان کی بنیادوں پر ہوتا تھا۔ بہت سی عمارات ایسی بھی ہیں جن کی مضبوطی آگے کو نکلے ہوئے پشتے' بلند برجوں اور خوبصورت

مورچوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ عمارت کسی جنگی ضرورت کے لئے بنائی گئی تھی۔ قرطبہ اور اشبیلہ کی مساجد کے میناروں کے انتہائی حصوں کو شعلہ نما صورت کا بنایا گیا تھا جو مجوسی طرز تعمیر سے مشابہ ہے۔ بلکہ اس طرح کی تزئین اسپین کی تمام مسلم عمارات میں بڑے شوق کے ساتھ قائم رکھی گئی ہے۔ چنانچہ الحمرا کی پچی کاری اور طلائی کاموں میں سب سی زیادہ نمایاں یہی تزئین ہے۔

محرابوں کی تعمیر عمارت کی مضبوطی اور خوبصورتی کا پتہ دیتی ہے۔ اسپین کی عمارات میں مختلف قسم کی محرابوں کا پتہ چلتا ہے۔ ان میں چند محرابیں مثلاً نجمی محراب مسلمانان اسپین ہی کی اختراع ہے۔ یہ دوہری کھڑکیاں ہوتی تھیں جن کو ایک نازک سا ستون درمیان میں قائم کرکے الگ کردیا جاتا تھا۔ حکومت بنو امیہ کے شروع کے زمانہ میں جو محرابیں بنائی گئیں تھیں وہ نعلی صورت کی تھیں لیکن جس قدر علم ہندسہ و ہیئت کو ترقی ہوتی گئی اسی قدر محرابوں کا طرز بدلتا گیا۔ یہاں تک کہ قصر الحمراء کی خوبصورت محرابوں کی نزاکت اور کم مسالہ استعمال کرنے کی خصوصیت نے ایک زمانہ کو اس پر حیران و پریشان کیا کہ اس قدر بڑے پائیوں اور کارنسوں کا بوجھ ان نازک محرابوں نے کس طرح سہارا ہے۔ لیکن نعلی محرابیں پھر بھی باقی رہیں۔ باقی محرابیں صاف اور منقش ہوتی تھیں۔ اس بات کا کافی تاریخی ثبوت ملتا ہے کہ نوکیلی محراب یورپ میں اسپین ہی سے آئی تھی اور ۹ ویں صدی عیسوی سے بیشتر اہل اسپین اس سے واقف ہوگئے تھے۔ یہی حال ستونوں کا ہوا۔ گو ان سے پہلے بھی ستون عمارت کا جزو ہوتے تھے لیکن اہل اسپین نے ان میں کافی اصلاح کی اور ان کو غیر معمولی طور پر نازک سے نازک تر بنادیا۔ جو عمارتیں مسلمانوں کے دور اول میں تعمیر ہوئی تھیں ان کے ستون شکل وصورت، قد و قامت، وضع و قطع اور رنگ و مسالے میں یکساں نہیں ملتے کیونکہ وہ زیادہ تر مال غنیمت اور تحفے کے طور پر قدیم عمارات سے لائے گئے تھے۔ اس مال غنیمت یا تحفے کی بین مثال جامع قرطبہ ہے۔ چنانچہ ان میں سے بہت سے ستونوں کے پائے نہیں ہیں اور بلا لحاظ قواعد تعمیر کے جوں کے توں نصب کردیئے گئے تھے لیکن مال غنیمت کی کمی کے ساتھ ساتھ اپنے ستون بنانے کی ضرورت لاحق ہوئی اور اہل اسپین نے اس میں بھی ہنرمندی کے جوہر دکھائے چنانچہ قصر الحمراء کے بیت الاسود کے ستونوں کو دیکھ کر ہر ماہر تعمیرات با آسانی یہ بتا سکتا ہے کہ یہ ستون خالص مسلمانان اسپین کی ایجاد ہیں۔

دیواروں کی سجاوٹ میں بھی اہل اسپین دیگر ممالک اسلامیہ سے کسی طرح کم نہ رہے۔ عموماً عمارات کا بیرونی حصہ بالکل سادہ اور بے رونق ہوتا تھا لیکن اندرونی حصہ میں صناع کے تخیل کا کمال

انتہائی عروج پر ہوتا تھا۔ زیب و زینت کے اسراف میں کسی طرح کمی نہ کی جاتی تھی۔ زخرفۃ العرب کی وضع کا کام کیا جاتا تھا جو دیواروں کی زینت کا قدیم ترین طریقہ تھا۔ جامع قرطبہ میں سب سے پہلے یہ کام کیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ ابتدائی نمونہ سنگ مرمر کی جالیوں کا نظر آتا ہے جن میں ہوا تو خوب آتی تھی لیکن روشنی تکلیف دہ نہ ہوتی تھی۔ اس میں طاق کی شکل کی یا عجمی طرز کی کھڑکیاں نظر آتی ہیں جن کے نازک ستون حجرا لشطوط کے ہیں۔ اشبیلہ کا مینارہ جو کسی فتح کی خوشی میں تعمیر ہوا تھا اور کسی زمانہ میں مسجد کی مینارہ اور رصدگاہ کے کام بھی آیا تھا بڑی حد تک اسپین کی مسلم صناعون کی کاوشوں اور دیواری نقش و نگاری کا اعلی نمونہ ہے۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس مینارہ پر اور جامع قرطبہ پر قلم کاری کی گئی ہے۔ ان دونوں عمارات کے اطراف میں جو جالیاں اینٹوں کی بنائی گئی ہیں کہا جاتا ہے کہ ان پر زخرفۃ العرب کا کام کیا گیا ہے۔ ان جالیوں پر قرمزی اور لاجوردی رنگ کا اور اس کے چھجوں پر سنہرا کام تھا۔

ان دونوں عمارات میں اسپینی صناعوں نے مٹی کی بنی ہوئی ٹائلوں (TILES) کا بھی استعمال کیا ہے۔ جامع قرطبہ میں ٹائلوں (قرامید) کا کام بھدا ہے۔ اس کے جوڑ بدصورتی سے بٹھائے گئے ہیں مگر اشبیلہ کے مینارہ میں ٹائلوں کا کام عمدہ اور خوبصورت ہے اور یہ ٹائلیں دھوپ میں آئینے کی طرح چمکتی تھیں۔ ٹائلوں کے بنانے اور لگانے میں جو ترقی مسلمانان اسپین نے کی اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ اس فن میں اور اصول زیبائش میں کس قدر طاق تھے۔ مسلمانوں کے آخری دور میں ٹائلس کا کام عمارت کے صرف اندرونی حصہ تک ہوتا تھا جیسا کہ آج کل ہوتا ہے۔ قصر الحمراء میں یہ کام اپنی انتہائی عروج پر ہے۔ یہ ٹائلس دندانہ دار بنائے جاتے تھے جو اسپین کے کاریگروں کی مہارت اور ہوشمندی کی دلیل ہے۔ مٹی کے کام میں قابل ذکر بات یہ ہے کہ ایک تو وہ لطیف ہوتا تھا دوسرے یہ کہ خلافت کے زمانہ کے اور اس کے بعد کے زمانہ کے کام میں زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے۔ قرطبہ کی عمارات میں جس قدر کام ہے وہ خالص جڑائی کا نہیں ہے بلکہ پہلے دیواروں پر رنگ لگا دیا گیا ہے اس کے بعد اس پر کسی مجلا مسالے سے خوبصورتی کے ساتھ شیشے جڑ دیئے گئے ہیں۔ بہر حال سفالی کی پچی کاری میں مسلمانان اسپین کی اولیت مسلمہ ہے اور ان کی ایجاد و اختراع کے ثبوت دیواروں اور ستونوں پر اس طرح کندہ ہیں کہ یورپ و ایشیاء کے نقاد فن تعمیر کو دیکھ کر محو حیرت رہ گئے ہیں۔[1]

---

[1] اخبار اندلس جلد ۳ صفحہ ۶

دیواروں کی سجاوٹ پر سب سے زیادہ نمایاں خصوصیت گچ کے کام کی ہے۔ اس مسالہ پر جتنا زیادہ وقت گزرتا جاتا ہے یہ پتھر سے بھی زیادہ مضبوط ہوتا جاتا ہے۔ اس کے بنانے کی ترکیب تو موجدوں کے سینہ ہی میں گئی لیکن گمان غالب یہ ہے کہ پہلے سنگ مرمر کو سرمہ کرلیا جاتا تھا پھراس میں چونا اور جپسم ملاکر ایک خاص مقدار میں انڈوں کی سفیدی میں گوندھا جاتا تھا اور ابھی تقریباً سیال ہی ہوتا تھا کہ سانچوں میں ڈھال لیا جاتا تھا۔ اس میں ضرور کوئی ایسی چیز پڑتی تھی جس سے کیڑے مکوڑے بھاگتے تھے کیونکہ اس مسالے کی دیوار پر کبھی کوئی مکڑی یا مکھی نہیں دیکھی گئی۔ سانچے میں ڈھالے جانے کی وجہ سے قصر الحمراء میں ۱۵۲ وضع کے ایسے پھول بوٹے پائے گئے ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف تھے۔

اسپینی عمارات کی یہ خوبی ہے کہ سوائے ستونوں کے سنگ مرمر کا استعمال بہت کم کیا گیا ہے۔ سیپ کے کام کرنے میں تو اسپینی اپنا جواب نہ رکھتے تھے اور سیپ کی نازک نازک پھول پتیوں کا جوڑ بٹھا کر اپنی محنت کشی کا ثبوت دیتے تھے۔ عمارات کی چھتیں اس طرح بنائی جاتی تھیں کہ ان کو گنا جاسکتا تھا۔ مثلاً مساجد کی چھتوں کے حصے ہر محراب کے جدا جدا ہوتے تھے۔ کڑیاں تین طرف سے منقش ہوتی تھیں۔ تختوں پر رنگین گلکاری ہوتی تھی اور پھول پتیوں کے ابھرے ہوئے حصوں پر سونا چڑھا ہوتا تھا۔ اکثر لکڑی پر کسی کمیاب اور قیمتی شے کا کام کیا جاتا تھا جس میں آبنوس' ہاتھی دانت' سیپ اور کچھوے کی کھوپڑی شامل تھی۔ بعد کے زمانہ میں نصف کرہ نما چھتیں ہونے لگیں اور اندرونی سطح پر ہندسی اصول کے نقش و نگار بنائے جانے لگے تھے۔

مسلمانان اسپین نے فوجی طرز کی عمارات کثرت سے تعمیر کیں کیونکہ تمام معاملات عسکری نوعیت کے ہوتے تھے اور اکثر لڑائیاں ہوتی تھیں اس لئے ان عمارات کی کثرت پائی جاتی تھی۔ یہ دفاعی عمارت عام طور پر وسیع رقبہ پر بنائی جاتی تھی اور ان کی ساخت میں سختی سے عسکری ہندسی اصولوں پر عمل کیا جاتا تھا جو اس زمانہ کی انتہائی ترقی یافتہ اصول تھے۔ دیواریں بہت چوڑی اور مضبوط ہوتی تھیں۔ بروج مربع ہوتے تھے اور تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر بنائے جاتے تھے۔ چنانچہ غرناطہ میں جو عمارت ہے گو اس کا رقبہ کچھ زیادہ نہیں لیکن اس میں ۱۲۰۰ بروج بنائے گئے تھے۔ چھت پڑے ہوئے راستے اور مورچے فوجی راستوں کی حفاظت کرتے تھے۔ قلعہ کی فصیل کے اندر بہت بڑا رقبہ ہوتا تھا جو بجائے خود ایک شہر بن جاتا تھا۔ یہی قلعہ صدر مقام ہوتا۔ یہیں شاہی حزم و حشم ہوتا۔

چھاؤنی ہوتی، خزانہ و ٹکسال اور اسلحہ خانہ ہوتا تھا۔ چوراستے بھی بنائے جاتے تھے۔ طلیطلہ کے باب الشمس کو چھوڑ کر کوئی عمارت ایسی نہیں ملتی کہ جس کی فصیل کو بھی خوبصورت بنانے کی کوشش نہ کی گئی ہو۔ بڑے بڑے پانی کے ذخیروں میں پانی محفوظ رکھا جاتا تھا اور پتھر یا سیسہ کے نلکوں سے کسی پہاڑی چشمے سے پانی بھی لایا جاتا تھا۔

اسپین کے مسلمانوں کی تعمیرات کو ہم تین حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں۔

(۱) پہلا حصہ ان عمارات کا جو دور بنو امیہ میں تعمیر ہوئیں

(۲) دوسرا وہ حصہ جو دور طوائف الملوکی میں تعمیر ہوا

(۳) اور تیسرا وہ جو ۱۳ ویں صدی عیسوی یعنی غرناطہ کی مستقل حکومت کے قیام سے شروع ہوتا ہے اور قصر الحمراء کی تعمیر پر ختم ہوتا ہے۔ ہم یہاں پر چند عمارات کا تذکرہ کرتے ہیں تاکہ مسلمانان اسپین کی صنعت تعمیر کے نمونے مل سکیں۔

پہلے حصہ میں جو عمارات تعمیر ہوئیں ان کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ جن میں سرکاری اور غیر سرکاری دونوں اقسام کی عمارات شامل ہیں۔ جہاں تک عوامی تعمیرات کا تعلق ہے ان میں مساجد، مدارس، حمام، پل، سرائے اور سڑکیں وغیرہ شامل ہیں۔ ان عمارات کا طرز تعمیر کیسا تھا اور ان پر کس طرح کا کام کیا گیا تھا اس کی تفصیل بتانے سے مجبور ہیں اس لئے کہ ان میں سے کسی کا بھی وجود باقی نہیں چھوڑا گیا۔ جس سے کہ اندازہ کیا جاتا۔ حالانکہ علامہ مقری[1] کے بقول صرف قرطبہ ہی میں ۴۰۰ کے قریب مساجد اور ۹۰۰ کے قریب حمام تھے۔ البتہ کچھ سرکاری عمارات کے آثار باقی رہ گئے ہیں۔ جن سے ان عمارات کی طرز تعمیر پر کچھ روشنی ضرور پڑتی ہے۔ سرکاری عمارات سے مراد وہ عمارات ہیں جن کی تعمیر تو عوام کی فلاح ہی کے لئے ہوتی تھی لیکن امراء اور سلاطین نے ان کی تعمیر میں بطور خاص حصہ لیا تھا جیسے کہ جامع قرطبہ، وادی الکبیر کا پل، الزہرہ اور الزاہرہ وغیرہ۔

جامعہ قرطبہ

قرطبہ کے عجائبات میں اس کی مشہور مسجد تھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اسلامی ممالک میں اس سے بڑی اور خوبصورت کوئی اور مسجد نہیں تھی۔ پہلے اس مقام پر عیسائیوں کا گرجا سینٹ نجنت[2] تھا جس کا

---

[1] نفح الطیب جلد ا صـ ۲۵۲-۵۳ [2] ایضاً صـ ۲۵۵

آدھا حصہ مسلمانوں نے عیسائیوں سے لے کر مسجد تعمیر کی تھی۔ ۱۷۰ھ ر ۷۸۶ء میں عبدالرحمٰن الداخل نے اس مسجد کی بنیاد ڈالی۔ گو عبدالرحمٰن کے عہد حکومت میں اس مسجد کا اولین خاکہ بھی پورا نہ ہو سکا تھا لیکن پھر بھی اس قدر تعمیر ضرور ہو گئی تھی کہ الداخل نے اس میں جمعہ کی نماز پڑھی اور خطبہ دیا۔ ہشام اول نے اس مسجد کو ۱۷۷ھ ر ۷۹۳ء میں مکمل کیا اور اس میں ایک زبردست مینار کا اضافہ کیا جو عجائبات میں شمار ہوتا ہے۔ وہ اذان دینے کا مینارہ تھا۔ بڑے بڑے بھاری پتھروں سے بنایا گیا تھا۔ جس مقام پر موذن کھڑے ہو کر اذان دیتا تھا وہاں اس کا طول میں رقبہ ۵۴ ہاتھ تھا۔ اوپر کے انتہائی رقبہ کی لمبائی ۷۳ ہاتھ اور چوڑائی فی مربع ۱۸ ہاتھ تھی۔ ہٹی کے کہنے کے بموجب یہ مینارہ دراصل اس افریقی طرز کی نشاندہی کرتا تھا جس کی اصل شامی طرز تعمیر تھی[1]۔ بعد میں یہ مسجد ہمیشہ بنتی سنورتی اور نئی ہوتی رہی۔ عبدالرحمن الناصر کے عہد میں اس کا رقبہ ۲۲۵ گز لمبا اور ۲۰۵ گز تک چوڑا ہو گیا تھا۔ الحکم ثانی نے اس میں ۱۰۵ گز اضافہ کیا جس سے اس کی لمبائی ۳۳۰ گز تک ہو گئی۔ حاجب المنصور نے اس کی چوڑائی میں ۸۵ گز کا اضافہ کیا جس سے اس کی چوڑائی ۲۹۰ گز ہو گئی تھی۔ اس کے صحن میں سنگ مرمر کی پٹریوں کی گیارہ صفیں تھیں۔ درمیانی صف کی چوڑائی ۱۶ ہاتھ ہے۔ شرقی و غربی اردگرد کی چار صفوں کی چوڑائی ۱۴ ہاتھ اور باقی چھ صفوں کی چوڑائی گیارہ ہاتھ ہے۔ المنصور نے آٹھ صفیں اور بڑھائیں جن میں سے ہر ایک کی چوڑائی دس ہاتھ ہے۔ مسجد کی چھت ایک ہزار ۲ سو ۹۳ سنگ رخام کے ستونوں پر قائم ہے اور ۲۸۰ جگمگاتے ستارے اس کی چھت پر بنے ہوئے تھے جن میں اندرونی دالان کے ستارے خالص چاندی کے تھے۔ مسجد کے وسط میں تانبے کا ایک بہت بڑا جھاڑ تھا جس میں ایک وقت میں ہزار چراغ جلتے تھے۔ مسجد کے ۹ دروازے تانبے کے جڑاؤ کے تھے۔ خاص دالان کا دروازہ سونے کے کام کا تھا اور محراب اور اس سے متصل دیوار سونے کی تھی اور سنگ مرمر پر سونے کا کام تھا۔ سرے پر تین سیب بنے ہوئے تھے ہر سیب کا دور ساڑھے تین بالشت تھا دو سیب خالص سونے کے اور ایک چاندی کا تھا۔ ہر سیب کے اوپر اور نیچے سوسن کے پھول بنے ہوئے تھے۔ ایک نیزے کے اوپر سونے کا ایک چھوٹا سا انار بنا ہوا تھا۔ منبر کے خانہ میں حضرت عثمان کا قرآن پاک ایک چوکی پر جو عود کی لکڑی سے بنی ہوئی تھی رکھا ہوا تھا۔ اس چوکی کے پائے ٹھوس سونے کے بنے ہوئے تھے[2]۔ قرآن پاک کا جزدان زرتار اور موتی و یاقوت سے جڑا ہوا تھا اور اوپر سے دیبا کے غلاف

---

[1] The History of The Arabs - Hitti - P.594

[2] مقری جلد ۱ صفحہ ۳۶۰

چڑھے ہوئے تھے۔ علامہ مقری نے ابن بشکوال کے حوالے سے لکھا ہے کہ مسجد کے اکیس دروازے تھے۔ نو مغربی جانب اور نو مشرقی جانب تین شمال کی جانب تھے اور ایک دروازہ مقصورہ میں کھلتا تھا جو قصر خلافت سے ملا ہوا تھا۔[1] الحکم ثانی نے چار وضو گاہیں مزید تعمیر کروائی تھیں۔ جن کے لئے جبل قرطبہ سے پانی پائپ لائن کے ذریعہ لایا گیا تھا۔ مسجد کے باہر پانی کی سبیلیں بھی بنوائی گئیں اور بڑے دروازے کے سامنے محتاج اور غرباء کے لئے حجرے تعمیر کئے گئے جن کے اخراجات حکومت کے ذمہ تھے۔

مسجد قرطبہ کی اہم اور خوبصورت ترین شے اس کے محراب و منبر تھے۔ یہ محراب سنگ مرمر کی صرف ایک سل سے بنائی گئی تھی جس پر بیل بوٹے اور نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ محراب کی چھت چار ستونوں پر قائم تھی جن میں دو سبز اور دو لاجوردی تھے۔ اسکاٹ نے لکھا ہے کہ ''مسجد کی محراب ممالک اسلامی اور غیر اسلامی میں اپنی جزئیات اور خاکہ کے لحاظ سے بے مثال تھی۔[2]'' الغرض مسجد قرطبہ ترقی معماری اور دستکاری کے ان مدارج کی نشاندہی کرتی ہے جو اس کی بنیاد رکھنے کے زمانہ سے اس کی تکمیل تک اہل اسپین نے طے کئے۔

قصر کبیر

اس قصر کو دوسری صدی ہجری کے وسط میں امیر عبدالرحمٰن الداخل نے بنوانا شروع کیا اور بعد کے بادشاہوں نے اس کی تعمیر مکمل کی۔ اس قصر میں بہت سی محل سرائیں تعمیر کی گئیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس میں ۴۳۰ محلات تھے۔ جن میں سے اکثر کے نام کچھ اس طرح تھے۔ الکامل، المجدد، الروضہ، المعشوق، المبارک، قصرالسرور اور البدیع وغیرہ۔ ان محلات کی آرائش و زیبائش میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی تھی۔ کثرت سے نہریں، آبشار اور تالاب وغیرہ بنائے گئے تھے اور زمین دوز نہروں کے ذریعہ پہاڑوں سے پانی لایا گیا تھا۔ ان کے ذریعہ پانی منقش سنگ رخام کی حوضوں تک آتا اور پھر چاندی اور سونے کے نلوں کے ذریعہ جنگی صورتیں درندوں اور خوبصورت چڑیوں کی طرح ہوتی تھیں ان حوضوں میں گرتا تھا۔[3] اس کے ساتھ ساتھ الداخل نے قصر رصافہ بھی تعمیر کیا تھا جو ایک بہترین تفریح گاہ اور نادر باغ بھی تھا۔

---

[1] مقری جلد ۱ صفحہ ۲۷۵ [2] اخبار اندلس جلد ۳ صفحہ ۶۱۳ [3] مقری جلد ۱ صفحہ ۲۱۹

الزہرہ

قرطبہ کے نادر روزگار قصور میں ایک قصر الزہرہ بھی تھا۔ جس کو عبدالرحمن الناصر نے شہر سے چار میل کے فاصلہ پر تعمیر کرانا شروع کیا تھا اور بعد میں اس کے لڑکے الحکم ثانی نے اس کی تعمیر مکمل کی تھی۔ اس طرح یہ قصر ۴۰ سال تک بنتا رہا۔ اصل میں یہ ایک شہر تھا جس کی لمبائی مشرق سے مغرب تک ۲ ہزار سات سو اور چوڑائی ایک ہزار پانچ سو ہاتھ تھی۔ اس میں تقریباً ۴ ہزار ستون تھے۔ جن میں بعض ستون روم' افریقہ اور تیونس سے آئے تھے۔ شہنشاہ قسطنطنیہ نے بھی بعض ستون بطور تحفہ بھیجے تھے۔ قصر میں ایک شاندار مسجد اور متعدد محل سرائیں اور باغات تھے۔ نہروں' چشموں اور حوضوں میں ہزاروں رنگ کی مچھلیاں تیرتی تھیں۔ سنگ رخام کی مختلف شکلوں کے حوض تھے جن میں بعض پر سونا چڑھا ہوا تھا۔ جو حوض قسطنطنیہ سے آئی تھی اس میں آدمیوں کی شکل کے نقوش تھے۔ جس کو خلیفہ الناصر نے اپنی مشرقی خواب گاہ مونس میں نصب کرایا تھا اور اس پر زر سرخ کی بارہ شکلیں جو بیش قیمت موتیوں سے مرصع تھیں بنوائی تھیں۔ یہ سب چیزیں قرطبہ کے کارخانوں میں تیار کی گئی تھیں۔ ان میں ایک شیر کی صورت کی تھی۔ ایک کنارے پر ہرن تھا۔ ایک کنارے پر مگرمچھ اور اس کے مقابل میں اژدھے عقاب اور ہاتھی بنے ہوئے تھے۔ حوض کے دونوں پہلوؤں پر کبوتر' شاہین' طاؤس' مرغ' چیل اور گدھ کی تصاویر خالص سونے سے بنی ہوئی تھیں اور ان سب کے منہ سے فوارے جاری تھے۔[1]

کہا جاتا ہے کہ الناصر اس پر خراج کا ایک تہائی خرچ کرتا تھا۔ اس وقت سلطنت کا اخراج ۶۰ لاکھ اشرفیاں تھا۔ اس حساب سے ہر سال ۲۰ لاکھ اشرفیاں اس کی تعمیر پر خرچ کی جاتی تھیں۔ کیونکہ اس کی مدت تعمیر ۴۰ سال ہے تو اس حساب سے اس پر جو کچھ خرچ آیا ہو گا وہ مبالغہ میں شامل ہو جاتا ہے۔ علامہ مقری[2] اور ابن العذاری[3] نے لکھا ہے کہ پورے ۲۵ سال تک تین لاکھ دینار سالانہ خرچ کئے گئے۔ یہ بیان بڑی حد تک قابل قبول ہے اس لئے کہ عمارت کی شان و شوکت سے اس قدر خرچ کا اندازہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اسکاٹ کا یہ بیان صحیح نہیں ہے کہ اس کی تعمیر میں بازلطینی انجینئر شریک تھے۔ ابن حیان نے اس زمانہ کے مشہور مہندس مسلمہ بن عبداللہ العریف کا نام لکھا ہے جو اس کی تعمیر کے نگران تھے۔ اور احمد نامی مہندس نے اس کو بنایا تھا۔ الغرض تمام خوبصورتیوں اور رعنائیوں

---

[1] مقری جلد ا صـ ۲۴۸ و ابن خلکان جلد ۲ صـ ۲۹ [2] ایضاً صـ ۲۶۶ [3] جلد ۲ صـ ۳۳

کو سمیٹ کر اس شہر میں بھر دیا گیا تھا۔

قرطبہ کا پل

قرطبہ کے قریب وادی الکبیر کا پل بھی دورِ اموی کی عمارات کا نادر نمونہ تھا جو سترہ محرابوں پر مشتمل تھا۔ اس پل کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ رومیوں کے عہد میں یہ پل تعمیر ہوا تھا۔ مسلم گورنر سمح بن مالک خولانی نے اس قدیم اور خستہ پل کو از سرنو مضبوط بنیادوں پر تعمیر کر کے اس کو قابل استعمال بنا دیا تھا۔ عبدالرحمٰن الداخل نے اس پر خاص توجہ دی اور کثیر خرچ سے اس کو مستحکم کیا لیکن سب سے زیادہ خرچ اس پر الحکم ثانی نے کیا۔ اس کو خوبصورت بنایا۔ کاریگروں نے اپنے فن اور مہارت کے اس پر خوب مظاہرے کئے اور پورے پل کو اوپر سے نیچے تک بیل بوٹوں اور نقش و نگار سے سجایا یہ پل اہل قرطبہ کے لئے بہترین تفریح گاہ تھا۔

الزاہرہ

تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ حاجب المنصور نے امور حکومت پر غاصبانہ قبضہ کے بعد اپنے آپ کو سلطانہ صبح اور اس کے حبشی غلاموں سے محفوظ رکھنے کے لئے یہ قصر تعمیر کرایا تھا۔ تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ قصرا لمنصور نے دشمنوں کے شر سے محفوظ رہنے کیلئے خالص سیاسی اغراض سے تعمیر کرایا تھا۔ یہ قصر وادی الکبیری کے کنارے پر قصرالزہرہ سے کچھ فاصلے پر بنوایا گیا تھا اور بقول علامہ مقری اس جگہ دو سال کے اندر ایک عظیم الشان شہر آباد ہو گیا۔ اس کی دیواریں بہت بلند رکھی گئیں تھیں۔ امراء و حکام نے سکونت کے لئے اپنے محل تعمیر کر لئے۔ سرکاری خرچ پر بازار بنوائے گئے' باغات لگائے گئے۔ نہریں کھودی گئیں' حوضوں اور فواروں کی تعمیر ہوئی' مساجد' مدارس اور شفاخانے بنوائے گئے۔ گو الزہرہ کی تکمیل تعمیر میں ۴۰ سال خرچ ہوئے لیکن جہاں تک فن تعمیر کا تعلق ہے یہ نیا قصر کسی بھی صورت میں الزہرہ سے کم نہ تھا۔ اسپین کے بہترین مہندسوں نے اپنے تخیل کو عملی جامع پہنایا اور ایسی ایسی ہنرمندی دکھائی جو تاریخ میں بے مثال ہے۔ گو قصر تو باقی نہ رہا لیکن اس کی صفت و کاریگری کے تذکرے آج تک محفوظ اور قابل داد ہیں۔ سب سے عمدہ کاریگری کا نمونہ اس کا طریقہ آب رسانی ہے جو جدید دور کے طریقوں کا پیشواء کہا جا سکتا ہے۔

یہ تھی دور بنو امیہ کی ایک جھلک۔ دور طوائف الملوکی کے کچھ آثار دیکھ لئے جائیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دور اپنے نام ہی سے انتشار و خلفشار کا مظہر ہے ایسی صورت میں صناعی اور

کاریگری کے نمونے تلاش کرنا کہاں ممکن ہو سکتا ہے لیکن پھر بھی اس دور میں ایسی بہت سی نادر اور عجوبہ عمارات کا پتہ چلتا ہے جن کو دیکھ کر اس دور کے سلاطین کے ذوق اور مسلم صناعوں کی کاریگری کو داد دینا پڑتی ہے۔

قصر مامون

اس قصر کو مامون ابن ذوالنون شاہ طلیطلہ نے تعمیر کرایا تھا۔ یہ قصر نہایت مضبوط و مستحکم تھا اور اس پر کثیر دولت خرچ کی گئی تھی۔ اس کے بیچ میں ایک نہر نکالی گئی تھی اور نہر کے بالکل وسط میں ایک گنبد بنایا گیا تھا جو رنگ دار شیشہ کا تھا اور اس پر سونے سے نقش و نگار بنائے گئے تھے۔ مسلمان مہندسوں نے نہایت ہنرمندی اور کاریگری سے گنبد کے اوپر پانی چڑھایا تھا۔ یہ پانی گنبد کے اوپر سے گر کر اس کی دیواروں پر بہتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس گنبد نے آب رواں کا پیرہن اوڑھ رکھا ہے لیکن کمال یہ تھا کہ پانی ایک دم کے لئے نہ رکتا اور نہ گنبد کے اندر ایک بوند جاتی تھی۔ جب اس گنبد کے اندر روشنی ہوتی تو عجیب سماں بن جاتا تھا۔ اس گنبد کی تعمیر ۴۹۲ھ میں بتائی جاتی ہے۔ قصر کی تعمیر و زیبائش میں ذرا بھی کوتاہی نہ کی گئی تھی اور بلاشبہ وہ اپنے وقت کا حسین ترین قصر تھا۔

علاوہ اس قصر کے طلیطلہ میں دیگر خوبصورت عمارات کے آثار بھی پائے گئے تھے۔ سکرہ کا دروازہ جو ۹ ویں صدی عیسوی کی یادگار ہے۔ اور باب الشمس جس کا زمانہ ۱۱ویں صدی عیسوی بتایا جاتا ہے۔ آج تک خستہ حالت میں موجود ہیں۔ ان کو دیکھ کر مسلمانوں کے فن تعمیر کے بعض مدارج کا باآسانی پتہ چل جاتا ہے۔

قصر اشبیلیہ

اس کی تعمیر کا زمانہ ۱۱ویں صدی عیسویں بتایا جاتا ہے۔ ہٹی نے لکھا ہے کہ اس کی تعمیر ۱۱۹۹ء میں موحدین کے گورنر اشبیلیہ کے حکم پر طلیطلہ کے ایک مہندس نے کی[1] لیکن لیبان نے اس کی تعمیر ۱۱ویں صدی عیسوی بتائی ہے۔ البتہ اس کی تجدید ۱۲ویں اور ۱۳ویں صدی عیسوی میں ضرور کی گئی[2]۔ لیبان ہی کے کہنے کے مطابق اس قصر کا پٹیوں والا دالان بیت النصر اور بہت سے حصے قدیم معلوم ہوتے تھے۔ اس قصر کا اور الحمراء کا طرز تعمیر یکساں ہے۔ البتہ اس قصر میں الحمراء کی سی آرائش اور قلمی گل

---

[1] The History of The Arabs - Hitti - P.561 [2] تمدن عرب صفحہ ۲۷۷

کاری کی گول چھتیں نہیں پائی جاتیں۔ محرابوں میں بھی کافی فرق ہے۔ اس قصر کی محرابیں نیچے سے بالکل پھیلی ہوئی ہیں جو الحمراء میں نہیں ہیں۔ اسی طرح الحمراء کے برخلاف اس قصر میں نوکیلی محرابیں بھی ملتی ہیں۔

مینار اشبیلہ

مواحدین کے زمانہ کی ایک یادگار اشبیلہ کا مینارہ ہے جو کسی مسجد کا ایک حصہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن مسجد تو ختم ہوگئی صرف مینارہ باقی رہ گیا ہے۔ اس کی تعمیر ۵۸۰ھ ر ۱۱۸۴ء میں ہوئی۔ کسی زمانہ میں رصد گاہ کے طور پر بھی استعمال کیا گیا تھا۔ اسپین کے کاریگروں کے دل و دماغ سے نکلے ہوئے دیواری نقش و نگار کا اعلی نمونہ تھا۔ اس کی شہرت کا اصل سبب وہی نقش و نگار اور دیدہ زیب آرائش ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس مینارہ پر قلم کاری کی گئی ہے۔ اس کے اطراف میں جو جالیاں بنائی گئیں ہیں ان پر زخرفتہ العرب کا کام کیا گیا تھا۔ یہ بتایا جاچکا ہے کہ موجودہ ٹائلوں کے استعمال کا طریقہ خالص اندلسی مسلمانوں کی اختراع ہے۔ اس مینار پر بھی ٹائلوں کا کام بہت اعلیٰ مسالے سے بنا ہوا ہے اور مکمل اور مجلا ہے۔ اس کے چھجے ان ہی میناکار ٹائلوں سے بنے ہوئے تھے جو دھوپ میں شیشہ کی طرح چمکتے تھے۔

علاوہ ان آثار و باقیات کے کہ جن کا تذکرہ اوپر کیا گیا ہے دور طوائف الملوکی کی اور بھی یادگاریں تھیں۔ مثلاً سرقسطہ کا قلعہ غرناطہ میں بادیس کا تعمیر کردہ قلعہ اور قصر مساجد و مقابر اور مدارس وغیرہ لیکن ان کی تفصیلات دستیاب نہ ہو سکیں کیونکہ ہمارا مقصود مسلمانوں کے فن تعمیر کا اجمالی تذکرہ کرنا ہے اس لئے چند عمارات و آثار سے ہی اس دور کے فن تعمیر کے رجحانات کا کافی اندازہ کرنا ہے اس لئے نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ باوجود اس کے کہ ملک اسپین بہت سے سلطنتوں میں منقسم تھا لیکن پھر بھی ملوک الطوائف نے اپنی تہذیب و ثقافت کو آگے بڑھانے میں ہر امکانی کوشش کی۔ ان کی کوششوں کا نقطہ عروج ہمیں غرناطہ کے الحمراء میں ملتا ہے جس کے متعلق دنیا کے تمام انجینئر اور مورخ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ دنیا کی بہترین عمارات میں سے ایک ہے۔

قصر الحمراء

قصر الحمراء وہ عمارت ہے کہ جس کی شاندار تعمیر مسلمانان اسپین کی سات صدیوں کے تعمیری تجربات کا نچوڑ ہے۔ یہ قصر اپنے زمانے کی انتہائی ترقی کا نمونہ ہے۔ اس کے پر تکلف اور پر شوکت

کمروں میں وہ بات نہیں پائی جاتی جو مسلمانوں کی ابتدائی تعمیر میں دیکھنے میں آتی ہے۔ مورخین کے بقول اس کی بنیادیں بانئ خاندان بنو نصر محمد اول الغالب نے ۶۴۶ھ ر ۱۲۴۸ء میں رکھی۔ لیکن اس کی تکمیل ابوالحجاج یوسف اور اس کے جانشین محمد خامس الغنی نے کی۔ اس کی تعمیر پر انتہائی کثیر رقم خرچ کی گئی تھی۔ اس میں عظمت، شوکت اور تخیل کا ایک عجیب وغریب امتزاج موجود ہے اور اس کثرت سے ایسا عمدہ ذوق جمال صرف کیا گیا کہ یہ عمارت ہرگز مسلمانوں کے دور انحطاط کی نہیں معلوم ہوتی۔ یہاں آکر نعلی محراب یا تو غائب ہوگئی ہے یا اس میں تبدیلی کرکے اس کو اختیار کیا گیا ہے بلکہ بہت سی ایسی چیزیں بھی اس میں داخل ہوگئی ہیں جن کی اصلیت کا کسی کو علم نہیں اس قصر میں پہلی مرتبہ وہ کاری گری وصنعت گری بھی کثرت سے کی گئی ہے جو شریعت اسلامی کی رو سے مسلمانوں نے کبھی جائز نہ سمجھی۔ یعنی جانوروں کی تصاویر جو نقش ونگار کے علاوہ بذریعہ سنگ تراشی بنائی گئی تھیں اپنے دور کے آدمیوں، ان کے لباس ان کی عادات وغیرہ کو بذریعہ نقش ابھارا گیا تھا اور حرم کی زندگی کی بہت سی خصوصیات وروایات کو اجاگر کیا گیا تھا۔ ستون کہیں پر اکہرے لگے ہوئے ہیں اور کہیں پر دوہرے۔ کسی پر نقش نگار ہیں اور اکثر سادے۔ اکثر پر ایک زمانہ میں سونا چڑھا ہوا تھا لیکن اب بھی چمکدار مٹی کی پچی کاری دکھائی دیتی ہے۔ محرابوں کے پیچ وخم نعلی یا نیم قوسی نظر آتے ہیں جن میں سے بیشتر منقش اور بے نظیر خوبصورتی کے حامل ہیں۔ محرابوں کے بالائی نیم قوسی حصوں میں تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر بظاہر تو یکساں لیکن بغور دیکھنے پر خوبصورت جالیاں بنی ہوئی ہیں۔ جن میں دھوپ چھن چھن کر کمروں کو روشن کرتی تھی۔ ٹائلوں کا کام چمکدار اور الجبرا کے اصول کے مطابق کیا گیا ہے اور اس کے پیچ وخم میں اصول ہندسہ کے زاویوں کا استعمال حیران کن ہے۔ دیواروں پر زخرفۃ العرب کا کام اعلیٰ معیار پر ہے۔ گنبدوں میں لاجوردی، سنہرا اور ارغوانی کام اس قدر خوبصورتی سے کیا گیا ہے کہ ہیرے وجواہرات کا دھوکا ہوتا ہے۔ موسیو لیبان[1] کے بقول اس میں کئی خوبیاں ایسی پائی جاتی ہیں جو دیگر ممالک کی عمارات سے اس کو اعلیٰ وارفع بنادیتی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگرچہ الحمراء کی دیواریں گھڑے ہوئے پتھر کی بجائے ایک قسم کے مسالے سے بنی ہوئی ہیں جس کے اجزاء چونے، ریت، مٹی اور سنگ ریزوں سے مرکب ہیں اور اس کی کل آرائش محض گچ سے کی گئی ہے تاہم اس عمارت میں اعلیٰ درجہ کا استحکام معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ ۵ صدیوں سے ہر قسم کی لاپرواہیوں کا سامنا

---

[1] تمدن عرب ص۳۸۴ (اردو ترجمہ)

کرتے ہوئے بھی قائم ہے۔ کل سطحوں پر رنگین گچ کی استرکاری' باریک ستون اور ان کے سروں پر ہم آغوش گل کاریاں سادہ محرابوں کے دریچے گل بوٹوں سے آراستہ مستطیل چوکھٹوں میں جڑے ہوئے چھتوں کے قلمکار اور آرائشوں سے لیس طاق وغیرہ اس کی خصوصیات ہیں۔

یہ بتایا جاچکا ہے کہ قصر الحمراء میں ٹائلوں کا کام نہایت چابکدستی اور ہنرمندی سے کیا گیا تھا۔ جس کی مثال موجودہ دور میں مشکل سے ملتی ہے اس کی اندرونی دیواروں کی تزئین و آرائش اور نقاشی و پچیکاری کا کام سلطان غرناطہ ابوالحجاج یوسف کے کہنے پر ہوا۔ اس قصر کا مشہور اور عدیم المثال کارنامہ دیوان الاسد ہے جس کے وسط میں ایک حوض تھا۔ اس حوض کی اطراف میں بارہ خوبصورت شیر بنائے گئے تھے جن کے منہ سے پانی کی دھاریں گرتی تھیں۔ اسی دیوان سے ملحقہ دیوان العدالت ہے جو فن تعمیر اور نقاشی کا اعلیٰ نمونہ آج بھی تصور کیا جاتا ہے۔ ان نقوش میں جنگ اور شکار کے کارنامے کھدے ہوئے ہیں۔ غرناطہ کے دس بادشاہوں کی تصاویر بھی ہیں جو اس دور کے آرٹ کا بہترین نمونہ ہیں۔ جگہ جگہ نقش میں بانی قصر محمد الغالب کی شان دکھانے کے لئے ولا غالب الا اللہ بنایا گیا ہے۔ قرآن کی آیات و کتبات کا استعمال بھی کثرت سے موجود ہے۔ الغرض بقول اسکاٹ قصر الحمراء سلطنت غرناطہ کی عظمت و جلالت کا نشان اپنے بادشاہوں کا مایہ فخر و ناز اور دنیا کا عجوبہ ہے جس قوم کی یہ یادگار ہے وہ اس پر جتنا بھی فخر و غرور کرے کم ہے۔

فنون لطیفہ

تعمیر کے تذکرے کے ساتھ ساتھ اگر فنون لطیفہ کا ذکر بھی کر دیا جائے تو بے جا نہ ہو گا کیونکہ جس طرح فن تعمیر میں مسلم اسپین نے شہرت پائی اسی طرح فنون لطیفہ میں بھی کسی سے کم نہ رہا بلکہ فنون لطیفہ کے اثرات فن تعمیر پر نمایاں نظر آتے ہیں۔ گو فنون لطیفہ میں بہت سے فنون شریعت اسلامی کی روشنی میں جائز نہ تھے مثلاً غناو طرب' رقاصی' مصوری' بت تراشی و تصویر کشی وغیرہ اس لئے عام طور پر مسلمانان اسپین کا اس کی طرف کوئی رجحان نہ رہا لیکن پھر بھی دولت کی فراوانی' اسلام سے دوری اور غیر مسلم اقوام سے میل جول نے بہت سے مسلمانوں کو ان فنوں کی طرف مائل کر دیا تھا۔ اسپین میں مسلمانوں کی فنون لطیفہ کی تاریخ کا آغاز بھی اگر ڈھونڈا جائے تو بنوامیہ کے آنے کے بعد ہی ملے گا۔ کہا جاتا ہے کہ فنون لطیفہ کو عام کرنے میں عبدالرحمٰن دوئم کا دور سب سے زیادہ اہم ہے لیکن جہاں تک موسیقی کا تعلق ہے وہ اس دور سے قبل بھی پائی جاتی ہے۔

لہ اخبار اندلس جلد ۳ صہ ۶۱۸

موسیقی

عبدالرحمٰن الداخل کے زمانہ ہی سے دربار میں موسیقی شاعری کے ساتھ ساتھ موجود تھی اور عوام میں موسیقی کا رواج پایا جاتا تھا۔ اسپین میں مسلمانوں کی موسیقی بیشتر رومی اور یونانی ذریعوں سے اخذ کی گئی تھی انہوں نے یورپ کی موسیقی کو بھی اختیار کیا اور اس کو عربی موسیقی سے ہم آہنگ کر کے ایک نئے طرز کی بناء ڈالی جو مشرقی و مغربی طرز کی حامل تھی۔ یہ موسیقی عبارت تھی ہم آہنگی سے جس کا تال میل باجوں کی ضرب سے کیا جاتا تھا۔ اسپین کے مسلمانوں کی موسیقی میں نہ ٹھاٹھ تھا نہ راگنی۔ ان کے آلات موسیقی کئی قسم کے ہوتے تھے جن میں تیرہ اقسام تو معلوم کی جاچکی ہیں۔ رباب' عود' چنگ وغیرہ سب اشبیلیہ میں بنتے تھے۔ اس مقام کو آلات موسیقی کی صنعت کے لئے دنیا بھر میں شہرت حاصل تھی۔ عبدالرحمٰن دوئم کے مشہور مغنی زریاب نے عود میں پانچواں تار بڑھایا تھا۔ عود کے چار تار مختلف آوازوں کے ہوتے تھے اور عناصر اربعہ سے مناسبت رکھتے تھے۔ زریاب نے جو تار بڑھایا تھا وہ روح انسانی پکارا جاتا تھا۔ جو طریقہ موسیقی زریاب نے قرطبہ میں قائم کیا تھا وہ آخر زمانہ خلافت تک باقی رہا اسی کی وجہ سے اس فن نے اس قدر ترقی کی جس کی تفصیل علامہ مقری نے بیان کی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ موسیقی پر تصانیف کا آغاز ہوا اور عوام و خواص میں موسیقی نے جگہ پائی۔ بنو امیہ کے بعد تو موسیقی عام ہوگئی یہاں تک کہ شاعری پر بھی موسیقی کا اثر پڑا اور اموشح اور زجل غزلیں لکھی جانے لگیں۔ دربار ہوں یا عوامی بازار موسیقی سب جگہ موجود تھی۔ اسپین کے مسلمان موسیقی کا صحیح استعمال جانتے تھے۔ تہوار اور خوشی کے موقعوں پر آلات موسیقی کا استعمال ضروری خیال کیا جاتا تھا طبلہ' ڈھولک' طنبورہ' دف وغیرہ کے استعمال کا بہت زیادہ رواج تھا۔ ارغنون اور مینڈولن کے موجد اسپین والے ہی بتائے جاتے ہیں[1]

بت تراشی و مصوری

باوجود اس کے کہ شریعت اسلامی نے اس کو سختی سے منع کیا ہے لیکن اس کی مخالفت کرتے ہوئے مسلمانوں نے مشرق میں ہی اس فن میں کافی ترقی کرلی تھی اور یہ فن مشرق ہی سے اسپین میں آیا تھا۔ دسویں صدی عیسوی سے پیشتر بہت سے مسلم مصوروں نے مختلف ممالک اسلامی میں

---

[1] اسکاٹ جلد ۳ صفحہ ۲۳۳

حیوانات کی تصاویر بنانا شروع کردی تھیں۔ ۱۳۶۳ء میں ابن خلدون جب غرناطہ آیا تھا تو اس زمانہ میں تصاویر بنانے کا رواج اس قدر عام ہوگیا تھا کہ اس کے بقول بعض مشہور واقعات اور مشہور لوگوں کی تصاویر وہاں کے مکانوں کی دیواروں پر بنی ہوئی تھیں بہت سے مورخین نے مسلم مصوری کی تاریخ بھی لکھی ہے۔ جس میں مقریزی صف اول میں ہیں۔ انہی کا یہ بیان ہے کہ نہ صرف لوگ ذاتی طور پر مصوری کرتے تھے بلکہ بہت سے مصوری کے مدارس بھی قائم تھے۔ اسکاٹ کا کہنا ہے کہ اسپین کے مسلمانوں نے یہ فن قشتالہ والوں سے حاصل کیا تھا[1] اشبیلیہ کے القصر اور قصر الحمراء میں تصاویر کا برمحل استعمال عام پایا جاتا ہے۔ البتہ شریعت اسلامی سے بچنے کے لئے تصاویر گل کاریوں اور نقش و نگار میں پوشیدہ کردی جاتی تھیں۔ پھر بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصوری کا فن اسپین میں اعلیٰ پیمانہ پر نہ تھا اور عوام میں اس کو مقبولیت حاصل نہ تھی البتہ اس فن نے صنعتی میدان میں جو کارگزاری دکھائی اس کا تذکرہ آگے آئے گا۔

فن مصوری کے ساتھ ساتھ بت تراشی بھی اہل اسپین میں رواج پا چکی تھی۔ یہ فن ان کو مشرق سے کم اور عیسائیوں اور یہود سے زیادہ پہنچا۔ حالانکہ مشرق میں بھی بت تراشی کا آغاز بہت پہلے ہو چکا تھا اور بغداد اور قاہرہ میں بت تراشی کے اعلیٰ نمونے بن چکے تھے جو لکڑی اور پتھر دونوں پر بنائے گئے تھے لیکن مسلم اسپین کے دور اول میں بت تراشی عام طور پر اچھی نظروں سے نہ دیکھی جاتی تھی۔ پھر بھی جامع قرطبہ کے ستونوں پر اصحاب کہف اور نوح کے کوے کی تصاویر پائی گئی ہیں۔ یہ عبدالرحمٰن الداخل کا دور تھا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ستون کسی گرجا سے لائے گئے تھے اور جوں کے توں نصب کردئے گئے تھے۔ کیونکہ اس کے علاوہ عام طور پر کوئی ثبوت بت تراشی کا نہیں ملتا ہے۔ عام بت تراشی کا رواج ہمیں عبدالرحمٰن الناصر کے عہد سے ملتا ہے۔ اس کے بنائے ہوئے قصر الزہرہ میں بت تراشی کے کئی نمونے موجود تھے۔ اس قصر کے دروازے پر الناصر کی محبوبہ زہرہ کا بہت بڑا مجسمہ لگایا گیا تھا۔ اس قصر کے فوارے پر بارہ مختلف چوپائے جواہرت سے مرصع بنائے گئے تھے۔ پردوں پر صحرائی چوپایوں اور کلغی دار پرندوں کی تصاویر اس صنعت کے ساتھ بنائی گئی تھیں کہ جب پردے ہلتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ سب جانور چل رہے ہیں۔ شہر زہرہ کے وسط کے چوک میں تانبہ کا ایک شیر بنایا گیا تھا جس کے منہ سے صاف پانی نکلتا تھا۔

بت تراشی کے بہترین نمونوں میں حبوس بن بادیس کا بنوایا ہوا وہ طلسمی سوار بھی ہے جو تاریخوں

---

[1] اسکاٹ جلد ۳ ص ۶۱۹

میں اپنے طلسمی کارناموں کی وجہ سے مشہور تھا۔ اس کے علاوہ الحمراء میں دارالضرب کا شیر، دیوان الاسد کے بارہ شیر اور دیوان العدالت کے نقش ونگار بھی ہیں جو کسی جنگ یا شکار گاہ کا نظارہ پیش کرتے ہیں اور غرناطہ کے دس بادشاہوں کی تصاویر بھی ہیں جو اس زمانے کی تہذیب کا صحیح نقشہ پیش کرتی ہیں لیکن یہ بہترین نمونے مسلمانان اسپین کی بت تراشی کے ہیں فن بت سازی سے ان کو کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا اس لئے کہ یہ سب بھدے کھردرے اور غیر موزوں سے معلوم ہوتے ہیں۔ رنگوں کی موزونیت بھی دلاویز نہیں ہے۔ اس بناء پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اہل اسپین نے بت تراشی تو ضرور کی تھی لیکن فن بت سازی کے وہ ماہر نہ تھے۔

البتہ مسلمانان اسپین نے اپنے آرٹ کا مظاہرہ جس قدر عمدگی اور صفائی سے صنعتی اشیاء پر کیا اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ عمارات کے سلسلہ میں بتایا جا چکا ہے کہ مسلمانوں نے زیبائش کی جس قدر تراکیب استعمال کی ہیں ان سب میں دلپسند اور از روئے اسلوب ولطافت عربی حروف وعبارات کا استعمال تھا۔ ان کتبوں سے وہ نقش ونگار اور پھول بوٹے بناتے اور مختلف اشکال پیدا کر لیتے تھے۔ اسپین میں تمام عمارات میں یا تو قرآنی آیات ہوتی تھیں یا کوئی داستان شجاعت یا نظم ہوتی تھی۔ یہ کتبے سنہری ہوتے تھے خلافت کے زمانہ تک کوفی رسم الخط استعمال ہوتا رہا مگر بعد میں مدور خط نسخ اختیار کیا گیا تھا۔ مصوری کے شوق وذوق میں رنگوں کا زیادہ تر استعمال مکان کی اندرونی سجاوٹ پر کیا جاتا تھا کیونکہ تصاویر بنانے سے اہل اسپین کسی نہ کسی صورت میں معذور رہے اس لئے انہوں نے بے بدل صنعت کے ساتھ تمام ہندسی صورتوں سے کام لے کر عالم نباتات کو بطور نمونہ زیبائش وآرائش کے لئے اپنے سامنے رکھا تھا۔ اس ضمن میں اسپینی صناعوں نے وہ شاندار حسن ولطافت پیدا کی کہ باید وشاید۔ منقش کھڑکیوں کا استعمال بہت کم ہے لیکن جہاں کہیں بھی ہے وہ بے مثال ہے۔ ان کھڑکیوں پر رنگین شیشوں کا استعمال بھی کیا گیا تھا۔

یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ مسلمانوں کا آرٹ صرف شاندار عمارتوں تک ہی محدود رہا بلکہ انہوں نے اپنے آرٹ کو عام استعمال کی اشیاء پر بھی کیا۔ حوضوں، کنوؤں اور سنگ مرمر یا مٹی کے پانی کے نلکے بھی نقش ونگار سے خالی نہ تھے۔ قرآنی آیات کا بطور نقش ونگار کے استعمال ان کے یہاں نہایت خوبصورت تھا۔ یہ آیات لکڑی کے سانچوں پر بھی کندہ کی جاتی تھیں جن کو نانبائی یا حلوائی استعمال کرتے تھے۔ تالوں کی کنجیوں پر، تلواروں، چاقوؤں، شیشہ ومٹی کے برتنوں، گلدانوں، انگوٹھیوں، کپڑوں، جھنڈوں، امراء کی کمر کی پیٹیوں اور غرباء کے بھدے مگر قیمتی تعویذوں پر بھی آیات قرآنی یا

متبرک دعائیں کندہ کی جاتی تھیں۔ اشیاء کے ڈھالنے کے لئے سانچے تیار کرنے میں وہ ماہر تھے اکثر اشیاء مثلاً چراغ، گلدان، چاقو، پیالے اور رکابیاں وغیرہ میں لطیف نقش ونگار سے کام لیا جاتا تھا اور زخرفۃ العرب کی طرز سے کام لے کر قرآنی آیات اور دعائیں ان پر کندہ کرتے تھے۔

الغرض اہل اسپین نے اپنے ذوق مصوری کو آرٹ کے طور پر اپنی صنعتوں میں پورا کیا اور ایسی بے بہا اور بے بدل اشیاء ورثہ میں چھوڑیں جو بلاشبہ اہل اسپین کو آرٹ کی دنیا میں زندہ جاوید کرنے کے لئے کافی ہیں۔ کوئی صنعت ایسی باقی نہ رہی تھی جس میں فنون لطیفہ کے مظاہرے نہ کئے گئے ہوں یہاں تک کہ کتابت اور خوش نویسی بھی اس فن سے محروم نہ رہی۔

شعبۂ صنعت و تجارت

صنعت

اسپین کے مسلمانوں نے صنعت و حرفت میں بھی کمالات اور ترقی کے وہ مدارج طے کئے جو کسی بھی صورت میں دیگر مسلم ممالک سے کم نہ تھے۔ صنعتوں کے وسیع تر ہونے کا بڑا سبب اسپین میں کثیر قیمتی معدنیات کی کانوں کا موجود ہونا تھا جن کو استعمال کرنے میں اہل اسپین نے کسی بخل سے کام نہ لیا۔ زمانہ قدیم ہی سے اسپین کی چاندی کی کانیں مشہور تھیں۔ مسلمانوں نے اس کا فائدہ اٹھایا۔ معدنیات کی کانوں کے استعمال سے نہ صرف یہ کہ ملک کی دولت و تجارت میں اضافہ ہوا بلکہ بیشتر مقامات پر وہاں کی معدنی پیداوار کی مناسبت سے کارخانے بھی قائم ہو گئے۔ علامہ مقری نے ان مقامات کی تفصیل بیان کی ہے جہاں پر مختلف معدنیات کی کانوں کا وجود تھا۔ ”علاقہ تدمیر، لورقہ اور دیگر جگہوں سے بہت اچھا لاجورد نکلتا ہے۔ علاقہ قرطبہ اور جبل شجراں میں بلور کی کان ہے۔ شہر اشبونہ کے قریب پہاڑ پر حجرا لبخادی پایا جاتا ہے جو رات کو چراغ کی طرح چمکتا ہے۔ مالقہ میں قلعہ منت میور کے پاس سرخ یاقوت ملتا ہے۔ قریہ ناشرہ کے علاقہ بجانہ میں ایک پتھر مختلف شکلوں میں یاقوت کے مشابہ پایا جاتا ہے جو آگ میں نہیں جلتا ہے۔ تدمیر کے نواح میں مقناطیس دستیاب ہوتا ہے۔ قرطبہ کے پہاڑوں میں حجر شادنہ بہت ملتا ہے جو ملمع سازی کے کام میں آتا ہے۔ حصن البونت کے نواح میں ہجرالیسود ملتا ہے جو مثانے کی پتھری توڑنے میں بے مثال ہے۔ اسپین کے بہت سے علاقوں میں میگنیشیا بہت ملتا ہے۔ یہی حال ابرق کا ہے۔ شہر برشلونہ میں حجرا للولو ملتا ہے اور مریہ کے ساحل پر مونگا سیپ پایا جاتا ہے۔ دریائے لاردہ اور ساحل اشبونہ پر سونے کی کانیں ہیں۔ تدمیر، بجانہ، کرتش اور قرطبہ کے علاقے میں چاندی کی بہت سی کانیں ہیں۔ اشکونہ میں قلعی کی بینظیر کان ہے۔ نواح افرنجہ اور لیون میں بھی قلعی کی کئی کانیں ملتی ہیں۔ جبل البرانس میں اور قرطبہ پارے کی کانیں پائی جاتی ہیں۔ سرخ اور زرد گندھک بھی بہت سے علاقوں میں بے شمار پائی جاتی ہے۔ قصبہ بطرونہ ساحل نبرہ میں توتیا کی ایک بڑی کان ہے جو تانبے پر خوب رنگ کرتا ہے۔ قرطبہ کے پہاڑوں میں بھی توتیا ہوتا ہے۔ نواح طرطوشہ میں سرمہ نکلتا ہے۔ پھٹکری، لوہے اور تانبے کی بے شمار کانیں

پائی جاتی ہیں۔ علاقہ لوشہ میں بہت عمدہ چاندی کی کان ہے۔ سرقسطہ کے قریب نمک کی کان ہے جس سے صاف اور خالص نمک نکلتا ہے۔ خیران علاقہ مریہ میں لوہے کی کان ہے[1]۔ "اسکاٹ نے لکھا ہے "صنعت و تجارت کے سب سے بڑے مراکز بحر روم کے ساحل پر ہی واقع تھے۔ ان میں المریہ سب سے بڑی جگہ تھی۔ اندلس کی بندرگاہوں پر تمام اقوام عالم کے تجارتی جہاز ہر وقت کھڑے رہتے تھے۔ اندلس میں آٹھ سو ریشم کے کارخانے تھے جن میں آٹھ ہزار سے زیادہ کرگھے کام کرتے تھے۔ جہاں ریشمی کپڑے، قالین اور پردے تیار ہو کر دور دراز کے علاقوں میں جاتے تھے۔ لوہے اور تانبے کے برتن بلحاظ خوبصورتی اور نزاکت اپنی ساخت اور مضبوطی میں بہت مشہور تھے[2]۔ اسپین کی بندرگاہ مالقہ چینی کے برتن بنانے میں مشہور تھی اور وہاں ظروف سازی کے بڑے بڑے کارخانے تھے۔ ان برتنوں پر سونا چاندی اور تانبہ چڑھانے کا فن صرف اسپینی صناعوں کو ہی معلوم تھا۔ اس علاقہ کی مٹی بھی چینی کے برتن بنانے کے لئے موزوں تھی۔ بلنسیہ، مریسہ، ماردہ اور قلونیہ میں بھی چینی کے برتن بنانے کے کارخانے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ چین میں گو یہ صنعت عروج پر تھی لیکن مالقہ چین سے کسی طرح پیچھے نہ تھا۔ ابن بطوطہ نے ۱۳۵۰ء کے واقعات میں لکھا ہے کہ "اس شہر مالقہ میں بہت عمدہ چینی کے زرنگار برتن بنتے تھے جو دور دراز کے علاقوں کو جایا کرتے تھے[3]۔" سلطنت غرناطہ کو ان برتنوں سے کثیر آمدنی ہوتی تھی۔ مالقہ نہ صرف ظروف سازی کے لئے مشہور تھا بلکہ ریشم کے کپڑے، کانچ کے برتن، کاغذ، لوہے اور تانبے کے برتن صندوق سازی وغیرہ کے بھی وہاں پر کئی کارخانے تھے۔

قرطبہ میں چمڑے کی صنعت بہت اچھی تھی اور چمڑے کی اشیاء کو لوہے اور تانبے سے سجاتے تھے۔ چمڑے کو کپڑے کی طرح نرم کر کے اس کے پردے بنائے جاتے تھے جن پر موزوں کام کیا جاتا تھا اور ان کو رنگ بھی دیا جاتا تھا۔ سونا چاندی بھی ان پر چپکایا جاتا تھا اور رنگ کا کام موٹے قلم سے ہوتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ چمڑے کے پردے نہیں بلکہ دیباو حریر کے ہیں۔ قرطبہ کے کاریگروں کو سونے اور چاندی کے برتنوں پر نقش و نگار بنانے میں کمال حاصل تھا۔

اشبیلہ کے ریشم کے کارخانوں میں ایک لاکھ ساٹھ ہزار جولاہے کام کرتے تھے۔ ان میں زیادہ تعداد ان لوگوں کی تھی جو "طراز" نامی کپڑا بناتے تھے۔ جو صرف خاندان شاہی میں استعمال کیا جاتا تھا۔ شاطبہ میں کاغذ کے کارخانے تھے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ روئی سے کاغذ بنانے کا طریقہ اہل

---

[1] نفح الطیب۔ صفحہ ۳، حصہ ۱ (اردو ترجمہ) [2] جلد ۳ صفحہ ۲۸۵ [3] تمدن عرب صفحہ ۴۷۲ (اردو ترجمہ)

اسپین ہی نے ایجاد کیا تھا۔ اسپینی صناع مختلف چیزوں سے کپڑا بناتے تھے۔ ریشم کے علاوہ لمتونیہ کے نازک اور ملائم مرینہ کا پشم اور باریک دھاگے دینے والی روئی وہ اشیاء تھیں جن کی وجہ سے مسلم اسپین تمام دنیا میں مشہور تھا۔ المریہ میں ریشمی کپڑا تیار کرنے کی ۱۸۰۰ کھڈیاں تھی۔ ایک ہزار کھڈیاں صرف دیباج بنانے کا کام کرتی تھیں اور یہ صنعت اپنے کمال پر تھی۔ یہاں پر ٹیشو کا کام بہت اچھا کیا جاتا تھا۔ مقری نے اس صنعت میں المریہ کے علاوہ مالقہ، مرسیہ، غرناطہ اور بسطہ کے نام بھی لکھے ہیں۔ ایک شہر میں عموماً کسی ایک ہی صنعت کے کارخانے بنائے جاتے تھے۔ البتہ اس صنعت سے متعلق بہت سی شاخیں قائم ہو جاتی تھیں اور ان کے کارخانے بن جاتے تھے۔ مالقہ میں ظروف سازی کے لئے رنگ کی ضرورت کے لئے رنگ بنانے کے کارخانے بھی بن گئے تھے۔ تمام اسپین میں کارخانے کی مشینیں پانی سے چلتی تھیں۔ تقریباً ہر بڑا شہر کسی ایک صنعت کے لئے مشہور تھا۔ اشبیلہ کے زرہ ساز اسلحہ و زرہ بنانے میں مشہور تھے۔ اور زرہوں میں اکثر سونے کی کڑیاں لگائی جاتی تھیں۔ طلیطلہ کی تلواریں کاٹ اور آبداری میں اپنا جواب نہ رکھتی تھی۔ المریہ میں چمکدار بلور کی خوبصورت چیزیں بنانے کے کارخانے تھے۔ سینکہ کے اونی اور باغہ کے سوتی کپڑے مشہور تھے۔ تاکرنا میں ایک طرح کا کتانی کپڑا بنایا جاتا تھا جس کا سوت مدار کے درخت کی بوٹیوں سے زیادہ موٹا نہ ہوتا تھا اور نزاکت و لطافت میں مکڑی کے جالے کی مانند ہوتا تھا۔ مرسیہ کے قالین ایرانی قالین کا مقابلہ کرتے تھے۔ اور یہاں چینی چڑھے برتن اور پتھر سے ترشے ہوئے گلدان بھی بنائے جاتے تھے۔ ریشمی کپڑے بے مثال ہوتے تھے۔ یہاں ریشم کی منڈی القیصریہ کہلاتی تھی۔ ریشم کے کیڑے بھی اس علاقے میں سب سے زیادہ پالے جاتے تھے۔ غرناطہ کے سنار بھی یورپ بھر میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ سرقسطہ اور مرسیہ میں آٹا پیسنے کی چکیاں عموماً کشتیوں پر بنائی جاتی تھیں۔ اسپین میں فن سباکی (چیزیں ڈھالنے کا کام) بھی بینظیر تھا۔ قرطبہ میں کئی سباکی کارخانے موجود تھے۔ قصر الزہرہ کے خوبصورت اور بڑے بڑے فوارے یہیں پر ڈھالے گئے تھے۔

خاص فن تھا۔ دنیا کی کوئی قوم اپنے ہتھیاروں کو قیمتی اور خوبصورت بنانے میں ان سے سبقت نہیں لے جاسکتی تھی۔ تلواروں کے قبضے خالص سونے یا چاندی کے اعلیٰ درجے کے نقش و نگار کے ساتھ بنائے جاتے تھے۔ تلواروں کے میان بڑے خوبصورت ہوتے اور ان پر سرخ یا ارغوانی مخمل چڑھایا جاتا تھا۔ ان کی تہذیب و ثقافت کے کمال صفت اور جمال لطافت کا آخری دور شیشہ سازی، پچی کاری

اور نازک ترین زیورات بنانے میں بالخصوص قابل ذکر ہے۔ اسپین کے کاریگر مصنوعی جواہرات اور بلور سے معدنیات پر مرصع کام کرنا خوب جانتے تھے۔ سناروں نے یہ کمال حاصل کیا تھا کہ ایک جو سونے کو کوٹ کر ۵۶ مربع انچ کا ایک تختہ بنا دیتے تھے۔ ان کے برتن اپنے فن میں اعلیٰ ترین تصور کئے جاتے تھے۔ مسلمانان اسپین نے جس قدر اپنے فن اور صنعت کا مظاہرہ کوزہ گری میں بلحاظ مسالہ ساخت اور خوبصورتی دکھایا ہے اس کا مقابلہ یورپ کا کوئی ملک نہیں کر سکتا۔ دور بنو امیہ میں زریاب پہلا شخص تھا جس نے چینی کے برتن استعمال کرنے اور ان کے ڈھالنے کا طریقہ بتایا۔ کوزہ گر برتنوں پر ایسی جلا دیتے تھے کہ کوئی اس کی نقل نہ کر سکتا تھا۔ وہ اپنے مسالہ میں ایسی اشیاء شامل کرتے تھے جس سے ایک طرف تو شفافیت میں کوئی فرق نہ آتا تھا اور دوسرے ان کی سطح کی چمک قائم رہتی تھی۔ ان برتنوں پر موزوں رنگ استعمال کرنے میں مسلم اسپین کو بڑا کمال حاصل تھا۔ اسی کے ساتھ گلدانوں پر زخرفۃ العرب کا کام اور بہترین نقش و نگار بنانا ان کے فن کا کمال تھا۔

تجارت

اسپین میں داخل ہونے سے صدیوں قبل ہی عربوں اور مسلمانوں کو تجارت کا ملکہ حاصل تھا اور وہ دور دراز کے علاقوں سے پوری طرح واقف تھے۔ قدرتی طور پر یہ تجارتی مہارت مسلمانان اسپین کے ورثہ میں آئی۔ چنانچہ فتح اسپین کے ساتھ اندرونی اور بیرونی تجارت شروع ہو گئی تھی اور دور بنو امیہ کے آتے آتے مسلمان، بحری اور بری تجارت پر حاوی ہو چکے تھے۔ سلاطین بنو امیہ اسپین نے تجارت کو ترقی دینے میں تساہل سے کام نہ لیا۔ سمندری تجارت کے تحفظ کے لئے حکومت کی طرف سے زبردست، بحری بیڑہ تیار کیا گیا تھا۔ جس نے بحر روم اور خلیج بسکے میں تحفظ کی پوری خدمات ادا کیں جس سے دور دراز کے علاقوں تک تجارتی آسانیاں بڑھ گئیں۔ یورپ اور ایشیا کے تمام بڑے بڑے تاجروں نے بندرگاہ المریہ اور مالقہ میں اپنی اپنی تجارتی کوٹھیاں بنا رکھی تھیں۔ قسطنطنیہ' وینس اور جینوا کے تاجروں نے تو نہ صرف ان بندرگاہوں میں بلکہ قرطبہ اور دیگر بڑے بڑے شہروں میں بھی اپنی کوٹھیاں کھول رکھی تھیں۔ جو ان کے بڑے پیمانے پر تجارت کا ذریعہ تھیں۔ مسلم اسپین کے تاجروں نے بھی اپنی تجارت کو صرف بری اور بحری حد تک محدود نہ رکھا بلکہ ان کے گماشتے (ایجنٹ) ان تمام ممالک میں نظر آتے تھے جہاں ذرا بھی تہذیب کے آثار پائے جاتے تھے۔ حتیٰ کہ یورپ کے دور دراز علاقے' افریقہ کے جنگلی علاقے ہندوستان اور ملایا تک ان کی پہنچ سے باہر نہ تھے۔ حکومت

کی طرف سے صنعت و حرفت کی بہت سی اشیاء پر اور دیگر اسباب تجارت پر محصول معاف تھا۔ جس کا مقصد صرف یہ تھا کہ ملک کی تجارت کی ترقی میں رکاوٹ نہ پڑنے پائے اور ملکی دولت میں وسعت ہو جس سے عوام اور حکومت دونوں کو نفع پہنچے۔

اندرون ملک تجارت صرف بڑے شہروں تک محدود تھی جہاں اس مقصد کے لئے بڑی بڑی منڈیاں بنائی جاتی تھیں۔ قریہ قریہ اور گاؤں گاؤں تجارت کو فروغ دینے کے لئے چلتی پھرتی منڈیاں بنائی جاتی تھیں جن کو میلہ یا نمائش کہا جاتا تھا۔ تاکہ لوگ جو شہروں میں خرید و فروخت کے لئے نہ آسکیں وہ ان میلوں سے فائدہ حاصل کر سکیں اور تجارت کی اشیاء اور ملک کی صنعتوں کی نمائش بھی کی جاسکے۔ یہ میلے اور نمائش مہینوں لگا کرتی تھیں جن میں عوام کے لئے تفریح طبع کا سامان بھی مہیا کیا جاتا تھا۔

یورپ سے تجارت کے لئے صرف دو راستے اختیار کئے جاتے تھے ایک راستہ تو خشکی کا تھا جو کوہ البرانس کے دروں کے ذریعہ تھا اور دوسرا راستہ بحری تھا جو فرانس کی بندرگاہوں سے گزرتا تھا۔ اسپین کا جائے وقوع بحری تجارت کے لئے غیر معمولی طور پر موزوں تھا۔ چنانچہ بحر روم کی تجارت پوری طرح اسپینی تاجروں کے قبضہ میں تھی اور وہ کل یورپی اور افریقی بندرگاہوں میں اپنی صنعت و حرفت اور زراعت کی پیداوار پہنچایا کرتے تھے۔ روئی' زعفران' کاغذ' غرناطہ کا حریر' قرطبہ کا چمڑا' طلیطلہ کی تلواریں وغیرہ اشیاء تجارت تھیں۔ بندرگاہ المریہ اور مالقہ دو بڑے تجارتی مراکز تھے[1]۔ خلیج بسکے کے راستہ اہل اسپین کے تجارتی جہاز شمالی فرانس اور برطانیہ تک پہنچتے تھے[2]۔ وہ کوہ البرانس کے دروں سے گزر کر شمالی یورپ کے بازاروں تک جاتے تھے۔ اس طرح انہوں نے دور افتادہ اقوام تک سے اپنے تجارتی تعلقات استوار کرلئے تھے۔ تجارت میں یہودی تاجر بھی مسلمانوں کے دوش بدوش تھے اور ان کو بھی وہ تمام مراعات حاصل تھیں جو مسلمانوں کو تھیں۔ یہ یہودی زیادہ تر ساہوکار' آڑھتی اور سرکاری حمال ہوتے تھے۔

نویں صدی عیسوی میں اہل ایشیا سے تجارتی تعلقات بڑھنے لگے تھے۔ دسویں صدی عیسوی میں تاجران اسپین نے ملکی تجارت کو بیرونی تجارت سے زیادہ اہم بنادیا تھا۔ ساحل اسکنڈی نیویا اور جرمن و پولینڈ کے دریاؤں کے کنارے پر اسپینی تاجروں کے بہت سے سکے اور زیورات وقتاً فوقتاً ملتے

---

[1] تمدن عرب ص ۳۸۲ (اردو ترجمہ)   [2] اسکاٹ جلد ۳ ص ۶۸۲ (اردو ترجمہ)

رہے ہیں جن سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اسپین کے تاجر وہاں تک پہنچ چکے تھے۔ سلاطین اسپین کے سفیر تجارتی اغراض کی خاطر ہندوستان' چین' ایران اور قسطنطنیہ میں رہتے تھے۔ اکثر تحائف کا تبادلہ بھی ہوتا اور تجارتی مراعات' عہد نامے بھی جاری کئے جاتے تھے۔ غیر ملکیوں نے نہ صرف ساحل اسپین پر بلکہ اندرون ملک بھی اپنی کوٹھیوں کے ساتھ ساتھ اپنی نوآبادیاں قائم کرلی تھیں۔ ان شہروں میں غیر ملکیوں کے محلے الگ ہوتے تھے اور ان پر ان ہی کے قانون کے مطابق حکومت کی جاتی تھی۔ جب غرناطہ کو عیسائیوں نے فتح کیا تو وہاں غیر ملکیوں کی تعداد ۲۵ ہزار تھی جن میں بڑی تعداد اٹلی والوں کی تھی۔ ہاسٹورس کے نواح کے تاجر قشتالہ کے میلوں میں دیکھے جاتے تھے۔ المریہ اور برشلونہ کے اسپینی تاجروں نے اپنی تجارتی کوٹھیاں قسطنطنیہ میں بنا رکھی تھیں جہاں سے وہ یوکرین اور بالٹک کے علاقوں میں تجارت کرتے تھے۔ باہر سے جو اشیاء اسپین میں لائی جاتی تھیں وہ حسب ذیل تھیں۔ قطب شمالی کے سیاہ گوش لومڑی اور سفید ریچھ کی پوستین' ناروے اور سائبیریا سے ہاتھی کے دانت کی اشیاء' عرب سے چمڑا اور خوشبودار مسالے' جرمنی سے شہد' موم' مصطگی' سلاجیت اور کہربا' بالٹک کے قرب و نواح سے چائے' قہوہ اور چینی کے برتن' چین سے سونے کے ریزے اور کاغذ' حبشہ سے حریر اور کافی' ایران سے خوشبویات' عطر اور قالین' ہندوستان سے گرم مسالہ' اور صندل' سویڈن اور فن لینڈ سے نرم بالوں والی خوبصورت لونڈیاں وغیرہ۔ اسکاٹ نے لکھا ہے کہ "یہودی اور فرانس کے راہب حرم سراؤں کے واسطے گورے خواجہ سرا اور ٹمبکٹو اور نائیجریا کے بڑے بڑے تن و توش اور مہیب صورت حبشی خلفاء قرطبہ کو بہم پہنچاتے تھے[1]"

مسلم اسپین کے تاجر جانوروں کی بھی تجارت کرتے تھے۔ صحرائے افریقہ کے مشہور شکاری باز پالتے اور ان کو بڑی بڑی قیمتوں پر فروخت کرتے تھے۔ وحشی جانور' شیر' چیتے' اور شترگاؤ وغیرہ دیگر ممالک میں لے جاکر فروخت کرتے تھے۔ اسپین کے چڑیا گھروں کے لئے ہر طرح کے جانور لائے جاتے تھے۔ چین میں ایک شیر کی قیمت ۳۰ ہزار ریشم کی گانٹھیں تھی' قرون وسطی کی بڑی بڑی تجارتی منڈیاں اور بین الاقوامی تجارت کے مقامات قسطنطنیہ' اسکندریہ' مالقہ اور پلرمو (سسلی) تھے۔ غیر ملکی تاجر اسپین میں حکومت کے خرچ پر قیام کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ۹۷۰ سرائیں ایسی تھیں جو غیر ملکی تاجروں کے لئے مخصوص تھیں۔ خرید و فروخت کے منظم اصول تھے جن کے استعمال سے بے

---

[1] اخبار اندلس جلد ۳ صفحہ ۶۸۴ (اردو ترجمہ)

ایمانی کا شائبہ تک نہ رہتا تھا جو اشیاء اسپین سے باہر بھیجی جاتی تھیں ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

بلنسیہ کے انواع و اقسام کے روغنیات' میوے' شکر' چاول' اور قرمز (Cochinial)

ایسٹر میڈورا کا سرمہ اور پارہ۔

الشنت اور قرطاجنہ کے ہیرے اور موتی۔

سلمنکہ کی ململ

شترین اور شذونہ کا عنبر۔

شقوبیہ کے اونی کپڑے۔

سرقسطہ کا نمک۔

غرناطہ کے ریشم کے کپڑے اور زیورات۔

وادی آش کے سیب۔

مالقہ کا مین' پھل' برتن اور نفیس کپڑے۔

اشبیلیہ کا اسلحہ اور زرہ بکتر

شاطبہ کا کاغذ

طلیطلہ کی تلواریں اور زعفران

قرطبہ کی چمڑے کی چیزیں اور بلور کے برتن اور اندلسی عرب النسل کے گھوڑے وغیرہ۔

اسپین کے تقریباً ہر بڑے شہر میں غلاموں اور کنیزوں کی خرید و فروخت کے مراکز تھے۔ یہ تجارت عموماً یہودیوں اور عیسائیوں کے پاس تھی۔ یہ بتایا جاچکا ہے کہ تجارت کے تحفظ کی ضمانت حکومت کے پاس تھی۔ بڑے بڑے بازار' سڑکیں' پل اور ذرائع آمد و رفت کو بہتر بنایا جاتا تھا۔ بازاروں کی حفاظت کے لئے پولیس اور خرید و فروخت کے معاملات کو ایمانداری سے ادا کرنے کے لئے محتسب بازار مقرر کئے جاتے تھے۔ مسلمانوں نے ترازو کا استعمال اور اوزان کے مختلف حصوں کا استعمال بھی شروع کردیا تھا۔ اوزان کی دیکھ بھال کے لئے علیحدہ ناظر یا انسپکٹر ہوتے تھے۔ دور طوائف الملوکی میں بھی ان باتوں پر اس وقت تک عملدرآمد ہوتا رہا جب تک کہ امن و امان کی فضا قائم رہی۔ البتہ غرناطہ اور اشبیلیہ کی حکومتوں نے زیادہ سے زیادہ تجارتی تحفظ اور مراعات دینے کی کوشش کی۔ دور آخر کا غرناطہ تو تمام دنیا میں مشہور تجارتی منڈی بن گیا تھا۔ عموماً بازاروں پر چھتیں ڈالی جاتی

تھیں تاکہ خرید و فروخت کرنے والے سردی، گرمی اور بارش سے محفوظ رہ سکیں۔ ہر بڑی تجارتی منڈی میں تاجروں کی کمیٹیاں ہوتی تھیں جن کا صدر ملک التجار کہلاتا تھا۔ ان کمیٹیوں کے ذریعہ حکومتیں اشیاء کی قیمتیں مقرر کرنے کا کام لیتی تھیں۔ سٹہ کھیلنے، جوا کھیلنے، سود اور کمیشن کھانے کی سخت ممانعت تھی اور اس کی سزا بھی مقرر تھی۔ حکومت ذخیرہ اندوزی کو بھی منع کرتی تھی۔ لیکن آخری دور مسلم میں سٹہ، جوا، سود، کمیشن، ذخیرہ اندوزی اور چور بازاری کا کاروبار عام ہو گیا تھا۔ اچھی حکومتیں تاجروں کو قرض بھی دیتی تھیں اور وقت ضرورت قرض لے بھی لیتی تھیں۔

شعبۂ زراعت و باغبانی

اسپین کے مسلمانوں نے تجارت و صنعت میں جو شاندار مہارت دکھائی تھی اس سے زیادہ انہوں نے زراعت و باغبانی میں اپنی ہنرمندی اور جانفشانی کا کرشمہ دکھایا۔ بیان کیا جاچکا ہے کہ مسلمانوں کی آمد سے قبل اسپین کی جو حالت تھی اس میں سب سے زیادہ ابتر حالت زراعت کی تھی اور ہزاروں میل کے زرعی علاقے ویران اور بنجر پڑے ہوئے تھے۔ حالانکہ نووارد مسلمان بھی کوئی پیشہ ور کاشتکار تو نہ تھے۔ لیکن پھر بھی میدان جنگ کے یہ مجاہد زراعت سے ناواقف نہ تھے۔ بلکہ مصر، شام و عراق کے زرخیز علاقے ان کے نت نئے تجربات پر پورے اتر چکے تھے اور وہ اجڑی اور ویران زمینوں کو آباد کرنا خوب جانتے تھے۔ جب تک کہ مسلمانوں کی تعداد قلیل رہی اس وقت تک بڑے بڑے قطعات اراضی ان کے پاس رہے اور وہ ان کی پیداوار سے خوب فائدہ حاصل کرتے رہے۔ لیکن جیسے جیسے مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا یہ قطعات اراضی چھوٹے سے چھوٹے ہوتے گئے۔ چنانچہ ان چھوٹے قطعات اراضی ہی سے اپنی ضرورت کو پورا کرنے کی فکر دامن گیر ہوتی تھی جس کی بنا پر نئے نئے تجربات کرکے کم زمین سے زیادہ پیداوار حاصل کرنے کی تگ و دو شروع ہو گئی۔ مصر، شام کے تجربات اسپین کی زمین پر آزمائے گئے اور ابھی مسلم اسپین کی تاریخ اپنے دور اول ہی میں تھی کہ مسلمانوں نے فن زراعت میں غیر معمولی کامیابیاں حاصل کرلیں نہ صرف یہ پرانے تجربات دہرائے گئے بلکہ نت نئے طریقہ بھی ایجاد کئے گئے۔ غیر ممالک سے پودے اور بیج منگوا کر ملک میں ان کی کاشت کی گئی۔ مختلف اقسام کی کھادیں بنائی گئیں اور کاشت کاری کو آب و ہوا کے لحاظ سے مخصوص کردیا گیا جس کے نتیجہ میں بہتر سے بہتر فصل حاصل کی جانے لگی۔

حکومتوں کی طرف سے اس ضمن میں جو اعلیٰ تدابیر اختیار کی گئیں ان سے بھی کافی فائدہ ہوا۔ لائق ماہرین نباتات باقاعدہ ایشیاء، افریقہ اور ہندوستان بھیجے جاتے تھے جو مفید اور کارآمد معلومات کے ساتھ درختوں کے بیج بھی لاتے تھے جن کے کاشت کے تجربے شاہی اخراجات پر ایک خاص قطعہ آراضی پر کئے جاتے تھے اور پھر ان نومولود پودوں کو ان کی مخصوص آب و ہوا میں لگایا جاتا تھا۔ عبدالرحمٰن الداخل نے سب سے پہلے اسی طرف توجہ دی تھی اور قصر رصافہ میں دنیا بھر کے عمدہ پھلوں کے بیج اور پودے منگوا کر لگائے گئے تھے۔

زمین کی کمیابی کے ساتھ ساتھ اس ملک میں پانی کی بھی بہت کمی تھی۔ حالانکہ بہت بڑے بڑے دریا یہاں موجود تھے لیکن جغرافیائی محل وقوع کی وجہ سے ان کا پانی زراعت کے لئے براہ راست استعمال میں نہ لایا جاسکتا تھا جس کی وجہ سے پانی کے استعمال میں حد درجہ احتیاط اور اس کی تقسیم میں کفایت شعاری سے کام لیا جاتا تھا۔ زمانہ بنوامیہ میں آبپاشی کے لئے ایک خاص قانون موجود تھا۔ پانی کو بلاضرورت خرچ کرنے یا خراب کرنے کی سخت ممانعت تھی۔ نہروں کے دہانے ایک مقررہ وقت پر کھولے جاتے تھے اور حسب ضرورت ناپ کر پانی دیا جاتا تھا۔ پانی کی چوری پر سخت ترین سزا مقرر تھی۔ سرکاری محکمہ پولیس کا ایک یہ بھی فرض تھا کہ ہر ضلع کی نہروں پر گشت اور تالابوں کی حفاظت کرے۔ آبپاشی کے متعلق جس قدر جھگڑے ہوتے تھے ان کا فیصلہ ایک خاص عدالت کرتی تھی جس کے عہدہ دار کاشتکاروں یا زمینداروں میں سے منتخب کئے جاتے تھے۔ اس عدالت کو دیوان الماء کہا جاتا تھا۔ اس عدالت کا اجلاس ہر جمعرات کو جامع مسجد کے دروازے پر کیا جاتا تھا۔ اس عدالت کا کسی سیاسی معاملہ سے کوئی تعلق نہ ہوتا تھا اور اس پر نہ کوئی سرکاری نگرانی کی جاتی تھی۔ دیگر عدالتوں کی طرح اس میں کسی قسم کی رشوت وسفارش نہ چلتی تھی۔ نہ وکیل تھے نہ قانون کی بال کی کھال نکالی جاتی تھی اور نہ فیصلے میں تاخیر کا کوئی سوال تھا۔ مدعی اور مدعا علیہ خود اپنے مقدمہ کی پیروی کر لیتے تھے اور بہت کم مشورے کے بعد عدالت اپنا فیصلہ سنا دیتی تھی جس کی کوئی اپیل نہ تھی اور اس کے فیصلوں کو کسی صورت میں بدلا نہ جاسکتا تھا۔ مجرم کو پہلے جرمانہ کی سزا دی جاتی تھی اور اگر دوبارہ جرم کرتا تو آبپاسی کے حقوق چھین لئے جاتے تھے۔ یہ طریقہ کار آج بھی اسپین میں موجود ہے اور عدالت بھی اسی طرح کام کرتی ہے۔ پانی کی تقسیم، حجم اور پیمائش کے مطابق کی جاتی تھی۔ رقبہ کے لحاظ سے پانی کی مقدار مقرر تھی۔ ہر دسویں یا پندرھویں روز نہروں کے کناروں پر قلابوں سے پانی دیا جاتا تھا اور جو پانی بچ رہتا تھا وہ چھوٹی چھوٹی نالیوں کے ذریعہ بڑی نہر میں دوبارہ واپس آجاتا تھا۔

اسپین میں مسلمانوں نے آبپاشی کے مختلف ذرائع اختیار کئے۔ تالاب، کنویں، دہانے، نتل (سرنگ) آبدوز (Siphan) اور زمین دوز نہریں (ترناب) وغیرہ بنائے گئے۔ مصر کے طریقہ آبپاشی کو اختیار کر کے توسیع کی گئی۔ رہٹ کا طریقہ آبپاشی رائج تھا اور چند میل کے رقبہ میں سینکڑوں رہٹ استعمال کئے جاتے تھے جو چیز عام فائدے کے لئے بنائی گئی تھی وہ بڑے بڑے تالاب الفنت کا تالاب بیضوی شکل کا اور تین میل کے رقبہ میں تھا۔ اس کی گہرائی ۵۰ فٹ تھی۔ آتشے کا بند ۲۶۴ فٹ لمبا اور ۵۲ فٹ اونچا اور ۱۵۰ فٹ چوڑا تھا۔ جو ترناب بلنسیہ کے قریب تھی وہ ۲۰۷ فٹ لمبی اور اس کی ۲۸

محرابیں تھیں اس کے علاوہ بھی آبدوزیں اور ترناب پائے گئے ہیں۔ جن کی مضبوطی کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ آج تک وہ بلا کسی مرمت کے جوں کے توں موجود ہیں۔ یہی کچھ حال نہروں کا تھا کہ بڑی سے بڑی طغیانی میں بھی پانی کبھی کناروں سے باہر نہ آتا تھا۔ اور نہ نہر کو کوئی نقصان ہوتا تھا۔ نہر کی تعمیر میں حکومت فراخدلی سے حصہ لیتی تھی جس کا ثبوت آج بھی علاقہ غرناطہ' قرطبہ' بلنسیہ' اشبیلیہ' مالقہ اور المریہ کی نہروں سے مل سکتا ہے۔

کاشتکار زمین کو زرخیز بنانے کے لئے کھاد کا استعمال بھی خوب جانتے تھے کیونکہ جلد فصلیں حاصل کرتے تھے اس لئے کھاد کی بڑی ضرورت ہوتی تھی' تمام کوڑا کرکٹ' بول و براز' راکھ' ناکارہ اناج' سڑے گلے پھل' پتیاں' جانوروں کا خون اور ہڈیاں جمع کر کے ان کو سڑا گلا کر کھاد تیار کی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ مختلف جڑی بوٹیوں سے بھی کھاد بنائی جاتی تھی۔ کھاد جمع کرنے کے لئے پتھر کے بڑے بڑے حوض تیار کئے جاتے تھے اور وہ اس طرح ڈھکے ہوتے تھے کہ بو تک باہر نہ نکل سکتی تھی۔ کھاد کی مختلف اقسام بنائی گئی تھیں اور جس زمین پر جس قسم کی کھاد کی ضرورت محسوس ہوتی دے دی جاتی تھی۔

علم نباتات کا بیان اوپر ہو چکا ہے۔ مسلمانان اسپین نے اس علم کو باغات اور زراعت کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا۔ جس سے وہ درختوں کی دیکھ بھال میں وہ اپنا ثانی نہ رکھتے تھے ان کو اس بات کا بھی علم تھا کہ درختوں میں بھی نر اور مادہ ہوتے ہیں جس سے وہ پیوند لگانے اور مصنوعی پھل حاصل کرنے میں کمال رکھتے تھے۔ ان کے ہاں پیوند لگانے کے آٹھ طریقے تھے۔ ان پیوندوں کو مزید فائدہ مند بنانے کے طریقوں سے بھی واقف تھے۔ باغات کی ترقی میں تو اہل اسپین نے کمال ہی کر دکھایا تھا وہ تمام اسپین جو مسلمانوں کے مستقل قبضہ میں رہا آج بھی وہاں باغات بکثرت نظر آتے ہیں۔ ایسی ایسی زمینوں پر باغات لگائے جاتے تھے جو بظاہر بنجر نظر آتی تھیں۔ باغات سے زیادہ فائدہ حاصل کرنے کی تراکیب ان کو خوب آتی تھیں۔ جس سے قسموں اور تعداد میں بہت اضافہ ہوا کرتا تھا۔ تمام دنیا کے بہترین پھل دار درخت یہاں لگائے گئے تھے۔ رنگ دینے والے پودے مثلاً نیل اور مجیٹھ ہندوستان سے لائے گئے تھے۔ باغات کو خوبصورت بنانے کے لئے ان میں لان' بھول بھلیاں' کنج' پوشیدہ فوارے کثرت سے بناتے تھے۔ گلاب کے پھول حاصل کرنے میں وہ کمال ہنرمندی کا ثبوت دیتے تھے۔ اور اس طرح کی تراکیب استعمال کرتے تھے کہ ہر موسم میں گلاب کے پھول ملتے جو کئی رنگوں

میں ہوتے تھے۔ پودوں اور درختوں کے امراض اور ان کا علاج بھی خوب جانتے تھے۔ پھولوں سے جوہر اور عطر نکالنے میں کمال رکھتے تھے اور پھلوں سے سرکہ اور مقطر نکالتے تھے۔ ۲۵ اقسام کے عطریات کا ذکر کتابوں میں ملتا ہے ان کے شوق باغبانی کا ثبوت اس طرح ملتا ہے کہ جبل الطارق سے لے کر برشلونہ تک کا تمام ساحلی علاقہ ایک طویل باغ معلوم ہوتا ہے۔ وادی الکبیر کے دونوں کنارے باغات کا طویل سلسلہ ہے۔ علامہ مقری اور ابن جیان نے باغات کی ایک طویل فہرست شہروں کی مناسبت سے دی ہے۔ مسلمانوں کو ایسے بھی طریقہ معلوم تھے کہ جن سے وہ پھلوں کو عرصہ دراز تک رکھ سکتے تھے۔ ان کو کیڑوں سے بچاتے تھے اور کنوؤں اور گڑھوں میں سے زہریلے بخارات کو خارج کرنا جانتے تھے۔ آب و ہوا کے تغیرات سے وہ بخوبی واقف تھے اور فصلوں اور باغوں کو آنے والے حوادث سے محفوظ کر لیتے تھے۔ ملک کے تمام بڑے بڑے مدارس میں کاشتکاری اور باغبانی کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی تھی۔ فاضل اناج کا ذخیرہ کرتے اور پہاڑوں کو کاٹ کر کھتہ بناتے تھے۔ یہ ذخیرہ گاہیں محفوظ اور ہوا سے بچائی جاتی تھیں۔ بعض کھتے برسہا برس تک اپنے اندر غلہ محفوظ رکھتے تھے یہ غلہ قحط کے زمانے میں کام آتا تھا۔ قحط کے دوران بلوط کے پھلوں کو کھایا جاتا تھا جو غذائیت سے بھرپور ہوتے تھے۔

علم نباتات اور فن زراعت پر اہل اسپین نے بہت سی کتب تصانیف بھی کی ہیں جن کا تذکرہ شعبہ سائنس میں آچکا ہے۔ ان میں مشہور و معروف ابن العوام اشبیلی تھے جن کی تصنیف سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اسپینی مسلمان ۱۳ ویں صدی عیسوی میں فن زراعت میں کس قدر ترقی کر چکے تھے۔ اس کتاب میں تفصیل سے ہر شعبہ زراعت و کھیتی باڑی پر بحث کی گئی ہے۔ اس میں نہ صرف یہ کہ ایسے طریقہ بتائے گئے ہیں جو آج بھی زراعت و کاشتکاری میں تسلیم شدہ ہیں بلکہ نہایت تحقیق کے ساتھ ہر قسم کے جانوروں کی نسل کشی، ان کے خواص، اوصاف، عیوب، عادات و امراض بتائے گئے ہیں۔ کاشتکاری کے لئے مختلف اقسام کے گھوڑوں اور ان کی پرورش پر تفصیلی بحث ہے۔ اسی کتاب میں انڈوں سے بچے نکالنے کی مصنوعی ترکیب بتائی گئی ہے۔ کھانا پکانے کی بہت سی ترکیبیں، قسم قسم کی روٹیاں، مٹھائیاں، شربت، مربے، اچار، چٹنیاں وغیرہ بنانے کے طریقہ بھی تحریر کئے گئے ہیں کسانوں کی کاشتکاری کے طریقوں کی تفصیل اور فائدہ مند مشورے بھی شامل ہیں۔ ابن العوام کے علاوہ بھی بہت سے افراد نے اس فن پر کتابیں لکھیں اور بہت سے حکماء نے تو اپنی زندگی علم نباتات ہی میں صرف کردی۔ مثلاً ابن بیطار وغیرہ۔

علاوہ زراعت کے مسلمانوں کو کاشتکاری کے دیگر شعبوں سے بھی گہرا تعلق تھا اور انہوں نے اس میں بھی نمایاں کامیابی حاصل کی جیسے کہ گھوڑے پالنا، بھیڑ بکریاں، پالنا، مرغبانی، شہد کی مکھیوں کی پرورش وغیرہ۔ ریشم کے کیڑوں کی پرورش کرنا اہل اسپین کا بہترین اور فائدہ مند مشغلہ تھا۔ ان کیڑوں کی پرورش کے لئے حکومت بھی ان کی مدد کرنے سے کوتاہی نہ کرتی تھی۔ اور جگہ جگہ آب وہوا کی مناسبت سے شہتوت کے باغات اسی مقصد کے لئے لگائے گئے تھے۔ اسی طرح اون اور مرینہ حاصل کرنے کے لئے بھی حکومت نے باقاعدہ قانون وضع کر رکھا تھا جس سے بھیڑوں کی افزائش میں بڑی مدد ملتی تھی۔ مرغبانی گھریلو صنعتوں میں شمار کی جاتی تھی اور ہر دیہات میں اس پر خاص توجہ دی جاتی تھی۔ تاریخ سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ جانوروں کی بیماریوں کے علاج کے لئے شفاخانے بھی قائم تھے۔ البتہ ان علاقوں کے ناموں کا پتہ نہیں چلا جہاں یہ شفاخانے قائم تھے۔

(۶) شعبۂ تعلیم و تدریس

اس اہم شعبہ میں اہل اسپین نے جس قدر ترقی کی تھی اس کا مقابلہ بنو عباس بھی نہیں کر سکتے۔ افسوس یہ ہے کہ اس کی تفصیل فراہم نہ ہو سکی ورنہ بجائے خود ایک کتاب بن جاتی۔ علوم و فنون میں اہل اسپین نے جس قدر ترقی کی تھی وہ سب اسی شعبہ کی برکت سے یورپ کو ورثہ پہنچا۔ ورنہ بہت سے علوم سے اہل یورپ نا آشنا رہتے۔ اس شعبہ میں مدارس' کتب خانے اور تصنیف و تالیف کے تمام پہلوؤں کا تذکرہ ہو گا۔ سب سے اول ہم مدارس اور طریقہ تعلیم کا تذکرہ کرتے ہیں۔

مدارس

اسپین میں بھی دیگر مسلم ممالک کی طرح مساجد کے ساتھ مدارس قائم کرنے کا رواج تھا۔ لیکن بہت سے مدارس اور جامعات مساجد سے علیحدہ بھی تھیں۔ ان مساجد کے اخراجات کی کفالت کے لئے حکومت نے بڑے بڑے اوقاف مقرر کر دیئے تھے اور وقتاً فوقتاً خصوصی امداد بھی دی جاتی تھی۔ تمام مدارس میں تعلیم مفت دی جاتی تھی اور ہر مسلمان پر تعلیم حاصل کرنا لازمی قرار دیا گیا تھا۔ قرآن' حدیث' فقہ' صرف و نحو' شعر و ادب کی تعلیم عام طور پر مدارس میں ہوتی تھی لیکن جامعات میں تمام علوم عقلیہ اور نقلیہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ان مدارس اور جامعات کے لئے اس دور کے چیدہ چیدہ جید علماء اور اساتذہ کی خدمات حاصل کی جاتی تھی۔ قانون دان بننے کے لئے مذہبی سند ضروری تھی۔ بقول ابن خلقان[1] تمام ملک کے شہروں اور دیہاتوں میں مدارس قائم تھے اور یہ سب مدارس کسی نہ کسی جامعہ سے ملحق ہوتے تھے۔ دور بنو امیہ تک یہ تمام مدارس صرف جامعہ قرطبہ سے ملحق رہے لیکن اس کے بعد اشبیلیہ' غرناطہ' مالقہ اور طلیطلہ کی جامعات سے بھی ملحق ہونے لگے۔ بعض شہروں میں تو مدارس کی تعداد سینکڑوں تک تھی۔ صرف قرطبہ میں آٹھ سو مدارس تھے جن میں مشہور و جید اساتذہ بلا تفریق مذہب و ملت اپنے شاگردوں کو تعلیم دیتے تھے[2]۔ اسکاٹ کے کہنے کے مطابق تمام ملک میں کوئی گاؤں بھی ایسا نہ تھا کہ جہاں کے مفلس گنواروں کے بچے تعلیم کی نعمت سے محروم ہوں۔ بیرونی ممالک سے آنے والے طلباء کے ٹھہرنے کے لئے جامعات سے ملحقہ اقامت گاہیں بھی بنائی جاتی تھیں جن کے تمام اخراجات کی ذمہ داری حکومت پر تھی۔ حتیٰ کہ متعلقہ مضامین کی کتابیں تک طلباء کو مفت حکومت کی طرف سے دی جاتی تھیں۔ ابتدائی تعلیم حاصل کر کے جب

---

[1] ابن خلکان جلد ا   [2] اسکاٹ جلد ۳ صفحہ ۱۲۰

طالبعلم اعلیٰ تعلیم کے لئے کسی جامعہ میں داخل ہوتا تو اس کے داخلہ کا امتحان ضرور لیا جاتا تھا۔ جو پاس ہوتا اس کو داخلہ دیا جاتا ورنہ وہ اگلے سال کی تیاری کے لئے چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اعلیٰ تعلیم کے مضامین قرآن و حدیث اور فقہ کے علاوہ علوم قدیمہ' ہندسہ' ہیئت' طب و جراحت' موسیقی' منطق و فلسفہ' شعر و ادب' تاریخ اور جغرافیہ ہوتے تھے۔ لیکن فنون میں بھی طلباء کو ماہر کیا جاتا تھا اور بہت سے فنون کے شعبہ بھی موجود تھے۔ مثلاً خیاطی' خطاطی' چمڑے کا کام' فن تعمیر' کوزہ گری' فلاحت و زراعت وغیرہ۔ اسکاٹ ہی کا بیان ہے کہ ان مدارس اور جامعات کی استادی اور تنظیمی کے لئے کسی شخص کا مسلمان ہونا لازمی نہ تھا بلکہ تمام دارومدار علمی انہماک اور قابلیت پر ہوتا تھا۔ جس میں یہ صفات ہوتی تھیں وہ بلا تامل ان عہدوں پر فائز کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ اکثر یہودی اور عیسائی بھی قرطبہ کی جامعہ میں استادی پر مقرر تھے۔[ل]

نویں اور دسویں صدی عیسوی میں اسپین کی جامعات میں تعلیم حاصل کرنے والوں کی تعداد ۱۱ ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ طالبعلم کسی بھی قوم و مذہب سے تعلق رکھتا ہو با آسانی ان جامعات میں تعلیم حاصل کر سکتا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یورپ و ایشیاء سے آنے والے طلباء میں عیسائی اور یہودی طلباء بکثرت ہوتے تھے۔ یہ مسلمانوں کی بے تعصبی کا ہی نتیجہ تھا کہ قرمونہ کے جیرالڈ نے قرطبہ اور طلیطلہ کی جامعات میں تعلیم حاصل کی اور بعد میں مسلمانوں کے علمی شہ پاروں کو یورپ تک پہنچایا۔ بہت سے عیسائی راہبوں اور طلباء کا بھی پتہ چلتا ہے جو تعلیم حاصل کرنے کے لئے اسپین کی جامعات میں داخلہ لیتے تھے اور ان کو بھی وہی مراعات ملتی تھیں جو اسپینی مسلمانوں کو حاصل تھیں۔ مدارس کا نصاب' جامعات کے داخلے کا امتحان' سندیں' انعام و وظائف اور بحث و مباحثہ کا وہ طریقہ رائج تھا جو آج کل ترقی یافتہ ممالک میں پایا جاتا ہے۔

اسپین کی جامعات کو سب سے زیادہ ناز علوم طب و جراحت پر تھا یہی وجہ تھی کہ طب و جراحت کے امتحانات بہت اہمیت رکھتے تھے۔ قابل ترین طبیب ان طلباء کا امتحان سختی سے لیتے تھے جو طبابت کی سند حاصل کرنا چاہتے تھے۔ داخلے کے وقت اور تعلیم کے اختتام پر دونوں حالتوں میں امتحان لیا جاتا اور کامیاب اور ناکام لوگوں کی فہرست شائع کر دی جاتی تاکہ عوام ان سے پوری طرح باخبر رہیں۔ جامعات کی طرف سے وقتاً فوقتاً علماء کی قیمتی سائنسی' فنی اور تاریخی معلومات برابر شائع ہوتی رہتی تھیں۔ جامعہ قرطبہ کی سالانہ رپورٹ کے شائع ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ مدارس اور جامعات کے آمدنی

[ل] اخبار اندلس جلد ۳ صفحہ ۵۱۴

اور خرچ کے گوشوارے بھی تیار کئے جاتے تھے اور بعض حالات میں شائع بھی کر دیئے جاتے تھے۔

سائنس و فنون کی تجرباتی تعلیم کے لئے جامعات میں مکمل تجربہ گاہیں قائم کی جاتی تھیں۔ جن میں اس زمانہ کے بہترین سائنسی اور فنی آلات مہیا کئے جاتے تھے۔ جامعات قرطبہ اور غرناطہ میں جراحت کے مکمل شعبے تھے جن میں آلات جراحت کے جدید ترین نمونے موجود تھے اور بیشتر آلات وہی تھی جو موجودہ دور میں مستعمل ہیں۔ طلباء کو عملی تجربہ کے لئے اساتذہ اپنی نگرانی میں دور دراز کے علاقوں میں لے جایا کرتے تھے۔ بحث و مباحثہ اور مناظرہ کا بھی اہتمام ہوتا تھا جو قابل اساتذہ کی زیر نگرانی ہوتا تھا۔ علم کے حصول کے لئے عورتوں پر کوئی پابندی نہ تھی لیکن کیونکہ مخلوط طرز تعلیم کا رواج نہ تھا اس لئے عموماً عورتیں علوم نقلیہ کے حصول تک رہتی تھیں اور علوم عقلیہ سے محروم رہتی تھیں۔ علامہ مقری نے بہت سی ایسی عورتوں کی فہرست دی ہے جو علوم فقہ و حدیث اور شعر و ادب بلکہ بڑی حد تک فلسفہ و منطق میں بھی کامل دستگاہ رکھتی تھیں[1]۔ اسی بناء پر ہٹی نے لکھا ہے کہ مسلم اسپین میں شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو[2]۔

اسپین کی مشہور جامعات میں قرطبہ' اشبیلیہ' غرناطہ اور مالقہ کے نام آتے ہیں۔ جامعہ قرطبہ کا سنگ بنیاد عبدالرحمٰن الداخل نے رکھا تھا۔ جس کی عمارت کی تکمیل ہشام اول نے کی لیکن اس کی علمی و ادبی ترقی کی ابتداء عبدالرحمٰن ثانی سے ہوئی اور حاجب المنصور تک اس کا عروج رہا۔ الحکم ثانی نے اس جامعہ کو لاثانی بنادیا تھا اور تمام دنیا کے مشہور عالموں کو اس میں لا کر جمع کر دیا تھا۔ اشبیلیہ اور مالقہ کی جامعات بھی گو دور بنو امیہ کی پیداوار تھیں لیکن در حقیقت ان کا عروج دور طوائف الملوکی میں ہوا۔ غرناطہ کی جامعہ بنو نصر کے ساتویں بادشاہ ابوالحجاج یوسف کے زمانے میں قائم کی گئی۔ جس کا سرا مشہور و معروف شخصیت لسان الدین ابن الخطیب کے سر تھا۔ یہ شخص اسپین کا نظام الملک طوسی کہلانے کا مستحق ہے جس نے جامعہ غرناطہ کو چار چاند لگا دیئے۔ اس کے علاوہ سرقسطہ اور بطلیوس کے مدارس بھی کافی شہرت یافتہ تھے۔ طلیطلہ کی جامعات دراصل مسلمان اسپین کی یادگاروں اور باقیات الصالحات کو محفوظ کرنے کا اہم مرکز بن گئی تھی۔ یہیں سے یہودی اور عیسائی طالب علموں نے نہ صرف علوم حاصل کئے بلکہ اسپین کے عربی علوم کے تراجم کر کے ان کو یورپ تک پہنچایا۔ جن میں جیرالڈ کا نام سرفہرست ہے۔ آج جو بھی مسلم اسپین کی باقیات میں سے یورپ میں موجود ہے وہ اسی

---

[1] نفح الطیب، جلد ۲ ص ۵۳۶

[2] The History of The Arabs - Hitti - P.562

جامعہ طلیطلہ کا مرہون منت ہے۔[1]

کتابیں اور کتب خانے

جس نظام تعلیم کا تذکرہ اوپر کیا گیا ہے اس کو کامیاب طریقے پر چلانے کے لئے بلاشبہ زیادہ سے زیادہ کتابوں کا ہونا ضروری تھا۔ بنو عباس کی طرح مسلمانان اسپین نے بھی کتابی دنیا میں گراں بہا اضافہ کیا لیکن اہل اسپین کی یہ خوبی ان کو ممتاز کرتی ہے کہ انہوں نے تراجم بہت کم کئے اور اپنی تصانیف پر زیادہ زور دیا جس سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ علماء اسپین کو اپنے تخیل اور قلم پر کس قدر عبور حاصل تھا۔ بنو امیہ اسپین کے شروع دور ہی سے علماء و فضلاء نے تحریر و تصنیف کا آغاز کر دیا تھا۔ ہم نے ان تصانیف کی تفصیل کسی حد تک "شعر و ادب" میں بیان کر دی ہے لیکن ان کے علاوہ بھی تصانیف کا ایک انبار نظر آتا ہے۔ بعض علماء نے تو کئی کئی مضامین پر سینکڑوں کی تعداد میں کتب تصانیف کی تھیں۔ جن کی حسب ذیل تفصیل مختلف تواریخ سے دستیاب ہوتی ہے۔

ابن خطیب قرطبی	۱۱سو تصانیف	موضوع طب فلسفہ اور تاریخ
ابن حسن	۴۵۰ تصانیف	موضوع فلسفہ اور فقہ
المظفر شاہ بطلیوس	۵۰ تصانیف	موضوع ادب، سیاست اور تاریخ
ابن حیان	۶۰ تصانیف	موضوع ادب، تذکرہ، اور تاریخ
ابن ہیثم	۲۰۰ تصانیف	موضوع ہیئت، نجوم اور سائنس
ابن محمد اور ابن ہانی	۴۰۰ تصانیف	موضوع ادب اور تاریخ قدیم و جدید
ابن حبیب، ابو مروان، عبدالملک	۱۰۰ تصانیف	موضوع ادب، تذکرہ اور تاریخ قدیم و جدید
علی بن حزم	۱۰۰ تصانیف	موضوع فقہ، منطق، شعر و ادب اور تاریخ
لسان الدین ابن الخطیب	۴۰۰ تصانیف	موضوع فقہ، تاریخ اور ادب و فلسفہ

علاوہ ان افراد کے دیگر مصنفین کا نام بھی اس فہرست میں آتا ہے لیکن ان کا تذکرہ مختلف شعبہ

---

[1] جامعات اور مدارس کی تفصیل کیلئے دیکھئے علامہ مقری ابن خلکان و اسکاٹ وغیرہ۔

جات کے تحت اوپر کیا جاچکا ہے۔ ان تصانیف کے وجود میں آنے سے طالب علموں کو حصول علم میں کافی آسانیاں ہوگئی تھیں۔ اس کے علاوہ سلاطین و خلفاء بھی اپنی علم نوازی کی بدولت اس بات کا پورا اہتمام کرتے تھے کہ مغرب یا مشرق میں جو بھی کتاب تحریر کی جائے وہ اسپین میں ضرور آجائے۔ تمام مسلم ممالک کے بڑے بڑے شہروں میں حکومت کے گماشتے موجود رہتے تھے جو کتابوں کی نقل کرکے یا خرید کر روانہ کرتے تھے۔ ابوالفرج اصفہانی کی کتاب الاغانی کی بابت یہ مشہور ہے کہ الحکم ثانی نے اس کو ختم کرنے سے پہلے ہی ایک ہزار اشرفیاں بھیج کر خرید لیا تھا۔ مصنف کی قدردانی عوام اور حکومت دونوں کے نزدیک اولیٰ تھی۔ حکومت کی طرف سے ان کو وظائف دیئے جاتے اور ہر طرح کی آسانیاں بہم پہنچائی جاتی تھیں تاکہ وہ آرام کے ساتھ تصنیف و تالیف میں مشغول رہیں۔ الحکم ثانی کی علم دوستی کا ذکر اوپر کیا جاچکا ہے۔ جس سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ سلاطین بنوامیہ نے کس طرح کتابوں کے حصول اور ان کی تصانیف پر اپنی توجہ مرکوز رکھی اور کس تندہی اور محنت سے علوم کو کتابوں میں داخل کرادیا۔ علماء اسپین نے بھی اسی طرح کتابوں کی تحریر و تصنیف میں کوئی کوتاہی نہ کی، حتیٰ کہ انہوں نے جانوروں تک کی سوانح عمریاں اور زراعت و فلاحت پر بھی کتابیں لکھ ڈالیں۔

کتابوں کو تحریر کروانے اور ان کی نقل حاصل کرنے میں جس قدر زر کثیر حکومتیں خرچ کرتی تھیں اس سے کہیں زیادہ امراء وزراء اور جاگیردار اس میں حصہ لیتے تھے۔ کثرت سے تاجران کتب بھی اس کام کو بڑے اہتمام سے کرتے تھے اور پھر بڑے اہتمام سے کتابوں کو طبع کراتے تھے وہ اپنے یہاں بہترین خطاط ملازم رکھتے تھے اور اکثر علماء سے بھی یہ کام لیا جاتا تھا یاقوت حموی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے خطاطی کرکے ہی اپنی مشہور کتابوں معجم البلدان اور معجم الادباء تصنیف کی تھیں۔ کتاب کی قیمت اس کے موضوع، مصنف کے حسن خط اور بہترین جلد سے طے پاتی تھے اس لئے کتب فروش اس بات کی کوشش کرتے تھے کہ کتاب عمدہ خط میں لکھی جائے اور اس کے حاشیئے خوبصورت و منقش ہوں تاکہ کتاب کی قیمت بڑھ سکے۔ خوبصورت جلدیں بنانے کا بھی عام رواج تھا جس سے جلد سازی نے کمال حاصل کرلیا تھا عام طور پر جلدیں چمڑے کی بنائی جاتی تھیں بہت سی جلدوں پر سونے چاندی اور ہیرے جواہرات کا بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ بہت سی جلدیں خوشبودار لکڑی اور گلداز چمڑے سے بھی بنائی جاتی تھیں۔ کتابوں کی زیادہ سے زیادہ طلب نے اور علم کی قدردانی نے کتب فروشی کو عام کردیا تھا۔ صرف قرطبہ ہی میں ۲۰ ہزار دکانیں کتب فروشوں کی تھیں۔ دیگر

بڑے بڑے شہروں میں بھی ان دکانوں کی بہتات تھی۔ خوبصورت جلدوں کی کتابیں اس طرح سجائی جاتی تھیں جس طرح کہ ریشم و حریر کے کپڑے اور زیورات تاکہ خریدار کی نظر التفات پڑ سکے۔ ابن رشد کے یہ الفاظ جو اس نے المنصور مواحد کے دربار میں کہے تھے اس بات کی دلالت کرتے ہیں کہ اسپین میں کتابوں کی کیا قدر و قیمت تھی جب کوئی مغنی قرطبہ میں مرتا ہے تو اس کے موسیقی کے آلات مراکش کے بازار میں فروخت ہوتے ہیں اور جب کوئی مراکشی عالم فوت ہوتا ہے تو اس کی کتابیں قرطبہ میں فروخت ہوتی ہیں۔

کتب فروشی کے ضمن میں اگر کاغذ کا بھی تذکرہ کر دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ بلاشبہ اسپین میں کتابوں کی ہمہ گیر اشاعت میں کاغذ نے سب سے زیادہ مدد دی۔ اسپین میں مسلمانوں سے قبل کاغذ تقریباً ناپید تھا۔ اس صنعت کو مسلمان اپنے ساتھ لائے تھے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ صنعت مصر سے آئی تھی۔ علامہ مقری نے لکھا ہے کہ مصر میں ایک درخت ہوتا تھا جس سے کاغذ بنایا جاتا تھا۔ اسپین کے مسلمانوں نے اس درخت کو شاطبہ کے علاقہ میں بویا اور اس کو خوب فروغ دیا۔ بعد میں روئی اور کتان سے بھی کاغذ بنایا جانے لگا اور شاطبہ اس صنعت میں تمام دنیا میں مشہور ہو گیا[1]۔ کاغذ کی صنعت کے اس عروج نے اسپین میں کتابوں کی مانگ کو پورا کیا اور ہر سال لاتعداد کتابیں شائع ہونے لگیں۔

کتابوں کی بہتات اور روز افزوں تصانیف کے ساتھ ساتھ حکومت اور عوام و خواص میں کتابوں کے جمع کرنے کا شوق بھی بڑھتا جاتا تھا۔ عبدالرحمان الداخل سے لے کر ہشام المؤید تک تمام بادشاہان بنو امیہ اس شوق میں ڈوبے ہوئے تھے۔ جس وقت جامعہ قرطبہ کی بنیاد پڑی اس وقت ایک ایک شاہی کتب خانہ بھی قائم کیا گیا جس کا بظاہر مقصد تو طلبا کو اس سے فائدہ پہنچانا تھا لیکن دراصل سلطان کو خود اپنے ذوق علمی اور ذخیرہ کتب کو پورا کرنا تھا۔ الحکم ثانی کے ذوق علمی کی تکمیل کے سلسلہ میں اس کے عظیم کتب خانہ کا تذکرہ آ چکا ہے جس کی مثال اس زمانہ کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ دور طوائف الملوکی میں باوجود خلفشار اور افراتفری کے کتب خانوں کی طرف حکومتوں اور عوام کا رجحان رہا۔ کوئی بڑا شہر ایسا نہ تھا جہاں تشنگان علم کو سیراب کرنے کے لئے کتب خانہ موجود ہو۔ اشبیلیہ، بلیوس، سرقسطہ، مالقہ، طلیطلہ، بعدہ اور غرناطہ اپنے اندر نہ صرف زبردست شاہی کتب خانے رکھتے تھے بلکہ سینکڑوں کی تعداد میں عوامی کتب خانے بھی تھے۔ امراء، وزراء اور سرمایہ دار اپنے گھروں

---

[1] نفح الطیب جلد ا صفحہ

میں بھی کتب خانے بنایا کرتے تھے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کتب خانہ کا قیام اہل اسپین کے لئے لازمہ زندگی بن کر رہ گیا تھا۔ کوئی شخص خواہ وہ عالم ہو یا جاہل' خواہ کتاب کے مضمون سے واقفیت رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو اگر صاحب ثروت و استطاعت ہوتا تو بہتر سے بہتر کتاب خریدنے اور اس کو اپنے کتب خانے کی زینت بنانے کے لئے بے دریغ رقم صرف کرنے سے گریز نہ کرتا تھا۔ علامہ مقری نے اس ضمن میں ایک عالم حضری کا واقعہ لکھا ہے کہ "اس کو ایک کتاب کی شدید ضرورت تھی۔ جو کافی مدت سے اس کو نہ مل سکی تھی۔ ایک دن ایک دوکاندار کے یہاں اس کو نظر پڑی۔ اس کتاب کی تحریر عمدہ اور جلد بہت خوبصورت تھی۔ حضری نے اس کتاب کی مناسب قیمت لگائی لیکن ایک دوسرے گاہک نے اس پر اضافہ کر دیا اس کے بعد دونوں طرف سے قیمت کے اضافے کا سلسلہ چل نکلا۔ یہاں تک کہ کتاب کی قیمت حد سے تجاوز کر گئی۔ حضری کو کتاب کی سخت ضرورت تھی لیکن گراں قیمت دینا اس کے بس میں نہ تھا۔ چنانچہ وہ دوسرے گاہک سے ملا تاکہ معلوم کرے کہ واقعی اس کو کتاب کی سخت ضرورت ہے۔ اس کو یقین تھا کہ یہ شخص ضرور بڑا عالم فاضل ہوگا۔ لیکن جب اس شخص سے ملا تو اس نے کہا کہ میں نہ کوئی عالم و فاضل ہوں اور نہ کتاب کے نفس مضمون سے واقف ہوں۔ صرف اس کتاب کی خوبصورت تحریر اور جلد سے متاثر ہوں تاکہ اس کو اپنے کتب خانے کی زینت بنا کر اپنے دوستوں اور احباب میں عزت حاصل کروں۔[1]" اس واقعہ سے یہ اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ لوگوں میں اپنے کتب خانے بہتر طور پر بنانے کا کس قدر شوق تھا بلکہ امارت اور عزت کا وہی شخص زیادہ مستحق سمجھا جاتا تھا جو بہت بڑے کتب خانہ کا مالک ہوتا تھا۔ عوامی کتب خانے سرکاری خرچ پر بنائے جاتے تھے۔ جہاں عوام اور طلباء کو کتابیں مستعار دی جاتی تھیں۔ دور دراز کے علاقوں سے ان کتب خانوں میں کتابیں مہیا کی جاتی تھیں۔ دور طوائف الملوکی میں تو ایسے لاتعداد کتب خانوں کا پتہ چلتا ہے جو عوام کے لئے مخصوص تھے۔ اشبیلیہ میں بنو عباد کا شاہی کتب خانہ تھا جس میں نادر روزگار کتابیں جمع کی گئی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ الحکم ثانی کے کتب خانہ کی بہت سی کتابیں اس میں موجود تھیں۔ معتضد اور معتمد دونوں کو کتابیں جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ سرقسطہ کے بنو ہود' طلیطلہ کے بنی ذوالنون اور بطلیوس کے بنی افطس کے پاس اپنے عظیم کتب خانے موجود تھے۔ حتیٰ کہ مریہ کے زہیر اور مجاہد شاہ دانیہ باوجود اس کے کہ وہ موالی تھے بہت عمدہ کتب خانوں کے مالک تھے۔ زہیر کے وزیر احمد بن عباس کے پاس ایک نادر کتب خانہ تھا جس کو وہ اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ غرناطہ کے بنو زیری خاندان

---

[1] نفح الطیب جلد ا صفحہ ۴۶۲

کے یہودی وزیر سموئیل کے پاس بھی ایک بڑا کتب خانہ موجود تھا۔ اسی وزیر کی بدولت غرناطہ میں کئی کتب خانے بن گئے تھے۔ آخر میں اسپین کا علمی سرمایہ غرناطہ کے بنو نصر کے ہاتھ لگا۔ کیونکہ یہ بادشاہ بڑے علم دوست اور علم پرور تھے۔ اس لئے تمام اسپین کے علماء اور علمی ذخیرہ غرناطہ میں جمع ہو گیا تھا۔ اس طرح جہاں غرناطہ مسلمانوں کی سیاسی پناہ گاہ بن گیا تھا۔ وہاں علمی پناہ گاہ بھی ثابت ہوا۔ غرناطہ کی تباہی کے بعد کتابوں کا تھوڑا بہت سرمایہ عیسائیوں نے بچا کر اسکوریال کے کتب خانہ میں جمع کر دیا تھا۔ جو میڈرد (مجریط) موجودہ اسپین کے دارالحکومت کے قریب واقع ہے[1]

کتب خانہ کی تنظیم میں بھی مسلمانان اسپین نے خاص مہارت دکھائی۔ تمام کتابوں کو مضامین کی ترتیب کے لحاظ سے ایک بڑے رجسٹر میں درج کر لیا جاتا تھا۔ اور اس فہرست کے نمبر شمار کو کتابوں کے اوپر ڈال دیا جاتا تھا رجسٹر میں درج کرتے وقت کتاب اور مصنف کے نام کے ساتھ کتاب کا سنہ طباعت، صفحات اور مضامین، مصنف کی تاریخ پیدائش، ولدیت اور وفات اگر وہ فوت ہو گیا ہے اور اس کی مختصر سوانح عمری ضرور لکھی جاتی تھی۔ اس بات کی بھی کوشش کی جاتی تھی کہ یہ بھی تحریر کر دیا جائے کہ یہ کتاب کن کن شہروں یا کتب خانوں میں دستیاب ہو سکتی ہے۔ کتاب کی اصلیت یعنی ترجمہ، تالیف یا تصنیف بھی ضرور لکھی جاتی تھی اور اس کے ساتھ ہی کتاب کی قیمت اور صفحات کا اندراج بھی ضروری تھا۔ اس بات کا پتہ نہیں چلتا کہ آیا ان کتب خانوں سے کتابیں گھروں پر پڑھنے کے لئے دی جاتی تھیں یا نہیں۔ البتہ طالب علموں کو کتب خانہ میں بیٹھ کر پڑھنے اور اس کو نقل کرنے کی اجازت ہوتی تھی۔ ملازمین کتب خانہ میں ایک مہتمم کتب خانہ ہوتا تھا جو شاہی کتب خانہ میں تو خاندان شاہی کا کوئی فرد ہوتا تھا لیکن عام کتب خانوں میں کسی عالم کو مہتمم بنایا جاتا تھا۔ اس کی مدد کے لئے خطاط، جلد ساز اور کچھ اور ملازمین ہوتے تھے۔ شاہی کتب خانہ میں کتابوں کو صندل یا آبنوس کی یا کسی خوشبودار لکڑی کی الماریوں میں رکھا جاتا تھا۔ لیکن عام کتابوں کو ایسی لکڑی کی الماریوں میں رکھا جاتا تھا جن میں کیڑا نہ لگ سکے۔ کتابوں کو کیڑے سے بچانے کے لئے بعض اوقات تیز مسالوں کا استعمال کیا جاتا تھا اور روز صفائی بھی کی جاتی تھی غرناطہ کے کتب خانوں میں شیشے اور پتھر کی الماریوں کا بھی پتہ چلا ہے۔

---

[1] The History of The Arabs - Hitti - P-564

باب ۱۴

معاشرتی تجزیہ

سیاسی معاشرہ

پڑھنے والوں کو یہ بات کچھ عجیب سی معلوم ہوگی کہ بجائے سیاسی نظام حکومت کے سیاسی معاشرہ تحریر کیا جارہا ہے۔ دراصل ایسا کرنے کی وجہ یہ ہے کہ نظام حکومت کی تفصیل اور تغیرات متعلقہ امیر' خلیفہ اور سلطان کے ساتھ بیان کردیئے گئے ہیں جس کی وجہ سے ان کو علیحدہ کوئی جگہ دینا تکرار کے سوا کچھ فائدہ مند نہ ہوتا۔ ایسا ہی دور طوائف الملوکی میں بھی کیا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ ملوک الطوائف کا سیاسی نظام بنو امیہ کے سیاسی نظام سے کچھ جدا نہ تھا چنانچہ علیحدہ سیاسی نظام حکومت کے بیان کرنے سے احتراز کیا گیا ہے لیکن جب ہم معاشرتی جائزہ پر آتے ہیں تو ہمیں تمام سیاسی عہدہ داران اسپین کے مسلم معاشرہ کا بڑا عنصر نظر آتے ہیں اس لئے وہ سب معاشرہ میں جس طور پر زندگی گزارتے تھے اور اپنی سیاسی حیثیت کے ساتھ معاشرہ پر جس طرح اثر انداز ہوتے تھے ان کا تذکرہ کرنا ضروری ہے کیونکہ مطالعہ سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ مسلم معاشرہ پر ان کے اثرات بہت تھے۔

مسلم اسپین کے معاشرہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا حصہ سیاسی معاشرہ کا ہے جس میں سلاطین و خلفاء ان کے عہدہ دار' وزراء' امراء اور جاگیردار سب کو شامل کرلیا گیا ہے اور اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ سیاسی نظام بھی پوری طرح اجاگر رہے۔ دوسرا حصہ عمومی معاشرہ کا ہے جس میں عیسائی' یہود اور مسلم و نومسلم کا جدا جدا تذکرہ شامل ہے۔

امیر اور خلیفہ

عبدالرحمٰن الداخل سے لیکر امیر عبداللہ تک بنو امیہ کے حکمرانوں نے اپنے آپ کو امیر کہلوایا۔ عبدالرحمٰن ثالث الناصر نے سب سے پہلے خلیفہ کا لقب اپنے لئے اختیار کیا جو زوال بنو امیہ تک قائم رہا لیکن جہاں تک اختیارات کا تعلق ہے امیر و خلیفہ دونوں یکساں اختیارات کے حامل تھے۔ دونوں مطلق العنان تھے اور کوئی ان کا محاسبہ نہ کرسکتا تھا۔ البتہ وہ لوگ اپنے آپ کو قانون شریعت سے بالا نہ سمجھتے تھے۔ جس کی وجہ سے ایک مذہبی عالم یا فقیہ ان کو نصیحت کرنے کی جرائت

کر سکتا تھا۔ لیکن ان میں سے کسی پر حد شرع عائد کرنے کا کوئی واقعہ نہیں ملتا۔ قاضی منذر بن سعید نے خلیفہ الناصر کو قصر زہرہ میں غیر شرعی تعمیرات پر نصیحت تو کی ہے لیکن اس پر کوئی شرعی حد قائم نہ کی جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ امیر و خلیفہ قانون شریعت کا کسی وجہ سے احترام تو کرتا تھا لیکن اس قانون سے مجبور نہ تھا۔ طرز جہانبانی میں وہی پرانی رسم بادیہ "قبلہ و شیخ" قائم رکھی گئی البتہ مطلق العنان جاگیردار نہ بننے دیا جاتا تھا عربوں' بربروں اور بعد میں مقالبہ کو ہر امور مملکت میں اولیت دی جاتی تھی۔ حکمران انتظامیہ کا کلی مالک ہوتا تھا اور سیاہ و سفید اسی کے اختیار میں تھا۔ تدبیر و سیاست میں کوئی اس کا شریک نہ تھا وہ اپنی مرضی سے وزراء و امراء کو اپنے مشوروں میں شریک کر لیتا تھا لیکن ان کے مشوروں کو قبول کرنے کا پابند نہ تھا۔ حکمرانوں کا ذاتی کردار بڑا با اثر سمجھا جاتا تھا اور عوام پر اس کو قبول کرنے یا رد کرنے کے اثرات بڑی شدت سے پڑتے تھے۔ گو حکومت کا مذہب اسلام تھا لیکن حکمران ذاتی طور پر اس کے ارکان کی پابندی کرنے یا نہ کرنے کا مجاز تھا اور نکتہ چینی سے بالاتر سمجھا جاتا تھا۔ اس کے سارے غیر شرعی افعال صرف اپنی ذات و قصر تک محدود رہتے تھے۔ اعلانیہ غیر شرعی حرکات کا مرتکب ہونے پر علماء و عوام اس کا محاسبہ کرتے تھے جس کا لازمی نتیجہ اکثر بغاوت ہی ہوتا تھا۔ شرعی قوانین کے نفاذ میں حکمران کوتاہی کرتے تھے اور آزادی اور رواداری کے پردہ میں اپنی غیر شرعی حرکات کو پوشیدہ رکھتے تھے۔ فوجوں کی سپاہ سالاری عام طور پر حکمران خود کرتا تھا تاکہ فوج اس سے مانوس رہے اور اس کی حکومت و اقتدار کے قیام میں اس کی ممد و معاون بنی رہے۔ لیکن جب فوج کی وفاداریاں کسی سبب سے حکمران سے ہٹ کر کسی دوسری طرف منتقل ہو جاتی تھیں تو حکمران کی حیثیت کٹ پتلی سے زیادہ نہ رہ جاتی تھی جیسا کہ ہشام المؤید کے ساتھ حاجب المنصور نے کیا۔ حکمرانوں کا سلوک عوام الناس سے اس طرح نہ تھا جیسا کہ عام طور پر حکومتوں میں رائج تھا۔ حکمران اپنے تکبر' نخوت اور شاہانہ شان و شوکت کے باوجود عوام الناس سے دور نہ رہتے تھے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ رعایا کا فرد ان سے مل سکتا تھا اور اپنی شکایات بیان کر سکتا تھا۔ حکمران عدل و انصاف کے لئے محل شاہی کے دروازے پر بیٹھتے تھے۔ رات کو بھیس بدل کر شہر کے حالات معلوم کرنے کا ان کو شوق تھا۔ رفاہ عام کا کام اور عمارات کی تعمیر وغیرہ کا کام بذات خود اہتمام اور ملاحظہ کرتے تھے۔ مساجد کی تعمیر میں تو وہ خود بھی ایک مزدور کی طرح شرکت کرتے تھے۔ زکوۃ' صدقہ و خیرات کی کوئی انتہا نہ تھی اور اس میں اسراف سے بھی گریز نہ کیا جاتا تھا احکام قانون کی تکمیل میں ان کا حکم سخت ہوتا تھا جو بعض اوقات خونخواری اور سفاکی کی حد تک پہنچ جاتا تھا چونکہ یہ حکمران اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ

تھے فیاض اور وسیع الخیال ہوتے تھے اس لئے ان کے اخلاق حمیدہ ان سے بے رحمانہ افعال عموماً سرزد نہ ہونے دیتے تھے۔ اکثر ایسے مواقع تلاش کئے جاتے تھے جن کی خوشی میں خیرات کی جائے۔ مجرموں کی جان بخشی کی جائے اور کثرت سے غلام آزاد کئے جائیں۔ مثلاً کسی فتح کی خوشی میں کسی شاہزادے کی غسل صحت یا پیدائش کے سلسلے میں لیکن اوصاف حمیدہ کے باوجود عوام الناس کو ان حکمرانوں سے کوئی خاص انس نہ رہا بلکہ ایک طرح کی نفرت ہی رہی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ عوام سے طاقت کے بل بوتے پر اپنی اطاعت کراتے تھے جو آزاد مزاج عربوں اور بربروں کو گراں گزرتی تھی۔ علماء وفقہاء ان کی آزاد روش اور زمانہ قدیم کے کافرانہ علوم جمع کرنے کی وجہ سے ان سے ناراض رہتے تھے کیونکہ ان علماء وفقہاء کا اثر عوام پر ہوتا تھا اس لئے عوام بھی ان سے برگشتہ رہتے تھے۔

ملوک الطوائف کا سیاسی معاشرہ بھی بنوامیہ سے کچھ جدا نہ تھا کیونکہ چھوٹے چھوٹے علاقوں پر قابض تھے اس لئے عوام سے خاص رابطہ رکھتے تھے تاکہ وقت ضرورت فوج کی فراہمی میں دقت نہ ہو سکے۔ یہ ملوک الطوائف بھی نہ تو قانون شریعت کے مکمل تابع تھے اور نہ انہوں نے اپنے قوانین حکومت وضع کئے تھے بلکہ طاقت اور دولت کے بل بوتے پر حکمرانی کرتے تھے۔ وہ اپنی ذاتی صلاحیتوں اور دولت و طاقت کے بل پر بادشاہت قائم کرتے تھے۔ اس لئے ان پر کسی کا احتساب ممکن نہ تھا جو چاہتے وہ کرتے اور اگر کوئی انکے خلاف آواز بلند کرتا تو وہ خواہ کتنا ہی عزیز ترین کیوں نہ رہا ہو گردن زدنی سے نہ بچ پاتا۔ جس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ دستور حکومت کی غیر موجودگی کی بناء پر ہر شخص کو یہ موقع تھا کہ وہ اپنی طاقت فراہم کر کے کسی علاقہ پر اپنی بادشاہت قائم کر لے۔ آمریت سے ہٹ کر جمہوری طرز حکومت کی بھی کوششیں کی گئیں تھیں جو کامیاب نہ ہو سکیں اور ابن جہور نے قرطبہ میں اور بنو عباد نے اشبیلیہ میں قیام جمہوریت کی کوشش کے بعد اپنی بادشاہت قائم کر لی تھی۔ ہر ملوک الطوائف عیش و طرب کا دلدادہ اور شہوت رانی کا پتلا تھا۔ انتظام حکومت کا تعلق وزراء سے تھا اور عوام الناس صرف محصول ادا کرنے کے لئے تھے۔

حکمران خواہ بنوامیہ کے ہوں یا ملوک الطوائف اکثریت کا چال چلن اور کردار ایسا نہ تھا کہ عوام الناس ان کی عزت کرتے۔ وہ سیاسی ضرورتوں کے لحاظ سے نہایت پابندی سے فرائض مذہبی کا اہتمام کیا کرتے تھے لیکن پھر بھی اکثر کا پکا اور سچا مسلمان ہونا مشکوک سمجھا جاتا تھا۔ یہود اور دیگر غیر

مسلموں کو بڑے بڑے عہدوں پر فائز کرنا' فلسفہ پڑھنا اور پڑھوانا' تجربہ گاہوں میں نامعلوم چیزوں پر تجربات کروانا' فن جراحت کے لئے انسانی اعضاء کا برملا استعمال کرنا اور لامذہبوں کی کتابوں کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھنا عوام الناس کو غیض و غصب میں مبتلا کرنے کے لئے کافی تھا لیکن حکمران پھر بھی ان کاموں سے باز نہ آتے تھے۔ ان کے کتب خانوں میں ہزاروں کتابیں علوم غیر شرعیہ کی موجود تھیں۔ شراب کا استعمال حد اعتدال سے بڑھ چکا تھا۔ بہت سی شرعی پابندیوں کا اعلانیہ ارتکاب کرتے۔ اپنے محل سراؤں میں لاتعداد عورتوں کو داخل کرتے اور بعض اوقات ان کی بیویوں کی تعداد شریعت کی حدود سے نکل جاتی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ عورتیں ان پر حاوی ہوتیں تھیں اور جو چاہتی وہ ان سے کروالیتی تھیں۔ ملکہ طروب عبدالرحمٰن دوئم پر' زہرہ اور دیگر کنیزیں خلیفہ الناصر پر' سلطانہ صبح الحکم ثانی پر' اعتماد رمیکیہ معتمد شاہ اشبیلیہ جیسے عالم فاضل شخص پر حاوی تھیں۔ ان تمام باتوں کے سبب ان حکمرانوں سے عوام الناس راضی نہ رہتے تھے اور ان کو اپنے معاشرے کا ناسور سمجھتے تھے۔

دربار عام میں تو یہ حکمران غلط اور ناروا باتوں کے استعمال سے گریز کرتے اور اپنی گفتگو میں احتیاط کرتے تھے لیکن جب خلوت میں ہوتے تو بے تکان جو جی میں آتا کہتے تھے۔ جن کا چرچا عوام میں ضرور ہوتا تھا۔ موسیقی کی شرعی ممانعت ہونے کے باوجود سلاطین و حکمران اس سے اپنا دل بہلاتے تھے اور عام طور پر سر دربار اس سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ بدتر سے بدتر رقص بھی ان کے یہاں روا تھا۔ محلات شاہی خواجہ سراؤں' نقالوں اور بھانڈوں سے بھرا رہتا تھا۔ نجوم و کہانت جو عہد جاہلیت کی نشانی بتائے گئے ہیں بے روک ٹوک جاری تھے۔ شگون اور فال نکالنا افعال نیک میں شمار کیا جاتا تھا۔ الغرض سلاطین بنو امیہ اور ملوک الطوائف اپنی معاشرتی زندگی کے لحاظ سے بد سے بدترین ہو چکے تھے۔ گو ان میں بہت سے اچھی معاشرت اور کردار کے حامل تھے لیکن انہوں نے اپنی خوبیوں کے اثرات تک اپنے بعد نہ چھوڑے تھے۔ مطالعہ کرنے سے یہ بات کچھ عجیب سے معلوم ہوتی ہے کہ گنتی کے چند وزراء اور امراء کے علاوہ اسپین کے مسلم عوام کی اکثریت نے اپنے بادشاہوں کی بہت کم پیروی کی اور سلاطین کے طرز معاشرت کو ہمیشہ رد کیا۔ یہی وجہ تھی کہ علماء اور عوام دونوں نے ملکر اسلام پسند مرابطین اور مواحدین کا خیر مقدم کیا تھا۔

وزارت

اسپین میں وزارت کا مفہوم اس طرح نہ تھا جیسا کہ دیگر مسلم حکومتوں میں تھا۔ جو شخص

وزارت کے فرائض انجام دیتا تھا اس کو حاجب کہتے تھے۔ علامہ مقری نے لکھا ہے کہ ایک جماعت ہوتی تھی جس کو بادشاہ اپنی اعانت اور مشاورت کے لئے مقرر کرتا اور مجالست کے لئے اس کو مخصوص کیا جاتا تھا۔ بادشاہ ان میں سے ایک شخص کو اپنا نائب مقرر کر لیتا تھا عوام الناس اس کو وزیر کہتے تھے۔ مگر شاہی عہدہ اس کا حاجب ہوتا تھا۔ یہ عہدہ ایک خاص خاندان میں نسلاً بعد نسلاً بھی چلا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ طوائف الملوکی کا زمانہ آیا۔ دولت مروانیہ کے زمانے میں تو حاجب کو ہی ملک کہتے تھے اور وہ خلیفہ کا نائب ہوتا تھا۔ رفتہ رفتہ وزارت کا اطلاق ایسا عام ہوا کہ جو شخص بادشاہ کی پاس مجالست رکھتا وہی وزیر کہلانے لگتا اور جو خلیفہ یا بادشاہ کا نائب وزیر ہوتا تھا وہ ذوالوزارتین کہلاتا تھا۔[1] یہ منصب اسپین میں سب سے بڑا انتظامی منصب تھا اور اس کے حصول کے لئے رقیبانہ کشمکش رہتی تھی۔ شعراء حاجبوں کی شان میں بادشاہوں کی طرح قصیدہ گوئی کرتے تھے۔ یہ حاجب علم و ادب میں ممتاز ترین فرد ہوتا تھا اور امور سلطنت میں خاص بصیرت رکھتا تھا۔ ابن خلدون نے وزارت اسپین کے متعلق لکھا ہے "اسپین میں وزیر کے معنوں کو اپنے اصلی معنوں میں استعمال نہ کیا جاتا تھا اور اس کے فرائض کو بھی مختلف محکموں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ ہر محکمہ کا ایک اعلیٰ افسر ہوتا تھا جسے وزیر کہا جاتا تھا چنانچہ دیوان مالیات کا ایک وزیر، محکمہ خارجہ کا ایک وزیر، مظلوموں اور مصیبت زدہ لوگوں کی امداد کا ایک وزیر اور سرحدی علاقوں کے تحفظ کے لئے وزیر اور وقائع کا ایک وزیر ہوتا تھا ان وزراء کیلئے الگ الگ دفاتر ہوتے تھے جہاں یہ وزراء فرش پر بیٹھتے تھے اور فرائض سرکاری انجام دیتے تھے۔ ہر محکمہ کا وزیر اپنے نظم و نسق کا نگران ہوتا تھا ان وزراء میں سے ایک وزیر حکمراں کی خدمت میں رہتا تھا اور اسکی مجلس تمام وزراء کی مجلس سے بلند ہوتی تھی اسے حاجب کے لقب سے پکارتے تھے۔ وہ پورے ملک کے نظم و نسق کا نگران اعلیٰ ہوتا تھا۔[2] بلاشبہ یہ منصب وسیع اختیارات کا حامل تھا۔ حاجب المنصور کے زمانہ سے تو یہ عہدہ خاص اہمیت اختیار کر گیا تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس زمانہ سے حاجب کے اختیارات میں بادشاہ بنانے کا اختیار مزید شامل ہو گیا تھا تو بے جا نہ ہوگا کیونکہ تمام وزراء اور عہدیدار اسی کے ماتحت ہوتے تھے۔ اس لئے وہ آسانی کے ساتھ تمام امور ملکی پر حاوی ہو جاتا تھا۔ ایک قابل ترین شخص ہی اس عہدے پر آتا تھا۔ لیکن بنو امیہ کے دور انحطاط میں ایسے بھی حاجب اور وزراء آئے جو اوئی اور نااہل تھے اور جنہوں نے اپنی بداعمالیوں سے اس عہدہ کی قدر

1۔ نفح الطیب جلد اول ص۱۰۳ ۔ 2۔ مقدمہ ابن خلدون ص۲۰۶ اردو ترجمہ

منزلت گرا دی تھی اور عوام میں اس منصب کے خلاف تخریب پسندی کے رجحانات کو پیدا کر دیا تھا البتہ ملوک الطوائف کے دور میں بہت سے قابل ترین افراد اس منصب پر آئے لیکن وہ بنو امیہ کے حاجبوں کی طرح صاحب اختیار نہ ہوتے تھے اسی لئے باوجود ابن عمار ابن زیدون سیموئیل (یہودی) یوسف بن سیموئیل احمد بن عباس جیسے قابل ترین حاجبوں کے کوئی بھی اپنے بادشاہوں کو اتحاد و یگانگت کی طرف مائل نہ کرسکا اور اکثر بے بس ہو کر قتل کر دیئے گئے۔ البتہ بنو نصر کے حاجبوں اور وزراء نے بڑی خدمات ادا کیں ان کے اثرات اپنے بادشاہوں پر بہت تھے جس سے فائدہ اٹھا کر انہوں نے غرناطہ کے بنو نصر کو اس قابل بنا دیا کہ باوجود چاروں طرف سے دشمنوں کے گھرے ہونے کے وہ اپنی حکومت دو سو برس تک قائم رکھ سکے۔

عوام الناس میں ان حاجبوں اور وزراء کا وقار عمدہ تھا اور وہ عام مسلم معاشرہ کا جزو سمجھے جاتے تھے اور عوام الناس ان سے مانوس ہوتے تھے۔ یہ وزراء بھی اپنے آپ کو عوام سے دور نہ رکھتے تھے اور اپنے علم دوستی فیاضی سفارش گزاری اور رحم دلی کی بدولت عوام کی قریب تھے۔

کتابت

مسلم اسپین میں اس کی دو قسمیں تھیں ایک تو کاتب الرسائل تھا۔ یہ بڑا قابل قدر عہدہ سمجھا جاتا تھا اس کو کاتب کے نام سے پکارتے تھے۔ اس عہدہ دار کے انتخاب کے لئے بڑی احتیاط برتی جاتی تھی اور اس کی زبان اور قلم پر ہر وقت نگاہ رکھنی پڑتی تھی۔ اگر وہ کسی صورت میں نااہل ثابت ہوتا تو وہ بادشاہ کے کتنا ہی قریب کیوں نہ ہو اس عہدہ سے الگ کر دیا جاتا تھا کیونکہ اسی عہدہ کے ذریعہ سے حکومت کا رعب و دبدبہ قائم رکھا جاتا تھا۔ دوسرا عہدیدار کاتب الزام ہوتا تھا۔ کوئی غیر مسلم اس عہدہ پر مقرر نہ کیا جاتا تھا کیونکہ یہ بڑا جلیل الشان عہدہ تھا اور تمام رعایا ملک اور ارا کین سلطنت اس کے محتاج ہوتے تھے۔

صاحب اشغال خراجیہ

مسلم اسپین میں یہ عہدیدار وزیر سے بھی زیادہ صاحب اختیار سمجھا جاتا تھا۔ یہ آمدنی و خرچ کے حسابات اور ان کی تقسیم کا مالک ہوتا تھا۔ اس کے تحت ایک بہت بڑا دفتر ہوتا تھا جس کے ملازمین کا منصب اسی کے اختیار میں تھا۔ سب لوگوں کی نگاہیں اس کی طرف اٹھتی تھیں اور ہاتھ اسی کے سامنے پھیلتے تھے۔ یہ اپنے ناظروں کے ذریعے اپنے محکمے کی نگرانی کرتا تھا۔ اس عہدہ کے لئے وزراء

میں اکثر رسا کشی رہتی تھی کیونکہ اس عہدے سے بے حد فائدہ حاصل ہو سکتے تھے۔ حاجب المنصور کے عروج میں اس عہدہ کو بڑا دخل تھا۔

عہدہ شرطہ

ایک شعبہ پولیس تھا اور شرطہ کے نام سے موسوم تھا۔ عوام الناس اس کو صاحب المدینہ اور صاحب اللیل بھی کہتے تھے۔ بادشاہ کے نزدیک اس کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ جو لوگ واجب القتل ہوتے تھے ان کو یہ عہدہ دار بلا اجازت بادشاہ کے قتل بھی کر سکتا تھا لیکن ایسا بہت کم ہوتا تھا اور بادشاہ کی اجازت لینا ضروری ہوتا تھا۔ یہ عہدہ دار زنا' شراب اور دیگر شرعی پابندیوں پر حد جاری کرتا تھا لیکن حد جاری کرنے کے لئے قاضی سے فیصلہ لینا ضروری تھا۔ عوام الناس کی معاشرتی زندگی میں اس کو بڑا دخل تھا اور عوام اس کی بڑی قدر کرتے تھے۔ مسلم اسپین کے سیاسی اور عمومی معاشرہ میں اس کو ایک خاص مقام حاصل تھا۔

عہدہ طواف باللیل

ان کو مشرق میں اصحاب ارباع کہا جاتا تھا۔ اسپین میں لوگ ان کو دراب کہتے تھے۔ ہر گلی کوچے میں لوگوں کی حفاظت کیلئے ان کو مقرر کیا جاتا تھا۔ ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھ ایک کتا رکھتا تھا اور تمام رات ایک چراغ جلائے رکھتا تھا۔ ان کے پاس ہتھیار بھی ہوتے تھے تاکہ چوروں سے مدافعت کر سکیں۔ عوام الناس ان کی قدر کرتے تھے اور ان پر پورا بھروسہ بھی رکھتے تھے۔

محتسب یا ناظر بازار

ماتحت حکام میں سب سے بڑا عہدہ محتسب یا ناظر بازار کا ہوتا تھا۔ جو اہل علم و فطانت کیلئے مخصوص تھا اور قاضی کے درجہ کا آدمی اس عہدہ پر مقرر ہوتا تھا[1] یہ عہدہ دار اپنے اجلاس مسجدوں کے دروازے پر کرتا تھا وہ اور اس کے ماتحت ہر قسم کے غلہ فروشوں' سوداگروں اور دیگر کاروبار کرنے والے دکانداروں کا وقتاً فوقتاً اچانک معائنہ کرتے رہتے تھے۔ غلط اوزان اور پیمانے بازار میں نہ آنے دیتے تھے۔ ناکارہ اشیاء اور دواؤں کی خرید و فروخت نہ ہونے دیتے تھے۔ وہ اس بات کی بھی نگرانی کرتے تھے کہ کوئی دوکاندار کسی خریدار کو دھوکا نہ دے اور نہ کسی چیز کی زیادہ قیمت وصول کرے۔ اس کا یہ بھی فرض تھا کہ وہ اس بات کی نگرانی کرے کہ جانوروں سے اس کے مالک زیادہ کام نہ لیں۔

---

[1] مقری جلد ا ص۱۱۲

بچوں کو ان کے والدین یا استاد حد سے زیادہ سزا نہ دیں۔ بازاروں میں اگر زیادہ ہجوم لگ جائے تو اسے منتشر کردیں۔ صحت و صفائی کے قوانین بھی یہی عہدیدار نافذ کرتے تھے۔ محتسب خود جرمانے کی سزا اور کوڑے کی سزا دے سکتا تھا۔ اس کا حکم قطعی ہوتا تھا اور اس کی اپیل نہ کی جاسکتی تھی۔ محکمہ احتساب کے متعلق قاعدے اور قانون بنے ہوئے تھے اور مدارس میں اسی طرح پڑھائے جاتے تھے جس طرح کہ فقہ اسلامی پڑھایا جاتا تھا۔ عوام الناس میں یہ عہدہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور معاشرہ میں اس کا مقام تھا۔

قضاۃ

مسلم اسپین میں سب سے بڑا مقدس عہدہ قضاۃ کا ہوتا تھا کیونکہ اس کا تعلق امور دین سے ہوتا تھا۔ اس لئے عوام اس کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے اور اس کو عوامی معاشرہ کا ایک بڑا عنصر سمجھا جاتا تھا۔ اگر بادشاہ پر بھی دعویٰ ہو جائے تو اس کو قاضی کے روبرو پیش ہونا پڑتا تھا۔ قاضی دیوانی اور قاضی فوجداری جدا جدا ہوتے تھے۔ ان کا اجلاس عام طور پر مسجد کے دروزہ پر ہوتا تھا۔ قاضی نیک اور باشرع ہوتے تھے اور عوام الناس میں مقدس سمجھے جاتے تھے۔ ان کو کچھ مذہبی اختیارات بھی حاصل ہوتے تھے بلکہ ایک صورت میں ان کو حاکم عدالت کے بجائے حاکم مذہبی کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ قرآن پاک کی تفسیر جو عام دینی و دنیاوی معاملات سے متعلق ہوتی تھی یہی کرتے تھے۔ احکام شرعی کا نفاذ اور اس کی تاویل بھی ان ہی کے ذمہ تھی۔ اس عہدہ پر کسی کو مقرر کرنے سے پہلے بڑی احتیاط سے کام لیا جاتا تھا اور صرف اسی شخص کو مقرر کیا جاتا تھا جو بڑا عالم دین، تجربہ کار اور انصاف دوست ہو۔ تمام ملک کے قاضی ایک قاضی القضاۃ کے ماتحت ہوتے تھے جس کو قاضی الجماعۃ بھی کہا جاتا تھا۔ چھوٹے شہروں میں اس عہدہ کو مسدد کہتے تھے[1] صرف یہی ایک عہدے دار ایسا تھا جو تمام سلطنت میں سب سے زیادہ بااختیار ہوتا تھا اور خلیفہ تک کو اس کے فیصلے رد کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ اسپین کا عدالتی نظام اس زمانہ کے عجائبات میں سے تھا۔ پہلے قواعد بنائے جاتے تھے پھر ان کو دار السلطنت اور سرحدی علاقوں میں نافذ کرکے ان کا تجربہ کیا جاتا تھا۔ اس کے بعد وہ تمام سلطنت میں نافذ کئے جاتے تھے مقدمات کے فیصلے میں قطعاً دیر نہ کی جاتی تھی اور کسی سفارش یا حمایت کو فیصلے پر اثر انداز نہ ہونے دیا جاتا تھا۔ جتنے فیصلے کئے جاتے وہ نہایت ہوش مندی اور انصاف پر مبنی ہوتے

---

[1] نفح الطیب جلد ۱ صـ ۱۰۳

تھے۔

متذکرہ بالا عہدوں کے علاوہ ملکی انتظامات کے لئے کچھ اور بھی عہدیدار تھے جن کی کارکردگی کا پتہ چلتا ہے۔ عوام پر محصول لگانے میں کارندے اس بات کا خاص لحاظ رکھتے تھے کہ کسی پر بار نہ ہو اور قابل ادائیگی ہوں۔ اس امر کا خاص خیال رکھا جاتا تھا کہ مزدور کو اس کی پوری محنت ملے اور اس پر ظلم نہ ہونے پائے۔ ڈاک لانے اور لے جانے کا اعلیٰ ترین انتظام تھا۔ سڑکوں کے کنارے چوکیاں بنائی جاتی تھیں جن میں تیز رفتار گھوڑے سرکاری کام کے لئے رکھے جاتے تھے جو ایک خاص افسر کے ماتحت ہوتے تھے۔ اس افسر کا یہ فرض تھا کہ اس علاقے کی تمام اہم ترین خبریں جلد خلیفہ کو پہنچائے۔ چوکیوں کے برجوں اور میناروں کے ذریعہ دور دراز کی خبریں بہت تیزی سے پہنچائی جاتیں تھیں۔ کسی دشمن کے آنے کی خبر چند گھنٹوں میں سارے اسپین میں پھیل جاتی تھی۔ خبریں جلد پہنچانے کے لئے نامہ بر کبوتروں سے بھی کام لیا جاتا تھا۔ تمام سڑکوں پر چوکی داروں کے لئے مکانات بنے ہوئے تھے جہاں سے وہ گشت کرتے تھے۔ ان کا فرض تھا کہ وہ مسافروں کی حفاظت کریں اور اپنے علاقوں میں امن قائم رکھیں۔ جاسوسوں کی ایک جماعت سرحدی ممالک اور سرکاری محکموں اور صوبہ داروں کے محلوں میں ہوتی تھی جو ہمہ اقسام کی خبریں حکمران کو پہنچانے کے ذمہ دار ہوتے تھے۔ ایسے افسران بھی تھے جو نو مفتوح علاقے کی زرعی، معدنی اور تجارتی کیفیت نیز آبادی و دولت کے حالات کا پورا نقشہ حکمران کے سامنے پیش کرنے کے مجاز تھے۔

امراء کی طرز معاشرت

متذکرہ بالا تمام عہدیداروں کی "بجز قاضی عدالت کے" طرز معاشرت بہت خراب تھی۔ جو قوم کبھی خانہ بدوشی کی تمام خصوصیات کی حامل اور سادگی اور بے باکی کی عادی تھی۔ وہ اسپین کی بے پناہ دولت حاصل کرنے کے بعد معاشرت کی ان برائیوں کی حامل بن گئی جو کسی زمانہ میں رومیوں اور گاتھیوں کی زندگی کا لازمی حصہ تھیں۔ وہ اپنے ساتھ جو اصول اور طرز زندگی مشرق سے لے کر آئے تھے زیادہ عرصہ ان کے ساتھ نہ رہا اور دولت و اقتدار کے نشے نے ان کو برائیوں کے میدان میں بھی کسی سے پیچھے نہ رہنے دیا۔ شراب، رقص و سرور، انتہائی شہوت رانی، نجوم و کہانت، شگون و فال، توہمات اور دیگر لغویات ان کی زندگی کا جزو بن کر رہ گئی تھیں۔ خصوصاً زوال بنو امیہ کے بعد تو سلاطین، امراء اور روساء اسپین کا معاشرہ بہت بری طرح خراب ہو چکا تھا۔ یہ لوگ بظاہر عوام کے خوف سے دینی فرائض کا احترام کرتے تھے لیکن دل میں دین کی قدر نہ تھی۔ لادینیت اور فلسفہ ان

لوگوں کا شعار ہو گیا تھا۔ جس بری طرح ہشام المؤید کا دربار برائیوں کی آماجگاہ تھا۔ اگر اس کا مقابلہ ابتدائی امراء بنو امیہ سے کیا جائے تو زمین و آسمان کا فرق نظر آتا تھا۔ کنیزیں اور لونڈیاں بازاروں میں سرعام اشیاء کی طرح فروخت اور نیلام کی جاتی تھیں۔ فن لینڈ' حبشہ' ہندوستان' ترکستان اور قاف کی کنیزیں امراء وزراء کے لئے خاص طور پر فراہم کی جاتی تھیں جو سب سے بہتر اور قیمتی ہوتیں وہ محلات شاہی کی زینت بنادی جاتی تھیں۔ عبدالرحمن الناصر جیسے جلیل القدر سلطان کے محل میں سات ہزار کنیزیں تھیں۔ معتضد عباد شاہ اشبیلیہ کی محل سراء میں ۳ ہزار کے قریب لونڈیاں تھیں کسی غلام یا اچھی کنیز کا چار ہزار اشرفیوں کا مل جانا گراں نہ سمجھا جاتا تھا۔ غلاموں اور کنیزوں کی کثرت امارت' دولت مندی اور عزت و وقار کی دلیل تھی اس لئے یہ امراء اور وزراء غلاموں اور کنیزوں پر بے دریغ دولت صرف کرنا ضروری خیال کرتے تھے۔ یہاں تک کہ غلاموں کے لباس تک اتنے قیمتی ہوتے تھے کہ غریب عوام کے پاس ان کا تصور تک نہ تھا۔

عید یا کسی تہوار پر تو ان امراء' وزراء اور دولت مند اصحاب کو اپنی شان و شوکت دکھانے کا خاص موقع ملتا تھا۔ ان کے شاگرد پیشوں کا لباس فاخرہ' غلام اور خواجہ سراؤں کی چمکتی ہوئی وردیاں' کنیزوں اور لونڈیوں کا دلکش حسن اور بناؤ سنگار ان کے محافظ دستوں کے شیشہ کی طرح چمکتے ہوئے ہتھیار خود ان کے سنہری ریشمی کپڑے اور بے بہا جواہرات ایک طرف ان کی دولت و حشمت عزت و وقار کو ظاہر کرتے تو دوسری طرف عوام کو رشک و حسد میں مبتلا کر دیتے تھے۔ ان کے مکانات عالی شان اور ضروری اور غیر ضروری اشیاء سے بھرے پڑے تھے۔ تکلف و تصنع کا بے محابانہ استعمال ان کے آداب میں داخل ہو چکا تھا۔ حمام ان دولت مندوں کے دل بہلانے کا ایک بڑا ذریعہ تھے۔ ان کے مکانات کے حمام بھی اپنی سجاوٹ اور بناوٹ سے ان کی دولت مندی کی دلیل ہوتے تھے۔ ان حماموں کے فرش اور دیواریں نہایت قیمتی پتھر سے بنائی جاتی تھیں۔ روشن دانوں میں متعدد رنگ پیدا کرنے والے شیشے لگائے جاتے تھے۔ پانی کے نل چاندی کے اور حمام میں استعمال کئے جانے والے برتن سونے کے ہوتے تھے۔ الغرض ان امراء اور دولت مندوں کی طرز معاشرت عوام سے بالکل جدا تھی۔ گو وہ عوام میں شامل رہنے کی کوشش ضرور کرتے تھے لیکن عوام دولت کی اس غیر مساوی تقسیم کے باعث ان سے کبھی خوش نہ رہتے تھے اور جب موقعہ ملتا ان کے گھروں کو لوٹنے اور ان کو ذلیل و خوار کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے تھے۔

جب تک سیاست و حکومت مضبوط ہاتھوں میں رہی تب تک ان امراء و وزراء اور جاگیرداروں کو

نہ تو حکومت نے دولت کے انبار لگانے اور اس کا مظاہرہ کرنے کی چھوٹ دی اور نہ ہی ان کی ہمت ہوئی کہ وہ عوام میں اپنی معاشرت کی خرابیوں کو پیش کریں لیکن حکومت بنو امیہ کے زوال پذیر ہوتے ہی ان کو اپنی شان و امارت کے مظاہرے کا موقع ملا اور سب سے پہلے انہوں نے سازشوں میں اپنی دولت کا مظاہرہ کیا اس کے ساتھ عوام الناس کا رد عمل بھی شروع ہوگیا اور قرطبہ 'اشبیلہ اور دیگر اہم شہروں کے دولت مندوں کی خوب خبر لی گئی۔ ایک طرف سیاسی معاشرہ برائیوں کی طرف بڑھا۔ دوسری طرف ان دولت مند با اثر افراد کی قوت مدافعت اور جنگجو صلاحیتیں مصلحت کوشی اور خود غرضی نے فنا کردیں اور ایک دن وہ آیا کہ شمالی پہاڑی علاقے کی وحشی اور جنگجو عیساؤں نے ان کو یکے بعد دیگرے با آسانی زیر کرلیا۔ دور انحطاط کی تصویر اور سیاسی معاشرہ کی تباہی کا نقشہ ابن حیان نے اس طرح پیش کیا ہے۔ "اہل اندلس بڑی بڑی باتوں سے اپنے نفس کو بہلاتے تھے۔ اپنے خالق کی اطاعت اور بندگی سے دور جاپڑے۔ اپنے نبیؐ کی وصیت کو بھول گئے۔ اور اپنے ملک کی حدود کی مضبوطی اور حفاظت سے غافل ہوگئے حتیٰ کہ دشمن سر پر آن پہنچا۔ خود ہمارے ہم کلمہ لوگوں میں سے سب بالکل خاموش تھے۔ کسی شہر کی تباہی و بربادی کا سنتے تو مشیت الٰہی کا تصور کرکے خاموش ہوجاتے اور ہماری کسی مسجد یا محفل میں ان برباد ہونے والوں کا کوئی ذکر تک نہیں سنا گیا۔ نہ کوئی ان کے لئے دعا کرتا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بے چارے ہم میں سے نہیں ہیں۔ ہم نے ان کے لئے دعا تک سے بخل کیا۔"[1] یہ سیاسی معاشرہ کی خرابیوں کا ہی نتیجہ تھا کہ عوام الناس کی اکثریت بھی ان کی پیروی میں بگڑ گئی اور یہ اصول ایک بار پھر سامنے آگیا کہ "انتہائے تہذیب اور انتہائے جہالت دونوں تہذیب و اخلاق کے دشمن ہیں"

عمومی معاشرہ

کیونکہ عمومی معاشرہ میں اسپین کے تمام باشندے آجاتے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ مسلم اور غیر مسلم دونوں معاشروں کا تذکرہ کیا جائے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے تین حصہ کردیئے گئے ہیں۔

(۱) عیسائی معاشرہ

(۲) یہودی معاشرہ

(۳) مسلم اور نو مسلم معاشرہ

---

[1] نفح الطیب ج ۱ ص ۵۶۳ (اردو ترجمہ)

تیسرے معاشرہ پر تفصیلی بحث موجود ہے۔

(ا) عیسائی معاشرہ

اسپین کے غیر مسلم معاشرے میں عیسائی معاشرہ قدیم ہونے کے وجہ سے صف اول میں آتا ہے عیسائیوں کی معاشرتی حالت کی تفصیل خود عیسائی مورخین کی زبانی سننے کے لئے اسکاٹ ڈوزی اور کونڈے کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ ہم اس کا اختصار پیش کردیتے ہیں۔ عیسائی معاشرہ پوری طرح ایک مذہبی معاشرہ تھا۔ تمام معاشرتی اور سماجی امور پر مذہب کی چھاپ لگی ہوئی تھی۔ کلیسہ کے اجارہ دار ہر عیسائی کی معاشرتی تنظیم کے ذمہ دار تھے۔ مسلمانوں کے دور میں ان کو پوری مذہبی آزادی حاصل تھی۔ صرف معمولی جزیہ دیکر وہ حکومت کے ضابطہ تحفظ میں داخل ہوجاتے تھے۔ ان کے تمام سماجی قوانین کلیسہ کے منتخب کردہ تھے اور جو رسومات عیسائیت نے ان میں قائم کردی تھیں وہ سب پوری طرح ان کے مطیع تھے البتہ مسلمانوں کی تہذیب ومعاشرہ نے ان پر کافی اثر کیا تھا اور وہ اپنی روزمرہ کی سماجی زندگی میں مسلمانوں سے کافی متاثر نظر آتے تھے۔ جو برائیاں ان میں گاتھ کے زمانہ میں موجود تھیں حسب سابق موجود رہیں۔ شراب کثرت سے استعمال کرتے تھے۔ کلیساؤں میں بت پرستی عام تھی اور قربان گاہوں پر نذرانے چڑھانے کی رسومات موجود تھیں البتہ اپنی سابقہ زبان لاطینی سے ناواقف ہوچکے تھے۔ عربی زبان بامحاورہ استعمال کرتے تھے۔ حتی کہ انجیل کا ترجمہ بھی عربی میں پڑھتے تھے۔ گندگی اور غلاظت کے پوٹ تھے۔ طہارت اور غسل کرنا قانون کلیسہ کے تحت ممنوع تھا۔ ناخون بڑھانے کا رواج عام تھا۔ اپنی عید اور تہواروں کو مناتے اور خوب خوب بدمستیاں کرتے تھے۔ عورتوں کی عزت اور ناموس کی حفاظت کا تصور بھی ان کے پاس نہ تھا۔ جس کی بناء پر کلیساؤں میں کنواری مریم کے نام پر وقف ہوجانے والی راہبات کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ عیسائی عورتوں کی اکثریت نے مسلمانوں کے گھروں کو پسند کرلیا تھا جو عورتوں کی پوری حفاظت اور عزت کرتے تھے۔ گرجا گھر اس وقت بھی عیاشی اور بدکاری کا مرکز تھے۔ البتہ مسلم حکومت کی وجہ سے اعلانیہ اس بدکاری کا ارتکاب قانون انصاف کی روسے قابل سزا ہوتا تھا۔ جس کو کلیسہ کے عہدہ دار عیسائیت میں دخل اندازی قرار دیتے تھے۔ عموماً عیسائیوں کے محلے مسلمانوں کے علاقوں سے الگ ہوتے تھے۔ لیکن کاروبار وتجارت اور دیگر اجتماعات میں وہ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہوتے تھے

مسلمانوں نے اپنی رواداری کی بناء پر ان کے معاشرتی معاملات میں کبھی دخل اندازی نہ کی جہاں تک کہ مجلسی آداب واخلاق کا تعلق تھا وہ مسلمانوں کی صحبت سے کافی سیکھ گئے تھے۔ حصول تعلیم پر بھی ان کے لئے کوئی پابندی نہ تھی وہ اگر چاہتے تو مسلمانوں کے مدارس میں بھی تعلیم حاصل کر سکتے تھے۔ ویسے ان کے علیحدہ مدارس بھی ہوتے تھے جن میں قانون کلیسا کے مطابق تعلیم دی جاتی تھی۔ عیسائی مردوں کی کثیر تعداد حکومت اور جاگیرداروں کی ملازمت بھی کرتی تھی اور کارنامے بھی انجام دیتی تھی کیونکہ ان کے مذہب میں بھی فرقہ بندی موجود تھی اس لئے اکثر وہ آپس میں لڑ پڑتے تھے۔ ان کے اختلافات کا فیصلہ ان کی اپنی عدالت کرتی تھی جو قوانین کلیسا کے ماتحت کام کرتی تھی۔ گو نکاح وطلاق کے قوانین میں اسلام کے اثرات داخل ہو چکے تھے لیکن وراثت کے ورنہ قوانین کلیسا پر قائم تھے اور عورت کا کوئی حق نہ دیتے تھے۔ اکثر عیسائی کئی کئی شادیاں کرتے تھے جو کلیسا کے قانون کے مطابق تو ناجائز تھا لیکن وہ حکومت کی منظوری حاصل کر لیتے تھے۔ توہم پرستی میں تمام عیسائی برابر تھے۔ بیماری کو ارواح خبیثہ کا اثر سمجھتے تھے اور تعویز گنڈوں' دعاؤں اور قربانیوں کے ذریعہ خبیث روح سے نجات حاصل کی جاتی تھی خواہ اس دوران مریض کی موت ہی کیوں نہ واقع ہو جائے۔ اس کو دواخانہ یا شفاخانہ تک نہ لے جایا جاتا تھا۔ دیگر طرح طرح کے توہمات ان کی معاشرتی زندگی کا جزو تھے جن کو وہ اپنے سے الگ کرنا پسند نہ کرتے تھے مذہب کے نام سے کورے تھے اور اپنے راہبوں اور پادریوں کی باتوں کو انجیل کے الہامی احکامات تصور کرتے تھے البتہ شعروادب میں وہ مسلمانوں کی صحبت سے نہ بچ سکے اور عربی ادب کی چاشنی سے دور نہ رہ سکے۔ ان کی معاشرتی زندگی میں بھی شعرو ادب کو اتنا ہی دخل ہو گیا تھا جتنا کہ مسلمانوں کی زندگی میں تھا۔ مجموعی حیثیت سے دیکھا جائے تو وہ مسلمانوں کے زیادہ قریب تھے اور انہوں نے اپنے آپ کو مسلم معاشرہ سے زیادہ دور کرنے کی کوشش بھی نہ کی لیکن پھر بھی ان کے سینوں میں مسلمانوں کے خلاف غیظ وغضب کی جو آگ بھڑک رہی تھی وہ ان کے متعصب عیسائی اور عہدیداران کلیسا کی بھڑکائی ہوئی تھی۔

(۲) یہودی معاشرہ

یہودیوں کی معاشرتی حالت عیسائیوں سے بڑی حد تک بہتر تھی۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ صدیوں پہلے سے تہذیب وثقافت سے آشنا ہو چکے تھے اور سامی النسل ہونے کی وجہ سے مشرقی اقوام سے بہت کچھ حاصل کر چکے تھے۔ دوسری بات یہ تھی کہ وہ اپنی نسل میں کسی غیر یہودی کے خون کو شامل نہ کرتے تھے نہ اپنی عورتیں باہر جانے دیتے تھے اور نہ ہی دوسری قوام کی عورتوں کو اپنے یہاں

داخل کرتے تھے۔ عیاش طبع نہ تھے اور اپنے مذہبی احکامات پر سختی سے عمل پیرا ہوتے تھے۔ گو مذہبی امور میں وہ بھی اپنے مقتداء ربی کے حکم کے پابند تھے لیکن بذات خود ہر یہودی اپنے مذہب پر پوری طرح عبور رکھتا تھا۔ لڑائی جھگڑا جنگ و جدل ان کے مابین کبھی نہ ہوتی تھی اور وہ سب آپس میں ایک خاندان کی طرح رہتے تھے کیونکہ وہ زیادہ تر تجارت پیشہ تھے اس لئے جنگ و جدل سے پرہیز کرتے تھے۔ تجارت اور مال و دولت کے جمع کرنے کی ہوس ان میں تمام اقوام عالم سے زیادہ تھی۔ اسی بناء پر ان کے اندر عاجزی انکساری اور اطاعت کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ وہ ہر حکومت کے تابع ہو جاتے اور ہر فاتح کا خیر مقدم کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ برسہا برس سے تمام اقوام عالم ان پر ان کی دولت مندی کی وجہ سے شدید مظالم توڑتی چلی آئی تھی اس لئے وہ سخت جان ہو چکے تھے اور ہر مصیبت کو برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ مسلمانوں سے قبل عیسائیوں نے جو مظالم کئے تھے وہ ان کی بناء پر مسلمانوں کا شاندار استقبال کرنے پر مجبور ہوئے۔ مسلمانوں نے بھی ان کی امداد کا ان کو خوب خوب بدلہ دیا اور ان کو ان کے دینی و دنیاوی معاملات میں آزاد چھوڑ دیا بلکہ ان سے جزیہ تک کی رقم نہ لی۔ گو وہ مسلمانوں کے پوری طرح تابع دار اور فرمانبردار تھے لیکن خود ان کا اپنا ایک نظام تھا جس میں ان کا ایک بادشاہ اور وزیر وغیرہ ہوتے تھے۔ کیونکہ یہ نظام ان کا اپنا ذاتی تھا اور مسلم حکومتوں کو اس سے کبھی نقصان نہ پہنچا تھا اس لئے ان کے اس نظام کو ختم کرنے کی کبھی کوئی کوشش نہ کی گئی تھی۔ ان کا معاشرہ اور سماج بڑی حد تک مسلمانوں سے ملتا جلتا تھا لیکن سود خوری اور بخل میں ان کو ہمیشہ ہدف ملامت بنائے رکھا۔ شراب کا استعمال نہ کرتے تھے اور جوئے سے دور بھاگتے تھے البتہ اپنی دولت کو تجارت میں لگانا فرض سمجھتے تھے۔ علم و ادب سے ان کو خاص شغف تھا اور بلا شبہ وہ علم و ادب میں مسلمانوں کے پیشوا تھے۔ طب' ہیئت اور نجوم میں کافی شہرت رکھتے تھے اور مسلمانوں نے ان سے ان فنون میں کافی استفادہ کیا تھا۔ ان کی اجتماعی اور انفرادی زندگی پر مذہب پوری طرح حاوی تھا۔ البتہ بے انتہا وہمی اور فال و شگون کے قائل تھے۔ خود کو توحید پرست کہتے تھے لیکن بت پرستی عام تھی۔ سحر و جادو سے ڈرتے اور ساحروں کے ہاتھوں میں جلد کٹھ پتلی بن جاتے تھے روز مرہ کے مظاہر قدرت سے کوئی نہ کوئی شگون اور نجومی راز نکال لیتے تھے۔ عورتوں کی قدر و منزلت ان کے یہاں بھی زیادہ نہ تھی اور وہ سخت پردہ میں رکھی جاتی تھیں۔ ان کو مذہبی تعلیم کے علاوہ آگے تعلیم دینا کفر سمجھا جاتا تھا۔ البتہ مسلمانوں کی صحبت اور اثر سے عورتوں پر سختی کچھ کم ہو گئی تھی اور وہ

بازاروں میں خرید و فروخت کرنے لگیں تھیں۔ امداد باہمی کا طریقہ ان میں رائج تھا اور کوئی یہودی بھیک مانگتے کبھی نہ دیکھا گیا۔ دولت مندی میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ اکثر حکومتیں ان کی مقروض ہوتی تھیں۔ یہودی معاشرہ نے اسپین کی تمدنی و ثقافتی ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ تاریخ نے یہ البتہ یہ بات ثابت کردی ہے کہ ان کے اندر بے وفائی، غداری، بغض و حسد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور وہ اپنے لئے ایک یہودی وطن کا خواب اس وقت بھی دیکھا کرتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ کوئی ملک اور قوم ان کو اپنے یہاں سکونت اختیار نہ کرنے دیتی تھی۔ دولت کی لالچ اور یہودی وطن کے خواب نے ان کو در بدر مارا پھرایا۔ البتہ علم حاصل کرنے میں وہ کسی طرح پیچھے نہ رہے۔ اسپین کی تاریخ پر یہودی قوم کا یہ احسان ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کے بہت سے کارناموں کو اپنے زبان میں محفوظ رکھا ورنہ آج مسلم اسپین کے تاریخی کارناموں کا وجود نہ ہوتا۔ وہ سخت متعصب تھے۔ یہاں تک کہ غیر اقوام کے ساتھ رہنا پسند نہ کرتے تھے اور شہروں میں اپنے محلے سب سے الگ اور دور دراز علاقوں میں بناتے تھے اور اپنے بچوں کو دیگر اقوام کے بچوں سے نہ ملنے دیتے تھے لیکن حصول علم کے لئے وہ مسلمانوں کے مدارس تک میں داخل ہوتے اور علم حاصل کرتے۔ ایسی قوم جو اپنی معاشرتی حالت کا سایہ کسی دوسری قوم پر ڈالنا پسند نہ کرے کیا اس سے اس بات کی توقع کی جاسکتی ہے کہ مسلمانوں پر ان کے اثرات پڑے ہوں گے؟ البتہ یہ ضرور ہوا کہ مسلمانوں کے اثرات ان پر کافی ہوئے اور صفائی و طہارت اور تجارتی لین دین میں دیانتداری کا شامل ہو جانا مسلمانوں ہی کے اثر سے ہوا۔ اسپین میں بہت سی ایجادات کا سہرا یہودیوں کے سر ہے۔ خاص طور پر تجارت میں انہوں نے مسلمانوں کو کافی سبق دیا۔ مشترکہ تعاونی تجارت (Co - operative Trade) کا اصول مسلمانوں نے ان ہی سے سیکھا تھا۔

(۳) مسلم اور نو مسلم معاشرہ

غیر مسلم اقوام کی معاشرتی حالت کے بیان کے بعد چاہئے تو یہ تھا کہ نو مسلموں کی معاشرتی حالت پر علیحدہ سے روشنی ڈالی جاتی لیکن مسلمانوں کی معاشرتی حالت کے بیان میں کیونکہ نو مسلموں کا تذکرہ بھی آجاتا ہے اس لئے ان کو علیحدہ نہیں لکھا گیا۔ اسپین کے مسلم معاشرہ میں کئی طبقہ پائے جاتے تھے۔

(ا) سلاطین، امراء اور وزراء

(۲) درجہ دوئم کے امراء' شیوخ واکابرین اور

(۳) متوسط الحال اور صنعت کار

(۴) کسان' غلام اور غرباء

پہلے اور دوسرے طبقہ کا بیان سیاسی معاشرہ میں کیا جاچکا ہے دوسرے اور تیسرے طبقہ کا تذکرہ حسب ذیل ہے کیونکہ ان دونوں طبقوں کی طرز معاشرت میں کوئی نمایاں فرق نہیں پایا گیا ہے۔ اس لئے دونوں کو یکجا طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

اسپین کے مسلمانوں کو حفظان صحت کے اصولوں میں سب سے زیادہ صفائی کا اصول پسند تھا۔ صحت وصفائی کے لئے غسل کو سب باتوں پر ترجیح دیتے تھے۔ ویسے غسل شروع ہی سے اسلامی شعار میں شمار کیا جاتا تھا اور کوئی شخص بغیر غسل کئے خصوصاً جمعہ کے دن مسجد میں داخل نہ ہوتا تھا۔ ہر شخص جسمانی تکالیف کے مقابلے میں طہارت اور پاکیزگی کو ترجیح دیتا تھا۔ غریب سے غریب آدمی بھی اپنی گاڑھی کمائی سے ایک صابن ضرور خریدتا تھا۔ اس کو یہ منظور تھا کہ وہ بھوکا رہے لیکن یہ منظور نہ تھا کہ اس کو گندہ رہنے کا طعنہ دیا جائے۔ غسل کے لئے حمام تعمیر کرنے کا خیال حکومت اور عوام دونوں کے یہاں بڑی شدت سے موجود تھا۔ اس لئے ہر شہر میں لاتعداد حمام ہوتے تھے۔ مساجد میں تو حمام کا ہونا ضروری خیال کیا جاتا تھا۔ حمام نہ صرف صحت وصفائی کے لئے لازمی تھا بلکہ امراء وعوام کے دل بہلانے کا بڑا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ یہ حمام صرف غسل ووضو ہی کے لئے استعمال نہ کئے جاتے تھے بلکہ یہیں پر مختصر دعوتیں بھی ہوتیں تھیں' خوش گپیاں' افواہیں اور سازشیں بھی اس جگہ تیار کی جاتیں تھیں۔ بڑے گھرانوں کی عورتیں کنیزوں کے ساتھ پہروں حمام میں گزارتی تھیں یہاں تک کہ ناشتہ اور شغل موسیقی بھی اسی جگہ ہوتی تھی۔ عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ حماموں میں ارواح خبیثہ رہتی ہیں چنانچہ ان سے محفوظ رہنے کے لئے قرآن پاک کی آیات اور اپنے اوپر دم کرکے یا تعویز باندھ کر حمام میں داخل ہوتے تھے۔ بے فکروں کے وقت گزارنے کی یہ جگہ بہترین تھی اور یہاں ان کا اپنے گھر جیسی خلوت کا لطف حاصل ہوتا تھا۔ حمام خوبصورت اور نقش ونگار سے مزین بنائے جاتے تھے اور اس میں لطف وآرام کے ہر ممکنہ ذرائع مہیا کئے جاتے تھے۔ ان کے نل چاندی کے ہوتے تھے۔ حمام کے باہر ایک کمرہ ضرور بنایا جاتا تھا جس میں قالین بچھے اور خوشبوئیں سلگتی رہتی تھیں۔ جہاں لوگ غسل کے بعد آرام کرتے تھے۔ صابن کا استعمال عام تھا اور یہ ملک کی گھریلو صنعتوں میں

شمار ہوتا تھا۔ الغرض مسلمانوں کے تہذیبی تکلفات میں حماموں کو خاص مقام حاصل تھا۔

غسل و حمام کے اس قدر اہتمام اور استعمال میں مسلمانوں نے لباس زیریں پہنے کی عادت ڈال دی تھی جس کو وہ جلد جلد بدلتے رہتے تھے۔ اسپین میں کثرت سے روئی کی کاشت میں پارچہ بافی کی صنعت کو جو ترقی دی تھی اس میں باریک ترین کپڑے کے استعمال کا رواج عام کردیا تھا۔ اسی باریک کپڑے سے لباس زیریں بنایا جاتا تھا جو بدن سے چپک جاتا تھا۔ اسپین میں مسلمانوں کے لباس کی قطع وضع مشرقی طرز کی تھی۔ وہ ڈھیلے ڈھالے سفید کپڑے استعمال کرتے تھے۔ سفید رنگ سلاطین کا درباری رنگ تھا۔ عمامہ کا استعمال صرف علماء کے لئے مخصوص تھا۔ اگر کسی اور طبقہ یا فرقہ کا آدمی عمامہ استعمال کرلیتا تھا تو اس کو طنز اور طعنے کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔ اور غم و غصہ کا اظہار کیا جاتا تھا۔ عام لوگ سرخ یا سبز رنگ کی ٹوپیاں اوڑھتے تھے۔ آخری دور میں یہود کے لئے زرد رنگ کی ٹوپی مخصوص کردی گئی تھی۔ اکثریت ننگے سر رہتی تھی یا سر پر رومال باندھتی تھی۔ جو لوگ صاحب استطاعت ہوتے وہ اپنی انگلیوں میں بیش قیمت یا کم قیمت انگوٹھیاں ضرور پہنتے تھے۔ جن میں سے اکثر پر تعویذ یا آیات قرآن کندہ ہوتی تھیں۔

باوجود اس کے کہ اہل اسپین علم و عمل میں بے مثال تھے اور تجارت و فنون نے ان کے مشاہدہ اور تجربہ کو وسیع کردیا تھا لیکن پھر بھی وہ توہم پرستی سے اپنا دامن نہ بچا سکے تھے۔ بالکل اسی طرح جس طرح کہ یہود و نصارا کے ضمن میں بیان کیا جاچکا ہے۔ الحکم ثانی کے دور کا ایک روشن دماغ اسپینی مسلمان بھی اسی طرح خوابوں، شگونوں اور تعویزوں کا قائل تھا جس طرح کے سرائے عرب کا پانچ سو برس پہلے کا ایک خانہ بدوش بدو۔ یہاں تک کے ایک عقلمند اور فلسفی بادشاہ تک نجوم کے ماہروں اور زائچہ بنانے والوں کے کرب کو اطمینان کا باعث سمجھا جاتا تھا۔ عوام الناس اپنے مکانوں کے دروازے پر آیات قرآنی اور تعویزات کو ضرور چسپاں کراتے تھے لیکن یہود و نصارا کے برخلاف وہ اپنے بیماروں کو دوا خانے ضرور لے جاتے تھے اور دعا کے ساتھ دوا بھی ضرور کراتے تھے۔ کاشت کاروں میں ان تعویزوں گنڈوں اور دعاؤں کا عام رواج تھا اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ان سے کاشت میں برکت اور جانوروں کو بیماری سے نجات مل جاتی تھی۔ جن، بھوت، پریت کے وہ قائل تھے اور ان غیر مرئی چیزوں کے اقسام اور ان کے افعال جدا جدا تسلیم کرلئے گئے تھے۔ یہ تمام توہمات ان کی معاشرتی زندگی کا ایک جزو بن کر رہ گئے تھے جن میں عورتیں خاص طور پر بری طرح مبتلا تھیں۔

اسپین کے مسلمانوں میں وہ تمام عیب بھی موجود تھے جو دولت کی فراوانی اور عیش و عشرت کی زندگی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ شرعی احکامات کے خلاف منشیات کا استعمال کثرت سے ہوتا تھا۔ اکثر عہدیدار شراب پی کر باہر نکلتے تھے۔ عوام الناس میں اس کا استعمال امراء و بادشاہ کی پیروی میں شروع ہوا تھا۔ بعض مسلمان سفید شراب استعمال کرتے تھے اور اس کے جواز میں کہتے تھے کہ ارغوانی شراب حرام ہے۔ معدنی برتنوں میں شراب کا استعمال کیا جاتا تھا تاکہ دور سے دیکھنے والے کے احتساب سے بچ سکیں۔ اسی طرح زہر خورانی بھی عام تھی۔ انتقام کا عام طریقہ زہر خورانی تھا۔ خطرناک زہر ایسی تراکیب سے بنایا جاتا اور استعمال کرایا جاتا تھا کہ اس سے بچنا کسی طرح ممکن نہ تھا۔ اکثر انگوٹھیوں کے نگینے کے نیچے زہر بھرا ہوتا تھا جو وقت ضرورت کام میں لایا جاسکتا تھا۔ زہر میں بجھے ہوئے تیر، تلوار اور نیزے کا استعمال عام تھا۔

اہل اسپین نام و شہرت کے بھوکے تھے اور سماج میں ہر ممکن طریقے سے اپنا اعزاز قائم رکھنا پسند کرتے تھے۔ مشرق میں بڑی بڑی داڑھیاں رکھنا عقل و فراست کی نشانی سمجھا جاتا تھا لیکن اسپین میں یک مشت داڑھی کا رواج عام تھا۔ صرف فقہا اور مفتی لمبی داڑھیاں اور زلفیں رکھا کرتے تھے۔ غلاموں کا سر اور داڑھی دونوں منڈوائی جاتی تھیں۔ کسی شخص کی داڑھی پکڑنا ناقابل تلافی جرم تھا۔ کسی عورت کے بال تک چھو لینا اتنی بڑی بے عزتی تھی کہ مجرم گردن زدنی ٹھہرایا جاتا تھا۔ بادشاہ اور بڑے بڑے امراء داڑھی میں مہندی کا خضاب لگایا کرتے تھے۔ عام مسلمانوں اور یہود و نصاریٰ کو اس کی سخت ممانعت تھی۔ مسلمانوں میں جواہرات اور خوشبویات کا استعمال عام تھا۔ ان کے نزدیک ہر قیمتی پتھر میں اچھی اور بری خصوصیات ضرور ہوتی تھیں جو ان کے نزدیک ستاروں کے اثرات سے پیدا ہوتی تھیں۔ پتھروں کا استعمال ہر مسلمان کے لئے کچھ ضروری ہو گیا تھا۔ ہر شخص مہر ضرور بنواتا تھا جو خطوں اور دیگر تحریروں پر لگائی جاتی تھی۔ خلفاء کی مہریں گول ہوتی تھیں یا کثیر الزوایہ۔ عہدیداروں کی مربع اور خزینہ داروں کی بیضوی لیکن عام مسلمان کسی بھی قسم کی مہر بنوا سکتے تھے۔ البتہ خلیفہ کی مہر کی مانند بنوانے کی ممانعت تھی۔ اہل اسپین کو پھولوں اور عطروں کا بہت شوق تھا۔ ان کے مکانوں میں خوشبودار پھولوں کا ایک باغیچہ ہونا ضروری تھا۔ ہر موسم کے پھولوں کا گھروں میں ہونا ضروری خیال کیا جاتا تھا۔ امراء کے محلوں میں قیمتی گلدانوں میں پھول ہوتے تھے تو غرباء کے جھونپڑے اور چھپر ان سے سجے ہوتے تھے۔ شہزادیاں اپنے بالوں کے جوڑے میں دیسا تنیں اپنی

چوٹیوں میں پھول ضرور لگاتی تھیں۔ پھولوں کے ہار چھوٹے بچوں کا کھلونا ہوتے تھے۔ اہل اسپین کی خصوصیات میں پھولوں کا باذوق استعمال بھی شمار کیا جاتا تھا۔

مسلم اسپین کی عورتوں کو وہ آزادی نصیب تھی جس سے دیگر مسلم ممالک کی عورتیں محروم تھیں۔ پردہ اور نقاب کی قیود سے وہ آزاد ہو گئی تھیں۔ ان کا علمی و ادبی مذاکروں میں شمولیت کرنا ضروری خیال کیا جاتا تھا بلکہ اس کا ان کو شوق دلایا جاتا تھا۔ انتہائی تعلیم کا دروازہ ان پر اس طرح کھلا ہوا تھا، جس طرح مردوں پر۔ بہت سی عورتیں شعروادب، فلسفہ، نحو و بلاغت میں کمال رکھتی تھیں جو ہر جگہ قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ بعض عورتیں ملازمت بھی کرتی تھیں اور بڑے بڑے عہدوں پر فائز کی جاتی تھیں۔ الغرض جس طرح اسلام نے عورتوں کو حقوق عطا کیے اسی طرح اسپینی مسلمانوں نے عورتوں کو وہ عظمت و آزادی دی جس کی مثال نہیں ملتی۔ یہی ایک ایسا ملک تھا جہاں قانون اور سماجی رسموں کے مطابق عورتوں کی حفاظت کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن ان تمام آزادیوں کے باوجود مردوں کے دلوں میں یہ بات موجود تھی کہ عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں۔ ان کے شوہر ان کی طرف سے ہمیشہ مشکوک رہتے تھے اور ان پر کوئی خواجہ سرا یا غلام ضرور مقرر کرتے تھے جو ان کی تمام خبریں شوہر کو پہنچایا کرتا تھا۔ اکثر عورتیں بھی اپنی آزاد خیالی کی وجہ سے غلط راہ پر پڑ جاتی تھیں۔ عورتوں کا لباس نہایت قیمتی ہوتا تھا۔ وہ باریک ململ کا کرتا پہنتی تھیں اور نیلے، سبز، زرد یا سرخ رنگ کے گھٹنوں تک کے طلا کار پاجامہ استعمال کرتی تھیں۔ پیروں میں زیرپائیاں (چپل) پہننے کا رواج عام تھا۔ تمام کپڑوں کے اوپر وہ ایک چادر ضرور اوڑھتی تھیں جو برقعہ اور نقاب دونوں کا کام کرتا تھا۔ سر کے پچھلے حصہ میں ایک کنگھے کی مدد سے دوپٹہ اٹکا لیا جاتا تھا جو بہت ہی باریک اور خوشنما کپڑے کا ہوتا تھا۔ عام طور پر تمام کپڑے ریشمی ہوتے تھے۔ امیر عورتیں جواہرات و زیورات استعمال کرتی تھیں۔ غریب عورتیں تعویزوں اور سکوں پر قناعت کرتی تھیں۔ سرمہ لگانے کا رواج عام تھا۔ مہندی کا استعمال پورے ہاتھ پر نہ ہوتا تھا بلکہ صرف انگلیوں پر لگائی جاتی تھی۔ عورتوں کے نام نہایت لطیف اور نازک رکھے جاتے تھے۔ ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کا رواج عام تھا۔ بیوہ بھی دوسری شادی کر سکتی تھی۔ عورتیں بھی طلاق لینے میں اتنی ہی آزاد تھیں جتنا کہ مرد طلاق دینے میں تھے۔ لیکن عموماً طلاق دینا برائی میں شامل کیا جاتا تھا۔ اگر کوئی عورت طلاق پا جاتی تو دوسرا نکاح کرنے تک اس کو نان و نفقہ ضرور دلوایا جاتا تھا۔ عام طور پر وہ مرد بے عزت اور ذلیل سمجھا جاتا تھا جو اپنی

بیوی کو نوکری کراتا تھا اگر شوہر مرجاتا تو بیوی شریعت اسلامی کے مطابق اس کے ترکہ میں حصہ پاتی تھی۔ از روئے قانون ان کی پوری حفاظت کی جاتی تھی اور ان کو کوئی ستا نہیں سکتا تھا۔

گو غلامی کا رواج مسلم اسپین میں بھی تھا لیکن اس میں اس قدر آسانیاں پیدا کر دی گئیں تھیں کہ بطور خود غلامی کوئی برا پیشہ نہ رہی تھی۔ غلاموں کے ساتھ بد سلوکی اور زیادتی نہ کی جاتی تھی۔ غلام کے اسلام لانے سے اس کی آزادی میں آسانی پیدا ہو جاتی تھی۔ کسی اعلیٰ خاندان میں غلام کی شادی ہو جانا معیوب نہ سمجھا جاتا بلکہ وہ کسی بڑے سیاسی عہدہ تک بھی جا سکتا تھا۔ حالانکہ غلام پر آقا کے پورے اختیارات ہوتے تھے لیکن پھر بھی ان پر ناجائز سختی نہ کی جا سکتی تھی۔ غلام کو گھر والوں کا رفیق اور دوست سمجھا جاتا تھا۔ ان کو زنجیروں میں جکڑنا یا طوق غلامی پہننا سخت ممنوع تھا۔ غلاموں اور کنیزوں کو ان کے آقا اعلیٰ تعلیم دلواتے' آلات حرب کا استعمال سکھاتے' غناء و موسیقی میں طاق کراتے اور فن سیاست سے بھی آگاہ کرتے تھے۔ سلاطین بنوامیہ اور ملوک الطوائف میں بہت سے غلام ہمیں اعلیٰ تعلیم یافتہ اور سیاسی عہدوں پر فائز نظر آتے ہیں۔ حاجب المنصور کو اپنے غلاموں کی تربیت کا بڑا شوق تھا۔ اس کے غلاموں نے تاریخ اسپین میں بڑا نام پیدا کیا۔ غلام اپنے آقا کے مشیر اور مختار ہوتے تھے۔ ان کے خاندان کی حفاظت کرنے اور دور دراز علاقوں میں جا کر ایمانداری سے تجارت بھی کرتے تھے۔ غلاموں کی اس قدر کثرت تھی کہ ان کی خرید کی قیمتیں گر گئیں تھیں اور ایک ادنیٰ مزدور تک غلام خرید سکتا تھا۔ البتہ غلام ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے آقا کے ہو جاتے تھے۔ صرف اسلام لانا ہی ان کی آزادی کا باعث ہو سکتا تھا۔ اسی طرح دور دراز علاقوں سے خوبصورت عورتیں بھی لائی جاتی تھیں جن میں اکثر کمالات حاصل کر کے شاہی حرم سراء کی خود مختار ملکہ تک بن جاتی تھیں۔ لونڈیاں رکھنے کا رواج عام تھا۔ الغرض مسلم اسپین میں غلامی عار نہ سمجھی جاتی تھی اور دنیا کے ہر ملک سے زیادہ یہاں کے غلاموں کو آزادی نصیب تھی۔ غلام بڑے فخر سے اپنے آقا کا نام اپنے ساتھ لگاتے تھے جیسے کہ الناصر کے غلام ناصری الحکم المستنصر کے غلام مستنصری اور حاجب المنصور کے غلام عامری لگاتے تھے۔

اسپین کے مسلمانوں میں تفریحی مشاغل عام تھے۔ بے رحمانہ طور پر جانوروں پر تلواروں اور تیروں کی مشق کرنا وہ اچھا نہ سمجھتے تھے۔ وحشی جانوروں کے شکار کا بھی ان میں بہت کم شوق تھا لیکن ایسے کھیل زیادہ پسند کرتے تھے جن میں طاقت کم خرچ ہوتی تھی۔ ان کا سب سے زیادہ دلچسپ

کھیل شطرنج تھا۔ حکمران سے لے کر عام فرد تک اس کھیل کو بہت پسند کرتا تھا۔ تاش بھی اسپین میں رائج ہو چکا تھا جس کو "نائب" کہتے تھے۔ مختلف جانوروں کی ریس بھی کراتے تھے اور بازی لگاتے تھے جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ قمار بازی بھی ان میں رائج تھی۔ بازی گری کا تماشہ بھی عام تفریح طبع میں شمار ہوتا تھا۔ بازاری رقص گو فواحش میں شمار ہوتے تھے لیکن عام طور پر مروج تھے۔ اسپین میں جو ناچ عام طور پر رائج تھا اس میں تمام حرکات اوپر کے جسم اور ہاتھوں سے کی جاتیں تھیں۔ عامتہ الناس اس ناچ کو اس لئے پسند نہ کرتے تھے کہ اس میں بے حجابانہ طور پر اشارے بھی کئے جاتے تھے۔ ناچنے والی عورتیں ریشم اور ململ کے کپڑے استعمال کرتی تھیں اور ان کے قدم جھانجھ پر پڑتے تھے جو پیتل کے بنے ہوتے تھے۔ غزل اور نظم محفلوں سے نکل کر عام بازاری طرز پر آلات غناء کے ساتھ باآواز بلند پڑھی جاتی تھی جس کو اہل اسپین بے انتہا پسند کرتے تھے اور سر دھنتے تھے۔ (موسیقی کی بابت اوپر تحریر کیا جا چکا ہے۔)

شہسواری اور اس سے متعلقہ کاموں میں اہل اسپین کا بڑا دل لگتا تھا۔ اکھاڑے میں سانڈوں کی لڑائی کروائی جاتی تھی اور پھر جیتنے والے سانڈ کو کوئی پھرتیلا اور چست شہسوار اپنے نیزے کی ایک ضرب سے مارنے کی کوشش کرتا تھا۔ اکھاڑے میں نشانہ بازی کے عجب و غریب کرتب ہوا کرتے تھے اور اس مقصد کے لئے لوگ بچپن ہی سے اپنی اولادوں کو تربیت دیا کرتے تھے۔ نیزے کا ٹوٹنا یا گم ہو جانا سخت بے عزتی سمجھا جاتا تھا۔ شہسواری کے کرتبوں کے ساتھ نیزہ بازی کا شوق بھی اہل اسپین کا پسندیدہ تھا۔ نیزے بازی کے کرتب دکھانے کے لئے بڑے بڑے میدانوں میں اجتماعات ہوتے تھے۔ جن میں اکثر سلاطین بھی شریک ہوتے تھے۔ عورتوں اور مردوں کو اس کے دیکھنے کی عام اجازت ہوتی تھی۔ نیزہ بازی اور شہسواری کو خون بہا کر ناپاک نہ کیا جاتا تھا۔ سب کھیل فوجی آراستگی کے ساتھ کئے جاتے تھے اور ہر شخص کو اپنی قوت' پھرتی اور قابلیت دکھانے کا پورا پورا موقعہ دیا جاتا تھا۔ ان کھیلوں کے اختتام پر جیتنے والوں کو انعامات بھی تقسیم کئے جاتے تھے۔ ان کے علاوہ باز اور عقاب سے شکار کرنا بھی مشاغل میں شامل تھا۔ باز سے شکار کا طریقہ سب سے پہلے عبدالرحمٰن الداخل نے اس ملک میں جاری کیا تھا اور اس ملک کے باز دنیا میں بہتر مانے جاتے تھے۔ کشتی رانی کے تماشے بھی اہل قرطبہ' غرناطہ' اشبیلہ اور طلیطلہ کی تفریح طبع کا بہترین ذریعہ تھے۔ اور تماشے بڑے پیمانے پر منعقد کئے جاتے تھے۔

مسلمانان اسپین کی معاشرت کا یہ مختصر ساخاکہ پیش کیا گیا ہے یہ وہ معاشرہ اور آداب زندگی تھے جو صدیوں کے بعد یورپ نے اختیار کئے۔ مسلم اسپین کے معاشرہ میں وہ باتیں موجود تھیں جو صدیوں بعد تک یورپ کے متمدن شہریوں کو نصیب نہ تھیں۔ آج یہ سب باتیں عجوبہ روزگار معلوم ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ اسپین کا تہذیبی ورثہ عیسائیوں کے متعصب اور ظالم ہاتھوں سے ملیامیٹ ہوگیا۔ لیکن یورپ کے انصاف پسند لوگوں نے آج بھی اس بات کو فراموش نہیں کیا ہے کہ آج جو کچھ ان کے پاس ہے اس کا سرچشمہ و منبع وہی مسلم اسپین ہے جس کی یاد تک کو بھلانے کی انہوں نے ناکام کوشش کی تھی۔ ہر با علم شخص اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ اہل اسپین کا اخلاق کریمانہ اور انکسارانہ تھا عصبیت کے ساتھ ساتھ خلوص و محبت اور رواداری کی ان میں کمی نہ تھی۔ لیکن عیش کوشی اور قوانین الٰہی سے مجرمانہ غفلت نے ان کو غصب الٰہی کا مستحق ٹھہرایا اور وہ فنا ہوگئے۔ لیکن ان کی تہذیب و ثقافت کو نہ صرف اسپین میں بلکہ تمام یورپ میں فوقیت حاصل رہے گی۔

تاریخی دیانت داری کا تقاضہ تو یہ تھا کہ اس بات کو ضرور بیان کیا جاتا کہ یورپ پر اسپین کے مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت کے کیا اثرات مرتب ہوئے؟ لیکن یہ حصہ ہم نے قارئین کی اپنی رائے اور سمجھ پر چھوڑدیا ہے تاکہ وہ خود کتاب کا مطالعہ کرکے انصاف کرلیں۔ ہم اگر یہ بیان بھی کردیتے تو شاید ہماری ذاتی رائے سمجھ کر نظرانداز کردیا جاتا۔ اب جبکہ تہذیب و ثقافت کے ہر عنصر کو ممکنہ طور سے آپ کے سامنے پیش کردیا گیا ہے۔ بہتر ہوگا کہ آپ خود ہی اس کا انفرادی یا اجتماعی فیصلہ کرلیں کہ آج کا متمدن اور مہذب یورپ اپنے دعویٰ باطل میں کہاں تک حق بجانب ہے۔ اگر فیصلہ نہ ہو تو پھر ان عیسائی مورخین کا مطالعہ کیجئے جو مسلمانوں کے اس احسان عظیم کے معترف ہیں۔

وماعلینا الا البلاغ

واخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین

تمت بالخیر

شرح اقالیم مسلم اسپین

نام اقلیم	مسلم دور کے شہر	مسلم دور کے قلعے	اسپینی نام	موجودہ جائے وقوع اور جغرافیہ	مسلمانوں سے قبل کی حالت	کیفیت
حصہ اول ۔ اشبانیہ						
۱۔ البحیرہ			L. DELAJAUDA	جزیرہ طریفہ کے شمال مغرب میں ایک جھیل ہے اور جنوب مغربی اسپین کے صوبہ قادس میں واقع ہے۔		
	۱۔ طریف		TARIFA	آبنائے جبل الطارق کے بالکل قریب ایک جزیرہ ہے		موسیٰ بن نصیر کے بھیجے ہوئے پہلے سپہ سالار طریف بن مالک نخعی نے اس مقام پر سرزمین اسپین پر قدم رکھا تھا یہ مقام انہی کے نام سے موسوم ہوا۔
	۲۔ الخضراء		ALGECIRAS	جبل الطارق کے بالکل قریب ایک جزیرہ ہے۔	ایلاو سردی (سبز جزیرہ) کہا جاتا تھا	طارق بن زیاد نے سب سے پہلے اسی کو فتح کیا تھا۔ مسلمانوں نے ایک مضبوط شہر پناہ بنائی تھی۔ یہاں دارالصناعہ (جہاز سازی کا کارخانہ) قائم تھا۔ زبردست اہمیت کا حامل سمجھا جاتا تھا۔ اس کے سامنے ایک چھوٹا اور اہم جزیرہ ام الحکیم واقع ہے۔ مسلمانوں کے زمانہ میں اور اس سے قبل بھی افریقہ سے تجارت کے لیے مشہور تھا۔
	۳۔ قادس		CADIZ	یہ جزیرہ بھی ہے اور شہر بھی موجودہ اسپین کا ایک جنوبی صوبہ ہے۔	۱۱ سو برس قبل مسیح میں بنو کنعان نے آباد کیا تھا اور اس کا نام گدیر رکھا تھا عبرانی میں اگادیر۔ یونانی میں گدیریا۔ رومی میں گادیس اور عربی میں قادس ہوا۔	
		شنت بیطر	PETRI یا LA-PUERTO	صوبہ قادس کے مغربی ساحل پر ایک جزیرے پر آباد ہے۔		
		حصن محسن		صوبہ قادس میں ہے۔		

صوبہ	شہر	عربی نام	انگریزی نام	محل وقوع	قدیم نام	کیفیت
		بکہ	VEJER	صوبہ قادس میں جھیل الجیرہ کے کنارے آباد ہے!		
	۴۔ آرکش		ARCOS	صوبہ قادس کا ایک شہر ہے وادی لط کے کنارے آباد ہے ۔		
	۵۔ شریش		JAREZ	۔ ایضاً ۔		
	۶۔ مدینہ ابن السلیم		GRAZALEMA	ایضاً ۔		
	۷۔ طشانہ		TOCINA	موجودہ صوبہ اشبیلیہ سے شمال کی سمت ۲۵ میل کے فاصلے پر واقع ہے ۔		اس کے علاقے کا ایک شہر کا نام یابتن تھا جہاں پر بنو عباد کے مورث اعلیٰ عطاف نے سکونت اختیار کی تھی نظم حکومت کے لحاظ سے طشانہ کا تعلق اشبیلیہ سے رہا ۔
۲۔ شذونہ			SIDONIA			آج کل اس اقلیم کا کچھ حصہ قادس میں اور کچھ صوبہ اشبیلیہ میں شامل ہے
	۱۔ اشبیلیہ		SEVILLA	جنوب مغربی اسپین کا ایک صوبہ اور اس کے صدر مقام کا نام ہے بحر محیط سے ۵۴ میل کے فاصلے پر دریائے وادی الکبیر پر واقع ہے ۔	ای بیریا اور لاطینی زبانوں میں ہسپالس کہلاتا تھا ۔	مسلمانوں کا اور اس سے قبل بھی اسپین کا پایہ تخت رہ چکا تھا بحری اہمیت کا حامل تھا ۔ دور مسلم میں مرکزی حیثیت حاصل تھی بنو عباد کا مرکز سلطنت تھا مسلمانوں کی عظیم الشان تہذیب کی تعمیر میں اس کا بڑا حصہ تھا ۔
		حصن الفرج	SANJUAN DE ALFARACHE	صوبہ اشبیلیہ میں واقع ہے ۔		اشبیلیہ کا حفاظتی قلعہ تھا ۔ موحدین کے بادشاہ المنصور نے بنوایا تھا ۔
		حصن قرقبہ		۔ ایضاً ۔		
		القلعہ وادی آرا	GUADAIRA	۱ ۔ ایضاً ۔ اشبیلیہ سے ۹ میل پر ہے ۔		یہ قلعہ اشبیلیہ کی کنجی کہلاتا تھا ۔
	۲۔ مدینہ شذونہ		MEDINA SIDONIA	شہر قادس سے ۲۱ میل جنوب مشرق میں جبل رندہ پر واقع ہے ۔	رومی ا= ASIDO اسیدو کا نہر ASSIDONIA اسیڈونیا کہتے تھے ۔	عہد مسلم میں ایک تجارتی اور فوجی اہمیت کا قلعہ ہے ۔
	۳۔ قرمونہ		CORMONA	صوبہ اشبیلیہ کا ایک شہر ہے ۔	قدیم نام کارمو تھا ۔	عہد مسلم میں فوجی اہمیت کا حامل تھا ۔
	۴۔ قلسانہ یا غلسانہ		اس کا نام پتہ نہیں چلا	۔ ایضاً ۔		موجودہ نام شاید کچھ اور ہے یا مدینہ شذونہ کو ہی قلسانہ کہا جاتا ہو ۔

۳۔ الشرف			ALJARAFE			اس اقلیم کا کچھ حصہ موجود صوبہ اشبیلیہ میں اور کچھ صوبہ ولبہ میں ہے۔
	۱۔ ولبہ		HUELVA	اسپین کے جنوب مغرب میں ایک صوبہ بھی ہے اور اسکا صدر مقام بھی شہر ولبہ بحر محیط سے ۱میل دریا شنادیل پر واقع ہے۔	اس کا قدیم ترین نام انوبا تھا	
		شنت الاولیہ	OLALLA	صوبہ ولبہ کے شمال مشرقی حصہ میں واقع ہے		
	۲۔ شلطیش		SALTIS	مسلم عہد میں ایک جزیرہ تھا اب جزیرہ نما ہے۔ دریائے شنوش کے دہانے پر واقع ہے اور صوبہ ولبہ میں شامل ہے۔		شہر ولبہ کے سامنے تھا مسلم دور میں یہاں کوئی شہر پناہ بھی تھی دشمن کے حملے کے وقت لوگ شہر چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے۔
	۳۔ جبل العیون		GIBRALEON	صوبہ ولبہ میں ہے۔		
	۴۔ لبلہ		NIABLE	۔ ایضاً ۔		مسلم دور میں بڑا تجارتی مرکز تھا۔
		حصن القصر	AZNAL COZAR	۔ ایضاً		
۴۔ کنبانیہ			LACAMPINA	اس اقلیم کا بڑا حصہ موجود صوبہ قرطبہ میں اور کچھ حصہ صوبہ اشبیلیہ میں شامل تھا۔		صوبہ قرطبہ میں جو حصہ شامل ہے وہ آج کل لاکمپینا کہلاتا ہے
	۱۔ قرطبہ		CORDOBA	جنوبی اسپین کا ایک صوبہ اور اس کا صدر مقام بھی ہے۔	اس کا قدیم نام کوردوبا بتایا جاتا ہے سنہ ۱۵۲ ق۔م میں رومیوں کا دارالحکومت تھا گو کہ زمانہ میں دارالحکومت تو نہ تھا لیکن اسپین کے	مسلمانوں نے اس کو اپنا دارالحکومت بنایا شہر کو بڑی وسعت دی۔ اس کے چاروں طرف محلے تھے جنہیں ربض کہا جاتا تھا۔ اب یہ محلے باقی نہیں رہے پرانا شہر باقی ہے مستحکم فصیل تھی جسکے سات دروازے تھے ایک قدیم زمانے کا محل شاہی تھا۔ عام باشندوں کے مکانات ـ ۲ لاکھ ۷۰ ہزار تھے

					سقف اعظم کا صدر مقام تھا۔	محلات - ۶۰ہزار دو سو تھے بازار - ۴ہزار ۳سو تھے مضافات شہر کے مکانات - ۱لاکھ ۱۳ہزار تھے
		مدینۃ الزہرہ		کوئی وجود نہیں۔		عبدالرحمٰن الناصر نے تعمیر کیا تھا۔ زوال بنو امیہ میں تباہ ہوگیا۔
		مدینۃ الزاہرہ		۔ایضاً۔		حاجب المنصور نے تعمیر کیا تھا۔ بربروں نے جلاکر خاکستر کردیا۔
		شنت بریہ	SANTOBRIA	قرطبہ کے شمال مشرق میں واقع ہے۔		
		شنت پالہ		نامعلوم۔		پہلے ضلع قرطبہ میں تھا۔ اب نامعلوم ہے۔
		حصن المدور	ALMODOVAR	۔ نامعلوم۔		مسلم دور میں شہر قرطبہ سے مغرب میں وادی الکبیر پر واقع تھا۔
	۲۔استجہ		ECIJA	صوبہ اشبیلیہ میں واقع ہے۔		قدیم کنیسے۔ فصیل کے آثار اب بھی موجود ہیں۔
	۳۔بیانہ		BAENA	صوبہ قرطبہ میں واقع ہے۔		بڑا تجارتی مرکز تھا۔
	۴۔قبرہ		CABRA	۔ ایضاً۔		مسلمانوں کے کچھ آثار اب بھی موجود ہیں۔
	۵۔الیانہ		LUCENA	۔ ایضاً۔		مسلم دور میں یہاں خالص یہودی آبادی تھی۔
۵۔تدمیر			THEODOMIR	اس اقلیم کے تمام علاقے موجودہ صوبہ مرسیہ، البقنت اور البسیط میں شامل ہیں۔		اس اقلیم کا نام ایک عیسائی سپہ سالار کے نام پر رکھا گیا تھا جو مسلمانوں کی اطاعت میں داخل ہوگیا تھا۔ اسی کو یہاں کا گورنر بھی بنایا گیا تھا موجودہ شہر مرسیہ اس کا پایۂ تخت تھا۔
	۱۔مرسیہ		MURCIA	جنوب مشرق اسپین کا ایک صوبہ اور صدر مقام ہے دریائے شنقورہ کے کنارے آباد ہے۔ زمین نہایت زرخیز اور پیداوار بکثرت ہوتی ہے اپنے باغات کے لیے مشہور ہے۔	عہد قدیم سے اسی نام سے آباد ہے۔	شہر تدمیر اسی کے قریب آباد تھا۔ کچھ عرصہ بعد دونوں کی آبادی ایک ہوگئی اور تدمیر کو بھی مرسیہ کہا جانے لگا۔

	۲۔ حیض مولا	MULA	مرسیہ کے قریب واقع ہے۔		
	۳۔ حیض آقلہ	AQUILAS	سمندر کے کنارے ورقہ سے ۲۵ میل پر واقع ہے صوبہ مرسیہ میں ہے۔		
	۴۔ اوریولہ	OREHUFLA	صوبہ القنت کا مشہور شہر ہے دریائے شقورہ پر آباد ہے۔		
	۵۔ قرطاجنہ	CORTAGENA	صوبہ مرسیہ کا ساحلی شہر ہے	فنیقیوں نے اسے آباد کیا تھا اور عہد قدیم ہی سے تجارتی بندرگاہ تھا	افریقہ میں بھی اس نام کا ایک تجارتی شہر تھا۔ اس لئے مسلمان اس کو تمیز کرنے کے لئے قرطاجنۃ الخلفاء کے نام سے پکارتے تھے۔ مسلم دور میں ایک بڑا تجارتی مرکز تھا۔
	۶۔ لورقہ	LORCA	صوبہ مرسیہ میں ہے		
	۷۔ جنجالہ	CHINCHELLA	صوبہ البسیط میں واقع ہے		
۶۔ کونکہ یا قونکہ	۱۔ القنت	ALICANTE	اسپین کا ایک ساحلی صوبہ ہے۔ اور اس کا صدر مقام کا نام بھی۔		
	۲۔ کونکہ	CUENCA	اسپین کا ایک صوبہ ہے اور اس کے صدر مقام کا نام بھی۔		
	۳۔ شقورہ	SEGURA	اسپین کے صوبہ جیان کی مشرقی سرحد پر واقع ہے		
	۴۔ آنش	ELCHE	صوبہ القنت کا مشہور شہر ہے۔		

۷۔ اغبیرہ			ERGUERA			
	۱۔ شاطبہ		JATIVA	صوبہ بلنسیہ کا ایک مقام ہے		
	۲۔ شقر		ALCIRA	۔ ایضاً ۔		
	۳۔ دانیہ		DANIE	صوبہ القنت کا ساحلی شہر ہے		مسلم دور میں مشہور مقام تھا۔ بنو امیہ کے زوال کے بعد غلاموں کی حکومت قائم ہو گئی تھی۔
۸۔ مرباط						
	۱۔ بلنسیہ	حفص الرباجین	VALENCIA	اسپین کا ساحلی صوبہ ہے اور اس کے صدر مقام و بندرگاہ کا بھی یہی نام ہے۔	قدیم زمانہ سے آباد تھا۔	مسلم دور کی یادگاریں اب بھی موجود ہیں۔ یہ مشہور تجارتی اور فوجی مرکز تھا۔
	۲۔ بریانہ		BURIANA	بلنسیہ کے قریب واقع ہے صوبہ بلنسیہ کا ایک شہر ہے۔		
۹۔ قواطیم یا قواسیم						
	۱۔ الفنت			مسلم دور میں صوبہ بلنسیہ میں تھا اب نامعلوم ہے		طوائف الملوکی میں بنو قاسم حمودی کی حکومت قائم ہوئی تھی۔
	۲۔ شنت ماریہ بنو رزین		ALBARRACIN	اسپین کے صوبہ تیرول میں واقع ہے۔		طوائف الملوکی میں ایک بربری خاندان بنو رزین کی حکومت ہوئی۔
۱۰۔ ولجہ						
	۱۔ سُرتہ		ALMONACIDDE : ZORITA	صوبہ طلیطلہ میں واقع ہے۔		
	۲۔ قلعہ رباح		COLATRAVA	موجودہ صوبہ سیوداد ریال کے شمالی شہر کاربون سے ۶ میل شمال میں اس شہر کے کھنڈرات ہیں۔		موسیٰ بن نصیر کے ساتھ ایک تابعی بزرگ ابو عبداللہ بن علی بن رباح سے منسوب ہے۔ خالص اسلامی آبادی تھی اور اس کی فوجی اہمیت تسلیم شدہ تھی۔

۱۱۔ اشونہ			OSUNA	اس اقلیم کے تمام علاقے آج کل صوبہ اشبیلیہ یا مالقہ میں داخل ہے		
	۱۔ لورہ	حصن لورہ	LORA-DEL-RIO	اشبیلیہ سے ۴۰ میل شمال مشرق میں وادی الکبیر پر واقع ہے۔		ایک قلعہ نما آبادی تھی۔
	۲۔ اشونہ		OSUNA	اشبیلیہ سے جنوب مشرق میں ایک پہاڑی پر واقع ہے۔	قدیم نام ارسو تھا۔ رومیوں نے ارسونہ کر دیا تھا	
۱۲۔ ریہ			REGIO	یہ اقلیم موجودہ صوبہ مالقہ میں داخل ہے۔		
	۱۔ ریّہ		REGIO (ZAFFARRAYA)	آج کل ایک گاؤں زفرونہ سے یہ شہر لو لیا جاتا ہے۔		ایرانی شہر رے کے باشندوں نے یہاں آباد ہو کر اس کا نام ریّہ رکھا تھا۔
	۲۔ مالقہ		MALABA (MOLOCA)	جنوبی اسپین کے ایک صوبہ اور اس کے صدر مقام کا نام ہے بحر روم پر مشہور بندرگاہ ہے۔	رومیوں نے اس کا نام مالا کا رکھا تھا۔	مسلم دور میں اہم شہر اور بندرگاہ کی حیثیت حاصل تھی۔
	۳ ارشذونہ		ARCHIDONA	موجودہ صوبہ مالقہ میں ہے۔		
	۴۔ مربلہ		MARBELLA	صوبہ مالقہ کا ساحلی شہر ہے۔		
		قلعہ ببشتر	BOBASTRO	۔ نامعلوم ۔		جبال رندہ کا مشہور قلعہ تھا اور مشہور باغی عمر بن حفصون کی جائے پناہ تھی۔
۱۳۔ ابشارات			ALPUJARRAS	صوبہ غرناطہ کے جنوبی حصہ کا ایک پہاڑی علاقہ ہے		اس اقلیم میں شہر جیان اور ۴۰۰ گاؤں شامل تھے۔
	۱۔ جیان		JAEN (AURGI)	ایک صوبہ ہے اور اسکے صدر مقام کا نام بھی	قدیم ترین نام اروجی تھا۔	ملک شام کے علاقے جیان کے رہنے والے یہاں آباد ہوئے تھے انہوں نے ہی اسکا نام جیان رکھا تھا مسلم دور کا تنگ یا فتہ اہم تجارتی مرکز تھا اسکا قلعہ مستحکم اور فوجی اہمیت رکھتا تھا۔ قرطبہ کی حفاظت کیلئے اس پر قبضہ ضروری تھا۔

		شنت اشتیبان	SANTISTEBAN	موجودہ صوبہ جیان میں شہر LENARES سے شمال مشرق میں واقع ہے۔		
		حصن اندوشر	ANDUJAR	صوبہ جیان میں شمال مغرب میں وادی الکبیر کے کنارے آباد ہے۔		قلعہ جما شہر تھا۔
		حصن حرشیہ	HUESCAR	صوبہ جیان میں واقع ہے۔		
		قلعہ اشحت	نامعلوم	نامعلوم۔		
۱۴۔ بجانہ			PECHINA			
	۱۔ بجانہ		PECHINA (VIGI)	شہر المریہ سے ۶ میل کے فاصلے پر دریائے المریہ کے کنارے آباد ہے اب فقط ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔	قدیم نام ویگی تھا۔	مسلم دور میں اس کو بڑی ترقی حاصل ہوئی لیکن خرابیہ کے بعد اس کی آبادی المریہ میں منتقل ہو گئی اور یہ ویران ہو گیا۔
	۲۔ المریہ		ALMERIA (URCI)	اسپین کا ایک ساحلی صوبہ ہے اس کے صدر مقام اور بندرگاہ کا بھی یہی نام ہے ۲ پہاڑوں کی وادی میں آباد ہے۔	قدیم نام ارکی تھا	اس کی دونوں پہاڑیوں پر دو تاریخی قلعے تھے۔ ایک قلعہ خیران جو خیران صقلبی کے نام سے منسوب ہے اور دوسرا ربض بالحوض۔ مسلم دور کے اہم ترین شہروں اور بندرگاہوں میں شمار ہوتا تھا۔
	۳۔ برجہ		GERGA (BERJA)	صوبہ المریہ میں واقع ہے۔		
	۴۔ بالش		VELEZ RUBIS	ایضاً۔		
	۵۔ برشانہ		PURCNENA	ایضاً۔		
	۶۔ طرجالہ		TIRJOLA	ایضاً۔		
		حصن ناشر	نامعلوم۔	نامعلوم۔		

۱۵. البیرہ	۱. مدینۃ البیرہ قسطالیہ		ELVIRA ELVIRA (ILI-BERRI)	یہ پوری اقلیم موجودہ صوبہ غرناطہ میں داخل ہے غرناطہ سے ۶ میل شمال مغرب میں دریائے شنیل کے کنارے اس کے کھنڈر پائے جاتے ہیں۔	قدیم نام الیبری (نیا شہر) تھا۔	عہد بنو امیہ میں البیرہ کہلاتی تھی بعد میں اقلیم غرناطہ ہو گئی اس کو قسطالیہ بھی کہتے تھے ۔ ۴۰۳ھ میں زوال بنو امیہ کے بعد اس کی آبادی غرناطہ منتقل ہو گئی اور یہ ویران ہو گیا۔
		حصن قرذویذہ	نامعلوم۔	نامعلوم۔		مسلم دور میں البیرہ کے قریب واقع تھا
	۲. غرناطہ		GRANADA	جنوبی اسپین کا ایک صوبہ اور اس کے صدر مقام کا نام ہے۔ دریائے شنیل کے کنارے آباد ہے بڑا زرخیز علاقہ ہے اور باغات سے پُر ہے۔	قدیم زمانہ میں اس کو کرناطہ بھی کہا گیا ہے کیونکہ یہاں انار کثرت سے ہوتے ہیں جنکو لاطینی میں گرانا تم کہتے ہیں اسکی مناسبت سے اسکا نام پڑا۔	۵ ویں صدی ہجری میں ایک صنہاجی امیر نے مدینہ البیرہ کو اجاڑ کر اس شہر کو آباد کیا تھا حبوس بن زیری نے اس کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ بنو نصر نے یہاں اپنی حکومت قائم کی جو اسپین کے مسلمانوں کا آخری حصہ تھی۔ ابن بطوطہ جب یہاں آیا تو اس کی آبادی ۲ لاکھ کے قریب تھی۔ اور ہر قسم کی تہذیبی اور تمدنی ترقیوں سے مالا مال تھا۔ قصر الحمراء اور جامع مسجد آج تک باقی ہے۔ اس شہر کی ترقی کا عروج زوال بنو امیہ کے بعد ہوا تھا
		حصن اشبرغرہ	نامعلوم۔	نامعلوم۔		مسلم دور میں غرناطہ کا نواحی قلعہ تھا
		حصن النتات	نامعلوم۔	نامعلوم۔		ایضاً۔
		حصن جلیانہ	نامعلوم۔	نامعلوم۔		ایضاً یہاں ایک گرم پانی کا چشمہ ہے۔
	۳. وادی آش		GUADIX (ACCI)	صوبہ غرناطہ کا مشہور شہر ہے جبل الشلیر کے شمالی ڈھلان پر دریائے آش کے کنارے آباد ہے۔	قدیم نام اکسی ACCI تھا	اس شہر کے ایک جانب مسلمانوں کا مشہور تاریخی شہر القصبہ ALCASABA واقع تھا جس کے اب صرف کھنڈر ہیں۔
	۴. المنکب		ALMUNECAR	غرناطہ کے جنوب میں بحر روم کے ساحل پر آباد ہے۔		عبدالرحمٰن الداخل اسپین میں اسی مقام سے داخل ہوا تھا مشہور تجارتی شہر اور بندرگاہ تھی
۱۶. فریرہ			FERRIERA	اس اقلیم کے تمام علاقہ صوبہ غرناطہ اور صوبہ جیان میں واقع ہیں۔		
	۱. بسطہ		BAZA	صوبہ غرناطہ کے شمال میں جبل الشلیر کی گھاٹی میں آباد ہے۔	اس کے قریب عہد قدیم کے آثار پائے جاتے ہیں۔	

حصن فریرہ		FERRIERA	صوبہ جیان میں ہے		
حصن طشکر		TISCAR	صوبہ غرناطہ میں ہے۔		

۱۷۔ البلالطہ یہ اقلیم ایک طرف اقلیم دنجہ ہے اور دوسری طرف اقلیم الفقر سے ملی ہوئی تھی۔ اس میں بطروش PEDROCHE اور حصن غافق تھے یہ دونوں شہر آج کل صوبہ قرطبہ میں ہیں۔

۱۸۔ البلالطہ یہ اقلیم ایک طرف اقلیم الفقر اور دوسری طرف اقلیم بلاکہ سے منسلک تھی۔

۔مدلین		MEDELLIN	موجودہ صوبہ بطلیوس کا مشہور شہر ہے۔ مدلینہ وادی آنہ کے کنارے آباد ہے		

۱۹۔ بلاط

یہ خیال کیا جاتا ہے کہ پرتگال کے علاقے استری میڈورا میں یہ اقلیم واقع تھی۔

۱۔ شنترین		SANTAREM	مغربی پرتگال کے ضلع سنتارم کا صدر مقام ہے دریائے تاجہ کے کنارے آباد ہے۔		مسلمانوں نے یہاں کے گرجا سانتا ایرینی کے نام پر شنترین رکھا تھا۔ مسلم دور کا شہر آج بھی ایک پہاڑی پر موجود ہے
۲۔ شنترہ		CINTRA	پرتگال کے دارالحکومت لسبن سے ۱۲ میل شمال مغرب میں واقع ہے۔		دور مسلم میں اس شہر کو خاصی اہمیت حاصل تھی۔
۳۔ لشبونہ یا اشبونہ		LISBON OR LISBOA	پرتگال کا دارالحکومت ہے۔ دریائے تاجہ کے کنارے سمندر کے قریب ایک جھیل پر واقع ہے۔		دریا کے دوسرے کنارے پر ایک عرب آبادی الماو جسے المعدن ALMADA کہتے ہیں اب بھی ایک پہاڑی پر موجود ہے مسلم دور میں اشبونہ فوجی اور تجارتی اہمیت کا حامل تھا۔

۲۰۔ القفق			FIGUEIRA	یہ قلیم آجکل پرتگال کا ایک حصہ ہے۔		
	شنت ماریہ الغرب		SANTE MARIA DE ALGARVE	پرتگال کے صوبہ الگاروی میں سانتا ماریہ کے نام سے واقع ہے۔ ساحل سمندر پر ہے۔		مسلم دور میں اوسط درجہ کا شہر تھا۔ ایک اچھی بندرگاہ تھی اور تجارتی اہمیت رکھتا تھا
	مرتلہ		MERTOLA	پرتگال کے صوبہ الن تیجو ALENTIJO کے جنوب میں وادی آنہ کے کنارے واقع ہے۔	یونانی نام مرتلس تھا۔	
	۳۔ شلب		SILVES	پرتگال کے صوبہ الگاروی کا شہر ہے دریائے شلب کے کنارے آباد ہے۔		مسلمانوں کی بنائی ہوئی شہر پناہ اور قلعہ آج تک موجود ہے۔
۲۱۔ القصر						
	۱۔ قصر ابی دانس		ALCACERDASAL	پرتگال میں دریائے ساڈو SADO کے کنارے خلیج ستوبال کے ساحل پر واقع ہے۔		یہاں صدیوں مسلمان حاکم رہے۔ مسلم آثار اب بھی پائے جاتے ہیں۔
	۲۔ یابورہ		EVORA	پرتگال کے صوبہ الن تیجو کا صدر مقام ہے، اور ایک وادی میں واقع ہے۔	قدیم نام ایبورہ تھا۔	اسلامی اور رومی طرز تعمیر کی ملی جلی شہر پناہ اب بھی موجود ہے۔
	۳۔ بطلیوس		BADAJOZ	مغربی اسپین کا ایک صوبہ اور اس کے صدر مقام کا نام ہے اسکی سرحدیں پرتگال سے ملتی ہیں۔		یہ شہر مسلمانوں کا آباد کیا ہوا ہے۔ شہر میں آب رسانی کے لئے پہاڑ پر ایک ذخیرہ آب بنایا گیا تھا جس سے آج تک آب رسانی کا کام لیا جاتا ہے۔ مسلم دور کے آثار اب بھی موجود ہیں۔
	۴۔ شریہ		JAREZ DELOS BALLAROS	صوبہ بطلیوس میں وادی آنہ کے کنارے آباد ہے۔		مسلم دور کا شہر آج کل پرانا شہر کہلاتا ہے۔ فصیل مع ۲ دروازوں کے اب تک موجود ہے۔
	۵۔ ماردہ		MERIDA	بطلیوس سے ۳۰ میل شرق میں وادی آنہ کے کنارے آباد ہے۔	۲۵ ق م میں یہ شہر تعمیر ہوا تھا اسکا نام اوگستا ایمریتا تھا۔ قدیم قلعے مسلم دور تک موجود تھے۔	مسلم دور میں اس کو مرکزی حیثیت حاصل تھی مسلمانوں نے فوجی اور تجارتی نقطہ نظر سے اسکو بہت مستحکم کیا تھا۔

	شنت فروش	نا معلوم	نا معلوم		
۶۔ القنطرہ		ALCANTARA	صوبہ طلبیرس کی مغربی سرحد پر دریائے تاجہ کے کنارے آباد ہے یہاں سے پرتگال کی سرحد ۲ میل رہ جاتی ہے	اس کے شمال مغرب میں دریائے تاجہ پر رومیوں کا بنایا ہوا پل موجود تھا	مسلم دور میں ماردہ کے قریب واقع تھا القنطرہ (پل کو کہتے ہیں) قدیم پل کی وجہ سے القنطرہ نام پڑا۔
۷۔ قوریہ		CORIA	شہر قاصرس کے شمال مغرب میں دریائے تاجہ کی ایک شاخ ALGOIN پر واقع ہے۔		تین صدی تک مسلمانوں کے قبضہ میں رہا مشہور تجارتی مرکز تھا۔
۲۲ الشارات		DE-SURRAS	الشارات ایک پہاڑی سلسلہ کا نام ہے اور اسی کی مناسبت سے یہ اقلیم پکاری گئی تھی۔		
۱۔ طلبیرہ		TALAVERA	موجودہ صوبہ طلیطلہ میں دریائے تاجہ کے کنارے آباد ہے۔	قدیم شہر ہے بعض قدیم آثار اب تک موجود ہیں۔	
۲۔ طُلَیطُلَہ		TOLEDO	موجودہ وسطی اسپین کا ایک صوبہ ہے اس کے صدر مقام کا بھی یہی نام ہے۔ دریائے تاجہ کے کنارے آباد ہے۔	بعض مورخین کے نزدیک اس کو طریال بن توح نے تعمیر کیا تھا اس کا قدیم نام تولیتم اور بعض نے لیطیرا۔ قدیم ہی سے نہایت مستحکم اور دوہری فصیل موجود تھی۔ دریا پر محراب کا عجیب پل تعمیر تھا۔ ملک کا صدر مقام بھی یہی تھا۔	یہ شہر سنگ خارا کی پہاڑی پر آباد ہے۔ اسکی فتح سے اسپین کی گاتھ حکومت کا خاتمہ ہو گیا تھا یہ شہر اپنے استحکام اور عیسائیوں کی کثرت کی وجہ سے ہمیشہ بغاوت کا مرکز رہا۔ یہاں عیسائیوں کا مذہبی مرکز تھا اور اسقف اعظم یہیں رہتا تھا مسلم دور کے آثار میں بعض محلات۔ مساجد۔ پن گھڑیوں کی شکستہ عمارات اور علم ہیئت سے متعلق بعض رصد گاہوں کے کھنڈر موجود ہیں ملوک الطوائف کے بنی ذوالنون کے زمانہ میں عیسائیوں کے پاس چلا گیا تھا پھر کبھی مسلمانوں کے پاس نہ آیا۔
۳۔ مجریطہ		MADRID	ملک اسپین کا دارالحکومت ہے اور صوبہ بھی۔ وادی شرامہ GARAMA کی ایک شاخ	قدیم نام مجیدتیم تھا۔	مسلم دور میں طلیطلہ کا ماتحت شہر تھا اور اس کی سرحدی حفاظتی چھاؤنی سمجھا جاتا تھا۔ کوئی خاص اہمیت کا شہر نہ تھا۔ مسلمان کثرت سے آباد تھے اور ایک مسجد بھی تھی۔

				MANZANARESS کے کنارے آباد ہے۔		
	۴۔ الفہمین		نامعلوم۔	نامعلوم		مسلم دور میں طلیطلہ کے علاقے میں تھا۔ ایک چھوٹا سا متمدن شہر تھا جس میں مسلمانوں کی کثرت تھی۔ آج کل پتہ نہیں چلتا کہ کس نام سے پکارا جاتا ہے۔
	۵۔ وادی الحجارہ		GUADALAJARA (ARIACA)	اسپین کا ایک صوبہ اور اس کے صدر مقام کا نام ہے۔ دریائے ہنارریز HANARES کے کنارے آباد ہے سطح سمندر سے اسکی بلندی ۲ ہزار فٹ ہے۔ پہلے دریا کو وادی الحجارہ کہتے تھے پھر شہر بھی اسی نام سے پکارا جانے لگا۔ بہت زرخیز علاقہ ہے۔	رومیوں اور گاتھوں کے زمانہ میں اسکواری اکہ کہتے تھے	مسلم دور میں بربروں کے ایک قبیلے بنو فرج کی جاگیر تھا اس لئے اس کو مدینۃ الفرج بھی کہتے تھے ایک مضبوط سرحدی قلعہ تھا شمال کے عیسائیوں کو روکنے کا کام دیتا تھا بنو امیہ نے سب سے پہلے اس کو بنو فرج کے حوالے کیا تھا۔
	۶۔ اقلیس یا اقلیج		UCLES	موجودہ صوبہ کونکہ میں ہے طلیطلہ سے مشرق میں ۵۰ میل دور ہے۔		مسلم دور میں ایک بڑا آباد شہر تھا۔ یہاں کی مسجد عالیشان تھی اب ایک چھوٹا سا مقام ہے۔
	۷۔ ربذہ		HUETA	صوبہ کونکہ میں واقع ہے۔		
ارنیط			AREDO			
	۱۔ ارنیط		AREDO OR ARNEDO	موجودہ صوبہ لوگرونو کا ایک مشہور شہر ہے۔		مسلم دور میں اس کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔
	۲۔ قلعۃ ایوب		CLATAYUD	صوبہ سرقسطہ کا ایک بڑا شہر ہے۔ وادی شلون IALON کے کنارے آباد ہے شہر کے دو حصے ہیں۔ بالائی حصہ مسلم دور کا ہے اور زیریں بعد میں آباد ہوا ہے۔	رومی شہر بلبلس کے قریب آباد ہوا تھا جسکے کھنڈر مشرق میں دو میل کے فاصلے پر موجود ہیں۔	امیر اسپین اور تابعی ایوب بن حبیب لخمی کے نام سے موسوم ہے۔ اس کا قلعہ بہت مضبوط تھا اور عظیم سرحدی فوجی چھاؤنی میں شمار کیا جاتا تھا یہاں کے باشندوں کو ثغری (سرحدی) کہا جاتا تھا۔ ۶ چھ ہجری تک مسلمانوں کی یہاں حکومت قائم رہی۔

۳. دروقہ			DAROCA	صوبہ سرقسطہ میں قلعہ ایوب سے ۳۰ میل جنوب میں واقع ہے۔		مسلم دور میں اس کا شمار ثغر اعلیٰ میں ہوتا تھا۔ اوسط درجہ کا شہر تھا مسلمان کثرت سے تھے۔
۴. سرقسطہ			ZARAGOZA (SARAGOSA)	اسپین کا ایک صوبہ اور اس کے صدر مقام کا نام ہے دریائے ابرہ کے کنارے آباد ہے علاقہ پہاڑی ہے لیکن بہت آباد ہے۔	۲۵ ق م میں رومی آگسٹس نے آباد کیا تھا اور اسکا نام سیسار یا آگسٹا رکھا گیا تھا۔ اسکا نام سیسار اگوستا رکھا۔ رومی اور گاتھی دور میں شمالی علاقے کا صدر مقام تھا۔	مسلم دور میں سرحدی علاقے کا صدر مقام تھا۔ اس کو مدینۃ البیضا بھی کہتے تھے۔ ممتاز ترین شہروں میں اس کا شمار تھا اور ایک طویل تاریخ اس سے وابستہ ہے۔ اس کی جامع مسجد کی بنیاد مشہور تابعی حضرت حنش بن عبداللہ صنعانی رضی اللہ عنہ نے رکھی تھی۔ آپ کی قبر اسی مسجد کے سامنے تھی۔ دور طوائف الملوکی میں بنو ہود نے اسی میں عظیم حکومت بنائی تھی۔ ان کے دور کی نشانیوں میں ایک محل الجعفریہ اور اس کی خوبصورت مسجد اب تک موجود ہے
۵. وشقہ			HUESCA (OSCA)	شمالی اسپین کا ایک صوبہ اور اس کے صدر مقام کا نام ہے سرقسطہ سے ۳۵ میل شمال مشرق میں واقع ہے	قدیم نام اوسکا تھا	چار صدی کے قریب مسلمانوں نے حکمرانی کی۔
۶. تطیلہ			TUDELA (TUTELA)	اسپین کے صوبہ نبرۃ کا مشہور شہر ہے دریائے ابرہ کے کنارے آباد ہے۔	قدیم نام تتیلہ تھا۔	ابوالفداء کا بیان ہے کہ یہ شہر مسلمانوں کا آباد کیا ہوا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ قدیم تتیلا ویران ہو گیا ہو گا تو اس کے کھنڈرات پر یہ شہر بسایا گیا تھا۔

۲۴. زیتون

۱. جاقہ			JACA	شمالی اسپین کے صوبہ وشقہ میں جبل البرانس کے جنوبی دامن میں آباد ہے سطح سمندر سے ۲۳۸۰ فٹ کی بلندی پر دریائے آرگون کے کنارے آباد ہے۔ یہاں سے ایک راستہ فرانس کو جاتا ہے جس کو برت جاقہ (درہ جاقہ) کے نام سے پکارا جاتا ہے۔		
۲. لاردہ				شمالی اسپین کے ایک صوبہ اور اسکے صدر مقام کا	قدیم نام ایلرڈا تھا۔	چار صدی تک مسلمانوں کے پاس رہا۔ ہمیشہ باغیانہ سرگرمیوں کا مرکز رہا۔ مرکزی اہمیت حاصل تھی۔

			(ILERDA)	نام ہے وادی ثغر SAGRE کے دونوں کنارے پر آباد ہے اسکی سرحد فرانس سے ملتی ہے۔		شہر پناہ کے آثار اب بھی موجود ہیں۔ ایک قلعہ بھی مسلم دور کا موجود ہے
	۳۔ مکناسہ		MUINENZA	صوبہ سرقسطہ کی مشرقی سرحد پر دریائے ابرہ کے کنارے آباد ہے۔		بربروں نے آباد کیا تھا اور انہی کے ایک قبیلہ مکناسہ کے نام سے منسوب ہے۔
	۴۔ افراغہ		FRAGA	صوبہ لاردہ میں شہر لاردہ سے ۲۰ میل مغرب میں دریائے سنکا پر آباد ہے۔		مسلم دور میں سرحد کا بڑا قلعہ تھا۔ ۵ صدی تک مسلمان حاکم رہے۔ اب ایک چھوٹا سا مقام ہے۔
۲۵۔ البرتات			PYRENEES			البرتات۔ جبل البرانس کو کہتے تھے۔
	۱۔ طرطوشہ		TORTOSA	صوبہ طرکونہ میں واقع ہے دریائے ابرہ کے کنارے آباد ہے شہر کے قریب سنگ مرمر کی کانیں ہیں یہاں کی لکڑی جہاز سازی کے کام میں آتی ہے۔	قدیم نام کو لونیا جولیا درتوسہ تھا۔	مسلم دور میں اس شہر کو بہت اہمیت حاصل تھی۔ یہاں ایک دار الصناعۃ جہاز سازی کا کارخانہ تھا۔ مسلمانوں کا قلعہ اب تک موجود ہے۔ الناصر کی تعمیر کردہ مسجد گرجا گھر بنالی گئی ہے قدیم شہر کا کچھ حصہ بھی موجود ہے۔
	۲۔ طرکونہ		TERRAGONA	اسپین کا ایک ساحلی صوبہ ہے صدر مقام کا بھی یہی نام ہے۔ مشہور بندرگاہ ہے اس کے علاقے میں قیمتی پتھر کی دکانیں ہیں۔		مسلم دور میں یہ خالص یہودیوں کی آبادی تھی مسلمانوں نے اس کو پوری طرح مسمار کرکے دوبارہ بنالیا تھا۔ ۴ صدی تک مسلمانوں کے پاس رہا۔ آثار بہت کم ہیں۔
	۳۔ برشلونہ		BARCELONA	جنوبی اسپین کا ساحلی صوبہ ہے اور اس کے صدر مقام کا بھی یہی نام ہے۔ مشہور بندرگاہ ہے۔	قدیم نام بارسینونہ تھا۔	۹۳ھ میں مسلمانوں نے فتح کیا۔ ۹۱ برس تو پوری طرح مسلمانوں کے پاس رہا۔ اس کے بعد کبھی عیسائیوں اور کبھی مسلمانوں کے پاس آتا جاتا رہا۔ بالآخر یہاں عیسائیوں کی حکومت قائم ہوئی جس کو قرطبہ کی حکومت نے تسلیم کرلیا تھا۔ مسلم دور کا شہر پہاڑی پر اور جدید شہر نیچے آباد ہے۔ طلیطلہ کے ہاتھوں سے جانے پر یہ بھی مسلمانوں سے جاتا رہا۔
۲۶۔ مرمریہ	یہ اقلیم البرتات کے مغرب میں تھی جس میں چند قلعے تھے					مسلم دور کی نہر اب بھی آب رسانی کرتی ہے مسلم دور کے بہت سے آثار موجود ہے۔
	۱۔ حصن طشکر	یہ قلعہ بھی تھا	TISCAR	اسکی جائے وقوع متعین نہیں کی جاسکی		یہ شہر بحر روم کے ساحل پر تھا۔ اس نام کے ایک شہر کا تذکرہ اوپر آگیا ہے۔
	۲۔ قسطلیون		CASTELLON DELA PLANA	مشرقی اسپین کا ایک صوبہ اور اس کے صدر مقام کا نام ہے بحر روم کے ساحل پر آباد ہے۔		

	۲۔ قنندہ		CALANDA	صوبہ نبترول میں واقع ہے۔		علامہ مقری نے اس کو دروقہ کے قریب ثغر اعلیٰ کا شہر لکھا ہے جو اوکسین کے بیان کے خلاف ہے

حصہ دوم۔ قشتالہ

۱ نبرہ			NAVARRA	شمالی اسپین کا صوبہ ہے جس کا دارالحکومت پمپلونہ ہے جبل البرینس کا سلسلہ اس کے تقریباً وسط میں واقع ہے اس علاقے سے فرانس کو تین راستے جاتے ہیں (۱) پرت دی دیرا (۲) رونس سوبلز (۳) پرت دی ملیا		دور مسلم کے ابتدائی حصہ میں یہ علاقہ بشکنس میں شامل تھا۔ الناصر کے دور میں شانجہ نو یہ اسکا پہلا حاکم بنایا گیا تھا پھر اس کی حکومت کو بہت ترقی ہوئی اور فرانس کا بھی کچھ علاقہ اسکی حکومت میں شامل ہو گیا یہ عرصہ تک مسلمانوں کا باجگذار رہا لیکن ۷ ویں صدی ہجری میں یہ پورا علاقہ عیسائی ریاست قشتالہ کا حصہ بن گیا۔
	۱۔ بنبلونہ		PAMPLONA	صوبہ نبرہ کا صدر مقام ہے۔	مشہور رومی سپہ سالار پومپی نے اسکو دوبارہ تعمیر کرا کے اس کا نام پومپیلو رکھا تھا ۷۷۸ء میں شارلیمان کے قبضہ میں تھا ۵۴۳ء میں فرانس نے اس پر قبضہ کر لیا تھا۔	گو مسلمانوں نے اس علاقہ تک فتوحات کیں لیکن کبھی کوئی مستقل حکومت قائم نہ ہو سکی۔ جو اتبہ نے اس کو خوب لوٹا تھا اور کچھ عرصہ کیلئے قرطبہ سے اس کے تعلقات بہتر ہو گئے تھے دور طوائف الملوکی میں ہمیشہ کے لئے عیسائیوں کے پاس چلا گیا۔
	۲۔ بقیرہ		VIGERA	صوبہ سرقسطہ کے شہر تطیلہ سے ۵۰ میل مشرق میں واقع ہے۔		دوسری صدی ہجری کے شروع میں مسلمانوں نے اس پر قبضہ کیا تھا۔ ۳۴۶ھ میں نبرہ کے عیسائیوں نے اس پر قبضہ کر لیا لیکن مسلمانوں نے دوبارہ ان سے چھین کر چھٹی صدی ہجری تک حکمرانی کی۔
	۳۔ ناجرہ		NAJERA	صوبہ لوگروتوں میں صدر مقام لوگروتو کے قریب واقع ہے۔		دو صدی کی مسلم حکمرانی کے بعد ۲۱۱ھ میں نبرہ کے عیسائیوں نے اس پر قبضہ کر لیا لیکن الناصر نے اکو واپس لے لیا اور پھر چھٹی صدی ہجری تک مسلمان اس پر حاکم رہے۔
	۴۔ بیونہ		BAYONNE	فرانس کے مغربی ساحل پر واقع ہے جو بیونہ سے ایک راستہ فرانس کو جبل البرانس سے ہو کر جاتا ہے جس کو بت بیرنہ کہتے ہیں۔		
۲ بشکنس			BOSQUES	خیال کیا جاتا ہے کہ یہ تمام علاقہ موجودہ شمالی صوبہ سنتانددیر میں خلیج بسکے کے ساحل پر واقع ہے اور کوہستانی علاقہ ہے۔		اس کا مشہور شہر آلبہ تھا۔

صوبہ	نام		انگریزی نام	تفصیل	قدیم نام	کیفیت
	۱- البہ		ALAVA	اسپین کا ایک صوبہ ہے جس کے شمال میں صوبہ بسکے مغرب وجنوب میں قشتالہ قدیم اور مشرق میں نبرہ کا صوبہ ہے		ابتدائی فتوحات میں مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا تھا لیکن جلد ہی ان کے ہاتھوں سے نکل گیا۔
	۲- اشتوراس		ASTURIAS	شمالی اسپین کا صوبہ ہے اس کے شمال میں خلیج بسکے ہے۔		مسلمانوں نے اس کے صرف ایک حصے کو فتح کیا تھا۔
	۳- صخرہ بلائی		COMPOSTELA	موجودہ جائے وقوع نامعلوم ہے لیکن دور مسلم میں اشتوراس کا مشہور شہر تھا۔		شمالی ساحل کے قریب ایک پہاڑی مقام تھا یہی وہ جگہ تھی جہاں مشہور گاتھ سردار بلایو نے بھاگ کر عیسائی حکومت اشتوراس کی بنیاد ڈالی تھی۔
۳- جلیقیہ			GALACIA	شمالی مغربی اسپین کا ایک بڑا صوبہ ہے سمندر سے اس کی اونچائی بہت ہے مغرب کے ساحل پر پہاڑ ہیں جن کا سلسلہ سمندر تک چلا گیا ہے۔		
	۱- دیر قسطان		ST. COSMO	صوبہ جلیقیہ میں ہے	قدیم نام کوسمو تھا	
	۲- وادی طبنو		BYONA	جلیقیہ کے مغربی ساحل کے قریب ایک میدان ہے		اس میدان میں بیونہ کا شہر ساحل پر واقع ہے۔
	۳- شنت بلایہ		SAM PAYO	نامعلوم۔		
	۴- شنت یاقب		SANTIAGO	صوبہ جلیقیہ کا مشہور شہر ہے۔		یعقوب حواری کا گرجا تھا۔ اسی شہر پر منصور حاجب کا مشہور حملہ ہوا تھا مسلمانوں کی فتوحات کی انتہائی حد تھا۔
	۵- شنت مانکش		COSMO DE MAYANCA	موجودہ شہر کرونہ کے قریب واقع تھا اب جائے وقوع نامعلوم ہے۔		
	۶- کرونہ		LACORUNA	صوبہ جلیقیہ کا مشہور ساحلی شہر ہے۔		
	۷- لک		LUGO	ایک صوبہ ہے اور اس کے صدر مقام کا نام بھی وادی منیکو کے کنارے آباد ہے۔		مسلم دور کی شہر پناہ مع برجوں کے اب تک موجود ہے۔

نام		انگریزی نام	تفصیل		تاریخ
۴ لیون		LEON	شمالی اسپین کا ایک صوبہ ہے۔ اس کے صدر مقام کا بھی یہی نام ہے۔ آبادی بہت کم ہے۔		۹۴ھ میں مسلمانوں نے قبضہ کیا۔ ۱۲۵ھ میں عیسائیوں کے پاس چلا گیا ۲۸۶ھ میں پھر مسلمان قابض ہو گئے ۵ھویں صدی ہجری میں ہمیشہ کے لئے عیسائیوں کے پاس چلا گیا۔
۱۔ سمورہ		ZAMORA	اسپین کا ایک صوبہ۔ اس کے صدر مقام کا نام ہے دریائے ڈویرو کے کنارے ایک پہاڑی پر آباد ہے۔		۹۳ھ میں مسلمانوں نے فتح کیا۔ ۱۳۴ھ میں عیسائیوں کے پاس چلا گیا۔ الناصر کے دور میں ایک نادر جنگ ہوئی تھی۔ یہ شہر سات فصیلوں کے اندر تھا۔
۲۔ سلمنکہ / سلمنقہ		SALAMANCA	ایک صوبہ اور اس کے صدر مقام کا نام ہے۔ دریائے ٹارمس کے کنارے آباد ہے۔		۹۳ھ میں مسلمانوں نے فتح کیا۔ ۱۳۴ھ میں عارضی طور پر لیون کے قبضہ میں چلا گیا۔ مسلمانوں نے دوبارہ قبضہ کر کے اس کو نئے سرے سے تعمیر کیا۔ مسلم تہذیب و تمدن کے غیر معمولی اثرات قائم تھے

۵ قشتالیہ قدیم — CASTILE — CASTILLA

یہ علاقہ شمالی و وسطی اسپین کے بڑے رقبہ پر مشتمل تھا جس کی حدود عیسائی اور مسلمانوں کے مابین گھٹتی بڑھتی رہتی تھیں۔ اسپینی زبان میں کسٹیلا کے معنی قلعے کے ہیں۔ عیسائی جب بھی مسلمانوں کا کوئی علاقہ لیتے تو اس کی سرحد پر بہت سے قلعے تعمیر کر دیتے تھے جن کی مناسبت سے اس حصہ کو کسٹیل یا کسٹیلا پکارا جاتا تھا۔ شمال کے جن علاقوں کو عیسائیوں نے مسلمانوں سے لیا ان کو وہ کسٹیلا لا ویجا (قدیم قشتالہ) کے نام سے پکارتے اور جنوب کے جن علاقوں کو انہوں نے فتح کیا ان کو کسٹیلا لا نیوا (قشتالیہ جدید) پکارا۔ آج کل قشتالہ قدیم میں جو علاقے شامل ہیں وہ دالیہ۔ برغوش۔ لوگرونو۔ پالنسیہ۔ شقوبیہ۔ سوریہ۔ سنتاندر۔ والا دولد کے صوبے ہیں۔ اور قشتالیہ جدید میں اشتابنیہ کا تمام علاقہ شامل ہے۔

قشتالیہ قدیم کے مندرجہ ذیل مقامات کا مسلم تاریخ سے واسطہ پڑا ہے

نام		انگریزی نام	تفصیل		تاریخ
۱۔ شقوبیہ		SAGOVIA	وسطی اسپین کا ایک صوبہ اور اس کے صدر مقام کا نام ہے۔		الداخل کے آنے سے قبل ہی عیسائیوں کے قبضہ میں چلا گیا تھا۔ حکومت قشتالیہ کا دارالحکومت بھی تھا
۲۔ برغش یا برغوش		BURGOS	شمالی اسپین کا ایک صوبہ اور اس کے صدر مقام کا نام ہے۔		

۲۔ وسمتہ		OSMA	صوبہ سوریہ میں واقع ہے۔		عیسائیوں اور مسلمانوں کے بہت سے معرکے بھی یہاں ہوئے تھے ۔
۳۔ شنت اشتیبان	یہ قلعہ بھی تھا	SANTESTEBAN	صوبہ سوریہ میں دریائے دودیرہ کے کنارے آباد ہے		
غرماج		GORMAZ			

فرانس کے وہ علاقے جن سے مسلمانوں کا قابل ذکر تعلق رہا۔

۱۔ اربونہ		NARBONNE	فرانس کا شہر ہے بحر روم کے ساحل سے ۵ میل پر واقع ہے	۱۱۸ق م میں رومیوں نے اس پر قبضہ کیا تھا۔	دور ولایت ہی میں مسلمانوں نے اس پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور تمام علاقہ مفتوحہ کا اس کو صدر مقام بنا دیا تھا
۲۔ ابنیون		AVIGNON	جنوب مغربی فرانس کے مشہور شہر لوزدن LAYON سے ۱۴۳ میل جنوب میں دریائے رودنہ RHONE کے کنارے پر ہے۔		
۳۔ بُرذیل		BORDEAX	جنوب مغربی فرانس کا قدیم ساحلی شہر ہے اس کو آج کل بوردو کہتے ہیں۔		۱۱۳ھ میں مسلمانوں نے اس پر قبضہ کیا تھا

جنوبی فرانس کے دو مشہور دریاؤں کے کنارے کے وہ شہر جو دور ولایت اسپین میں فتح ہوئے تھے

۱۔ دریائے رودنہ یا وادی رودنہ (THE RHONE)

ارل ARLES ۔ اوینون ARIGNON دالنس VALENCE لوزدن LAYONS اور اس سے ۱۵۰ میل شمال میں سینس SENS اربونہ سے ۵۰ میل کے فاصلہ پر قرقشونہ CARCASSONNA ۔ طولون یا طلوشہ TOULOUSE وغیرہ

۲. دریائے سون (THE SAONE)
ماکن MACON شالون CHALON اور اس کے مغرب میں بیونے BEAUNE آتون AUTUNE وغیرہ

شجرۂ نصب

سلاطین بنو اُمیّہ اسپین

شجرۂ نسب

سلاطین بنو امیہ اسپین

بنوامیہ اسپین کے سلاطین کا شجرہ نسب مندرجہ ذیل ہے۔ ان میں بہت سے ایسے افراد کا نام بھی دیا گیا ہے جو سلاطین نہ تھے۔ ایسا صرف اس لئے کیا گیا ہے کہ ان افراد کا تعلق تاریخ مسلم اسپین کے کسی نہ کسی واقع سے ضرور رہا ہے۔

حکم بن العاص

مروان

عبدالملک

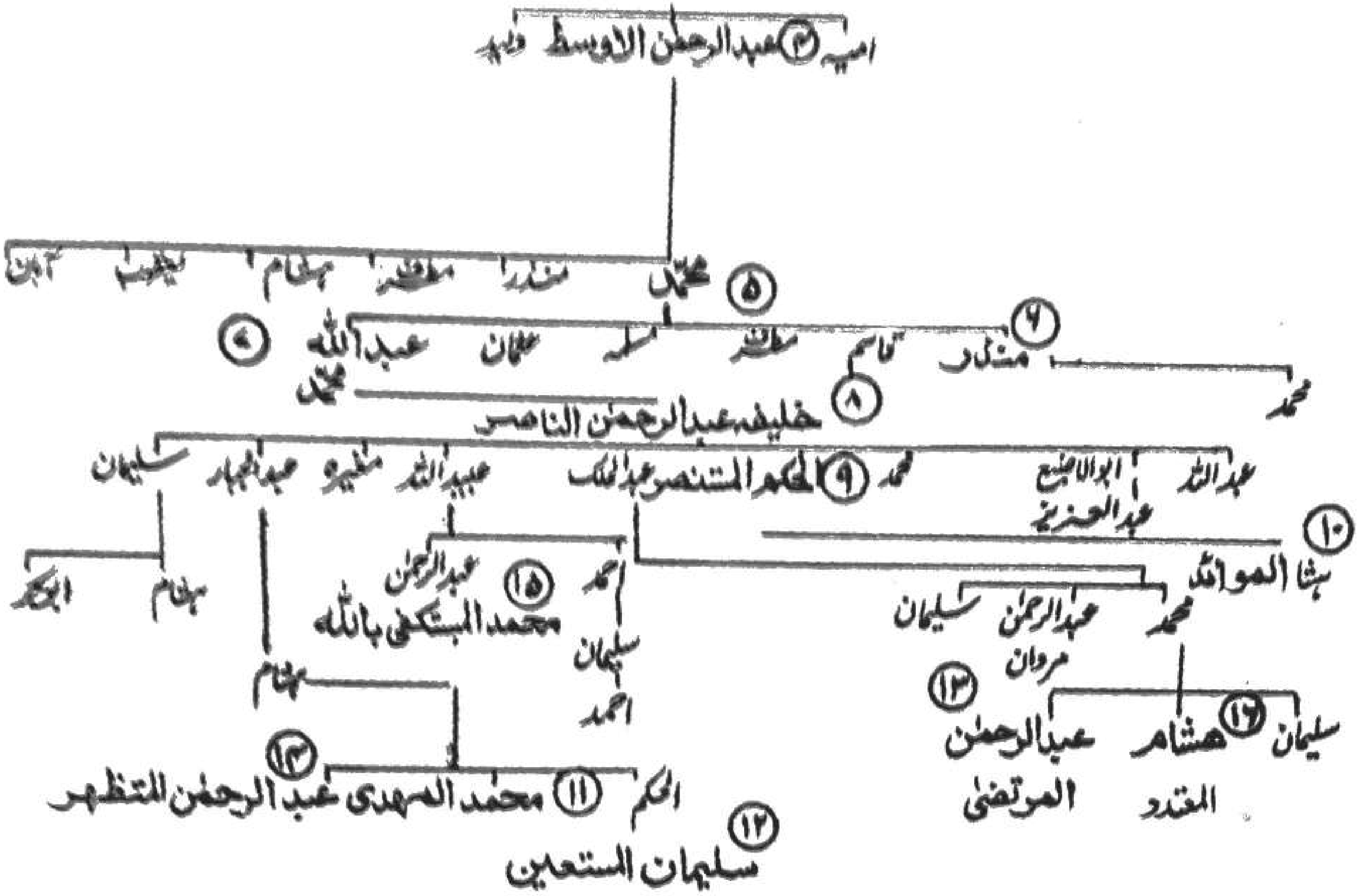
ہشام

معاویہ

عبیداللہ — آبان — (۱) عبدالرحمٰن الداخل — ولید — مغیرہ

سلیمان — (۲) ہشام اول — عبداللہ

احمد — (۳) الحکم اول — محمد



امیہ ④ عبدالرحمٰن الاوسط ولید
محمد ⑤ منذر مطرف ہشام یعقوب آبان
⑥ منذر قاسم مطرف اسلم عثمان عبداللہ ⑦
محمد
⑧ خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر
محمد
عبداللہ عبدالعزیز ابوالاصبغ محمد ⑨ الحکم المستنصر عبدالملک عبیداللہ مغیرہ عبدالجبار سلیمان
⑩ ہشام المؤید
محمد عبدالرحمٰن سلیمان
مروان
ہشام الحکم
⑮ احمد عبدالرحمٰن
محمد المستکفی باللہ
سلیمان
احمد
ہشام
⑬ سلیمان ⑯ ہشام عبدالرحمٰن
المعتمد المرتضیٰ
⑭ الحکم ⑪ محمد المہدی عبدالرحمٰن المستظہر
⑫ سلیمان المستعین

کتابیات

۱۔ نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب	علامہ مقری (عربی انگریزی ترجمہ اور اردو ترجمہ)
۲۔ تاریخ الکامل	ابن اثیر
۳۔ تاریخ العبر و دیوان المبتدا	عبدالرحمٰن ابن خلدون (عربی و اردو ترجمہ)
۴۔ مقدمہ ابن خلدون	عبدالرحمٰن ابن خلدون (عربی اردو ترجمہ)
۵۔ افتتاح الاندلس	ابن القوطیہ عربی (طبع مصر) اور انگریزی ترجمہ
۶۔ مجموعہ اخبار اندلس	مختلف مضامین (اردو ترجمہ)
۷۔ تاریخ اندلس (جلد اوّل)	سید ریاست علی ندوی
۸۔ عبرت نامہ اندلس	ڈوزی (اردو ترجمہ)
۹۔ اخبار الاندلس	اسکاٹ (اردو ترجمہ)
۱۰۔ کتاب البیان المغرب فی اخبار المغرب	ابن عذاری (طبع مصر) انگریزی ترجمہ
۱۱۔ کتاب البلدان	احمد بن ابی یعقوب معروف بہ یعقوبی (عربی)
۱۲۔ عیون الانباء فی طبقات الاطباء	ابن ابی اصیبعہ (انگریزی ترجمہ)
۱۳۔ الکتاب الملل والنحل	علی ابن حزم (عربی)
۱۴۔ الملل والنحل	ابو الفتح شہرستانی (عربی و اردو ترجمہ)
۱۵۔ مروج الذہب	مسعودی (عربی و اردو ترجمہ)
۱۶۔ تاریخ الخلفاء	علامہ جلال الدین سیوطی (عربی اور اردو ترجمہ)
۱۷۔ تاریخ الدولتین الموحدیہ والحفصیہ	علامہ زرکشی عربی (طبع قاہرہ) اور انگریزی ترجمہ)
۱۸۔ کتاب المونس	ابن ابی دینار (عربی اور انگریزی ترجمہ)
۱۹۔ کتاب المعجب	عبدالواحد مراکشی (اردو ترجمہ نعیم الرحمٰن ۱۹۲۲ء)
۲۰۔ ترجمان الاشواق	ابن العربی (عربی)

۲۱۔ مرآت الزمان	ابن الجوزی (عربی)
۲۲۔ تمدن عرب	لیبان (اردو ترجمہ بلگرامی)
۲۳۔ دولت ہسپانیہ	کونڈے (اردو ترجمہ از صدیق حسن لکھنؤ)
۲۴۔ کتاب التکملہ لی کتاب الصلہ	ابن الآبار (انگریزی ترجمہ)
۲۵۔ کتاب المسالک والممالک	ابوالقاسم ابن حوقل (انگریزی ترجمہ از کریمر ۱۹۳۸ء)
۲۶۔ وفیات الاعیاف	ابن خلکان (عربی اور انگریزی ترجمہ)
۲۷۔ مارسکوس	چارلس لی (اردو ترجمہ از خلیل الرحمٰن ۱۹۲۲ء)
۲۸۔ اندلس کا تاریخی جغرافیہ	محمد عنایت اللہ
۲۹۔ ڈھاکہ کے امام الدین صاحب کے مضامین جو JOURNAL OF PAKISTAN HISTORICAL SOCIETY	